تذکرہ علماء و مشائخ پاکستان و ہند

جلد اوّل

برِعظیم پاکستان و ہند کے علماء و مشائخ سلسلہ چشتیہ، قادریہ، شطاریہ و سُہروردیہ کے تحقیقی حالات

تالیف

محمد اقبال مجددی

پروگریسو بکس

تذکرہ
علماء و مشائخ
پاکستان و ہند

جلد اوّل

برِعظیم پاکستان و ہند کے عُلماء و مشائخ سِلسلہ چشتیہ،
قادریہ، شطاریہ و سُہروردیہ کے تحقیقی حالات

تالیف

محمد اقبال مُجدّدی

پروگریسو بکس
یُوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ
اردو بازار لاہور ☎ 37352795

کتاب	:	تذکرہ علماء و مشائخ پاکستان و ہند
جلد اوّل	:	برعظیم پاکستان و ہند کے علماء و مشائخ سلسلہ چشتیہ قادریہ، شطاریہ و سہروردیہ کے تحقیقی حالات
مولف	:	پروفیسر محمد اقبال مجددی
طابع	:	آر۔آر۔پرنٹرز
ناشر	:	چوہدری غلام رسول۔میاں جواد رسول۔میاں شہزاد رسول
سن اشاعت	:	۲۰۱۳ء
قیمت	:	=/ روپے

لائبریری کارڈ کیٹلاگ

محمد اقبال مجددی

تذکرہ علماء و مشائخ پاکستان و ہند

لاہور، پروگریسو بکس، ۲۰۱۳ء

۱۔ تذکرہ ہائی علماء و مشائخ ۲۔ سلاطین دہلی و مغلیہ

۳۔ تصوف، پاکستان و ہند ۴۔ تذکرہ علماء

۵۔ صوفیہ، سلسلہ چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ وغیرہ

۶۔ صوفیہ سلسلہ نقشبندیہ، احراریہ، علاقائی تذکرے

۷۔ عنوان کتاب

۹۲۲،۹۷

فہرست

صوفیہ کرام

سلسلہ چشتیہ

سلسلہ قادریہ

سلسلہ قادریہ شطاریہ

سلسلہ سہروردیہ، فردوسیہ، مغربیہ

نوٹ: ان میں سے بعض بزرگوں کی تحریروں کے عکس تذکرۂ حاضر کے آخر میں ملاحظہ کریں۔

محمد اقبال مجددی

(موکف کتاب حاضر)

پیدائش

۱۵ ستمبر ۱۹۵۰ء بمقام قصور (من مضافاتِ لاہور، پنجاب، پاکستان)

تعلیم

ایم اے تاریخ (درجہ اوّل) پنجاب یونیورسٹی، لاہور

تالیفات

۱۔ احوال و آثارِ سید شرافت نوشاہی، لاہور

۲۔ احوال و آثار عبداللہ خویشگی، قصوری، لاہور، ۱۹۷۲ء

۳۔ تذکرہ علماء و مشائخ پاکستان و ہند، لاہور، ۲۰۱۳ء

مرتبات

۴۔ مقاماتِ مظہری (احوال و افکار میرزا مظہر جان جاناں شہید (۱۱۹۵ھ/۱۷۸۱ء)

۵۔ حسنات الحرمین (ملفوظات خواجہ محمد معصوم سرہندی (ف ۱۰۷۹ھ/۱۶۶۸ء) تالیف خواجہ عبیداللہ مروج الشریعت (تحقیق متن، ترجمہ، حواشی، مفصل مقدمہ) موسیٰ زئی، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان، ۱۹۸۱ء

۶۔ ملفوظاتِ شریفہ شاہ غلام علی دہلوی، جامع خواجہ غلام محی الدین قصوری، تحقیق و تعلیق و تقدیم، لاہور ۱۹۷۸ء۔

۷۔ اثبات المولد والقیام، تحقیق وتقدیم، استنبول، ترکی۔

۸۔ رشحات عنبریۃ (احوال ومقامات شاہ احمد سعید مجددی) تحقیق وتقدیم، استنبول، ترکی۔

۹۔ حدیقۃ الاولیاء (پنجاب و نواحی آں کے صوفیہ کا تذکرہ) تالیف مفتی غلام سرور لاہوری، لاہور، ۱۹۷۵ء، دوم ۲۰۰۰ء۔

۱۰۔ لطائف المدینۃ (احوال خواجہ محمد سعید سرہندی ف ۱۰۷۱ھ / ۱۶۶۱ء) تالیف شیخ عبد الاحد وحدت سرہندی، تحقیق وتعلیق وترجمہ، لاہور، ۲۰۰۴ء۔

۱۱۔ مقاماتِ معصومی (احوال و تعلیمات خواجہ محمد معصوم سرہندی) تالیف صفر احمد معصومی، تحقیق وتعلیق و۔۔۔۔۔۔۔ترجمہ) جلد اول (مقدمہ مجددی تحریک جلد دوم، (اردو ترجمہ) جلد سوم فارسی متن، جلد چہارم (تعلیقاتِ وتوضیحات)، لاہور، ۲۰۰۴ء۔

۱۲۔ احوالِ مشائخ کبار (ملفوظات شیخ محمد اشرف شطاری لاہوری ف ۱۱۰۴ھ / ۱۶۹۳ء) تالیف شیخ سلیمان بن سعد اللہ لاہوری) تحقیق وتقدیم، اسلام آباد، ۲۰۰۰ء

۱۳۔ زاد المعاد (تذکرۂ خواجہ حسام الدین احمد ف ۱۰۴۳ھ / ۱۶۳۳ء) تالیف خواجہ کلاں بن خواجہ باقی باللہ" جلد اول (نقشبندی مشائخ کی سعی ہای احیائے دین، احوال و آثار حضرت خواجہ باقی باللہ، خواجہ حسام الدین احمد، خواجہ کلاں) جلد دوم (اردو ترجمہ)، جلد سوم (فارسی متن) جلد چہارم (تعلیقات وتوضیحات)، گوجرانوالہ، ۲۰۱۳ء۔

۱۴۔ معمولات مظہریہ (احوال وملفوظات و معمولات حضرت مظہر جانِ جانان شہید) تالیف شیخ نعیم اللہ بہڑائچی، ترجمہ وتعلیقات، زیر طبع

۱۵۔ بشارات مظہریہ (احوال و مکتوبات حضرت میرزا مظہر جانِ جانان شہید) تالیف نعیم اللہ بہڑائچی تحقیق وتعلیق وترجمہ، زیر طبع

۱۶۔ کمالاتِ مظہریہ (احوال حضرت میرزا مظہر جان جانانِ شہید) تالیف شاہ غلام علی دہلوی، زیر چاپ

۱۷۔ تذکرہ علمائے ساہووالہ (سیالکوٹ) تالیف محمد شہنواز الدین، تحقیق وحواشی، لاہور، ۱۹۷۱ء

۱۸۔ تذکرہ شرافت نوشاہی (احوال و سخنان) شریک مرتب ڈاکٹر عارف نوشاہی، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء

۱۹۔ رسائل در دفاع حضرت مجدد الف ثانی مولفہ وکیل احمد سکندر پوری، لاہور، ۲۰۱۱ء

۲۰۔ دفاع حضرت مجدد الف ثانی (رسائل کا مجموعہ)، گوجرانوالہ، ۲۰۱۲ء

مقالات

اب تک تقریباً ایک ہزار تحقیقی مقالات دنیا کے موقر جرائد میں طبع ہو چکے ہیں یعنی معارف (دارالمصنفین، اعظم گڑھ، برہان (ندوۃ المصنفین، دہلی)، مجلہ علوم اسلامیہ، (علی گڑھ)، اورینٹل کالج میگزین (لاہور) مجلہ تحقیق (لاہور)، صحیفہ (لاہور)، المعارف (لاہور) بصائر (کراچی)، اُردو دائرہ معارف اسلامیہ (پنجاب یونیورسٹی، لاہور)، دانشامہ جہان اسلام، (تہران ایران)، دانشامہ زبان وادب فارسی در شبہ قارہ (تہران، ایران)۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افتتاح سخن

۱۹۶۵ء کے آغاز کی بات ہے راقم نے میٹرک کا امتحان دیا تھا، نتیجہ آنے میں بھی تاخیر تھی کہ لاہور کی تاریخ پر لکھی جانے والی کتب پڑھ ڈالیں، ان میں لاہور کے صوفیہ کے ایک تذکرہ تحفۃ الواصلین کے حوالے نظر سے گذرے اس کی تلاش شروع کی تو معلوم ہوا کہ یہ تو کبھی طبع ہی نہیں ہوا، مخطوطات کی اصطلاح سے واقف تھا، پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں جاکر کئی فہارس مخطوطات دیکھیں، کوئی نشان نہ مل سکا، ناچار لاہور کی کتب تاریخ میں سے اس کے اقتباسات جمع کیے تو ان میں خاصا تضاد نظر آیا، موکف کا نام شیخ احمد زنجانی لکھا ہوا تھا، ان کے حالات کی جستجو ہوئی تو کوئی کامیابی نہ ہو سکی، کئی اصحاب علم و تحقیق کو خطوط لکھے، جواب نفی میں آئے، مذکورہ اقتباسات کی روشنی میں ایک مختصر سا مضمون لکھا، والد گرامی میاں نور محمد مرحوم کو سنایا، بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اسے دارالمصنفین، اعظم گڑھ (بھارت) کے رسالہ معارف میں بھیج دو، یقین فرمایئے کہ میں اس کم سنی میں نہ صرف دارالمصنفین سے واقف تھا بلکہ وہاں کے اہل قلم کے ساتھ مراسلت بھی تھی تحفۃ الواصلین کی جستجو کے دوران ان حضرات سے بھی رابطہ قائم کیا تھا، میں نے لڑکپن کا احساس کیے بغیر ہی اپنا مضمون دارالمصنفین بھیج دیا، جہاں سے یہ اس کے ماہنامہ معارف (نومبر ۱۹۶۷ء) میں شائع ہو گیا، میں بہت خوش ہوا کہ جہاں بڑے بڑے محققین کے مقالات چھپتے ہیں وہاں سے مجھ جیسے میٹرک کے ایک طالب علم کا مضمون طبع ہو گیا، یہ میرا پہلا مقالہ تھا جو لکھا اور شائع ہوا۔[1]

---

1 یہ مقالہ تذکرہ حاضر میں شامل ہے

گویا آغاز طالب علمی سے ہی علماء و صوفیہ کے افکار سے مناسبت ہو گئی جو بحمد للہ آج تک قائم ہے، اس دوران اسلامیہ کالج ریلوے روڈ، لاہور میں سالِ اوّل میں داخلہ ہو گیا، کالج کا میگزین کریسنٹ نکلتا تھا، میں اس میں مضامین لکھنے کی مشق کرنے لگا۔

اس کے بعد پاکستان و ہند کے کئی رسائل میں مضامین لکھے، اکثر مقالات کا موضوع علماء و صوفیہ کے احوال ہی تھا، نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔

تقریباً پندرہ سال پہلے حکومت ایران نے برصغیر پاکستان و ہند میں فارسی زبان و ادب کی عہد بعہد تاریخ اور ترقی کے سلسلہ میں ایک دانشنامہ[1] مرتب کروانے کا پروگرام بنایا تو پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے شعبہ فارسی کو اس کا مرکز قرار دے کر مقالات کے عنوانات کی ایک فہرست بھیجی یہ مقالات یہاں کی ایسی شخصیات کے علمی کارناموں پر تھے جنہوں نے اس زبان میں کتابیں تالیف کی تھیں، ان میں سے علماء و صوفیہ پر مقالات لکھنے کے لیے راقم عاجز کا انتخاب ہوا اور اس کی پہلی جلد (حرف الف) کے لیے ایک سو سے زیادہ مضامین مجھ سے لکھوائے گئے، جن کی تلخیص کر کے جدید فارسی تراجم اس میں شامل کیے گئے، اسی طرح اس کی دوسری جلد کے لیے بھی اس بے بضاعت کی خدمات لی گئیں لیکن افسوس کہ کئی مقالات ایرانی مرکز تہران کی عدم توجہی کے باعث تلخیص کرتے وقت بے کار ہو کر رہ گئے اور بعض دوسروں کے نام پر شائع کر دیئے گئے، اس لیے مناسب یہی سمجھا کہ ان مقالات کے اصل اُردو متون کتابی صورت میں شائع کر دیئے جائیں، جن کا ایک مجموعہ آپ کے سامنے ہے۔

مذکورہ دانشنامہ کے علاوہ دانشنامۂ جہان اسلام، تہران، اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، المعارف، لاہور، صحیفہ، لاہور، بصائر، کراچی، سرحد، کراچی، مجلۂ تحقیق، لاہور، تحقیق (حیدر آباد)، معارف (دارالمصنفین، اعظم گڑھ) اور برہان (ندوۃ المصنفین، دہلی) وغیرہ میں بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔

اس مجموعہ میں تقریباً ۲۱۰ شخصیات کے مختصر حالات بیان کیے گئے ہیں اور احوال کے بعد ان کی زندگی کے مآخذ کی فہرست دے دی گئی ہے تاکہ کوئی مزید تحقیق کرنا چاہے تو اسے ان کے نام مل جائیں۔

اس عاجز کو اپنی بے بضاعتی کا احساس ہے، قارئین کرام سے التماس ہے کہ میری کوتاہیوں کو نظر انداز

---

[1] دانشنامہ زبان و ادب فارسی در شبہ قارہ، زیر نظر فرہنگستان زبان و ادب فارسی، تہران، ایران

کرنے کی بجائے ان کی نشاندہی فرمائیں تا کہ اغلاط راہ نہ پا سکیں، ان مقالات کی تحریر کے دوران جن بزرگوں نے راہنمائی کی ان میں حضرت سیّد شریف احمد شرافت نوشاہی، حکیم محمد موسیٰ امر تسری، ڈاکٹر محمد ایوب قادری، مولوی شمس الدین اور خلیل الرحمٰن داؤدی مرحوم شامل ہیں۔

عزیز دوست جناب محمد عالم مختار حق نے نہایت مہربانی فرماتے ہوئے اس کی دونوں جلدوں کے پروف پڑھ دیئے جس سے میرے لیے آسانی پیدا ہو گئی، اتنا بڑا مجموعہ دھرے کا دھرا رہ جاتا اگر عزیزی محمد کاشف رضا اسے متعدد مرتبہ اس کے ناشر پروگریسو بکس کے ہاں نہ لے جاتے، انہوں نے اس کی اشاعت میں نمایاں حصہ لیا جس کے لیے ان کا شکر گذار ہوں۔

کتاب کے ناشر میرے لڑکپن کے دوست چودھری غلام رسول صاحب نے اسے اپنے اشاعتی پروگرام کا حصہ بنا کر علمی دنیا سے متعارف کروایا ہے، ان کے فرزندان صالح جواد رسول اور شہباز رسول نے اس کی کمپوزنگ کے لیے بھی مسلسل کوشش کی، کمپوزنگ کی صبر آزما کاوش میں محمد مدثر صاحب نے اہم کردار ادا کیا، ان سب احباب کے لیے سادہ الفاظ میں شکریہ ہی نہیں بلکہ قارئین سے دعا کی التماس ہے۔

تذکرۂ حاضر پاکستان و ہند کا کوئی باقاعدہ تذکرہ نہیں ہے بلکہ وقتاً فوقتاً جو مقالات احقر نے لکھے وہ یکجا کر کے یہ مجموعہ مرتب کر دیا گیا ہے۔

دار المورخین

۱۹۶۔بی، سبزہ زار، لاہور

عاجز

محمد اقبال مجددی

۲۲ دسمبر ۲۰۱۲ء

عُلماء

شیخ محمد اسماعیل لاہوری، محدث و مفسر

شیخ اسماعیل محد ـ ۰ ی (ف ۴۴۸ھ / ۱۰۵۶ء) کے حالات قدیم تذکروں میں نہیں ملتے مقامی روایات کے مطابق موصوف بخاری سادات میں سے تھے اور لاہور آنے والے مبلغین و محدثین میں قدیم شخصیت تھے، ظاہری و باطنی علوم کے جامع تھے۔ خاص طور پر تفسیر، حدیث اور فقہ کے امام تھے، اواخر ۳۹۵ھ / ۱۰۰۵ء کو لاہور تشریف لائے، آپ کہاں سے تشریف لائے اس امر کا علم نہیں ہے، کتاب تحفۃ الواصلین تالیف شیخ احمد زنجانی (آٹھویں صدی ہجری) میں ہے کہ ان کی مجلس وعظ میں عوام بکثرت شریک ہوتے اور ہزار ہا افراد نے ان کے مواعظ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا تھا۔ سب سے پہلے جس بزرگ نے لاہور میں قرآن مجید کا درس دیا وہ یہی شیخ اسماعیل بخاری تھے، (خزینۃ الاصفیا ۲ / ۲۳۰، حدیقۃ الاولیاء ۱۷۹) آپ کا مدفن لاہور میں ہے اس وقت ہال روڈ کیتھڈرل سکول کے ساتھ ایک بلند چبوترے پر مرجع خلائق ہے۔

ایک اور شیخ مولانا اسماعیل محدث لاہوری بھی تھے، جن کا سال وصال ۹۸۰ھ / ۱۵۷۲ء ہے، انہوں نے فقہ اور حدیث کی کتابیں شیخ الاسلام مولانا سیف الدین احمد شہید ہروی (ف ۹۱۶ھ / ۱۵۱۰ء) اور میر جمال الدین عطاء اللہ محدث صاحب روضۃ الاحباب (ف ۹۳۰ھ / ۱۵۲۳ء) کی خدمت میں پڑھیں اور سلسلۂ نقشبندیہ میں امیر عبداللہ ہروی معروف بہ میر قطبی (خلیفہ شیخ جلال واعظ ہروی بخاری) سے ارادتِ خاص رکھتے تھے، لاہور تشریف لائے اور یہاں علمی و روحانی خدمات انجام دیں وفات کے بعد لاہور ہی میں دفن ہوئے (گلزار ابرار ۲۵۴)۔

ایک اور شیخ اسماعیل الشاشی جو کہ شاش (چاچ) میں حضرت سید علی ہجویری معروف بہ گنج بخش لاہوری (متوفی بعد ۴۸۰ھ / ۱۰۸۷ء) کے معاصر تھے اور غزنی میں معروف کار تھے (کشف المحجوب ۲۶۴) کے بارے

میں قیاس کیا گیا ہے کہ وہ بھی لاہور آئے ہوں گے (مآثر لاہور ۲/ ۱۰۔۱۱) لیکن ان کے لاہور آنے کا کوئی معاصر ثبوت موجود نہیں ہے اور نہ ہی ان تینوں ہم نام بزرگوں کی کوئی تصنیف دریافت ہوئی ہے۔

مآخذ

۱۔ انجم رحمانی: مرقع لاہور، لاہور، ۲۰۱۰ء

۲۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیا، کانپور، ۱۸۷۳ء

۳۔ ایضاً: حدیقۃ الاولیاء تحقیق وحواشی، محمد اقبال مجددی، لاہور، ۲۰۰۰ء

۴۔ غوثی مانڈوی: گلزار ابرار مرتبہ محمد ذکی، پٹنہ، ۲۰۰۱.

۵۔ علی ہجویری، سیّد: کشف المحجوب تصحیح، تعلیقات محمود عابدی، تہران، ۱۳۸۴ش

۶۔ محمد اسلم: خفتگانِ خاک لاہور، لاہور، ۱۹۹۳.

۷۔ کنھیالال ہندی: تاریخ لاہور، لاہور، ۱۹۷۳

۸۔ Muhammad Latif: Lahore, its History, Lahore 1892

۹۔ ہاشمی فرید آبادی، سیّد: مآثرِ لاہور، لاہور، ۱۹۵۶ء

۲۱ مارچ ۲۰۱۱ء

برائے دانشنامہ ادبیات فارسی شبہ قارہ، تہران

شیخ پیر شیرازی لاہوری

پیر شیرازی آٹھویں صدی ہجری کے ایک عالم اور صوفی تھے۔

پیر شیرازی کا اصل نام سراج الدین تھا، موصوف حدود ۷۲۳ھ / ۱۳۲۳ء کو بخارا سے لاہور آئے اور بخارا ہی کے رہنے والے تھے۔ (Lahore, p.226) لیکن ان کے نام کی نسبت سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ اصلاً شیراز کے ہوں گے یا ان کے اجداد شیراز سے بخارا جا کر آباد ہو گئے ہوں گے اور ان کے نام کے ساتھ علاقائی نسبت شیرازی باقی رہنے دی گئی۔

جب آپ بخارا سے لاہور آئے تو یہاں مشہور علم پرور پادشاہ سلطان محمد تغلق (۷۲۰ھ۔۷۲۵ھ / ۲۰۔۱۳۲۵ء) کی حکومت تھی۔

آپ چونکہ بڑے عالم اور مدرس تھے عوام میں ان کے علمی تبحر کی وجہ سے بڑی مقبولیت تھی اس لیے حکومت کے اہل کاروں کی توجہ کا مرکز بن گئے، ملتان کے عامل نے ایک مرتبہ آپ کو پنجاب کی صوبائی حکومت میں کوئی خدمت تفویض کی، سلطان آپ کی حُسن کارکردگی سے بہت متاثر ہوا، بادشاہ ایک مرتبہ مختصر دورے پر لاہور آیا تو پیر شیرازی کو لاہور کا قاضی مقرر کرنے کی خواہش ظاہر کی، جسے انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پیر شیرازی ایک آزاد منش عالم اور صوفی تھے، بادشاہ اس روش پر بہت ناراض ہوا اور انہیں اس حکم عدولی پر موت کی سزا سنادی لیکن دیگر علماء واہل کارانِ حکومت نے بصد منت یہ سزا معاف کروادی (تاریخ لاہور ۱۵۲، Lahore, p. 226)

اس افسوسناک واقعہ کے بعد پیر شیرازی گوشہ نشین ہو گئے اور تمام دنیوی تعلقات منقطع کر دیئے (Lahore, p. 226)

پیر شیرازی چونکہ ایک ذی علم بزرگ تھے اور درس و تدریس شغل تھا، اس کے علاوہ دعوت و ارشاد کا سلسلہ الگ جاری کر رکھا تھا، اپنے ورود لاہور سے لے کر وفات تک یہ اشغال جاری رہے، مقامی مورخین نے یہ وضاحت نہیں کی کہ آپ نے گوشہ نشینی کی زندگی کیسے گذاری، سیّد محمد لطیف نے تو لکھا ہے کہ صرف دنیوی امور (یا امور مملکت) سے دست کش ہو گئے تھے (Lahore p. 226)

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ گوشہ نشینی و عزلت کے دوران بھی درس و تدریس اور دعوت و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھا لیکن کنھیالال نے معلوم نہیں یہ کیسے لکھ دیا کہ بادشاہ کی ناراضی اور پھر جاں بخشی کے واقعہ کے بعد آپ نے تعلیم و تلقین کا دروازہ ہی بند کر دیا اور تارک الدنیا ہو گئے۔ (تاریخ لاہور ۱۵۲)

مقامی تذکرہ نویسوں اور مورخوں نے پیر شیرازی کے سلسلۂ طریقت کا بھی ذکر نہیں کیا کہ ان کا کن مشائخ سے تعلق تھا یہاں تک کہ ان کا سالِ وفات بھی نہیں لکھا۔

پیر شیرازی جس حجرے میں عزلت گزیں ہوئے تھے وفات کے بعد اسی میں دفن کیے گئے۔ ان کا مزار لاہور میں جوڑے موری بازار (Jory Mori Bazar) جو چوک متی (Chock Matti) سے ذرا آگے ہے اس گلی کا نام ہی کوچہ پیر شیرازی ہے مزار کے ساتھ ایک مسجد بھی ملحق ہے، سیّد محمد لطیف کے زمانہ (۱۸۹۲ء) تک یہ مزار اپنی اصل حالت میں موجود تھا اور لاہور کی چند قدیم ترین عمارتوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ (Lahore p.226)

مقبرہ کی موجودہ عمارت ۲۰ صفر ۱۳۹۵ھ / ۳ مارچ ۱۹۷۵ء کو تعمیر ہوئی، پیر شیرازی کا کوچہ لاہور کے قدیم ترین محلوں اور آبادیوں میں سے تھا، عہد مغلیہ میں یہ علاقہ گذر بارز خان کہلاتا تھا۔ (ضمیمہ اورینٹل کالج میگزین ۱۹۴۷ء)

مآخذ

۱۔ چشتی، نور احمد: تحقیقاتِ چشتی، لاہور، مطبع پیسہ اخبار، ۱۸۶۸ء

۲۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: حدیقۃ الاولیاء، تحقیق و تعلیق، محمد اقبال مجددی، لاہور، ۱۹۷۶ء

۳۔ کلیم، محمد دین: مدینۃ الاولیاء، لاہور، ۱۳۹۶ھ

۴۔ کنھیا لال: تاریخ لاہور، لاہور، ۱۸۸۴ء

۵۔ نامی، غلام دستگیر: بزرگانِ لاہور، ۱۹۶۶ء

۶۔ نقوش لاہور نمبر، شمارہ ۹۲، فروری ۱۹۶۲ء

7- Muhammad Latif: Lahore, its History. Architectural Remains, Lahore, 1892

۲۲ جولائی ۱۹۹۸ء

برائے دانشنامہ کشبہ قارہ

مولانا شمس سراج عفیف

شمس سراج عفیف آٹھویں صدی ہجری / چودھویں صدی عیسوی کا ایک مورخ تھا، جو اپنی کتاب تاریخ فیروز شاہی کے باعث شہرت رکھتا ہے۔

شمس سراج عفیف کے حالاتِ زندگی مطبوعہ اور متعارف کتب میں نہیں ملتے صرف وہی نکات یک جا کر کے اس کی زندگی کے چند وقائع بیان کیے جا رہے ہیں جو اس نے اپنی مذکورہ کتاب میں خود لکھے ہیں۔ عفیف اس کی جدی نسبت ہے۔ اس کے دادا شمس شہاب عفیف تھے (تاریخ فیروز شاہی ۳۹) اس طرح اس نے اپنے پردادا کا نام ملک سعد الملک شہاب عفیف بتایا ہے (ایضاً ۳۷) جس دن سلطان فیروز شاہ کی ولادت ہوئی یعنی ۷۰۹ھ / ۱۳۰۹ء) اسی روز مؤلف شمس سراج کے دادا یعنی شمس شہاب عفیف تولد ہوئے (ایضاً ۳۹) یعنی مؤلف کے اجداد قصبہ ابوہر (Abu Har) من مضافات دیپال پور (Depal Pur) میں رہتے تھے جہاں اس کے پردادا ملک سعد الملک شہاب عفیف عہدہ دار تھے یعنی غیاث الدین تغلق کے سلطان بننے سے پہلے، ایلیٹ (Elliot) نے اس عہدہ کا ترجمہ محصل مالیات (Collector of the Revenue) کیا ہے۔ (History of India, Vol III p.269)

شمس سراج کے والد سلطان فیروز شاہ تغلق (۷۵۲۔۷۹۰ھ / ۱۳۵۱۔۱۳۸۸ء) کے ہاں ملازم تھے، حوادث و اخبار سے سلطان کو آگاہ رکھتے تھے۔ (تاریخ فیروز شاہی ص ۱۳۰) اور پھر وہ حصار فیروزہ کے مقام پر "شب نویسی خواصان" کے عہدہ پر بھی متمکن رہے (ایضاً ۱۲۷۔۱۴۵) انہیں مزار حضرت خواجہ نظام الاولیاء کی خدمت پر بھی مامور کیا گیا (ایضاً ۱۹۶) اس کے بعد وہ "دیوانِ وزارت" پر بھی متعین کیے گئے (ایضاً ۱۹۷) اس کے علاوہ وہ جاجنگر (Gajnager) میں بھی خدمات بجالاتے رہے (ایضاً ۱۶۳، ۱۷۲) اسی طرح نگر کوٹ کے محاصرہ کے دوران میں وہ سلطان کے ہمرکاب تھے (ایضاً ۱۸۶)

شمس سراج عفیف کا سال ولادت معلوم نہیں ہے البتہ اس نے لکھا ہے کہ جب فیروز شاہ ٹھٹھہ سے دہلی آیا تو میری عمر بارہ سال کی تھی (ایضاً ۳۱۰) فیروز شاہ ۷۶۳ھ / ۱۳۶۱ء کو واپس آیا اس اعتبار سے عفیف کا سال پیدائش حدود ۷۵۱ھ قیاسی طور پر متعین کیا جاسکتا ہے۔ (ریو: فہرست موزہ بریطانیہ ۱/ ۲۴۲)

شمس سراج کی پرورش شاہی محل میں ہوئی اور "اصحاب دیوان وزارت" کے ساتھ چالیس سال تک حوادث کا مشاہدہ کیا اور انہیں تاریخ کے صفحات پر یادگار بنا دیا (تاریخ فیروز شاہی ۱۰۵، ۲۸۱)

سلطان فیروز شاہ ہر سال جب شکار کے لیے جاتا تو شمس سراج عفیف بھی اس کے ہمرکاب ہوتا تھا (ایضاً ۳۲۱-۳۳۰) گویا اپنے عہد کے بہت سے واقعات کا وہ عینی گواہ ہے۔

شمس سراج کے والد کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیا (ف ۷۲۵ھ / ۱۳۲۵ء) کے خلیفہ خواجہ قطب الدین منور ہانسوی (ف ۷۵۷ھ / ۱۳۵۶ء) کے ساتھ بڑی عقیدت تھی، خود شمس سراج کو خواجہ ہانسوی کے جانشین شیخ نورالدین کے ساتھ خاص ارادت تھی۔ (ایضاً ۱۳۱-۱۳۲)

ریو نے شمس سراج کو براہ راست خواجہ قطب الدین منور کا عقیدت مند بتایا ہے جو اس کے اپنے قول کے خلاف ہے اس نے شمس سراج کا سال ولادت ۷۵۱ھ خود متعین کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خواجہ قطب الدین کے وصال کے وقت اس کی عمر صرف چھ سال تھی اس نے تاریخ فیروز شاہی کے جملہ "شیخ قطب الدین ـــ خواجۂ خواجہ این مورخ" میں "خواجۂ خواجہ" کی ترکیب پر غور نہیں کیا جس کا مطلب ہے کہ میرے خواجہ نور الدین کے خواجہ یعنی خواجہ قطب الدین منور ـــ

شمس سراج عفیف کی اب تک دو کتابوں کا علم ہو سکا ہے ایک مناقب سلطان محمد تغلق (تاریخ فیروز شاہی ۴۲) ایک اور عنوان خود عفیف نے دہلی پر منگولوں کے حملہ کے واقعات "ذکر خرابی دہلی" (ایضاً ۱۸۵) کے نام سے لکھے تھے لیکن یہ سب کسی بڑی کتاب جیسے تاریخ فیروز شاہی کے حصے معلوم ہوتے ہیں جداگانہ رسائل نہیں ہیں۔

شمس سراج عفیف کی جس کتاب نے اس کا نام زندہ رکھا ہے وہ تاریخ فیروز شاہی ہے جس میں سلطان فیروز شاہ تغلق (۷۵۲-۷۹۰ھ / ۱۳۵۱-۱۳۸۸ء) کے عہد کے واقعات درج ہیں، یہ کتاب ہندوستان پر تیمور کے

حملہ ۸۰۱ھ/۱۳۹۸ء کے دوران لکھی گئی (تاریخ فیروز شاہی ۳۱۴) جو پانچ اقسام پر مشتمل ہے ہر قسم کے اٹھارہ مقدمات ہیں، تمام دریافت شدہ نسخے ناقص ہیں، اس کا جو ایڈیشن مرتبہ مولوی ولایت حسین ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے ۱۸۹۱ء کو طبع ہوا تھا وہ بھی ناقص ہے، اس کے بعض اہم اقتباسات کا انگریزی ترجمہ ایلیٹ کی تاریخ ہندوستان (جلد سوم ص ۲۷۱-۳۷۳) میں شامل ہے۔ اسے اس موضوع کی مشہور کتاب تاریخ فیروز شاہی مؤلفہ ضیاء الدین برنی کا تکملہ کہنا درست ہے جو ۷۵۸-۷۶۲ھ/۱۳۵۶-۱۲-۹۳ء تک کے وقائع کو محیط ہے۔

عفیف کے والد، دادا اور پردادا سلاطین دہلی کے ہاں معزز عہدوں پر فائز تھے اس لیے اس نے اپنی مرتبہ تاریخ میں جو کچھ لکھا ہے اس میں ان کی روایات کو ترجیح دی گئی ہے، خود عفیف عرصۂ دراز تک فیروز شاہ کی ملازمت میں رہا اسے مختلف اہم واقعات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، گویا وہ خود چشم دید گواہ بھی ہے۔ اس نے فن تاریخ کا بہتر طور پر استعمال کیا ہے اس کے ہاں تاریخی فوائد قابل اعتنا ہیں وہ تاریخ کو ایک اعلیٰ درجہ کا علم تصور کرتے ہوئے اس سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ (Hardy, P: Historians of Medieval India, pp.40-55)

مآخذ

۱۔ شمس سراج عفیف: تاریخ فیروز شاہی، کلکتہ، ۱۸۹۱ء

۲۔ شمس اللہ قادری: مورخین ہند، حیدر آباد دکن، ۱۹۳۳ء

3- Elliot and Dowson: History of India as told by its own Historians, (rep.) Lahore, 1976

4- Hardy, P: Historians of Medieval India, London, 1960

5- Hodivala, S. H: Studies in Indo-Muslim History, a critical Commentary on Elliot and dowson's History of India, (Rep) Lahore, 1979.

6- Mohibbul Hasan: Historians of Medieval India, Delhi, 1982.

7- Nizanai, K.A : On Sources and Source Material, Delhi, 1995

8- Nizami, K.A. On History and Historian of Medieval India, Delhi, 1983

9- Phillips, C.h (ed) : Historians of India, Pakistan and Ceylon, London, 1961
10- Rieu, ch: Cat, of Persian Manuscripts in British Museum, London 1897
11- Storey , C.A: Persian Literature, London, 1972

۱۵ اکتوبر ۲۰۰۵ء

برائے دانشنامہ کشمیر قاہرہ

میاں تاج الدین عبدوسی، (ملک اختسان دہلوی)

تاج عبدوسی آٹھویں صدی ہجری کا ایک انشاپرداز، مؤلف اور مورخ تھا۔

تاج عبدوسی کا پورا نام محمد صدر علا احمد حسن دبیر عبدوسی ملقب بہ تاج معروف بہ اختسان یا ملک اختسان ہندی دہلوی تھا۔

اس کے حالات مروجہ کتب تاریخ اور تذکروں میں نہیں ملتے اس نے اپنی تصنیف بساتین الانس کے دیباچہ میں بتایا ہے کہ اس نے ۷۲۶ھ میں یہ کتاب لکھی اس وقت میری عمر صرف ۲۶ سال تھی اس اعتبار سے اس کی ولادت ۷۰۰ھ (۷۲۶۔ ۲۶) کو ہوئی۔ اس وقت ہندوستان پر محمد شاہ بن تغلق (۷۲۵۔ ۷۵۲ھ / ۱۳۲۵۔ ۱۳۵۱ء) کی حکومت تھی۔ وہ شاہی دربار سے وابستہ تھا یعنی دیوان الانشاء میں سیکرٹری کے عہدہ پر فائز تھا۔

محمد بن تغلق کے پیش رو ابو المظفر غیاث الدین تغلق (۷۲۰۔ ۷۲۵ھ / ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۵ء) کے ہاں بھی تاج دبیر کے معزز عہدے پر متمکن تھا۔ سلطان غیاث الدین تغلق کے ۷۲۵ھ / ۱۳۲۵ء کو ترہٹ (Tirhut) کا محاصرہ در پیش تھا تو تاج عبدوسی بھی سلطان کے ہمرہ تھا اس نے بتایا ہے کہ کس طرح کی تکالیف اٹھا کر وہ سلطان کے ہمراہ دہلی پہنچا، وہ اس تکلیف دہ سفر میں بیمار پڑ گیا تو سلطان کے شاہی طبیب حکیم محمد خجندی کے علاج سے تندرست ہوا۔

تاج عبدوسی نے سلطان محمد بن تغلق کی شان میں ایک پر زور قصیدہ لکھ کر پیش کیا تو سلطان نے اس کی قدر کرتے ہوئے اُسے ساٹھ ہزار دینار اور ساٹھ گھوڑے عنایت کیے۔ (فہرست مخطوطات فارسی، موزہ برطانیہ ۲ / ۷۵۲)۔

تاج عبدوسی سلاطین تغلق کے ہاں ایک مشاق منشی، انشاپرداز اور دبیر کی حیثیت سے معروف تھا، اُسے ان سلاطین کے درباروں تک رسائی تھی، وہ فن شعر گوئی میں اس قدر مہارت رکھتا تھا کہ محمد بن تغلق جیسے مشکل

پسند شہنشاہ نے اُسے گراں قدر انعامات دیئے۔ اس کا کوئی شعری مجموعہ تو محفوظ نہیں ہے بلکہ اس نے اپنی کتاب بساتین الانس میں عربی وفارسی کے جو اشعار دیئے ہیں ان سے بھی اس کی شعر فہمی اور انتخاب کی داد دینا پڑتی ہے۔ (فہرست مخطوطات فارسی، موزہ برطانیہ ۲/ ۷۵۲) تاج اصلاً دہلی کا باشندہ تھا۔ (ہمانجا ۲/ ۷۵۳)

تاج عبدوسی کی اب تک صرف ایک ہی تصنیف یعنی بساتین الانس یا تاریخ تغلق شاہ دریافت ہوئی ہے۔ جو اس نے ۲۶ سال کی عمر میں لکھی تھی۔ اس کا سال تصنیف ۷۲۶ھ/ ۱۳۲۵ء ہے یہ کتاب کلیلہ ودمنہ اور مرزبان نامہ کی طرز پر لکھی گئی ہے، اس کا موضوع مسائل سیاسی اور کشور داری ہے۔ (نشریہ نسخہ ہائے خطی ۵/ ۵۶۰) اس داستان کا سارا خاکہ ہندوستانی ہے۔ اوجین (Ujjain) اور قنوج (Qannuj) کے راجے اس داستان کے مرکزی کردار ہیں (فہرست مخطوطات فارسی موزہ، برطانیہ ۲/ ۷۵۲) یہ کتاب محمد بن تغلق کے پہلے سالِ حکومت ۷۲۶ھ/ ۱۳۲۵ء کو تالیف ہوئی ہے۔ اور اس کی تاریخی اہمیت یہ ہے کہ یہ سلطان غیاث الدین تغلق کے محاصرہ ترہٹ کی ایسی روداد پیش کرتی ہے جو ایک چشم دید گواہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ ترہٹ سے دہلی تک کے سفر واپسین میں سلطان کے ہمراہ تھا۔ (Tughluq Dynasty, p. 575)

بساتین الانس فارسی نثر میں ہے اور اس میں مسجع ومقفع زبان استعمال کی گئی ہے۔ مؤلف دبیرانہ اور انشا پردازانہ طریق نگارش میں اپنے پیش رو مصنفین سے کم نہیں تھا، دقیق زبان نے اسے تاریخ سے زیادہ زبان وادب فارسی کا شاہکار بنا دیا ہے اور تاریخی مطالب پس منظر میں چلے گئے ہیں۔

بساتین الانس کے خطی نسخے کمیاب ہیں اب تک دو نسخوں کا علم ہوا ہے۔ مکتبہ عارف حکمت، مدینہ منورہ، مکتوبہ ۸۷۴ھ (نشریہ نسخہ ہائے خطی ۵/ ۵۶۰ھ، فہرستوارہ کتابہائے فارسی ۲/ ۱۱۴۵)

دوسرا نسخہ موزہ برطانیہ کے کتابخانہ میں ہے جو ۱۰۷۴ھ کا مکتوبہ ہے۔

(فہرست مخطوطات فارسی ۲/ ۷۵۲، نمبر ۷۷۱۷ add.)

مآخذ

۱۔ منزوی، احمد: فہرستوارہ کتابہائے فارسی۔ تہران، ۱۳۷۵ء

۲۔ نشریہ نسخہ ہائے خطی (کتابخانہ مرکزی دانشگاہ تہران)، تہران، ۱۳۴۶ش

3- Hardy, P: Historians of Medieval India, London, 1960
4- Mehdi Husain: Tughluq Dynasty, Allahabad, 1961
5- Riue, C: Cat. Of Persian Manuscripts in British Museum, London, 1881 (Vol. II)

۱۳ جولائی ۱۹۹۸ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

مولانا قاضی شہاب الدین احمد دولت آبادی

قاضی شہاب الدین احمد دولت آبادی نویں صدی / سولھویں صدی عیسوی کے اکابر علماء ومشائخ میں سے تھے وہ کثیر التصانیف اور "ملک العلماء" بھی تھے۔

قاضی شہاب الدین احمد بن شمس الدین عمر زاولی غزنوی کا تعلق افغانستان کے زابلستان کے شہر غزنی سے تھا (تاریخ فرشتہ ۲ / ۳۰۶) ان کی ولادت دولت آباد دہلی میں ہوئی (اخبار الاصفیا برگ ۶۲ ب سبحۃ المرجان ۹۵ مآثر الکرام ۱۸۸) اور دولت آباد دکن میں نشو ونما ہوئی (تاریخ فرشتہ ۲ / ۳۰۶) سال ولادت حدود ۷۵۰ھ / ۱۳۴۹ء ہے (دیار پورب میں علم اور علماء ۱۳۴) آپ نے مولانا عبد المقتدر شریحی کندی تھانیسری (ف ۷۹۱ھ / ۱۳۸۹ء) اور مولانا خواجگی دہلوی (ف ۸۰۹ھ / ۱۴۰۶ء) سے مروجہ علوم کی تحصیل کی ان دونوں حضرات نے قاضی شہاب الدین احمد کی زندگی سنوارنے اور تربیت کرنے کا خاص اہتمام کیا (سُبحۃ المرجان ۹۵، اخبار الاخیار ۳۰۱) تحصیل کے بعد آپ نے دہلی میں درس وتدریس کا آغاز کیا، پھر فتنہ تیموری کے دوران آپ دہلی سے اپنے استاد مولانا خواجگی کے ہمراہ پہلے کالپی (Kalpi) اور پھر جونپور جا کر مقیم ہوگئے۔ (سبحۃ المرجان ۹۵، تذکرہ علمائے ہند ۲۳۹) کالپی سے دہلی آئے اور پھر دہلی سے جونپور کے لیے روانہ ہوئے (اخبار الاخیار ۳۶۰) تو قاضی صاحب کے ساتھ ان کی صاحبزادی، داماد شیخ نصیر الدین اور ان کے والد شیخ نظام الدین غزنوی بھی تھے۔ (تذکرہ علماء ہند ۲۳۹)

جونپور (Jaunpur) پر ان دنوں سلاطین شرقی کی حکومت تھی جو بہت علم دوست اور علماء نواز تھے سلطان ابراہیم شاہ شرقی (۸۰۳۔ ۸۴۴ھ / ۱۴۰۰۔ ۱۴۴۰ء) نے استقبال کیا۔ قاضی صاحب کے استاد قاضی عبد المقتدری ہمراہ تھے سلطان ان کا انتہائی عقیدت مند تھا وہ شہزادگان سمیت ان دونوں کے وعظ کی مجالس میں شریک ہوتا تھا (تذکرۃ العلماء جونپور ۶۱۷، سبحۃ المرجان ۹۶)

سلطان نے قاضی شہاب الدین احمد کو "ملک العلماء" کا خطاب دیا۔ (تذکرۃ العلماء ۱۳، تذکرہ علمائے ہند ۲۳۹)

قاضی شہاب الدین کا علمی تبحر اور تدریس کا شہرہ عروج پر تھا کہ مشہور صوفی شیخ اشرف جہانگیر سمنانی (وفات حدود ۸۳۲ھ) جونپور تشریف لائے۔ تو سلطان نے ملاقات سے پہلے قاضی شہاب الدین احمد کو ان کی خدمت میں بھیجا، دوسرے دن وہ ایک بڑی جماعت کے ساتھ خود حاضر ہوا، اس کی فوج ان دنوں چنار (Chinar) کا محاصرہ کیے ہوئے تھی، سلطان نے فتح مندی کے لیے دعا کی درخواست کی، شیخ نے فتح کی بشارت دی، قاضی شہاب الدین تو شیخ کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ ان سے بیعت کر لی اور پھر خلافت یاب ہوئے۔ (لطائفِ اشرفی ۱/ ۴۱۰) شیخ اشرف جہانگیر نے قاضی صاحب کو ایک مکتوب لکھا جس کا متن اخبار الاخیار میں منقول ہے (۳۵۹۔ ۳۶۰) ان کے علاوہ شیخ احمد عبدالحق ردولوی (ف ۸۳۷ھ / ۱۴۳۳ء) کی بھی سلطان ابراہیم شرقی کے دربار میں قاضی صاحب کو ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور دونوں میں قرابت داری اور ارادت کا سلسلہ قائم ہو گیا۔ (انوار العیون ۱۰۲)۔

قاضی شہاب الدین دولت آبادی شعر و شاعری کا عمدہ ذوق رکھتے تھے قاضی عبدالمقتدر جیسے فصیح العصر کی ہم نشینی نے ان کے اس ذوق کو جِلا بخشی، بقول شیخ عبدالحق محدث "سلیقۂ شعر نیز دارد" (اخبار الاخیار ۳۶۰) ان کو فنِ شاعری میں مہارت تامہ حاصل تھی (خزینۃ الاصفیاء ۱/ ۳۹۰) لیکن ان کے اشعار زیادہ نہیں ملتے اخبار الاخیار (۳۶۰) میں ان کا ایک قطعہ نقل ہوا ہے، قاضی صاحب کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا ان میں سے شیخ صفی الدین ردولوی چشتی، شیخ رضی الدین ردولوی، شیخ فخر الدین ردولوی، شیخ محمد بن عیسیٰ جونپوری (ف ۸۷۰ھ / ۱۴۶۵ء) مولانا عبدالملک عادل جونپوری (ف ۸۹۷ھ / ۱۴۹۱ء) مولانا قطب الدین ظفر آبادی (ف ۸۶۹ھ / ۱۴۶۴ء)، مولانا علاء الدین جونپوری، وغیرہم کے حالات علماء کے تذکروں میں ملتے ہیں۔

قاضی شہاب الدین احمد کثیر التصانیف عالم تھے جن کی شہرت عرب و عجم تک تھی (سُبحۃ المرجان ۱/ ۹۶) ان کی اب تک مندرجہ ذیل کتب کے نام کتابوں میں ملتے ہیں ان میں سے بعض کے خطی نسخے دنیا کے مختلف کتب خانوں کی زینت ہیں۔

۱۔ الارشاد فی النحو۔ ۲۔ حواشی کافیہ۔ ۳۔ بدیع البیان۔ ۴۔ جامع الصنائع۔ ۵۔ تفسیر بحر المواج۔ ۶۔ شرح اصول بزدوی۔ ۷۔ رسالہ در تقسیم علوم۔ ۸۔ مناقب السادات۔ ۹۔ المصباح۔ ۱۰۔ فتاویٰ ابراہیم شاہی۔ ۱۱۔ عقیدہ شہابیہ۔ ۱۲۔ شرح قصیدہ بانت وسعاد۔ ۱۳۔ شرح قصیدہ بردہ۔ ۱۴۔ رسالہ معارضہ۔ ۱۵۔ ہدایۃ السعداء۔ ۱۶۔ رسالہ در طہارت زباد۔ ۱۷۔ رسالہ در افضلیت عالم بر سید۔ ۱۸۔ تفسیر آیۃ "فسحقا لاصحاب السعیر" (دیار پورب میں علم اور علماء ۱۹۳۔۲۰۹)

ان میں سے تفسیر بحر مواج فارسی میں ہے اور کئی جلدوں میں ہے۔ یہ سلطان شمس الدین ابو المظفر ابراہیم شاہ کے نام معنون کی گئی ہے، پھر دریافت شدہ خطی نسخوں میں کامل ترین نسخہ کتابخانہ فاضلیہ، گڑھی افغانان، پنج کٹھ میں ہے (اختر راحی: فکر و نظر، اسلام آباد اکتوبر ۱۹۷۵ء) قاضی صاحب کی کتاب جامع الصنائع بھی فارسی میں ہے۔ (لطائف اشرفی ۱/ ۳۹۱)

قاضی شہاب الدین دولت آبادی کا وصال ۲۵ رجب ۸۴۸ھ کو ہوا اور جونپور میں ہی سپرد خاک کیے گئے (اخبار الاخیار ۳۶۰) سال وفات میں ایک سال کا اختلاف ہے، مقامی تذکرہ نویس خیر الدین محمد جونپوری نے ۸۴۹ھ لکھا ہے (تذکرۃ العلماء ۱۵) اس طرح اخبار الاصفیاء، سبحۃ المرجان، کشف الظنون، تذکرہ علمائے ہند اور نزہۃ الخواطر کے مولفین نے موخر الذکر سنہ وفات ہی درج کیا ہے۔ لیکن ہم نے اخبار الاخیار کو تقدم زمانی کے باعث ترجیح دی ہے۔ جونپور میں جانب جنوب مسجد سلطان کے جوار میں دفن ہوئے (تذکرۃ العلماء ۱۵) ان کی قبر راج کالج کے احاطہ میں تھی۔ ان کی نرینہ اولاد نہیں تھی صرف ایک صاحبزادی تھیں جن کا عقد شیخ نصر الدین غزنوی ثم دہلوی سے ہوا جن کے بطن سے تین نواسے شیخ صفی الدین، شیخ رضی الدین اور شیخ فخر الدین تولد ہوئے ان سب نے قاضی صاحب سے تحصیل کی، (دیار پورب میں علماء اور علم ۲۱۰)

مآخذ

۱۔ آزاد، میر غلام علی بلگرامی: مآثر الکرام، لاہور ۱۹۷۱ء

۲۔ ایضاً: سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، علی گڑھ، ۱۹۷۶ء

۳۔ اختر راہی: کتب خانہ فاضلیہ کے مخطوطات، مقالہ مشمولہ فکر و نظر، اکتوبر ۱۹۷۵ء

۴۔ اطہر مبارک پوری، قاضی: دیار پورب میں علم اور علماء، دہلی، ۱۹۷۹ء
۵۔ اقبال احمد: تاریخ شیراز ہند جونپور، جونپور ۱۹۶۳ء
۶۔ حاجی خلیفہ: کشف الظنون مرتبہ محمد شرف الدین یالتقایا، استنبول، ۱۹۵۸ء
۷۔ خیر الدین محمد جونپوری: تذکرۃ العلماء مرتبہ محمد ثناء اللہ، کلکتہ، ۱۹۳۴ء
۸۔ رحمٰن علی: تذکرہ علماء ہند ترجمہ وحواشی محمد ایوب قادری، کراچی، ۱۹۶۱ء
۹۔ عبد الحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار مرتبہ علیم اشرف خان، تہران، ۱۳۸۳ء
۱۰۔ عبد الصمد اکبر آبادی: اخبار الاصفیاء، خطی: مخزونہ کتابخانہ انڈیا آفس لندن نمبر ۶۴۱۔Ethe
۱۱۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، کانپور ۱۲۸۴ھ
۱۲۔ فرشتہ، محمد قاسم: تاریخ فرشتہ، کانپور، مطبع نولکشور، ۱۸۷۴ء
۱۳۔ نظام غریب یمنی: لطائف اشرفی، دہلی، ۱۲۹۸ھ
۱۴۔ محمد سعید، میاں: تذکرہ مشائخ شیراز ہند (جونپور)، لاہور، ۱۹۸۵ء
15- Muhammad Saeed: Sharqi Sultanate of Jaunpur, Karachi, 1972.

۳ / اکتوبر ۲۰۰۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

حضرت مولانا شیخ احمد تھانیسری

شیخ احمد بن محمد تھانیسری نویں صدی ہجری کے مشہور فقیہہ، ادیب، شاعر، مفسر اور شیخ طریقت تھے۔
شیخ احمد کا تعلق قصبہ تھانیسر (Thanesar ضلع کرنال، مشرقی پنجاب) سے تھا۔
آپ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی چشتی (ف ۷۵۷ھ / ۱۳۵۶ء) کے خلیفہ تھے (اخبار الاخیار ۱۴۵)
شیخ چراغ دہلی کے زمانے میں ہندوستان کی فکری فضا میں ہیجانی کیفیت پیدا ہو گئی تھی، جس کی وجہ علامہ ابن تیمیہ (ف ۶۲۲ھ / ۱۲۲۵ء) کے صوفیہ اور تصوف کے خلاف نظریات کی عالم اسلام میں تیزی سے اشاعت اور محمد بن تغلق (۲۵۔۷۵۲ھ / ۱۳۲۵۔۱۳۵۱ء) کا ان نظریات سے متاثر ہو کر صوفیۂ ہند کے ساتھ بد سلوکی کرنا خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ حضرت چراغ دہلی نے اس آزمائش میں جس ثابت قدمی سے حالات کا مقابلہ کر کے صوفیہ اور تصوف کے احیاء کے لیے کوشش کی وہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے جو اقدام کیے ان میں علماء و صوفیہ کے درمیان جو خلا حائل کر دی گئی تھی اُسے پر کرنے کی کمی بھی شامل ہے۔ انہوں نے اپنے حلقے میں اکابر علماء کو شامل کیا۔ مولانا شیخ احمد تھانیسری اس سلسلے کی ایک اہم کڑی تھے۔

مولانا تھانیسری اتنے بڑے عالم تھے کہ انہوں نے فقہ حنفی کی معروف ترین کتاب ہدایہ (مولفہ مولانا برہان الدین مرغینانی) کی فرو گزاشتوں کو امیر تیمور کی مجلس میں موکف کتاب کے پوتے جو امیر تیمور کے عہد میں شیخ الاسلام کے منصب پر فائز تھے کی موجودگی میں بیان کیا تو شیخ الاسلام کے سوال کرنے پر کہ وہ غلطیاں کون کونسی ہیں مولانا تھانیسری نے اپنے فرزندوں اور شاگردوں کو اس کا جواب دینے کا اشارہ کیا (ہمانجا ۱۴۵) مولانا تھانیسری نے دہلی میں نشوونما پائی اور قاضی عبد المقتدر شریحی کندی تھانیسری دہلوی (ف ۷۹۱ھ / ۱۳۸۸ء) سے تحصیل علم کیا (نزہۃ الخواطر ۳ / ۸) جب امیر تیمور نے ہندوستان پر حملہ (۹۹۔۱۳۹۸ء) کیا تو مولانا احمد تھانیسری گرفتار

ہو کر تیمور کے دربار میں پہنچے لیکن جب تیمور کو ان کے تبحر علم کا پتہ چلا تو اس نے رہا کر دیا تیمور کے دربار میں ہی شیخ الاسلام نبیرۂ مولانا مرغینانی سے مباحثہ کا تذکرہ کیا جا چکا ہے (اخبار ۱۴۵)

شیخ احمد تھانیسری اس واقعہ کے بعد دہلی سے کالپی (Kalpi قصبہ واقع ضلع جالان یوپی، ہندوستان) جا بسے۔ ان کے رفیق کار اور عزیز دوست مولانا خواجگی اس واقعہ سے پہلے ہی کالپی چلے گئے تھے (ہمانجا ۱۴۵)

شیخ احمد کی باقی عمر کالپی میں ہی درس و تدریس اور تربیت مریدین میں گذری وہیں ۸۲۰ھ / ۱۴۱۷ء میں فوت ہوئے (خزینۃ الاصفیاء ۱/ ۳۷۹) اور کالپی کے قلعہ کے اندر ان کا گنبد دار مزار ہے (اخبار الاخیار ۱۴۵)

مولانا تھانیسری نے اپنے استاد قاضی عبدالمقتدر کندی دہلوی کے معرکۃ الآراء نعتیہ قصیدہ (لامیۃ العجم) کی طرح عربی میں قصیدہ دالیہ لکھا جو نہ صرف عربی ادب بلکہ نعتیہ لٹریچر میں شاہکار کا درجہ رکھتا ہے (ہمانجا ۱۴۵)

رواج کے مطابق تشبیب کے بعد قصیدہ کے اصل موضوع کا آغاز اس طرح کیا گیا ہے۔ اب لیلیٰ اور اس کے ہم نشینوں کا تذکرہ ختم کر دے اور رسول اللہ ﷺ کی تعریف بیان کر (CONTRIBUTION OF IND-O-PAKISTAN, P.242)

تذکرہ نویسوں نے اس نعتیہ قصیدہ کے مختلف اشعار نقل کیے ہیں ملاحظہ ہو:

اخبار الاخیار ص ۱۴۵۔ ۱۴۶ کل ۲۵ ابیات، سبحۃ المرجان ۱/ ۹۳۔ ۹۴، ابیات ۱۹، نزہتہ الخواطر ۱۴۱۔ ابیات

شیخ احمد تھانیسری نے عربی میں قرآن مجید کی ایک تفسیر بھی لکھی تھی جس کا نام کاشف الحقائق و قاموس الدقائق ہے اس کا ایک خطی نسخہ کتابخانہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، کلکتہ کے کتب خانے میں ہے (نمبر A-E-20 بحوالہ زبید احمد ص ۲۷۳)

یہ ایک صوفیانہ طرز کی تفسیر ہے۔ اس کی زبان و بیان سادہ اور عام فہم ہے۔ موکف نے وجہ تالیف بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ اکثر کتب تفسیر صرف "شریعت و عربیت" کے مطالب پر مشتمل ہیں کوئی تفسیر بھی ایسی نہیں ہے جو طریقت و حقیقت کی باریکیوں کو بیان کرے۔ لہٰذا میں نے ارادہ کیا کہ ایک ایسی مختصر تفسیر لکھوں جو الہٰیات کے اسرار و رموز پر مشتمل ہو (ص ۲)

---

[1] مولانا امتیاز علی عرشی نے الدالیہ مرتب کیا تھا جو رسالہ ثقافۃ الہند، جون ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا (نذر عرشی ۴۴)

یہ قرآن پاک کی مکمل تفسیر ہے آغاز میں بہت تفصیل سے کام لیا گیا ہے لیکن رفتہ رفتہ یہ انداز بدل کر مختصر ہوتا گیا ہے۔ آیات کی تفسیر کے دوران موکف نے صوفیہ کی بعض روایات بھی نقل کی ہیں جیسے ابن عطاء، حسن بصری، دینوری، قشیری، رومی، شمس تبریزی اور سعدی وغیرہ کے اقوال بھی دیئے ہیں۔

سورۂ یوسف کی تفسیر کے آغاز میں موکف نے قرآن مجید کے خطی، لفظی اور ذہنی وجود کو ثابت کیا ہے (ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں ۲۴۔۲۷) عبدالحی حسنی نے اہل ہند کی کتب تفسیر کا تذکرہ کرتے ہوئے اس تفسیر کا ذکر کیا ہے (الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند ص ۱۶۴) لیکن اپنی دوسرے مشہور تالیف نزہۃ الخواطر (۳/ ۸) میں جہاں شیخ احمد تھانیسری کے حالات لکھے ہیں وہاں اس کا سرے سے نام تک نہیں لیا۔ اسی طرح معلوم نہیں کہ محمد سالم قدوائی نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ میں موکف کا نام محمد بن احمد بن محمد شریحی تھانیسری گجراتی کیوں لکھ دیا؟ (ہندوستانی مفسرین ص ۲۴) لیکن موکف کا جو سالِ وفات (۸۲۰ھ) دیا ہے وہ انہی شیخ احمد تھانیسری کا ہے (ہمانجا ۱۳، ۳۴۰) اسی طرح زبید احمد نے تفسیر محمدی مولفہ محمد بن احمد بن نصیر میاں جیو اور اس تفسیر (کاشف الحقائق) کو کسی غلط فہمی کی بنا پر ایک ہی سمجھ لیا ہے (CONTRIBUTION OF IND-O-PAK P.273)

مآخذ

۱۔ آزاد بلگرامی، غلام علی: سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان بہ تحقیق محمد فضل الرحمن ندوی۔ علی گڑھ ۱۹۷۶ء

۲۔ آزاد بلگرامی: مآثر الکرام، آگرہ ۱۹۱۰ء

۳۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار۔ دہلی ۱۳۳۲ھ

۴۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۳ حیدر آباد، دکن ۱۹۶۸ء

۵۔ ایضاً: الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند، دمشق ۱۹۸۳ء

۶۔ ایضاً: یاد ایام (گجرات کی علمی تاریخ)، لکھنؤ ۱۹۸۳ء

۷۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ ۱۸۷۳ء

۸۔ قدوائی، محمد سالم: ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں۔ دہلی ۱۹۷۳ء

۹۔ نظامی، تاریخ مشائخ چشت۔ دہلی ج ۱ ۱۹۸۰ء

10- NIZAMI, K.A: LIFE AND TIMES OF SH. NASIRUDDIN CHIRAGH-I-DEHLI, DEHLI, 1991.

11- ZUBAID AHMAD: CONTRIBUTION OF INDO-PAKISTAN TO ARABIC LITERATURE, LAHORE, 1968.

۲۱ر اگست ۱۹۹۶ء

برائ دانشنامہ کشبہ قارہ

مولانا بہاء الدین عبد الکریم نہروالی

شیخ بہاء الدین ابو الفضائل عبد الکریم بن محب الدین بن ابی عیسیٰ علاء الدین، گیارھویں صدی ہجری کے عالم، مفتی حنفی اور مؤلف تھے۔

شیخ بہاء الدین کا سارا خاندان علماء کرام کا تھا، اس خانوادے کا تعلق گجرات (Gujrat) سے تھا حدود ساتویں صدی ہجری میں اس خاندان کے پہلے فرد محمد بن اسماعیل عدن سے گجرات آئے اور وہاں کے مشہور شہر نہروالہ (Naharwalah) میں سکونت اختیار کرلی۔ سلاطین گجرات کی علم پروری کے باعث ان کے اجداد میں سے کئی افراد گجرات میں آئے اور درس وتدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ (البرق الیمانی، مقدمہ ۱۵۔۱۸)

اس خاندان کی سب سے مشہور شخصیت مفتی قطب الدین محمد نہروالی مکی (۹۱۷۔ ۹۹۰ھ / ۱۵۱۱۔ ۱۵۸۲ء) ہیں جو گجرات کے سیاسی حالات کی ابتری کے باعث وہاں سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ میں مقیم ہوگئے وہاں وہ مسلک حنفی کے مفتی کی حیثیت سے مدتوں کار فرمار ہے[1]۔ اور حدیث میں بلند مرتبہ سند کے مالک تھے۔ ان سے بہت سے اہل علم نے استفادہ کیا اور سندیں حاصل کیں۔ (فہرس الفہارس ۲/ ۹۴۴۔۹۶۱)

مفتی قطب الدین مذکور کے بھائی اور مفتی بہاء الدین کے والد مفتی محب الدین یمن کے قاضی تھے (نور السافر ۳۸۸)۔ مفتی بہاء الدین عبد الکریم کی ولادت احمد آباد (Ahmadabad گجرات کا معروف ترین شہر) میں ۱۹ شوال ۹۶۱ھ / ۱۵۵۴ء کو ہوئی، چونکہ ان کا گھرانہ اہل علم کا آستانہ تھا اس لیے ان کی ابتدائی تعلیم وتربیت گجرات میں ہوئی۔ (نزہۃ الخواطر ۵/ ۲۴۴) پھر وہ اپنے والد کے ہمراہ حرمین الشریفین آگئے اور مکہ میں اپنے چچا

[1] مفتی قطب الدین محمد نہروالی مکی، عالم عرب کے نامور عالم، مورخ اور ادیب تھے۔ البرق الیمانی فی الفتح العثمانی، الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام (تاریخ مکہ) اور تاریخ المدینہ وغیرہ کے مؤلف اور ترکوں کی تاریخ پر تخصص کا درجہ رکھتے تھے۔

مفتی قطب الدین محمد سے تکمیل کی، ان کے علاوہ شیخ عبداللہ سندھی اور علامہ شہاب الدین احمد بن حجر ہیثمی مکی سے بھی علمی استفادہ کیا۔ صحیح بخاری کو انہیں سے روایت کیا ہے۔ (خلاصۃ الاثر ۳/۸)

شیخ بہاء الدین عبدالکریم نہروالی ۹۸۲ھ / ۱۵۵۴ء کو مکہ کے مفتی مقرر کیے گئے اور مدرسہ سلطانیہ مرادیہ مکہ مکرمہ کے مہتمم بھی مقرر کیے گئے، حدود ۹۹۰ھ / ۱۵۸۲ء کو انہیں امام حرم بنایا گیا۔ (ھمانجا ۳/ ۸) اس طرح امیر مکہ کے کہنے پر ۱۰۱۳ھ / ۱۶۰۴ء کو انہیں ایک اور مسجد کی امامت اور سرکاری خطوط ملاحظہ کرنے کے لیے مقرر کیا گیا۔ (ھمانجا)

مفتی بہاء الدین عبدالکریم عرصہ دراز تک مختلف دینی خدمات اور تصنیف و تالیف میں زندگی بسر کر کے ۱۵ ذی الحج ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۶ء کو فوت ہوئے اور مکہ مکرمہ میں دفن کیے گئے (خلاصۃ الاثر ۳/ ۹)

مفتی بہاء الدین عبدالکریم علم حدیث، فقہ اور تاریخ کے ماہر استاد تھے۔ ان کا خط بہت پاکیزہ تھا بہت سی کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھ کر محفوظ کی تھیں، ان سے بہت سے اصحاب نے علمی استفادہ کیا سیّد عمر بن عبدالرحیم بصری ان کے شاگردِ خاص تھے۔ (خلاصۃ الاثر ۳/ ۸۔۹) مفتی عبدالکریم نہروالی کی اولاد میں سے شیخ اکمل الدین (۹۸۸۔ ۱۰۱۹ھ / ۱۵۸۰۔ ۱۶۱۰ء) قابل ذکر ہیں، جو اپنے والد کی جگہ مکہ کے مفتی مقرر ہوئے۔ (خلاصۃ الاثر ۱/ ۴۲۲، البرق الیمانی، مقدمہ صف ۵۷) ان کے صاحبزادے عبدالکریم بن اکمل الدین بن مفتی بہاء الدین عبدالکریم بھی رعیانِ عصر میں سے تھے۔ انہوں نے شرح فصوص الحکم لقونوی کی شرح لکھی تھی مکہ ہی میں ۱۰۵۵ھ / ۱۶۴۵ء کو انتقال ہوا (البرق الیمانی، مقدمہ ۵۸)

(شجرہ ماخوذ از برق الیمانی، سمط النجوم)

محب الدین بن علی حنفی

قطب الدین محمد نہروالی — بہاء الدین عبدالکریم — حبیب اللہ — ابو محمد

بہاء الدین عبدالکریم ← اکمل الدین

حبیب اللہ ← خلیل اللہ

مفتی بہاء الدین نہروالی کی تالیفات میں سے اب تک صرف ان کتابوں کا سراغ ملا ہے:

۱۔ اعلام العلماء الاعلام ببناء المسجد الحرام:

مؤلف نے اپنے چچا مفتی قطب الدین محمد نہروالی کی تالیف الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام کی تلخیص کی ہے۔ اس میں مکہ مکرمہ کی تاریخ، وہاں کے مشاہیر علماء کے حالات اور زائرین اعیان کے احوال بھی قلم بند کیے ہیں۔ آخری فصل سلاطین آلِ عثمان کی تاریخ پر مشتمل ہے جو سلطان مراد بن سلیم (۹۸۲۔۱۰۰۳ھ / ۱۵۷۴۔۱۵۹۵ء) پر ختم ہو جاتی ہے۔

مفتی بہاء الدین نے اس کی صرف تلخیص ہی نہیں کی ہے بلکہ اس میں ایسے اضافات بھی کیے ہیں، جو اشد ضروری تھے۔ اور اس میں وقائع وحوادث کا اضافہ بھی کیا ہے۔ جو اپنے مندرجات کے اعتبار سے منفرد ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں ۱۰۱۰ھ / ۱۶۰۱ء تک کے واقعات ووفیاتِ اکابر شامل ہیں۔

یہ کتاب عبدالعزیز الرفاعی اور محمد احمد جمال کی تصحیح وتعلیق سے ۱۹۵۰ء میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کے خطی نسخے کتابخانہ متحف العراقی بغداد (فہرست مخطوطات التاریخیہ ۱/ ۴۳) اور کتابخانہ خدابخش، پٹنہ، بہار میں بھی ہیں (زبید احمد ص ۴۴۶)

۲۔ النہر الجاری علی صحیح البخاری:

یہ صحیح بخاری کی شرح ہے جو مکمل نہیں ہو سکی تھی (خلاصۃ الاثر ۳/ ۸، البرق الیمانی، مقدمہ ۵۸، ہدیۃ العارفین ۱/ ۶۱۱، ایضاح المکنون ۱/ ۶۹۶) یہ شرح عربی زبان میں ہے۔

اس شرح کا ایک خطی نسخہ کتابخانہ خدابخش، بانکی پور، پٹنہ میں ہے نمبر ۱۰۸۹ (زبید احمد ص ۴۴۶)

مآخذ

۱۔ ابو ظفر ندوی: گجرات کی تمدنی تاریخ، اعظم گڈھ، دارالمصنفین، ۱۹۶۲ء
۲۔ بغدادی، اسماعیل پاشا: ہدیۃ العارفین، استنبول، ۱۹۵۱ء
۳۔ ایضاً: ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون، بغداد، مکتبہ المثنیٰ (س ن)
۴۔ حاجی خلیفہ، مصطفیٰ: کشف الظنون مرتبہ محمد شرف الدین یالتقایا۔ بغداد

۵۔ حارثی، محمد بن رستم: تاریخ محمدی مرتبہ نثار احمد فاروقی، رام پور، ۲۰۰۴ء

۶۔ صباغ، لیلی: من اعلام الفکر العربی، شام، ۱۹۸۶ء۔

۷۔ عاصمی، عبد الملک مکی: سمط النجوم العوالی فی انباء الاوائل والتوالی، بیروت، ۱۹۹۸ء

۸۔ عبد الحی حسنی: نزہۃ الخواطر، ج ۵۔ حیدر آباد، دکن، ۱۹۵۵ء

۹۔ ایضاً: یاد ایام (گجرات کی علمی تاریخ)، لکھنو، ۱۹۸۳ء

۱۰۔ علی محمد خان: خاتمہ مرآت احمدی مرتبہ نواب علی، بڑودہ، ۱۹۳۰ء

۱۱۔ ایضاً: تاریخ اولیاء گجرات (ترجمہ خاتمہ از ابو ظفر ندوی)، احمد آباد، گجرات، ۱۹۹۳ء

۱۲۔ عیدروسی، عبد القادر: النور السافر، قاہرہ (س ن)

۱۳۔ غلام محمد: مرآۃ محمدی، بمبئی ۱۳۴۲ھ

۱۴۔ قطب الدین محمد نہروالی: البرق الیمانی فی فتح العثمانی، ریاض، ۱۹۶۸ء

۱۵۔ کتانی، عبد الحی فاسی: فہرس الفہارس مرتبہ احسان عباس، بیروت، ۱۹۸۶ء

۱۶۔ کورکیس عواد: المخطوطات التاریخیہ فی خزانۃ کتب المتحف العراقی، بغداد، ۱۹۵۷ء

۱۷۔ محبی، محمد امین: خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر، بیروت ۱۹۵۸ء

18- Siddiqi, M.H: Growth of Indo-Persian literature in Gujrat, Baroda, 1985.

19- Quraishi, M.A: Muslim Education and learning in Gujrat, Boaroda, 1972.

20- Zubaid Ahmad: The contribution of Indo-Pakistan to Arabic literature, Lahore, 1968.

۱۵ ستمبر ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ تشیع۔ قارہ

مولانا محمدؐ جعفر بن عبدالکریم بوبکانی

میراں مخدوم محمد جعفر بوبکانی دسویں صدی ہجری کے ایک معروف عالم اور صوفی تھے۔

مخدوم محمد جعفر بن علامہ مخدوم عبدالکریم معروف بہ میراں بن علامہ یعقوب بوبکانی سندھی حضرت عباس بن عبدالمطلب کی اولاد میں سے تھے، سندھ میں اس خاندان کے افراد کا مسکن قصبہ بوبک (Bubak، سیوستانSewastan سے ۲ فرسخ کے فاصلے پر بجانب غرب واقع ہے) تھا۔

مخدوم محمد جعفر نے ابتدائی تعلیم اپنے والد علامہ مخدوم عبدالکریم میراں (ف ۹۴۵ھ / ۱۵۴۲ء) کی خدمت میں رہ کر حاصل کی اور دوسرے ہم عصر علماء سے بھی تحصیل کی علوم شرعیہ کے علاوہ حکمت، نجوم، جفر اور رمل میں بھی کمال حاصل کیا۔ آخری عمر میں تمام علوم کی تدریس سے دست کش ہو کر صرف حدیث اور تصوف کے مطالعہ میں مصروف ہوگئے، عمر کے اسی حصے میں ان کا میلان علامہ ابن تیمیہ (ف ۷۲۸ھ / ۱۳۲۸ء) کی آراء و افکار کی طرف ہو گیا تھا، جو ان کے اپنے رسائل سے ثابت ہے، (المتانۃ، مقدمہ ص ۵)

کتب عرفان و تصوف میں سے احیاالعلوم، عوارف المعارف اور فصل الخطاب ان کے مطالعہ میں رہنے لگیں اور منطق کی تمام کتب دریا میں بہادیں (گلزار ابرار، برگ ۲۴۱۔ الف)

مخدوم نوح ہالائی (Halayi ف ۹۹۸ھ / ۱۷۸۹ء) کے ساتھ مخدوم جعفر کا مباحثہ بھی ہوا تھا۔ (تحفۃ الکرام ۳/ ۱۴۷)

مخدوم جعفر بنیادی طور پر ایک عالم، فقیہ اور مدرس تھے ان کے حلقۂ درس سے بہت سے علماء نے فیض پایا سندھ کا حکمران مرزا شاہ حسین بیگ ارغون (۹۳۰۔۹۶۱ھ / ۱۵۲۳۔۱۵۵۳ء) بھی آپ کا شاگرد تھا (تاریخ معصومی ص ۲۲، مقالات الشعراء ۱۵۱)، مرزا ارغون کی رصد گاہ میں بھی آپ کا عمل دخل تھا۔ (حمانجا ۱۵۲)۔

مخدوم جعفر فارسی میں شعر بھی کہتے تھے قانع ٹھٹھوی نے آپ کا صرف ایک شعر نقل کیا ہے اور جعفر تخلص لکھا ہے۔(مقالات الشعراء ۱۵۱۔۱۵۲)

مخدوم جعفر کی اولاد بھی صاحبِ علم و تقویٰ تھی، بارھویں صدی ہجری میں مخدوم جعفر کی اولاد میں سے مخدوم عبدالغنی اور مخدوم نور الدین جامع علوم و فنون تھے۔(تحفۃ الکرام ۳/ ۱۴۸)

مخدوم جعفر کا صحیح سالِ وفات معلوم نہیں ہے، معاصر مورخ محمد معصوم نامی نے ۹۴۹ھ درج کیا ہے (تاریخ معصومی ص ۲۰۲) لیکن حال ہی میں مخدوم جعفر کی ایک تصنیف نہج التعلم کا علم ہوا ہے۔ جس کی تکمیل ۹۷۶ھ کو ہوئی، اس سے مندرجہ بالا سال وفات غلط ثابت ہو جاتا ہے۔(التانہ، مقدمہ ص ۷) اسی طرح محمد حسن غوثی نے جو مادہ تاریخ دیا ہے وہ بھی کاتبوں کے ہاتھوں اتنا غلط در غلط ہو گیا ہے کہ بے معنی ہو کر رہ گیا ہے۔(گلزار ابرار، برگ ۲۴۱۔الف) لہٰذا قیاس ہے کہ مخدوم جعفر دسویں صدی ہجری کے اواخر میں فوت ہوئے ہوں گے۔

مخدوم جعفر کی اب تک مندرجہ ذیل تصانیف کا سراغ ملا ہے، جن میں سے فارسی کتابوں کا قدرے مفصل اور عربی کا مختصر تعارف کروایا جا رہا ہے:

۱۔حاصل النہج:

یہ کتاب فارسی نثر میں ہے اس کا موضوع تعلیم اور اس کے آداب و فوائد ہے۔ اس کے ابواب و فصول اس طرح سے ہیں:

فصل اول: دربیان علم و نیت و تحصیل آں، فصل دوم در معنی علم فقہ و شرع فصل سوم در تقسیم علم (اول علم شرعی، دوم علم ادب، سوم علم حکمت)

فصل چہارم: دربیان علم محمودہ و مذمومہ، فصل پنجم علوم محمودہ و مباحثہ

فصل ششم در اختیار علم و کتاب و استاد۔۔۔۔۔

یہ کتاب ۱۹ فصول پر مشتمل ہے۔۔۔۔۔

اس کے آغاز میں مولف نے بتایا ہے کہ اس سے قبل وہ اس موضوع پر ایک مفصل کتاب نہج التعلم کے نام سے لکھ چکے ہیں اور حاصل النہج اس کی تلخیص و تقریب ہے۔(التانہ، مقدمہ ص ۲۵۔۳۵)

۲۔ فتح الدارین:

یہ رسالہ فارسی نثر میں ہے، جس میں احادیث اور اقوالِ مشائخ سے فقر کی حقیقت اور اس پر وارد ہونے والے اعتراضات کا جواب دیا ہے، لکھا ہے کہ تمام اعضا مخلوق ہیں، آنکھ عبرت پذیری اور پڑھنے لکھنے کے لیے ہے۔۔۔۔ زبان غیبت کرنے، جھوٹ بولنے اور فضول گوئی کے لیے نہیں ہے، شکم حرام سے پر کرنے کے لیے نہیں ہے۔ (المتانہ، مقدمہ ص ۴۰۔۴۳)

۳۔ نہج التعلم:

مخدوم جعفر نے حاصل التعلم کے آغاز میں اپنی اس اہم کتاب کا تذکرہ کیا ہے کہ انہوں نے تعلیم اور اس کے آداب و مقاصد پر ایک مفصل کتاب نہج التعلم کے نام سے لکھی ہے، اس کتاب کے کسی خطی نسخے کا تاحال علم نہیں ہے، مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی (ف ۱۱۷۴ھ / ۱۷۶۰ء) نے اپنے مشہور فتاویٰ بیاض الھاشمی میں بھی اس سے ستفادے کا ذکر کیا ہے، نہج التعلم کا سال تالیف ۹۷۶ھ ہے۔ (المتانہ ص ۷، ۳۴)

۱۔ عجالۃ الطالبین:

یہ موضوع احادیث کے موضوع پر ہے مولف نے اپنے سے پہلے کی اس سے متعلقہ اکثر کتب سے استفادہ یا ہے، اس کا پہلا باب کتاب القرآن اور آخری امور القیامہ و حسن الظن بہ تعالیٰ ہے، اس کا ایک خطی نسخہ بوبک (Buba) میں مولف کے خاندانی کتابخانے میں ہے (المتانہ، مقدمہ ۳۴) یہ کتاب عربی نثر میں ہے۔

۵۔ حل العقود:

یہ کتاب عربی نثر میں طلاقِ ثلاثہ کے موضوع پر ہے، مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی مذکور نے اپنے ایک رسالہ العنایۃ فی الفرق بین الصریح والکنایۃ میں حل العقود کے حوالہ دیئے ہیں، (المتانہ، مقدمہ ۴۳۔۴۴) اس کتاب میں دسویں صدی ہجری کے مذہبی تمدن اور زبان پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ (تحفۃ الکرام، حاشیہ ۴۶۰) اس کے کسی خطی نسخے کا تاحال علم نہیں ہے۔

۶۔ الصادق المنصف المحق بالدلائل التی هی بالتقدیم اخری واحق:

یہ رسالہ الحاد وزندقہ کے بیان میں ہے اکثر دلائل احادیث اور اقوال سے دیئے ہیں، اس رسالے کے اکثر مطالب مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی نے التنانہ کے مقدمہ میں درج کر دیئے ہیں اور اس کا مفصل تعارف بھی کروایا ہے، رسالہ کا خطی نسخہ جامعہ سندھ، حیدر آباد میں ہے (التنانہ ۲۴)

۷۔ التنانة فی مرمة الخزانة:

یہ کتاب دراصل فقہ حنفی کی ایک غیر معتبر کتاب خزانۃ الروایات تالیف قاضی جگن گجراتی Jaggan ف حدود ۹۲۰ھ / ۱۵۱۴ء (یاد ایام ۹۶) پر انتقاد ہے، مخدوم جعفر نے اس میں شامل غیر مستند روایات کو خارج کر کے صرف ایسی روایات ومندرجات کو رہنے دیا ہے جن کی بنیاد پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے، مخدوم ہاشم ٹھٹھوی اور مخدوم عبد الواحد سیوستانی جیسے فقہانے مخدوم جعفر کی اس کاوش کی تحسین کی ہے، مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی نے کئی خطی نسخوں کے تقابل وتعلیقات کے ساتھ التنانہ کا ایڈیشن تیار کیا جو سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد، سندھ سے ۱۹۶۲ء کو شائع ہوا۔

مآخذ

۱۔ بوبکانی، مخدوم جعفر: التنانۃ فی مرمۃ الخزانۃ مرتبہ غلام مصطفیٰ قاسمی، حیدر آباد سندھ، ۱۹۶۲ء

۲۔ عبد الحی حسنی: نزہۃ الخواطر، حیدر آباد، دکن، ۱۹۵۴ء

۳۔ ایضاً: یاد ایام (گجرات کی علمی تاریخ) لکھنو، ۱۹۸۳ء

۴۔ غوثی، محمد حسن: گلزار ابرار، خطی مخزونہ کتابخانہ، جان رائیلنڈ، مانچسٹر (Manchester)

۵۔ قانع، علی شیر ٹھٹھوی: تحفۃ الکرام، بمبئی، ۱۳۰۴ھ واُردو ترجمہ اختر رضوی، کراچی، ۱۹۵۹ء

۶۔ ایضاً: مقالات الشعراء مرتبہ حسام الدین راشدی، حیدر آباد، سندھ، ۱۹۵۷ء

۷۔ نامی، میر معصوم بھکری: تاریخ سندھ (تاریخ معصومی) مرتبہ داؤد پوتہ، بمبئی، ۱۹۳۸ء

۱۹/ اکتوبر ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ ادبیات فارسی شبہ قارہ، تہران

بخشی نظام الدین احمد ہروی

منصب دارِ عہدِ اکبری و مورخِ مشہور و عالم

خواجہ نظام الدین احمد بن محمد مقیم ہروی اکبری عہد کا نامور منصب دار، منتظم اور مورخ تھا۔ اس کا والد خواجہ محمد مقیم ہروی بابر بادشاہ کے عہد میں "دیوانِ بیوتات"[1] کے عہدہ پر فائز تھا۔

بابر بادشاہ کی وفات (۹۳۷ھ / ۱۵۳۰ء) کے بعد ہمایوں نے جب گجرات فتح کیا تو صوبہ احمد آباد ۱۵۳۵ء میں مرزا عسکری کو اس کا عامل مقرر کیا، مرزا کے ساتھ خواجہ محمد مقیم ہروی کو اس کا وزیر بنا کر بھیجا گیا۔ جب ہمایوں کو ۱۵۳۹ء میں شیر شاہ سوری سے شکست ہوئی تو خواجہ محمد مقیم ہمایوں کے ساتھ آگرہ میں تھا۔ اس کے بعد اکبر کے عہد میں خواجہ مقیم کو ملکی خدمات میں مصروف اور آگرہ میں موجود بتایا گیا ہے[2]۔

خواجہ نظام الدین احمد کی ولادت حدود ۹۵۸ھ / ۱۵۵۱ء میں ہوئی[3]۔

خواجہ نظام الدین احمد کی تعلیم و تربیت درجۂ اول کے استادوں کی نگرانی میں ہوئی ان اساتذہ میں ملا علی شیر (والدِ فیضی سرہندی موکفِ اکبر نامہ) قابلِ ذکر ہے[4]۔

والد اور دیگر علماء کی صحبت سے اُسے بھی حصولِ علم کا شوق دامن گیر رہا وہ نہ صرف خود صاحبِ علم تھا بلکہ اہلِ علم اور شعراء کا قدردان اور مربی بھی تھا۔ اپنے سات سالہ (۹۹۰۔ ۹۹۶ھ / ۱۵۸۲۔ ۱۵۸۸ء) قیام

---

1. "دیوانِ بیوتات" کی تشریح کرتے ہوئے اہلِ لغت نے لکھا ہے:
   اداره‌ای که کارهای مربوط به ابنیه و اموال سلطنتی را بعهده دارد (فرہنگ معین) بیورج نے اس اصطلاح کا ترجمہ Barrack-officer کیا ہے۔ (Babur Nama, 2/703)
2. نظام الدین احمد: طبقاتِ اکبری/ ۱/ حصہ ۲/ ۲۱۱
3. بدایونی، عبدالقادر: منتخب التواریخ/ ۲/ ۳۹۶ (وفات ۱۰۰۳ھ عمر ۴۵ سال یعنی ۱۰۰۳-۴۵ = ۹۵۸ھ ولادت)
4. Elliot: History of India, Vol. VI. P. 116

گجرات کے دوران اس نے اس عہد کے مشہور شعراء ملا غنی امنی، بقائی، حیاتی اور ساوَجی کو اپنے پاس بلا لیا تھا[1]۔

علماء، ادبا اور شعراء کی صحبت میں خواجہ نظام الدین احمد کا شعری ذوق پروان چڑھا اس کے کچھ متفرق اشعار طبقاتِ اکبری میں مختلف مقامات پر ملتے ہیں۔ اُسے علم تاریخ سے خاص لگاؤ تھا اور تاریخی کتب کے مطالعہ سے خاص شغف رکھتا تھا۔ اُنہی سات سالہ قیامِ گجرات کے دوران اُسے میر معصومی بھکری[2] کی صحبت بھی میسر تھی جو خود ایک ذی علم اور مورخ بھی تھا۔ اس صُحبت نے خواجہ نظام الدین احمد کے ذوقِ تاریخ کو جلا بخشی اور اس نے اپنی طبقات لکھنے کا آغاز کر دیا۔

خواجہ نظام الدین کی علمِ تاریخ سے غیر معمولی دلچسپی کا نتیجہ تھا کہ جب ۹۹۰ھ / ۱۸۵۲ء میں اکبر بادشاہ نے تاریخ الفی لکھوانے کا پروگرام بنایا تو اس نے خواجہ کو بھی اس کے مرتبین میں شامل کر لیا[3]۔ اُسے مذہب اسلام سے بھی لگاؤ تھا، علماء و صوفیہ کی صحبت اُسے مرغوب تھی۔ خواجہ کی وفات (۱۰۰۳ھ / ۱۵۹۶ء) پر مُلا عبدالقادر بدایونی کو میاں کمال الدین حسین شیرازی نے جو تعزیت نامہ لکھا ہے[4] اس سے خواجہ نظام الدین احمد کی علماء میں مقبولیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن وہ اکبر کی مذہبی پالیسی میں آخر تک غیر جانبدار رہا[5]۔ جس کی وجہ اس کی اعتدال پسندی اور رواداری سے زیادہ مصلحت پسندی معلوم ہوتی ہے۔

عالم اور مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک اچھا سپاہی اور اعلیٰ درجے کا منتظم بھی تھا، وہ اپنے والد کے ساتھ آگرہ میں مصروفِ کار رہا (۹۷۴ھ / ۱۵۶۷ء)[6]

---

۱ بدایونی، عبدالقادر: منتخب التواریخ ۳/ ۱۸۷، ۱۹۹، ۲۲۱، ۲۶۰

۲ میر معصوم بھکری سندھ کی مشہور فارسی تاریخ، تاریخ معصومی کا مولف اور شاعر تھا۔ ڈاکٹر حسام الدین راشدی نے میر معصوم پر ایک مستقل اور ضخیم کتاب تالیف کی ہے۔

۳ بدایونی: منتخب التواریخ ۲/ ۳۱۸ (اکبر نے اپنے عہد میں اسلام کی ہزار سالہ تاریخ لکھنے کا پروگرام بنایا، اس کام کے لیے اس نے نقیب خان، شاہ فتح اللہ شیرازی، حکیم ہمام گیلانی، حکیم گیلانی، حاجی ابراہیم سرہندی، مرزا نظام الدین احمد عبدالقادر بدایونی اور ملا احمد ٹھٹھوی کا انتخاب کیا۔ ان حضرات نے تاریخ الفی کے نام سے تاریخ مرتب کی جو ایران سے چھپ چکی ہے۔ اس کے مختلف قلمی نسخوں کے لیے دیکھیے (Storey ۱/ ۱/ ۱۲۰)

۴ بدایونی: منتخب التواریخ ۳/ ۱۲۸۔۱۲۹

۵ لاء خان: آئین اکبری، انگریزی ترجمہ و تعلیقات ۱/ ۱۳۸

۶ طبقات اکبری ۲/ ۲۱۱

اکبر بادشاہ کے ہاں اس کی پہلی ملازمت بحیثیت "دیوان حضور" (Diwan of Presence) کی تھی۔[1] لیکن اکبر کے ۱۲ سے ۲۷ جلوس (۱۵۶۷۔ ۱۵۸۲ء) تک اس کی کسی ملازمت کا ذکر نہیں ملتا ۱۵۸۲ء کو اکبر نے دریائے سندھ عبور کرتے ہوئے اُسے شہزادہ شاہ مراد کے پاس ایک رقعہ دے کر بھیجا اور وہ اکبر کے اس خط کا جواب لے کر پشاور میں حاضر ہوا[2]۔

خواجہ نظام الدین احمد کو ۹۹۰ھ / ۱۵۸۲ء میں بخشی[3] کا عہدہ دیا گیا[4]۔ اور اسے اعتماد خان کے ساتھ گجرات میں متعین کیا گیا، خواجہ نظام الدین احمد اُسے بیجاپور (Bijapur) میں ملا اور پھر احمد آباد آگیا[5]۔ بخشی نظام الدین احمد نے گجرات کے معاملات کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ سلجھانے کی کوشش کی، اس نے سلطان مظفر گجراتی کا بڑی کامیابی سے محاصرہ کیا۔ دیگر صوبائی امور کی انجام دہی میں اس نے مہارتِ تامہ سے کام لیا وہ اعظم خان کے گورنر گجرات ہونے تک (یعنی ۹۹۶ھ / ۱۵۸۸ء) گجرات میں رہا[6]۔

بخشی نظام الدین احمد اکبر کے ۳۵ جلوس (۹۹۷ھ / ۱۵۸۹ء) کو لاہور پہنچا، اب وہ مختلف اوقات میں کئی صوبوں کا نگرانِ اعلیٰ تھا ان میں اجمیر، گجرات اور مالوہ کا تذکرہ ملتا ہے[7]۔ ۹۹۹ھ / ۱۵۹۰ء میں پرگنہ شمس آباد (Shamasabad) اُسے بطور جاگیر دیا گیا۔ ۱۰۰۰ھ / ۱۵۹۱ء میں اُسے جعفر بیگ ملقب بہ آصف خان کی جگہ "بخشی کل" بنایا گیا[8]۔ پھر اکبر نے اُسے کشمیر کا عامل مقرر کر دیا[9]۔

---

۱ بھکری، فرید، ذخیرۃ الخوانین ۱/ ۲۰۸

۲ طبقاتِ اکبری ۲/ ۳۶۰۔۳۶۱

۳ بلوخمان نے بخشی کا ترجمہ Paymaster of the court کیا ہے (آئینِ اکبری ۱/ ۵ حاشیہ)

۴ طبقاتِ اکبری ۲/ ۳۶۸، منتخب التواریخ ۲/ ۳۳۲، اکبر نامہ ۳/ ۴۴، مآثر الامرا ۱/ ۱

۵ طبقاتِ اکبری ۲/ ۳۷۰

۶ ایضاً ۲/ ۳۶۸۔۳۹۱

۷ اکبر نامہ، ترجمہ بیورج ۳/ ۴۴۴

۸ منتخب التواریخ ۲/ ۳۸۰

۹ طبقاتِ اکبری ۲/ ۴۴۳

بخشی نظام الدین احمد نے اپنے قیام لاہور کے دوران ایک باغ خریدا وہ لاہور ہی میں اکبر کے ساتھ شکار کھیل رہا تھا کہ سخت بخار میں مبتلا ہو کر ۲۳ صفر ۱۰۰۳ھ / ۲۸ اکتوبر ۱۵۹۴ء کو فوت ہو گیا اور لاہور میں اپنے باغ میں ہی دفن کر دیا گیا[۱]۔

خواجہ نظام الدین احمد ہروی کی ایک ہی یادگار باقی ہے یعنی طبقاتِ اکبری[۲]، جو ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی فارسی نثر میں ایک عام (General) تاریخ ہے۔ چونکہ اکبر بادشاہ موکف کا معاصر اور ممدوح تھا اس لیے اس نے اس کا نام طبقاتِ اکبری رکھا۔ یہ کتاب سبکتگین کے زمانہ ۳۶۷ھ / ۹۷۷ء سے لے کر اکبر کے ۳۸ سال جلوس (۱۰۰۲ھ / ۱۵۹۳ء) تک کے واقعات پر مشتمل ہے[۳]۔

موکف نے آغازِ کتاب میں اپنے ماخذ کی ایک طویل فہرست دی ہے جن کی تعداد ۲۸ ہے ان میں سے حسب ذیل کتب اب کمیاب ہیں:

تاریخ محمود شاہی مندوی، تاریخ محمود شاہی خرد مندوی، طبقاتِ محمود شاہی گجراتی، مآثر محمود شاہی گجراتی، تاریخ بہادر شاہی، تاریخ بہمنی، تاریخ ناصری (در تاریخ مالوہ) اور تاریخ ابراہیم شاہی[۴]۔

طبقاتِ اکبری کا موکف سات سال تک گجرات کا منتظم رہا اس لیے تاریخ گجرات پر اہم کتب اس کے تصرف میں آئیں جو آج کمیاب ہیں۔ عہد حاضر کے بعض گجراتی اور دکن محققین نے ان میں سے بعض کتب کے مخطوطات دریافت کر لیے ہیں[۵]۔

طبقاتِ اکبری کا وہ حصہ جو عہدِ اکبر کی تاریخ پر مشتمل ہے یعنی جلد دوم وہ زیادہ تر موکف کے اپنے مشاہدات پر مبنی ہے اگرچہ اس کی ترتیب میں اس نے ابوالفضل کے اکبر نامہ سے بھی استفادے کا ذکر کیا ہے[۶] جو کہ

---

۱ منتخب التواریخ/ ۱۳۹۷ء/ اکبر نامہ/۳/ ۶۵۵-۶۵۶

۲ طبقاتِ اکبری کے مختلف ناموں کی تفصیل کے لیے دیکھیے بی پرشاد کے طبقاتِ اکبری کے انگریزی ترجمہ کا مقدمہ (۳/ xvi-xviii)

۳ طبقاتِ اکبری ۱/ ۲۰۵/ ۳۲۶

۴ ایضاً/ ۵-۶

۵ ملاحظہ ہو تاریخ بہادر شاہی کا مقدمہ مطبوعہ دہلی یونیورسٹی

۶ طبقاتِ اکبری ۱/ ۶

موکف کی وفات تک زیر تالیف تھا، لیکن ابوالفضل نے تاریخ نظام الدین احمد (طبقات اکبری) سے خود بھی نقل و اقتباس کیا ہے[۱]۔ گویا دونوں نے ایک دوسرے کے مسودات سے استفادہ کیا تھا۔

طبقاتِ اکبری کا سادہ طرزِ نگارش اور ترتیب کافی پسند کی گئی، چنانچہ مرزا نظام الدین احمد کی وفات (۱۰۰۳ھ) کے فوراً بعد ہندوستان کے مسلمان کی عام تاریخ پر ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ کے نام سے جو کتاب لکھی ہے اس کی ترتیب بالکل اسی طرح ہے خود وضاحت کی ہے کہ ۱۰۰۱ھ تک کے واقعات طبقاتِ اکبر شاہی (طبقاتِ اکبری) سے ملخصاً ماخوذ ہیں[۲]۔

بدایونی کے بعد جس قدر کتب ہندوستان کی تاریخ پر لکھی گئی ہیں ان میں طبقاتِ اکبری بطور ماخذ شامل ہے۔ ان میں سے روضۃ الطاہرین، تاریخ فرشتہ، تاریخ شاہی اور مآثرِ رحیمی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں اور متاخرین نے بھی طبقات سے براہِ راست استفادہ کیا ہے۔

طبقاتِ اکبری کی تیسری جلد ہندوستان کی ریاستوں کی تاریخ پر مشتمل ہے اس کی دوسری جلد میں اہل کمال کا تذکرہ کیا گیا ہے جن میں امراء، علماء، مشائخ، اطباء اور شعراء شامل ہیں۔ لیکن یہ حصہ اتنا مختصر اور تشنہ ہے کہ آج ان میں سے کئی شخصیات کو متعین نہیں کیا جاسکتا کہ یہ اصحاب کون تھے۔۔۔۔۔۔؟

اس حصے کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نظام الدین احمد فن ترجمہ نویسی یعنی Biographical Skech سے واقف نہیں تھا۔ حالانکہ اس سے قبل اس فن پر درجہ اول کی کتب تالیف ہو چکی تھیں جن کے مؤلفین نے اس فن کو معراجِ کمال تک پہنچایا تھا۔

اکبر کے ملحدانہ رویہ کے پیش نظر بعض مورخین و مولفین نے حسب قاعدۂ مسلم مولفین اپنی کتب میں نعت شامل نہیں کی، مرزا نظام الدین احمد نے بھی اکبر کے دین الٰہی سے غیر جانبدار رہنے کے باوجود اکبر کے خوف سے نعت نہیں لکھی۔

طبقاتِ اکبری کا فارسی متن منشی نولکشور نے لکھنو سے ۱۸۷۰ء، پھر ۱۸۷۵ء کو شائع کیا۔ پھر بی ڈے (B. De) اور محمد ہدایت حسین کا مرتبہ ایڈیشن ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ نے تین جلدوں میں بہ ترتیب ۱۹۱۳ء،

---

۱ اکبر نامہ ۱/ ے

۲ منتخب التواریخ ۲/ ۳۸۹

۱۹۲۷ء، ۱۹۳۱ء طبع کیا۔ اس کا انگریزی ترجمہ بھی بی ڈے نے ہی تین جلدوں میں کیا جسے اس کے مذکورہ فارسی ناشر نے ۱۹۱۳ء۔ ۱۹۳۹ء شائع کیا۔ طبقات کا مکمل اُردو ترجمہ محمد ایوب قادری مرحوم نے کیا جو لاہور سے ۱۹۹۰ء کو چھپا ہے۔

طبقات کے پاکستان و ہند اور یورپ کے کتب خانوں میں بہت سے نسخے پائے جاتے ہیں۔ (سٹوری ۱/۱/ ۴۳۴۔۴۳۵) اس کا قدیم ترین قلمی نسخہ آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ہے[1]۔

ماخذ:

۱۔ ابوالفضل، علامی: آئینِ اکبری، مطبوعہ نولکشور، لکھنو، ۱۸۶۹ء

۲۔ ایضاً: اکبر نامہ، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ، ۱۸۷۳۔۱۸۷۸ء

۳۔ نظام الدین احمد ہروی: طبقاتِ اکبری مرتبہ بی ڈے، کلکتہ ۱۹۱۳۔۱۹۳۱ء

۴۔ احمد اللہ قادری: خواجہ نظام الدین احمد، معارف اعظم گڑھ، ۱۹۳۱ء

۵۔ اصغر، آفتاب: تاریخ نویسی فارسی در ہند و پاکستان، لاہور، ۱۹۸۵ء

۶۔ بابر بادشاہ: بابر نامہ (توزک بابری) فارسی ترجمہ از عبدالرحیم خان خانان، بمبئی، ۱۳۰۸ھ

۷۔ شاہنواز خان، صمصام الدولہ: مآثر الامراء ترجمہ محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۶۹ء

۸۔ عبدالقادر بدایونی: منتخب التواریخ، کلکتہ، ۱۸۶۵۔۱۸۶۹ء

۹۔ فرید بھکری: ذخیرۃ الخوانین مرتبہ معین الحق، کراچی، ۱۹۶۱ء

۱۰۔ محمد شریف بن نظام الدین احمد ہروی: انواریہ (ترجمہ و شرح حکمۃ الاشراق) مرتبہ حسین ضیائی۔ تہران ۱۳۵۸ش

۱۱۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخی مقالات، دہلی، ۱۹۶۶ء

12- Abul-Fazl: Ain-i-Akbari, Trans. Blochmann, Calcutta, 1868.

13- Ibid: Akbar Nama, Trans. Beveridge, Calcutta, 1921.

14- Nizamul din Ahmed: Tabaqat-i-Akbari, trans, B.De. Calcutta 1913-1936

---

[1] تاریخی مقالات ۱۸۹

15- Eliiot and Dowron: History of India, (rept.) Lahore, 1972.
17- Marshall, D.N: Mughals in India, Bombay, 1967.
18- Nizami, K.A: Akbar and Religion, Delhi, 1989.
19- Ibid: On History and Historian of Medeival India, Delhi, 1992.
20- Rizvi, S.A.A Religious and Intellectual History of Muslim in Akbar's Reign. Delhi, 1975.
21- Storey, C.A: Persian Literature, London, 1970.
22- Smith, V.A: Akbar, the Great Mughal, Oxford, 1919.

دانشنامہ زبان وادب فارسی در شبہ قارہ

مُلا شاہ محمد شاہ آبادی

ملا شاہ محمد شاہ آبادی کشمیری دسویں صدی ہجری / سولھویں صدی عیسوی کے ذی علم اصحاب میں سے تھے۔

ملا شاہ محمد کے حالات مروجہ کتب تاریخ اور تذکروں میں نہیں ملتے بعض اشارات کی بنیاد پر ان کی زندگی کا خاکہ مرتب کیا جارہا ہے۔

ملا شاہ محمد کی نسبت شاہ آبادی غالباً کشمیر کے پرگنہ شاہ آباد سے ہے۔ جو چشمہ ورناگ کے قریب ہے (راج ترنگنی تعلیقات صابر آفاقی ۴۰۹)

اکبر بادشاہ جب رمضان ۹۸۹ھ / ۱۵۸۱ء کو لاہور پہنچا تو اس نے پنجاب کے ائمہ وعلماء کے معاملات کی تحقیق کے لیے جن عہدہ دارانِ حکومت کا تقرر کیا ان میں ملا شاہ محمد شاہ آبادی کا نام بھی شامل ہے، اس سے علمائے پنجاب میں بے چینی پھیل گئی کیوں کہ ان محاسبوں میں سے ملا شاہ محمد کا شمار "بدنفس" لوگوں میں ہوتا تھا (منتخب التواریخ ۲/ ۲۰۶)

ملا شاہ محمد شاہ آبادی ایک جامع علوم معقول ومنقول تھے (ایضاً ۲/ ۲۶۲) پنڈت کلوہن نے خطۂ کشمیر کے حاکموں اور ان سے متعلق قصص وحکایت کو سنسکرت زبان میں راج ترنگنی کے نام سے تالیف کیا، اکبر بادشاہ نے کشمیر ۹۹۴ھ / ۱۵۸۶ء کو فتح کر کے اسے سلطنتِ مغلیہ کی قلم رو میں شامل کر لیا، اکبر خود ۹۹۷ھ / ۱۵۸۹ء کو کشمیر گیا اور چار ماہ تک وہاں مقیم رہا اس دوران بادشاہ کتاب راج ترنگنی سے واقف ہوا، اُسے کتاب پسند آئی اور اس نے اس کا فارسی میں ترجمہ کی خواہش ظاہر کی، ملا شاہ محمد علوم اسلامیہ کے ماہر ہونے کے علاوہ ریاضی ونجوم میں بھی مہارت رکھتے تھے کو بلایا (طبقاتِ اکبری ۲/ ۴۶۴)، انہیں مروجہ اسلامی علوم کے علاوہ ہندوؤں کے عقائد وعلوم سے بھی واقفیت کامل تھی (راج ترنگنی مقدمہ ۳۷) اور سری نگر میں رہتے تھے (ایضاً)

اکبر نے انہیں اس کا فارسی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا انہوں نے یہ ترجمہ ۹۹۷ھ / ۱۵۸۸ء کو کیا، مترجم خود لکھتے ہیں کہ انہوں نے سنہ ۳۳ الٰہی مطابق رمضان ۹۹۷ھ کو آغاز کیا اور اسی سال اسے پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔ (راج ترنگنی، آغاز کتاب)

اس سے قبل سلطان زین العابدین (۱۴۲۰۔۱۴۷۰ء) کے زمانہ میں ملا احمد کشمیری نے بھی راج ترنگنی کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا لیکن وہ مقبول نہیں ہو سکا تھا، اس لیے اکبر نے ایک جدید ترجمہ کی خواہش ظاہر کی تھی۔

اکبر نے ۹۹۹ھ / ۱۵۹۰ء کو مشہور فاضل ملا عبد القادر بدایونی کو ملا شاہ محمد کے مذکورہ ترجمہ پر نظر ثانی کا حکم دیا تو بدایونی نے اس کی تسہیل و تلخیص کر دی جس پر ان کے دو ماہ صرف ہوئے، بادشاہ کو یہ کام پسند آیا اسے شاہی کتابخانہ میں داخل کر لیا گیا اور کبھی کبھی بادشاہ اسے پڑھوا کر سنتا تھا (منتخب التواریخ ۲/ ۳۶۲) آئین اکبری میں ابو الفضل نے ملا شاہ محمد کا علمائے عصر میں شمار کیا ہے (ترجمہ و تعلیقات بلوخمان ۱/ ۱۱۲، ۲۱۸، ۶۰۹، ۶۱۰)

ملا شاہ محمد شاہ آبادی نے ذی علم عالم ہونے کے باوجود اس عہد کے ملحدانہ ماحول میں اکبر بادشاہ کے دین الٰہی اکبر شاہی میں ۱۰۰۴ھ / ۱۵۹۶ء کو اکبر کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور باقاعدہ داڑھی منڈوا کر "جامۂ سرخ" زیب تن کیا (منتخب التواریخ ۲/ ۲۸۳) گویا ملا شاہ محمد شاہ آبادی مذکورہ سنہ تک بقید حیات اور اکبر کے دین الٰہی کے سرگرم رکن تھے، ان کا سال وفات معلوم نہیں ہو سکا۔

ملا شاہ محمد شاہ آبادی کا یہ فارسی ترجمہ راج ترنگنی ڈاکٹر صابر آفاقی نے ایڈٹ کیا اور اس پر انہیں تہران یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی سند حاصل ہوئی یہ ترجمہ ۱۹۷۴ء کو مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد سے شائع ہو چکا ہے۔ جس پر انہوں نے ایک مفید مقدمہ اور تعلیقات کا اضافہ کیا ہے، انہوں نے اس کے تمام خطی نسخوں کی بھی نشان دہی کی ہے۔ مترجم ملا شاہ محمد شاہ آبادی نے غالباً اکبر بادشاہ کو خوش کرنے کے لیے اس ترجمہ کا آغاز بسم اللہ کے مبارک کلمہ سے نہیں کیا۔

مآخذ

۱۔ شاہ محمد شاہ آبادی: راج ترنگنی تحقیق و تعلیق صابر آفاقی، اسلام آباد، ۱۹۷۴ء

۲۔ صباح الدین عبد الرحمٰن: بزم تیموریہ، اعظم گڑھ، ۱۹۷۳ء

۳۔ عبدالقادر بدایونی: منتخب التواریخ مرتبہ احمد علی / توفیق سبحانی، تہران ۱۳۸۰ش

۴۔ محب الحسن: کشمیر سلاطین کے عہد میں ترجمہ علی حماد عباسی، اعظم گڑھ، ۱۹۶۷ء

۵۔ نظام الدین احمد: طبقاتِ اکبری، کلکتہ، ۱۹۳۶ء

6- Abu'l-Fazl: Ain-i-Akbari, trans, H. Blochmann, Lahore, 1979.
7- Mohibul Hasan: Kashmir under the sultans of Dehli, Dehli, 2005
8- Sufi, G.M.D: Kashir, Lahore, 1948.

۱۶ / اکتوبر ۲۰۰۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

قاضی احمد بن محمد غفاری

قاضی احمد معروف شافع فقیہ امام نجم الدین عبد الغفار قزوینی شافعی (ف ۶۶۵ھ / ۱۲۶۶ء صاحب الحاوی الصغیر)۔(طبقات الشافیۃ الکبریٰ ۸/ ۲۷۷۔۲۷۸) کی اولاد میں سے تھے۔(منتخب التواریخ ۳/ ۱۸۵)

قاضی احمد کے والد قاضی محمد اپنے عہد کے نامور عالم وشاعر تھے فارسی میں وصائی تخلص کرتے تھے۔ مدتوں قاضی کے عہدے پر فائز رہے ۹۳۲ھ / ۱۵۲۵ء میں انتقال ہوا۔ سام میرزا نے ان کا ایک قطعہ بھی نقل کیا ہے (تحفہ سامی ۷۳۔۷۴)

قاضی احمد غفاری خود ایک عالم، مورخ اور شاعر تھے عراق میں وزارت کے عہدہ پر تھے۔۹۵۷ھ / ۱۵۵۰ء میں استعفادے دیا اور حرمین الشریفین کی زیارت کے لیے روانہ ہوگئے (تحفۂ سامی ۷۴، منتخب التواریخ ۳/ ۱۸۵)۔

قاضی احمد اسی سیاحت کے دوران ہندوستان بھی پہنچے سندھ کی مشہور بندرگاہ دیبل آکر ۹۷۵ھ / ۱۵۶۷ء میں انتقال کیا (منتخب التواریخ ۳/ ۱۸۵، ہفت اقلیم ۳/ ۱۷۸، مقالات الشعراء ۱۷)

قاضی احمد غفاری کے فارسی اشعار تحفۂ سامی، منتخب التواریخ، ہفت اقلیم اور تاریخ نگارستان کے آغاز و انجام میں درج ہیں۔

قاضی احمد کی صرف دو تالیفات نگارستان اور تاریخ جہاں آراء کا سراغ مل سکا ہے۔ یہ کتابیں علم تاریخ پر ہیں۔

قاضی احمد غفاری نے امیر تقی الدین محمد بن امیر جمال الدین صدر کی معیت میں قزوین سے کاشان تک سفر کیا۔ اس سفر میں معروف شاعر نثاری تبریزی بھی ہمراہ تھے۔ اسی سفر کے دوران قاضی احمد مشہور شاعر محتشم کاشی سے بھی ملے تھے۔(Ency. Of Islam, "Ghaffari")

نگارستان:

قاضی احمد غفاری کی یہ سب سے مشہور تصنیف ہے جو عمومی تاریخ اور قصص و حکایات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ۹۵۹ھ / ۱۵۵۲ء میں مرتب ہوئی۔ مؤلف نے اسے شاہ طہماسپ صفوی کے نام معنون کیا ہے۔ اس میں ۶۰۲ وقائع و حکایات درج ہیں ترتیب حکومتوں کے نام و زمانۂ سلطنت کے مطابق ہے۔

آخری حکایت کا تعلق سلاطین آق قویونلو سے متعلق ہے۔

نگارستان کے بہت سے خطی نسخے دنیا کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں (ادبیات فارسی از سٹوری ۲ / ۹۳ ۵۔۵۸) کتابخانہ بوڈلین کا نسخہ مؤلف کا خود نوشتہ ہے۔ (ہمانجا ۵۸۳)

نگارستان کا فارسی متن بمبئی سے ۱۸۲۹ء، ۱۸۵۹ء میں دو مرتبہ چھپ چکا ہے۔ ۱۴۰۴ھ میں تہران سے مرتضیٰ مدرس گیلانی کی تصحیح کے ساتھ طبع ہوا جس کے آخر میں اس کا ذیل ۱۳۴۴ھ تک متن کے مصحح کا نوشتہ بھی شامل ہے۔

اس کتاب کا ترکی ترجمہ بھی موزہ برطانیہ، لندن (نمبر B.M.mss.Add ۷۸۵۲) میں محفوظ ہے۔ (سٹوری ۱ / ۱ / ۱۱۵)

مقدمہ کے آخر میں مؤلف نے اپنے مآخذ کا ذکر کیا ہے جس میں تاریخ طبری سے لے کر دسویں صدی ہجری تک تالیف ہونے والی اکثر اہم کتب تاریخ کا ذکر ہے۔

نگارستان میں درج تاریخی مواد زیادہ اہمیت نہیں رکھتا ہے۔ عمومی طرز محض نقل و اقتباس کا ہے۔ اس میں بھی بہت سے اشتباہات پائے جاتے ہیں۔ مدرس گیلانی نے کتاب کے مقدمے میں مؤلف کے بعض، تسامحات و اشتباہات کا ذکر کیا ہے (ص ۱۲۔۱۶)

نسخ جہاں آرا:

یہ قاضی احمد غفاری کی دوسری تالیف ہے۔ جو دنیا کی عمومی تاریخ پر مشتمل ہے۔ اس کا آغاز خلقت انسان سے ہو کر ۹۷۲ھ / ۱۵۴۶ء تک ختم ہو جاتا ہے۔ مؤلف نے کتاب کے مقدمہ میں ابو المظفر شاہ طہماسپ

بہادر خان کی تعریف کی ہے۔ اس کے نام "نسخ جہاں آرا" سے اس کا سال تالیف ۹۷۱ھ برآمد ہوتا ہے لیکن مؤلف نے اس میں مزید یک سال کے وقائع درج کیے ہیں۔

اس کتاب کی اہمیت یہ ہے کہ اس میں مقامی اور غیر معروف حکومتوں کی تاریخ بھی درج ہے جن سے دیگر عمومی کتب تاریخ خالی ہیں۔

یہ کتاب ایک عنوان اور تین نسخ (حصوں) پر مشتمل ہے۔

۱۔ انبیائے کرام اور بارہ ائمہ

۲۔ اسلام سے قبل اور بعد کے سلاطین

۳۔ سلاطین صفویہ

اس کتاب کے بعض حصے سر ولیم اوسلے (Sir William Ousalay) نے لندن سے ۱۷۹۹ء کو شائع کیے تھے (سٹوری ۱/ ۱/ ۱۱۶)

مآخذ

۱۔ احمد غفاری: تاریخ نگارستان مرتبہ مرتضیٰ مدرس گیلانی۔ تہران ۱۴۰۴ھ

۲۔ امین احمد رازی: ہفت اقلیم، تہران ۳ جلد

۳۔ بدایونی، عبد القادر: منتخب التواریخ کلکتہ، ۱۸۶۸۔۱۸۶۹ء

۴۔ بیر گل: ادبیات، فارسی بر مبنای تالیف استوری، ترجمہ یحیٰ آرین پور ودیگران۔ تہران ۱۳۶۲ش

۵۔ سبکی، عبد الوہاب: طبقات الشافعیۃ الکبریٰ مرتبہ عبد الفتاح حلو، قاہرہ ۱۳۶۰ھ

۶۔ صفا، ذبیح اللہ: تاریخ ادبیات در ایران ج ۵، تہران ۱۳۷۰ش

۷۔ قانع ٹھٹھوی: مقالات الشعراء مرتبہ حسام الدین راشدی، کراچی ۱۹۵۷ء

۸۔ گلچین معانی، احمد کاروان ہند۔ مشہد ۱۳۶۹ش

۹۔ نفیسی، سعید: تاریخ نظم ونثر در ایران و در زبان فارسی، تہران ۱۳۴۴ ش

10- Naficy, S: "Ghaffari" Encyclopedia of Islam, (New ed.)

11- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970.

۳۱ دسمبر ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامۂ شبہ قارہ

میر سیّد جمال الدین بن میر جلال الدین شیرازی

میر سیّد محمد جمال الدین، معروف مورخ اور حاکمانِ سندھ ارغون و ترخان کے عہد کی تاریخ ترخان نامہ کے مؤلف کی حیثیت سے ممتاز مقام رکھتے ہیں۔

میر جمال الدین شیراز کے سادات انجو سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ خاندان اپنے حسب و نسب کے اعتبار سے ہر دور میں مقتدر رہا ہے، ایران کے علاوہ ہندوستان میں مدتوں یہ خاندان اہم سیاسی عہدوں پر فائز رہا۔

میر جمال الدین کے اجداد میں سے سیّد محمد معروف بہ میراں محمد نامعلوم اسباب کی بنا پر آٹھویں صدی ہجری میں شیراز سے سندھ آگئے اور قصبہ سیّد پور میں مقیم ہو گئے۔ ان کے فرزند سید احمد (ف ۸۴۰ھ / ۱۴۳۶ء) سندھ کے مشہور شہر ٹھٹھہ (Thatha) میں آ کر آباد ہو گئے، ان کے بیٹے سیّد مراد شیرازی (۸۳۱۔۸۹۳ھ / ۱۴۲۷۔۱۴۸۷ء) اپنے زمانے کے معروف صوفی تھے، ان کے بھائی سیّد علی ان کے جانشین ہوئے انہی سیّد علی کے فرزند سیّد جلال کے بیٹے سیّد علی ثانی (ف ۹۸۱ھ / ۱۵۷۳ء) تھے جو سندھ کے نامور مشائخ میں سے تھے، سندھ پر انہی کے زمانے میں ارغونوں کی حکومت قائم ہوئی، انہیں عربی، فارسی اور سندھی زبانوں پر عبور تھا (تاریخ سندھ ۲۱۶، حدیقۃ الاولیاء ۴۸)

سیّد علی ثانی کے فرزند سیّد جلال الدین ثانی تھے اور انہیں سندھ میں "شیخ الاسلام" کا منصب حاصل تھا، جن کی شخصیت مذہبی و سیاسی اعتبار سے جاذب توجہ رہی، جب اکبر بادشاہ نے سندھ پر حملے (۹۹۸ھ / ۱۵۹۰ء) کا ارادہ کیا تو میرزا باقی ترخان نے سیّد جلال الدین مذکور کو اپنا سفیر بنا کر دربار اکبری میں بھیجا تھا۔

انہی سیّد جلال الدین ثانی کے خلف رشید میر محمد جمال الدین تھے، ان کی والدہ محترمہ میرزا محمد صالح اول (ف ۹۷۰ھ / ۱۵۶۳ء) کی بیٹی تھیں (معیار سالکانِ طریقت ۴۳۱) یہی میر جمال الدین تاریخ سندھ کی مشہور کتاب ترخان نامہ کے مؤلف ہیں۔

افسوس کہ میر سیّد جمال الدین کے مفصل حالات کتب تاریخ سندھ میں نہیں ملتے میر سیّد جمال الدین اپنے والد کے صحیح جانشین وصاحب علم بزرگ تھے اور اسی وجہ سے ان کی شہرت تھی (تحفۃ الکرام ۳/ ۱۸۸)

میر سیّد جمال الدین کے دو فرزند تھے سیّد میر بزرگ اور سیّد عبداللہ، میر بزرگ کے صاحبزادے میر زین العابدین معروف بہ سیّد لطف اللہ فارسی زبان کے شاعر اور کتاب حرز البشر کے مؤلف تھے، ان کا تخلص قانع تھا، رنگین اشعار فارسی پر مشتمل ان کا ایک دیوان بھی تھا، ۱۱۳۲ھ / ۱۷۲۰ء کو انتقال ہوا (مقالات الشعرا ۵۲۸، تحفۃ الکرام ۳/ ۱۸۸) قانع کے دو بیٹے غلام علی اور عبدالولی تھے، سیّد عبداللہ کے فرزند میر حسن علی کے بھی ایک بیٹے میر سیّد لعل تھے (تحفۃ الکرام ۱۸۸/ ۳)

کوہِ مکلی (Koh-i-Makly) پر اس خانوادہ کا جداگانہ قبرستان ہے جہاں اس خاندان کے اکابر آسودۂ خاک ہیں، (مکلی نامہ، ترخان نامہ، مقدمہ ۴۳)

ترخان نامہ

میر سیّد جمال الدین کی صرف ایک ہی کتاب ترخان نامہ دستیاب ہوئی ہے۔ جو سندھ پر خاندان ارغون اور ترخان کی حکومت کے احوال پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب مرزا عیسیٰ ترخان ثانی (ف ۱۰۶۱ھ) کے بیٹے مرزا محمد صالح کی فرمائش پر مؤلف نے ۱۰۶۵۔۱۰۶۶ھ / ۱۶۵۵۔۱۶۵۶ء کو لکھی، یہی مرزا محمد صالح خانوادہ ترخان کا آخری فرد تھا جو سندھ میں اپنے آباؤ اجداد کے حالات لکھوانا چاہتا تھا۔ ان دونوں خاندانوں کی سندھ پر تقریباً نصف صدی تک حکمرانی رہی۔ (تحفۃ الکرام ۱/ ۱۱۱۔۱۳۰)

ترخان نامہ۔ میر جمال الدین سے پہلے بھی اس موضوع پر ترخان نامہ کے نام سے ایک کتاب لکھی گئی تھی جو مؤلف کو اس کتاب کی تالیف کے دوران دستیاب نہ ہو سکی (ترخان نامہ ۳) مؤلف نے روضۃ الصفا، ظفر نامہ تیموری، تاریخ ہمایونی، اکبر نامہ، نگارستان، تاریخ طاہری، منتخب یوسفی، تاریخ گزیدہ، مجمع الاسباب اور تاریخ طبری سے اپنا مواد جمع کیا ہے (ترخان نامہ ۴)

ترخان نامہ دراصل میر محمد معصوم نامی کی تاریخ سندھ کا خلاصہ ہے، جس میں وہ کچھ اضافہ نہیں کر سکے اور نہ ہی تاریخ طاہری کے مطالب پر کوئی قابلِ ذکر اضافہ ہے بلکہ محض لفظی نقل پر اکتفا کی ہے، یہاں تک کے

مؤلف نے اپنے معاصر حاکم میرزا عیسیٰ ثانی کے عہد کی تاریخ میر پر بھی کوئی ایسا اضافہ نہیں کیا حالانکہ حاکم مذکور کے فرزند میرزا محمد صالح کے امر پر انہوں نے یہ کتاب مرتب کی تھی۔

اس کے علاوہ ترخان نامہ بہت سے تاریخی اشتباہات سے بھرا پڑا ہے۔ دیگر کتب تاریخ سندھ کے ساتھ تقابل سے یہ شبہات رفع کیے جاسکتے ہیں۔

سیّد حسام الدین راشدی نے تین خطی نسخوں سے تقابل کے بعد اس کا ایک عمدہ متن تیار کیا تھا جو سندھی ادبی لورڈ، حیدر آباد سندھ سے ۱۹۶۵ء کو طبع ہوا۔ اس کے ساتھ مصحح کے مرتبہ بہت سے مفید شجرات بھی منسلک ہیں۔

مآخذ

۱۔ راشدی، سیّد حسام الدین: میرزا غازی بیگ ترخان اور اس کی بزم ادب، کراچی، ۱۹۷۰ء

۲۔ ایضاً: تذکرہ امیر فانی، حیدر آباسندھ، سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۶۱ء

۳۔ عبدالقادر ٹھٹھوی: حدیقۃ الاولیاء مرتبہ حسام الدین راشدی، ۱۹۶۷ء

۴۔ قانع، میر علی شیر ٹھٹھوی: تحفۃ الکرام، جلد اوّل مرتبہ حسام الدین راشدی، حیدر آباد سندھ، ۱۹۷۱ء

۵۔ ایضاً: مقالات الشعراء مرتبہ حسام الدین راشدی، حیدر آباد، سندھ ۱۹۷۵ء، جلد اوّل تا سوم۔ بمبئی ۱۳۰۴ھ

۶۔ ایضاً: مکلی نامہ مرتبہ حسام الدین راشدی، حیدر آباد، سندھ ۱۹۶۷ء

۷۔ ایضاً: معیار سالکانِ طریقت مرتبہ خضر نوشاہی، اسلام آباد، ۱۹۹۸ء

۸۔ جمال الدین، میر سیّد: ترخان نامہ مرتبہ حسام الدین راشدی، حیدر آباد، سندھ ۱۹۶۵ء

۹۔ نامی، میر معصوم بھکری: تاریخ سندھ مرتبہ داؤد پوتہ، بمبئی ۱۹۳۸ء

۱۰۔ نسیانی، محمد طاہر ٹھٹھوی، تاریخ طاہری مرتبہ نبی بخش بلوچ، حیدر آباد، سندھ ۱۹۶۴ء

۱۱۔ یوسف میرک بھکری: تاریخ مظہر شاہ جہانی مرتبہ حسام الدین راشدی، حیدر آباد، سندھ، ۱۹۶۲ء

12- Elliot: History of India as told by its own Historians, Lahore,1976.

13- Muhammad Saleem Akhtar, Sind under the Mughals, Islamabad, 1990.

14- Siddiqi, M.H: History of Arghuns and Tarkhans of Sind, Hyderabad, Sind, 1972.

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

۱۲۴ اکتوبر ۲۰۰۴ء

مولانا شیخ علی متقیؒ

شیخ علی بن حسام الدین بن عبد الملک بن قاضی خان المتقی القادری الشاذلی المدنی الچشتی رحمۃ اللہ علیہ، ۸۸۵ھ کو بُرحان پور میں پیدا ہوئے شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

کان ولادتہ رحمۃ اللہ سنہ خمس وثمانین وثمانیۃ وھو تسعین سنہ [1]"

آپ کے آبائے کرام جونپور سے تعلق رکھتے تھے، کم عمری میں ہی بُرحان پور میں شاہ باجن چشتی [2] سے بیعت ہو گئے تھے، شیخ عبد الحقؒ لکھتے ہیں۔

آبائے کرام وی از جونپور اند و تولد شریف وی در برحانپور بودہ و ہم در اوائل صغر ہفت و ہشت سالگی والد بزرگوار وی و برادر خدمت شاہ باجن چشتی کہ در برحانپور بودند بردہ و مرید ساختہ بود [3]"

سن بلوغت کو پہنچے تو شیخ عبد الحکیم [4] بن شاہ باجن چشتی سے خرقہ پہنا۔

"در خدمت شیخ عبد الحکیم بن شاہ باجن رسیدہ خرقہ خلافت مشائخ چشتیہ قدس اللہ اسرار ہم پوشیدہ [5]"

پھر ملتان کے لیے رخت سفر باندھا وہاں شیخ حسام الدین متقی کی صحبت میں دو سال تک رہے، شیخ عبد الحقؒ زاد المتقین میں لکھتے ہیں:

---

۱ زاد المتقین، قلمی ورق ۳۰

۲ برائے شرح حال شیخ بہاء الدین گجراتی المعروف بہ شاہ باجن متوفی ۹۱۲ھ رجوع کنید بہ معارج الولایت قلمی ورق ۱۰۰ الف، گلزار ابرار، نزہۃ الخواطر ص ۹۲

۳ زاد المتقین، قلمی ورق ۳ب

۴ نزہۃ الخواطر ۴/ ۱۹۰

۵ زاد المتقین، قلمی ورق ۳ب

بجانب ملتان سفر کرد و با شیخ حسام الدین متقی رحمتہ اللہ علیہ صحبت داشت و سلوک طریقہ و ورع و تقویٰ بامداد و تعاون برکات صحبت ایشاں پیش گرفت و مدتِ دو سال در صحبتِ وی بود و در این مدت تفسیر بیضاوی و کتاب عین العلم [۲] را با وی مذاکرہ کرد [۳]"

قیام ملتان کے بعد حرمین شریفین کی راہ لی یہاں علمائے حدیث سے استفادہ کیا خصوصاً شیخ ابوالحسن بکری کے علم و فضل سے مستفیض ہوئے، شیخ عبدالحق لکھتے ہیں۔

در مکہ معظمہ با شیخ ابوالحسن بکری رحمتہ اللہ علیہ کہ بالاجماع از کل اولیائے زماں خود بود صحبت داشتند و تلمذ نمودند و دیگر علماء و مشائخ عصر را کہ در ان مقامات شریفہ بودند دریافتند و استفادہ نمودند [۴]"

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے آپ کی شیخ ابوالحسن بکریؒ سے عقیدت و صحبت کے واقعات شرح و بسط سے زادالمتقین میں لکھے ہیں۔

دیار عرب میں آپ نے قادریہ اور شاذلیہ سلسلے کے شیخ محمد بن محمد بن محمد السخاویؒ سے اور سلسلہ مدنیہ کا خرقہ شیخ نورالدین علی سے حاصل کیا، بقول شیخ عبدالحق

---

۱ برائے شرح حال شیخ حسام الدین متقی متوفی حوالی ۹۱۰ھ رجوع کنید بہ زاد المتقین قلمی، فہرست القدس قلمی شمارہ ۱۱۷، معارج الولایت قلمی ورق ۵۵۰ب، اخبار الاخیار، ص ۲۲۵، ۲۲۶ خزینۃ الاصفیاء جلد اول صفحہ ۲۹۶ نزہۃ الخواطر ۳/ ۴۸، معارج الولایت میں ہے۔

"شیخ علی متقی در اوائل صحبت او رسیدہ و تعلیم ازوی نمودہ و نسبت ارشاد و تقوی ازوی حاصل کردہ" (ورق ۵۵۲ب)

۲ "وچند کتب" کہ ضروری بود باشد و از انجملہ یکی عین العلم بود ایشاں وصیت است با طرف ... کہ این کتاب در سفر و حضر ہمراہ دارد" (زاد المتقین، قلمی ورق ۳ب)

۳ زاد المتقین ورق ۵

۴ شیخ ابوالحسن البکری المصری الشافعی از اولاد محمد بن ابی بکر صدیق است رضی اللہ عنہما ــــ سلسلہ علیہ قادریہ نیز دارد و در تصوف کلام بلند و کلمات ارجمند دارد ــــ و رسالہ دیگر دارد کہ درو طریق ذکر خلوت وار بعین بیان کردہ ــــ باوجود این علو مرتبت و جلالت کہ داشت دائم نظر در کتب داشت و مطالعہ میکرد و ہرگز کتاب از دست وی مفارقت نکردی ــــ و در مکہ معظمہ اقامت میفرمود و شیخ علی متقی رحمتہ اللہ علیہ پیش وی علم حدیث و مطالعہ کتب تمام کرد و صحبت داشت و اخذ طریق ــــ وفات وی در سنہ و خمسین و تسعمایہ"

(زاد المتقین قلمی ورق ۹۸ تا ورق ۹۸ب)

۵ زاد المتقین ورق ۷ الف ب

"درانجابزرگی بوداوراشیخ محمد بن محمد السخاوی می گفتند ازوی خرقہای خلافت سلسلہ علیہ قادریہ وطریقہ شاذلیہ کہ بقطب الوقت شیخ نور الدین بن ابو الحسن علی الحسنی الشاذلی منتہی می شود[1]"

وفات کے وقت شیخ علی متقیؒ نے اپنے مختصر حالات تحریر کروائے تھے یہ آخری تحریر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے حاصل کر کے اپنی تصنیف زاد المتقین میں محفوظ کر دی ہے ملاحظہ ہو۔

"ایشان در روز رحلت مجملی از احوال صحبت خود بمشائخ نوشتہ اند نسخہ آں کہ از خط شریف ایشان نقل کردہ شد این است"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم والصلوۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین ھذا ما اوصی بہ الفقیر الی اللہ علی بن حسام الدین الشہیر بالمتقی فی یوم خروجہ من الدنیا وحولہ فی الاخرۃ ان ھذا الفقیر لما کان صغیرا جعلنی والدی رضی اللہ عنہ مریدا للشیخ الاجل باجن قدس سرہ وکان طریقہ السماع والصفا والوجد والیمان (کذا) فلما وصلت الی سن التمیز بین الحق والباطل اخترتہ ورضیت بہ شیخی عملا بما قالوا ان المرید الصبی اذا جعل مرید الشیخ فھو بالخیار بعد البلوغ ان شاء جعلہ شیخا وان شا اتخذ فضہ شیخا آخر فاتخذتہ شیخا موافقہ لوالدی فیما اختار لی فلما مات والدی وشیخی رضی اللہ عنہما۔ بست خرقہ مشائخ چشت من الشیخ عبدالحکیم بن الشیخ باجن قدس سرہ ثم اردت صحبتہ شیخ برشدی وبدلنی علی ما احسنی من طریق الحق فقصدت بلاد مولتان وصحبت الشیخ العارف باللہ حسام الدین المتقی علیہ الرحمۃ والغفران مدہ ثم سافرت الی الحرمین الشریفین وصحبت الشیخ العارف باللہ ابا الحسن البکری قدس سرہ واخذت الخرقۃ القادریہ والشاذلیہ والمدنیہ وبست ھذہ الخرقہ الثالثہ من الشیخ محمد بن محمد السخاوی قدس سرہ انتہیٰ[2]"

حضرت شیخ علی متقیؒ نے بعمر نوے سال ۹۷۵ھ میں رحلت فرمائی، بقول شیخ عبدالحق:

---

1 ایضاً ورق ۸ ب تا ۹ الف

2 ایضاً ورق ۱۰ الف ۔ ب

در وقت رحلت سر مبارک ایشان بر زانوی فقیر (شیخ عبد الوھاب متقیؒ) بود فقضیٰ رحمہ اللہ (علیہ) وھو ذکر اللہ۔۔۔۔۔ وکان ذلک وقت السحر ثانی شہر جمادی الاول سنہ خمس و سبعین و تسعمایتہ وصار تاریخ وفاتہ قضیٰ وھو تسعین سنہ[1]

شیخ علی متقیؒ کو علم حدیث سے عشق تھا چنانچہ آخری دم تک تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رہا، شیخ جلال الدین سیوطی کی کتاب جمع الجوامع پر نظر ثانی کی اور احادیث کو اس طرح انتخاب کیا۔

"وجامع صغیر و کتاب جمع الجوامع وزواید واکمال شیخ جلال الدین سیوطی را کہ احادیث بترتیب حروف تہجی جمع نمودہ واداعا (کذا) احاطہ جمع احادیث نبوی از اقوال وافعال کردہ است تبوب فرمودند و براابواب فقہیہ ترتیب دادند والحق بہ نظر دران کتابہا ظاہر می شود کہ چہ کارہا کردہ اند وچہ تصرفات نمودہ واممعان نظر ایشان در فہم معانی وترتیب الفاظ مقدار بودہ است"[2]

اس کام کی افادیت کا اندازہ شیخ ابو الحسن بکریؒ کے اس قول سے لگایا جاسکتا ہے۔

للسیوطی منۃ علی العالمین وللمتقی منۃ علیہ[3]

یعنی سیوطی نے تمام عالم پر احسان کیا اور متقی نے سیوطی پر حضرت شیخ علی متقیؒ کی ساری دعوت و عزیمت اور تالیف و تصنیف میں صرف ہوئی بقول شیخ عبد الحق۔

"مجموعہ تصانیف و توالیف ایشان از صغیر و کبیر و عربی و فارسی از حد صد متجاوز باشد"[4]

"شیخ علی متقیؒ کی حسب ذیل تصانیف کا سراغ مل سکا ہے۔[5]

---

[1] ایضاً ورق ۵ ب

[2] ایضاً ورق ۵ سطر اول

[3] ایضاً ورق ۵ الف

[4] ایضاً ورق ۵ ب سطر تمیین المطرق

[5] نزہۃ الخواطر کے پیش نظر عملی نسخہ میں اوراق ۔ ص ب تا ۱۳ الف شیخ نے نقل کردیا ہے۔

۱۔ تبیین الطرق۔

بقول شیخ محدث اول مصنفاتِ ایشان است۔۔۔۔ وگاہ گاہی در اوقاتِ خالی بجانبِ صحرا میر فتند
در گوشہ بکنارۂ آب مشغول می شدند، ہمدرین اثنای آن، روز بہ تصنیف رسالہ تبیین الطرق ملہم گشتند و این رسا
اول تصانیف شیخ است"

۲۔ سلوک الطریق اذا فقد الرفیق۔

یہ مکمل رسالہ غلام معین الدین عبداللہ خویشگی قصوری[1] نے معارج الولایت میں من و عن محفوظ کر
ہے۔

او رسالہ ایست مسمی بہ سلوک الطریق فقد الرفیق"

ابتدا

بسم اللہ۔۔۔۔ اعلم ایھا الاخ الطالب بقرب مولاک۔۔۔۔ الخ اختتام۔
العمر ان و حان ذلک فضل من اللہ واللہ ذوالفضل والامتنان[2]

۳۔ حکم کبیر۔

شیخ محدث نے اس رسالے کا ذکر کیا ہے[3]۔
ترجمۂ فارسی دو فصل "التنویر فی اسقاط التدبیر مولفہ تاج الدین احمد خطی ذخیرہ شیرانی کتب
خانہ دانش گاہ پنجاب نمبر ۵ / ۸۷۱ / ۳۹۲۳

---

۱ عبداللہ خویشگی قصوری کے مفصل حالات کے لیے ملاحظہ ہو احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری مولفہ محمد اقبال مجددی مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء

۲ معارج الولایت۔ قلمی ذخیرہ آذر کتب خانۂ دانش گاہ پنجاب لاہور ورق ۳۲۳-۳۲۶

۳ زاد المتقین ورق ۸

۴ علی متقی: الصبح الوانی۔ قلمی ذخیرہ شیرانی نمبر ۹ / ۸۷۱ / ۳۹۲۳ کتب خانہ دانش گاہ پنجاب ورق اول

۴۔ تنصح الوافی للقلب الشافی۔

یہ رسالہ بھی شیخ علی متقی کی تالیفات میں سے ہے۔ یہ دراصل ملک زادہ مسعود بک کی کتاب منہج العارفین کے چند مخصوص حصوں کا فارسی ترجمہ ہے۔ فرماتے ہیں۔

اما بعد میگوید احقر العباد اللہ علی بن حسام الدین چوں بر کتاب منہاج العارفین تالیف ملک زادہ مسعود بک رحمۃ اللہ کہ مشتمل بر نصائح ۔۔۔ وضاحت و بلاغت بود واقف شد خاطر آمد کہ بعض الفاظ کہ از جملہ اسالیب بود آنرا شرح کردہ شود و ترجمہ بہ شرحی کردہ شود ۔۔۔ و این شرح را لنصح الوافی للقلب الشافی نام نہادہ شد و این ترجمہ ہر بیت حروف تہجا کردہ شدہ"

اس کا ایک خطی نسخہ ذخیرہ شیرانی کتب خانہ دانش گاہ پنجاب لاہور نمبر ۶/ ۱۸۷/ ۳۹۲۳ موجود ہے۔

مولانا عبدالحیٔ نے نزہتہ الخواطر میں حضرت شیخ علی متقیؒ کی ان کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

۵۔ النہج الاتم فی ترتیب الحکم[۲]

۶۔ الوسیلتہ الفاخرۃ فی سلطنتہ الدنیا والآخرہ[۳]

۷۔ تلقین الطریق فی السلوک لما الصمد اللہ سبحانہ[۴]

۸۔ البرھان الجلی فی معرفتہ الولی بالفارسی[۵]

۹۔ رسالہ فی ابطال دعوی السید محمد بن یوسف الجونپوری[۶]

۱۰۔ مختصر النہایتہ فی اللغۃ[۷]

۱۔ عبدالحی حسنی: نزہتہ الخواطر ۴/ ۲۲۲

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً

۴۔ ایضاً

۵۔ ایضاً

۶۔ ایضاً ۴/ ۲۲۲ بحوالہ طبقات الکبریٰ الشعرانی

۷۔ محمد بشیر حسین ڈاکٹر: فہرست مخطوطات شفیع، لاہور ۱۹۷۳ء

۱۱۔ رسالہ کفایت اہل الیقین فی طریق المتوکلین۔ اس کا ایک قلمی نسخہ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کے کتب خانہ میں موجود ہے[1]۔ نمبر ۳۵۵/ ۲

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے آپ کی حسب ذیل تصانیف کا ذکر کیا ہے[2]

۱۲۔ شون المنزلات (قلمی انڈیا آفس، لندن ۱۱۵۲)

۱۳۔ کنز العمال (کتب خانہ بانکی پور ۲۷ و آصفیہ نمبر ۶۶۰)، مطبوعہ

۱۴۔ منہج العمال (بانکی پور، آصفیہ)

۱۵۔ الاکمال لمنہج العمال (قلمی نسخہ ترکی)

۱۶۔ منتخب کنز العمال (مطبوعہ مصر، حاشیہ مسند امام احمد بن حنبل)

۱۷۔ الفصول شرح جامع الاصول (بانکی پور)

۱۸۔ شمائل النبی (علی گڑھ)

۱۹۔ البرھان فی علامات مہدی آخر الزمان، آصفیہ نمبر 1019۔ و نسخہ دہلی[2]

۲۰۔ العنوان فی سلوک النسوان (قلمی نسخہ مصر)

۲۱۔ المواھب العلیہ فی الجمع بین الحکم القرآنیہ والحدیثیہ (قلمی مصر)

۲۲۔ جوامع الکلم فی مواعظ والحکم[3] (رامپور، علی گڑھ۔ آصفیہ کے کتب خانوں میں اس کے خطی نسخے موجود ہیں)

۲۳۔ تبویب شرح الحکم العطائیہ المسمیٰ بالتنبیہ (کتب خانہ انڈیا آفس، بنگال)

---

۱ خلیق احمد نظامی، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ دہلی ۱۹۵۳ء، صفحہ ۳۱۰

۲ البرھان کا ایک قلمی نسخہ ذخیرہ شیرانی کتب خانہ دانش گاہ پنجاب میں ہے۔ ایک اور نسخہ کتب خانہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ذخیرہ آزاد میں ہے۔ جس کی نقل پروفیسر محمد اسلم شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی کے پاس تھی۔

۳ حضرت شیخ محمد مراد تنگ کشمیری متوفی ۱۱۳۲ھ نے شیخ علی متقی کی جوامع الکلم کی تلخیص کی تھی (محمد اعظم: فیض مراد قلمی ورق ۲۹) برائے تفصیل دیکھئے حیات شیخ محمد مراد کشمیری مشمولہ تذکرہ معاصر

۴ اس کا نسخہ [illegible] مولانا سید ارشاد کی وساطت سے راقم کو دستیاب ہوا۔

۲۴۔ زاد الطالبین (بانکی پور)

۲۵۔ اسرار العارفین (بانکی پور)

۲۶۔ فتح الجواد (آصفیہ)

۲۷۔ لقم الدرر (آصفیہ۔ بنگال)

۲۸۔ لقم العیار والقیاس فی معرفۃ مراتب الناس قلمی مملوکہ جناب محمد شریف ولد محمد عالم نوشاہی بمقام ڈھل رانیاں متصل سرائے عالمگیر اس مجموعہ رسائل میں دو مہریں (۱۰۸۷ھ دوسری ۱۱۳۴ھ) ثبت ہیں

۲۹۔ غایت الکمال فی بیان افضل الاعمال

اس رسالہ کے بارے میں صاحب نزھۃ الخواطر نے لکھا ہے کہ یہ آپ کی آخری تصنیف ہے[۲] ڈاکٹر امین وشیر صاحب نے راقم سے بیان کیا کہ ترکی کے کتب خانوں میں حضرت شیخ علی متقیؒ کی اکثر تصانیف کے خطی نسخے موجود ہیں۔

مآخذ

حضرت شیخ علی متقیؒ کے مفصل حالات کے لیے ملاحظہ ہو۔

مخطوطات

۱۔ اتحاف التقی فی فضل الشیخ علی المتقی[۳] مولفہ شیخ عبدالوہاب متقی متوفی ۱۰۰۱ھ

۲۔ القول النقی فی مناقب المتقی مولفہ علامہ عبدالقادر بن احمد الفاکہی[۴]۔

---

۱ ایضاً

۲ عبدالحئی حسنی: نزھۃ الخواطر ۴/ ۲۲۲

۳ شیخ عبدالوہاب متقی کے اس رسالہ کا ذکر شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس طرح کیا ہے۔

حضرت شیخ عبدالوہاب سلمہ اللہ بعد در عمل در احوال ایشان (علی متقی) رسالہ نوشتہ اند مسمّیٰ بہ اتحاف التقی فی فضل الشیخ علی المتقی عبارت آن رسالہ [illegible] آوردہ شد چیزی دیگر [illegible] کاتب حروف حاضر کردہ [illegible] (زاد المتقین ورق ۷۷ ب) یہ رسالہ [illegible] نہیں ہو سکا

۴ اس رسالہ کا شیخ نے اس طرح ذکر کیا ہے۔

۳۔ الطبقات الکبری مولفہ شعرانی

۴۔ زادالمتقین فی سلوک طریق الیقین سال تالیف ۱۰۰۳ھ مولفہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ خطی مملوکہ مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی لاہور مکتوبہ ۱۱۱۶ھ

۵۔ معارج الولایت ۱۰۹۶ھ مولفہ عبداللہ خویشگی قصوری۔ خطی ذخیرہ شیرانی کتب خانہ دانش گاہ پنجاب نمبر 25H

۶۔ ثمرات القدس (قبل ۱۰۱۷ھ) مولفہ لعل بیگ لعلی خطی مملوکہ جناب نصرت نوشاہی

۷۔ مفتاح العارفین ۱۰۹۶ھ موسفہ عبدالفتاح بن محمد نعمان بدخشی خطی، ذخیرہ شیرانی

مطبوعات

۸۔ اخبار الاخیار مولفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی

۹۔ اشعۃ اللمعات۔ جلد دوم

۱۰۔ اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار مولفہ محمد غوثی منڈوی۔ آگرہ ۱۳۲۶ھ

۱۱۔ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان مولفہ آزاد بلگرامی بمبئی ۱۳۱۰ھ

۱۲۔ مآثر الکرام، آزاد بلگرامی۔ دفتر اول ۱۹۱۰ء

۱۳۔ سفینۃ الاولیاء داراشکوہ، ایران۔

۱۴۔ ابجد العلوم، نواب محمد صدیق حسن خان بھوپال

۱۵۔ اتحاف النبلا، نواب محمد صدیق حسن خان بھوپال

۱۶۔ خزینۃ الاصفیاء مولفہ مفتی غلام سرور لاہوری ثمر ہند پریس لکھنو ۱۸۷۳ء

۱۷۔ تذکرہ علمائے ہند۔ رحمان علی ترجمہ اردو۔ از پروفیسر محمد ایوب قادری۔ کراچی ۱۹۶۱ء

ایں رسالہ شیخ عبدالقادر فاکہی مردی بود از اکابر و اعیان علماء کبار کہ بغایت فصیح و بلیغ است الفاکہی مردکہ مشہور است دری باشیخ (علی متقی) نوشتہ و تصانیف دیگر در علوم نیز دارد"

(زادالمتقین ورق ۵ ب)

اگرچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے شیخ عبدالقادر فاکہی کے رسالہ کا نام نہیں لکھا لیکن صاحب خزینۃ الاصفیاء ۱/ ۲۰۰ نے اس کا یہ عنوان درج کیا ہے۔

۱۸۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ مولفہ خلیق احمد نظامی۔ دہلی ۱۹۵۳ء

۱۹۔ حدائق الحنفیہ۔ فقیر محمد جہلمی۔ لکھنو ۱۹۰۶ء

۲۰۔ تجلی نور (حصہ دوم) نورالدین جونپور ۱۸۸۹ء

(ماہنامہ) سرحد، کراچی

ش۔ ۲، ج۔ ۱ (۱۹۷۴ء)

مولانا شیخ صبغۃ اللہ حُسینی بہڑوچی

شیخ صبغۃ اللہ بن روح اللہ بن سید احمد بن عبدالفتاح کاظمی بروجی ثم مدنی کی ولادت کاٹھیاواڑ کے مشہور مقام بہڑوچ[1] میں ۹۵۲ھ / ۱۵۴۵ء کو ہوئی ان کی والدہ سید شاہ کمال صوفی (خلیفہ و داماد خواجہ سید محمد گیسو دراز بندہ نواز) کی صاحبزادی تھیں[2] ان کے اجداد کا تعلق اصفہان سے تھا۔ جو وہاں سے بہڑوچ آکر آباد ہو گئے تھے[3]۔ ابتدائی تعلیم بہڑوچ میں ہوئی پھر احمد آباد (گجرات) جا کر معروف عالم و صوفی شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی کے حلقہ میں داخل ہو گئے نو سال تک ان کی خدمت میں رہے۔ ان سے مروجہ علوم کی بدرجہ کمال تحصیل کی اور سلسلۂ شطاریہ میں خلافت سے سرفراز ہوئے[4]۔ وہاں سے اپنے وطن بہڑوچ آئے۔ حدود ۹۹۹ھ / ۱۵۹۰ء میں شیخ صبغۃ اللہ حج کے لیے روانہ ہوئے۔ اگلے سال واپس آئے اور بہڑوچ، مالوہ، خاندیش اور آخر میں بیجاپور گئے اس وقت ۱۰۰۰ھ / ۱۵۹۱ء تھا۔

اس وقت ابراہیم عادل شاہ بیجاپور کا حاکم تھا۔ اس نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی انہیں نہایت اعزاز کے ساتھ رکھا جہاں آپ پانچ سال تک مقیم رہے۔ بیجاپور میں درس و تدریس کے علاوہ بے شمار روحانی طالبوں نے بھی آپ سے فیض پایا۔ اس وقت بیجاپور شیعہ سنی اختلاف کی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ شیخ صبغۃ اللہ نے اہل سنت کی تائید میں بڑی سرگرمی دکھائی[5]۔

---

1 Gujrat as Arabs know it pp.43-49

۲ محمد یوسف کوکن عمری: خانوادۂ قاضی بدرالدولہ، مدراس ۱۹۶۰ء، ص ۵۱، خلاصۃ الاثر ۲/ ۲۴۳ اور نزہۃ الخواطر ۵/ ۱۷۵ وغیرہ میں ان کا نسب صبغۃ اللہ بن روح اللہ بن جمال اللہ بتایا گیا ہے لیکن کوکن صاحب نے خاندانی کاغذ کی بنیاد پر جو سلسلہ درج کیا وہ نسب ہی درست ہے۔

۳ محبی، محمد: خلاصۃ الاثر ۲/ ۲۴۳

۴ خانوادۂ قاضی بدرالدولہ، ۵۱ گلزار ابرار، برگ ۳۶۳ بحوالہ خلاصۃ الاثر میں ان کی روحانی نسبت نقشبندی درج ہے بہروچی کے شیخ وجیہ الدین معروف شطاری صوفی تھے۔

5 Eaton, R.M: Sufis of Bijapur, pp114-116

شیخ صبغۃ اللہ ایک سال تک احمد نگر میں مقیم رہے جہاں کے حاکم برہان شاہ نے بھی ان کی بہت توقیر کی' یہ بیجاپور قیام سے پہلے کا واقعہ ہے وہاں سے آپ پھر حرمین الشریفین کے لیے روانہ ہوئے اور ۱۰۰۵ھ / ۱۵۹۶ء میں مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے وہاں دس سال تک درس و تدریس کے ساتھ سلسلہ شطاریہ کی ترویج میں سعی بلیغ کی۔ اسی مقدس شہر میں خانقاہ کی بنیاد رکھی۔ آپ کی شہرت سن کر سلطان روم نے آپ کو بلا بھیجا اور مدد معاش کی پیش کش کی جسے آپ نے قبول نہ کیا[۲]۔ شیخ صبغۃ اللہ کا مدینہ منورہ میں ہی ۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۰۱۵ھ / ۱۶۰۶ء کو انتقال ہوا اور جنت البقیع میں دفن ہوئے[۳]۔ پاکستان و ہند میں ان کے بے شمار تلامذہ اور مریدین تھے[۴]۔ صاحب گلزار ابرار محمد غوثی مانڈوی نے بھی ان سے فیض پایا تھا[۵] اور حرمین الشریفین میں بھی لاتعداد اصحاب ان کے حلقے میں شامل تھے ان میں میرزا (ف ۱۰۳۷ھ) سید اسعد بلخی، شیخ احمد شناوی، شیخ ابراہیم ہندی (وفات در ہند) شیخ محی الدین مصری، ملا شیخ الیاس کردی مدنی اور ملا نظام الدین سندھی (نزیل دمشق) وغیرہ کے اسما تذکروں میں محفوظ ہیں[۶]۔

شیخ صبغۃ اللہ بہروچی کئی کتابوں کے مولف تھے جن میں سے بعض کا ذکر ملتا ہے:

۱۔ حاشیہ علیٰ تفسیر البیضاوی، یہ حاشیہ بلاد روم میں بہت مشہور اور متداول تھا[۷]۔

۲۔ تعریب جواہر الخمسہ تالیف شاہ محمد غوث گوالیاری[۸]۔

لیکن مطبوعہ متن میں بہروچی کا نام بحیثیت مترجم نہیں آیا۔

۳۔ کتاب باب الوحدۃ[۹]۔

---

۱ گلزار ابرار، برگ ۳۶۲ الف

۲ ایضاً Copty, pp 223-24

۳ نیز: خلاصۃ الاثر ۲/۲۲۲؛ گلزار ابرار ۳۶۲ الف

۴ خانوادۂ قاضی بدر الدولہ ۵۱-۶۰ (اس خانوادے کے افراد انہی کے شاگرد و مرید تھے)

۵ گلزار ۳۶۲ الف

۶ خلاصۃ الاثر ۲/۲۲۲-۲۲۳، [illegible]

۷ خلاصۃ الاثر ۲/۲۲۲، ۲۲۳؛ نزہۃ الخواطر ۵/۱۶۷

۸ قلمی نسخوں کے لیے دیکھیے:

نزہۃ ۳۵۲

۹ خلاصہ ۲/۲۲۳

۴۔ رسالہ ارادۃ الدقائق فی شرح مراۃ الحقائق[1]۔

۵۔ رسالہ فی الجفر[2]۔

۶۔ (رسالہ) مالایسع المرید ترکہ کل یوم من سنن القوم[3]۔

مآخذ

۱۔ محمد غوثی مانڈوی: گلزار ابرار، خطی نسخہ، کتابخانہ جان رای لینڈ، مانچسٹر، انگلینڈ نمبر ۱۸۵ فارسی

۲۔ ایضاً: اذکار ابرار ترجمہ اردو گلزار ابرار از فضل احمد جیوری، لاہور ۱۳۹۵ھ

۳۔ محبی، محمد: خلاصۃ الاثر، بیروت، دار صادر (س ن)

۴۔ لیلیٰ الصباغ: من اعلام الفکر العربی، دمشق، الشرکۃ المتحدہ ۱۹۸۶ء

۵۔ ابو سف کوکن عمری: خانوادۂ قاضی بدر الدولہ، مدراس ۱۹۶۰ء

۶۔ ولی اللہ محدث دہلوی: انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، لائل پور (س ن)

۷۔ محمد بن علی سنوسی: المنہل الروی الرائق۔ قاہرہ ۱۹۵۴ء

۸۔ کحالہ، عمر رضا: معجم المولفین، بیروت (س ن)

۹۔ عبد الحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۵، حیدر آباد دکن ۱۹۵۵ء

۱۰۔ عبد الحی کتانی: فہرس الفہارس طبع احسان عباسی، بیروت ۱۹۸۲ء

۱۱۔ غلام محمد: مرآت محمدی بمبئی ۱۹۳۰ء

۱۲۔ ابو ظفر ندوی: تاریخ گجرات، اعظم گڑھ

۱۳۔ قشاشی، صفی الدین احمد: السمط المجید، حیدر آباد، دکن ۱۳۲۷ھ

۱۴۔ محمد غوث گوالیاری: الجواہر الخمسہ مرتبہ عاصم ابراہیم الکیالی، بیروت، ۲۰۱۰ء

15- Zubaid Ahmed: Conttribution of Indo-Pakistan to Arabic Literature, Lahore, 1968

---

۱ ایضاً

۲ ایضاً

۳ ایضاً

16- Eaton, R.M: Sufis of Bijapur, Princeton, 1978
17- Quraishi, M. A. Muslim Education and Learning in Gujrat, Baroda, 1972.
18- Janaki, V.A: Gujrat as the Arabs knew it, Baroda 1969
19- Copty, A: The Naqshbandiyya and its off shoot in Haramayn, die welt des Islam, Vol. 43, No.3, (2003), Leiden

دانشنامہ جہان اسلام، تہران

مولانا عبد اللہ عبدی لاہوری

عبدی: پنجابی شاعر عبد اللہ لاہوری کا تخلص، پنجاب میں عبدی تخلص کے کئی شاعر ہوئے ہیں، جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں: (۱) عبدی بن محمد کودھن ساکن باتو، مصنف رسالہ مہتدی ۹۹۷ھ / ۱۵۸۸ء (۲) عبدی، عبد اللہ لاہوری، صاحب باراں انواع، ۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء تا ۱۰۶۵ھ / ۱۶۵۴ء (۳) عبدی، عبد اللہ خویشگی قصوری، مصنف معارج الولایت (۴) عبدی، صاحب فقہ ہندی اور (۵) عبدی، عبد اللہ قیصر شاہی بن شیخ محمد یار بن شیخ گل محمد، ساکن رسول نگر ضلع گوجرانوالہ وغیرہ۔ ان میں جو شہرت صاحب باراں انواع کو نصیب ہوئی وہ کسی دوسرے کے حصے میں نہیں آئی۔ سب سے پہلے میاں محمد بخشؒ نے ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۵ء میں سیف الملوک میں انکے بارے میں چند صفحات لکھے۔ ان کے بعد تمام اہل قلم انہیں کی فراہم کردہ معلومات کا تتبع کرتے رہے۔

ان کے والد کا نام میاں جان محمد تھا (کشتہ: پنجابی شاعراں دا تذکرہ، ص ۵۹) وہ موضع حانس، تحصیل پاک پتن، ضلع ساہیوال کے رہنے والے تھے۔ جوانی کا زمانہ یہیں گزرا، پھر لاہور آگئے اور اندرون لوہاری دروازہ چوک جھنڈا میں حضرت شیخ خشو تیلی (م ۱۰۱۱ھ / ۱۶۰۲ء) کی ہمسائگی اختیار کی (میاں محمد بخش: سیف الملوک، ص ۴۴۴)۔ ان کا ایک بیٹا میاں نور محمد تھا۔ نور محمد کے دو بیٹے، نقی محمد اور تقی محمد، تھے۔ نقی محمد لاولد فوت ہوئے۔ تقی محمد کے ایک فرزند محمد عاشق تھے، حوالہ مذکور، ص ۴۴۶) انہوں نے اندرون لوہاری دروازہ لاہور میں اپنے نام سے ایک محلہ، کوچہ عاشق آباد، آباد کیا۔

میاں محمد بخشؒ نے میاں نور محمد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے بہت سی مروجہ کتب پر حواشی لکھے تھے اور والد نے انہیں "مدقق" کا لقب بھی دیا تھا (سیف الملوک، ۴۴۶)

حقیقت یہ ہے کہ یہاں میاں محمد بخش کو ہم نامی کی وجہ سے التباس ہو گیا ہے۔ مشہور محشی و شارح نور محمد مدقق لاہوری (بعہد عالمگیر) نے التصریف کی شرح میں اپنا شجرہ نسب اس طرح لکھا ہے: "نور محمد بن محمد فیروز بن

فتح اللہ لاہوری"۔ اس سے واضح ہے کہ نور محمد بن عبد اللہ عبدی اور نور محمد مدقق بن محمد فیروز دو الگ الگ شخصیتیں ہیں۔

عبدی نے تقریباً چالیس سال تک علم فقہ کی خدمت کی اور پنجابی نظم میں فقہی مسائل عام فہم زبان میں بیان کیے اور اس موضوع پر مختلف رسائل تصنیف کیے، جن کے نام یہ ہیں:

(۱) تحفہ (۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء) (۲) نص الفرائض (۱۰۳۲ھ / ۱۶۲۲ء) (۳) خلاصہ معاملات (۱۰۴۳ھ / ۱۶۳۳ء) (۴) انواع العلوم (۱۰۴۴ھ / ۱۶۳۴ء) (۵) معرفتِ الٰہی (۱۰۴۵ھ / ۱۶۳۵ء) (۶) خیر العاشقین کلاں (۱۰۵۴ھ / ۱۶۴۴ء) (۷) شرح سراجی (۱۰۵۸ھ / ۱۶۴۸ء) (۸) خیر العاشقین خرد (۱۰۶۵ھ / ۱۶۵۴ء) (۹) حصار الایمان (۱۰) میتل اول (۱۱) میتل دوم (۱۲) حمد وثناء۔

کتاب کا نام باراں انواع ہے، لیکن عبدی کے موجود رسائل گیارہ ہیں۔ چونکہ اب تک عبدی کی انواع کا اصل نسخہ دستیاب نہیں ہو سکا۔ اس لیے مجبوراً اس مجموعے میں ایک رسالہ محمد شفیع لاہوری کا شامل کر کے بارہ کا عدد پورا کیا گیا ہے (کشتہ: پنجابی شاعراں دا تذکرہ، ص ۷۰)

باراں انواع کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی متعدد شعراء نے اس کی تقلید میں کتابیں تصنیف کیں۔ حافظ محمد نے متعدد خطی نسخوں کی مدد سے اس کی تصحیح و تطبیق کی اور حواشی کا اضافہ کیا، جن میں حافظ محمد نے بزبان فارسی انواع کے مشکل مقامات کا حل، ضعیف روایات کی نشان دہی اور مصنف یعنی عبدی کے تسامحات کی نشان دہی کی ہے۔ یہ شرح متعدد مرتبہ چھپ چکی ہے۔

عبدی کا گھرانا لاہور کے قدیم علمی مراکز میں سے تھا۔ اکثر بزرگان دین اور علماء و فضلا ان کے ہاں آکر ٹھیرتے تھے۔ میاں محمد بخش، مصنف سیف الملوک، لاہور آکر انہیں کے ہاں قیام کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی مشہور کتاب سیف الملوک کی ۱۸۵۵ء میں یہیں تصحیح و تکمیل کی اور اس علمی گھرانے کا مختصر تذکرہ اور علمی خدمات و علماء نوازی کا ذکر بھی اس کے آخر میں کیا ہے (سیف الملوک، ص ۴۴۶)۔

عبدی کے زمانے میں پنجابی زبان کو ہندی بھی کہا جاتا تھا، خود لکھتے ہیں:

کیتے مسئلے دین کے عبدی کہے آمین
فقہ ہندی زبان پر بوجھو کر یقین

عبدی کا میدانِ تحریر شرعیات تھا، اس لیے قدرتی طور پر اِن کے کلام میں عربی وفارسی کے اکثر الفاظ آتے ہیں اور بقول کشتہ (ص ۶۰) باراں انواع میں پوٹھوہاری اور ہندی کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں۔

عبدی کی ولادت ووفات کے صحیح سال اب تک معلوم نہیں ہو سکے، البتہ ان کا زمانۂ حیات از روئے تصنیف وتالیف ۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء تا ۱۰۶۵ھ / ۱۶۵۴ء ہے۔

مآخذ:

۱۔ عبدی، عبداللہ لاہوری: باراں نواع، لاہور ۱۳۱۶ھ

۲۔ محمود شیرانی: پنجاب میں اُردو، مرتبہ وحید قریشی، لاہور ۱۹۶۳ء

۳۔ حمید اللہ شاہ ہاشمی: پنجابی ادب دی مختصر تاریخ، مطبوعہ لاہور

۴۔ عبدالغفور قریشی: پنجابی ادب دی کہانی، لاہور ۱۹۷۲ء

۵۔ احمد حسین قریشی: پنجابی ادب کی مختصر تاریخ، لاہور ۱۹۷۲ء

۶۔ میاں محمد بخش: سیف الملوک، جہلم ۱۹۱۴ء

۷۔ عبدالحی: نزہۃ الخواطر (عربی) جلد ششم، حیدر آباد، دکن

۸۔ میاں مولا بخش کشتہ امر تسری: پنجابی شاعراں دا تذکرہ، لاہور ۱۹۶۰ء

9- Sprenger: Catalogue of the Arabic, Persian and Hindustani Manuscripts of the Libraries of the Kings of Oudh, کلکتہ ۱۸۵۴ء

مولانا عبد اللہ بن علامی عبد الحکیم، سیالکوٹی

مولانا عبد اللہ سیالکوٹی گیارھویں صدی ہجری / سترھویں صدی عیسوی کے اکابر علماء میں سے تھے۔

مولانا عبد اللہ بن علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی بن مولانا شمس الدین کے والد علامی ملک العلماء عبد الحکیم سیالکوٹی (۹۸۸۔۱۰۶۷ھ / ۱۵۸۰۔۱۶۵۷ء) کے تین فرزند تھے ملا رحمت اللہ، مولانا عبد اللہ اور ملا رحمٰن قلی (شریف التواریخ ۲/ ۳۱۵۔۳۱۷) ان میں سے مولانا عبد اللہ سب سے زیادہ ذی علم اور مشہور ہوئے۔

مولانا عبد اللہ کا سال ولادت معلوم نہیں ہے اور نہ ہی ان کے ابتدائی حالات زندگی کا خاکہ تذکروں میں ملتا ہے، انہوں نے قرآن مجید حفظ کیا اور اپنے والد کے زیر سایہ مروجہ علوم پر کامل عبور حاصل کر لیا۔ (فرحۃ الناظرین ۱۰۵) اور حدیث کی تعلیم مولانا نور الحق دہلوی (ف ۱۰۷۳ھ / ۱۶۶۳ء) بن شیخ عبد الحق محدث دہلوی سے حاصل کر کے درس و تدریس میں مصروف ہو گئے (نزہتہ الخواطر ۵/ ۲۵۳) اور اپنے والد کے عین حیات ہی "جامع جمیع" علوم بن کر افادۂ طلبہ کے قابل ہو گئے تھے (عمل صالح ۳/ ۲۹۵)

اورنگزیب عالمگیر (۱۰۶۸۔۱۱۱۸ھ / ۱۶۵۸۔۱۷۰۷ء) ان کے علم و تقویٰ سے بہت ہی متاثر تھا۔ اس نے کئی بار انہیں سرکاری ملازمت حتیٰ کہ صدارت کی پیش کش کی لیکن انہوں نے قبول نہ کیا (مرآۃ العالم ۲/ ۴۵۵) ان کی طبیعت سلاطین سے اختلاط کے منافی تھی چنانچہ وہ ۱۰۸۶ھ / ۱۶۷۵ء تک اورنگزیب عالمگیر جیسے متقی بادشاہ سے بھی نہیں ملے تھے، بادشاہ کا اشتیاق ان سے ملاقات کا تھا۔ چنانچہ اس نے حسن ابدال سے پیغام بھیجا کر لاہور تشریف لائیں چنانچہ مذکورہ سنہ میں وہ لاہور پہنچے شہنشاہ سے ملاقی ہوئے، اس دوران ان کی چند مرتبہ بادشاہ سے ملاقات ہوئی اس نے بہت ہی قدر و احترام کیا اور "خلعت و دو مہر و مادہ فیل" دے کر ان کو ان کے مستقر سیالکوٹ رخصت کیا (مآثر عالمگیری ۱۴۸۔۱۴۹)

جب اورنگزیب عالمگیر اجمیر میں تھا اس نے مولانا عبد اللہ سیالکوٹی کو وہاں بلایا اور اپنے ایک خاص مقرب بختاور خان (مؤلف مرآۃ العالم) کو کہا کہ مولانا کو اس امر پر قائل کرو کہ وہ "صدارت" کا عہدہ قبول کرلیں جس پر مولانا نے جواب دیا کہ اب میری عمر ساٹھ سال ہو چکی ہے اب نوکری لینے کا وقت نہیں بلکہ ترک ملازمت کا زمانہ ہے۔ گویا صاف انکار کر دیا (مراۃ العالم ۲/ ۴۵۵) بلکہ بادشاہ نے اپنے دست خاص سے فرمان اس مقصد کے لیے لکھا وہ مولانا کے عذر پر ناراض نہ ہوا، مولانا نے اجمیر میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مزار مبارک کی زیارت کی پھر اورنگزیب سے ملے اور اس دوران کئی مرتبہ ملاقات کی اور پھر باقاعدہ اجازتِ رخصت لے کر اپنے وطن مالوف سیالکوٹ چلے گئے۔ (مآثر عالمگیری ۲۲۹)

مولانا عبد اللہ اپنی وفات سے ایک سال چند ماہ پہلے بیمار رہے اور بآزار لقوہ شب جمعہ ۱۰۹۴ھ / ۱۶۸۳ء انتقال کیا، خبر مرگ پر اورنگ زیب کو تاسف ہوا اس نے ان کے والد کو مددِ معاش کے طور پر جو مواضع دیئے وہ ان کے پس ماندگان کے لیے بحال کر دیئے (مرآۃ العالم ۲/ ۴۵۵) مولانا عبد اللہ کے چار فرزندوں اور اہلیہ کے لیے "وظائف" بھی دیئے (مآثر عالمگیری ۲۲۹)

مولانا عبد اللہ سیالکوٹی کے چار فرزندوں میں سے کسی فرزند کا نام تک ہمیں معلوم نہیں ہے۔ محمد الدین فوق نے مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی کے پوتوں پڑپوتوں کا ذکر کیا ہے لیکن کسی کے نام کے ساتھ وہ یہ وضاحت نہیں کر سکے کہ وہ مولانا کے تین فرزندوں میں سے کس کی اولاد تھے تاہم ان افراد کے ذی علم اور صاحب تصانیف ہونے کا ذکر کیا گیا ہے (ملک العلماء عبد الحکیم ص ۴۰۔۴۳)

مولانا عبد اللہ سیالکوٹی کئی اہم کتب کے مؤلف تھے ان میں سے عربی میں تفسیر سورۃ فاتحہ کا خطی نسخہ رضا لائبریری رام پور میں ہے (عرشی: فہرست مخطوطات عربیہ ۱/ ۲۸۸) عربی نثر میں ایک اور کتاب زاد اللبیب فی سفر الحبیب بھی آپ کی تالیف ہے جس میں مسائل اموات پر بحث کی گئی ہے اس کا ایک نسخہ کتابخانہ اسلامیہ کالج پشاور میں ہے (فہرست دار العلوم اسلامیہ لباب المعارف ص ۱۰۵)

التصریح بغوامض التلویح یہ اصول فقہ میں ہے یہ آغاز سے مقدمات اربعہ تک شرح ہے (نزہتہ الخواطر ۵/ ۲۵۴) اس کا ایک قلمی نسخہ کتابخانہ انڈیا آفس لندن میں ہے (زبید احمد: Contribution of India, p

324) ان کی ایک اور کتاب حاشیہ علیٰ حاشیہ عبد الغفور علیٰ شرح الجامی کا ایک نسخہ کتابخانہ برٹش میوزیم لندن میں ہے (ایضاً ۴۶۱۔ ۴۶۲) محمد اسلم پسروری نے ہدایہ پر بھی ان کے حواشی کا تذکرہ کیا ہے (فرحۃ الناظرین ۱۰۵)

مولانا عبد اللہ سیالکوٹی سے اورنگزیب نے پوچھا کہ آپ کے والد نے آپ پر مسئلہ وحدت الوجود کس طرح واضح کیا تھا؟ مولانا نے اس کے جواب میں ایک مختصر رسالہ لکھ کر پیش کر دیا (امام الدین ریاضی: تذکرہ باغستان بحوالہ معارف اعظم گڑھ، ستمبر ۱۹۶۷ء ص 215) مولانا کا یہ مختصر سا رسالہ فارسی نثر میں ہے اور بہت دقیق ہے، اس کے آغاز میں انہوں نے واضح فرمادیا کہ اورنگزیب عالمگیر نے مجھ سے اس موضوع پر میرے والد کے خیالات پوچھے تو میں نے اس کے جواب کے طور پر یہ رسالہ تالیف کیا ہے۔ اس رسالہ کا ایک خطی نسخہ ہمارے ایک عزیز کے کتب خانہ میں تھا جس سے چند یادداشتیں مرتب کی تھیں اب ہم نے یہ رسالہ مرتب کر لیا ہے جلد شائع کر دیا جائے گا، ان شاء اللہ۔

مولانا عبد اللہ کے والد گرامی علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی اپنے اس ہونہار فرزند کو بہت عزیز رکھتے تھے . انہوں نے کئی کتابیں انہی کے لیے تالیف کی تھیں، میر قطبی کا حاشیہ انہوں نے انہی کے لیے لکھا جس میں ان کے دوسرے القاب کے ساتھ "لبیب" بھی بطور لقب درج کیا ہے (حاشیہ میر قطبی خطی مملوکہ آقای خلیل الرحمٰن داؤدی مرحوم، لاہور، برگ ۲۔۱) گویا مولانا عبد اللہ "لبیب" کے لقب سے ملقب تھے (عکس برگ مشمولہ المصداق، حیدر آباد سندھ، ش ۹۔ ۱۰ ص ۲۲۸) ڈاکٹر زبید احمد نے ابو اللبیب لکھا ہے (۴۶۱) جو مندرجہ بالا بیان کے مقابلہ میں غلط محض ہے۔

ماخذ

۱۔ انجم بخاری، شاہ: "کیا ملا عبد الحکیم سیالکوٹی حضرت شیخ محدث کے شاگرد ہیں؟"، مقالہ مشمولہ المصداق (ش ۹۔۱۰، ۲۰۰۵۔۲۰۰۶) حیدر آباد، سندھ

۲۔ بختاور خان: مرآۃ العالم مرتبہ ساجدہ علوی، لاہور، ۱۹۷۹ء

۳۔ شرافت، شریف احمد: شریف التواریخ، ساہن پال گجرات، پاکستان، ۱۹۷۹۔۱۹۸۴ء

۴۔ شبیر احمد خان غوری: "اسلامی ہند کی علمی خودداری "الدرة الثمینہ" مقالہ مشمولہ معارف، اعظم گڑھ، دارالمصنفین، ستمبر ۱۹۶۷ء وبعد
۵۔ شاہنواز خان، صمصام الدولہ: مآثر الامراء ترجمہ وحواشی محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۶۸ء
۶۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر، حیدر آباد، دکن، ۱۹۵۵ء
۷۔ عبدالرحیم: لباب المعارف العلمیہ فی مکتبہ دارالعلوم اسلامیہ (پشاور)، آگرہ، ۱۹۱۸ء
۸۔ عبداللہ سیالکوٹی: رسالہ فی بیان وحدت الوجود، مرتبہ محمد اقبال مجددی (زیر چاپ)
۹۔ فوق، محمد الدین: سوانحات عمر ملک العلماء علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی، لاہور ۱۹۲۴ء
۱۰۔ محمد صالح کنبولاہوری: عمل صالح مرتبہ غلام یزدانی ووحید قریشی، لاہور، ۱۹۷۲ء
۱۱۔ مستعد خان، محمد ساقی: مآثر عالمگیری، کلکتہ، ۱۸۷۱ء
۱۲۔ محمد اسلم پسروری: فرحۃ الناظرین، اُردو ترجمہ وتعلیقات محمد ایوب قادری، کراچی، ۱۹۷۲ء
۱۳۔ دشیر، امین اللہ: علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی اینڈ الدرة الثمینہ، مقالہ برای حصول درجہ پی۔ ایچ۔ ڈی (عربی) پنجاب یونیورسٹی، لاہور

14- Arshi, I.A: Cat. of Arabic Manuscripts in Raza Library, Rampur, Rampur, 1963.
15- Storey, C.A: Persian literature, London, 1972.
16- Zubaid Ahmad: Contribution of Indo-Pakistan to Arabic Literature, Lahore, 1968.
17- Muhammad Ishaq, India's contribution to the study of Hadith literature, Dacca, 1955.

۲۲ اکتوبر ۲۰۰۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ محمد امین صدیقی علوی حسینی

میر محمد امین صدیقی گیارھویں صدی ہجری کے ایک عالم اور مفسر تھے۔

میر محمد امین کے حالات متعارف کتب تاریخ و تذکروں میں نہیں ملتے، انہوں نے اپنی دو نسبتیں یعنی صدیقی اور علوی حسینی خود بیان کی ہیں (تفسیر امینی، خطی برگ ۲۔ الف)

گویا یہ پدری و مادری نسب سے متعلق معلوم ہوتی ہیں۔

میر محمد امین صدیقی علوی حسینی اورنگ زیب عالم گیر (۱۰۶۸۔۱۱۱۸ھ / ۱۶۵۸۔۱۷۰۷ء) سے وابستہ تھے، ان کا منصب کیا تھا یہ معلوم نہیں ہے۔ ڈاکٹر اطہر علی کی مرتبہ فہارس امراء میں ان کا سرے سے نام ہی نہیں آیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کوئی منصب دار نہیں تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب سے وابستہ علماء و مشائخ کی جو جماعت دینی علوم پر تحقیقات میں مصروف رہتی تھی (حسنات الحرمین ۱۳۷) موصوف کا تعلق اسی گروہ سے تھا، کیوں کہ انہوں نے یہ تفسیر اورنگزیب کے "تعمیل ارشاد" کے لیے لکھنا شروع کی اور تکمیل کے بعد اسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔ (تفسیر امینی، ۲۔ الف)

میر محمد امین کا نام کتابخانہ آصفیہ کے فہرست ساز نے امین الدین لکھا ہے۔ (فہرست آصفیہ ۱/ ۴۰۴) جو صحیح نہیں ہے ہمارے پیش نظر تفسیر امینی کا جو خطی نسخہ ہے اس کے آغاز میں انہوں نے اپنا نام میر محمد امین ہی درج کیا ہے۔

میر محمد امین صدیقی کی صرف یہی ایک تالیف تفسیر امینی کا ہمیں تا حال علم ہے جو فارسی نثر میں ہے۔

تفسیر امینی:

میر محمد امین صدیقی نے یہ تفسیر اورنگ زیب عالمگیر کی فرمائش پر لکھنا شروع کی اور تکمیل کے بعد اسے اس کی خدمت میں پیش کیا۔

تالیف کے دوران مولف کا صرف یہ مقصد تھا کہ قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ کر دیا جائے تاکہ یہ عام فہم کتاب ہر خاص وعام کے لیے مفید ہو۔ انہوں نے وضاحت کی ہے کہ اس کی تالیف سے قبل فارسی میں لکھی جانے والی کتب تفسیر ان کے پیش نظر ہیں خصوصاً تفسیر مواہب علیہ تالیف ملا حسین واعظ کاشفی کو بنیادی ماخذ کی حیثیت سے استعمال کیا ہے اور دیگر فارسی تفاسیر سے بھی اخذ واستفادہ کیا گیا ہے۔

مولف نے پہلے قرآن پاک کا متن نقل کر کے ہر آیت کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ ہر آیت کے آغاز میں اس کا شانِ نزول بھی درج کر دیا ہے۔ یہ اس تفسیر کے متن کی بجائے تمام تر حواشی میں آیا ہے۔

اس تفسیر کے بعض مطالب وخصوصیات یہ ہیں:

اس کا انداز سادہ اور دل نشین ہے۔ مثلاً شیطان کا ترجمہ "دیو فریبندہ سرکش" کیا ہے۔ من الثمرات کا ترجمہ "از انواع میوہا و نباتہا" دیا ہے یعنی صرف میوہ نہیں بلکہ نباتات بھی اس میں شامل ہے۔ "یعلمہ الکتاب الحکمۃ میں حکمت کا ترجمہ "علم حلال وحرام" کیا ہے۔

تفسیر آیات کے ضمن میں مولف نے حواشی میں بعض اہم قصص بھی بیان کیے ہیں (ورق ۲۲ب) مالِ غنیمت کی بحث کے ضمن میں لکھا ہے۔ در زمانِ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خمس بر پنج سہم منقسوم می شد۔۔۔ سہم حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وذوی القربی ساقطست (برگ ۱۰۱ب)

سورۂ یوسف کی تفسیر وترجمہ کرتے ہوئے مولف نے بعض فارسی اشعار بھی درج کیے ہیں۔ باطل کا ترجمہ کئی مقامات پر "شرک" کیا ہے۔ تفسیر میں مختلف امور کی توضیحات کے دوران مولف نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں سے کئی اہم واقعات کی طرف بھی اشارے کیے ہیں لیکن اکثر آیات، صرف ترجمہ ہی کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

مولف نے مقدمے میں لکھا ہے کہ اس تفسیر کی تالیف کے وقت اس کے پیش نظر قرآنِ پاک کی فارسی تفاسیر بھی موجود ہیں یقیناً انہوں نے ان سے استفادہ کیا ہوگا لیکن ان میں کسی تفسیر کا متن میں حوالہ نہیں دیا۔ مولف نے اختلافی امور یا مسائل کے بیان میں اختلافات جمع کر کے بحث کرنے کی بجائے صرف مرجح اور واضح ترین امور بیان کر دیے ہیں۔ آیات کا ترجمہ سادہ، سلیس اور عام فہم ہے، عام قاری کو کہیں بھی الجھاؤ پیدا نہیں ہوتا۔ آیات کے شانِ نزول میں تاریخی واقعات کی طرف بھی اشارات کیے ہیں۔

تفسیر امینی کے صرف دو خطی نسخوں کا سراغ مل سکا ہے، ایک کتاب خانہ آصفیہ، حیدر آباد دکن میں ہے (فہرست آصفیہ ۱/۴۰۴) دوسرا نسخہ مخطوطات کے معروف تاجر جناب خلیل الرحمٰن داودی (لاہور، پاکستان) کے کتب خانے میں تھا، یہ نسخہ خوش خط اور موٹے کاغذ پر کتابت کیا گیا ہے۔ سال کتابت درج نہیں ہے۔ بارہویں صدی ہجری کے اواخر کا معلوم ہوتا ہے۔ کل اوراق ۳۱۱ ہیں۔

مآخذ

۱۔ برگل، یو، اے: ادبیات فارسی (بر بنای تالیف استوری) ترجمہ فارسی یحییٰ آرین پور، تہران ۱۳۶۲ش

۲۔ تصدق حسین موسوی کنتوری: فہرست شروح بعضی کتب نفیسہ قلمیہ کتب خانہ آصفیہ، حیدر آباد، دکن، ۱۳۵۷ھ

۳۔ منزوی، احمد: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی، تہران، ۱۳۴۸ش

۴۔ نور الحسن انصاری: فارسی ادب بعہد اورنگ زیب، دہلی، ۱۹۶۹ء

۵۔ محمد امین صدیقی علوی حسینی: تفسیر امینی، خطی نسخہ مملوکہ خلیل الرحمن داودی، لاہور

۶۔ محمد عبید اللہ مروج الشریعت: حسنات الحرمین مرتبہ، محمد اقبال مجددی۔ موسیٰ زئی، ۱۹۸۱ء

7- Storey, C.A: Persian Literature, London 1970

۲۷ جنوری ۱۹۹۸ء

برائے دانشنامہ ادبیات فارسی شبہ قارہ، تہران

شیخ محمد اشرف بن محمد مرید لاہوری

شیخ محمد اشرف لاہوری گیارہویں صدی ہجری کے پنجاب کے علماء وفقہاء میں سے تھے۔

شیخ محمد اشرف بن محمد مرید شاہدری لاہوری کا قیام لاہور کے ایک معروف مضافاتی قصبہ شاہدرہ (Shahdrah) میں تھا۔ وہ مسلکاً حنفی اور قادری سلسلہ کے صوفی تھے۔

حافظ برخوردار قادری نوشاہی (ف ۱۰۹۳ھ / ۱۶۸۲ء تذکرہ نوشہ گنج بخش ۱۵۵) کے مرید تھے (فہرست مشترک ۴/ ۲۲۶۳) اس اعتبار سے شیخ محمد اشرف قادری نوشاہی سلسلہ سلوک سے تعلق رکھتے تھے۔

شیخ محمد اشرف نے وضاحت کی ہے کہ وہ اپنے مستقر (شاہدرہ) سے اورنگزیب کے لشکر میں جاکر ملازم ہو گئے (تحفۃ الحسینی ص ۱)

اورنگزیب عالمگیر (۱۰۶۸۔۱۱۱۸۔۱۶۵۸۔۱۷۰۷ء) کے ساتھ خصوصی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ اُسے ایسے القاب سے یاد کیا ہے جس سے اس کی مذہبی سیادت ومذہبیت سے گہرے لگاؤ کی نشاندہی ہوتی ہے۔ (ہمانجا برگ ۲۔۱)

شیخ محمد اشرف لاہوری کا سالِ وفات معلوم نہیں ہے۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ ۱۰۸۸ھ / ۱۶۷۷ء تک بقید حیات اور تصنیف وتالیف میں معروف تھے۔

شیخ محمد اشرف کی صرف ایک ہی تالیف تحفۃ الحسینی سے ہم آگاہ ہیں:

تحفۃ الحسینی:

یہ کتاب فارسی نثر میں ہے۔ اور تجہیز وتکفین کے مسائل پر مشتمل ہے۔

مؤلف کے میزبان میر حسین کی درخواست پر تالیف کی گئی ہے۔ (تحفۃ الحسینی۔ برگ اب)

مؤلف نے کتاب کے آغاز میں وضاحت کی ہے کہ تحفتہ الحسینی اس کا تاریخی نام ہے جس سے اس کا سالِ تالیف ۱۰۸۸ھ (۱۶۷۷ء) بر آمد ہوتا ہے (ہمانجا برگ اب)

یہ کتاب سولہ فصول پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل الرض ہے۔ اسی طرح مختلف فصلیں وقتِ رحلت، کفن، نمازِ جنازہ، تدفین۔۔۔۔۔۔

یہ کتاب اورنگزیب عالمگیر کے نام معنون کی گئی ہے۔ اس کے لیے ایک ورق کے بقدر طویل القاب بھی لکھے ہیں۔ (ہمانجا۔ برگ ۲۔ اب)

مؤلف نے ہر فصل میں فقہی مباحث کے دوران دلائل وسند کے طور پر فقہ کی مستند کتابوں کے حوالے بھی دیئے ہیں۔ اس میں تقریباً تین سو کتبِ فقہ کے اسماء بطور سند مختلف فصول میں ملتے ہیں جن میں سے چند نام حسبِ ذیل ہیں:

نافع المسلمین، شرح سفر السعادت، صلوۃ مسعودی، عین المعانی، شرح سراجیہ، فتاویٰ جامع المتفرقات، معالم التنزیل، کامل التواریخ (الکامل فی التاریخ)، زین القصص، کشاف، تفسیر کبیر، ترغیب وترھیب، فتاویٰ برہنہ، شرح طحاوی، فتاویٰ قاضی خان، انواع العلوم، (فتاویٰ) ظہیری، خزانتہ الفتاوی، کنز العباد (فی شرح الاوراد)

اوزان کے سلسلہ میں میر شاہ جہانی کا بھی ذکر آیا ہے (برگ ۳۶)

تحفتہ الحسینی کے تیرہ ایسے خطی نسخوں کی تفصیل فہرست مشترک (۴/ ۲۲۶۴) میں درج ہے جو پاکستان کے مختلف کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس وقت اس کا ایک خطی نسخہ مملوک جناب خلیل الرحمٰن داودی (لاہور) ہمارے پیش نظر ہے۔

مآخذ

۱۔ اشرف لاہوری: تحفۃ الحسینی، خطی نسخہ مملوکہ جناب خلیل الرحمٰن داؤدی، لاہور

۲۔ شرافت نوشاہی، شریف احمد: تذکرہ نوشہ گنج بخش، لاہور، الکتاب، ۱۹۸۴ء

۳۔ ایضاً: شریف التواریخ (احوال اولیاء سلسلہ نوشاہیہ) لاہور، ساہنپال، گجرات

۴۔ منزوی، احمد: فہرست مشترک نسخہ ہائے خطی فارسی پاکستان۔ ج ۴۔ اسلام آباد ۱۹۸۵ء

یکم جنوری ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

حکیم تقرب خان داؤد اصفہانی

حکیم محمد داؤد مخاطب بہ تقرب خان گیارہویں صدی ہجری کا ایک نامور طبیب اور منصب دار تھا۔

تقرب خان کا نام حکیم محمد داؤد تھا اس کے والد حکیم عنایت اللہ بھی نامی گرامی اطبا میں سے تھے اور مسیح الزمان حکیم صدر الدین متخلص بہ اہلی شیرازی (ف ۱۰۶۰ھ / ۱۶۵۰ء) کے فرزند حکیم فخر الدین محمد شیرازی کے شاگرد تھے (کاروانِ ہند ۱۱۔ ۱۲، ۸۹۔ ۹۴) حکیم عنایت اللہ شاہ عباس صفوی کے اطباء خاص میں شامل تھے ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند حکیم داؤد کو شاہی اطباء میں شامل کر لیا گیا۔ خود بڑا نباض اور حاذق طبیب بن چکا تھا اور اُس نے بادشاہ کا خاص قرب بھی حاصل کر لیا تھا۔ حاسدین نے اس کے متعلق بادشاہ کے دل میں شکوک و شبہات پیدا کر دیئے۔ اُسے ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔ بادشاہ کے جانشینوں نے بھی ویسا ہی سلوک کیا تو حکیم داؤد دل برداشتہ ہو کر حج و زیارت کے ارادے سے ایران سے نکلا عراق اور دیگر ممالک سے ہوتا ہوا ہندوستان پہنچا (مآثر الامراء ۱ / ۴۸۵)

حکیم داؤد کے دربار شاہ جہانی میں پہنچنے سے صرف بیس یوم قبل شہزادی جہاں آرا (رک بآں) کے کپڑوں میں آگ لگ کر جلنے کا حادثہ پیش آیا تھا (یعنی ۲۵ اپریل ۱۶۴۴ء کو)، حکیم داؤد زخموں کو مندمل کرنے اور فن جراحی میں کمال مہارت رکھتا تھا۔ اس کے کامیاب علاج سے بادشاہ شاہجہان نہایت خوش ہوا اُسے ایک ہزار پانصد کا منصب اور بیس ہزار روپے نقد انعام دیا۔ (شاہ جہان نامہ عنایت خان ۳۱۰، عمل صالح ۲ / ۳۳۴)

۲۱ محرم ۱۰۵۵ھ / ۱۶۴۵ء کے جشن نوروز کے موقع پر بادشاہ نے بہت سے عطیات حکیم داؤد کو دیئے اور ایک سال تک جمعہ کے روز اس کو پیش کش ملتی رہی (عمل صالح ۲ / ۳۵۳، شاہ جہان نامہ عنایت خان ۳۲۳، مآثر الامراء ۱ / ۴۸۷) ۱۰۵۷ھ / ۱۶۴۷ء میں حکیم داؤد کو شاہ جہان نے تقرب خان کا خطاب دیا (عمل صالح ۲ / ۴۲۸، شاہ جہان نامہ عنایت خان ۳۷۱، مآثر الامراء ۱ / ۴۸۷)

۱۰۵۹ھ / ۱۶۴۹ء کو تقرب خان کو تین ہزار ذات اور آٹھ سو سوار کا منصب ملا۔ ۱۰۶۲ھ / ۱۶۵۲ء میں اُسے شاہ جہان کی بیگم اکبر آبادی محل (عز النساء) کے علاج کے لیے طلب کیا گیا جس پر اس کے منصب میں پانصد کا اضافہ ہوا اور تیس ہزار روپے انعام ملا۔ ۱۰۶۳ھ / ۱۶۵۳ء میں تقرب خان کو چار ہزار ذات اور تین ہزار سوار کا منصب دیا گیا۔ (مآثر الامراء،۱/ ۴۸۷)

اسی دوران ۱۰۶۸ھ / ۵۷۔۱۶۵۸ء کو اورنگ زیب عالمگیر تخت نشین ہوا اور شاہ جہان کو آگرہ کے قلعہ میں پابند کر دیا گیا چونکہ تقرب خان شاہ جہان کا مزاج شناس طبیب تھا اس لیے اس کے علاج کی غرض سے اُسے بھی قلعہ مذکور میں رکھا گیا جہاں اُسے کامیاب علاج کے انعام کے طور پر شاہ جہان نے تیس ہزار اشرفیاں دیں۔ (مآثر الامراء ۱/ ۸۷۔۴۸۸)

اس دوران اورنگزیب عالمگیر کسی بات پر تقرب خان سے کبیدہ خاطر ہو گیا۔ اس پر عالمگیر کا عتاب نازل ہوا تو وہ گوشہ نشین ہو گیا ۱۰۷۲ھ / ۱۶۶۲ء کو عالمگیر شدید علیل ہوا، اطبا حاضر ہوئے، تقرب خان بھی آیا، دوبارہ شاہی عنایات سے سرفراز ہوا، اگرچہ عالمگیر نے اس سے علاج نہیں کروایا تاہم اُسے کورنش کی اجازت مل گئی۔ چند ماہ بعد ۱۰۷۳ھ / ۱۶۶۲ء کو تقرب خان کا انتقال ہو گیا۔ (حمانجا ۱/ ۴۸۸، تذکرہ الامراء ۱/ ۱۲۰)

تقرب خان کا فرزند محمد علی خان بھی ایک معزز عہدے دار تھا، باپ کی معزولی کے باعث وہ بھی زیر عتاب رہا پھر شاہی نوازشات کا طویل سلسلہ بھی جاری ہو گیا۔ باپ کے انتقال کے بعد اُسے پھر منصب ملا مسلسل ترقی ہوتی رہی ۱۰۹۸ھ / ۱۶۸۷ء کو وفات پائی (مآثر الامراء ۳/ ۵۱۹)

(Mughal Nobility Under Aurangzeb, pp. 195, 233)

مآخذ

۱۔ شاہ نواز خان، صمصام الدولہ: مآثر الامراء اُردو ترجمہ و حواشی محمد ایوب قادری، لاہور ۱۹۶۸ء

۲۔ کیول رام: تذکرۃ الامراء مرتبہ معین الحق و انصار زاہد خان، کراچی ۱۹۸۶ء

۳۔ گلچینِ معانی: کاروانِ ہند، مشہد، ۱۳۶۹ش

۴۔ محمد صالح کنبو لاہوری: عمل صالح (شاہ جہان نامہ) مرتبہ غلام یزدانی، وحید قریشی، لاہور، ۱۹۶۷ء

۵۔ محمود نجم آبادی: تاریخ طب در ایران۔ تہران، ۱۳۵۳ش

6- Athar Ali: Mughal Nobility under Aurangzeb, Bombay, 1970.
7- Ibid: Apparatus of Empire, Delhi, 1985.
8- Inayat Khan: Shah Jahan Nama, Trans, Fufler, ed. M.E. Begley and Z.A. Desai, Delhi, 1990.

۱۴ جولائی ۱۹۹۸ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

ملا سعید خان لاہوری

گیارہویں صدی ہجری میں ملا سعید خان لاہور کے اکابر علماء میں سے تھے۔ بعض درسی کتب پر ان کے حواشی کے حوالے ملتے ہیں، نیز حضرت میاں میر لاہوریؒ سے بڑی قریبی روابط تھے۔

دارا شکوہ نے کئی اہم واقعات کے سلسلہ میں ملا سعید خان کے اقوال بطور سند پیش کیے ہیں نیز لکھا ہے کہ ملا سعید پچاس برس سے زیادہ حضرت میاں میر لاہوری سے آشنائی اور آمد و رفت رکھتے تھے:

ملا سعید خان کہ پنجاہ و چند سال بخدمت حضرت میاں جیو آشنائی و آمد و رفت داشت می گفت روزی[1] .... الخ

ایک مرتبہ ملا سعید خان اکبر آباد گئے وہاں بیماری صعب میں مبتلا ہو گئے تو لاہور میں مشہور ہو گیا کہ ملا سعید انتقال کر گئے ہیں۔ حضرت میاں میر نے کسی سے ان کی خیریت معلوم کی تو لوگوں نے افواہ کے مطابق ان کی وفات کی خبر دی لیکن حضرت میاں میرؒ نے عالم کشف میں یہ دیکھ کر کہ ملا سعید بقید حیات ہیں ان کے زندہ ہونے کی لوگوں کی خوشخبری سنائی[2]۔

ملا سعید خان کے ہاں نرینہ اولاد نہیں ہوتی تھی، ایک روز حضرت میاں میرؒ سے نرینہ اولاد کے لیے دعا کی درخواست کی تو آپ کی دعا سے ان کے ہاں دو لڑکے توأم پیدا ہوئے۔ جو سکینۃ الاولیاء کی تالیف ۱۰۵۲۔۱۰۵۹ھ کے دوران بقید حیات تھے[3]۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دارا شکوہ سے بھی ان کے اچھے تعلقات تھے دارا شکوہ نے حضرت میاں میر کے

---

۱ دارا شکوہ: سکینۃ الاولیاء، تہران ۱۳۴۴ ش، ص ۱۱۸

۲ ایضاً ۱۲۱

۳ ایضاً، رجوع کنید بہ صفحات ۳۸، ۸۳، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۱، ۱۳۵، ۱۳۹، ۱۴۴، ۱۵۸

بارے میں کئی اہم روایات انہیں کی زبانی نقل کی ہیں۔

حضرت خواجہ مولانا محمد امین بدخشی[1] خلیفہ حضرت شیخ آدم بنوڑیؒ جب ہندوستان آئے تو اپنے قیام لاہور کے دوران (۱۰۴۷ھ) جن اساتذۂ کرام سے شرف تلمذ حاصل کیا ان میں ملا سعید خان کا نام بھی لیا ہے۔[2]

ملا سعید خان کا سالِ وفات معلوم نہیں ہے۔ داراشکوہ کے اندراجات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سکینۃ الاولیاء کی تالیف ۱۰۵۲۔۱۰۵۹ھ کے دوران بقید حیات تھے۔

حضرت شاہ عنایت قادری قصوریؒ (متوفی حدود ۱۱۵۰ھ) نے غایۃ الحواشی میں حاشیہ ملا سعید خان کے کئی جگہ حوالے دیئے ہیں۔ نیز انہوں نے اپنی دوسری تالیف عرفانی شرح مجموعۂ سلطانی میں بھی متعدد مسائل کی توضیح کے لیے حواشی ملا سعید خان کے حوالے دیئے ہیں۔[3]

یہ حواشی تاحال مؤلف کو دستیاب نہیں ہو سکے۔

۳۰ دسمبر ۱۹۷۶ء

---

۱ مولانا محمد امین بدخشی، حضرت شیخ آدم بنوڑی کے مشہور خلیفہ تھے اپنے شیخ کے حالات پر ایک نہایت اہم کتاب نتائج الحرمین کے نام سے لکھی ہے جو تین ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

۲ محمد امین بدخشی: نتائج قلمی ورق ۲۳۲ ب نسخہ ا

۳ شاہ عنایت: عرفانی شرح مجموعہ سلطانی قلمی مخزونہ کتب خانہ دانش گاہ پنجاب۔

مولانا حافظ نعمت اللہ لاہوری

ہمارے محدود علم میں حافظ نعمت اللہ لاہوری کے حالات سے مطبوعہ اور متعارف کتب تاریخ اور تذکرے خالی ہیں۔ شیخ نعمت اللہ شاہ جہان کے آخری دور اور عہدِ عالمگیر اورنگزیب کے علماء میں سے تھے۔ حافظ صاحب لاہور کے مدرس، مصنف، قاری اور جید عالم تھے۔ اب تک آپ کی صرف ایک تصنیف "مفید القراء" دریافت ہوئی ہے۔ اور یہی اُن کے حالات کا واحد ماخذ ہے۔

نام اور آباد اجداد

آپ کا نام نعمت اللہ اور والد کا نام رحمت اللہ تھا۔ دادا کے متعلق صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ اُن کا نام "مرزا" تھا۔ "مفید القراء" میں اپنے والد اور دادا کے نام کی اس طرح صراحت کرتے ہیں: احقر العباد الضعیف النحیف المغتفر الی اللّٰہ الصمد الغنی نعمت اللّٰہ بن رحمت اللّٰہ بن مرزا[1]۔

مفید القراء کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پنجاب کے کسی موضع سے لاہور میں آکر "زمین کلالاں" میں آباد ہوئے تھے۔ دیباچہ کتاب میں لکھتے ہیں:

"بندۂ حقیر اضعف العباد نعمت اللہ بن رحمت اللہ لاہوری ساکن نو زمین کلاں"[2]۔

اساتذہ

مفید القراء کے مطالعہ سے مترشح ہوتا ہے کہ شیخ نعمت اللہ نے پنجاب ہی میں علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ کتاب کے خاتمہ میں اپنے جن اساتذۂ کرام کا ذکر کیا ہے، وہ تمام پنجاب کے مدرسین میں سے تھے۔ یہ تمام حضرات

---

۱ حافظ نعمت اللہ لاہوری: مفید القراء قلمی خاتمہ کتاب۔

۲ ایضاً مقدمہ کتاب

غیر معروف ہیں۔ ان کے حالات کلیتاً پردۂ اخفا میں ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ پنجاب کے چند جید علماء کے نام محققین کے لیے محفوظ ہو گئے ہیں، ورنہ ان کے حالات تو درکنار آج ہم ان کے ناموں سے بھی واقف نہ ہوتے۔ شیخ نعمت اللہ اپنے علم قرأت کے اساتذہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"احقر العباد الضعیف النحیف المفتقر الی اللہ الصمد الغنی نعمت اللہ بن رحمت اللہ بن مرزا کہ بخدمت مغفوری مرحومی اجود القراء میاں محمد حسین قاری و حافظ سعد اللہ قاری و میاں فتح محمد نواسہ میاں نور الدین محمد قاری مدتِ مدید قرآن مجید خواندہ و شنیدہ و اجازۂ تدریس از ایشاں گرفتہ و مولویون مذکورون بخدمت حضرت میاں نور الدین محمد مذکور خواندہ و میاں مذکور بخدمت میاں حاجی ابراہیم خواندہ و ایشاں بخدمت حاجی احمد خواندہ و ایشاں بخدمت حاجی محمود خواندہ و ایشاں بخدمت شیخ جعفر السنہوری خواندہ غفر اللہ علیہم اجمعین"[1]۔

لاہور میں درس و تدریس

شیخ نعمت اللہ کا لاہور میں دس سال (۱۰۵۶ھ تا ۱۰۶۶ھ) بہ حیثیت معلم، طلبہ کی تربیت میں مشغول رہنے کا تاریخی ثبوت ہمارے پاس موجود ہے۔ عبداللہ خویشگی قصوری جب تقریباً ۱۲ سال کی عمر میں قصور سے لاہور میں تحصیل علم کے لیے آئے تو یہاں جن اساتذہ سے انہیں شرفِ تلمذ حاصل ہوا، ان میں سے انہوں نے شیخ نعمت اللہ کا ذکر بھی کیا ہے لکھتے ہیں:

> "چوں حوادث و علائق ازیں انیست مانع شدند از والد رخصت گرفتہ بلاہور رفتم و بملازمت علماءِ وقت و اساتذۂ عصر کہ میاں محمد صادق بود و محمد سعید (و) شیخ نعمت اللہ کتب تحصیل را تلمذ نمودم"[2]

---

[1] خاتمہ مفید القراء، قلمی

[2] عبداللہ خویشگی قصوری: اخبار الاولیاء من لسان الاصفیاء، ورق ۷۷ ب، قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، روز گراف مخزونہ کتب خانہ دانش گاہ پنجاب۔ عبداللہ خویشگی قصوری کثیر التصانیف مصنف تھے۔ ان کی پچاس تصانیف کا راقم الحروف کو علم ہے۔ ڈاکٹر ایس ایم اکرام نے رود کوثر (ص ۲۰۱ جدید ایڈیشن) میں اخبار الاولیاء مذکور کو سہواً عبدالقادر خویشگی کی تصنیف لکھ دیا ہے۔ حالانکہ یہ عبداللہ خویشگی کی تصنیف ہے۔ عبدالقادر خویشگی تو عبداللہ خویشگی کے والد کا نام ہے۔ خود عبداللہ خویشگی نے اپنی دوسری معروف کتاب معارج الولایت میں کئی مقامات پر اخبار الاولیاء کو اپنی تصنیف بتایا ہے۔

عبداللہ خویشگی ۱۰۴۳ھ میں پیدا ہوئے۔ تیرہ سال کی عمر میں یعنی ۱۰۵۶ھ میں تحصیل علم کے لیے لاہور آئے اور تیئس سال کی عمر میں یعنی ۱۰۶۶ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ اس دس سال کے عرصہ میں وہ شیخ نعمت اللہ لاہوری سے بھی اکتسابِ علم کرتے رہے۔ عبداللہ خویشگی قصوری کے ورودِ لاہور اور تحصیل علم وغیرہ کی تمام تر معلومات راقم احقر کی زیر طبع کتاب "احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری" سے ملخصاً ماخوذ ہیں۔

شیخ نعمت اللہ لاہوری کا حضرت مجدد الف ثانی کے خلاف فتویٰ

یہ تعجب خیز امر تو ہے کہ شیخ نعمت اللہ لاہوری جیسے زیرک اور جید عالم نے حضرت سیدنا شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کی تکفیر میں فتویٰ دے دیا۔ مگر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مفتی فتوے کی نوعیت اور سیاق و سباق سے بے پروا ہو کر استفتاء کی عبارت کے مدِ نظر دیگر مفتیوں کی تقلید میں فتوے پر اپنی مہر تصدیق ثبت کر دیتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نعمت اللہ لاہوری کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا۔ اور یہ ممکن ہے کہ عبداللہ خویشگی قصوری مذکور کے جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مخالفین میں سے تھے اور شیخ نعمت اللہ کے شاگرد رہ چکے تھے اکسانے پر فتویٰ پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہو۔ کیونکہ یہ فتویٰ ہم تک صرف عبداللہ خویشگی کے ذریعہ ہی پہنچا ہے۔

بہر حال شیخ نعمت اللہ لاہوری کی زندگی کا یہ ایک افسوسناک واقعہ ہے۔ اس فتویٰ پر انہوں نے جو مہر ثبت کی ہے اس میں اپنے نام کے ساتھ "حافظ" کا اضافہ کیا ہے۔ یہ فتویٰ قبل ۱۰۹۰ھ کا ہے۔ شیخ نعمت اللہ نے اپنی مہر لگانے سے قبل یہ الفاظ لکھے ہیں:

"من اعتقد بماذکر فقد کفر" کتبہ حافظ نعمت اللہ لاہوری[1]۔

صاحب ترجمہ شیخ نعمت اللہ لاہوری اور اس فتوے میں مشمولہ حافظ نعمت اللہ لاہوری کے ایک ہی شخصیت ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ یہ فتویٰ ۱۰۹۰ھ سے قبل لکھا گیا اور یہ انہیں کا زمانہ حیات ہے۔

مفید القراء

اب تک راقم الحروف کو حافظ نعمت اللہ لاہوری کی فقط ایک ہی تصنیف "مفید القراء" کا علم ہو سکا ہے۔ یہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے علم قرأت سے متعلق ہے اور اورنگزیب عالمگیر (۱۰۶۷ھ۔۱۱۱۸ھ) کے عہد میں

---

1. عبداللہ خویشگی قصوری: معارج الولایت ورق ۲۰۰ قلمی

تصنیف ہوئی ہے۔ طرزِ نگارش اور اسلوبِ بیان مصنف کے پنجابی نژاد ہونے کی غمازی کرتا ہے۔ کتاب کی زبان سلیس فارسی ہے۔ قراء یعنی قاریوں کی سہولت کے پیش نظر قواعد کو فارسی اشعار میں نظم کیا گیا ہے تاکہ ایک قرأت کا طالبعلم بآسانی ان قواعد کو حفظ کر سکے۔ کتاب میں جابجا فارسی اشعار پائے جاتے ہیں۔ اگرچہ مصنف نے وضاحت نہیں کی کہ یہ اشعار ان کی اپنی تصنیف ہیں، تاہم مصنف کے اندازِ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھار شعر بھی کہتے ہوں گے۔ کتاب کا آغاز ان اشعار ہوتا ہے۔

من بغیر تو نہ بینم درجہاں قادرا پروردگارا جاوداں
من ترا دانم ترا دانم ترا خود ترا کی غیر باشد ای خدا
چوں بجز تو نیست در ہر دو جہاں لاجرم غیری نبا شد در جہاں

حمد وثنابے عدد مر حضرت ربّ العالمین کہ انعام او عالم ست۔۔۔۔۔الخ

خاتمہ کتاب

اما تصنیف کہ باعتبار حروف است آن اول قرآن مجید تا ولیتلطف تا در نصف اول است ولام در نصف آخر است در سورۃ کہف۔

اپنے نام اور کتاب کے نام اور موضوعِ کتاب کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

میگوید بندہ حقیر اضعف العباد نعمت اللہ بن رحمت اللہ لاہوری ساکن توزمین کلالاں محتاج الی اللہ القوی المتین تالیف رسالہ دربیان مخارج حروف و قواعد قرآن کہ ہر قاری رابا ید دانست و یاد باید داشت بنابراں بقدر وسع امکان اوراق چند دربیان علم تجوید نوشتہ شد۔۔۔۔۔۔نامیدم ایں رسالہ را "مفید القراء"۔۔۔الخ

عہدِ تصنیف۔ در دور معظم ومکرم ابوالمظفر شہاب الدین محمد صاحب قران ثانی ومحی الدین اورنگزیب بہادر عالی خلد اللہ تعالیٰ ملکہ وسلطنتہ، وافاض علی العالمین برہٗ واحسانہ۔

محتویاتِ رسالہ (ایں رسالہ) منقسم گردانیدم بر چہاردہ باب واللہ الموفق المعین

بابِ اول دربیانِ اسامی قراء وراویان مع شہرہا ومولدہا۔

بابِ دوم۔ دربیان استعاذہ۔ باب سوم دربیانِ بسملہ۔ بابِ چہارم دربیانِ مخارج حروف۔ بابِ پنجم دربیانِ صفات حروف۔ بابِ ششم۔ دربیانِ نون ساکن وتنوین۔ بابِ ہفتم۔ دربیانِ اخفاء و ادغام۔ بابِ ہشتم۔ دربیانِ تفخیم وترقیق را۔ بابِ نہم۔ دربیانِ مد و قصر۔ بابِ دہم۔ دربیانِ ھاء کنایہ۔ بابِ یازدہم۔ دربیانِ وقف۔ بابِ دوازدہم۔ دربیانِ معانقہ۔ بابِ سیزدہم۔ دربیانِ وقفِ غفران وغیرہ۔ بابِ چہاردہم۔ دربیانِ رسم الخط۔

مفید القرآء کے خطی نسخے پر اب تک اس کتاب کے صرف دو قلمی نسخوں کا راقم الحروف کو علم ہے۔ ایک نسخہ انڈیا آفس لنڈن نمبر ۲۷۰۵ ہے۔ دوسرا قلمی نسخہ قاری عبدالرشید قاسمی کے کتب خانہ میں موجود ہے جو ۱۱۸۸ھ کا مکتوبہ ہے۔ اوراق ۲۴ سطر ۲۷۔ تقطیع ۹۰۸ x ۶ بخطِ نستعلیق ونسخ۔

سالِ وفات

حافظ نعمت اللہ لاہوری کا سالِ وفات ہنوز معلوم نہیں ہوسکا۔ شاہ جہان کے عہد میں ۱۰۵۶ھ تا ۱۰۶۶ھ دس سال ان کا لاہور میں مدرس کی حیثیت سے رہنے کا ذکر کیا جاچکا ہے۔ پھر ۱۰۹۰ھ کے قریب وہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلاف فتویٰ میں شریک نظر آتے ہیں۔ گویا ان کا زمانہ حیات مذکورہ سنین کی موجودگی میں قبل ۱۰۵۶ھ تا بعد ۱۰۹۰ھ محقق ہے۔

مآخذ مقالہ ہذا

۱۔ عبداللہ خویشگی قصوری: اخبار الاولیاء من لسان الاصفیا ۱۰۷۷ھ روٹوگراف مخزونہ کتب خانہ دانش گاہ پنجاب، لاہور۔

۲۔ عبداللہ خویشگی قصوری: معارج الولایت ۱۰۹۶ھ مکتوبہ ۱۱۱۱ھ قلمی نسخہ ذخیرہ آذر کتب خانہ دانش گاہ پنجاب۔

۳۔ حافظ نعمت اللہ لاہوری: مفید القراء مکتوبہ ۱۱۸۸ھ قلمی نسخہ مملوکہ مولانا عبدالرشید قاسمی، لاہور۔

۴۔ محمد اقبال مجددی (راقم احقر) ''احوال وآثار عبداللہ خویشگی قصوری'' زیر طبع۔

المعارف، لاہور جون ۱۹۷۱ء

حضرت حامد قاری لاہوری

شیخ مفتی حامد قاری (۱۰۷۱ـ ۱۷ جمادی الثانی ۱۱۶۶ھ / ۱۶۶۰ـ ۱۷۵۳ء) پنجاب کے نامور علماء، صوفیہ، مؤلفین اور مفتیوں میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کے والد کا نام حسن تھا (لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، ۲/ ۱۱۴، چشتی ۳۵۶) سید محمد لطیف کو چشتی کی عبارت سے غلط فہمی ہوئی ہے اور انہوں نے ان کے والد کا نام حسین عالم لکھ دیا ہے (لطیف ۱۰۳)

شیخ حامد قاری، لاہور کے مشہور عالم مولانا تیمور لاہوری کے شاگردِ خاص تھے جو لاہور کے نامور مدرس حافظ محمد اسمٰعیل لاہوری معروف بہ میاں وڈا (کلاں) (Mian Waddah ف ۱۰۸۵ھ / ۱۶۷۴ء) کے حوزۂ علمیہ کے اہم رکن تھے۔ مولانا تیمور لاہوری سے بیعت ارادت رکھتے تھے۔ (محمد عاقل لاہوری: ۴۰ب)، شیخ حامد قاری کا سلسلۂ سہروردیہ بھی مولانا کے توسط سے موسس سلسلہ سے واصل ہوتا ہے۔ (ہمانجا برگ ۴۰ب۔ ۴۱۔ا) حاجی یار بیگ، میراں سید احمد، میاں جان محمد پرویز آبادی لاہوری، اخوند فتح محمد قصوری اور مولانا محمد عاقل لاہوری (مؤلف شرح ترمذی) کے ساتھ علمی مباحث اور مراسلت رہتی تھی (محمد عاقل لاہوری، برگ ۱۸، ۲۰، ۲۸، ۲۹ب، ۴۱ب، ۴۳۔ا، ۴۶ب، ۴۸۔ا)

شیخ حامد قاری، درس وتدریس کا شغل رکھتے تھے، پنجاب بلکہ ہندوستان اور افغانستان کے بہت سے تلامذہ ان کے حلقۂ درس میں حاضر رہتے تھے، حدیث اور فقہ کی تدریس معمول تھا، آپ کی قرأت بہت ہی اعلیٰ درجہ کی تھی اس لیے عوام وخاص میں "قاری" کے لقب سے ملقب ہوئے (چشتی ۳۵۶، لاہوری ۲/ ۱۱۴، لطیف ۱۵۳، ناجی ۱۵۵، کنھیالال، ۲۵۶، حسنی ۶/ ۵۹)

شیخ حامد قاری کے بہت سے شاگرد تھے، جن کی کوئی مکمل فہرست تذکروں میں نہیں ملتی، آپ کے ملفوظات آپ کے شاگرد خاص مولانا میاں محمد عاقل لاہوری نے جمع کیے تھے جن میں بعض نام مختلف واقعات کے دوران تحریر ہیں، شیخ حامد پنجاب کی مشہور قوم راجپوت سے تعلق رکھتے تھے اور لاہور کے محلہ ذر میں قیام تھا(چشتی ۳۶۰، نامی ۱۵۵) شیخ حامد قاری بہت سی کتابوں کے موکف تھے، جن میں سے زیادہ تر علم فقہ سے متعلق ہیں، بعض اس عہد کے اہم اختلافی مسائل کو محیط ہیں، جن میں سے مندرجہ ذیل کتب کا ہمیں تا حال علم ہو سکا ہے:

تالیفات

ا۔رسالہ خواندن چہار گانی جمعہ

نماز جمعہ کے بعد احتیاط ظہر کے طور پر چار رکعت ادا کرنے کے مسائل پر مدلل بحث ہے موکف نے کتب فقہ اہل سنت کے مختلف فقہی اقوال جمع کر کے خوب بحث کی ہے، اور احتیاط ظہر کی ادائیگی کو ہی ترجیح دی ہے۔ علم فقہ کی تمام مروجہ کتب اور مجموعہ ہائے فتاوی کے جا بجا حوالے دیئے گئے ہیں اور اس بارے میں اشکال رفع کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کا ایک خطی نسخہ راقم محمد اقبال مجددی کے کتابخانہ میں ہے۔ دوسرا خطی نسخہ مدرسہ علوم الرتضیٰ، بھلوال، سرگودھا میں ہے(منزوی ۲/ ۱۰۸۳) تیسرا نسخہ کتابخانہ ہمدرد، کراچی(ہمانجا۱۴/ ۴۷۹)

۲۔رسالہ در جواز نماز جنازۂ کناس

موکف نے اس رسالہ کی تالیف کی خود وضاحت کی ہے کہ "اگر گوئی کناس کہ در عرف عام حلال خور گویند کار طیب میگویند وباوجود ایں مردار می خورند از حکم نماز جنازہ آنہا جواز است یا عدم جواز" موکف نے اس کے جواز اور عدم جواز دونوں اطراف کے فقہا کے دلائل جمع کیے ہیں، موکف اپنے جمع کردہ دلائل سے یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حلال خور کی نماز جنازہ جائز ہے۔ اس رسالہ کا ایک قلمی نسخہ راقم محمد اقبال مجددی کے کتب خانہ میں ہے۔

۳۔رسالہ در تحقیق مسائل مہمہ

یہ رسالہ مندرجہ ذیل مسائل پر مشتمل ہے۔ اول گل انداختن بر جنازہ منھی است، دوم کلاہ تنہا پوشیدہ نماز گذاردن مکروہ است، سوم در قصب انداختن بر قبر، چہارم مسئلہ بلند خواندن بسم اللہ در تراویح، پنجم مسئلۂ

غنا۔۔۔ وغیرہ یہ نادر رسالہ بھی محمد اقبال مجددی کے ذاتی کتابخانہ میں ہے، دوسرا خطی نسخہ درگاہ خواجہ غلام نبی للہی، للہ، ضلع جہلم میں ہے اور تیسرا نسخہ کتابخانہ خواجہ غلام محی الدین قصوری کے کتب خانہ محلہ چرنگان، قصور میں ہے (منزوی ۲/ ۱۰۶۱) چوتھا نسخہ کتابخانہ محمد اجمل چشتی، چشتیاں، بہاول نگر، اور پانچواں نسخہ کتابخانہ مجاہد الاسلام، فیصل آباد میں ہے (منزوی، نوشاہی ۱۴/ ۴۴۹)

۴۔ رسالہ در مسائل مہم

یہ رسالہ موکف نے صرف تین اہم معاصر مسائل کے بیان میں تالیف کیا ہے۔

اول در طہارت ظروف، دوم گل اندافتن بر جنازہ، سوم ترک بدعت، اس کا ایک خطی نسخہ راقم محمد اقبال مجددی کے کتب خانہ میں ہے۔ دوسرا نسخہ مملوکہ بشیر احمد لدھیانوی، لاہور، اور تیسرا کتابخانہ احمدیہ قادیانیہ ربوہ، سرگودھا میں ہے (منزوی ۲/ ۱۱۸۲)

۵۔ رسالہ در مسائل مبہمہ

یہ رسالہ مردہ لوگوں کے کفن دفن کے بارے میں ہے اس رسالہ کی آٹھ فصلیں ہیں۔ ۱۔ در مسائل بیماران (۲) تلقین، تکفین (۳) حمل جنازہ (۴) نمازِ جنازہ، (۵) نمازِ جنائز (۶) بہ خاک سپردن (۷) مسائل شہید (۸) مسائل متفرقہ یہ رسالہ فقہاء میں خاصا متداول رہا ہے۔ اس کے ۲ خطی نسخے پائے جاتے ہیں (منزوی ۴/ ۲۴۵۰۔۲۴۵۱) مزید تین نسخوں کے لیے دیکھیے نوشاہی ۱۴/ ۷۴۲)

۶۔ اعفاء السبلۃ وحلق اللحیۃ

موکف نے یہ کتاب ۱۱۴۶ھ / ۱۷۳۳ء کو تالیف کی داڑھی منڈوانے کے موضوع پر رسالہ ہے۔ موکف نے اپنے مکتوبات میں سے اس موضوع پر موجود مواد یکجا کر دیا ہے، اس کا قلمی نسخہ کتابخانہ درگاہ خواجہ غلام نبی للہی، للہ ضلع جہلم میں محفوظ ہے۔ (نوشاہی ۱۴/ ۴۰۱)

۷۔ مکتوباتِ حامدیہ

اس مجموعہ میں شیخ حامد قاری کے بیس مکاتیب شامل ہیں، اس کے جامع یا مرتب کا کوئی ابتدائیہ اس میں نہیں ہے اور نہ ہی سال ترتیب درج ہے، قیاس ہے کہ موکف کی وفات ۱۱۶۶ھ / ۱۷۵۳ء سے قبل مرتب ہو چکا تھا۔

اس کے حوالے مولف کے شاگرد رشید مولانا محمد عاقل لاہوری نے تحفۃ المسلمین میں دیئے ہیں، یہ تمام مکاتیب اس عہد کے فقہی مسائل پر مشتمل ہیں، ہر مکتوب بجا طور پر ایک رسالہ کی حیثیت رکھتا ہے، مکتوب الیہم کے اسماء بھی درج نہیں ہیں۔ کشف کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے اپنے استاذ مولوی تیمور لاہوری کو مخدومی لکھا ہے (برگ ۴۷ب) یہ بھی لکھا ہے کہ میں میاں جان محمد ساکن قصاب پورہ، لاہور کے مرضِ وصال میں ان کی عیادت کے لیے گیا تھا وہ اپنے مخدوم حافظ محمد اسماعیل لاہوری ساکن تیل پورہ کا کشف پر اعتماد نہ کرنے کے سلسلہ میں قول بیان کر رہے تھے (ہمانجا۴۷ب)

مکتوبات حامدیہ کا ایک عمدہ خطی نسخہ ہمارے کتابخانہ کی زینت ہے، ایک اور خطی نسخہ کتابخانہ درگاہ خواجہ غلام نبی للہی ﷲ ضلع جہلم میں ہے (منزوی ۲/ ۱۱۸۷)

۸۔ رسالہ در تنباکو کوشی

اس رسالہ کا موضوع نام سے ظاہر ہے اس کے کسی خطی نسخے کا تاحال علم نہیں ہے، (لاہوری: حدیقہ ۲۶۶، چشتی ۳۵۶، نامی ۲۱۲، نے اس رسالہ کا ذکر کیا ہے)

۹۔ تحفۃ المسلمین

یہ کتاب شیخ حامد قاری کے شاگرد خاص مولانا محمد عاقل لاہوری نے تالیف کی ہے اور اس میں شیخ حامد قاری کے فرمودات جمع کیے ہیں، چونکہ اس کے موکف اور شیخ حامد دونوں مدرس، فقیہ اور مفتی تھے اس لیے ان کی مجالس میں فقہی امور پر ہی بحث ہوتی تھی۔ اس میں بارہویں صدی ہجری / اٹھارہویں صدی عیسوی کے مسائل ہی زیر بحث آئے ہیں اس کا آغاز پنجاب کی علمی ومذہبی تاریخ کے نقطہ نظر سے بہت اہم ہے۔ جس میں موکف نے لکھا ہے کہ اس میں وہ تمام مسائل آگئے ہیں جو میاں تیمور لاہوری نے لکھے تھے اور مجھے میاں شیخ حامد قاری کی زبان سے سننے کا اتفاق ہوا تھا، میاں تیمور نے اس تحریر پر مفتیانِ لاہور میاں جان محمد پرویز آبادی، میاں محمد ہاشم، حامد قاری، میاں جان محمد، اخوند عثمان اور میاں امانت خان ساکنانِ قصور کی مواہیر ثبت کروا کر مشتہر کیا۔ ایک موقع پر قصور کے کوٹ خام میں قصور کے علماء کے اجتماع کا ذکر کیا ہے (برگ ۱۸اب) ہمارے نزدیک لاہوری ۲۶۶، چشتی ۳۵۶ اور لطیف ۱۵۴ نے شیخ حامد قاری کے جس مجموعہ ملفوظات کا ذکر کیا ہے اس سے مراد یہی تحفۃ المسلمین ہے، اس میں

جامع نے کہیں سال تالیف کا ذکر نہیں کیا۔ تاہم یہ میاں حامد قاری کے استاذ مولوی تیمور لاہوری کی وفات کے بعد مرتب ہوا ہے۔ اس کا ایک خطی نسخہ راقم محمد اقبال مجددی کے کتب خانہ میں ہے۔ شہر لاہور سے باہر شیخ حامد قاری کا مدرسہ تھا۔ (لاہوری: حدیقہ ۲۶۶)، ۱۸۸۸ء تک اس مدرسہ کی چار دیواری خشتی پختہ تھی، جس میں شیخ کی تعمیر کردہ ایک مسجد بھی تھی جس پر قطعہ تاریخ تعمیر ۱۱۴۱ھ درج تھا (کنہیا لال ۲۵۵، چشتی ۳۵۸، نامی ۲۱۲) شیخ حامد قاری کی زندگی میں مدرسہ کے اخراجات کے لیے محمد شاہ بادشاہ نے پچاس بیگھ زمین مزروعہ دی تھی جس کا فرمان سکھوں کے عہد حکومت تک مجاوروں کے پاس تھا (چشتی ۳۵۸۔۳۵۹) شیخ حامد قاری اس مقام پر دفن کیے گئے جہاں ان کا مزار اب تک مرجع خلائق ہے (فوق ۱۲۸) یہ مزار اب لاہور میں شاہراہ ویٹ نزد مقبرہ نواب علی مردان خان موجود ہے۔ (کلیم ۳۸۱)

ماٰخذ

۱۔ چشتی، نور احمد: تحقیقات چشتی، لاہور، ۱۸۶۶ء

۲۔ حسنی، عبدالحی، نزہۃ الخواطر، ج ۶، حیدر آباد، دکن ۱۹۵۷ء

۳۔ فوق، محمد دین: تذکرۃ العلماء والمشائخ معروف بہ تذکرہ علمائے لاہور، لاہور، ۱۹۲۰ء

۴۔ کلیم، محمد دین: مدینۃ الاولیاء، لاہور، ۱۳۹۶ھ

۵۔ کنہیا لال: تاریخ لاہور، ۱۸۸۴ء

۶۔ لاہوری، غلام سرور، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، کانپور، ۱۸۷۳ء

۷۔ ایضاً: حدیقۃ الاولیاء، تحقیق و تعلیق محمد اقبال مجددی، لاہور، ۲۰۰۰ء

۸۔ محمد عاقل لاہوری: تحفۃ المسلمین، خطی، مملوکہ محمد اقبال مجددی، لاہور۔

۹۔ منزوی، احمد: فہرست مشترک نسخہ ہائی خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء و بعد

۱۰۔ نامی، غلام دستگیر: تاریخ جلیلہ، لاہور، ۱۹۶۰ء

۱۱۔ ایضاً: بزرگان لاہور، لاہور، ۱۹۶۶ء

۱۲۔ نوشاہی، سید عارف: فہرست مشترک نسخہ ہائی خطی فارسی ج ۱۴۔ اسلام آباد، ۱۹۹۷ء

۲۴ر فروری ۲۰۱۳ء

برائی دانشنامہ قارہ

مرزا محمد بن معتمد خان بدخشی (مؤلف تاریخ محمدی)

مرزا محمد بدؔخشی بارہویں صدی ہجری کے ایک عالم اور مورخ تھے۔

مرزا محمد بن رستم بن قباد بن عبدالجلیل بن عبدالکریم بن طوغان حارثی بدخشی کے اجداد عرب سے افغانستان کے مشہور علاقہ بدخشان جا بسے اس خانوادے کے تمام تر افراد ذی علم بزرگ گذرے ہیں جو سیف اور قلم دونوں میدانوں کے مرد تھے۔

اس خاندان کے پہلے فرد جو ہندوستان میں وارد ہوئے: عبدالجلیل تھے یہ حنفی فقیہ تھے۔ ان کا کشمیر میں ۱۰۲۰ھ / ۱۶۱۱ء کو انتقال ہوا (تاریخ محمدی، وقائع ۱۰۲۰ھ ۲/۵/۱۱۰)

مرزا بدخشی کے والد رستم بخاطب بہ معتمد خان (۱۰۴۸۔ ۱۱۱۷ھ / ۱۶۳۸۔ ۱۷۰۵ء) راندھیر (Randehar بلدہ من بلاد دکن) میں منصبؔ دار تھے، علم معقول و منقول کے بڑے عالم اور کتابوں کے یونانی زبان سے عربی و فارسی میں ترجمے کرتے تھے۔ (ہمانجا، وقائع ۱۱۱۷ ۲/۵/۱۸)

بدخشی کے دادا قباد بیگ مخاطب بہ دیانت خان (ف ۱۰۸۳ھ / ۱۶۷۲ء) بھی بڑے معقولی اور علم ریاضی کے ماہر تھے۔ (ہمانجا۔۔۔ ۱۰۸۳ھ ۲/۳۵۹/۵)

بدخشی کے ایک بھائی عبدالرحمٰن متخلص بہ غیرت فارسی کے شاعر تھے ۱۱۳۵ھ / ۱۷۲۲ء کو انتقال کیا ایضاً۔ ۲/۶/۴۸

اس خاندان کے ایک اور اہم فرد جمیل بیگ بدخشی (رک بآں) کئی کتب عقائد کے مؤلف اور اکبر و جہانگیر کے عہد کے امراء میں سے تھے۔ (ہمانجا۔۔۔ وقائع ۱۰۲۵ھ ۱۳۶/۲/۵)

مرزا محمد بدخشی کی ولادت ۲۱ جمادی الاول ۱۰۹۸ھ / ۱۶۸۷ء کو جلال آباد (مضافاتِ کابل) میں ہوئی۔ (تاریخ محمدی، وقائع۔۔۔۔۔۔۔۔ ۱۰۸۹ھ بحوالہ مقالات عرشی ۳۲۲)

بدخشی کی تعلیم و تربیت اپنے خانوادے کے افراد کی نگرانی میں ہوئی، علم حدیث انہوں نے معروف محدث شیخ عبدالحق دہلوی کی اولاد میں سے ایک بزرگ شیخ مقرب اللہ (ف ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۸ء) سے پڑھا (ہمانجا ص ۴) پاکستان و ہند کے مختلف کتابخانوں میں موجود مرزا بدخشی کے ذخیرہ کتب کے خطی نسخوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے تمام مروجہ علوم کی تحصیل کی تھی۔ (مقالاتِ عرشی ۴۳۱)

مشہور مورخ اور فارسی شاعر محمد بخش آشوب (موکف تاریخ شہادت فرخ سیر و جلوسِ محمد شاہ) مرزا بدخشی کا بھانجا تھا۔ (فہرستِ مخطوطاتِ بانکی پور ۷ / ۱۶۸)

مرزا بدخشی ساری عمر تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔ ان کا سالِ وفات معلوم نہیں ہے۔ ان کی مشہور کتاب تاریخ محمدی ۱۱۶۱ھ تک کی وفیات پر ختم ہو جاتی ہے۔ کتابخانہ رضارام پور کے ایک مخطوطہ پر مرزا بدخشی نے ۱۱۶۴ھ درج کیا ہے جس سے یہ قیاس کرنا مناسب ہے کہ وہ مذکورہ سنہ تک بقید حیات تھے۔ (مقالاتِ عرشی ۴۴۷)

مرزا بدخشی کی اس وقت تک ہمیں صرف مندرجہ ذیل تالیفات کا علم ہے۔

۱۔ ردالبدعۃ

ردالبدعۃ فی معتقد اہل السنۃ، فارسی نثر میں ہے موضوع کتاب کے عنوان سے ظاہر ہے۔ موکف نے بیس سال کی عمر میں ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۷ء کو تالیف کی تھی۔ اس کتاب کا ایک خطی نسخہ کتابخانہ رضارام پور میں محفوظ ہے (نمبر ۱۴۰۸۷ فہرست مخطوطات فارسی رضالائبریری رام پور ص ۴۹، مقالاتِ عرشی ۴۴۰)

۲۔ مفتاح النجا

"مفتاح النجافی مناقب "آل عبا" یہ کتاب عربی نثر میں ہے اور اہل بیت رسول اللہ ﷺ کے مناقب پر ہے ۱۱۲۵ھ سے قبل تالیف ہوئی، موکف نے تحفۃ المحبین میں اس کا حوالہ دیا ہے۔ جو مذکورہ سنہ میں لکھی گئی تھی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرزا بدخشی مفتاح النجا اس سنہ سے پہلے یہ کتاب لکھ چکے تھے (مقالات عرشی ۴۴۰) اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ کتابخانہ بوہار میں محفوظ ہے (Persian literature p. 141)

۳۔ تحفۃ المحبین

تحفۃ المحبین بمناقب الخلفاء الراشدین، عربی نثر میں ہے اور خلفائے راشدین کے فضائل پر لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب ۱۱۲۵ھ کو مکمل ہوئی، کتابخانہ رضارام پور میں اس کا ایک خطی نسخہ موجود ہے۔ (مقالاتِ عرشی ۴۴۰) ایک اور نسخہ کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنو میں ہے (فہرست نسخہ ہائے خطی عربی، ندوۃ العلماء ۵۸۱)

۴۔ نزل الابرار

"نزل الابرار فی مناقب فضائل الائمۃ الاطہار" یہ کتاب بھی عربی نثر میں ہے۔ اس کا آغاز ۱۷ رمضان ۱۱۲۶ھ / ۱۷۱۴ء کو ہوا اور دہلی کے کسی امیر کے نام معنون کی گئی ہے۔ آغازِ کتاب میں موکف نے بتایا ہے کہ چونکہ میں نے مفتاح النجا میں مناقب کی ہر طرح کی حدیثیں جمع کر دی تھیں اس لیے بعض احباب نے صرف صحیح احادیث پر مشتمل ایک کتاب تالیف کرنے کی فرمائش کی یہ کتاب اس کا محرک ہے۔ کتابخانہ رضارام پور میں اس کتاب کا ایک خطی نسخہ محفوظ ہے (مقالات عرشی ۴۴۱) نزل الابرار، اصفہان، بتصحیح محمد ہادی امینی ۱۳۶۲ش میں طبع ہو چکی ہے۔ دیگر نسخے کتابخانہ دانشگاہ پنجاب (فہرستِ کوکب ۲۸۴)، ندوۃ العلماء (فہرست ص ۲۰۶) میں محفوظ ہیں۔

۵۔ تراجم الحفاظ

یہ حفاظِ حدیث کا تذکرہ ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ کتابخانہ۔ بوہار میں ہے یہ کتاب عربی میں لکھی گئی ہے۔ (فہرست مخطوطات عربیہ۔ بوہار نمبر ۲۰۸)

۶۔ عبرت نامہ

مرزا بدخشی کی تالیفات میں عبرت نامہ نہایت اہم کتاب ہے۔ یہ فارسی نثر میں ہے اور موکف کے معاصر واقعات وحوادث پر مشتمل ہے، اس کا آغاز ۱۱۱۷ھ / ۱۷۰۵ء سے ہوتا ہے اور فرخ سیر کی وفات ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء پر ختم ہو جاتی ہے۔

موکف چونکہ خود اورنگزیب کی ملازمت میں تھے انہوں نے اپنی ملازمت کا آغاز ۲۵ جمادی الآخر ۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۳ء کو کیا جب کہ ان کی عمر صرف سترہ سال تھی وہ ان واقعات کے عینی شاہد ہیں۔ کتاب کے آغاز

میں انہوں نے اپنے خود نوشت حالات لکھے ہیں۔ اس کے بعد اورنگزیب کی حکومت کے آخری تین سالوں (۱۱۱۵۔ ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۳۔۱۷۰۷ء) کے مجمل حالات اور پھر ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء تک مفصل واقعات قلم بند کیے ہیں۔

نواب روح اللہ خان نے موکف کو ۱۱۱۵ھ میں اورنگزیب سے متعارف کروایا اور انہیں منصب یک ہزار و پانصد ملا تھا۔

مرزا بدخشی نے یہ واقعات بہت سادہ فارسی نثر میں لکھے ہیں، ترتیب میں سنین کا خاص خیال رکھا ہے۔ موکف خود بہت سے حوادث میں شریک تھے۔(Reign of Muhammad Shah, p. 442)

عبرت نامہ کے عنوانات کا مفصل تجزیہ فہرستِ مخطوطات فارسی کتابخانہ خدا بخش بانکی پور پٹنہ میں دیا گیا ہے(۷/ ۱۶۹۔۱۷۵)

کتابخانہ خدا بخش کے علاوہ عبرت نامہ کے خطی نسخے انڈیا آفس لائبریری، لندن اور کتابخانہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ کے ذخیرۂ کرزن میں موجود ہیں۔

(Persian literature, Vol.I, part.I. p.606)

۷۔ تاریخ محمدی

یہ ایک عام تاریخ ہے۔ جس کا آغاز سنہ ہجری کے اجراء سے ہوتا ہے اور اس میں ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء تک کے اعیان و اکابر کی وفیات درج ہیں۔ پاکستان و ہند میں ایسی کتب تاریخ بہت ہی کم لکھی گئی ہیں۔

کتاب کے آغاز میں اپنے مآخذ کی ایک طویل فہرست دی ہے۔ ان تمام مراجع کا بار بار حوالہ طوالت کا باعث تھا اس لیے موکف نے ان کتب کے لیے مخففات بھی درج کر دیئے ہیں۔ بہت سی وفیات کے تحت "عصری" لکھ کر اپنی شہادت پیش کی ہے۔

موکف نے کتاب کے شروع میں بتایا ہے کہ میں نے اس کی تالیف کا آغاز ۱۱۲۴ھ / ۱۷۱۲ء کو کیا، گویا موکف جن کی ولادت ۱۰۸۵ھ میں ہوئی تھی اس وقت صرف ۲۶ سال کے جوان تھے۔ یہ کتاب ایک دائرۃ المعارف سے کم حیثیت نہیں رکھتی۔ رضا لائبریری رام پور کا خطی نسخہ موکف کا خود نوشت ہے جس میں ان کے قلم کی تحریر ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۷ء میں ختم ہو جاتی ہے۔ گویا موکف کو اس کی ترتیب و تالیف میں ۳۷ سال صرف کرنا پڑے۔

ریو (Rieu) نے اپنی مرتبہ فہرستِ مخطوطات فارسی موزۂ بریطانیہ (۳/ ۸۹۵) میں تاریخ محمدی کے ۱۱۹۰ھ / ۱۷۷۶ء تک زیر تالیف رہنے کا ذکر کیا ہے، جو غلط فہمی ہے۔ بلکہ رام پور کا نسخہ جو بخطِ موکف ہے ۱۱۶۱ھ پر ختم ہو جاتا ہے اور اس سنہ کے بعد اس میں اضافات مارہرے (Marahray) کے مشہور خاندان برکاتیہ خصوصاً شاہ آل احمد مارہروی کے تحریر کردہ ہیں۔ چونکہ لندن کا نسخہ بھی نسخہ رضا لائبریری رام پور سے منقول ہے اس لیے دونوں میں یہ اضافات اسی طرح موجود ہیں۔ (مقالاتِ عرشی ۴۴۲۔۴۴۶)

تاریخ محمدی کا مکمل فارسی متن تاحال طبع نہیں ہوا ہے اس کا صرف آخری حصہ دوم جو موکف کی ہم عصر وفیات پر مشتمل ہے امتیاز علی خان عرشی کی تصحیح و تعلیقات کے ساتھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ۱۹۹۶۰ھ میں شائع ہوا جلد دوم کے اس حصہ میں سنہ ۱۱۰۱۔۱۱۶۱ھ تک کے واقعات پائے جاتے ہیں۔ اس کے بعد جلد دوم کا حصہ ۴، ۵ (وفیات ۹۰۰۔ ۱۱۰۰ھ) اور پھر ایک ذیل (۱۱۶۲۔ ۱۲۰۸ھ) ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے مرتب کیے اور رضا لائبریری، رام پور سے ۱۹۹۶، ۲۰۰۳، ۲۰۰۴ء کو طبع ہوئے۔

تاریخ محمدی کے خطی نسخے کتابخانہ انڈیا آفس لندن، کتابخانہ موزۂ بریطانیہ، لندن میں ہیں (Persian literature p.141) موکف کا خود نوشت خطی نسخہ کتابخانہ رضا، رام پور، ہندوستان میں ہے (مقالاتِ عرشی ۴۴۶) اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ نیشنل میوزیم، کراچی پاکستان میں ہے جس میں سنہ ۱ سے ۶۷۲ھ تک وفیات درج ہیں (فہرست مخطوطات فارسی موزۂ ملی پاکستان ۷۱۵)۔

مآخذ

۱۔ بدخشی، مرزا محمد حارثی: تاریخ محمدی بہ تصحیح و تحشیہ امتیاز علی عرشی، علی گڑھ ۱۹۶۰ء، نثار احمد فاروقی، رام پور، ۱۹۹۶۔۲۰۰۴ء

۲۔ بدخشی، محمد جمیل حارثی کشمیری: منتخب العقائد، خطی نسخہ مملوکہ جناب خلیل الرحمٰن داودی، لاہور

۳۔ شائستہ خان: فہرستِ مخطوطات فارسی، رام پور رضا لائبریری، پٹنہ ۱۹۹۵ء

۴۔ محمد ہارون: فہرست نسخہ ہای خطی عربی کتابخانہ ندوۃ العلماء، لکھنو، دہلی، ۱۳۶۵ش

۵۔ عرشی، امتیاز علی خان: مقالاتِ عرشی، لاہور، ۱۹۷۰ء

۶۔ نوشاہی، سیّد عارف: فہرست نسخہ ہائیٔ خطی فارسی موزۂ ملی پاکستان، کراچی، اسلام آباد، ۱۹۸۳ء

۷۔ ایضاً: بدخشی، محمد بن رستم، مقالہ مشمولہ دانشنامہ جہان اسلام، تہران، ۱۳۷۵ش

8- Abdul Muqtadir: Cat. Of Arabic and Persian Manuscripts in the oriental Public library at Bankipur, Patna, 1972.

9- Rieu, Ch: Cat. Of Persian Manuscritps in the British library, London, 1883

10- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970.

11- Zahir Uddin Malik: The Reign of Muhammad Shah, Bombay, 1977.

۹ مارچ ۱۹۹۷ء

نظر ثانی ۱۳/ اپریل ۲۰۱۲ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ، تہران

ملا محمود طیار کشمیری

ملا محمود طیار کشمیری کے حالات زندگی مروجہ اور متعارف تذکروں میں نہیں ملتے، اس سلسلہ میں خواجہ محمد اعظم دیدہ مری نے واقعاتِ کشمیر (تاریخ کشمیر اعظمی) اور ابو محمد محی الدین مسکین کی کتاب تحائف الابرار جنہوں نے خطۂ کشمیر کے اکثر علماء و عرفا کے حالات لکھنے میں اہتمام کیا ہے ملا محمد طیار کشمیری کے احوال سے خالی ہیں۔

تاہم قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ مؤلف بارہویں صدی ہجری / اٹھارہویں صدی عیسوی سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ تذکرہ خود مؤلف کے ہاتھ کا مکتوبہ معلوم ہوتا ہے سالِ کتابت ۱۱۸۰ھ / ۶۶ ۱۷ء ہے۔ اس کتابخانہ کا خطی نسخہ کتابکانہ عجائب گھر لاہور میں محفوظ ہے، مخطوطہ خاصا ضخیم ہے اسے دو جلدوں میں جلد کروایا گیا ہے کچھ اوراق غیر مترتب شکل میں بھی ہیں، ایک مقام پر لکھا ہے:

"حالات واسرارِ اولیاء اللہ ہر چند کہ در کتبِ متقدمین مرقوم است۔بتسوید رسانیدم"

برعظیم پاکستان وہند کے اولیاء کرام کے احوال و مناقب بھی نظر سے گذرے ہیں ان میں سے شطاری سلسلہ کے صوفیہ شاہ محمد غوث گوالیاری (ف ۹۷۰ھ) شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی (ف ۹۹۸ھ / ۱۵۸۹ء) اور بایزید ثانی ملتے، حال ہی میں ایک تذکرہ احوالِ مشائخ کبار کے نام سے شائع ہوا ہے جس کے صاحب سوانح شیخ محمد اشرف شطاری لاہوری (۱۱۰۸ھ / ۱۶۹۶ء) کے شیخ طریقت۔یہی بایزید ثانی سرہندی تھے بس اسی کتاب میں ان کے بعض مناقب درج ہیں لیکن احوال سے ہم بے خبر ہیں یہ صرف شجرۃ الاثمار ہی ہے جس کے ذریعہ ان کا کچھ حال محققین کو معلوم ہوا ہے۔

مؤلف ملا محمود طیار کشمیری نے اس تذکرہ میں احوالِ صوفیہ میں کسی قسم کی ترتیب ملحوظ نہیں رکھی نہ ہجائی اور نہ ہی زمانی، تاہم اس کے انتقادی جائزہ سے کئی اہم امور خصوصاً پاکستان وہند کی بعض شخصیات کے بارے میں معلومات ملنے کی توقع ہے۔

مآخذ

۱۔ احمد منزوی: فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۰ء

۲۔ ظہور الدین احمد: پاکستان میں فارسی ادب جلد سوم، لاہور، ۱۹۷۷ء

۳۔ سلیمان بن سعد اللہ: احوالِ مشائخ کبار مرتبہ محمد اقبال مجددی، اسلام آباد، ۲۰۰۰ء

۴۔ محمد اعظم دیدہ مری: واقعاتِ کشمیر مرتبہ مفتی سعادت، سری نگر، ۱۳۵۵ھ

۵۔ مسکین، ابو محمد محی الدین، تحائف الابرار، امرتسر، ۱۳۲۳ھ

۱۶ را کتوبر ۲۰۰۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

میاں مرتضیٰ حسین الہٰ یار عثمانی (مولف حدیقۃ الاقالیم)

مرتضیٰ حسین عثمانی بلگرامی بارہویں صدی ہجری کا ایک مورخ، جغرافیہ دان، انشاء پرداز اور منصب دار تھا۔

مرتضیٰ حسین مخاطب بہ الہ یار بن الہ یار بن شیخ سبحان عثمانی بلگرامی کے والد شیخ الہ یار بادشاہ فرخ سیر (۲۵۔۱۱۳۱ھ / ۱۳۔۱۷۱۹ء) کے منصب داروں میں سے تھے عظیم آباد کے راجہ دھیمبر (Raja Dhimber) کو شکست دی جس کے صلے میں فرخ سیر نے ان کو خطاب رستم زمان خان بہادر اور شش ہزاری منصب دیا۔ محمد شاہ (۳۱۔۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء) نے ان کے منصب میں سہ ہزار پانصد کا اضافہ کیا اور خطاب مبارز الدولہ بے مثل جنگ عطا کیا۔ نواب بہادر سربلند خان سے وابستہ ہو کر ان کے رفیق وندیم بن گئے تھے اور ان سے خصوصی تعلق کی وجہ سے شاہان مغلیہ کی طرف سے کوئی عہدہ قبول نہیں کیا تاکہ نواب کی رفاقت سے محروم نہ ہو جائیں۔ ان کا بیٹا مرتضیٰ حسین بھی نواب سربلند خان کی سرکار سے منسلک ہو گیا تھا۔ الہ یار خان اول اپنے عہد کے نامور امیر اور علم و علماء پرور تھے شعراء نے ان کی شان میں کئی قصیدے کہے تھے، ۸ ربیع الآخر ۱۱۴۲ھ / ۱۷۲۹ء کو انتقال کیا (تاریخ خطہ پاک بلگرام ۷۷۔۲۷۸)

الہ یار اول کے بیٹے مرتضیٰ حسین مخاطب الہ یار ثانی بھی معزز عہدوں پر فائز رہے۔ عہد محمد شاہ سے لے کر شاہ عالم ثانی (۱۱۷۳۔۱۲۲۱ / ۱۷۵۹۔۱۸۰۶ء) کے زمانے تک مندرجہ ذیل اکابر امراء سے منسلک رہے:

۱۔ سید سربلند خان تونی
۲۔ سید سعادت خان نیشاپوری
۳۔ سید محمد قاسم خان (بنگال)
۴۔ علی قلی خان عباسی شش انگشتی
۵۔ احمد خان
۶۔ محمد خان بنگش فرخ آبادی
۷۔ صفدر جنگ (اودھ)
۸۔ شجاع الدولہ (اودھ)

اپنے والد کی وفات کے بعد ۱۱۴۲ھ / ۱۷۲۹ء میں ہی اُن کو الہ یار خان کا خطاب مل گیا۔ جب ان کی عمر ۴۷ سال کی تھی تو ان کے ایک دوست رجب علی نے انہیں کیپٹن جوناتھن سکاٹ (Captain Jonathan Scott) سے متعارف کروایا جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنر وارن ہیسٹنگز (Waren Hastings ۱۸۱۸۔۱۷۳۲ء) کا فارسی زبان کا ترجمان (Persian Secretary) تھا، جس نے الہ یار خاں ثانی کو اپنا منشی رکھ لیا۔

(حدیقۃ الاقالیم، دیباچہ کتاب ۴۔۶)

ساٹھ سال کی عمر میں الہ یار خان نے اپنی مشہور کتاب حدیقۃ الاقالیم کا ۱۱۹۶ھ / ۱۷۸۲ء کو آغاز کیا۔ اس اعتبار سے اُس کی ولادت حدود ۱۱۳۲ھ / ۱۹۔ ۱۷۲۰ء کو ہوئی۔ اور ۱۲۱۰ھ / ۱۷۹۵ء میں انتقال۔

(Dictionary of Indian Biography p. 309)

محمد شاہ بادشاہ نے انہیں دوہزار و پانصد کا منصب دیا تھا (تاریخ خطہ پاک بلگرام ۲۷۸)

حدیقۃ الاقالیم

یہ کتاب جغرافیائی، تاریخی اور سوانحی معلومات کی ایک دائرۃ المعارف ہے۔ کتاب فارسی نثر میں لکھی گئی ہے۔ اس کا آغاز مؤلف نے ساٹھ سال کی عمر میں ۱۱۹۶ھ / ۱۷۷۸ء کو کیا اور ۱۱۹۲ھ / ۱۷۸۲ء میں مکمل کر لی۔ اس نے قبل اس قسم کی ایک کتاب ہفت اقلیم کے نام سے لکھ چکے تھے۔ جو اپنے موضوع پر بہت اہم کتاب تصوّر کی جاتی ہے، حدیقۃ الاقالیم بنیادی طور پر اسی کتاب کا ملخص ہے۔ لیکن الہ یار خان نے اس میں قابلِ قدر اضافات بھی کیے ہیں۔

اس کتاب میں دنیا کے عجائبات، معروف شخصیات، آب و ہوا، مواسم وغیرہ سے علاقائی اور اقالیم کے اعتبار سے بحث کی گئی ہے۔ کتاب کا زیادہ حصہ ہندوستان سے متعلق ہے۔ الہ یار خان نے یہ کتاب کیپٹن سکاٹ کی فرمائش پر تالیف کی اور اس کا مسودہ کرنل پولیر (Colonel Polier) ۱۷۴۱۔۱۷۹۵ء اور مولوی درویش علی کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

مؤلف مختلف اوقات میں کئی امراء اور اہم سیاسی مذکورہ شخصیات سے وابستہ رہے تھے اس لیے اپنی عصری تاریخ کے واقعات کے عینی شاہد کی حیثیت رکھتے ہیں اس کتاب کا وہ حصہ بہت ہی قیمتی معلومات کا حامل ہے۔

جس میں مؤلف نے بنگال، اودھ اور بہار کی سیاسیات اور ان علاقوں کے بدلتے ہوئے سیاسی رجحانات کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔

مؤلف نے ۱۲۰۲ھ / ۱۷۸۷ء میں اس کتاب پر ایک تتمہ (خاتمہ) کا اضافہ کیا جس میں یورپ اور امریکہ کے طرزِ حکومت سے بحث کی ہے۔ بے شک یہ پہلی فارسی تاریخ ہے جس میں ہندوستان میں برطانوی سامراجیت کی توسیع اور تاریخ بیان کی گئی ہے۔

سکاٹ نے اپنی مرتبہ تاریخ ہندوستان وبنگال تا ۱۷۸۰ء میں الہ یار خان کے اس مسودہ سے استفادہ کیا ہے۔ اسی طرح اس کے معاصر فرینکلن (W. Franklin) نے تاریخ عہد شاہ عالم ثانی (History of the Reign of Shah Aulum) میں بھی اس کتاب سے براہ راست معلومات نقل کرنے کا اعتراف کیا ہے۔ اس کتاب میں یہ واقعات وحوادث کو سنہ وار بہت کم لکھا گیا ہے بلکہ پوری کتاب میں سنین کا فقدان ہے۔ (عہد محمد شاہ ص ۴۳۵)

باڈلین لائبریری آکسفورڈ میں اس کا خطی نسخہ بخطِ مؤلف موجود ہے۔ دیگر قلمی نسخوں کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو (سٹوری: ادبیات فارسی ۱/ ۱/ ۱۴۲۔۱۴۳)

مطبع نولکشور لکھنو سے حدیقۃ الاقالیم کے دو ایڈیشن ۱۸۷۹ء اور ۱۸۸۱ء میں شائع ہوئے۔

الہ یار خان کے فارسی رقعات بھی جمع کیے گئے تھے۔ بنیادی طور پر وہ ایک انشاء پرداز تھا اس کے رقعات فارسی نثر کا عمدہ نمونہ ہیں۔ اس مجموعہ میں ایسے خطوط بھی پائے جاتے ہیں جو سیاسی شخصیات کو لکھے گئے تھے اور ان میں قابل توجہ ایسے سیاسی، سماجی اور ادبی نکات بھی آگئے ہیں۔ جن سے اس عہد کی سیاسی اور ادبی تاریخ پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ عرصہ ہوا ان رقعات کا ایک خطی نسخہ جناب خلیل الرحمٰن داودی (لاہور) کے ذخیرہ کتب میں دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔

مآخذ

۱۔ الہ یار خان، مرتضیٰ حسین عثمانی: حدیقۃ الاقالیم، لکھنؤ، مطبع نولکشور، ۱۸۸۱ء

۲۔ شریف الحسن بلگرامی، قاضی، تنقیح الکلام فی تاریخ خطہ پاک بلگرام، علی گڑھ ۱۹۵۸ء

3- Buckland, C.E: Dictionary of Indian Biography, London, 1906.

4- Elliot and Dowson: History of India as told by its own Historians, Vol. VIII (rep.) Lahore. 1984

5- Francklin, W: Hisotry of the Reign of Shah Aulum, (rep), Delhi; 1974.

6- Malik, Zahir uddin: The Reign of Muhammad Shah, Bombay, 1977.

7- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970.

۸ فروری ۱۹۹۷ء

۲۹ رمضان ۱۴۱۷ھ

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ غلام حسین امداد ہاشمی برہانپوری

امداد برہانپوری بارہویں صدی ہجری کے ایک صوفی، معلم اور شاعر تھے۔

شیخ غلام حسین متخلص بہ امداد نسباً ہاشمی تھے ان کا مولد و منشاء برہانپور (Burhanpur دکن کا ایک معروف مرکزی علاقہ) تھا (سروِ آزاد ۲۴۳، محبوب الزمن ۱/ ۲۱۲)۔

ابتدائی کتبِ درسیہ اپنے شہر میں اکابر علماء کی خدمت میں رہ کر پڑھیں۔ (ہمانجا) قادری سلسلہ کے صوفی حافظ گھانسی (Ghansi) کے ہمشیر زادے تھے۔ (محبوب الزمن ۱/ ۲۱۲) امداد برہانپوری بھی قادری سلسلۂ سلوک سے تعلق رکھتے تھے۔ درویش مزاج اور فانی مشرب تھے (ہمانجا ۱/ ۲۱۲۔۲۱۳)

شعر گوئی کی طرف رجحان تھا اور کسی قابل استاد کی تلاش میں رہتے تھے اتفاقاتِ زمانہ سے ۱۱۵۲ھ / ۱۷۳۹ء) دکن چلے آئے اور تقریباً سات سال تک اورنگ آباد (Aurangabad) میں قیام رہا، امداد نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اورنگ آباد کا رخ کیا۔ اور آزاد بلگرامی سے سلسلۂ تلمذ استوار کر لیا۔ ان کے حلقے میں داخل ہو کر باقاعدہ مشقِ سخن کا آغاز کیا۔ آزاد کا اپنی وفات تک دکن ہی میں قیام، امداد کے لیے بہت مفید ثابت ہوا اور وہ مسلسل ان کے دامنِ تربیت سے وابستہ رہے۔ (محبوب الزمن ۱/ ۲۱۲) خود آزاد نے ان کا ذکر عمدہ الفاظ میں کیا ہے (سروِ آزاد ۲۴۳) گویا حوزہ آزاد بلگرامی کے شعراء کی صف میں امداد ایک بلند مرتبہ شاعر تھے۔ ان کے اشعار بہت خوب، خیالات رنگین اور مضامین دل نشین ہوتے تھے (محبوب الزمن ۱/ ۲۱۲) وہ ذہن خوب رسا اور صفاتِ حمیدہ سے متصف تھے (صحفِ ابراہیم ۱۴)

آزاد بلگرامی نے امداد کے دو شعر اور ایک رباعی بطور نمونہ درج کی ہے۔ (سروِ آزاد ۲۴۳) خلیل کے بیان سے مترشح ہوتا ہے کہ امداد نے اپنے اشعار مدون کر لیے تھے (صحف ابراہیم ۱۴) لیکن ان کے دیوان کا تاحال ہمیں سراغ نہیں مل سکا۔

قدرت اللہ نے صرف چار اشعار نقل کیے ہیں (نتائج الافکار ۸۳) لیکن عبد الجبار ملکاپوری نے سب سے زیادہ اشعار بطورِ نمونہ درج کیے ہیں۔ ۲۷ اشعار اور آخر میں امداد کے مستزاد بھی نقل کیے ہیں (محبوب الزمن ۱/۲۱۳۔ ۲۱۴)

۱۱۵۸ھ /۱۷۴۵ء میں آصف جاہ نظام الملک نے اپنے بیٹے نظام الدولہ ناصر جنگ کو اورنگ آباد کی صوبہ داری پر مامور کیا اور ۱۱۶۴ھ /۱۷۵۰ء کو وہ اورنگ آباد ہی میں شہید ہوئے انہیں علماء اور شعراء کی صحبت بہت مرغوب تھی آزاد بلگرامی کے ساتھ خصوصی "اخوت و محبت" تھی۔ امداد نے باقاعدہ نظام الدولہ کی ملازمت اختیار کرلی اور ان کے ساتھ رہنے لگے۔ (محبوب الزمن ۱/ ۲۱۲)

امداد امراء کے بچوں کی تعلیم وتربیت پر بھی مامور رہے۔ یہی امراء تاحیات امداد کے کفیل بھی رہے۔

امداد کا سالِ وفات کسی معاصر نے نہیں لکھا۔ ان کے معاصر علی ابراہیم خان خلیل نے لکھا ہے کہ ۱۱۹۰ھ وہ دکن میں بقید حیات ہیں۔ (صحفِ ابراہیم ۱۴) لیکن مقامی روایت کے مطابق امداد کا انتقال حدود ۱۱۹۲ھ / ۱۷۷۸ء کو ہوا (محبوب الزمن ۱/ ۲۱۲) اور یہی درست معلوم ہوتا ہے۔ قدرت اللہ گوپاموی کا درج کردہ سال وفات ۱۱۸۷ھ (نتائج الافکار ۸۳) غلط فہمی پر مبنی ہے۔

مآخذ

۱۔ آزاد، میر غلام علی بلگرامی: سرو آزاد مرتبہ عبد اللہ خان، حیدر آباد، دکن ۱۹۱۳ء

۲۔ ایضاً: مآثر الکرام مرتبہ محمد عبدہ، لاہور ۱۹۷۱ء

۳۔ خلیل، علی ابراہیم خان: صحفِ ابراہیم مرتبہ عابد رضا بیدار۔ پٹنہ ۱۹۷۸ء

۴۔ قدرت اللہ گوپاموی: تذکرہ نتائج الافکار، بمبئی ۱۳۳۶ش

۵۔ ملکاپوری، عبد الجبار خان: محبوب الزمن تذکرہ شعرائے دکن، حیدر آباد، دکن ۱۳۲۹ھ

۲۵ فروری ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

میر ابوالحسن، میر کلاں (مرتب رقعات عالمگیر)

ابوالحسن بارہویں صدی ہجری کے مورخین میں سے تھا۔

ابوالحسن ملقب بہ میر کلاں کے حالات کتب تاریخ میں نہیں ملتے۔ اس نے ۱۱۸۵ھ / ۷۲-۱۷۷۱ء میں رقعات اورنگزیب مرتب کیے اگرچہ یہ کام اورنگزیب کی وفات (۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۷ء) کے ۶۷ برس بعد ہوا ہے لیکن مرتب نے مروجہ کتب تاریخ کی مدد سے اس مجموعہ میں دو اہم امور ایسے شامل کیے ہیں جو رقعات کے مروجہ مجموعوں میں نہیں ملتے:

اول اس میں میر کلاں نے تقریباً تمام مکاتیب پر اہم اور قیمتی نوٹس بصورت سیاسی اور تاریخی پس منظر کے لکھے ہیں۔

دوم ان تفصیلات کے دوران اور آخر کتاب اور تھوڑا سا آغاز مخطوطہ میں بھی عہد شاہ جہان کے انتظامی امور سے بھی بحث کی ہے۔ گویا اورنگزیب عالمگیر کے خطوط پر تاریخی یادداشتوں کے علاوہ اس کتاب میں بھرپور انداز سے شاہ جہان کے امور مملکت، انتظامی معاملات اور شاہ جہان کی اصلاحات کا خصوصیت سے تذکرہ کیا ہے۔

پروفیسر سری رام شرما (Sri Ram Sharma) نے اپنے ایک مقالہ میں اس کے اس مخطوطہ کا مختصر متعارف کروایا ہے جو انڈیا آفس لائبریری لندن (نمبر I.O. Persian. 370) سے منقول اور سر جادو ناتھ سرکار (J.N. Sarkar) کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ یہ نقل اب ذخیرہ جادو ناتھ سرکار میں کلکتہ میں محفوظ ہے۔

مآخذ

۱۔ نجیب اشرف ندوی: مقدمہ رقعات عالمگیر، اعظم گڑھ، دارالمصنفین ۱۹۲۸ء
2- Marshall, D.N: Mughals in India, Bombay, 1967.
3- Sarkar, J.N: Studies in Aurangzab's Reign, Delhi, 1989.
4- Sharma, S.R: An Unexplored source of Mughal History, Indian Historical Quarterly September 1934.
5- Nizami, A.U: Catalogue of Persian Manuscripts and Records in S. Raghubir library Sitamau, Delhi, 1993.

یکم اپریل ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامۂ شبہ قارہ

میر سیّد علی جولان سرہندی

جولان سرہندی بارہویں صدی ہجری کے فارسی گو شعراء میں سے تھے۔

میر سید علی جولان کا تعلق سرہند (Sirhind) کے ایک مضافاتی قصبہ سنام (Sunnam) سے تھا، "سنام بضم سین مہملہ و تشدید نون قصبہ ایست از توابع سرہند" (سلسلۃ الاولیاء برگ ۸۳)، ہندوستان کے برطانوی دور میں سنام پٹیالہ (Patialah) کی ایک تحصیل تھی (امپیریل گزیٹیئر آف انڈیا ۲۳/ ۱۴۹) میر سید علی جولان اپنے علاقہ سنام کے خانوادہ قاضی زادگان سے تعلق رکھتے تھے۔ (سفینۂ خوش گو ۳/ ۲۸۰)

جولان کے مفصل حالات شعراء کے تذکروں میں نہیں ملتے وہ سفینۂ خوشگو کی تکمیل ۱۱۴۷ھ / ۱۷۳۴ء سے اٹھارہ سال قبل سنام سے دہلی چلے گئے تھے (ایضاً ۳/ ۲۸۰) گویا حدود ۱۱۲۹ھ / ۱۷۱۷ء کو جولان دہلی پہنچ چکے تھے۔

بندرابن داس خوشگو جو شعراء سے ملتے رہتے تھے، کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جولان سے اور میدان سخن وری میں جولان کے دعویٰ "انا ولا غیری" اور اس صنف میں تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کے دعویٰ سے آگاہ تھے۔ (ایضاً)

جولان کا ایک دیوانِ اشعار بھی تھا بزرگ طہرانی نے ان کے دیوان کا تذکرہ کیا ہے (الذریعہ ۹/ ۱/ ۲۱۱۰) لیکن یہ نہیں بتایا کہ دیوان جولان کا نسخہ کہاں ہے۔

جولان کے سال ولادت و وفات سے شعراء کے تذکرے خالی ہیں۔

علی ابراہیم خان خلیل نے صرف اتنا بتایا ہے کہ جولان کا تعلق بادشاہ ہند محمد شاہ (حکو ۱۱۳۲۔ ۱۱۶۲ھ / ۱۷۱۹۔ ۱۷۴۸ء) کے عہد سے تھا۔ تذکرہ نویسوں نے جولان کے کلام کا طویل انتخاب نہیں دیا۔ خوش گو نے ان کی ایک غزل کے صرف تین اشعار نقل کیے ہیں۔ (سفینہ خوش گو ۳/ ۲۸۰، سرہند میں فارسی ادب ۱۵۵)

ماخذ

۱۔ ادریس احمد: سرہند میں فارسی ادب، دہلی، شعبہ فارسی دہلی یونیورسٹی، ۱۹۸۸ء

۲۔ بزرگ طہرانی: الذریعہ الیٰ تصانیف الشیعہ، تہران، ۱۹۵۵ء

۳۔ خلیل، علی ابراہیم خان: صحف ابراہیم مرتبہ عابد رضا بیدار، پٹنہ، خدا بخش لائبریری، ۱۹۷۸ء

۴۔ خوش گو، بندرابن داس: سفینہ خوشگو (جلد سوم) مرتبہ عطاء کاکوی، پٹنہ ۱۹۵۹ء

۵۔ محمد صالح کنجاہی، سلسلہ الاولیاء، خطی مملوکہ ڈاکٹر احمد حسین احمد، گجرات، پاکستان۔

6- Imperial gazetteer of India, Oxford, 1909.

۱۴ نومبر ۲۰۰۴ء

(بروز عید الفطر)

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

میاں منشی شاکر خان (مورخ)

شاکر خان بارہویں صدی ہجری / اٹھارہویں صدی عیسوی کے مورخین میں ایک مقام رکھتا ہے اس کی کتابیں معاصرانہ مشاہدات کی وجہ سے شہرت رکھتی ہیں۔

شاکر خان کے اجداد کا تعلق ہرات سے تھا جب اس پر چنگیز خان کا تسلط ہوا تو قاضی خواجہ ملک علی سلطان غیاث الدین بلبن (۶۶۴۔۶۸۴ھ/۱۲۶۶۔۱۲۸۵ء) کے عہد میں ہندوستان آئے اور شاہ بو علی قلندر پانی پتی کے حسبِ ارشاد پانی پت میں سکونت اختیار کر لی، شاکر خان کے دادا خواجہ عبدالرزاق معروف بہ خواجہ بزرگ بن حضرت ایشاں خواجہ عبدالسلام صوفی بن عبداللہ کی شادی نصرت خان جہانگیری سے ہوئی، شاکر خان کے والد اسی کے بطن سے متولد ہوئے تھے (رسالہ ذکر مغنیان ہندوستان ص ۵ مقدمہ) شاکر خان نے خود لکھا ہے کہ میرے والد نواب شمس الدولہ لطف اللہ خان صادق بہادر تہور جنگ کی ولادت ۱۰۷۷ھ/۱۶۶۶ء کو ہوئی اور وہ ۱۱۶۵ھ[1]/۱۷۵۲ء کو ۸۸ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ (گلشنِ صادق، خطی نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ بحوالہ فہرست مخطوطاتِ فارسی کتابخانہ خدا بخش ۳۲/۱۵) اس نے بہادر شاہ اول کے عہد میں مغلوں کے ہاں ملازمت کی محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں اسے چھ ہزاری منصب اور شمس الدولہ بہادر تہور جنگ کا خطاب ملا۔ (مآثر الامراء ۳/۱۵۳ حاشیہ) وہ شاعر بھی تھا، رسالہ نگار رام پور اگست ۱۹۶۳ء میں اس کی ایک فارسی رباعی شائع ہوئی ہے۔ (ایضاً ۳/۱۵۳ حاشیہ) اس خانوادہ کے تمام افراد سلاطین مغلیہ کے ہاں معزز عہدوں پر فائز رہے، ان میں بعض مؤلف کتب متعددہ کے حالات تذکروں میں ملتے ہیں۔ شاکر خان کا بھائی عنایت خان راسخ کئی اہم کتابوں کا مؤلف اور فارسی کا اچھا انشا پرداز اور شاعر تھا، اس کی موسیقاروں کے حالات پر ایک بنیادی کتاب رسالہ ذکر مغنیانِ ہندوستان طبع ہو

---

[1] مقامی تذکرہ نویس سید علی حیدر نے سال وفات ۱۱۶۶ھ لکھا ہے (رسالہ ذکر مغنیان ہندوستان، مقدمہ) اسی طرح ستوری نے بھی یہی سنہ دیا ہے (فہرست نسخہ ہای خطی فارسی موزہ بریطانیہ ۱/۲۸۰) لیکن ہم نے شاکر خان کے بیان کو ترجیح دی ہے۔

چکی ہے۔ شاکر خان کا برادر زادہ محمد علی انصاری بن ہدایت اللہ خان بن لطف اللہ تاریخ کی مشہور کتاب تاریخ مظفری کا مؤلف ہے۔

شاکر خان نے خود اپنا سال ولادت ۲۷ صفر ۱۱۲۸ھ ۱۷۱۶ء بمقام پانی پت بتایا ہے۔ (گلشن صادق بحوالہ فہرست بانکی پور ۳۲/۱۵) اسے صرف پانچ سال کی عمر میں ابتدائی تعلیم کے حصول کے لیے حافظ رستم کی خدمت میں بھیجا گیا، وہ پندرہ سال کی عمر میں اپنے بھائی فاخر خان کے ساتھ محمد شاہ بادشاہ کی ملازمت میں شامل ہوا، ۱۷۴۰ء میں متاہل ہوا اسے بادشاہ کی اپنے والد جیسی چاہت نصیب ہوئی۔ اسے اپنے والد کا خطاب صادق دیا گیا۔ (ایضاً)

اگرچہ اس کا والد جب دہلی کا گورنر تھا تو اس نے دہلی پر نادر شاہ کے حملہ (۱۷۳۹ء) کے دوران مزاحمت کرنے کی بجائے بغیر جنگ کے دہلی اس کے حوالہ کر دی تھی (Later Mughals, ii/362) جس کے باعث وہ محمد شاہ کے ہاں معتوب ہوا (مآثر الامرا ۳۱/۱۵۳) لیکن اس کے فرزند شاکر خان کے زمانہ میں حالات اس سے مختلف تھے، اس لیے اس کے وقار میں برابر اضافہ ہوتا رہا۔

شاکر خان نے خود لکھا ہے کہ وہ "رسالۂ سلطانی" میں بخشی تھا۔ (تاریخ شاکر خانی برگ ۲۸ ب) جب دہلی پر احمد شاہ درانی کا ۱۱۷۰ھ / ۱۷۵۶ء میں قبضہ ہو گیا تو شاکر خان بنارس کی طرف چلا گیا۔ جب اسے وہاں کے حاکم میر قاسم (۱۷۶۰۔۱۷۶۳ء) کی حمایت حاصل نہ ہو سکی تو اس نے بنگال میں موجود اس وقت کے انگریز افسر کا سہارا تلاش کرنے کی کوشش کی، (تاریخ شاکر خانی برگ ۹۸ بحوالہ فہرست ریو ۱/۲۸۰) معلوم ہوتا ہے کہ دہلی پر احمد شاہ درانی کے حملوں کے باعث اور اس سے قبل نادر شاہ کے حملہ کے بعد اس نے دکن کے حاکم نواب آصف جاہ اول (۱۱۳۷۔۱۱۶۱ھ / ۱۷۲۵۔۱۷۴۸ء) سے تعلق پیدا کر لیا تھا محولہ کتاب کے آغاز میں اس نے خود کو نواب کا نمک خوار لکھا ہے (تاریخ شاکر خانی خطی نسخہ موزہ ملی پاکستان برگ ۲۔ عربی) ساتھ ہی اس نے اپنے عہدہ بخشی گیری کا بھی ذکر کیا ہے۔ (ایضاً)

ہمارے پیش نظر تاریخ شاکر خانی کا جو نسخہ موزہ ملی پاکستان ہے اس میں اس نے مختلف وقائع کے دوران اپنے خاندان کے افراد کا بھی ذکر کیا ہے، مثلاً اس کے والد کے لیے جاگیر کا فرمان (برگ ۲۳۔الف) اس نے اپنے برادر زادے عنایت خان راسخ کے عہدہ بخش گیری کا بھی تذکرہ کیا ہے (برگ ۲ب) اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ راسخ

اور میرے خانہ زادوں کے لیے عظیم آباد میں جاگیریں ملی ہیں اس نے اپنے خاندان کی دستاویزات بھی نقل کی ہیں۔
برگ ۵۵ الف ب وماقبل وبہ بعد)

ہمیں تاحال شاکر خان کے سالِ وفات کا علم نہیں ہے۔ اس کی اب تک صرف دو فارسی نثری کتب کا علم ہو سکا ہے۔

ایک گلشنِ صادق ہے جو علومِ مشرقیہ کا ایک دائرۃ المعارف ہے، جو چودہ خیابانوں (ابواب) پر مشتمل ہے ہر خیابان کئی چمنوں اور باریکیوں کو محیط ہے، اس کا ساتویں خیابان تاریخی معلومات کا حامل ہے جس میں ابتدائی بادشاہوں سلاطینِ تیموریہ کے انساب شاہ عالم ثانی کے عہد اور پھر نادر شاہ کے احوال تک ہے، اس کے دو خطی نسخے معلوم ہیں اول کتابخانۂ خدا بخش پٹنہ میں ہے۔ (شمارہ ۲۰۲۲ فہرست نسخہ ہا خطی فارسی ۳۲/۱۴۔۲۰) دوسرا خطی نسخہ کتابخانہ انڈیا آفس لندن میں شمارہ ۲۲۲۸ (فہرست نسخہ ہای خطی فارسی مرتبہ ایتھے ص ۱۲۱۸) اس کتاب کا سال تکمیل ۱۱۸۷ھ / ۱۷۷۳ء ہے (فہرست نسخہ ہای خطی بانکی پور ۳۲/۱۹) حسنِ اتفاق سے دو خطی نسخے پہلے چھ خیابانوں پر مشتمل ہیں یا تو یہ ایک دوسرے کی نقل ہیں یا مؤلف کتاب کے صرف اتنے ہی ابواب لکھ سکے ہیں اگرچہ نسخہ خدا بخش میں ابتدا میں سارا خیابانوں کی مفصل فہرست درج ہے۔ گویا مؤلف مذکورہ سن تک بقیدِ حیات تھے۔

شاکر خان کی دوسری اہم کتاب تاریخ شاکر خانی ہے، محمد شاہ بادشاہ (۱۱۶۲۔۱۱۳۲ھ / ۱۷۱۹ا۔۱۷۴۸ء) اور شاہ عالم ثانی کے آغازِ حکومت (۱۱۷۳ھ / ۱۷۶۰ء) تک کے واقعات پر مشتمل ہے، لیکن اس میں دوسری کتب تاریخ کی طرح وقائع مسلسل اور تاریخ وار نہیں ہیں بلکہ کئی مقامات سے تو واقعات آپس میں مل گئے ہیں، وقائع نامکمل اور غیر صحیح بھی درج کر دیئے گئے ہیں۔ اس میں مذکور بہت سے سنین بھی مشکوک ہیں، تاہم عصری شواہد ہونے کے باعث درجہ اول کی اہمیت رکھتے ہیں ان کے علاوہ اس میں مذکورہ عہد کے منصب داروں، افسروں، علماء، مشائخ، مغنیان، رقاصان منجمان، ہندو پیش کاروں اور زمینداروں کے حالات بیان کیے ہیں آخر میں ایک عمدہ انتظامی ڈھانچہ بھی دیا ہے۔ مختلف صوبوں کے حساب کے گوشوارے اور عرضیاں بھی نقل کر دی ہیں۔

Zahir uddin Malik: (Reign of Muhammad Shah p 446-447)

تاریخ شاکر خانی کے کئی خطی نسخے موجود ہیں نسخہ موزہ بریطانیہ، لندن (فہرست نسخہ ہای فارسی ۱/ ۲۸۰۔۲۷۹) دوسرا نسخہ انڈیا آفس، لندن کا ہے شمارہ ۳۹۷۳.o.I جو ناقص بھی ہے۔ ,Storey Vol. I)

Part I P.266) تیسرا نسخہ کتابخانہ خدا بخش پٹنہ میں ہے (شمارہ ۲۶۰۳) ایک نسخہ کتابخانہ سالار جنگ حیدر آباد دکن میں ہے۔

تاریخ شاکر خانی کا پانچواں نسخہ نیشنل میوزیم آف پاکستان، کراچی میں ہے (شمارہ ۱۹۰/۱۹۷۱_NM) ہمارے نزدیک ان میں سے بہترین خطی نسخہ موخر الذکر ہے جس کا خط صاف اور سالِ کتابت نہ ہونے کے باوجود قدیم ہے، یہ اہم کتاب تاحال شائع نہیں ہوئی ہے ضرورت ہے کہ تمام نسخوں کی بنیاد پر اس کا تحقیقی متن مرتب کیا جائے۔

مآخذ

۱۔ جنیدی، محمد محبوب: حیات آصف، حیدر آباد، دکن ۱۳۶۵ھ

۲۔ راسخ، عنایت خان: رسالہ ذکر مغنیانِ ہندوستان مرتبہ سیّد علی حیدر، پٹنہ، ۱۹۶۱ء

۳۔ شاکر خان: تاریخ شاکر خانی، خطی مخزونہ کتابخانہ موزۂ ملی پاکستان، کراچی (شمارہ ۱۹۰/۱۹۷۱_N.M)

۴۔ شاد، سیّد محمد علی عظیم آبادی: تذکرۃ الاسلاف، عظیم آباد، بہار، ۱۹۴۱ء

۵۔ شاہنواز خان، صمصام الدولہ: مآثر الامراء، ترجمہ و حواشی محمد ایوب قادری، لاہور ۱۹۷۰ء

۶۔ عبدالمقتدر: مرآۃ العلوم (فہرست مخطوطاتِ فارسیہ کتابخانہ خدا بخش) پٹنہ، ۱۹۴۲ء

7- Abdul Muqtadir: Supplement to the Cat. Of Persian Manuscripts in Oriental Public Library, Bankipur, Patna, 1980

8- Ethe, H: Cat. Persian Mss. In India Office Library, London 1880.

9- Malik, Z. U The Reign of Muhammad Shah Bombay 1977

10- Sarkar, J.N: Fall of the Mughal Empire, Calcutta, 1932-50

11- Irvin, W: Later Mughals, Calcutta, 1922.

12- Storey, C.A. Persian Literature, London 1972.

۲۴ اکتوبر ۲۰۰۷ء۔

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

مولوی غلام علی خان (موکف شاہ عالم نامہ)

مولوی غلام علی شاہ عالم نامہ کے موکف تھے جو متاخر سلاطین مغلیہ کی ایک اہم تاریخی کتاب ہے جس میں شاہ عالم ثانی کے زمانہ تک کے سیاسی حالات درج ہوئے ہیں۔

مؤلف کے اجداد وسطی ایشیاء کے نقشبندی خواجگان کی اولاد میں سے تھے، ان کے خاندان میں سے خواجہ محمد ناصر شاہ جہان بادشاہ (۱۰۳۷ـ۱۰۶۸ھ / ۱۶۲۸ـ۱۶۵۸ء) کے زمانہ میں ہندوستان آئے اور شہزادہ شجاع کے ہاں ملازم ہو گئے، خطاب محمد فخر الدین تھا (مآثر الامرہ ۲ / ۳۳۶) ان کے فرزند خواجہ عبدالقادر تھے، روشن الدولہ بہادر ظفر خان رستم جنگ بادفا خواجہ مظفر اکابر امراء میں سے تھے ۱۱۴۸ھ / ۱۷۳۵ء کو انتقال ہوا (تاریخ محمدی ۲ / ۶ / ۹۲) اور پھر فرخ سیر (۱۱۲۴ـ ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۳ـ ۱۷۱۹ء) کے زمانہ میں خطاب روشن الدولہ اور ہفت ہزاری منصب بھی ملا۔۔۔۔۔ (مآثر الامراء ۲ / ۳۳۷)

انہی روشن الدولہ ظفر خان کا لڑکا نواب بھکاری خان روشن الدولہ رستم جنگ (ف ۱۱۶۹ھ / ۱۷۵۵ء) متاخر سلاطین مغلیہ کی تاریخ میں اور خصوصاً تاریخ پنجاب میں اہم کردار کا مالک تھا، وہ پنجاب کے ناظم معین الملک عرف میر منو (ف ۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۳ء) کے زمانہ میں "مدار المہام" تھا، اس نے درانی کو مزید حملوں اور جنگ سے روکنے کی کوشش کی، میر منو اور درانی کے مابین معاہدہ امن میں بھی وہ شریک تھا، وہ کئی معزز عہدوں اور مہمات میں بھی شریک رہا تھا:

(Ganda Singh: Ahmad Shah Durrani, pp. 110-116, 120, 144)

بھکاری خان کا زیادہ زمانہ لاہور اور پنجاب کے مختلف مقامات پر گذرا وہ لاہور اور ملتان کے گورنر نواب معین الملک میر منو مذکور کے زمانہ میں وزیر بھی رہا، اس کے فرزندوں میں سے غلام علی خان اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک

تھا، اس کی ابتدائی زندگی کے حالات نہیں ملتے وہ زیادہ لاہور میں رہا، پھر وہ شہزادہ جواں بخت معروف بہ جہاندار شاہ (ف ۱۲۰۳ھ / ۱۷۸۸ء) جب ۱۷۸۴ء کو لکھنؤ گیا تو غلام علی خان اس کا منشی تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ جب شہزادہ وارن ہیسٹنگز (Warren Hastings) کے ساتھ بنارس (Benaraas) چلا گیا تو غلام علی خان شہزادہ کے والد شاہ عالم ثانی (۱۱۷۳۔ ۱۲۲۱ھ / ۱۷۵۹۔ ۱۸۰۶ء) سے وابستہ ہو گیا، جہاں اس نے دیگر خدمات کے علاوہ تاریخ کی دو کتابیں شاہ عالم نامہ اور مقدمہ شاہ عالم شاہ نامہ لکھیں، پہلے موخر الذکر کتاب کا مختصر تعارف کروایا جارہا ہے:

مقدمہ شاہ عالم نامہ میں اس نے اورنگزیب عالمگیر کی وفات ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۷ء سے لے کر عالمگیر ثانی کی تخت نشینی (۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۴ء) تک کے حوادث و واقعات نہایت اختصار کے ساتھ لکھے، بوڈلین لائبریری آکسفورڈ میں اس کا خود نوشت نسخہ مؤلف موجود ہے، دوسرا خطی نسخہ کتابخانہ موزۂ برطانیہ، لندن میں ہے:

(Storey, C.A: Persian literature, Vol.I, part.I, p 641.)

یہ کتاب غلام علی خان نے شاہ عالم نامہ کی تکمیل کے بعد متاخر سلاطین مغلیہ کے عمومی تعارف کے لیے تالیف کی (ریو: فہرستِ مخطوطاتِ فارسیہ ۱ / ۲۷۸) چونکہ مؤلف غلام علی خان کے والد اور دادا مغل سلاطین کے ہاں معزز عہدوں پر فائز رہے تھے اس لیے وہ بہت سے واقعات کے عینی شاہد اور روایات کے امین تھے جن سے مؤلف نے تاریخی وقائع نقل کیے ہیں۔ اس لیے اس کتاب کی اہمیت بھی روشن ہے۔

مؤلف کی پہلی کتاب شاہ عالم نامہ درجۂ اول کی روایات کی حامل ہے۔ جس میں عالمگیر ثانی مذکور اور شاہ عالم ثانی مذکور کے غلام قادر روہیلہ کے ہاتھوں اندھے ہونے (۱۲۰۲ھ / ۱۷۸۸ء) تک کے واقعات درج ہیں، مرہٹہ سردار سندھیا (Sindihiah) نے غلام قادر کو تعاقب کر کے ۱۲۰۳ھ / ۱۷۸۸ء کو قتل کر دیا۔ (نادراتِ شاہی، مقدمہ ۲۷۔ ۳۰)

شاہ عالم نامہ میں شاہ عالمگیر ثانی سے واقعات کا آغاز ہوتا ہے، اس کے بعد عالی گوہر کے ریواڑی (Revari) اور ہانسی (Hansi) کی طرف روانگی ـــــ عالمگیر ثانی کی وفات، شاہ عالم ثانی کی تخت نشینی سے اس کے آٹھویں سالِ جلوس تک کے واقعات ہیں۔

شاہ عالم نامہ کا دوسرا حصہ، پہلے حصہ کے مکمل ہونے کے عرصہ دراز کے بعد شروع ہوا جو ضابطہ خان کی بغاوت سے شروع ہوتا ہے اس کی دہلی کی طرف پیش قدمی اور نواب نجف خان سے شکست (۱۱۸۵ھ / ۱۷۷۱ء)، شہزادہ جواں بخت جہاندار شاہ کی وفات (۱۲۰۳ھ / ۱۷۸۹ء) اور اس سے ایک سال پہلے شاہ عالم ثانی کا غلام قادر مذکور کے ہاتھوں اندھا کیا جانے پر ختم ہو جاتا ہے۔ (ریو: فہرست مذکور ۱ / ۲۸۲)

شاہ عالم نامہ میں مؤلف نے جہاندار شاہ کا وہ خط بھی نقل کیا ہے جو اس نے انگلستان کے جارج سوم (George III) کو لکھا تھا۔ (ایضاً ۱ / ۲۸۲)

معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف شاہ عالم نامہ غلام علی خان اس وقت کے انتہائی خراب حالات سے متاثر ہو کر لکھنؤ چلا گیا تھا اور جب ۱۷۹۸ء کو فرینکلن (W. Francklin) نے شاہ عالم ثانی کے عہد کی تاریخ پر انگریزی میں ایک کتاب: (The history of the Reign of Shah Aulum) لندن سے شائع کی تو وہ لکھنو میں بقیدِ حیات تھا (کتاب مذکور ص ۲۴۹) فرینکلن نے یہ کتاب شاہ عالم ثانی کے حین حیات شائع کی تھی اور اس میں اس نے شاہ عالم نامہ کا ملخص ترجمہ شامل کیا ہے گویا اس کا سب سے بنیادی ماخذ یہی شاہ عالم نامہ ہے۔

گویا غلام علی خان مذکورہ سنہ تک لکھنو میں بقید تھا اس نے اپنی کتاب شاہ عالم ثانی کا سالِ وفات (۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۶ء) بھی درج کیا ہے، مؤلف مذکورہ سنہ تک مصروف کار تھا۔

شاہ عالم نامہ فارسی نثر میں ہے اس کی زبان مسجع ومقفیٰ قسم کی ہے زبان کے دقیق اور مشکل ہونے کی وجہ سے کئی واقعات غیر واضح ہو گئے ہیں مؤلف نے زبان دانی پر زیادہ توجہ دی ہے سنین وو قائع کی صحت کا زیادہ خیال نہیں رکھا گیا۔ یہ کتاب خاصی ضخیم ہے اس کے تین حصے ہیں اس کا پہلا حصہ جو ۱۷۶۱ء تک کے واقعات کو محیط ہے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ سے ۱۹۱۴ء کو طبع ہوا، اسے الماموں سہروردی اور محمد کاظم شیرازی نے ایڈٹ کیا تھا۔

اس کے باقی دو حصے تاحال شائع نہیں ہوئے، باڈلین لائبریری، اوکسفورڈ میں اس کا خود نوشت نسخہ موجود ہے۔ برٹش میوزیم اور انڈیا آفس لائبریری، لندن وغیرہ میں بھی اس کے نسخے پائے جاتے ہیں۔ (سٹوری: ادبیات فارسی ۱ / ۱ / ۶۴۱)

مآخذ

۱۔ آفتاب، شاہ عالم ثانی: نادرات شاہی (فارسی، اُردو وہندی کلام شاہ عالم ثانی) مرتبہ امتیاز علی خان عرشی، رام پور، ۱۹۴۴ء

۲۔ شاہ نواز خان، صمصام الدولہ: مآثر الامراء اُردو ترجمہ وحواشی محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۶۹ء

۳۔ غلام علی خان: شاہ عالم نامہ، کلکتہ، ۱۹۱۴ء

۴۔ فراقی، کنور پریم کشور: وقائع عالم شاہی، مرتبہ امتیاز علی خان عرشی، رام پور، ۱۹۴۹ء

۵۔ محمد رستم حارثی: تاریخ محمدی مرتبہ امتیاز علی خان عرشی، (ج ۲۔ح۔۲)، علی گڑھ، ۱۹۶۰ء

6- Datta, K.K: Shah Alam II and the East India Company, Calcutta, 1965

7- Edwards, M: King of the world (Life and Times of Shah Alam), London, 1970.

8- Elliot and Dowson: History of India as told by its own Historians, Lahore, 1981.

9- Francklin, W: History of the Reign of Shah, Aulum, (rep.) Lahore, 1988.

10- Ganda Singh: Ahmad Shah Durrani, Bombay, 1959.

11- Rieu Ch: Cat. Of Persian MSS. In British Museum, London, 1879.

12- Sarkar, Jagadish Narayan: Romance of Historiography rapey from Shah Alam I to Shah Alam II, Calcutta, 1982.

13- Storey, C.A: Persian literature, London, 1972.

۲ نومبر ۲۰۰۷ء

برائے دانشنامہ شبیہ قارہ

منشی شہاب الدین احمد طالش (مولف فتیحہ عبریہ)

شہاب الدین احمد گیارہویں صدی ہجری / سترہویں صدی عیسوی کا ایک منصب دار اور مورخ تھا، جو اپنی تاریخی کتاب فتیحۂ عبریہ کے باعث معروف ہے۔

شہاب الدین احمد بن محمد ولی احمد کے اجداد کا تعلق گیلان کے ایک مضافاتی قصبہ طالش سے تھا، اس کے حالات متعارف کتب تاریخ میں نہیں ملتے، اس کے پوتے اعتصام الدین احمد نے اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ وہ تاج پور ضلع ندھیا(Nadiyah) بنگال کا باشندہ ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے اجداد اسی مذکورہ موضوع میں رہتے تھے۔ (فہرست مخطوطاتِ فارسی موزہ برطانیہ ۱/ ۳۸۳)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہاب الدین مغلیہ حکومت کی طرف سے وقائع نویس تھا جو مختلف حوادث اور جنگوں کی تفصیلی رپورٹیں حکومت کو مرتب کرکے پیش کرتا تھا۔

بنگال کے گورنر میر محمد سعید اُردستانی مخاطب بہ خانِ خانان معروف بہ میر جملہ بنگال ہی میں مختلف خدمات انجام دے رہا تھا کہ اورنگ زیب عالمگیر (۱۰۵۸۔۱۱۱۸ھ / ۱۶۵۸۔۱۷۰۷ء) نے اُسے اپنے چوتھے اور پانچویں سالِ جلوس ۱۰۷۲ھ / ۱۶۶۱ء، ۱۰۷۳ھ / ۱۶۶۳ء کو کوچ بہار اور آسام کی فتح پر مامور کیا وہ نہایت مستعدی سے دشمن کا مقابلہ کرتا رہا یہاں تک کہ اس نے ان تمام علاقوں پر کنٹرول حاصل کرلیا:

(Life of Mir Jumla, The General of Aurangzeb. pp. 285.307)

ان میں میر جملہ کے ساتھ جو اصحاب تھے ان میں شہاب الدین احمد طالش بھی شامل ہے، جس نے ان دو سال کی شدید جنگی مہمات اور اس میں پیش آنے والے حوادث کا بچشم خود مشاہدہ کیا تھا، اس میں صرف جنگی واقعات ہی نہیں ہیں وہاں کے باشندوں کے بارے میں بھی مفید معلومات ملتی ہیں، طالش کی یہ معاصرانہ یادداشتیں

ہیں جن کو اس نے فتیحۂ عبریہ" کا نام دیا، جو میر جملہ کی خضر پور میں وفات ۲ رمضان ۱۰۷۳ھ / ۱۶۶۳ء کے واقعہ پر ختم ہو جاتی ہیں۔

طالش کی یہ کتاب فارسی نثر میں ہے جو ایک مقدمہ اور دو واقعات پر مشتمل ہے:

مقدمہ در بیان آشام و سبب توجہ اعلام ظفر فرجام بہ تسخیر کوچ بہار، مقالہ اول الذکر در ذکر توجہ نواب (میر جملہ) باستیصال بیم نرائن (Bim Narayan) مقالہ دوم در ذکر نہضت موکب ظفر انجام بجانب آشام و فتح آں ملک۔۔۔۔

خاتمہ میں نواب میر جملہ کی خضر پور سے دو کوہ (کوش) کے فاصلہ پر ایک کشتی میں وفات سنہ مذکور کا تذکرہ ہے کہ جس کا مادہ تاریخ "مسند آرای بہشت" بنایا گیا ہے۔

فتیحہ عبریہ کے تمام دریافت شدہ خطی نسخ ۱۰۷۳ھ تک کے واقعات پر ختم ہو جاتے ہیں لیکن بوڈلین لائبریری آکسفورڈ میں اس کا ایک ایسا نسخہ ہے جس کے آخر میں اس کے تسلسل یا ضمیمہ کے طور پر ۱۰۷۶ھ / ۱۶۶۶ء تک کے حوادث لکھے گئے ہیں، اس ضمیمہ کا آغاز بھی جداگانہ ہے۔ (Cat. Persian MSS. Bodlein library, Vol.I, p.125)

مشہور مورخ جادو ناتھ سرکار (Jadunath Sarkar) نے اس اہم ضمیمہ کا مفید حواشی کے ساتھ انگریزی ترجمہ کیا تھا جو ان کے مجموعہ مقالات میں شامل ہے (Studies in Arugzab's Reign, pp.114-148) فتیحہ عبریہ کے خطی نسخے نیشنل لائبریری پیرس، باڈلین لائبریری، آکسفورڈ، بانکی پور پبلک لائبریری پٹنہ، انڈیا آفس لائبریری لندن، برٹش لائبریری لندن اور کتابخانہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ میں موجود ہیں۔(Storey, Persian literature VolI, PartI, p.583)

فتیحہ عبریہ کا فارسی متن کلکتہ سے تاریخ آشام کے نام سے ۱۸۴۷ء کو طبع ہوا تھا۔ اس کا اُردو ترجمہ تاریخ آشام کے نام سے میر بہادر حسینی نے کیا جو فورٹ ولیم کالج، کلکتہ کے اہتمام سے ۱۸۰۵ء میں طبع ہوا:

(Early, Urdu Historiography p.102-104) اس اُردو ترجمہ سے فرانسیسی زبان میں اس کا ترجمہ کیا گیا جو پیرس سے ۱۸۴۵ء کو طبع ہوا۔

شہاب الدین طالش کی اولاد کی تفصیلات نہیں ملتیں اس کے صرف ایک بیٹے شیخ تاج الدین کا نام معلوم ہے جس کا فرزند اعتصام الدین بنگال کے ضلع نادھیہ (Nadiyah) کا رہنے والا تھا وہ پہلے تو بنگال کے ناظم میر جعفر خان (۱۱۷۰ھ / ۱۷۵۷ء تا ۱۱۷۴ھ / ۱۷۶۰ء اور پھر ۱۱۷۷۔۱۱۷۹ھ / ۱۷۶۳۔۱۷۶۵ء) کا منشی ہوا اور پھر میر قاسم کی جانشینی (۱۱۷۴ھ / ۱۷۶۰ء) پر وہ میجر یارک (Major Yorke) کی ملازمت میں آیا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی حمایت میں میر قاسم مذکور کے خلاف لڑا (۱۱۷۷ھ / ۱۷۶۳ء) کو جب کپتان آرچبولڈ (Archibold) سوئنٹن (Swinton) شاہ عالم ثانی کا ایک خط لے کر شاہ انگلستان جارج سوم (George) کے پاس برطانیہ گیا تو یہی اعتصام الدین اس کے ہمراہ تھا۔ اس نے اپنے سفر کے مشاہدات فارسی نثر میں شگرف نامہ ولایت کے نام سے ۱۱۹۹ھ / ۱۷۵۸ء کو تحریر کیے جو ۱۱۸۳ھ / ۱۷۶۹ء کے سنہ پر ختم ہو جاتے ہیں، اس کا ملخص انگریزی ترجمہ مع اردو ترجمہ لندن سے ۱۸۲۷ء کو طبع ہوا۔ منشی اعتصام الدین پہلا جدید تعلیم یافتہ ہندوستانی فرد تھا۔ جس نے انگلستان کا سفر کیا اور اپنے مشاہدات قلم بند کیے (Dictionary of Indian Biography p.218) فتحیۂ عبریہ کا فارسی خطی نسخہ مخزونہ کتابخانہ خدا بخش پٹنہ (شمارہ ۵۷۳) اسی اعتصام الدین کے قلم کا لکھا ہوا ہے۔ جس پر جابجا حواشی بھی ہیں: (فہرست مخطوطات فارسی بانکی پور ۷ / ۸۴)

مآخذ

۱۔ شمس اللہ قادری، حکیم: مورخین ہند، حیدر آباد، دکن، ۱۹۳۳ء

۲۔ طالش، شہاب الدین احمد: تاریخ آشام، کلکتہ ۱۸۴۷ء

3- Buckland, C.E: Dictionary of Indian Biography, Lahore, 1975.

4- Javed Ali Khan: Early Urud Historiography, Patna, 2005.

5- Abdul Muqtadir: Cat. Arabic and Persian Manuscripts in Oriental Public Library of Bankipur, Patna, 1977.

6- Reiu, Ch: Cat. of Persian Manuscritps in British Museum, London, 1879.

7- Sachau and Ethe: Cat. Persian Manuscripts in Bodleian library Oxford, Oxford, 1889.

8- Sarkar, Jandunath: Studies in Aurangzab's Reign, Delhi, 1989.

9- Ibid: Studies in Mughal India, Calcutta, 1919.

10- Ibid: History of Aurangzeb. Calcutta, 1916

11- Sarkar, Jagadish Narayan: Life of Mir Jumla, Delhi.
12- Ibid: Histography, Then and Now: Medieval Bihar, Patna, 1989.
13- Sharma, S.R: Bibliography of Mughal India, Calcutta, (N.d.)
14- Storey, C.A: Persian literature, London, 1972.

۱۳ نومبر ۲۰۰۷ء

برائی دانشنامہ شبہ قارہ

منشی غلام حسین سلیم (موٴلف ریاض السلاطین)

منشی غلام حسین اپنی نوشتہ تاریخ ریاض السلاطین کے باعث معروف ہے جو بنگال کے مسلمان حکمرانوں کی تاریخ پر پہلی باقاعدہ کتاب ہے جو بنگال میں مسلم حکومت کے قیام سے لے کر زمانہ تالیف ۱۲۰۲ھ / ۱۷۸۷ء تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔

ریاض السلاطین منشی غلام حسین سلیم کی تالیف ہے، وہ اودھ کے ایک قصبہ زیدپور کا رہنے والا تھا، وہاں سے وہ بنگال کے ایک علاقہ مالدہ (Maldah) میں آ بسا جو ان دنوں ایسٹ انڈیا کمپنی (East India Company) کی تحویل میں تھا اور اسی مناسبت سے انگریز آباد کہلاتا تھا، وہاں کی کمپنی کی فیکٹری کے کمرشل ریذیڈنٹ (Commercial Resident) جارج اوڈنی (George Udny) کے ہاں "ڈاک منشی" (Post Master) کی ملازمت اختیار کر لی، جارج اوڈنی کو کتب تاریخ اور علوم وفنون سے بہت دلچسپی تھی اس نے مجھے حکم دیا کہ میں بنگال کے حکمرانوں کی ایک تاریخ لکھوں تو میں نے یہ کام سرانجام دیا (ریاض السلاطین ۴)

منشی غلام حسین سلیم کے ایک شاگرد الٰہی بخش بن علی بخش حسینی انگریز آبادی نے ایک عمومی کتاب تاریخ خورشید جہاں نما کے نام سے لکھی تو اس میں غلام حسین سلیم کا مختصر تذکرہ بھی کیا ہے جس میں اس نے اپنے استاد منشی عبدالکریم کا کہا ہوا ایک قطعہ تاریخ بر وفات منشی غلام حسین سلیم بھی نقل کیا ہے "منشی ز عالم رفتہ" جس کے اعداد ۱۲۳۳ ہوتے ہیں گویا موٴلف ریاض السلاطین منشی غلام حسین کا مذکورہ سنہ میں انتقال ہوا، اور وہ اسی انگریز آباد میں دفن ہوا جہاں اس کا مقبرہ بھی ہے، بیورج (Beveridge) نے کتاب خورشید جہاں نما کا تجزیاتی مطالعہ کیا تھا۔ ("The Khurshid Jahan Numa of S.Ilahi Bakhsh" Journal of Asiatic Society of Bongal. Vol. ixiv (1895)

جس سے یہ تمام تر معلومات ملخصاً ماخوذ ہیں۔

منشی غلام حسین فارسی کا انشاء پرداز ہونے کے علاوہ فارسی شاعر بھی تھا وہ سلیم تخلص کرتا تھا ریاض السلاطین میں کئی مقامات پر اس نے اپنے اشعار نقل کیے ہیں کتاب کے آغاز میں حمد اور پھر کتاب کی تالیف کے محرک جارج اوڈنی کی مدح میں چار اشعار بھی ہیں (ریاض السلاطین ۳۔۴)

منشی غلام حسین سلیم فارغ اوقات میں تدریس کا کام کرتا تھا اس کے کئی شاگرد تھے چنانچہ منشی عبدالکریم اس کے شاگرد کا قطعہ تاریخ وفات سلیم کا ذکر کیا جاچکا ہے، اس عبدالکریم کا ایک قابل شاگرد سید الٰہی بخش حسینی تاریخ کی ایک اہم کتاب خورشید جہاں نما کا مؤلف تھا جو مالدہ کے ضلعی سکول میں فارسی کا معلم تھا (سٹوری: ادبیات فارسی ۱/ ۱/ ۱۵۲)

منشی غلام حسین سلیم کا حبس بول کے مرض میں ۳۰ صفر ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۷ء کو انتقال ہوا اور موضع چک قربان علی متصل انگریز آباد میں مدفون ہوا (محبوب الالباب ۳۳۳)

غلام حسین سلیم کی صرف ایک ہی کتاب ریاض السلاطین ملتی ہے، جو بنگال کی عمومی تاریخ ہے مؤلف نے انگریز مذکور کی فرمائش پر ۱۲۰۰ھ / ۱۷۸۶ء کو اس کی تالیف کا آغاز کیا اور دو سال کی محنت کے بعد ۱۲۰۲ھ / ۱۷۸۷ء کو مکمل کیا "ریاض السلاطین" سے اس کا سال تکمیل بر آمد ہوتا ہے، یہ کتاب ایک مقدمہ اور چہار روضوں پر مشتمل ہے:

مقدمہ کے چار چمن (فصول) ہیں چمن اول دربیان کیفیت آبادی ممالک بنگالہ۔۔۔ چمن دوم، دربیان بعض خصوصیات آن ملک چمن سوم، ذکر بلاد آن ممالک، چمن چہارم در ذکر حکومت رایانِ ہند۔۔۔

روضۂ اول در ذکر حکومت حاکمان اسلام کہ از طرف دہلی بنیابت دریں ملک فرمانروائی کردہ اند

روضۂ دوم "ذکر سلاطین کہ در بنگالہ بر سر سلطنت جلوس فرمودہ

روضۂ سوم دربیان احوال ناظمان

روضۂ چہارم مشتمل بر دو خیابان، خیابانِ اول در ذکر آمدن نصاریٰ فرقۂ پرتگیس و فرانسیس وغیرہ در دکن و بنگالہ

خیابانِ دوم در ذکر مسلط شدن نصاریٰ انگریز بر ممالک بنگالہ و دکن

مؤلف نے اگرچہ آغازِ کتاب میں اپنے مآخذ کا ذکر نہیں کیا لیکن اس کے مندرجات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے تمام بنیادی کتب تاریخ سے مدد لی ہے اس میں ایسی کتابوں کی معلومات بھی درج ہیں جو اب مفقود ہو چکی ہیں، اس نے بہت سی عمارتوں کے کتبات بھی استعمال کیے ہیں اس سے پہلے اور بعد بنگال کی جو تاریخیں لکھی گئیں وہ صرف جزوی تھیں یا محض ایک علاقہ سے متعلق تھیں، لیکن ریاض السلاطین پہلی تاریخ ہے جس میں آغاز سے لے کر اپنے زمانہ تالیف تک تمام حالات و حوادث ترتیبِ زمانی سے تحریر کیے گئے ہیں، ابتدائی تاریخ سے متعلق اس کے اکثر بیانات عرب مولفین کی کتب سے ماخوذ ہیں، البتہ اس کی درج کردہ تاریخوں اور سنین کو جدید دریافت شدہ سکوں اور کتبات کی مدد سے تقابل کی ضرورت ہے، دورِ آخر کے مورخین نے اس کے بیانات پر اعتماد کیا ہے ان میں سے بلوخمان، بیورج، جادو ناتھ سرکار اور سٹیوارٹ نے اپنی تاریخ بنگال میں تو اس کے بڑے حصے کا انگریزی ترجمہ پر اکتفا کیا ہے۔

ریاض السلاطین کا فارسی متن عبدالحق عابد نے ایڈٹ کیا جو ایشائک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ سے ۱۸۹۰ء کو طبع ہوا۔ پھر عبدالسلام نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا جو ان کے مفید حواشی کے ساتھ اسی ادارہ سے ۱۹۰۳ء کو شائع ہوا تھا۔ یہی ترجمہ دہلی سے ۱۹۷۵ء کو عکسی صورت میں دوبارہ چھپ گیا، اس کے فارسی متن کا عکس حال ہی میں جرمنی کے ایک ناشر نے شائع کیا ہے۔

مآخذ

۱۔ خدا بخش خان: محبوب الالباب فی تعریف الکتب والکتاب، پٹنہ، ۱۹۹۱ء

۲۔ سلیم، غلام حسین، منشی: ریاض السلاطین مرتبہ عبدالحق عابد، کلکتہ، ۱۸۹۰ء

۳۔ سلیم اللہ منشی: تاریخ بنگالہ مرتبہ سید محمد امام الدین، ڈھاکہ، ۱۹۷۹ء

۴۔ شمس اللہ قادری، حکیم: مورخین ہند، حیدر آباد، دکن، ۱۹۳۳ء

۵۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر، حیدر آباد دکن، ۱۹۵۹ء

6- Beveridge, H: The Khurshid Jahan Numa of S. Ilahi Bakhsh, Journal of Asiatic Society of Bengal, vol. ixiv (1895)

7- Blochmann, H: contributions to Geography and History of Bangal, Calcutta, 1968.
8- Muhammad Mohar Ali: History of Muslims of Bengal, Riyadh, 1985.
9- Salim, Ghulam Hussain: Riyanu-s-Salatin, trans. by Abdus Salam, Delhi, 1975.
10- Sarkar, J.N: Bengal Nawabs, Calcutta, 1952.
11- Stewart, C: History of Bengal from The Muhammadan invasion until the virtual conquest of Bengal by English, London 1813.
12- Storey, C.A: Persian literature, London, 1972.
13- Encyclopaedia of Islam (New ed.) Leiden, 1965.

۱۱ نومبر ۲۰۰۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

منشی سلیم اللہ (موکف تاریخ بنگالہ)

منشی سلیم اللہ بارہویں صدی ہجری / اٹھارہویں صدی عیسوی میں بنگال کا ایک فارسی انشاء پرداز اور مورخ تھا، وہ اپنی کتاب تاریخ بنگالہ کی تالیف کے باعث معروف ہے۔

منشی سلیم اللہ کے حالات متعارف کتب تاریخ میں نہیں ملتے، اس کے ایک خاص شاگرد اعتصام الدین پنچ نوری (Panchnuri) نے شگرف نامہ میں لکھا ہے کہ بنگال کے ناظم میر محمد جعفر خان (۱۱۷۰۔ ۱۱۷۴ھ / ۱۷۵۷۔ ۱۷۶۰ء اور دوبارہ ناظم ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸ھ / ۱۷۶۳۔ ۱۷۶۵ء) کے زمانہ میں اس نے کلکتہ میں آٹھ منشیوں کو ایسٹ انڈیا کمپنی (East India Company) کے سیکرٹریٹ (Secretariat) میں کام کرتے دیکھا جن میں منشی سلیم اللہ بھی شامل تھا، جو بنگال کے گورنر ہنری وینسی ٹارٹ (Henry Vansittart) کی ملازمت میں تھا (شگرف نامہ بحوالہ تاریخ بنگالہ مقدمہ ڈاکٹر امام الدین ص ۱۱)

وینسی ٹارٹ (۱۷۳۲۔ ۱۷۷۰ء) بنگال کے گورنر (۱۷۶۰۔ ۱۷۶۴ء) کو علوم مشرقیہ سے بڑی دلچسپی تھی اس نے بہت جلد مقامی منشیوں کی مدد سے فارسی زبان سیکھ لی:

(Narrative of Transactions in Bengal, Apd. B.P.549-551)

اس قسم کے اصحاب کو مقامی اہل علم کی ضرورت ہوتی ہے اسی مقصد سے اس نے مختصر مدت کے لیے سلیم اللہ کو اپنا منشی بنالیا، ایک منشی کی ماہانہ تنخواہ ایک سو روپے ہوتی تھی، (تاریخ بنگالہ، مقدمہ، حاشیہ ص ۱۱)

منشی سلیم اللہ نے تاریخ بنگالہ اسی ہینزی وینسی ٹاٹ کے لیے اس کے حکم پر فارسی نثر میں تالیف کی، کتاب کے آغاز میں اس نے وینسی ٹاٹ کو ''نواب نصیر الملک شمس الدولہ بہادر تہور جنگ'' جیسے القاب سے یاد کیا ہے۔ (تاریخ بنگالہ ص ۳) اسی لقب کی مناسبت سے اس نے اس کتاب کو ''تہور نامہ'' کا نام بھی دیا ہے (ایضاً مقدمہ

ص ۱۱) ڈینس ٹاٹ نے ہاتفی کی لیلیٰ مجنوں اور محمد صادق کی تاریخ عالمگیر کا انگریزی ترجمہ کیا اور اپنے عہد کے وقائع پر ایک اہم رپورٹ بھی مرتب کی جو اس وقت کے حالات کا اہم ترین ماخذ ہے۔

سلیم اللہ کی تالیف تاریخ بنگالہ بنگال کے ناظموں کی تاریخ ہے، اس کا آغاز ایک ہندو زمیندار سوبھا سنگھ (Subha Singh) کی بغاوت سے ہوا ہے جو ابراہیم خان کی نظامت کے دوران ۱۱۰۷ھ / ۱۶۹۶ء کو ہوئی، دوسرے تاریخی مآخذ اس کی تفصیلات سے خالی ہیں۔ اس میں بنگال کی ساٹھ سال کی تاریخ (۱۶۹۶ تا ۱۷۵۶ء) بیان کی گئی ہے، اس میں ابراہیم خان (۱۶۸۹۔۱۶۹۷ء) سے لے کر نواب علی وردی خان کی وفات ۱۷۵۶ء) تک کے حالات کا جائزہ لیا گیا ہے، دیگر ناظمان میں سے شہزادہ محمد اعظم، جعفر خان، سرفراز خان، شجاع الدولہ اور علی وردی خان کے زمانہ کے حالات تحریر کیے گئے ہیں۔

منشی سلیم اللہ نے واقعات اپنی یادداشت کی بنیاد پر اور مقامی کتب تاریخ کی مدد سے لکھے ہیں اور بمشکل کہیں کہیں توقیت (Chronology) کا خیال رکھا ہے۔ عہد اورنگزیب عالمگیر کے سلسلہ میں اس نے بعض یورپین دستاویزات سے بھی استفادہ کیا ہے۔

سلیم اللہ نے مرشد قلی خان (ف ۱۱۳۹ھ / ۱۷۲۶ء) کی تعریف کی ہے کہ اس زمانہ میں انصاف تھا، اس نے محاصل جمع کیے۔ اس کے دیئے گئے مالیات کے مندرجات کو خلاصۃ التواریخ اور چہار گلشن سے تقابل کے بعد قبول کیا جا سکتا ہے، بنگال کی مشہور تاریخ ریاض السلاطین مولفہ غلام حسین سلیم (بسال ۱۷۸۷ء) جو تاریخ بنگالہ سے صرف ۲۴ سال بعد تالیف ہوتی ہے کا بنیادی ماخذ یہی سلیم اللہ کی تاریخ ہے۔

بنگال میں انگریزوں کی سرگرمیوں کا وہ خود عینی گواہ تھا، ایسا بھی معلوم ہوتا ہے اس نے بغیر حوالہ کے وہ دستاویزات بھی استعمال کی ہیں جو انگریزوں کے دفاتر میں موجود تھیں، سیاسی، سماجی اور معاشی تفصیلات بھی اس کتاب میں قابل توجہ ہیں۔

سلیم اللہ کی اس کتاب کی اس اہمیت کے پیش نظر یہ انگریزوں کی توجہ کا مرکز رہی ہے، اس کا ملخص انگریزی ترجمہ فرانسس گلڈون نے ۱۷۸۸ء کو کیا جو اسی سال کلکتہ سے شائع ہوا، یہ ترجمہ نہایت ناقص، غلط اور ناقابل اعتماد ہے (جادوناتھ سرکار: Bengal Nawabs, preface p.1)

تاریخ بنگالہ کے بکثرت خطی نسخے پائے جاتے ہیں جو اس کتاب کے مقبول ہونے کی دلیل ہے (سٹوری:
ادبیات فارسی ۱/ ۱/ ۷۱۶)

تاریخ بنگالہ کا فارسی متن ڈاکٹر سید محمد امام الدین نے ایڈٹ کیا جس پر ایک مفید مقدمہ (انگریزی) لکھا اور حواشی میں اختلافاتِ نسخ بھی بیان کیے۔ ایڈیشن ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگلہ دیش، ڈھاکہ سے ۱۹۷۹ء کو طبع ہوا لیکن تاحال اس کا کامل انگریزی ترجمہ شائع نہیں ہوا ہے۔

مآخذ

۱۔ سلیم اللہ، منشی: تاریخ بنگالہ مرتبہ محمد امام الدین، ڈھاکہ، ۱۹۷۹ء

2- Datta, k: Alivardi and his Times, Calcatta, 1939.
3- Kolff, D.H.A: Nukar, Rajput and sepoy, Cambridge, 1990.
4- Das, S.K: Sahibs and Munshis, Calcutta, 1978.
5- Mukhopadhyay, S.C: British Residents at the Darbar of Bengal Nawabs, at Murshidabad, Delhi, (N.D)
6- Sarkar, J.N: Bengal Nawabs, Calcutta, 1985.
7- Storey, C.A: Persian literature, London, 1972.
8- Vasittart, H: Narrative of the Transactions in Bengal (1760-64) ed. A.C. Banarjee, Calcutta, 1976.

۴نومبر ۲۰۰۷ء

برائ دانشنامہ شبہ قارہ

مولانا ترک غوری

ترک غوری بارہویں صدی ہجری کے ایک عالم، ریاضی دان اور ستارہ شناس تھے۔

ترک غوری نے اپنا پورا نام کریم بن مخدوم محمد شفیع محمد سلیم عرف ترک غوری بتایا ہے۔(محفوظ، دیباچہ ۲۔الف)

ترک غوری کے حالات اور علمی کارناموں کے بارے میں تفصیلات مروجہ تذکروں میں نہیں ملتیں، صرف وہی کچھ معلوم ہے جو انہوں نے خود اپنی کتاب "سیر آفتاب و مہتاب معروف بہ محفوظ" کے ابتدائیہ میں لکھا ہے۔

ترک غوری کے ایک معاصر ریاضی دان مولانا اسد اللہ تھے جن کی فرمائش پر انہوں نے اپنی مذکورہ کتاب تالیف کی، ترک غوری نسلاً افغان اور افغانستان کے معروف علاقہ غور سے ہندوستان آ گئے تھے، ان کے والد بھی ایک ذی علم آدمی تھے اور سندھ میں آ بسے تھے اہل سندھ علماء و فضلاء کو "مخدوم" کہہ کر مخاطب کرتے تھے چنانچہ ان کے والد کو بھی مخدوم محمد شفیع کہا گیا۔

ترک غوری نے پاکستان کے معروف خطہ سندھ کا متعدد بار تذکرہ کیا ہے وہ وہاں کے علماء اور اہل فن سے بہت متاثر تھے، انہوں نے اپنے ایک معاصر عالم اور ہیئت دان مخدوم نجم الدین بوبکائی کا خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ انہوں نے "درجۂ شمس" کی دریافت پر ایک رسالہ لکھا جو اپنی نوعیت کا عجیب رسالہ ہے۔ اس سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ترک غوری کا مستقر خطۂ سندھ تھا۔(محفوظ، فصل سوم برگ ۳۲ب۔ و بہ بعد)

محفوظ

ترک غوری کی تالیفات میں سے صرف یہی ایک رسالہ ہم تک پہنچا ہے، یہ رسالہ فارسی نثر میں ہے اور اس میں بعض اشعار بھی درج ہوئے ہیں، اس رسالے کا موضوع ستارہ شناسی اور علم ہیئت ہے۔

مؤلف فارسی میں شعر بھی کہتے تھے رسالے کے آغاز میں انہوں نے اس کے سالِ تالیف کے لیے ایک قطعۂ تاریخ بھی لکھا ہے جس سے ۱۱۶۳ھ بر آمد ہوتا ہے اور اسی سال یعنی ۱۱۶۳ھ/۴۹۔۱۷۵۰ء کو پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

یہ رسالہ گیارہ فصول پر مشتمل ہے۔

فصل اول در بیان سالِ قمری و ماھہا و روزہای آں

دوم در سالِ شمسی، سوم قاعدۂ یافتن آفتاب کہ در کدام برج است

چہارم، دریافتن سالِ شمسی بغیر حساب، پنجم دریافتن ماھہای شمسی از ماہ ہائی قمری بغیر حساب، ششم۔ یافتن وقتِ ظہر، ہفتم در نوروز، ہشتم ساعات روز و شب۔ نہم طلوع و غروب بعضی کواکب

دہم موقع تخم ریزی زرع یازدہم اختلاف ھوا (اعنی چہار فصل سال)

اس رسالے کو مؤلف نے میر آفتاب و مہتاب بھی کہا ہے اس رسالے کے اب تک صرف تین خطی نسخوں کا علم ہو سکا ہے۔ ایک کتابخانہ گنج بخش اسلام آباد اور دوسرے دونوں نسخے پیر حسام الدین راشدی کے ذاتی کتب خانے میں تھے۔ جو اب کتابخانۂ مرکزی دانشگاہ قائداعظم اسلام آباد اور سندھالوجی، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، حیدر آباد سندھ میں محفوظ ہیں۔ (فہرست مشترک ۱/۲۹۷)

مآخذ

۱۔ ترک غوری: محفوظ، خطی نسخہ مخزونہ کتابخانہ گنج بخش مرکزِ تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد نمبر ۷۴۵

۲۔ فہرست نسخہ ہای خطی کتابخانہ گنج بخش، اسلام آباد، ۱۹۷۸ء

۳۔ طاہرہ صدیقی: داستانسرائی فارسی در شبہ قارہ، اسلام آباد، ۱۹۹۹ء

۴۔ منزوی: فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۳ء

۱۳ جولائی ۱۹۹۸ء

برائی دانشنامہ شبہ قارہ

میاں غلام حسین شورش عظیم آبادی (تذکرہ نویس)

غلام حسین شورش بارہویں صدی ہجری / اٹھارہویں صدی عیسوی کے ایک شاعر اور تذکرہ نویس کی حیثیت سے معروف ہیں۔

غلام حسین بن میر محسن عظیم آبادی چشتی سلسلہ کے مشہور شیخ طریقت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی (ف ۷۵۷ھ / ۱۳۵۶ء) کی اولاد میں سے تھے، (تذکرۂ مسرت افزا۱۷) ڈاکٹر محمود الٰہی نے تذکرہ شورش کے مختلف بیانات کی روشنی میں میر غلام حسین شورش کا سالِ پیدائش حدود ۱۱۴۰ھ / ۱۷۲۷ء متعین کیا ہے (تذکرۂ شورش، مقدمہ ۴۱)

شورش میر بہینیا کے عرف سے معروف تھے، ان کی پرورش ان کے ماموں میر محمد وحید نے کی اور ان کے فرزند میر محمد رضا جرأت (ف ۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۴ء) نے شورش کے ذوقِ ادبی کو پروان چڑھایا پھر انہوں نے مشورۂ سخن کے لیے شورش کو اس عہد کے نامور شاعر میر باقر حزین (وفات حدود ۱۱۶۷ھ / ۱۷۵۴ء) کے سپرد کر دیا جن سے انہوں نے خوب استفادہ کیا، اتفاق سے جرأت اور حزین ایک ہی سال میں انتقال کر گئے تو شورش کی ادبی زندگی "بے حلاوۃ" ہو گئی اور وہ بہت دل برداشتہ ہوئے۔ (تذکرۂ شورش ۵۴)

میر کاظم علی خان احترام الدولہ (۱۱۷۹۔۱۱۷۷ھ / ۱۷۶۵۔۱۷۶۳ء) کے مختصر دورِ نیابت بنگالہ کے دوران عظیم آباد میں شعر و ادب کی محفلیں منعقد ہونے لگیں ان مشاعروں میں اُردو کے معروف شاعر شیخ رکن الدین عشق عرف مرزا گھسیٹا (Ghasita) ابو العلائی نقشبندی (۱۱۳۷۔ ۱۲۰۳ھ / ۱۷۲۴۔ ۱۷۸۸ء) بھی شریک ہوتے تھے۔ شورشؒ کی انہی مواقع پر ان سے راہ و رسم پیدا ہو گئی پھر اتنے تعلقات بڑھے کہ شورش نے ان کے ملفوظات بھی جمع کیے (تذکرہ شورش ۵۵)

شیخ عشق مذکور کی صحبت میں شورش کا تمام میلانِ طبع تصوف کی طرف ہو گیا، شیخ رکن الدین عشق، شاہ فرہاد (ف ۱۱۴۵ھ / ۱۷۳۲ء) کے نواسے تھے، جو ایک واسطہ سے سلسلہ ابو العلاء کے بانی میر سیّد ابو العلاء اکبر آبادی (ف ۱۰۶۱ھ) کے خلیفہ تھے، گویا شورش ایک نقشبندی صوفی بھی تھے (کیفیت العارفین ۸۴، ۱۷۱۔۱۷۸)

شورش کے استاد و مرشد شیخ رکن الدین عشق کا صوفیانہ عرف مرزا گھسیٹا تھا تو شورش کا عرف بھی اسی نوعیت کا میر بہینیا (Baheenia) تھا (تذکرۂ مسرت افزا ۱۱۷، تذکرہ عشق ۳) اسی طرح شاہ عشق کی صحبت میں شورش نے مشہور صوفی ابو الفیاض غلام رشید (۱۰۹۶۔۱۱۶۷ھ / ۱۶۸۴۔۱۷۵۴ء) کے ملفوظات گنج فیاضی (جامع غلام شرف الدین) کا انتخاب بھی کیا، اور تصوف کے کسی مسئلہ پر ایک مستقل کتاب ارشاد العارفین بھی لکھی۔ (تذکرۂ شورش ۵۶)

اسی طرح شورش نے شاہ نعمت اللہ کرمانی (۸۳۴ھ / ۱۴۳۱ء) کے ایک شعر کی شرح بھی ایک رسالہ کی صورت میں لکھی (ایضاً ۵۶) شاہ رکن الدین عشق ہی کی خدمت میں شورش نے اپنا دیوانِ اُردو مرتب کر کے بغرضِ اصلاح پیش کیا۔ (ایضاً ۵۶، تذکرہ مسرت افزا ۱۱۷، گلزارِ ابراہیم ص ۳۰۳ گلشن سخن ۱۶۰)

شورش کے اُردو دیوان میں چار ہزار اشعار تھے (گلشن سخن ۱۶۰) تمام اصنافِ سخن پر کامل عبور تھا لیکن غزل چشم زدن میں کہتے تھے۔ (تذکرۂ شورش ۲ / ۲) شورش پورینہ (Purina) بھی گئے تھے (تذکرۂ شورش ۲۷۸) غالباً اپنے ماموں محمد وحید کے ہمراہ اختر الدولہ کے قافلہ میں جہاں انہوں نے اپنی دو مثنویاں درد و الم اور مثنوی باغ و بہار لکھیں (تذکرۂ شورش، مقدمہ ڈاکٹر محمود الٰہی ۴۱۔۴۲)

اب شورش کی تالیفات ایک نظر میں یوں ہیں:

۱۔ مثنوی درد و الم

۲۔ مثنوی باغ و بہار

۳۔ مثنوی در تعریف علی باغ (در مدح محمد وحید وزائر حسین خان)

۴۔ ارشاد العارفین

۵۔ احوال بادشاہان ہندوستان (از معز الدین تا جلوسِ شاہ عالم)

۶۔ صحیفۃ النجات

۷۔ منتخب گنج فیاضی

۸۔ شرح بیت شاہ نعمت اللہ کرمانی (تذکرۂ شورش ۵۴۔۵۶۔۴۵)

۹۔ دیوان اشعارِ اُردو

۱۰۔ تذکرۂ شورش

موخر الذکر کتاب یعنی تذکرہ کے سوا باقی تمام کتب اب ناپید ہیں۔ تذکرۂ شورش فارسی نثر میں ہے اور اُردو شعراء کا تذکرہ ہے۔ اس کا مقصدِ تصنیف عظیم آباد (مستقر مؤلف) کے شعراء کو شائقینِ شعر و ادب سے روشناس کروانا تھا، مروجہ تذکروں کی روش کے خلاف شعراء کے احوال و کمالات و کلام کی پیش کش میں غیر متعصبانہ طریقہ اپنانا بھی تھا۔ یہ تذکرہ شورش نے اپنے استاد و مرشد مرزا عشق کی فرمائش پر لکھا اور میر تقی میر کے تذکرہ نکات الشعراء کے جواب میں تالیف کیا، خود مؤلف اور محرک دونوں میر کے مذکورہ تذکرہ سے ناخوش تھے۔ (تذکرہ شورش ۴۸۹) شورش نے یہ تذکرہ جس کا نام رموز الشعراء بھی ہے ۱۱۹۱ھ کو تالیف کیا۔ (تذکرۂ ۸۲)، جہاں تک عام شعراء کے تعارف کے سلسلہ میں نکات الشعراء اور تذکرۂ گردیزی کے نقائص کی تلافی کا تعلق ہے شورش اس میں زیادہ کامیاب نہیں ہوئے۔ انہوں نے میر اور گردیزی کی معلومات پر کوئی اضافہ نہیں کیا بلکہ اکثر بیانات بجنسہٖ انہی الفاظ میں یا معمولی ردوبدل کے ساتھ اپنے ہاں نقل کر لیے ہیں (شعرائے اُردو کے تذکرے ۳۵۳)

اس تذکرے کا ایک خطی نسخہ کتابخانۂ باڈلین لائبریری آکسفورڈ اور دوسرا نسخہ کتابخانہ خانقاہ رشیدیہ جونپور میں ہے، اول الذکر نسخہ کی بنیاد پر اس کا فارسی متن کلیم الدین احمد کی کوشش سے تذکرۂ عشقی کے ساتھ دو تذکرے کے عنوان سے دو جلدوں میں پٹنہ سے شائع ہوا، پھر ڈاکٹر محمود الٰہی نے خانقاہِ رشیدیہ جونپور میں اس کا دوسرا نسخہ دریافت کر کے اسے جداگانہ طور پر لکھنؤ سے شائع کیا۔

شورش کا عظیم آباد میں شعبان ۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۱ء کو انتقال ہوا۔ (تذکرہ مسرت افزا ۱۷، گلزار، ابراہیم ۲/ ۳۰۳)

مآخذ

۱۔ ابوالحسن امیر الدین احمد، امر اللہ الہ آبادی: تذکرۂ مسرت افزا مرتبہ سید شاہ محمد اسمٰعیل، پٹنہ، ۱۹۹۸ء

۲۔ انصار اللہ: جامع التذکرہ، دہلی ۲۰۰۶ء

۳۔ حنیف نقوی: شعرائے اُردو کے تذکرے، لکھنؤ، ۱۹۹۸ء

۴۔ خلیل، علی ابراہیم خان: گلزارِ خلیل مرتبہ کلیم الدین احمد، مشمولہ معاصر پٹنہ، شمارہ ۲۲، ۲۸۔ ۲۹ (۱۹۷۴ء)

۵۔ شورش، غلام حسین: تذکرہ شورش مرتبہ محمود الٰہی، لکھنو، ۱۹۸۴ء

۶۔ ایضاً: تذکرہ شورش مرتبہ کلیم الدین احمد، مشمولہ دو تذکرے، پٹنہ ۱۹۵۹۔ ۱۹۶۳ء

۷۔ عبدالودود، قاضی: شعراء کے تذکرے، پٹنہ، ۱۹۹۵ء

۸۔ عبدالمجید کاتب: سمات الاخیار، کراچی، ۱۴۱۹ھ

۹۔ غلام یحییٰ عظیم آبادی: کنز تواریخ، پٹنہ، ۱۹۸۲ء

۱۰۔ فانی، عطاء حسین: کیفیت العارفین و نسبت العاشقین، گیا، بہار، ۱۳۵۱ھ

۱۱۔ فرمان فتح پوری اُردو شعراء کے تذکرے، لاہور، ۱۹۷۲ء

۱۲۔ قاسم، قدرت اللہ: مجموعۂ نغز مرتبہ حافظ محمود شیرانی، لاہور، ۱۹۳۳ء

۱۳۔ مبتلا، مردان علی: گلشن سخن مرتبہ سید مسعود حسن رضوی ادیب، علی گڑھ، ۱۹۶۵ء

۲۵ نومبر ۲۰۰۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

مولانا احمد بن رکن الدین حسینی (موکف حلیۃ القاری)

احمد حسینی گیارہویں صدی ہجری کے علما میں سے تھے۔

ان کے حالات مطبوعہ اور متعارف تذکروں میں نہیں ملتے۔ انہوں نے اپنا پورا نام احمد بن رکن الدین حسینی کوہ گیلوئی (Kuhgilui) لکھا ہے۔ (حلیۃ القاری برگ ۲ ب)

مزید وضاحت کرتے ہیں کہ جب وہ دکن میں سفر کر رہے تھے کہ ۱۰۸۳ھ / ۷۳-۱۶۷۲ کو حیدر آباد پہنچے۔ تو قرآن مجید کے فن قرأت پر ایک کتاب مرتب کرنے کا خیال آیا۔ (ہمانجا برگ ۳ یو) لیکن وہ اس کی تالیف کا فوری آغاز نہ کر سکے۔ اور ذی الحج ۱۰۹۴ھ / ۱۶۸۳ھ کو اس پر کام شرع کر دیا اور شعبان ۱۰۹۵ھ / ۱۶۸۴ء میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔ (الذریعہ ۷ / ۸۲، فہرست نسخہ ہائی خطی فارسی ذخیرۂ کرزن ص ۲۴۹)

مولف نے یہ کتاب ابوالحسن قطب شاہ (۱۰۸۳-۱۰۹۸ھ / ۷۲-۱۶۸۷ء) کے نام معنون کی ہے، (ہمانجا) مولف امام زادہ علی کی اولاد میں سے تھے (الذریعہ ۷ / ۸۲)

فن تجوید اور اس کے متعلقات پر یہ کتاب فارسی نثر میں ہے اور ایک مقدمہ، ۱۴ ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

کتاب کے خاتمے پر سبع قرات کی فہرست بھی دی ہے اس کے ساتھ ہی قرآن پاک کی سورتوں کا انڈکس بھی دیا گیا ہے۔

قرآن مجید کے صوتی اعتبار سے اعراب بھی بتائے گئے ہیں۔ (فہرست نسخہ ہائی خطی فارسی ذخیرۂ کرزن ۲۵۰)

حلیۃ القاری کے بعض مندرجات کی تفصیل یہ ہے۔

مقدمہ در فضائل تلاوت کلام معجز۔۔۔۔

بابِ اول در بیان حروف ہجا و مخارج آں

بابِ دوم در صفاتِ حروف

بابِ سوم در بیان رعایت کردن در حالت تلفظ نمودن

بابِ چہارم در بیانِ مدات و نقرات

بابِ پنجم در بیان احکام نونِ ساکن و تنوین

بابِ ششم در بیان ادغام و معانی ادغام ـــ

بابِ ہفتم در بیان تفخیم و ترقیق

بابِ ہشتم در بیان ہائی کنایہ ـــ

بابِ نہم در بیان انواعِ تلاوتِ قرآن ـــ

بابِ دہم در بیان استفادہ بسم اللہ و کیفیتِ آں

بابِ یازدہم در بیان وقف و انواع و احکام آں

بابِ دوازدہم در رسم الخط و طریق اصلاح آں

(Concse Descriptive Catalogue of Persien Manuscripts in Curzon collection of Asiatic Society of Bangal, pp.249-50)

حلیۃ القاری کے دو خطی نسخے کتابخانۂ آصفیہ حیدر آباد، دکن میں ایک نسخہ ذخیرۂ کرزن مخزونہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال نمبر ۳۴۳ میں بھی ہے۔

(برگل: ادبیات فارسی بر مبنائی اتالیف استوری ۱/ ۳۳۲/ ۳۳۳) ایک اور نسخہ ذخیرہ طہرانی، کربلا میں بھی ہے (الذریعہ ۷/ ۳۳۳)

مآخذ

۱۔ برگل: ادبیاتِ فارسی بر مبنای تالیف استوری ترجمہ فارسی از یحیٰی آرین پور۔۔۔ تہران ۱۳۶۲ش

۲۔ بزرگ طہرانی، محمد محسن، الذریعہ الی تصانیف الشیعہ ج ۷، تہران

۳۔ تصدق حسین موسوی: فہرست شروح بعضی کتب نفیسہ قلمیہ مخزونہ کتب خانہ آصفیہ، حیدر آباد، دکن ۱۹۴۷ء

4- Ivanow, w: Concise Descriptive Catalogue of Persian Manuscripts in the Curzon collection Asiatic Society of Bengal, Calcutta, 1926

5- Nabi Hadi: Dictionary of Indo-Persion Literature, Dehli, 1995.

6- Sherwani, H. K: History of the Qutb Shahi Dynesty, Dehli, 1974

7- Storey , C. A: Persian Literature, London, 1970

۱۶ جنوری ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ ادبیاتِ فارسی شبہ قارہ، تہران

شیخ احمد بن محمد صدیقی الوری

شیخ احمد صدیقی بارہویں صدی ہجری کے ایک عالم اور فقیہ تھے۔

انہوں نے اپنا پورا نام امین الدین احمد بن سیف الدین محمد صدیقی الوری لکھا ہے۔

(شرح مثنوی در مسائل میراث، فہرستِ مخطوطات فارسی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ص ۵۱۱)

شیخ احمد صدیقی کا تعلق راجپوتانہ (Rajpatana) کے صدر مقام الور (Alwar) سے تھا۔

اٹھارھویں صدی عیسوی کی دو معروف سیاسی شخصیتوں نواب نصیر الدولہ نصرت جنگ (۱۱۸۵ھ / ۱۷۷۱ء) اور سراج الدولہ انور الدین خان منصور جنگ کے ساتھ شیخ احمد صدیقی کے مراسم تھے وہ انہی نوابوں سے متوسل بھی رہے اپنی کتابوں کے آغاز میں انہوں نے ان دونوں شخصیتوں کا احترام کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (جلاء البصائر، سراج العقائد)

شیخ احمد صدیقی کے والد سیف الدین محمد الوری بھی اپنے عہد کے ایک فقیہ تھے۔ حضرت امیر المومنین ابو بکر صدیق کی اولاد میں سے تھے۔

شیخ احمد کی صرف تین تالیفات کا تاحال سراغ ملا ہے جن کا مختصر تعارف حسب ذیل ہے۔

۱۔ جلال البصائر فی معرفۃ الکبائر

یہ کتاب فارسی نثر میں ہے اور گناہِ کبیرہ کے موضوع پر اہم کتبِ فقہ کے حوالوں سے بحث کی گئی ہے۔ مولف نے اپنی یہ کتاب نواب نصرت جنگ مذکور کے نام معنون کی ہے۔ اس کتاب کا ایک خطی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ کے مرکزی کتابخانے میں ہے۔

(Ivanow: cat. A. S.B. p.527, MS No 1093)

۲۔ شرح مثنوی در مسائل میراث

علم میراث کے موضوع پر ایک فارسی مثنوی کی شرح شیخ احمد صدیقی نے فارسی نثر میں لکھی ہے۔ اس کا دریافت شدہ خطی نسخہ چونکہ ناقص ہے اس لیے اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اصل مثنوی کے مصنف کون ہیں؟

شارح نے دورانِ شرح اہم کتبِ فقہ، فتاویٰ اور علم میراث سے متعلق عربی وفارسی کتب کے حوالے بھی دیے ہیں۔

اس کتاب کا ایک ناقص قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے کتب خانے میں ہے۔

(Ivanow: Cat. A.S.B. p.511 MS. No 1053)

۳۔ سراج العقائد

یہ کتاب اہل تشیع کے رد میں ہے۔ اس کتاب کی یہ خوبی ہے کہ مولف نے اس میں اپنی طرف سے بہت کم لکھا ہے بلکہ اس موضوع پر اہم اور مروجہ کتب کے اقتباسات پیش کیے ہیں۔

مولف نے اس کتاب کو سراج الدولہ انور الدین خان منصور جنگ کے نام معنون کیا ہے۔ اس کتاب کا خطی نسخہ بخط مولف مکتوب ۱۱۸۵ھ / ۱۷۷۱ء ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ کے مرکزی کتابخانہ میں محفوظ ہے۔

(Ivanow: Cat. A.S.B p. 546, MS. No 1139, Mughals in India, p.47 No 149)

مآخذ

1- Ivanow: Concise Descriptive Catalogue of Persian Manuscripts in the collection of the Asiatic Society of Bengal, Calcutta, 1924
2- Marshall, D.N: Mughals in India, Bombay, 1967
3- Nabi Hadi: Dictionary of Indo-Persian Literature, Dehli, 1995

۴ مارچ ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ ادبیات فارسی شبہ۔ تہران

شاہ نواز خان صمصام الدولہ اورنگ آبادی (مؤلف مآثر الامراء)

شاہ نواز خان بارہویں صدی ہجری / اٹھارہویں صدی عیسوی کے ایک نامور مؤرخ اور فارسی کے انشاء پرداز تھے۔

شاہ نواز خان کا اصل نام عبدالرزاق بن میر حسن علی بن محمد کاظم خان تھا ان کی ولادت لاہور میں ۲۹ رمضان ۱۱۱۱ھ / ۹ مارچ ۱۷۰۰ء کو ہوئی، ان کے اجداد میں سے میر کمال الدین اکبر بادشاہ کے عہد میں خواف سے ہندوستان وارد ہوئے اور اورنگ آباد (دکن) میں مقیم ہو گئے، نواب شاہ نواز خان آغاز جوانی میں اپنے جدی مستقر اورنگ آباد پہنچے اور نواب آصف جاہ اول (ف ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء) کے ہاں ملازمت کرلی۔

محمد شاہ بادشاہ (۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء۔۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء) کی طلبی پر جب نواب آصف جاہ دہلی گئے تو ان کے فرزند نظام الدولہ ناصر جنگ (ف ۱۱۶۴ھ / ۱۷۷۰ء) کی خدمت میں شاہ نواز حاضر ہوئے اور بہت جلد اعتماد پیدا کر لیا، لیکن ناصر جنگ نے جب اپنے والد کے خلاف بغاوت کی تو شاہ نواز خان بھی معتوب ہوئے اور گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اس عزلت نشینی (۱۱۵۵۔ ۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۳۔ ۱۷۴۷ء) کے دوران انہوں نے ایک نہایت عظیم الشان تاریخی کارنامہ مآثر الامراء کے نام سے انجام دیا۔ اس دوران نواب آصف جاہ نے شاہ نواز خان کو معاف کر کے اس کا مرتبہ و منصب بحال کر دیا۔

نواب آصف جاہ کے بعد نواب نظام الدولہ اور ان کے بعد صلابت جنگ (ف ۱۱۷۷ھ / ۱۷۶۳ء) تخت نشین ہوئے تو شاہ نواز خان اعلیٰ مراتب و مناصب پر فائز رہے، ۱۴ صفر ۱۱۶۷ھ / ۱۱ دسمبر ۱۷۵۳ء کو نواب صلابت جنگ نے شاہ نواز خان کو وکیل مطلق مقرر کیا، انہوں نے حالات کو بڑی حد تک درست کر کے فرانسیسیوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو روکا۔ فوج کی بغاوت سے شاہ نواز کو معطل کر دیا گیا لیکن مشہور شاعر میر غلام آزاد بلگرامی (ف ۱۲۰۰ھ / ۱۷۸۶ء) کی کوششوں سے اس کا منصب بحال ہو گیا۔ لیکن پھر صلابت جنگ کی بدظنی سے

۱۱۷۱ھ / ۱۷۵۸ء کو شاہ نواز خان کو مع فرزندوں کے قید کر لیا گیا۔ ان کا گھر لوٹ لیا گیا، مفسدوں نے شاہ نواز خان کو ان کے ایک فرزند عبدالغنی سمیت ۱۱۷۱ھ / ۱۷۵۸ء کو قتل کر دیا۔ ان کو ان کے آبائی قبرستان اورنگ آباد میں درگاہِ شاہ نور میں دفن کیا گیا۔ (مقدمہ نوشتہ میر غلام علی آزاد بلگرامی بر جلد اول مآثر الامراء ص ۳۲۔۵۷ ملخصاً)

شاہ نواز خان کو نوابانِ دکن کی طرف سے صمصام الدولہ کا خطاب ملا تھا۔ وہ ملکی سیاست کے معاملات میں کامل دستگاہ رکھتے کے ساتھ فارسی زبان وادب اور انشاء پردازی میں بھی اپنا خاص مقام رکھتے تھے، میر آزاد بلگرامی نے لکھا ہے کہ انہیں مصطلحات اور شعر فہمی میں بڑی قدرت حاصل تھی (ایضاً مقدمہ آزاد بر مآثر الامراء ۱ / ۵۱)

شاہ نواز خان کی اب تک ہمیں تین تالیفات کا علم ہے۔

۱۔ بہارستانِ سخن

یہ شعر وادب کے فن پر ہے اور فارسی نثر میں ہے، اس میں فارسی شعراء کے مختصر احوال بھی لکھے ہیں، مؤلف کے فرزند میر عبدالحی نے وضاحت کی ہے کہ ۱۱۶۰ء کو مؤلف اپنی کتاب فوائد الفواد کی ترتیب کے دوران بہارستان سخن بھی مرتب کر رہے تھے، لیکن یہ کام مکمل نہ ہو سکا مؤلف کی وفات کے بعد میں نے ۱۱۹۲ھ کو اسے پایہ تکمیل پر پہنچایا۔ یہ کتاب مدراس سے ۱۹۵۸ء کو طبع ہوئی۔ پھر تہران سے ۱۳۷۷ش کو چھپی جسے عبدالمحمد آیتی و حکیمہ دست نے ایڈٹ کیا۔

۲۔ فوائد الفواد

یہ کتاب دینی مسائل پر مشتمل ہے، اس کے علاوہ اس میں آداب واخلاق بھی مختصر طور پر بیان کیے گئے ہیں۔ (ہفت مقالہ ص ۳۴۰) یہ کتاب بھی فارسی نثر میں ہے۔

۳۔ مآثر الامراء

فارسی نثر میں مؤلف کی مشہور ترین تالیف ہے جس میں شاہ نواز خان نے عہد اکبری سے محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ تک کے امراء کے مفصل حالات لکھے ہیں۔ جسے انہوں نے اپنی گوشہ نشینی ۱۱۵۵۔۱۱۶۰ھ) کے دوران مرتب کرنا شروع کیا پھر جب ملازمت پر بحال ہوئے تو اس کام کی تکمیل کی طرف توجہ نہ کر سکے، اس میں تقریباً ۷۳۰ امراء کے احوال درج ہیں، اس موضوع پر لکھی جانے والی کتب میں یہ سب سے زیادہ مشہور اور وقیع ہے۔

۱۱۷۱/ ۱۷۵۸ء کو جب آپ قتل کر دیئے گئے تو ان کا سارا گھر لوٹ لیا گیا کتابخانہ بھی برباد ہو گیا، مؤلف کے دوست میر غلام علی آزاد بلگرامی نے اس اہم کتاب کا مسودہ تلاش کیا، اس کے اوراق غائب ہو چکے تھے اور گم شدہ اوراق دیگر کتب تاریخ کی مدد سے دوبارہ لکھے ۱۱۸۲ھ / ۱۷۶۸ء کو مؤلف کے فرزند میر عبدالحی نے اس کتاب پر نظر ثانی کی اور بارہ سال کی محنت کے بعد ۱۱۹۴ھ / ۱۷۸۰ء کو اسے مکمل کیا، آزاد بلگرامی نے بھی اس میں پورا تعاون کیا۔

مآثر الامراء کا فارسی متن تین ضخیم جلدوں میں ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ سے ۱۸۸۸ء تا ۱۸۹۱ء طبع ہوا، ہنری بیورج (H.Beveridge) نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا جو اسی ادارہ سے ۱۹۴۱ء تا ۱۹۵۲ء شائع ہوا اس میں مفید حواشی بھی شامل ہیں، اس میں شامل صرف ہندو امراء کا تذکرہ ہندی ترجمہ کر کے بنارس سے چھپا تھا۔

مآثر الامراء کا اُردو ترجمہ مع مفید حواشی محمد ایوب قادری نے کیا جو اُردو سائنس بورڈ لاہور سے دو مرتبہ طبع ہو چکا ہے۔

مآخذ

۱۔ آزاد، میر غلام علی بلگرامی، سرو آزاد، حیدر آباد دکن، ۱۹۱۳ء

۲۔ ایضاً: خزانۂ عامرہ، لکھنؤ نولکشور، ۱۸۷۱ء

۳۔ حسن عباس: احوال و آثار میر غلام علی آزاد بلگرامی، تہران، ۱۳۸۴ش

۴۔ شاہ نواز خان صمصام الدولہ: بہارستانِ سخن، مدراس، ۱۹۵۸ء

۵۔ ایضاً: مآثر الامراء اُردو ترجمہ و حواشی محمد ایوب قادری، لاہور ۱۹۶۸ء

۶۔ محوی، محمد حسین: صمصام الدولہ شاہ نواز خان، مقالہ مشمولہ ہفت مقالہ مرتبہ حسام الدین راشدی، کراچی، ۱۹۶۷ء

۷۔ علی رضا نقوی: تذکرہ نویسی فارسی در ہند و پاکستان، تہران، ۱۳۴۳ش

8- Beveridge, H: Maathir-al-Umara, Calcutta, 1911-1941 (English translation)

9- Storey, C.A: Persian literature, London, 1972.

یکم اکتوبر ۲۰۰۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

خواجہ امین الدین امین عظیم آبادی

امین عظیم آبادی بارہویں صدی ہجری کے ایک معروف صوفی اور فارسی واُردو کے شاعر تھے۔

امین کا تعلق خطۂ کشمیر سے تھا یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کب اور کن اسباب کی بنا پر کشمیر سے نقل مکانی کر کے عظیم چلے گئے۔ ابتداً اُن کا قیام عظیم آباد (Azimabad) میں تھا وہیں نشوونما ہوئی (مسرت افزا ص ۲۱)

خواجہ امین ۱۱۹۴ھ / ۱۷۸۰ء سے قبل بنگال کے نواب سیّد محمد رضا، رضا مظفر جنگ سے منسلک ہو گئے تھے۔ (گلزار ابراہیم ۲۵) اور مرشد آباد (Murshidabad) میں قیام تھا کچھ عرصہ نواب کے مصاحب بھی رہے (خمخانہ جاوید ۱)

نواب محمد رضا مظفر جنگ کو مرشد آباد کی نیابت ۱۱۷۸ھ / ۱۷۶۵ء میں ملی (Transition in Bengal, p. 69) نواب علی ابراہیم خان جن کے ساتھ خواجہ امین کی دوستی قرابتِ قریبہ کے درجے کی تھی نے لکھا ہے کہ امین ۱۱۹۴ھ سے چند سال قبل ہی نواب مظفر جنگ سے منسلک ہو گئے تھے۔ (گلزار ابراہیم ۲۵) اور زندگی نواب کی رفاقت میں گئی (گلشن ہند ۲۸)

نواب مظفر خان کے زمانے میں سیاسی ابتری کا آغاز ۱۱۸۳ھ / ۱۷۶۹ء کو ہوا اور پھر چار سال بعد ۱۷۷۲ء میں نواب کی معزولی ہوئی (Transition in Bengal, p.264)

نواب کے دورِ زوال میں بھی خواجہ امین ۱۱۹۴ھ / ۱۷۸۰ء تک نواب سے منسلک تھے (گلزار ابراہیم ۲۵) خواجہ امین نے اپنا فارسی دیوان ۱۱۸۰ھ / ۱۷۶۶ء میں مدون کیا (قطعہ تاریخ دیوان امین از حافظ محمد یعقوب دیوان امین، ص ۷ مقدمہ) گویا نواب مظفر جنگ کی نیابت مرشد آباد کے دوران مرشد آباد ہی میں یہ دیوان مرتب ہوا۔

تذکرہ نویسوں نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ آخری عمر میں امین نے قناعت اور خانہ نشینی کی زندگی اختیار کرلی تھی (گلشن ہند ۲۹، تاریخ شعراء بہار ۱/ ۸۰)

تذکرہ نویسوں نے خواجہ امین کے سالِ وفات سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے لیکن امین کے ایک ہم وطن خواجہ محمد علی تمنا (ف ۱۲۳۲ھ) نے اپنی بیاض میں خواجہ امین کا سال وفات ۱۱۹۹ھ / ۸۵۔ ۱۸۸۴ء) درج کیا ہے۔ (بیاض تمنا، خطی مملوکہ قاضی عبد الودود، پٹنہ بحوالہ دیوان امین، مقدمہ ج)

خواجہ امین عظیم آبادی نے فارسی اور اُردو دونوں دواوین خود مرتب کیے تھے (مسرت افزا ۲۱۱، گلزار ابراہیم ۲۵، سراپا سخن ۴۸)

غلام حسین شورش عظیم آبادی نے خواجہ امین کے اشعار کی تعداد چار سو بتائی ہے۔ (یادگارِ دوستان بحوالہ مقدمہ دیوان امین ۵)

خواجہ امین عظیم آبادی کا فارسی دیوان عطاء الرحمٰن کاکوی نے مرتب کیا اور اسے ادارہ تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ نے ۱۹۶۲ء میں شائع کیا۔

یہ فارسی دیوان ردیف وار ہے جس میں غزلیات، مخمس، قصیدہا، قطعات، رباعیات شامل ہیں۔ بیاض تمنا عظیم آبادی میں امین کے جس قدر اشعار درج تھے مرتب نے وہ بھی دیوان کے آخر میں بطور ضمیمہ شامل کر دیئے ہیں۔

خواجہ امین کا اُردو دیوان ناپید ہے فارسی دیوان کے مرتب عطا کاکوی نے ایک ضمیمہ میں اُردو شعراء کے تذکروں سے وہ تمام اشعار نقل کر کے یک جا کر دیئے ہیں۔

خواجہ امین کوئی بلند پایہ شاعر نہیں تھے۔ لیکن شعراء کے تذکروں میں ان کے کلام کو خوب سراہا گیا ہے۔ امین زبان دانی میں ممتاز اور ادابندی میں یکتا تھے (مسرت افزا ۲۱۱) وہ شعر فہمی اور سخن رسی میں نادر روزگار تھے بہت کم شعراء ان کی فکر کو پہنچ سکے (گلزار ابراہیم ۲۵) خواجہ امین پرزور فارسی شاعر تھے، معنی یابی، نازک خیالی، فصاحت و بلاغت اور سلاست میں ان کا کلام معجز بیان ہے۔ (یادگار دوستان برگ ۲۳) وہ صاحب طرز فارسی گو شاعر تھے۔ (تذکرہ عشقی ۱/ ۴۸)

ماخذ

۱۔ امر اللہ الہ آبادی: مسرت افزا مرتبہ قاضی عبدالودود مشمولہ معاصر، پٹنہ (شمارہ ٦)

۲۔ امین عظیم آبادی، خواجہ امین الدین: دیوان مرتبہ عطاء الرحمٰن کاکوی

۳۔ خلیل، علی ابراہیم خان: گلزار ابراہیم مرتبہ کلیم الدین۔ احمد مشمولہ معاصر، پٹنہ (حصہ ۲۲، ۲۸۔۲۹)

۴۔ سری رام، لالہ: خمخانۂ جاوید/ ج۔ اول دہلی ۱۹۲۱ء

۵۔ لطف، علی: گلشن ہند، لاہور ۱۹۲۸ء

٦۔ عشقی عظیم آبادی: تذکرہ عشقی (مشمولہ دو تذکرے، پٹنہ ۱۹٦۴ء)

7- Abdul Majed Khan: The Transition in Bengal, A Study of S.M. Reza Khan, Camdridge, 1969.

۱۷ دسمبر ۱۹۹٦ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

میر حسین علی خان، تاریخ نگار (مولف نشانِ حیدری)

میر حسین علی کرمانی تیرہویں صدی / انیسوں صدی کا ایک مؤرخ اور شاعر تھا اس نے میسور کے حکمرانوں پر درجہ اول کی کتب تاریخ یادگار چھوڑی ہیں۔

میر حسین علی بن سید عبدالقادر کرمانی کی نسبت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اجداد کرمان سے ہندوستان آئے تھے اور ویلور (Welor) میں اکر آباد ہو گئے ان میں سے ایک صاحب حیدر آباد دکن کی فوج میں ملازم تھے۔(تذکرۃ البلاد والحکام مولفہ میر حسین علی کرمانی، مقدمہ ۱۲)

میر کرمانی نے ابتدائی کتاب عربی و فارسی مقامی اساتذہ کی خدمت میں رہ کر پڑھیں اور پھر میسور (Mysore) آکر وہاں کے حاکم حیدر علی (ف ۱۷۸۲ء) اور اس کے جانشین ٹیپو سلطان (Tipu Sultan) ۱۷۸۲۔۱۷۹۹ء کے ہاں میر منشی کے عہدہ پر متعین ہوا، وہ اس خدمت پر پندرہ سال یعنی ۱۷۷۲ء تا ۱۷۸۷ء تک کام کرتا رہا، اس کی بعد وہ کہاں کہاں رہا اس کے تفصیلات نہیں ملتیں، ٹیپو سلطان کے منتخب خطوط کے مترجم ولیم کرک پیڑک (W.Kuppaktrick) نے لکھا ہے کہ میر حسین کرمانی کرنل کولن میکنزی (Col. Colin Mackenzie) (۱۸۰۶۔۱۸۸۱ء) کے ہاں ملازم تھا، ٹیپو کے خطوط لندن سے ۱۸۱۱ء کو شائع ہوئے عین ممکن ہے کہ اس نے مترجم کی مدد بھی کی ہو، اسی مجموعہ خطوط میں کرمانی کی کتاب تذکرۃ البلاد کے دو ابواب ۴ اور ۶ کے تراجم شامل ہیں۔(منتخبہ خطوط ٹیپو سلطان ۲/ ۳۶۷ وبہ بعد)

ٹیپو سلطان کی شہادت (۱۷۹۹ء) کے بعد اس کے مقبرہ میں جو کتبہ لگا ہوا ہے وہ اسی میر حسن علی کرمانی کا نوشتہ ہے۔ جو اس کا ثبوت ہے کہ وہ مذکورہ سنہ کے بعد تک سرنگاپٹم (Seringapatam) میں موجود تھا۔

میر حسین علی چتوڑ (Chator) میں بھی مقیم رہا جہاں سید احمد حسین تمنا نے اس سے ۱۲۲۳ھ / ۱۸۰۷ء کو فارسی پڑھی تھی۔(محمد باقر آگاہ مولفہ محمد یوسف کوکن عمری ص ۱۳)

میر حسین علی کرمانی مدراس(Madras) میں بھی مقیم رہا جہاں اس نے جیمس فریزر (Capt. James Frazer) کو اپنی کتاب نشانِ حیدری ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء میں پیش کی تھی۔ گویا کرمانی مذکورہ سنہ تک بقید حیات تھا، اس کا سالِ وفات معلوم نہیں ہے۔

میر حسین علی کرمانی فارسی و اُردو میں شعر بھی کہتا تھا اس کا تخلص حاکم تھا۔ اس نے پچاس اشعار کا ایک مرثیہ ٹیپو سلطان کی شہادت پر اُردو میں لکھا تھا۔ (تذکرۃ البلاد، مقدمہ ص ۱۱)

میر کرمانی کی اب تک حسب ذیل تالیفات کا علم ہو سکا ہے:

۱۔ بدیع المعانی

یہ کتاب کرمانی نے بابا فخر الدین حسینی کے احوال و کرامات پر لکھی ہے جو پنکنڈہ ضلع اننتاپور (Penukonda, Anatapur District) میں مدفون ہیں جہاں وہ حدود ۶۰۹ھ / ۱۲۱۲ء کو تشریف لائے تھے، مؤلف نے اس کتاب کا ذکر خود تذکرۃ البلاد (۵۴، ۵۷۔۵۸) میں کیا ہے، لیکن اس کے کسی خطی نسخہ کا تا حال علم نہیں ہے۔

۲۔ تذکرۃ البلاد والحکام

یہ فارسی نثر میں ہے جس میں علاقہ بالا گھاٹ (Balaghat) کے مختلف حصوں کی تاریخ بیان کی گئی ہے، اس میں چودہ خطوں کے حالات ہیں جن سے دوسری کتب تاریخ خالی ہیں، ابتداء میں یہ کتاب ۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۱ء کو مؤلف نے مکمل کر لی تھی لیکن پھر ۱۲۲۵ھ / ۱۸۱۰ء میں اس میں دو آخری ابواب کا اضافہ کیا۔ اس کتاب کے خطی نسخے سٹیٹ آرکائوز حیدرآباد، دکن میں دو نسخے، ایک خطی نسخہ برٹش میوزیم لندن ہی ہے، ایک نسخہ سالار جنگ میوزیم حیدر آباد دکن میں ہے (تذکرۃ البلاد، مقدمہ ۷۔۹) اس کتاب کا فارسی متن شفیع احمد شریف شفیع نے مرتب کیا اور پھر اس کا انگریزی ترجمہ بھی کیا جس پر میسور یونیورسٹی نے انہیں پی ایچ ڈی کی ڈگری دی، انہوں نے اس کتاب کا اُردو میں بھی ترجمہ کیا جو دہلی سے ۲۰۰۱ء کو طبع ہوا۔ دہلی سے ہی اس کا مذکورہ انگریزی ایڈیشن بھی شائع ہو گیا ہے۔

۳۔نشانِ حیدری

یہ کتاب فارسی نثر میں ہے اور نواب حیدر علی خان اور ان کے فرزند و جانشین ٹیپو سلطان کے عہد کی تاریخ پر مشتمل ہے جو سلطان کی شہادت (۱۷۹۹ء) کے صرف اڑھائی سال بعد ۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۱ء کو لکھی گئی، یہ ان دونوں حکمرانوں کے حالات پر درجہ اول کی معلومات کی حامل کتاب ہے جو بظاہر انگریزوں کے زیر اثر لکھی گئی لیکن اس میں سچے واقعات درج ہیں، نشانِ حیدری کا فارسی متن مطبع فتح الکریم بمبئی سے ۱۸۹۰ء کو طبع ہوا، کرنل مائیلز (Col.W. Miles) نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا جو لندن سے ۱۸۴۲ء۔۱۸۶۴ء کو طبع ہوا۔

(سالِ تالیف کے بعض مباحث کے لیے دیکھیے میسور میں اُردو ۵۲۔۱۶) نزہۃ الاعیان کے نام سے اس کا ایک نامکمل ترجمہ قاضی حسین خلیل نے کیا، پھر لاہور سے بھی اس کا اُردو ترجمہ احمد فاروقی نے کیا جو کئی بار طبع ہوا۔

۴۔بحر فطرت

یہ فارسی زبان سیکھنے والوں کے لیے ایک قاعدہ ہے، اس میں فارسی الفاظ کا ہندی (اُردو) میں بھی ترجمہ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۶ء کو مکمل ہوئی، اس کا ایک خطی نسخہ سلیم تمنائی، بمقام میسور کے پاس ہے۔(تذکرۃ البلاد ص ۱۴)

۵۔تجنیس اللغات

یہ کتاب اُردو زبان میں ایک منظوم لغت ہے۔ جو ۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۶ء کو مکمل ہوئی (ایضاً ۱۵)

میر کرمانی آخری ایام عمر میں پنکندہ چلا گیا تھا جہاں کی مقامی مسجد میں وہ پیش امام کی حیثیت سے خدمات انجام دیتا رہا اور وہیں فوت ہو کر مسجد کے احاطہ میں دفن ہوا (ایضاً ۱۴) میر کرمانی، ٹیپو سلطان کے فرزندوں (شہزادوں) کے ساتھ ویلور میں رہتا تھا گمان ہے اس نے اپنی دونوں کتب تاریخ انہی کے کہنے پر تالیف کی ہوں گی۔

مآخذ

۱۔ آمنہ خاتون: ریاست میسور میں اُردو، میسور، ۱۹۶۰ء

۲۔ حاکم، میر سیّد حسین علی کرمانی: نشانِ حیدری، بمبئی، ۱۸۹۰ء

۳۔ ایضاً: تذکرۃ البلاد والحکام اُردو ترجمہ شفیع احمد شریف شفیع، دہلی، ۲۰۰۱ء

۴۔ عبدالقادر، خواجہ: وقائع منازل روم مرتبہ وترجمہ انگریزی از محب الحسن، دہلی، ۲۰۰۵ء

۵۔ محمود منگلوری: تاریخ سلطنت خداداد، لاہور، ۱۹۶۱ء۔

۶۔ زین العابدین شوستری: فتح المجاہدین، کراچی ۱۹۵۰ء

7- Irfan Habib: (ed.) Sate and Diplomacy under Tipu Sultan, Delhi, 2001.

8- Irfan Habib: (ed.) Resistan and Modernization under Haider Ali and Tupu Sultan, Delhi, 2004.

9- Mohibul Hasan: History of Tipu Sultan, Calcutta, 1971.

10- Storey, C.A: Persian literature, London, 1971

11- Yousaf, Kokan: Arabic and Persian in Carnatic, Madras, 1974

۱۳ مارچ ۲۰۰۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

جواہر رقم تبریزی، میر سیّد علی

میر سیّد علی خان ملقب بہ جواہر رقم گیارھویں صدی ہجری کے مشہور خطاطین میں سے تھا۔

جواہر رقم کے والد میر محمد مقیم بھی ماہر خطاط تھے اور میر عماد حسینی قزوینی (۹۶۱۔۱۰۲۴ھ / ۱۵۵۴۔ ۱۶۱۵ء) کے شاگرد تھے، جواہر رقم نے اپنے والد سے فن سیکھا اور اپنے وطن مولوف تبریز سے ہندوستان چلا آیا، اس وقت یہاں شاہ جہان (۱۰۳۷۔۱۰۶۸ھ، ۱۶۲۸۔۱۶۵۸ء) کی حکومت تھی، اور نگزیب کو فن خطاطی سکھانے پر مامور ہوا، انہیں ایام میں جواہر رقم کا خطاب ملا۔ (مرآۃ العالم ۲ / ۴۹۱) اس کے بعد اُسے منصب ہزاری اور خان کا خطاب بھی ملا (ایضا) اس کے بعد شاہی کتابخانہ کی "داروغگی" پر متعین ہوا، اورنگ زیب کے عہد میں اور نگزیب کے فرزندوں کی تعلیم خوش نویسی کے لیے مقرر کر دیا گیا، وہ ساری عمر اور نگزیب کے ساتھ کشمیر اور دکن کی مہمات کے دوران حاضر رہا، (تذکرہ خوش نویساں ۵۷)

جواہر رقم عمر بھر میر عماد اور آقای عبد الرشید دیلمی کی طرز و فن کا اتباع کرتا رہا، اس کی ان حضرات کے ساتھ برابر مراسلت بھی رہتی۔ (ایضا ۵۷۔ ۵۸) آخری عمر میں دماغی مرض میں مبتلا ہو گیا تھا اور دکن میں ہی اس عارضہ میں ۱۰۹۴ھ / ۱۶۸۳ء کو انتقال کیا (مرآۃ العالم ۲ / ۴۹۱) اس کی نعش دہلی لا کر دفن کی گئی (تذکرہ خوش نویسان ۵۸)

میر سیّد علی خان کے ایک فرزند شمس الدین علی خان کا ذکر ملتا ہے اسے بھی جواہر قم کا خطاب ملا تھا (ایضا ۵۸) وہ ۱۹ رمضان ۱۱۴۴ھ / ۱۷۳۲ء کو فوت ہوا (تاریخ محمدی ۷۹۔ ۸۰)۔

میر سیّد علی خان جواہر رقم کا ایک اور فرزند میر محمد حسن مخاطب بہ سیادت علی خان بھی اپنے وقت کے اعیان میں سے تھا۔ رمضان ۱۱۵۴ھ / ۱۷۴۰ء کو دہلی میں فوت ہوا (تاریخ محمدی ۱۱۸)

میر سیّد علی خان جواہر رقم فارسی میں شعر بھی کہتا تھا اس کے پانچ اشعار کا بختاور خان نے انتخاب کیا ہے (مرآۃ العالم ۲/ ۴۹۱)

میر سیّد علی خان نے خط نستعلیق کو معراج کمال تک پہنچایا اور اس خط کے نامور اساتذہ میں اس کا شمار ہوتا تھا (مرآۃ العالم ۲/ ۴۹۱، تذکرہ خوش نویساں ۵۷)

مرزا سنگلاخ نے جواہر رقم کے مفصل حالات، مناقب اور قطعات نقل کیے ہیں (تذکرۃ الخطاطین ۲/ ۳۴۷-۳۶۲)

مآخذ

۱۔ بختاور خان: مرآۃ العالم مرتبہ ساجدہ علوی، لاہور، ۱۹۷۹ء

۲۔ حارثی، محمد رستم: تاریخ محمدی، تحقیق و تعلیق امتیاز علی خان عرشی، علی گڑھ، ۱۹۶۰ء

۳۔ سنگلاخ، مرزا: تذکرۃ الخطاطین مسمیٰ بہ امتحان الفضلاء، تبریز، ۱۲۹۵ھ

۴۔ شاغل، احترام الدین عثمانی: صحیفہ خوش نویساں، علی گڑھ، ۱۹۶۳ء

۵۔ غلام محمد ہفت قلمی: تذکرہ خوش نویساں، مرتبہ ہدایت حسین، کلکتہ ۱۹۱۰ء

۶۔ محمد اسلم پسروری: فرحت الناظرین حواشی و ترجمہ محمد ایوب قادری، کراچی، ۱۹۷۲ء

۷۔ مہدی بیانی: احوال و آثار خوش نویساں، تہران، ۱۳۴۵-۱۳۵۸ ش

برائے دانشنامہ کشیہ قارہ

۱۲ نومبر ۲۰۰۴ء

میاں پیر محمد اودھی (مصنف مثنوی مہر وماہ)

پیر محمد اودھی بارہویں صدی ہجری کے ایک عالم اور فارسی شاعر تھے۔ پیر محمد کا تعلق لکھنو (Lucknow) کے مردم خیز خطہ اودھ (Awadh) سے تھا۔ وہ ہندی نژاد تھے اور ہندوستان سے کبھی باہر نہیں گئے تھے۔(مہر وماہ، خاتمہ)

پیر محمد کے حالاتِ زندگی، متعارف اور مطبوعہ تذکروں میں نہیں ملتے۔ ان کی تصنیف مہر وماہ کے مطالعہ سے ان کے حسب ذیل کوائف معلوم ہو سکے ہیں:

پیر محمد مختلف اوقات میں سورت (Surat) کے نواب مہابت خان اور پھر نواب بسم اللہ خان اور نواب احمد خان سے بھی منسلک رہے۔(مہر وماہ ۱۲)

میاں نور محمد کلہوڑا (Kalhora) (۱۱۳۱۔۱۱۶۷ھ / ۱۷۱۸۔۱۷۵۳ء) کے عہد حکومت میں پیر محمد ۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء کو وارد سندھ ہوئے اور انہوں نے پیر محمد سے سسی و پنوں کی عشقیہ داستان فارسی میں نظم کرنے کی فرمائش کی۔ جسے وہ عدیم الفرصتی کے باعث اس وقت نظم نہ کر سکے (مہر وماہ ۱۴، تحفۃ الکرام تعلیقاتِ حسام الدین راشدی ۴۸۳)

پیر محمد، فرخ آباد کے نواب احمد خان غالب جنگ (۱۱۶۳۔۱۱۸۵ھ / ۱۷۵۰۔۱۷۷۱ء) سے بھی وابستہ رہے اس انسلاک سے قبل ہی وہ ۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء کو سندھ گئے تھے۔

گجرات کے شمال مغرب میں ایک خود مختار ریاست رادھن پور (Radhanpur) تھی پیر محمد وہاں بھی عرصہ تک رہے۔ اور وہیں کے حاکم بسم اللہ خان سے متوسل تھے۔ ریاست میں ان کا عہدہ کیا تھا معلوم نہیں ہے۔
پیر محمد کا سالِ وفات ہمیں معلوم نہیں ہو سکا وہ اپنی مثنوی مہر وماہ کی تصنیف ۱۱۸۰ھ / ۱۷۶۶ء تک بقید حیات تھے۔

مثنوی مہر و ماہ:

پیر محمد اودھی کی صرف ایک ہی کتاب مثنوی مہر و ماہ ہمیں تاحال معلوم ہے۔ یہ مثنوی فارسی میں ہے اور سندھ کی مشہور عشقیہ داستان سسی و پنوں کی حکایات کو نظم کیا گیا ہے۔ اس کے مؤلف پیر محمد اودھی۔ ۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء کو سندھ آئے تو وہاں کے حاکم نواب نور محمد کلہوڑا نے انہیں یہ داستان نظم کرنے کے لیے کہا (تحفۃ الکرام، تعلیقات ۴۸۳) لیکن انہیں وہاں یہ کام کرنے کی فرصت نہ مل سکی (مہر و ماہ ۱۳) بعد میں جب کہ وہ راد ھن پور میں مقیم تھے تو انہوں نے سندھ، سورت، کیچ اور مکران کے لوگوں سے اس قصے کی تفصیلات معلوم کیں، اور ۱۱۸۰ھ / ۱۷۶۶ء کو وہاں کے حاکم (نواب بسم اللہ خان) کی فرمائش پر اسے نظم کر ڈالا۔ انہوں نے اس کے آغاز میں اس سے قبل اس داستان کو نظم کا جامہ پہنانے والوں کے اسماء بھی لکھے ہیں۔

پیر محمد نے سسی کے حُسن کی تصویر کشی جس انداز سے کی ہے وہ داد کی مستحق ہے۔ (مہر و ماہ ۴۱) سسی کے جہیز کا ذکر بھی بڑے دل نشین انداز سے کرتے ہوئے بتایا کہ سمرقند و بخارا تک سے اس کا سامان لایا گیا تھا۔ شادی کے موقع پر اس کے گھر کو جس طرح سجایا گیا اس کے عجائبات بھی بطریق احسن بیان کیے ہیں۔ (ھمانجا ۴۸)

دلہن کو کس طرح آراستہ کیا جاتا تھا اس کی جزئیات تک بیان کر دی ہیں جس سے بارہویں صدی ہجری / اٹھارھویں صدی عیسوی کے ہندوستان کی معاشرت کا نقشہ آنکھوں میں پھرنے لگتا ہے۔

پیر محمد نے دعوتِ ولیمہ کا بھی تذکرہ کیا ہے جس میں ہمارے ملک کے رسمی کھانوں کا ذکر ہے ہزاروں دیگوں، زردہ، نان اور دیگر لوازماتِ دعوت کو بے تکلف طور پر جس طرح فارسی میں استعمال کیا ہے وہ ان کے کمالِ فن اور نظم پر دسترس کی شہادت دیتا ہے۔ (مہر و ماہ ۶۱)

آخر میں مؤلف نے بتایا کہ میں ہندی نژاد ہوں اور کبھی ہندوستان سے باہر نہیں گیا۔ میری یہ کتاب دراصل "ایرانی بوستان" ہے۔ جو میں نے دوستوں کے لیے ارمغان کے طور پر تیار کی ہے۔

یہ مثنوی کی حیثیت سے بلند پایہ نہیں ہے البتہ اس لحاظ سے کہ اس میں معروف قصے کو ایک نئے انداز سے پیش کیا ہے۔ اس کی ندرت اور اہمیت بڑھ جاتی ہے۔

مثنوی مہر وماہ میں ۳۹۹۵ شعر ہیں یہ مثنوی ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء کو مطبع بحر العلوم لکھنو سے شائع ہوئی۔
جس کا یہ مطبوعہ نسخہ مولانا محمد ہاشم جان مجددی، ٹنڈو سائین داد سندھ (Tando Saindad Sind) کے ذاتی کتب خانے میں دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔

مآخذ

۱۔ پیر محمد اودھی: مثنوی مہر وماہ، لکھنو، مطبع بحر العلوم، ۱۲۹۵ھ

۲۔ عابدی، امیر حسن: مثنوی مہر وماہ، مقالہ مشمولہ مجلہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ ج ۲۔ ش ۱۔ جون ۱۹۶۱ء (ص ۱۷۰۔۱۷۳)

۳۔ قانع، میر علی شیر تتوی: تحفۃ الکرام باہتمام وحواشی حسام الدین راشدی، حیدر آباد، سندھ، ۱۹۷۱ء

۴۔ مہر، غلام رسول؛ تاریخ سندھ (عہد کلہوڑا)، لاہور، ۱۹۵۸ء

۵۔ نور محمد کلہوڑا: منشور الوصیت ودستور الحکومت مرتبہ حسام الدین راشدی، حیدر آباد، سندھ، ۱۹۶۴ء

۲۷ دسمبر ۱۹۹۸ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ احمد اکبر آبادی (مؤلف تذکرۃ السادات)

احمد اکبر آبادی بارہویں صدی ہجری کے ایک ماہر علم انساب اور منصب دار تھے۔

شیخ احمد بن محمود محمدی اکبر آبادی کے حالات زندگی معروف اور مروجہ تذکروں میں نہیں ملتے۔ انہوں نے اپنی کتاب تذکرۃ السادات کے آغاز میں بھی اپنے بارے میں کچھ زیادہ نہیں لکھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے شاہ عالم بہادر شاہ (۱۱۱۸۔ ۱۱۲۴ھ / ۱۷۰۷۔ ۱۷۱۲ء) سے قریبی تعلقات تھے۔ انہوں نے اپنے منصب کی وضاحت بھی نہیں کی ہے۔ البتہ یہ بتایا ہے کہ شاہ عالم نے مجھے سادات کرام کے انساب پر ایک کتاب مرتب کرنے کے لیے کہا جسے انہوں نے ۱۱۲۴ھ / ۱۷۱۲ء میں مکمل کر کے پیش کیا۔

تذکرۃ السادات

شیخ احمد اکبر آبادی نے اس تذکرے میں سادات کے اسماء، کُنی اور القاب کے اعتبار سے ان کی صلبی اولاد کا ذکر کیا ہے۔ اکثر مقامات پر اسماء کے ساتھ ان سادات کے سالہا ولادت و وفات بھی قلم بند کیے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ، حضرت فاطمۃ الزہرا اور ائمہ اثنا عشر کے انساب میں بڑی جستجو کی ہے۔ ان کی اولاد در اولاد کے شجرات فراہم کیے ہیں۔

اس کتاب کا اہم ترین حصہ ان سیّد خانوادوں کا ہے جو عرب اور ایران وغیرہ سے آ کر ہندوستان کے مختلف علاقوں میں آباد ہو گئے تھے کے انساب اور اولاد کا تذکرہ بڑی کاوش سے مرتب کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ مؤلف کے پاس ہندوستان کے سادات کے انساب بکثرت موجود تھے اور ان کے ان خاندانوں کے ساتھ ان کے علمی مراسم تھے۔

ایک اور قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ مؤلف نے اس کتاب میں ہندوستان میں آباد ہونے والے سادات کے انساب کے سلسلہ میں بہت سی ایسی کتب کے حوالے دیئے ہیں جو آج ان خانوادوں کے پاس موجود نہیں بلکہ اکثر دست بردِ زمانہ سے تلف ہو چکی ہیں۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ مؤلف نے اس وقت کے اکابر سادات کے ایسے افراد سے روابط تھے جو کافی مُسن ہو چکے تھے اور اپنی خاندانی روایات کے امین تھے مؤلف نے ان سے روایات نقل کی ہیں اور ان کی ثقاہت پر بحث نہیں کی اور نہ ہی ان کا علمی مرتبہ بتایا ہے۔

اس کے باوجود یہ کتاب نہایت درجہ اہم ہے۔ تذکرۃ السادات بڑے سائز کے ۶۸ اوراق پر مشتمل ہے اور الہ آباد (ہندوستان) سے ۱۸۸۰ء میں طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے۔

مآخذ

۱۔　احمد اکبر آبادی: تذکرۃ السادات، الہ آباد، مطبع سیدی ۱۸۸۰۔

۲۔　عبد الرزاق، عطاء حسین: کنز الانساب، بمبئی، مطبع صفدری

3-　Storey, C.A: Persian literature, London, 1970. .

یکم اپریل ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شاہ محمد اجمل الہ آبادی

اجمل الہ آبادی تیرہویں صدی ہجری کے نامور عالم، صوفی اور شاعر تھے۔

شیخ محمد اجمل بن محمد ناصر بن یحییٰ عباسی الہ آبادی کی ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء کو الہ آباد (Ilahabad) میں ولادت ہوئی۔ (روزِ روشن ۳۰، حدیقۃ الشعراء ۱/ ۸۰، نزہۃ الخواطر ۷/ ۴۲۳) ابتدائی تعلیم اور علم منطق تک مولانا فصیح جونپوری کی خدمت میں پڑھے، سلم العلوم مولانا محمد اسلم بندوی (Bandavi) سے پڑھی اور بعض دیگر کتب شیخ یٰسین سورتی (ف ۱۲۰۲ھ / ۱۷۸۷ء) اور قاضی مستعد خان جونپوری سے علم حدیث مفتی محمد ناصح (مفتی عساکرِ سلطانیہ) سے تحصیل کی۔ آخر میں اپنے چچا فاخر بن یحییٰ عباسی کی خدمت میں رہ کر تکمیل کی۔ (نزہۃ الخواطر / ۴۲۴)

اجمل الہ آبادی نے اپنے چچا کے صاحبزادے شیخ قطب الدین بن فاخر بن یحییٰ سے بیعتِ طریقت کی۔ یہ شیخ ایک بلند پایہ عالم وصوفی تھے۔ فارسی و اُردو کے صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ ان کا تخلص مصیب تھا۔ اپنے والد محمد فاخر الہ آبادی کے سفرِ حج کے بعد جانشین ہوئے پھر خود زیارتِ حرمین الشریفین کے اشتیاق سے روانہ ہوئے اور فریضۂ حج کی ادائیگی سے قبل ہی ۱۱۸۷ھ / ۱۷۷۲ء مکہ مکرمہ میں انتقال کر گئے۔ (نزہۃ الخواطر ۶/ ۲۳۴)

شیخ قطب الدین مصیب کے وصال کے بعد ان کے جانشین بھی اجمل الہ آبادی ہوئے اور تقریباً نصف صدی تک مرجع انام بنے رہے۔ (نزہۃ الخواطر ۷/ ۴۲۴) (نگارستانِ سخن ۵)

اجمل الہ آبادی کا ذی الحج ۱۲۳۶ھ / ۱۸۲۱ء میں وصال ہوا (حدیقۃ الشعراء ۱/ ۸۰ روزِ روشن ۳۰، نزہۃ الخواطر ۷/ ۴۲۴)

اجمل الہ آبادی معروف فارسی شاعر وصوفی افضل الہ آبادی (رک بآن) کی اولاد میں سے تھے۔ اجمل صاحبِ دیوان فارسی شاعر تھے۔ ان کی رُباعیات کا مجموعہ ڈھاکہ یونیورسٹی کے مرکزی کتابخانہ میں ہے۔ (فہرستِ مخطوطاتِ فارسی ۱/ ۱۳۱)

مشہور شاعر فاخر مکین کے ساتھ اجمل الہ آبادی کا ادبی معرکہ بھی یادگار ہے اس کے اشعار نور الحسن نے نقل کیے ہیں (نگارستانِ سخن ۵)

اجمل الہ آبادی کے اشعار تذکرہ نگاروں نے بطور نمونہ نقل کیے ہیں (حدیقۃ الشعراء ۱/ ۸۰، روزِ روشن ۳۰، نگارستانِ سخن ۵) اجمل کے بعد ان کے فرزند ابو المعالی سجادہ نشین ہوئے جن کی اولاد دائرہ شاہ اجمل الہ آباد میں اب تک معروف کار ہے (کیفیت العارفین ۶۶-۶۸)

مآخذ

۱۔ احمد دیوان بیگی شیرازی: حدیقۃ الشعراء، مرتبہ عبد الحسین نوائی، تہران ۱۳۶۵ش

۲۔ صبا، محمد مظفر حسین: روزِ روشن، بھوپال، ۱۲۹۷ھ

۳۔ عبد الحی حسنی، نزہۃ الخواطر، ج ۷-۶ حیدر آباد، دکن، ۱۹۵۷ء

۴۔ عضد الدین محمد چشتی: مقاصد العارفین مرتبہ نثار احمد فاروقی، ٹونک ۱۹۸۴ء

۵۔ فانی، عطا حسین، کیفیت العارفین، گیا ۱۳۵۱ھ

۶۔ قدرت اللہ گوپاموی: نتائج الافکار، بمبئی، ۱۳۳۶ش

۷۔ منزوی، احمد: فہرست مشترک، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء

۸۔ نور الحسن: نگارستانِ سخن (تکملہ صبح گلشن)، بھوپال، ۱۲۸۴ھ

۹۔ Habibullah, A, B.M: Descriptive Cat. of Persian, Urdu, Arabic MSS. In Dacca University library, Dacca, 1968

۱۷ نومبر ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

مولانا غلام محی الدین بگوی

پنجاب کے مشہور عالم اور مبلغ اسلام مولانا غلام محی الدین بن حافظ نور حیات (ف ۱۲۳۴ھ / ۱۸۱۸ء) بن حافظ محمد شفاء (ف حدود ۱۱۸۶ھ / ۱۷۷۲ء) بن حافظ نور محمد (ف حدود ۱۱۶۳ھ / ۱۷۵۰ء) اپنے عہد کے جلیل القدر عالم تھے، بروز پیر محرم ۱۲۱۰ھ / ۱۷۹۵ء کو بگہ (ضلع جہلم) میں پیدا ہوئے (ظہور احمد بگوی، تذکرہ مشائخ بگویہ)، کم سنی میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور (۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۳ء) کو تحصیل علم کے لیے اپنے چھوٹے بھائی مولوی احمد الدین بگوی (ف ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء) کے ہمراہ دہلی گئے جہاں بارہ برس تک مختلف مدرسوں میں علم حاصل کرتے رہے، حدیث کی تکمیل مولانا شاہ اسحٰق دہلوی (ف ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۶ء) سے کی، مولانا انہیں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (ف ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء) کے پاس لے گئے، شاہ صاحب ان کی علمیت سے بہت متاثر ہوئے اور حدیث کی سند دیتے ہوئے کہا کہ ان شاء اللہ آپ سے بڑا فیض حاصل ہوگا۔ (ایضاً ص ۹)

قیام دہلی کے دوران مولانا غلام محی الدین بگوی نے شاہ غلام دہلوی مجددی (ف ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء) سے سلسلہ نقشبندیہ و قادریہ میں بیعت کی۔ (تذکار بگویہ ۷۵)

(۱۲۴۱ھ / ۱۸۲۵ء) کو اپنے گاؤں بگہ واپس آگئے اور دین کی خدمت میں مصروف ہو گئے یہ وہ زمانہ تھا جب پنجاب میں سکھوں کی مسلم دشمنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی اور مسلمانوں کی معاشی، معاشرتی اور مذہبی زندگی بری طرح متاثر ہوئی تھی لیکن ایسے دور میں بھی مولانا جادۂ مستقیم پر قائم اور تبلیغ دین میں مصروف رہے، جس کا اثر یہ ہوا کہ ان کی کوشش سے پنجاب کے مسلمانوں کے لیے امن کی فضا کے آثار نظر آنے لگے اور مہاراجہ رنجیت سنگھ (۱۷۹۹ء۔۱۸۳۹ء) بھی ان کا معتقد ہو گیا۔ (تذکرہ مشائخ بگویہ ص ۹)

مہاراجہ کے وزیر فقیر سید عزیز الدین نوشاہی (ف ۱۲۶۱ھ / ۱۸۴۵ء) بگہ گئے اور مولانا کو لاہور لے آئے، یہاں انہوں نے مسجد بازار حکیماں میں شمع علم روشن کیے رکھی (تاریخی مساجد لاہور ص ۳۵) ہزارہا غیر مسلم

ان کے حسن سلوک اور تبلیغ سے متاثر ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے، انہیں علم حدیث سے خاص شغف تھا، تقریباً دو ہزار طلبہ نے ان سے علم حدیث کی سند حاصل کی، ان میں مولانا نور الدین چکوڑی والے، مولانا شاہ محمد فیروز شاہ پوری، مولانا غلام رسول قلعہ میہان سنگھ اور حافظ ولی اللہ لاہوری خاص طور پر قابل ذکر ہیں، لاہور میں ان کا درس تقریباً تیس سال تک جاری رہا۔ (حدائق الحنفیہ ۴۹۵)

آخر بیمار ہو کر بگہ چلے گئے، جہاں عرصہ تک مریض رہ کر شب دوشنبہ ۳۰ شوال ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۶ء کو انتقال ہوا (تذکرہ مشائخ بگویہ ص ۱۰، حدائق الحنفیہ ۴۹۶)

مولانا غلام محی الدین کے دو فرزند تھے اول مولانا مفتی غلام محمد بگوی (۱۲۵۵ء / ۱۳۱۸ھ ۱۸۳۹ء۔ ۱۹۰۰ء) اور دوم مولانا عبد العزیز بگوی (ف ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء) یہ دونوں بھائی نامور عالم تھے، انہیں کی بدولت بادشاہی مسجد لاہور واگزار ہوئی، سکھوں نے اس مسجد کو چھاؤنی میں تبدیل کر لیا تھا۔ مولانا غلام محمد نے یہاں ایک دار الافتاء بھی قائم کیا تھا، گویا برطانوی دور میں یہ دونوں علماء اسلام کے بہترین مبلغ تھے۔

مآخذ

۱۔ انوار احمد بگوی: تذکارِ بگویہ، جلد اول، بھیرہ، ۲۰۰۴ء

۲۔ فقیر محمد جہلمی: حدائق الحنفیہ، لاہور، ۱۹۸۶ء

۳۔ ظہور احمد بگوی: تذکرہ مشائخ بگویہ، بھیرہ، ۱۹۳۴ء

۴۔ رحمٰن علی: تذکرہ علمائے ہند لکھنو، ۱۹۴۱ء، و اُردو ترجمہ و حواشی محمد ایوب قادری، کراچی، ۱۹۶۱ء

۵۔ فوق، محمد دین: تذکرۃ العلماء والمشائخ لاہور، لاہور ۱۹۲۰ء

۶۔ شرافت نوشاہی: شریف التواریخ جلد سوم، ادارہ معارف نوشاہیہ، مرید کے، ۱۹۸۳ء

۷۔ اقبال احمد فاروقی: تذکرہ علمائے اہل سنت لاہور، لاہور، ۱۹۷۵ء

۸۔ فقیر عزیز الدین: روزنامچہ، جلد دوم، قلمی مخزونہ کتابخانہ عجائب گھر، لاہور

۹۔ شرف، عبد الحکیم: تذکرہ علمائے اہل سنت، لاہور، ۱۹۷۶ء

۲۷ فروری ۲۰۱۱ء

برائے دانشنامہ ادبیات فارسی شبہ قارہ تہران

علّامہ تاج الدین بہجت

محمد تاج الدین متخلص بہ بہجت تیرھویں صدی ہجری کے فارسی واُردو کے شاعر، عالم اور فقیہ تھے۔

محمد تاج الدین بہجت معروف خطاط غیاث الدین خان کے فرزند تھے، ان کا تعلق علاقہ گوپامو (Gopamo) سے تھا لیکن مدراس (Madras) میں آکر مقیم ہو گئے تھے مدراس ہی میں تاج الدین کی ولادت ۱۲۱۴ھ/۱۷۹۹ء کو ہوئی (صبح وطن ۴۴، گلزارِ اعظم ۱۳۰، نزہۃ الخواطر ۷/۱۰۴ کوکن: Arabic and Persian in Caramatic p.422)، تاج الدین بہجت نے اس عہد کے نامور علماء ومدرسین کی خدمت میں رہ کر تحصیل کی ان میں مولانا محمد جعفری بن شاہ محی الدین صاحب قابل ذکر ہیں، بہجت مزید تحصیل کے لیے اس وقت کے معروف علمی مرکز کمپنی مدرسہ میں داخل ہوئے اور وہاں کے اساتذہ میں سے مولوی تراب علی نامیؔ اور مولوی محمد حسن علی ماہلی (Mahali) کی نگرانی میں دو یا تین سال تک پڑھا۔ (کوکن ۴۲۲، نزہۃ الخواطر ۷/۱۰۴، دیار پورب میں علم اور علماء ۷۹) ان کے علاوہ مولوی سید خیر الدین کے بھی شاگرد تھے (حدیقۃ المرام ۳۰)

علامہ تاج الدین فارسی اور اُردو میں شعر بھی کہتے تھے ان کا تخلص بہجتؔ ہے۔ فارسی میں مولوی تراب علی نامی سے مشورۂ سخن جاری رکھا اور اُردو میں سید ابو الحسن حیرت امامی بن سید ابو نعیم امامی کے شاگرد تھے۔ حیرت معروف اُردو شاعر میر حقیقت کے تلمیذ اور مرید تھے۔ جو مشہور شاعر قلندر بخش جرأت کے شاگرد تھے۔ (کوکن ۴۲۲)

ان دنوں کرناٹک (Carnatic) پر نواب غلام غوث خان بہادر (۱۸۴۲۔۱۸۵۵ء) کی حکومت تھی یہ نواب ایک ذی علم اور شاعر تھا، اس نے کرناٹک کے شعراء کے حالات پر دو تذکرے صبح وطن اور گلزارِ اعظم لکھے جو تذکرہ نویسی کے فن میں بلند مرتبہ رکھتے ہیں، تاج الدین بہجت کو نواب غلام غوث سے خصوصی تعلق تھا، اس نے اپنے دونوں تذکروں میں بہجت کا ذکر بڑی محبت سے کیا ہے۔

نواب غلام غوث خان بہادر کے والد نواب عظیم جاہ کے عہد میں بھی بہجت کی شخصیت معزز اور قابلِ توجہ تھی انہیں ۱۲۴۸ء/ ۱۸۳۲ء کو ضلع چنگل پٹ (Chinglepat) کا مفتی مقرر کیا گیا۔ اسی طرح انہیں ایک عرصہ تک دو سو روپے ماہوار تنخواہ پر علاقہ سنکا کول (Sinkakol) میں بھی مفتی کی خدمات سونپی گئیں (کوکن ۴۲۳، نزہۃ الخواطر ۷/ ۱۰۴)

اسی طرح وہ کچھ عرصہ پالم کوٹلہ (Palayamcottal) میں بھی معروف کار بتائے گئے ہیں، کرناٹک پر جب ایسٹ انڈیا کمپنی کا تصرف ہو گیا تو بہجت پھر بھی کمپنی کی طرف سے ضلع ترناولی(Taranowali) میں "صدرِ امین" کے عہدے پر فائز رہے۔ (کوکن ۴۲۳)

شاعر کی حیثیت سے بہجت کا خصوصیت سے تذکرہ کیا گیا ہے۔ انہیں کئی اصنافِ سخن میں مہارت تھی ان میں فنِ تاریخ گوئی پر انہیں ایسا ملکہ حاصل تھا جس کا ان کے معاصرین نے اعتراف کیا ہے۔ ۱۲۴۲ھ کو جب بہجت کے ممدوح نواب غلام غوث خان تخت نشین ہوئے تو بہجت نے ایک قطعہ تاریخ لکھا جو ان کے مہارتِ فن کا شاہ کار تسلیم کیا گیا۔ ان کے دیوان میں کئی ایک قطعاتِ تاریخ بھی موجود ہیں۔ (ھمانجا ۴۲۳)

بہجت کا سالِ وفات تذکرہ نویسوں نے نہیں لکھا موصوف صبح وطن کی تالیف (بسال ۱۲۵۷ھ) اور گلزارِ اعظم (تالیف ۱۲۶۴ھ) کے دوران جواں سال تھے اسی طرح جب نصرت الملک نے ۱۲۷۱ھ کو جواہر الہند مرتب کی تو وہ ترناولی میں صدر امین کے عہدہ پر متمکن تھے (ھمانجا ۴۲۳، ۳۵۴) یقیناً بہجت ۱۲۷۱ھ / ۱۸۵۴ء کے بعد فوت ہوئے۔ بہجت کے شاگردوں میں سے انتظام الدولہ نصرت الملک صلابت جنگ (مؤلف جواہر الہند) اپنے عہد میں سخن پروری اور مؤلف کی حیثیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ (کوکن ۴۲۳، ۵۸۳ و مقامات دیگر) بہجت کی حسب ذیل تالیفات اب تک معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ حاشیہ شرح سُلم:

یہ قاضی مبارک گوپاموی کی عربی شرح سُلم العلوم پر حاشیہ ہے۔ (کوکن ۴۲۴، نزہۃ الخواطر ۷/ ۱۰۴)

۲۔ چمنستان

یہ شیخ سعدی کی گلستان کی فارسی میں شرح ہے۔ اس کا آغاز یکم ربیع الثانی ۱۲۴۷ھ کو کیا اور اسی سال ۸ جمادی الآخر کو مکمل کرلی گئی، شارح کے پیش نظر کلکتہ کا چھپا ہوا گلستان کا وہ نسخہ تھا جس میں اس کی عربی و فارسی شرح کے علاوہ لاطینی زبان میں بھی شرح کی گئی تھی۔ اس کے باوجود بہجت نے ایران سے گلستان بخطِ شیخ سعدی کی نقل بھی حاصل کرلی تھی۔ بہجت نے یہ شرح اپنے استاد شیخ محمد جعفر مذکور کے ایما پر لکھی۔

یہ ضخیم شرح ۱۲۶۹ھ کو مظہر العجائب پریس مدراس سے شائع ہوئی اس کے ۳۲۲ صفحات ہیں۔

۳۔ منہج البحرین

یہ مختصر فارسی رسالہ دو بحروں پر مشتمل ہے:

بحر اول در علم عروض

بحر دوم در علم قافیہ

رسالہ منہج البحرین ۶ محرم ۱۲۴۷ھ کو مکمل ہوا۔ اس کا ایک خطی نسخہ بخط مؤلف مکتوبہ ۸ ربیع الاول ۱۲۴۷ھ کرناٹک میں ہے۔ جس کے ۱۶۸ صفحات ہیں (کوکن ۴۲۲)

۴۔ رسالہ در حرف

علم حرف پر یہ مختصر رسالہ ہے غالباً کمپنی مدرسہ کے طلبہ کے لیے لکھا گیا (کوکن ۴۲۲، نزہۃ الخواطر ۱۰۴/۷)

۵۔ تاج القواعد

یہ کتاب فارسی نثر میں ہے اور فارسی زبان کے قواعد پر مشتمل ہے۔ مطالب کے عنوانات کو "فائدہ" کا نام دیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۲۲ جمادی الاولی ۱۲۹۹ھ کو تالیف ہوئی اور اسی سنہ کا مکتوبہ نسخہ بخطِ مؤلف ذخیرۂ انجمن ترقی اردو کتابخانہ نیشنل میوزیم آف پاکستان کراچی میں محفوظ ہے۔ (فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۸۰۔۸۱) لیکن یہ کتاب پہلے بنگلور سے ۱۲۸۹ھ کو اور پھر ۱۲۹۸ھ میں بمبئی سے شائع ہو چکی ہے۔ (مشار، مؤلفین ۱۳۰/۲، مشار: چاپی ۲۱۳۱/۲) جس سے واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ خطی نسخہ بخطِ مؤلف نہیں ہے بلکہ بعد میں کسی نے کتابت کیا ہے۔

۶۔ دیوانِ بہجتؔ

یہ بہجتؔ کے فارسی و اُردو کلام کا مجموعہ ہے۔ اس میں طویل اور مختصر نظمیں سبھی جمع کر دی گئی ہیں۔ اس میں قصائد اور قطعاتِ تاریخ بھی موجود ہیں۔

ایک قصیدہ کرناٹک کے راس العلماء بہادر (ف ۱۲۴۶ھ) کی مدح میں ہے، جو سلطان النساء بیگم (ف ۱۲۳۹ھ) کے فرزند تھے۔ یہ نواب والہ جاہ کی بڑی بیٹی تھیں۔ (کوکن ۴۲۴)

جب ۱۲۳۷ھ کو بہجتؔ کے استاد ابوالحسن حیرتؔ کا انتقال ہوا تو بہجتؔ نے ان کی وفات پر ایک طویل قطعہ تاریخ لکھا۔ اسی طرح جب ۱۲۴۲ھ کو نواب غلام غوث خان بہادر کرناٹک کے والی بنے تو بہجتؔ نے فارسی میں قطعہ تخت نشینی لکھا۔ یہ قطعہ اپنی فنی خوبیوں کے باعث عرصہ تک معاصرین میں مقبول رہا۔ (ھمانجا ۴۲۲۔۴۲۳)

بہجتؔ کا دیوان ۲۲۶ اوراق پر مشتمل ہے۔ کرناٹک میں اس کے کئی نسخے موجود ہیں۔ نواب غلام غوث خان بہادر نے اپنے تذکروں صبحِ وطن اور گلزارِ اعظم میں بہجتؔ کے بہت سے اشعار نقل کر کے ان کے فنی محاسن بتائے ہیں۔

۷۔ قصائدِ پُر فوائد

بہجتؔ کے قصائد کا ایک مجموعہ الگ بھی شائع ہوا تھا، ۱۷۰ صفحات کا یہ رسالہ لکھنو سے ۱۲۹۱ھ میں طبع ہوا۔ (مشار، مؤلفین ۲/۱۳)

مآخذ

۱۔ اطہر مبارک پوری: دیارِ پورب میں علم اور علماء، دہلی، ۱۹۷۹ء

۲۔ سری رام، لالہ: خمخانہ جاوید، لاہور، ۱۹۰۸ء

۳۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۷، حیدر آباد، دکن، ۱۹۵۹ء

۴۔ غلام غوث خاں بہادر، نواب: صبحِ وطن، مدراس ۱۲۵۸ھ

۵۔ ایضاً: گلزارِ اعظم، مدارس، ۱۲۷۲ھ

۶۔ مشار، خان بابا: مؤلفین کتب چاپی، تہران ۱۳۴۰ش

۷۔ ناظر، عبدالقادر: بہار اعظم جاہی (روداد سفر نواب اعظم جاہ) بہ تصحیح و تحشیہ محمد یوسف کوکن عمری، مدراس، ۱۹۶۱ء
۸۔ نوشاہی، سیّد عارف: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی انجمن ترقی اُردو، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء
۹۔ واصف، محمد مہدی مدراسی: حدیقۃ المرام (تذکرہ علمای مدراس) اُردو ترجمہ سخاوت مرزا، کراچی، ۱۹۸۲ء
10- Kokan, M. Yousuf: Arabic and Persian in Carnatic, Madras1974

۱۱ دسمبر ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

مولانا غلام حسین خان (موٴلف ذکر السیر)

مولانا منشی غلام حسین ایک مورخ وادیب تھے، ان کی کتاب ذکر السیر تیموریانِ ہند کی تاریخ پر ایک اہم کتاب ہے جو تیرھویں صدی ہجری / اٹھارھویں صدی عیسوی کے وسط میں لکھی گئی، اس کے موٴلف غلام حسین خان بنارس سے تعلق رکھتے تھے۔

ذکر السیر کے موٴلف غلام حسین خان بن محمد ہمت خان شاہ جہان آبادی کے اجداد سلاطینِ مغلیہ کے ہاں مختلف عہدوں پر ملازم رہے، خود ان کے والد محمد ہمت خان بادشاہ فرخ سیر (۱۱۲۴۔۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۳۔۱۷۱۹ء) سے لے کر عالمگیر ثانی (۱۱۶۷۔۱۱۷۳ھ / ۱۷۵۴۔۱۷۶۰ء) کے عہد تک ملازمت کرتے رہے محمد ہمت خان کا انتقال ۱۱۶۸ھ / ۱۷۵۴ء کو ہوا (ایتھے: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی دیوان ہند ا / ۱۶۲)

غلام حسین خان بنارس کے زمیندار حاکم راجہ بلوند سنگھ (Rajah Balwand Singh) کی ملازمت میں تھے ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند و جانشین راجہ چیت سنگھ (Rajah Chait Singh) سے وابستہ ہو کر خدمات بجالاتے رہے، جہاں انہیں کامل اعتماد کے ساتھ بہت سی مہمات میں شریک کیا گیا، غلام حسین خان اپنی کتاب زمینداران بنارس کے خاتمہ میں خود لکھتے ہیں جب راجہ چیت سنگھ کی حکومت انگریزوں (East India Company) نے ختم کر دی تو وہ راجہ کی طرف سے بحالی کی درخواست لے کر لارڈ کارنوالس (Lord Cornwallis) کے پاس لکھنو گئے لیکن مایوس ہو کر واپس آئے۔ (عبد المقتدر: فہرست نسخہ ہای خطی عربی وفارسی پبلک لائبریری پٹنہ، جلد ہفتم ص ۱۴۲)

غلام حسین خان کی اب تک صرف دو کتابوں کا علم ہو سکا ہے ایک تاریخ زمینداران بنارس اور دوسری ذکر السیر۔

تاریخ زمینداران بنارس فارسی نثر میں ہے جو بنارس کے زمیندار حاکموں کے حالات پر مشتمل ہے، جس کا آغاز راجہ منسارام (Rajah Mansa Ram) کے احوال سے ہوتا ہے اور راجہ چیت سنگھ کی معزولی ۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۱ء) پر ختم ہو جاتی ہے، اس مخطوطہ پر مؤلف کے پوتے سبحان علی بن حسن علی خان نے ایک دیباچہ لکھا تھا جس کے آغاز میں اس نے بتایا ہے کہ یہ تاریخ تمام تر اس کے دادا کے مشاہدات اور جو کچھ راجہ بلوند سنگھ نے اسے مہیا کیا، پر مبنی ہے، سبحان علی نے اس کتاب کو راجہ ایسری پرشاد ترائن (Rajah Isari Pershad Narayan) کے نام ۱۸۳۵ء میں معنون کی ہے (ایضاً ۱۴۱/۷) اس کتاب کا ایک مخطوطہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں ہے۔ (ایضاً)

ذکر السیر، یہ غلام حسین خان کی دوسری کتاب ہے، یہ فارسی نثر میں ہے اور اس کے نام سے اس کا سال تالیف ۱۲۲۱ھ بر آمد ہوتا ہے، یہ متاخر سلاطین تیموریہ کی تاریخ ہے جو دہلی پر نادر شاہ افشار کے قبضہ ۱۱۵۱ھ / ۱۷۳۹ء سے شروع ہو کر شاہ عالم ثانی کے عہد کے خاتمہ ۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۶ء پر تمام ہوتی ہے۔

مؤلف کے اجداد سلاطین مغلیہ کے ہاں مختلف عہدوں پر فائز رہے تھے، خود ان کے والد فرخ سیر سے لے کر عالمگیر ثانی تک کے واقعات کے راوی ہیں، جس کا اظہار مؤلف نے مخطوطہ کے آغاز میں ہی کر دیا ہے، ان کے علاوہ اس کے دادا کی روایات بھی اس میں پائی جاتی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کے پیش نظر بعض دستاویزات بھی تھیں جن کے اقتباسات اور بعض کی تلخیص اس میں شامل ہے۔

اس کتاب کا ایک خطی نسخہ انڈیا آفس لائبریری، لندن (شمارہ ۴۲۹) میں موجود ہے (فہرست مذکور ۱/۱۶۲) دوسرا نسخہ شمارہ I.O.3971 بھی ہے۔ تیسرا نسخہ نیشنل لائبریری پیرس میں ہے Storey: Persian Literature Vol. I Part.I p.642 چوتھا خطی نسخہ کتابخانہ مرکزی دانشگاہ پنجاب لاہور میں ہے (شمارہ ۱۴۷، (Pe-ii-102/1388

غلام حسین خان کا اسلوبِ تحریر سادہ اور عام فہم ہے، ان کی یہ دونوں کتابیں تاحال طبع نہیں ہوئیں۔

مآخذ

۱۔ احمد منزوی: فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء

۲۔ ایضاً: فہرستوارہ کتابہای فارسی، تہران ۱۳۷۵ش

3- Abdullah S.M: Descriptive Cat. Of Persian, Udru, Arabic MSS. In Punjab University Library, Lahore, Lahore 1942.

4- Abdul Muqtadir: Cat of Arabic and Persian MSS. In Oriental Public Library, Bankipur, Patna, 1977.

5- Ethe, H: Cat, of Persian Mss. In India Office Library London, 1980

6- Marshall, D.N: Mughals in India, Bombay, 1967.

7- Storey , C.A: Persian Literature, London, 1972.

8- Riew, Ch: Cat. Persian MSS. In British Museum, London,1889

۱۹ اکتوبر ۲۰۰۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

مولانا محمد حسین خان شاہ جہانپوری (موئف ریاض الفردوس)

مولوی محمد حسین بن غلام قادر خان شاہ جہانپوری کے احوال مروجہ تذکرون میں نہیں ملتے البتہ کتاب ریاض الفردوس کے خاتمہ میں اپنے خود نوشت حالات لکھے ہیں، جن کا خلاصہ یہاں دیا جارہا ہے:

محمد حسین کے اجداد ہرات کے رہنے والے تھے اور قوم افغان ترین درانی ابدالی حسن زئی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، عہد شاہ جہان (۱۰۳۷ـ۱۰۶۸ھ / ۱۶۲۸ـ۱۶۵۷ء) سے قبل ہرات کے حالات کی کشیدگی کے سبب وہاں سے ترک وطن کر کے برِعظیم پاکستان وہند آکر ہزارہ (صوبہ سرحد پاکستان) آکر آباد ہو گئے، ان کے جد اعلیٰ محمود خان اپنے خاندان کے ساتھ اپنے عم بزرگ دیوانِ قاسم خان کے ہمراہ نواب بہادر خان منصب دار شاہ جہان کی ہمرکابی میں یہاں آئے، یہی نواب ابدال خان مخاطب بہ نواب بہادر چغتا، (ف ۱۰۵۹ھ / ۱۶۴۹ء) شاہ جہانپور کا بانی تھا کی تحریک پر شاہ جہان پور میں محمود خان نے اقامت اختیار کی، مؤلف کے والد غلام قادر خان بن عبد الغفار بن عبد الرؤف بن نصرت خان بن آدم خان بن محمود خان مذکور سب نے خوش حالی کی زندگی بسر کی لیکن گردش ایام سے میرے والد روزگار کی تلاش میں حیدر آباد دکن گئے وہاں فوج کی ملازمت سے آغاز کیا اور نظامت کے عہدہ پر چودہ برس تک رہے پھر ملازمت ترک کر کے اپنے مستقر شاہ جہانپور جا کر نکاح کیا۔ یہاں مال گذاری اور تجارت کا شغل اختیار کر لیا، ان کے ہاں یہیں اولاد ہوئی اور انہوں نے اسی علاقہ میں ۱۳ جمادی الاول ۱۲۶۶ھ بعمر ۶۸ سال انتقال کیا (ریاض الفردوس ۱۶۴ـ۱۶۵)

مؤلف محمد حسین خان کی ولادت شاہ جہانپور میں ہی ۲۷ ذی قعد ۱۲۴۵ھ / ۱۸۳۰ء کو ہوئی، یہیں ابتدائی کتب درسیہ مقامی علماء کی خدمت میں پڑھیں، پھر رام پور جا کر دو سال تک تحصیل کی، وہاں سے تکمیل کی غرض سے دہلی پہنچے اور کامل ایک سال وہاں کے علماء سے تحصیل کے بعد پھر لکھنؤ گئے وہاں بھی ایک سال علماء کی

خدمت میں گذارا، پھر علم حدیث اور مطولات حکمیہ وکلامیہ کی تکمیل کے لیے دوبارہ دہلی گئے اور ایک سال وہاں رہ کر فراغت حاصل کی اور واپس اپنے مستقر پہنچے۔(ایضاً ۱۶۶/ ۳)

اس دوران والد کی جائیداد کی تقسیم کے باعث پھر تلاشِ روزگار میں علاقہ محمدی (من مضافاتِ لکھنؤ) میں گئے اور وہاں انگریزوں کے ہاں سر رشتہ دار کو لیکٹر مقرر ہوئے، وہاں سے آگرہ (Agra) گئے تھے کہ ۱۲۷۳ھ /۱۸۵۷ء کا غدر ہو گیا اس پر آشوب زمانہ میں واپس شاہ جہانپور چلے گئے اور بڑی عسرت میں وقت گذارا، اس عالم میں کتاب حاضر یعنی ریاض الفردوس کی تالیف کا آغاز کیا جو تین سال میں جا کر مکمل ہوئی، اس دوران میرا تمام مال و اسباب بلوائیوں نے لوٹ لیا، وہاں سے ضلع باندہ (Bandah) گئے اور حاکم علاقہ کی پیشی میں ملازمت اختیار کر لی۔ اس دوران ان کی والدہ شدید علیل ہوئیں تو وہ ملازمت ترک کر کے واپس اپنے مستقر چلے گئے جہاں ۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۰ء کو ان کی والدہ نے انتقال کیا۔(ایضاً ۱۷۶)

ان مصائب کے بعد تلاش معاش میں حیدر آباد دکن گئے لیکن وہاں کام نہ بنا تو بھوپال چلے گئے جن انہوں نے معلمی کا پیشہ اختیار کر لیا اور ۱۲۸۱ھ / ۱۸۲۴ء تک وہیں مقیم رہے۔(ایضاً ۱۶۷۔۱۶۸ء)

یہ مؤلف کی ۳۵ سال کی روداد حیات ہے اس کے بعد ان کے احوال کا کچھ علم نہیں ہے یہاں تک کہ ان کا سال وفات بھی ہمیں تا حال معلوم نہیں ہو سکا۔

مؤلف نے اپنے اساتذہ کے نام نہیں لکھے لیکن ان کی تحریرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا مولانا مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی (ف ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء) اور مولانا سلامت اللہ کشفی بدایونی (ف ۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۴ء) سے تعلق خاطر تھا۔ (ریاض الفردوس ۱۳۳، ۱۱۹ و بہ بعد) مؤلف مولانا غلام امام خان ہجر و ملک تخلص (ف ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء) سے بیعتِ ارادت بھی رکھتے تھے (ایضاً ۱/ ۵) قیاس ہے کہ انہی کے حوزۂ ادبی سے بھی منسلک رہے ہوں گے، مولانا ہجر حیدر آباد دکن کے نوابوں سے وابستہ تھے، جب وہ تلاشِ معاش میں حیدر آباد گئے تو ان سے فیض یاب ہوئے ہوں گے، مولانا ہجر کئی اہم کتابوں کے مؤلف تھے جن میں سے تاریخ رشید الدین خانی اور تاریخ خورشید جاہی قابل توجہ ہیں۔

کتاب ریاض الفردوس ایک علمی و ادبی مرقع و دائرۃ المعارف ہے، اس کے کئی خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے تینوں دفتروں میں شعرائے نامدار کے مختصر احوال و نمونۂ کلام درج کیا گیا ہے اس کا

حصہ اول جو عربی زبان میں ہے، اس کی فصل خامس متقدمین و متاخرین عربی شعراء و علماء پر ہے۔ جو تاریخ ابن خلکان، سُبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان (مولفہ آزاد بلگرامی) اور نفحۃ الیمن سے ماخوذ ہے۔ متاخرین میں سے مولانا صدر الدین خان آزردہ دہلوی، مفتی سعد اللہ اور مولانا فضل حق خیر آبادی وغیرہ شامل ہیں۔ حصہ دوم کی پانچویں فصل فارسی شعرائے متقدمین و متاخرین کے مختصر حالات اور نمونۂ کلام پر مشتمل ہے۔ جس کا آغاز ابوالحسن رودکی سے ہوتا ہے، اور متاخرین میں سے مولوی امام بخش صہبائی، میرزا اسد اللہ خان غالب، صدر الدین آزردہؔ، محمد فضل عظیم خیر آبادی، مصطفیٰ خان شفیتہ و حسرتی، نواب ضیاء الدین خان نیر رخشاں، نیاز احمد بریلوی، غلام امام شہید، محمد صادق خان اختر، مولوی سلاست اللہ کشفی، عارف علی شاہ عارف خراسانی، نواب غلام حسین خان حسین شاہ جہانپوری، مولوی احمد حسن عرشی قنوجی، نیاز علی مفتون خیر آبادی اور محمد یعقوب حلیم فیض آبادی اندروی، اس فصل کے ذیل کے طور پر خواتین (زنان) شعراء فارسی کا مختصر سا تذکرہ ہے۔ جو نور جہاں بیگم مخفی (زوجہ جہانگیر بادشاہ) سے شروع ہو کر شریفہ بانو ہمدمی پر ختم ہوتا ہے۔

اس کتاب کا تیسرا حصہ جو اُردو زبان میں ہے کی پانچویں فصل شعرائے اُردو کے یک سطری حالات اور ایک ایک شعر کے انتخاب پر مشتمل ہے۔ یہ تذکرہ حروف تہجی کے اعتبار سے لکھا گیا ہے۔

اس کے علاوہ اس کتاب میں قصائد، مکاتیب، مقطوعات، مسائل علم خط، علم صرف، نحو، معانی، بیان، بدیع، عقائد، فقہ، فرائض، اصولِ فقہ، حدیث، تفسیر، تجوید، تصوّف، منطق، حکمت، حساب، ہیئت، ہندسہ، مناظرہ وغیرہ پر ابتدائی نوعیت کی معلومات جمع کی گئی ہیں۔

مؤلف نے اسے ”کشکول“ کہا ہے اور بتایا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے دوران پُر آشوب حالات میں وہ اپنے مستقر شاہ جہانپور میں رہنے پر مجبور تھے اب وقت گزارنے کے لیے انہوں نے اس کتاب کی تالیف کا آغاز کیا، اور چار پانچ سال کی مدت میں مؤلف اسے ۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء کو مکمل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ (ریاض الفردوس ۱۶۲) تاہم ۱۲۸۱ھ تک وہ اس کی تبییض میں لگے رہے اور مذکورہ سنہ کو آخری و جاری سال بتایا ہے (ایضاً ۱۶۷)

اس کتاب پر اس عہد کے بہت سے اکابر علماء و ادبا و شعراء نے تقریظیں لکھیں جن میں سے مفتی محمد سعد اللہ مراد آبادی، قاضی زین العابدین عرب، نواب صدیق حسن خان، مولانا عباس بن احمد یمنی شروانی، مولانا احمد گل، واحد علی شاہ آبادی، نثار احمد شاہ جہانپوری، تراب علی لکھنوی قابل ذکر ہیں یہ تمام تقاریظ عربی میں ہیں۔

مولانا عبد الہادی نامی گلریزی نے قطعہ تاریخ فارسی میں لکھا، اور نواب غلام حسین خان شاہ جہانپوری، خلیفہ محمد سمیع اللہ شاہ جہانپوری، مولوی احمد حسن عرشی قنوجی، نواب صدیق حسن خان، حکیم اصغر حسین فرخ آبادی وغیرہ نے فارسی میں بہترین تقریظیں لکھیں جو کتاب کے آخر میں شامل ہیں۔

ریاض الفردوس کے تینوں حصے یکجا مطبع نولکشور ۱۲۸۴ھ کو طبع ہوئے۔

مرتضیٰ حسین فاضل بلگرامی نے اس کا حصہ شعرائے اُردو ایک کتابچہ کی صورت میں مرتب کیا تھا جو لاہور سے ۱۹۷۱ء میں طبع ہوا۔

مآخذ

۱۔ عبد الحی حسنی، نزہۃ الخواطر، حیدر آباد، دکن، ۱۹۵۹ء

۲۔ علی رضا نقوی: تذکرہ نویسی فارسی در ہند و پاکستان، تہران، ۱۹۶۴ء

۳۔ گلچینِ معانی، احمد: تاریخ تذکرہ ہای فارسی، تہران، ۱۳۵۰ش

۴۔ مبارک شمیم: سخنورانِ شاہ جہانپور، دہلی، ۱۹۹۵ء

۵۔ محمد حسین شاہ جہانپوری: ریاض الفردوس، لکھنو، مطبع نولکشور، ۱۲۸۴ھ

۶۔ ہجر وملک، غلام امام خان: تاریخ رشید الدین خانی وحاشیہ تاریخ خورشید جاہی، علی گڑھ، ۱۳۲۱ھ

۱۲۸ اکتوبر ۲۰۰۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

منشی ذوالفقار علی خان (موکف تذکرہ ریاض الوفاق)

منشی ذوالفقار علی تذکرہ ریاض الوفاق کے موکف کی حیثیت سے متعارف ہیں جو تیرہویں صدی ہجری / انیسویں صدی عیسوی کے فارسی واُردو شعراء کا ایک تذکرہ ہے اور اپنے معاصرین کے سوانحی مواد کا حامل ہونے کی وجہ سے معروف ہے۔

اس تذکرہ کے مؤلف منشی ذوالفقار علی خان بہادر متخلص بہ مست تھے، ان کے حالات شعراء کے مروجہ تذکروں میں نہیں ملتے، فقط ان کے اپنے بیانات میں ان کے سوانحی اشارات ہیں، خود لکھا ہے کہ مجھے کم سنی میں شاہ قدرت اللہ قدرت سے ملاقات کا موقع ملا تھا (ریاض الوفاق ۴۱) مروجہ عربی علوم کی تحصیل کے لیے مولانا نجم الدین محمد خان ثاقب کی خدمت میں گیا (ایضاً ۱۶) آغاز جوانی میں شیخ الاسلام شاہ شمس الدین ابو الفرج سے ضلع بہار میں ملاقات ہوئی۔ (ایضاً ۵۶) کلکتہ اور بنارس میں معروف شاعر مرزا جان محمد طپش بخاری سے صحبتیں رہیں۔ (ایضاً ۵۶)

مؤلف کا بنارس کا دوسرا سفر ناصر الملک کلاں کی رفاقت میں ہوا (ایضاً ۴۹) اس سفر میں سیّد قطب الہدیٰ شوق بریلوی بھی ہمراہ تھے (ایضاً ۴۹)

بنارس کے نواب مہاراجہ اودت نرائن سنگھ بہادر (Awadit Narain) سے بھی تعلق تھا (ایضاً ۶۲) (ملخصاً از احمد گلچین معانی: تاریخ تذکرہ ہائے فارسی ۱ / ۶۸۰) مؤلف نے اپنے خطاب "خان بہادر" کی توضیح نہیں کی حالانکہ ترقیمہ میں واضح طور پر ان کے نام کے ساتھ منشی اور "خان بہادر" لکھا ہوا ہے۔ (ایضاً ۱۲۳) یقیناً وہ کسی مقامی حکومت کے ناظم اعلیٰ سے متوسل ہوں گے تبھی انہیں "خان بہادر" کا خطاب ملا، دور وسطی میں فارسی زبان و ادب کے ماہر کو منشی کہا جاتا تھا لیکن دور آخر میں یہ باقاعدہ "عہدہ" بن گیا ممکن ہے مست کسی نواب کے ہاں منشی رہے ہوں، مؤلف نے اپنی مصروفیت کو "بار گراں وخدمت گذاریِ خلائق" سے تعبیر کیا ہے۔ (ایضاً ۱۲۰)

اس کے باوجود مولف اس تذکرہ کے علاوہ کئی کتابوں کے مؤلف تھے جن کے نام انہوں نے خود لکھے ہیں:

۱۔ دبستان حقوق
۲۔ انتخاب نسخہ طیبہ یعنی ابواب الجنان
۳۔ باغ و بہار (مکاتبت منظوم)
۴۔ بیاضِ نوطرز
۵۔ تحفۃ المبتدی
۶۔ نگارستانِ ضمائر
۷۔ بہارستانِ ضمائر
۸۔ لطفِ سخن
۹۔ نیرنگِ ظہور (ایضاً ۱۰۲)

"ان میں سے کوئی کتاب بھی اس وقت تک دستیاب نہیں ہے۔ ذوالفقار علی مست کی صرف ایک ہی کتاب یعنی ریاض الوفاق ملتی ہے۔ یہ فارسی اور اردو شعراء کا تذکرہ ہے، ان میں سے اکثر شعراء مؤلف کے قریبی دوست تھے، مؤلف کا ارادہ تھا کہ ہندی یعنی اُردو اور فارسی شعراء کے الگ الگ باب بنائے جائیں گے لیکن بعد کو صرف ردیف کا التزام ہی رکھا گیا اور ان دونوں زبانوں کے شعراء کے حالات و نمونہ کلام حروفِ تہجی کے اعتبار سے تحریر کر دیئے گئے۔

مؤلف نے یہ تذکرہ ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۳ء کو مکمل کیا تذکرہ کے نام "ریاض الوفاق" سے اس کا سالِ تالیف برآمد ہوتا ہے (ایضاً ۱۲۳)

یہ تذکرہ بنارس (Benaras) اور کلکتہ (Calcutta) کے شعراء کے احوال و انتخاب کلام پر مشتمل ہے، چونکہ یہ مؤلفِ کے معاصرین کا تذکرہ ہے اس لیے اس کی اہمیت واضح ہے، ان میں سے اکثر شعراء کے حالات سے دیگر تذکرے خالی ہیں۔

اس تذکرہ کا فارسی متن ڈاکٹر عبدالرسول خیام پور نے مرتب کر کے تبریز سے ۱۳۴۳ش کو طبع کر دیا، لیکن انہوں نے اُردو سے ناواقفیت کی وجہ سے اس میں سے شعرائے اُردو کے حالات و کلام والے حصے حذف کر دیئے، اس کے علاوہ بعض فارسی شعراء کے اشعار بھی کم کر دیئے، تذکرہ کے شروع میں مؤلف نے ایک طویل مقدمہ لکھا تھا جس کی عبارت بہت "مصنوع" تھی فاضل مرتب نے اس کی تلخیص کر دی ہے۔ مؤلف نے شعراء کی تعریف میں جو مسجع عبارتیں لکھی تھیں ان میں بھی کمی کر دی ہے۔

پٹنہ کے ڈاکٹر سید حسن نے ڈاکٹر خیام پور کے حذف شدہ تراجم کو اسی نسخہ جرمن کی مدد سے مرتب کیا اور عطا کاکوی نے اس حصے کا اُردو میں ترجمہ بھی کیا تھا۔

۱۹۶۷ء کو مع متن فارسی شائع ہوا جس میں اُردو کے ۳۱ شعراء کے احوال ہیں۔

اس تذکرہ میں شعراء کے تراجم ان کے تخلص کے تحت حروف تہجی کے اعتبار سے لکھے گئے ہیں۔ اس کا آغاز میر مظفر علی آہ پھلواروی سے ہوتا ہے اور آخرین احوال خواجہ یعقوب علی یعقوب کے ہیں۔

اس تذکرہ کی نثر مصنوع اور متکلفانہ ہے، مؤلف شعراء کو بہت قریب سے جاننے کے باوجود ان کے بارے میں سوانحی مواد فراہم نہیں کر سکے یہاں تک کہ ایک دو کے سوا باقی کسی کا سالِ ولادت یا وفات درج نہیں کیا، اس طرح ان حضرات کے حالات پردۂ خفا میں رہ گئے، ان میں سے صرف ۱۱۹ صحاب کے احوال کچھ تفصیل سے لکھے ہیں، سات شعراء تو ایسے ہیں جو اصلاً ایرانی تھے لیکن وہ ہندوستان میں رہتے تھے ان میں سے اسماعیل قزوینی، محمد جواد حاجب شیرازی، میرزا خلیل اللہ خان سفیر شیرازی، عبدالرحیم شیرازی اور صادق ایرانی قابلِ ذکر ہیں۔ (تاریخ تذکرہ ہائ فارسی ۱/ ۶۷۹)

اس تذکرہ سے ۱۲۔ ۱۳ صدی کے ہندوستان کا فارسی ادب ترقی پذیر معلوم نہیں ہوتا بلکہ انحطاط کا شکار معلوم ہوتا ہے۔

اس تذکرہ کا واحد خطی نسخہ جرمن کے ٹوبنگن کتابخانہ میں (بہ شمارہ ۶۶۵) موجود ہے، اس نسخے کا تعارف سپرنگر (Sprenger) نے اپنی فہرست میں کروایا ہے اور تذکرہ میں شامل شعراء کی فہرست بھی دی ہے (Storey, Vol.I, PartII, p.885)

مآخذ

۱۔ علی رضا نقوی: تذکرہ نویسی فارسی در ہند و پاکستان، تہران ۱۹۶۴ء

۲۔ گلچین معانی، احمد: تاریخ تذکرہ ہائی فارسی، تہران، ۱۳۵۰ش

۳۔ مست، ذوالفقار علی: ملخص ریاض الوفاق مرتبہ عبدالرسول خیامپور، تبریز، ۱۳۴۳ش

۴۔ ایضاً: ریاض الوفاق (بخش شعرائے اُردو) مرتبہ سیّد حسن و اُردو ترجمہ عطا کاکوی، پٹنہ، بہار، ۱۹۶۷ء

5- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970.

۱۲۹ کتوبر ۲۰۰۷ء

برائی دانشنامہ شبہ قارہ

حکیم غلام مرتضیٰ بن حکیم محمد صادق

حکیم غلام مرتضیٰ خان (ف ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء) بن حکیم محمد صادق (ف ۱۲۶۴ھ / ۱۸۴۸ء) بن اشرف الحکماء حکیم محمد شریف خان (۱۱۳۸۔ ۱۲۳۱ھ / ۱۷۲۵۔ ۱۸۱۵ء، بانی خاندان شریفی) اس خانوادہ کے اسلاف کا تعلق کاشغر سے تھا اور معروف نقشبندی شیخ طریقت خواجہ عبید اللہ احرار (ف ۸۹۵ھ / ۱۴۹۰ء) کی اولاد میں سے تھے۔

حکیم محمد شریف خان نے روایتی طب یونانی میں ہندوستانی آیورویدک کو ملا کر اس میں ایسی روح پھونکی کہ اس کے کامیاب معالج بن گئے۔

ان کے فرزند سوم حکیم محمد صادق نے فارسی میں کئی کتابیں فن طب میں تصنیف کیں۔ ان کے فرزندِ اصغر حکیم غلام مرتضیٰ خان نے طب اپنے والد سے پڑھی اور اس میں مہارت تامہ حاصل کی ان کی شہرت ہندوستان کی ریاستوں تک پہنچی تو پٹیالہ کے مہاراجہ نرندر سنگھ (Narindar Singh) (۱۸۴۶۔ ۱۸۶۲ء) نے انہیں اپنے ہاں بلا کر بڑے اعزاز سے ریاستی طبیب کا درجہ دیا۔ ان کے بڑے بھائی حکیم محمود خان پہلے ہی ریاست میں شاہی طبیب تھے، ان دونوں بھائیوں کی مساعی سے پٹیالہ میں علم طب کے فروغ کے لیے ایک مدرسہ بھوپ اندرا طبیہ کالج (Bhup Indra Tibbia College) قائم ہوا۔ (خاندانِ شریفی، شخصیات و معمولات طب ۱۵۔ ۲۵) ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ہولناک فضا میں حکیم غلام مرتضیٰ خان پٹیالہ میں تھے۔ انہوں نے ان حالات میں دہلی میں جہاں ان کا آبائی مسکن شریف منزل تھا جانا چاہا تو ریاست کے مہاراجہ نے جو اس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کی حمایت میں سرگرم تھا، انگریز افسروں سے کہا کہ وہ دہلی میں شریف منزل کی حفاظت کریں چنانچہ خود ریاست کی فوج نے اس مقام کی حفاظت کی اور بے شمار افراد دہلی میں اس حویلی میں پناہ لے کر محفوظ رہے، حکیم غلام مرتضیٰ کے بڑے بھائی حکیم محمود خان (ف ۱۸۹۲ء) ریاست جیند (Jind) میں تھے اور انگریزوں کے دہلی پر قبضہ کے وقت ریاست

پٹیالہ کی معاون فوج میں تھے اور انہوں نے دہلی کی تباہی کے لرزہ خیز مناظر دیکھے تھے، وہ جنگ کے اختتام پر گرفتار بھی ہوئے تھے لیکن اپریل ۱۸۵۸ء کو رہا کر دیئے گئے تھے۔ (تاریخ صحافتِ اُردو ا / ۱۶۰)

حکیم غلام مرتضیٰ خان کے معروف شاعر میرزا غالب کے ساتھ اچھے مراسم تھے، غالب نے ۱۲ مارچ ۱۸۶۵ء کو ایک سفارشی خط بھی لکھا جس میں انہیں "خان صاحب جمیل المناقب" لکھ کر مخاطب کیا تھا (غالب کے خطوط ۷۵۶/۲)

حکیم غلام مرتضیٰ نے اپنے بزرگوں کی طبی کتابوں پر نظر ثانی کی زادِ غریب ان کے والد حکیم محمد صادق خان میں کئی ابواب کا اضافہ کیا۔ یہ کتاب فارسی نثر میں ہے جو ایک مقدمہ، دو رفیق (ابواب) پر مشتمل ہے رفیق اوّل در تدبیر مسافران بری، رفیق دوم در تدبیر مسافران بحری، ہر رفیق میں کئی فصلیں ہیں جنہیں طریق کا عنوان دیا گیا ہے یہ کتاب مطبع نولکشور لکھنو سے کئی بار طبع ہو چکی ہے۔

حکیم محمد صادق کی دوسری طبی کتاب مخازن التعلیم ہے جو فارسی نثر میں ہے۔ جو انہوں نے ۱۲۲۴ھ / ۱۸۰۹ء میں تالیف کی تھی۔ وہ اس میں دیسی ادویہ مفردہ و مرکبہ کا اضافہ کرنا چاہتے تھے لیکن موت نے انہیں موقع نہ دیا۔ اور وفات کے وقت انہوں نے اپنے فرزند حکیم غلام مرتضیٰ سے اس کی تکمیل کے لیے کہا جسے انہوں نے ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء کو پورا کر دیا۔ اور اس پر ایک جداگانہ دیباچہ لکھا جس میں اس امر کا اظہار بھی کیا۔ (فہرست مشترک ا / ۷۳۱)

اس خاندان کے فردِ فرید حکیم واصل خان (ف ۱۱۴۵ھ / ۱۷۳۲ء) نے اپنے طبی تجربات اور مشاہدات علاج الامراض کے نام سے جمع کرنے شروع کر دیئے تھے بعد میں آنے والوں نے اس میں اپنے اپنے تجربات کا اضافہ کیا، اس میں حکیم غلام مرتضیٰ خان بھی شامل ہیں انہوں نے اس کتاب کی تلخیص بھی تیار کی جو خلاصہ علاج الامراض کے نام سے مشہور ہے۔ انہوں نے اپنی خاندانی کتاب عجالۂ نافعہ تالیف حکیم محمد شریف خان بھی از سرنو مرتب کی (خاندان شریفی ۲۶) علاج الامراض کا ایک ایسا خطی نسخہ بخط حکیم غلام مرتضیٰ خان، حکیم محمد نبی خان جمال سویدا، گلبرگ لاہور کے پاس موجود ہے۔ جس میں حکیم غلام مرتضیٰ نے ایک جداگانہ دیباچہ کا اضافہ کیا ہے (فہرست مشترک ا / ۶۵۰)

حکیم غلام مرتضیٰ کے دو فرزند تھے بڑے حکیم غلام رضا خان بھی اپنے والد کے ہمراہ ریاست پٹیالہ میں رہتے تھے۔ وہ خالص ادبی شخصیت کے مالک تھے میرزا غالب سے مراسلت بھی تھی (میرزا غالب کے خطوط ۴/ ۱۴) ۱۸۶۵ء کو دہلی سوسائٹی کے نام سے ایک انجمن قائم ہوئی جس کے ارکان اس وقت کے اکابر ادبا تھے ان میں حکیم غلام رضا بھی شامل تھے (واقعات، دارالحکومت دہلی ۲/ ۴۰۷) ان حضرات نے اکمل الاخبار اپنی حویلی بلیماران دہلی سے یکم جنوری ۱۸۸۶ء جاری کیا اور ایک مطبع اکمل المطابع بھی قائم کیا جو حکیم شریف خان کے والد حکیم اکمل خان کے نام پر رکھا گیا تھا (دلی اور طب یونانی ۲۱۴، خاندان شریفی ۲۷) حکیم غلام مرتضیٰ کے دوسرے بیٹے خان بہادر حکیم احمد سعید خان (ف ۱۹۳۰ء) کا دہلی میں محلہ بلیماران میں کامیاب مطب تھا۔ حکومت برطانیہ نے ان کو "خان بہادر" کے خطاب سے نوازا تھا۔ وہ معروف طبیب مسیح الملک حکیم اجمل خان (ف ۱۹۲۷ء) کے بہنوئی تھے، ان کے فرزند حکیم غلام کبریا (عرف بھورے میاں ف ۱۹۳۵ء) طبیب ہونے کے ساتھ اُردو کے شاعر بھی تھے۔ (سخن شعراء ۴۴۶، واقعات دارالحکومت ۲/ ۲۴ وبہ بعد خاندان شریفی ۲۹)

خاندانِ شریفی کے ان متاخر حکماء نے یونانی طب کو جدید خطوط پر استوار کیا اور سر سیّد احمد خان (ف ۱۸۹۸ء) کی جدیدیت کی تحریک سے متاثر ہو کر جدید علم طب کے لیے کئی مدرسے اور طبی کالج قائم کیے۔

مآخذ

۱۔ احمد فزوی: فہرست مشترک نسخہ خطی فارسی پاکستان، ج ا، اسلام آباد ۱۹۸۳ء

۲۔ امداد صابری: تاریخ صحافتِ اُردو، دہلی ج ا، ۱۹۵۳ء، ج ۲، ۱۳۷۳ھ

۳۔ احسان اللہ خان: تذکرۃ الخواجگان (احوال اکابر خاندانِ شریفی) گوالیار ۱۹۴۱ء

۴۔ بشیر الدین احمد: واقعات دارالحکومت دہلی، دہلی، ۱۹۱۹ء

۵۔ حبیب الرحمٰن، حکیم، سید: ہندوستان کے مشہور اطباء، دہلی، ۱۹۹۸ء

۶۔ خلیق انجم (مرتب) غالب کے خطوط، ج ۲، ج ۴، کراچی ۱۹۹۸ء، ۱۹۹۵ء

۷۔ ظل الرحمٰن، حکیم: دلی اور طب یونانی، لاہور، ۱۹۹۷ء

۔ فہرست میکروفلیم نسخہ ہای خطی فارسی و عربی ذخیرہ حکیم سید ظل الرحمٰن، دہلی، ۱۳۸۰ش

۔ طبِ اسلامی بر صغیر میں (نادر طبی مخطوطات پر منعقدہ سیمینار کے مقالات) پٹنہ، ۱۹۸۸ء

۸۔ محمد کمال الدین حسین ہمدانی: خاندانِ شریفی، شخصیات و معمولات طب، پٹنہ، ۲۰۰۱ء

۹۔ محمد حسن خان، خلیفہ: تاریخ پٹیالہ، امرتسر، ۱۸۷۸ء

۱۰۔ محمود نجم آبادی: فہرست کتابہائ چاپی فارسی طبی، تہران، (دانشگاہ۔ ۱۳۴۲ش)

۱۱۔ نساح، عبدالغفور خان: سخن شعراء، لکھنؤ مطبع نولکشور، ۱۲۹۱ھ

12- Fauja Singh (ed): Patiaala and its Historical Surroundings, Patiala, Panjabi University, 1968.

۲۵ مارچ ۲۰۱۱ء

برائ دانشنامہ شبہ قارہ تہران

مولانا حافظ محمدؐ جمال گھوٹوی

حافظ محمد جمال الدین گھوٹوی تیرھویں صدی ہجری کے مشہور علماءِ ومدرسین میں سے تھے۔

حافظ محمد جمال الدین کے والد محمد صالح بن محمد شریف بھی ایک ذی علم بزرگ تھے وہ مظفر گڑھ سے ملتان آگئے، جہاں ان کے فرزند محمد جمال الدین تولد ہوئے انہوں نے مضافاتِ ملتان کے ایک قصبہ گھوٹہ میں طرح اقامت ڈالی۔

حافظ محمد جمال نے عمر بھر درس و تدریس کی خدمت انجام دی اور ملتان میں ہی ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء کو انتقال ہوا۔ (فہرست مشترک ۱۳ / ۲۵۷۳)

تالیفات

۱۔ شرح عوامل منظوم

یہ کتاب ابن حسام، کمال الدین بن جمال الدین بن حسام کی علم نحو میں ایک مختصر سا منظومہ ہے، جو انہوں نے خسرو غازی معزالدین حسین فرمانروائے ہرات (۷۳۲۔۷۷۲ھ / ۱۳۳۱۔۱۳۷۰ء) کے نام معنون کی اس کی بہت سی شروح لکھی گئیں جن میں سے ایک فارسی شرح حافظ محمد جمال الدین گھوٹوی کی ہے، جس کا ایک خطی نسخہ مدرسہ جامعۃ العلوم عید گاہ شمالی بھکر میں ہے، جو شارح کے حین حیات ۱۳۰۲ھ کا مکتوبہ ہے۔ (فہرست مشترک ۱۳ / ۲۵۷۳)

۲۔ صرف زبان عربی

یہ رسالہ قوانین گھوٹوی کے نام سے بھی معروف ہے، اس کے دو خطی نسخے پائے جاتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولف نے اس موضوع پر مختلف اوقات میں دو شرحیں لکھیں کیوں کہ دونوں کا آغاز بھی مختلف ہے۔

اس کا ایک نسخہ مدرسۃ العلوم الشریعۃ جامعہ غوثیہ، بھل، بھکر میں ہے، جس کا نام قوانین گھوٹوی ہے اور دوسرا نسخہ مدرسہ جامعۃ العلوم عید گاہ شمالی، بھکر میں ہے۔(فہرست مشترک ۲۶۴۰/۱۳)

۳۔ قوانین صرف

اسی موضوع پر شیخ جمال الدین کے رسالہ قوانین صرف کو مولوی عبدالحق نے اپنے رسالہ قوانین صرف کے حواشی پر نقل کیا ہے جو مطبع گلزار محمدی (لاہور) سے ۱۳۳۴ھ کو طبع ہوا ہے، شیخ محشی کا نام "افضل المحققین۔۔۔حافظ محمد جمال الحق والدین لکھا ہوا ہے۔

مآخذ

۱۔ احمد منزوی: فہرست مشترک نسخہ ہائی خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء

۲۔ اختر راہی: تذکرہ مصنفین درس نظامی، لاہور، ۱۹۷۸ء

۳۔ کحالہ، عمر رضا: معجم المولفین، بیروت، ۱۹۶۱ء

۴۔ حاجی خلیفہ: کشف الظنون مرتبہ محمد شرف الدین یالتقایا، (طبع عکسی) بیروت (س ن)

۵۔ محمد گھلوی، مولوی: خیر الاذکار فی مناقب الابرار مرتبہ عبدالعزیز ساحر واہ کینٹ، ۲۰۱۰ء

۱۷ نومبر ۲۰۰۴ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

قاضی فقیر محمد (موکف جامع التواریخ)

قاضی فقیر محمد (۱۱۸۹۔ ۱۲۵۹ھ / ۱۷۷۵۔ ۱۸۴۴ء) مورخ اور فارسی کے ادیب تھے، ان کا نسب مشہور سپہ سالار حضرت خالد بن ولیدؓ پر منتہی ہوتا ہے، اس خاندان کے بزرگوں میں سے شاہ عین الدین محمد (ف ۱۰۴۱ھ / ۱۶۳۱ء) پہلے فرد ہیں جو بغداد سے ۱۰۳۳ھ / ۱۶۲۳ء کو دہلی آئے۔

ان کے فرزند عبدالرسول کو شاہ جہان (حکو ۱۰۳۷۔ ۱۰۶۸ھ / ۱۶۲۸۔ ۱۶۵۸ء) نے فتح آباد چکلہ بھوسنہ ضلع فرید پور، بنگال (Fatihabad, Chaklah of Bhusnah, Faridpur, Bengal) کا قاضی مقرر کیا اور وہ وہیں آباد ہو گئے، ان کے بعد ان کے بیٹے قاضی عبدالوہاب نے مسندِ قضا سنبھالی تو اورنگ زیب عالمگیر (حکو ۱۰۶۸۔ ۱۱۱۸ھ / ۱۶۵۸۔ ۱۷۰۷ء) نے انہیں موضع راجہ بنی (Mauzah Rajabenee)، بنگال میں جاگیر دی، انہوں نے ایک اور علاقے راجہ پور (Rajapur) میں بھی زمین حاصل کر لی اور وہیں آباد ہو گئے، ان کے بعد نسلاً در نسل قاضی محمد اشرف، قاضی عبدالشکور، قاضی محمد شفیع اور قاضی محمد رضا (ف ۱۱۸۶ھ / ۱۷۷۲ء) نے یہ خدمات انجام دیں، یہی موخر الذکر فقیر محمد کے والد تھے۔ جنہوں نے اپنا آبائی شغل درس و تدریس و قضا چھوڑ کر ہندوستان کی برطانوی حکومت کی ملازمت اختیار کر لی اور انہوں نے بڑی کامیابی کے ساتھ ۲۸ سال تک صدر دیوانی اور نظامت عدالت کلکتہ میں خدمات انجام دیں۔

قاضی فقیر محمد کی تین بیویوں سے چار فرزند اور ایک بیٹی تھی، فرزندوں میں عبدالحمید (ف ۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۷ء) فقہ و اصول میں مہارت رکھتے تھے اور فارسی میں شعر بھی کہتے تھے، ان کے دوسرے فرزند مولوی عبدالباری صید (ف ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء) اُردو و فارسی کے شاعر تھے (سخن شعراء ۲۸۶)، قاضی فقیر محمد کے دو بیٹے بہت نامور ہوئے ہیں، ان میں عبدالغفور نساخ (۱۲۴۹۔ ۱۳۰۶ھ / ۱۸۳۴۔ ۱۸۸۹ء) فارسی و اُردو کے شاعر اور شاعروں کے مشہور تذکرہ سخن شعراء کے موکف تھے، فقیر محمد کے سب سے مشہور فرزند نواب بہادر

عبداللطیف خان (۱۸۲۸ـ ۱۸۹۳ء/ ۱۲۴۴ـ ۱۳۱۱ھ) تھے، موصوف بنگال کے برطانوی دور حکومت میں مسلمانوں کی بیداری اور ترقی کے لیے خاص شہرت رکھتے ہیں۔ ۱۸۴۹ء کو وہ ڈپٹی مجسٹریٹ مقرر ہوئے اور ۱۸۸۵ء کو بھوپال (Bhopal) کے وزیر اعظم بنائے گئے۔ مسلمانوں کو جدید تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے سر سید احمد خان کی طرح ان کی کوششیں بھی قابل قدر ہیں:

(خود نوشت سوانح عبدالغفور نساخ، مشمولہ نساخ، حیات و تصانیف مؤلفہ محمد صدر الحق ۲۷۳ـ۲۸۱)

Enamul Haque: Nawab Bahadur Abdul Latif, pp. 122-134, 156-186 ، آئینہ

ویسی مؤلفہ محمد مطیع الرحمن ۱۲۸، ۱۶۷، وبہ بعد، مشرقی بنگال میں اُردو مؤلفہ اقبال عظیم ۸۲، ۱۷ وبہ بعد

قاضی فقیر محمد کلکتہ کی عدالت کی نظامت کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے فارسی ادیب بھی تھے، ایسٹ انڈیا کمپنی (East India Company) کے افسران کی نظروں میں بھی معزز تھے، وہ فارسی کی کئی کتابوں کے مؤلف تھے (انعام الحق ۱۲۳) ان کی ایک تالیف منتخب النجوم بھی ہے (محمد صدر الحق ۴۲)

فقیر محمد کی سب سے مشہور کتاب جامع التواریخ ہے، جو مؤلف نے ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء کو مکمل کی، یہ ایک عمومی تاریخ ہے جو حسب ذیل چودہ فصول پر مشتمل ہے: (۱) تخلیق کائنات (۲) انبیائے کرام (۳) فلسفیان (۴) ایران کے قدیم شہنشاہان (۵) محمد رسول اللہ ﷺ (۶) خلفائے راشدین (۷) ائمہ کرام (۸) بنو امیہ (۹) بنو عباس (۱۰) عباسیوں کی معاصر مقامی حکومتیں (جس میں ۱۹ گفتار ہیں) (۱۱) ترکستان کے خوانین و مغول (۱۲) تیموریان، مرہٹے، اودھ اور بنگال کے حکمران (۱۳) جغرافیہ (۱۴) ہندو اور ہندوستان کی مقامی ریاستیں، تاریخ امریکہ۔

جامع التواریخ کا ایک خطی نسخہ انڈیا آفس لائبریری، لندن اور دو نسخے برٹش میوزیم لائبریری، لندن میں موجود ہیں (سٹوری: ادبیات فارسی ۱/۱/ ۱۵۰) ایک نسخہ جامعہ ہمدرد کراچی کے کتابخانہ کی زینت ہے (فہرست مشترک ۱۰/ ۱۳۶)

جامع التواریخ مؤلف کے حین حیات ہی کلکتہ سے ۱۸۳۶ء کو طبع ہو کر مقبول ہو گئی تھی، اس کے بعد مطبع نولکشور، لکھنو سے اس کے دو مزید ایڈیشن ۱۸۷۱ء اور ۱۸۷۴ء میں شائع ہوئے موخر الذکر طباعت کے آغاز میں

مؤلف کے قابل فرزند نواب بہادر عبداللطیف خان مذکور کا ایک دیباچہ بھی ہے جس میں انہوں نے مؤلف کے مختصر حالات واوصاف بیان کیے ہیں۔

جامع التواریخ قدیم تاریخ کے لیے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی پہلے سے موجود اور متعارف کتب تاریخ سے نقل واقتباس کیا گیا ہے، البتہ ہندوستان کے متاخر مغل سلاطین، مرہٹوں اور بنگال واودھ کی تاریخ کے لیے اس میں خاصا مواد موجود ہے، امریکہ کی تاریخ پر بھی کتاب کے آخر میں مؤلف نے جو کچھ لکھا ہے وہ اپنے انگریز دوستوں کی زبانی تحریر کیا ہے، معروف مورخ ایلیٹ نے اس کے کچھ اقتباسات کا انگریزی میں ترجمہ دیا ہے (ایلیٹ: تاریخ ہند۸/ ۴۲۵۔۴۲۹)

مآخذ

۱۔ نساخ، عبدالغفور خان: سخن شعراء، لکھنو، مطبع نولکشور، ۱۲۹۱ھ

۲۔ ایضاً: قطعۂ منتخب، لکھنؤ، مطبع نولکشور، ۱۲۹۱ھ

۳۔ محمد مطیع الرحمٰن: آئینہ وسی، پٹنہ، ۱۹۷۶ء

۴۔ اقبال عظیم: مشرقی بنگال میں اردو، ڈھاکہ، ۱۹۵۴ء

۵۔ محمد صدر الحق: نساخ (حیات وتصانیف) کراچی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۷۹ء

۶۔ احمد منزوی: فہرست مشترک نسخہ ہائی خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء

۷۔ عبدالستار: تاریخ مدرسہ عالیہ، ڈھاکہ، ۱۹۵۹ء

۹۔ فقیر محمد: جامع التواریخ، لکھنؤ، مطبع نولکشور، ۱۸۷۴ء

۱۰۔ حبیب الرحمٰن، حکیم: ثلاثہ غسالہ، مرتبہ عارف نوشاہی، ۱۹۹۵ء

۱۱۔ ایضاً: آسودگانِ ڈھاکہ، ڈھاکہ، ۱۹۴۶ء

12- Buckland, C.E: Dictionary of Indian Biography, Lahore, 1975.

13- Elliot, and Dowson: History of India as told by its own Historions, Lahore, 1984.

14- Enamul Haque: Nawab Bahadur, Abdul Latif, His writings and Related Documents, Dacca, 1968.

15- Rieu, C: Cat. of Persian MSS. in the British Museum, London, 1883.
16- Storey, C.A: Persian Literature, London, 1970.

۱۶ مارچ ۲۰۱۱ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ، تہران

مولانا غلام محمد اسلمی (مولف تنبیہ الغافلین)

مولانا غلام محمد اسلمی مدراسی تیرھویں صدی ہجری کے نامور علماء میں سے تھے۔

حافظ غلام محمد بن محی الدین بن عمر اسلمی (مختصر تحفۃ الاثناء عشریۃ ص ۲) کی ولادت مدراس (Madras) بنگال کا ایک اہم خطہ) میں ۱۱۹۴ھ / ۱۷۸۰ء کو ہوئی (نزہۃ الخواطر ۷ / ۴۴۱)

مولانا اسلمی کے والد اور دادا اکابر علماء میں سے تھے اور میسور کے حکمرانوں نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے عہد (۱۷۲۲۔۱۷۹۹ء) میں ریاست کے معززین میں سے تھے۔

مولانا اسلمی نے تحصیل و تکمیل ملا عبد العلی بحر العلوم ملقب بہ سلطان العلماء (۱۱۴۴۔ ۱۲۲۵ھ / ۱۷۳۱۔ ۱۸۱۰ء) کی خدمت میں کی۔ (حدیقۃ المرام ۱۹) ملا بحر العلوم نواب محمد علی والہ جاہ (ف ۱۲۱۰ھ / ۱۷۹۵ء) کی درخواست پر ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۱ء کو مدراس آگئے اور باقی زندگی وہیں درس و تدریس میں گذاری (بحر العلوم مولفہ محمد یوسف کوکن عمری ص ۱۔۲) قیاس ہے کہ مولانا اسلمی نے یہیں مدراس میں ان کی خدمت میں تحصیل کی ہوگی۔

نواب محمد علی والہ جاہ کی وفات کے بعد ۱۲۱۰ھ / ۱۷۹۵ء کو ان کے فرزند عمدۃ الامراء جانشین ہوئے اور صرف چھ سال بعد ہی ۱۲۲۶ھ / ۱۸۰۱ء میں انتقال کر گئے ان کا عہد بھی ہندوستان بھر کے علماء و شعراء کے لیے پرکشش تھا۔ ان کے بعد ۱۲۱۶ھ / ۱۸۰۱ء کو ان کے بیٹے عبد العلی خان عظیم الدولہ کے لقب سے جانشین بنے۔ یہی مولانا اسلمی کے مربی تھے۔ انہی کے عہد میں مولانا اسلمی نے شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (ف ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء) کی معروف فارسی تالیف تحفہ اثناء عشریہ کا عربی میں ترجمہ کیا تھا (مختصر التحفۃ الاثنی عشریہ ص ۵ مقدمہ) عظیم الدولہ کے عہد میں انہوں نے مدتوں درس و تدریس کے فرائض ہی انجام دیئے (نزہۃ الخواطر ۷ / ۴۴۱) والا جاہی دربار میں ان کی بہت ہی قدر و منزلت تھی اور انہیں ریاست مدراس کی جانب سے وکالت کا عہدہ دے کر حرمین الشریفین

میں متعین کیا گیا تھا یعنی ریاست کی طرف سے جس قدر نذر و نیاز مقاماتِ مقدسہ کے لیے بھیجی جاتی تھیں سب کا بندوبست یہی مولانا اسلمی کرتے تھے۔ (تاریخ النوائط ۴۶۳)

۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۷ء کو انہیں ریاست کی طرف سے سراج العلماء حافظ محمد اسلم خان بہادر کا خطاب ملا (ہمانجا ۴۶۳) اور اسی خطاب کی مناسبت سے وہ اسلمی کے عرف سے مشہور ہوئے تھے (نزہۃ الخواطر ۷/ ۴۴۲)

مولانا اسلمی کا تعلق علماء وفضلا کی ایک معروف قوم نائطی (Naiti) سے تھا۔ (تاریخ النوائط ۴۶۲)

قوم نائطی کے اکثر افراد و علماء مسلکاً حنفی تھے صرف وہ خاندان جو بعد میں مدراس میں مینمبور (Menmboor) کے علاقے میں جابسے وہ شافعی تھے ان میں مولانا اسلمی اور ان کا خانوادہ بھی شامل ہے۔ (خانوادہ قاضی بدر الدولہ ص ۱۹)

مولانا اسلمی علوم معقول میں خوب مہارت رکھتے تھے۔ عربی وفارسی دونوں علمی زبانوں پر کامل دسترس رکھتے تھے۔ مولانا اسلمی نے مدراس کے علاقہ سعید آباد میں اپنی رہائش کے لیے مکانات اور باغ اور اپنے لیے ایک مقبرہ بھی بنوایا تھا۔ حرمین الشریفین سے واپس مدراس آکر مختصر قیام کے بعد اپنے دوست واحباب سے ملاقات کے لیے حیدر آباد دکن اور اورنگ آباد بھی گئے پھر اپنے مستقر میں واپس آگئے (حدیقۃ المرام ۱۹، نزہۃ الخواطر ۷/ ۴۴۲)

مولانا اسلمی نے باختلاف روایت ۱۱ محرم، محرم ۱۲۷۱ یا ۱۲۷۲ھ / ۵۵۔۱۸۵۶ء میں انتقال کیا۔ (حدیقۃ المرام ۱۹، تاریخ النوائط ۴۶۳، نزہۃ الخواطر ۷/ ۴۴۲)

مولانا اسلمی کئی اہم دینی کتابوں کے مؤلف تھے ہمیں تاحال ان کی صرف حسب ذیل تالیفات کا علم ہو سکا ہے:

۱۔ الترجمۃ العبقریۃ والصولۃ الحیدریۃ:

یہ اہل تشیع کے رد میں لکھی جانے والی معرکہ آرا کتاب تحفہ اثناء عشریہ تالیف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (ف ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء) کا عربی میں ترجمہ ہے۔ مولانا اسلمی نے یہ ترجمہ عظیم الدولہ مذکور کی فرمائش پر مدراس میں ۵ شعبان ۱۲۲۷ھ / ۱۸۱۲ء کو مکمل کیا۔ (مختصر التحفۃ الاثنی عشریۃ، مقدمہ)

مترجم نے اس میں کئی مقامات پر مفید حواشی کا بھی اضافہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ خاصا ضخیم ہے اس کے ایک خطی نسخہ کے صفحات ۱۰۵۱ ہیں ۱۳۰۱ھ میں سیّد محمود شکری الالوسی نے اس ترجمے کی تلخیص و تہذیب تیار کی جو ۱۳۱۵ھ میں بمبئی (Bomby) سے طبع ہوئی پھر اس ایڈیشن کو شیخ محمد نصیف نے اغلاط سے پاک کر کے مصر سے شائع کیا۔ اصل عربی ترجمے کے خطی نسخے خدا بخش لائبریری، پٹنہ اور کتابخانہ آصفیہ میں محفوظ ہیں۔

(Contribution of Indo-Pakistan to Arabic literature, pp 389.90)

یہ عربی ترجمہ کتاب کے مؤلف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے حین حیات ہوا تھا خود شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ آرکاٹ کے والی نے اس کا عربی ترجمہ کروا کر عرب بھیجا تھا (ملفوظات شاہ عبدالعزیز ۷۰)

۲۔ سفینۃ النجاۃ:

اختلافی مسائل پر یہ ایک ضخیم کتاب ہے۔ اس کا ایک خطی نسخہ مولانا عبدالحی حسنی کو تجمل حسین گوپاموی (در ہند) کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا (نزہۃ الخواطر ۷/ ۴۴۳) گویا علم عقائد میں یہ ایک مبسوط کتاب ہے (تاریخ النوائط ۴۶۳) تعلیقات الرزینہ فی شرح السفینۃ کے نام سے کتابخانہ آصفیہ میں اس کا ایک خطی نسخہ موجود ہے۔ (ادبیات فارسی، بر گل ۱/ ۲۶)

۳۔ تنبیہ الغافلین:

یہ کتاب فارسی نثر میں ہے۔ اور رد وہابیہ ہی کے موضوع پر ہے۔ ان کے زمانے میں مدراس میں تقلید و عدم تقلید کے نام پر بحثیں بہت زور پکڑ گئی تھیں۔ مولانا اسلمی نے جو مسلکاً شافعی تھے اس رسالے میں تقلید کے جواز میں دلائل دے کر اپنے معاصر علماء سے دستخط کروائے تھے۔

عرصہ ہوا اس رسالے کا ایک خطی نسخہ عبدالعزیز نظام آبادی تاجر مخطوطات (لاہور) کے پاس دیکھا تھا، دوسرے کسی نسخے کا تا حال ہمیں علم نہیں ہے۔

۴۔ مواہب الرحمٰن:

مولانا اسلمی نے اپنی آخری عمر میں وفات سے دس دن قبل قرآن پاک کی ایک تفسیر فارسی نثر میں لکھی تھی۔ یہ کتاب چار ضخیم جلدوں میں مرتب ہوئی، مؤلف نے اس میں عقلی و نقلی دلائل سے خوب بحثیں کی ہیں۔

زیادہ تر شوافع سے استنباط کیا ہے جسے فارسی میں ہندوستان میں لکھی جانے والی ایسی تفسیروں میں اہم درجہ حاصل ہے۔ کیوں کہ اکثر تفاسیر حنفی مکتب فکر کے علماء کی تالیف ہیں غیر حنفی تفسیریں بہت کم لکھی گئی ہیں ان میں مواہب الرحمٰن شافعی نکتہ نظر کی ترجمان ہے۔

مواہب الرحمٰن کی کتابت و تصحیح سید سعد الدین بن مولوی جعفر نے کی تھی جو مؤلف کے رفقاء میں سے تھے (حدیقۃ المرام ۳۲)

اس کتاب کے آخری دو اجزاء مطبع جامع الاخبار، مدراس سے ۱۲۶۱ھ میں طبع ہوئے۔

مولانا اسلمی نے تحفہ اثنا عشریہ کے ترجمہ میں اپنا نام غلام محمد لکھا ہے لیکن مذکورہ بالا تمام تذکروں میں ان کا نام محمد سعید درج ہوا ہے۔ ان کا لقب سعید تھا (تاریخ النوائط ۴۶۲) یقیناً تذکرہ نویسوں نے اسی لقب کو ان کا اصل نام سمجھ لیا ہوگا، اسلمی کا ایک شعری مجموعہ بھی ہے جو طبع نہیں ہوا۔

مآخذ

۱۔ اسلمی، غلام محمد: مختصر تحفۃ الاثناء عشریہ، تلخیص وتہذیب محمود شکری الوسی، استانبول، ترکی ۱۹۷۶ء

۲۔ برگل: ادبیاتِ فارسی برجنای تالیف استوری ترجمہ یحییٰ آرین پور، تہران ۱۳۵۳ھ

۳۔ عبد الحی حسنی: نزہۃ الخواطر، ج ۷، حیدر آباد، دکن ۱۹۵۹ء

۴۔ ایضاً: الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند، دمشق ۱۹۸۳ء

۵۔ عبد العزیز محدث دہلوی: ملفوظات شاہ عبد العزیز اُردو ترجمہ محمد علی لطفی، کراچی ۱۹۶۰ء

۶۔ ایضاً: فضائل صحابہ واہل بیت مرتبہ محمد ایوب قادری، لاہور ۱۹۶۷ء

۷۔ عزیز جنگ: تاریخ النوائط، حیدر آباد، دکن ۱۳۲۲ھ

۸۔ کوکن، محمد یوسف عمری: خانوادہ قاضی بدر الدولہ، مدراس ۱۹۶۱ء

۹۔ ایضاً: بحر العلوم (سوانح، تالیفات) مدراس ۱۹۶۰ء

۱۰۔ رحمٰن علی: تذکرہ علماء ہند، ترجمہ وتحشیہ محمد ایوب قادری، کراچی ۱۹۶۱ء

۱۱۔ ناظر، غلام عبدالقادر: بہار اعظم جاہی (روداد سفر نواب اعظم جاہ بہادر ۱۲۳۸ھ) مرتبہ محمد یوسف کوکن عمری، مدراس ۱۹۶۱ء

۱۲۔ واصف، محمد مہدی: حدیقۃ المرام (تذکرہ علماءِ مدراس) ترجمہ سخاوت مرزا۔ کراچی ۱۹۸۲ء

13- Kokan, M. Yusuf: Arabic and Persian in Carnatic, Madras, 1982.
14- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970
15- Zubaid Ahmad: Contribution of Indo-Pakistan to Arabic literature, Lahore, 1968.

۱۶ فروری ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ برہان الدین خان بہادر (موئلف محامد حمادیہ)

شیخ برہان الدین تیرھویں صدی ہجری کے ایک فارسی شاعر تذکرہ نویس اور تصوف دوست بزرگ تھے۔

حاجی حافظ سیّد محمد برہان الدین کے والد سیّد محمد نور الحسن خان بہادر تیرھویں صدی ہجری کے ممتاز اصحاب علم ودانش میں سے تھے نوابانِ دکن (Deccan) کے انتظامی شعبوں میں معزز عہدوں پر کام کرتے رہے، انہیں ریاست حیدر آباد کی طرف سے "خان بہادر" کا خطاب بھی ملا تھا۔ (محامد حمادیہ ۲/ ۱۰۱۳)

حافظ برہان الدین نے دکن کی علمی فضا میں پرورش پائی، اپنے والد گرامی اور دیگر اساتذہ سے تحصیل کے بعد ریاست کی ملازمت اختیار کرلی۔ اس خانوادے کا قادری سلسلہ طریقت سے روحانی تعلق تھا۔ ان کے مرشد ملک شاہ محمود قادری تیرھویں صدی ہجری کے ایک معروف صوفی بزرگ تھے۔ جن کے جد اعلیٰ ملک محمود پیارو (Piaro) دکن کے فاروقی سلاطین کے وزیر زادے تھے، ملازمت ترک کر کے شاہ منصور کی خدمت میں بیعت ہوئے اور گجرات میں ۱۰۰۰ھ / ۹۱۔ ۱۵۹۲ء کو انتقال ہوا۔ مثنوی مولانا روم سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا (محبوب ذی المنن ۲/ ۹۱۴۔ ۹۱۵) حافظ برہان الدین کو بھی اپنے والد کا خطاب "خان بہادر" ریاست حیدر آباد کی طرف سے ملا تھا۔ ان کا حلقۂ احباب بہت وسیع تھا معروف عالم مولانا عنایۃ العلی بن کرامت العلی اسرائیلی دہلوی ثم حیدر آبادی (متوفی ۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء) سے قریبی تعلقات تھے (نزہۃ الخواطر ۸/ ۳۳۷) حافظ برہان الدین کے مرشد زادے شاہ غلام محمد قادری جو خود ایک عمدہ نثر نویس اور فارسی شاعر تھے حافظ صاحب پر خاص مہربانی کی نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے محامد حمادیہ میں ان کا بطور خاص تذکرہ کیا ہے (۲/ ۹۸۹)

ان کے علاوہ متعدد ہم عصر اہل علم مثلاً حافظ محمد علیم اللہ متخلص بہ نطق، حکیم مظفر الدین خان متخلص مزاج جیسے فارسی شعراء عصر کے ساتھ نشست وبرخاست رہتی تھی۔ (ھمانجا ۲/ ۹۹۱۔ ۱۰۱۵)

حافظ برہان الدین کے صرف ایک فرزند سیّد عبدالصمد کا ہمیں علم ہے، انہوں نے محامد حمادیہ پر فارسی میں ایک طویل قطعہ تاریخ لکھا ہے۔

حافظ برہان الدین کا سالِ وفات تذکرہ نویسوں نے درج نہیں کیا۔ ان کی تالیف محامد حمادیہ ۱۲۹۸ھ میں مکمل ہوئی جب کہ وہ سن رسیدہ تھے، قیاس ہے کہ آغاز ۱۳۰۰ھ / ۸۲۔۱۸۸۳ء کو انتقال ہوا ہوگا۔ معلوم نہیں احمد منزوی نے ان کا سالِ وفات ۸۲۵ھ کس بنیاد پر لکھ دیا ہے۔ (فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی ۲/ ۱/ ۱۳۶۳، فہرست مشترک ۱۲/ ۲۳۱۸) یقیناً انہیں غلط فہمی ہوئی ہے ان کی محولہ فہارس خصوصاً تذکرہ مخطوطات (۲/ ۱۵۹) میں ان کی تالیف محامد حمادیہ کا سالِ تالیف ۱۲۹۸ھ واضح الفاظ میں درج ہے، لہٰذا اس سنہ کا مؤلف ۸۲۵ھ میں کیسے فوت ہو سکتا ہے؟

محامد حمادیہ

حافظ برہان الدین کی صرف ایک تالیف محامد حمادیہ کا تاحال ہمیں علم ہو سکا ہے۔ یہ کتاب فارسی نثر میں ہے اور قادری سلسلہ کے صوفیہ خصوصاً ملک شاہ محمود قادری اور شاہ غلام محمد قادری کے احوال شرح و بسط کے ساتھ لکھے ہیں۔

اس کتاب کے محرک مؤلف کے خاص دوست اور عالم مولانا محمد عنایۃ العلی مذکور ہیں، شاہ غلام محمد قادری کو عالم رویا اور مکاشفہ میں حضور ﷺ کی بارگاہ سے "حمادِ ثانی" کا لقب ملا تھا (محامد ۲/ ۹۱۰) اس لیے اس تذکرے کا نام مؤلف نے ان کے لقب کی مناسبت سے محامد حمادیہ تجویز کیا۔

تذکرہ محامد حمادیہ دو ضخیم جلدوں میں ہے۔ اس کا جو خطی نسخہ جلد دوم مخزونہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اُردو، حیدر آباد، دکن میں ہے صفحہ ۵۸۵ سے ۱۰۱۵ پر مشتمل ہے ظاہر ہے کہ اس کی جلد اول ۵۸۴ صفحات پر پھیلی ہوئی ہوگی، یہ مخطوطہ مؤلف کا خود نوشت نسخہ ہے دوسری جلد شاہ محمود قادری کی اولاد اور قرابت داروں کے احوال و مناقب پر مشتمل ہے، اس جلد کے چند آخری اجزاء مؤلف کے مرشد زادے سیّد شاہ غلام محمد قادری متخلص بہ شیدا نے لکھے ہیں۔ کتاب کے آخر میں اس عہد کے نامور شعراءِ فارسی کے قطعاتِ تاریخ ہیں جن میں شیدا مذکور کے

علاوہ حافظ محمد علیم اللہ نطق، مظفر الدین مزاج اور سید عبد الصمد (فرزندِ مؤلف) کے عربی و فارسی قطعات قابلِ توجہ ہیں۔(تذکرہ مخطوطات ۲/ ۱۵۹)

حیدر آباد دکن سے ۱۳۰۸ھ کو محامد حمادیہ کی ایک جلد (صفحات ۱۰۶) شائع ہوئی تھی۔یہی ایک جلد خان بابا مشار کے پیش نظر تھی (مولفین کتب چاپی ۲/ ۱۰۶، فہرست کتابہای چاپی فارسی ۲/ ۲۹۴۱ ("محاکمہ حمادیہ" سہوِ کتابت ہے) اسٹوری: ادبیات فارسی ۱/ ۲/ ۱۰۵۴)۔

مآخذ

۱۔ برہان الدین، حافظ: محامد حمادیہ، حیدر آباد دکن ۱۳۰۸ھ (ج۔۱)

۲۔ زور، محی الدین قادری: تذکرۂ مخطوطات کتب خانہ ادارہ ادبیاتِ اُردو، ج ۲، دہلی، ۱۹۸۴ء

۳۔ عبد الحی حسنی: نزہتہ الخواطر ج ۸۔ کراچی، ۱۹۷۶ء

۴۔ مشار، خان بابا: مولفین کتب چاپی فارسی و عربی، تہران۔ ۱۳۴۰ش

۵۔ ایضاً: فہرست کتابہای چاپی فارسی، تہران، ۱۳۵۲ش

۶۔ ملکاپوری، عبد الجبار: محبوب ذی المنن تذکرہ اولیائے دکن، حیدر آباد، دکن ۱۳۳۱ھ

۷۔ منزوی، احمد: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی، ج ۲، تہران، ۱۳۴۹ش

۸۔ ایضاً: فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسیٔ پاکستان ج ۱۲، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء

9- Storey, CA : Persian Literature, London 1970

۵ دسمبر ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

مولانا محمد کریم اللہ دہلوی

مولانا محمد کریم اللہ دہلوی تیرہویں صدی ہجری / انیسویں صدی عیسوی کے ایک بڑے عالم، مفتی، واعظ اور مصنف تھے۔

مفتی کریم اللہ کے حالات زندگی مطبوعہ اور متعارف تذکروں میں بہت ہی مختصر طور پر درج ہوئے ہیں۔ آپ کے اجداد کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔

تذکرہ علمائے ہند میں ان کی نسبت فاروقی[1] سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کے والد گرامی مولانا لطف اللہ تھے، آپ نے ان کے نام کے ساتھ کوئی لقب یا نسبت درج نہیں کی[2]۔

منشی بشیر الدین احمد دہلوی کی روایت ہے کہ مولوی کریم اللہ صاحب بھی اپنے باپ کی طرح حنفی مذہب کے جید علماء میں سے تھے[3]۔ جس سے اس نتیجہ پر پہنچنا دشوار نہیں رہ جاتا کہ آپ کے والد اور اجداد بھی اکابر علماء میں سے تھے۔

مفتی کریم اللہ کا انتقال ۴ ماہ عید الفطر روز سہ شنبہ ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء کو ہوا[4]، وفات کے وقت عمر نوے سال تھی[5]۔ اس اعتبار سے ان کی ولادت ۱۲۰۰ھ / ۱۷۸۵ء (۱۲۹۰ - ۹۰ = ۱۲۰۰) کو ہوئی تھی۔

قیاس ہے کہ مفتی کریم اللہ کے والد اور اجداد بھی دہلی کے محلہ قاضی حوض میں رہتے تھے، وہیں ان کی

---

۱ رحمٰن علی: تذکرہ علمائے ہند ۳۹۷

۲ کریم اللہ: مفتاح التفسیر ورق ا

۳ بشیر الدین احمد: واقعات دار الحکومت دہلی ۲/ ۱۰۳

۴ محمد عمر سراج الحق: ریاض الانوار ا/ ۱۲

۵ تذکرہ علمائے ہند ۳۹۷، صاحب نزہۃ الخواطر (۷/ ۳۹۸) نے سال وصال کے لیے ریاض الانوار کا حوالہ دیا ہے لیکن اس وقت ان کے پیش نظر تذکرہ علمائے ہند تھا جہاں سے انہوں نے سال وفات ۱۲۹۱ھ اور عمر نوے سال نقل کر دی حالانکہ ریاض الانوار میں عمر کا شمار موجود نہیں ہے۔

مسجد اور مسکن تھا، جس کے قرائن حسب ذیل ہیں:

اس سلسلہ کی پہلی روایت منشی برکت علی (از اولاد حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی) کی ہے جنہوں نے شیخ محدث کی خدمت حدیث کی روایت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "مولوی کریم اللہ ساکن حوض قاضی"[1] دوسری روایت بشیر الدین احمد کی ہے جنہوں نے قاضی حوض کے علاقہ میں واقع مسجد و مدرسہ مولوی محمد یعقوب کا ذکر کرتے ہوئے انہیں مولوی کریم اللہ کا فرزند بتایا ہے کہ باپ بیٹا دونوں یہیں درس و تدریس میں مصروف رہتے تھے[2]۔

معلوم ہوتا ہے کہ علاقہ قاضی حوض کا یہ محلہ ۱۲۶۴ھ / ۱۸۴۸ء کو معتبر الدولہ نے آباد کیا اور حوض بنایا[3] لیکن یہ مسجد اس سے پہلے ۱۱۳۱ھ /۱۷۱۸ء میں موجود تھی جسے مولوی کریم اللہ نے از سر نو بنوایا اور توسیع کی،[4] ۱۲۵۲ھ /۱۸۳۶ء تک مولوی کریم اللہ محلہ لال کنواں میں ہی رہتے تھے[5]۔ جو علاقہ قاضی حوض کی حدود میں واقع ہے[6]۔

اساتذہ

مفتی کریم اللہ کے اساتذہ میں نامی گرامی اصحاب شامل تھے، مثلاً حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (ف ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء)، مولانا رشید الدین خان دہلوی (ف ۱۲۴۳ھ /۱۸۲۷ء) مولانا محمد کاظم دہلوی[7]، مولانا شاہ عبد القادر دہلوی[8] (ف ۱۲۳۰ھ / ۱۸۱۴ء) بن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔

---

۱ برکت علی: مراۃ الحقائق ص ۱۰۶

۲ بشیر الدین احمد: واقعات دار الحکومت دہلی ۲/ ۱۹۳

۳ ایضاً ۲/ ۱۹۳

۴ ایضاً ۲/ ۳۲۲

۵ تحبیر الفضائلین ۸۷

۶ واقعات دار الحکومت دہلی ۲/ ۲۰۴

۷ تحبیر الفضائلین ۸۷

۸ واقعات دار الحکومت ۲/ ۲۰۴

درس و تدریس

مفتی کریم اللہ طالب علمی کے زمانے سے مدرسین کی طرح درس دیتے تھے اور انہیں کتب متداولہ پر اس قدر قدرت حاصل تھی کہ گویا کتابیں انہیں حفظ تھیں[1] چنانچہ دہلی کے معروف عالم و صوفی اخوند شاہ عبدالعزیز دہلوی (ف ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء) نے شافیہ ابن حاجب اور شرح ملا جامی انہی ایام میں آپ کی خدمت میں پڑھی تھیں[2]۔

تکمیل کے بعد مفتی کریم اللہ نے جامع مسجد شاہ جہان آباد میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا، موصوف وہاں وعظ اور تفسیر بھی بیان کرتے تھے۔ چنانچہ ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء کو آپ نے درس تفسیر کو اپنے فرزندوں کی درخواست پر مفتاح النصیحہ کے نام سے جمع کیا تھا[3]، اس کے دوران ہی آپ اپنے آبائی مدرسہ اور مسجد علاقہ قاضی حوض دہلی میں بھی یہ خدمت انجام دیتے تھے۔ جمعہ کے روز وعظ بھی کرتے تھے، ان کے اس مدرسہ میں ان کے فرزندان گرامی خصوصاً مولوی محمد یعقوب بھی درس دیتے تھے، یہ مدرسہ واقعات دارالحکومت دہلی کی تالیف ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۹ء تک جاری تھا[4] کسی فروعی اختلاف کے باعث دہلی کے مشہور شیخ طریقت اور عالم مولانا شاہ ابوالخیر مجددی (ف ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۳ء) عوام کو انہی مولانا محمد یعقوب کے قول پر عمل کرنے کا مشورہ دیتے تھے[5]۔

سرسید احمد خان کا بیان ہے کہ مولوی کریم اللہ تدریس طلبۂ شائق میں مصروف اور عنانِ ہمت افادۂ طالبین کی طرف معطوف رکھتے ہیں[6] مولوی رحمٰن علی نے انہیں کثیر الدرس لکھا ہے[7]۔

---

1. محمد عمر سراج الحق: ریاض الانوار/ ۱۲
2. ایضاً/ ۱۳، محمد اصحاف ص ۲۵۷
3. مفتاح النصیحہ۔ قلمی مملوکہ جناب خلیل الرحمٰن داؤدی مرحوم، لاہور (عکس مؤلف)
4. بشیر الدین احمد: واقعات دار الحکومت دہلی ۲/ ۱۹۳
5. زید ابوالحسن فاروقی: مقامات خیر ۲۹۳
6. سرسید احمد خان آثار الصنادید ۲/ ۹۳
7. رحمٰن علی: تذکرہ علمائے ہند ۳۹۷

فتویٰ جہاد پر دستخط

۱۸۵۷ء کی انگریزوں کے خلاف بغاوت کو ہندوستان کے علماء نے جہاد قرار دیا تھا اس موقع پر باقاعدہ ایک فتویٰ بھی مرتب ہوا، جس پر اس وقت کے نامی گرامی علماء اور مفتیوں نے اثباتی دستخط کیے، جو اس وقت کے اخبارات ظفر الاخبار اور صادق الاخبار میں شائع ہوا[۱]، جس سے جہاد کا خوب چرچا کیا گیا۔ مفتی کریم اللہ دہلوی چونکہ مفتی تھے اس لیے انہوں نے بھی اس پر دستخط کیے تھے، جس کے جرم میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے ان علماء کو سزائیں دیں، شہید کیا، جہاد کے محرکین میں سے حضرت شاہ احمد سعید مجددی اور شاہ عبد الغنی مجددی نے حرمین الشریفین کی طرف ہجرت کی[۲]، دہلی کے مشہور عالم وواعظ مولوی فرید الدین کو انگریزوں نے گولی مار کر شہید کر دیا تھا[۳] اسی طرح بعض دیگر علماء کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا گیا[۴]۔ لیکن بعض علماء کے خلاف کوئی اقدام یا کارروائی نہیں کی گئی ان کا انتقال بھی ۱۸۵۷ء کے بعد ہوا، ان میں مفتی کریم اللہ بھی شامل ہیں، جن کے بارے میں کوئی عصری شہادت نہیں ہے کہ ان کے خلاف کوئی کارروائی ہوئی تھی، موصوف نوے سال کی عمر پا کر ۱۸۷۳ء کو فوت ہوئے، نہ تو ان کے معافی مانگنے کا کوئی ثبوت ہے اور نہ ہی روپوش ہونے کی شہادت ملتی ہے۔

غالب گمان ہے کہ موصوف کے چونکہ اخوند مولانا عبد العزیز دہلوی کے ساتھ گہرے مراسم تھے بلکہ اخوند صاحب مفتی صاحب کے عزیز شاگرد بھی تھے، اور مولانا عبد الحق حقانی (مولف تفسیر حقانی) بھی اخوند صاحب کے شاگرد تھے اور مولانا حقانی کے والد خواجہ محمد امیر کے ساتھ بھی قریبی تعلقات کے باعث اخوند صاحب نے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں ان کی حویلی علاقہ گنتھلہ گڑھ میں پناہ لی تھی[۵]۔ اس لیے ممکن ہے کہ ان کے ساتھ مفتی کریم اللہ بھی وہاں چلے گئے ہوں اور عام معافی کے اعلان کے بعد واپس دہلی آگئے ہوں، اس سلسلہ میں ایک اور امر قابل توجہ ہے کہ مفتی کریم اللہ نے سرسید احمد خان کے خلاف جب کفر کا فتویٰ دیا تو سرسید کے بنا کردہ سکول کو ناپاک

---

۱ عتیق صدیقی: اٹھارہ سو ستاون، اخبار اور دستاویزیں، ۱۹۸۔۱۹۹

۲ محمد مظہر مجددی: مقامات مظہریہ مناقب احمدیہ و مقامات سعیدیہ ص ۱۹۶۔۲۰۱

۳ محمد عمر سراج الحق: ریاض الانوار، ۱/ ۸۹ حاشیہ

۴ محمد ایوب قادری: جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، ص ۲۰۲۔۲۱۶

۵ عقائد الاسلام مؤلفہ مولانا حقانی، مقدمہ نوشتہ حکیم محمد احمد حقانی ص ۷۔۸

قرار دے کر اس میں شرکت کو اسلام کے منافی ہونے کا اعلان کیا تھا، اگر مفتی صاحب نے انگریزوں سے معافی مانگی ہوتی تو سر سید کے خلاف اس کا قسم کا فتویٰ نہ دیتے کیوں کہ اس مدرسہ کی تعمیر میں کمپنی کا مکمل تعاون حاصل تھا، ویسے انگریزوں نے سر سید احمد خان کے کسی مخالف کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی تھی۔

متصلّب سُنّی

مفتی کریم اللہ کا زمانہ نظریاتی اور فکری اعتبار سے نہایت ہیجان انگیز تھا، مسلمانوں کے فروعی اختلافات کو جس قدر اس دور میں ہوا دی گئی اس سے پہلے ایسا نہیں تھا، خود انگریز یہ چاہتے تھے کہ مسلمان آپس میں دست و گریبان رہ کر کمزور ہوتے رہیں اور انہیں ہمارے خلاف متحد ہونے کا موقع ہی نہ ملے۔

شاہ محمد اسماعیل دہلوی (ف۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) کی کتاب "تقویت الایمان" کی اشاعت نے بہت سے اختلافی مسائل چھیڑ دیئے جن سے ملک میں اختلاف کی آندھی چل پڑی، تقلید اور عدم تقلید کے اختلاف نے تو ایسی فضا پیدا کر دی کہ اس سے علماء کے مابین نا قابل عبور خلیج حائل ہو گئی، ترجمان وہابیہ کے موکف نواب محمد صدیق حسن خان (۱۸۳۲۔۱۸۹۰ء) کو بھی اپنی خود نوشت سوانح میں یہ تسلیم کرنا پڑا کہ اس معاملہ میں دونوں فریقوں نے زیادتی کی ہے[2]۔ علماء تعمیری و تحقیقی کام چھوڑ کر رد و قبول کے اس سیلاب میں بہ گئے اور تحقیقی کام جاتا رہا انگریزوں نے تقویت الایمان کا انگریزی ترجمہ[3] (۱۸۵۲ء) اس لیے کروایا تھا کہ وہ یہ سمجھ سکیں کہ آخر اس میں ہے کیا کہ جس نے ہندوستان کی مذہبی فضا میں اس قدر ہیجان پیدا کر دیا ہے؟

ان حالات میں علماء کے دو گروہ بن گئے ایک متصلب سنی اور دوسرا غیر مقلدین کا، اول الذکر فرقہ کے امام علامہ فضل حق خیر آبادی (ف۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء) اور دوسرے کے شاہ اسماعیل دہلوی تھے۔ مفتی کریم اللہ کا تعلق پہلے گروپ سے تھا۔

ان فریقین نے ایک دوسرے کے خلاف بہت سے رسائل لکھے علامہ فضل حق خیر آبادی نے شاہ اسماعیل دہلوی کی کتاب تقویت الایمان میں شفاعت کے انکار پر ایک مستقل کتاب "تحقیق الفتویٰ" کے نام سے

---

۱ حالی الطاف حسین: حیات جاوید ۲/ ۲۸۳

۲ ابقاء المنن ص ۶۳ "تقلید پر کر ہمت باندھی تحریر و تقریر میں استعمال سب و شتم بلکہ لعن طعن کا ہوا، میں نے رد تقلید میں بہت کچھ لکھا" (ایضاً ۶۵)

3 Takwiyat-ul-Iman, Trans, Mir Shahamat Ali, J Royal Asiatic Society, London, xiii (1852) pp. 310-72

۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۵ء کو لکھی، جس پر اس عہد کے جن علماء نے تائیدی دستخط کیے ان میں مفتی کریم اللہ بھی شامل تھے[1]۔

اس کے بعد مفتی صاحب نے شاہ اسماعیل کے رد میں ایک مستقل کتاب ہادی المضلین لکھی[2] اسی طرح انہوں نے شاہ اسماعیل کے نظریہ ایصال ثواب کے جواب میں بھی ایک کتاب لکھنے کا خود ذکر کیا ہے کہ "اثبات الاعزال فی جواب انکار الایصال الثواب البدعۃ لمولوی اسماعیل"[3]۔ مفتی کریم اللہ نے اپنے مواعظ میں بھی جابجا شاہ اسماعیل کے معتقدات سے اختلاف کیا ہے اور اس سلسلہ میں اپنے رسائل کا بھی حوالہ دیا ہے[4]۔ شاہ اسماعیل دہلوی کے بعد دوسری بڑی متنازعہ شخصیت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی (۱۱۹۷۔۱۲۶۲ھ / ۱۷۸۲۔۱۸۴۵ء) کی ہے جن کے ساتھ مفتی کریم اللہ نے اختلاف کیا اور ان کی کتاب "ماۃ المسائل" میں شامل کئی مسائل کا رد لکھا، مفتی صاحب نے اپنے ان رسائل کا ذکر اپنے مواعظ کے ایک مجموعہ "مفتاح النصیحہ" میں کیا ہے جو ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء میں مرتب کیا گیا، گویا شاہ محمد اسحٰق جنہوں نے ہندوستان سے ۱۲۵۸ھ کو حرمین الشریفین ہجرت کی ابھی دہلی میں ہی تھے، مفتی صاحب نے کتاب ماۃ المسائل کے شاہ اسحٰق کی تالیف ہونے پر کسی تعجب یا تردد کا اظہار نہیں کیا[5]، چند اشارات ملاحظہ ہوں:

۱۔ ایک اندراج سے تو واضح ہوتا ہے کہ مفتی صاحب نے شاہ اسحٰق کی ماۃ المسائل کے رد میں پورا رسالہ لکھا تھا:

---

۱ فضل حق خیر آبادی: تحقیق الفتویٰ، مترجمہ عبدالحکیم شرف قادری، بندیال، سرگودھا ۱۹۷۹ء، ص ۴۳

۲ فضل احمد لدھیانوی: انوار آفتاب صداقت ۱/ ۶۳۱

۳ کریم اللہ: مفتاح النصیحہ قلمی ورق ۲۰۷ب

۴ ایضاً ورق ۹۸، ۱۰۱، ۱۲۴۔۱۰ب۔ عجیب ہے کہ حافظ عزیز الدین مراد آبادی نے اکمل البیان فی تائید تقویت الایمان (ص ۵۳۳) میں حضور نبی اکرم ﷺ کے علم غیب کے انکار میں مفتی کریم اللہ کا فتویٰ کہاں سے نقل کر دیا ہے حالانکہ انہوں نے تو مفتی صاحب کا زمانہ ہی نہیں پایا (ولادت ۱۲۹۵ھ، وفات ۱۳۶۷ھ)

۵ ماۃ المسائل کے شاہ محمد اسحٰق سے انتساب کی تفصیل کے لیے دیکھیے حیات شاہ محمد اسحٰق مؤلفہ حکیم محمود احمد برکاتی ص ۱۳۱۔۱۳۹ وما بعد

ان البدعة الحسنه متفق عليها من ائمة الاربعة فانقل من رسالتی تحقيق الحق فی جواب ماية المسائل لمولوی اسحق من تاليفات ہذہ العبد الضعيف يعنی محمد كريم اللهؒ[1]۔

مفتی صاحب نے بدعت کی بحث میں اپنے مذکورہ مجموعہ میں اور بھی بعض مقامات پر اس کے حوالے دیئے ہیں[2]۔

۲۔ مفتی صاحب نے حلال وحرام کی بحث کے دوران بھی مایۃ المسائل کے مسئلہ ۴۸ کا جواب دیتے ہوئے تفصیل کے لیے اپنے رسالہ احقاق الحق معروف بہ رجم الشیاطین کا حوالہ دیا ہے[3]، پھر ایک اور بحث میں ان کے مسئلہ ۲۶ پر بھی اظہار خیال کیا ہے[4]۔

تیسری بڑی شخصیت جن کے ساتھ مفتی کریم اللہ کا اختلاف ہوا وہ مولانا میاں نذیر حسین دہلوی (۱۲۲۰۔ ۱۳۲۰ھ / ۱۸۰۵۔۱۹۰۲ء) کی ہے، جو دہلی میں غیر مقلدین جنہیں مفتی صاحب نے اپنی کتابوں میں وہابی کہا ہے کے سب سے بڑے راہنما تھے اور اہل سنت مقلدین سے ہر مسئلہ میں اختلاف رکھتے تھے، مفتی صاحب نے اپنے رسائل میں یقیناً میاں صاحب سے بھی جابجا اختلاف کیا ہوگا لیکن افسوس کہ وہ رسائل آج محفوظ نہیں ہیں، دہلی میں موجود قدم شریف کی زیارت اہل سنت کے علماء ومشائخ کا معمول رہا ہے، لیکن وہابی اس فعل کو شرک قرار دیتے تھے۔ ہندوستان کے مسلم سلاطین اس متبرک مقام کی تولیت کے لیے اکابر علماء کو نامزد کرتے تھے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (ف ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء) کی اولاد کو بھی اس مبارک مقام کی تولیت کا شرف حاصل تھا، ان کے ہاں ۱۰۰۵ھ / ۱۵۹۶ء کا محررہ ایک وقف نامہ (تولیت نامہ) مولانا احسان الحق حقی[5] کی ملکیت تھا جو انہوں نے

---

۱ کریم اللہ، مفتی: مفتاح النصیحہ ۱۰۶ اب ۱۸۸ اب

۲ ۷۰ اب

۳ ایضاً ۱۱۴۔ اب

۴ ایضاً ۱۱۹ اب

۵ مفتی احسان الحق حقی بن اکرام الدین خان بن نظام الدین بن محب اللہ بن نور الحق ثانی بن محب اللہ بن نور اللہ بن شیخ نور الحق بن شیخ عبدالحق محدث (حیات شیخ عبدالحق ۲۵۵، مرآۃ الحقائق ۱۱۸ اور ما بعد)

اخوند محمد عمر سجادہ نشین درگاہ اخوند عبدالعزیز دہلوی کو دیا تھا[1]۔ شاہ جہان کے زمانہ میں ایک روپیہ یومیہ اس خدمت کے عوض ملتا تھا[2]۔ لیکن مولانا نذیر حسین کے زمانہ میں ان کے متبعین نے اس معاملہ میں مخالفہ ، شروع کر دی خود مولانا نذیر حسین نے قدم شریف کی زیارت کے خلاف ایک مستقل کتاب دلیل محکم فی نفی اثر القدم لکھی[3] اور شائع کی، جس کے جواب میں کئی رسائل لکھے گئے ایک رسالہ سیف المسلول علیٰ من انکر اثر قدم الرسولؐ مولوی فرید الدین دہلوی (ف ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء) نے ۱۸۵۰ء کو دہلی سے شائع کیا[4]۔ یہ رسالہ اُردو میں ہے۔ اسی طرح مفتی کریم اللہ نے بھی ایک رسالہ برہان محکم علی خذلان من نفی اثر القدم لکھا اور اس کی اشاعت میں بہت کوشش کی[5]۔

مفتی صاحب نے اثر قدم شریف کے دہلی پہنچنے کا خود بھی ذکر کیا ہے[6]۔

ایک اور شخصیت سیّد دلدار علی نصیر آبادی (ف ۱۲۳۵ھ / ۱۸۲۰ء) کی ہے جو ایسے شیعہ تھے جنہوں نے اہل سنت کے خلاف تحریری کوششیں انتہائی درجہ کی کیں، انہوں نے تحفہ اثنا عشریہ تالیف سراج الملت حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ / ۱۸۴۲ء) کے رد میں پانچ رسائل تالیف کیے[7]۔ ان کے فرزند سیّد محمد (ف ۱۸۶۷ء) نے بھی تحفہ اثناء عشریہ کے رد میں رسالے لکھے ان میں سے ایک رسالہ طعن الرماح ملقب بہ فوائد حیدریہ ہے[8] دوسرا رسالہ البوارق فی مبحث الامامت تھا[9]۔ سیّد دلدار علی کے بڑے فرزند سیّد حسن (ف ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۶ء) نے بھی بہت سی کتابیں لکھیں جن میں روضۃ الاحکام کا رد مفتی صاحب نے تحریر کیا۔ (اودھ

---

۱ محمد عمر سراج الحق: الہ بتشکلا ص ۵۳

۲ ایضاً ۴۳

۳ فضل حسین: الحیاۃ بعد المماۃ ۲۸۴

۴ مطبوعہ مطبع دہلی اردو اخبار باہتمام محمد حسین آزاد، دہلی ۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۰ء

۵ محمد عمر سراج الحق: ریاض الانوار، / ۲۰۲

۶ کریم اللہ: سلاح المسلمین ۶۵ ب

۷ عبدالحی حسنی: الثقافۃ الاسلامیہ ۲۱۹

۸ طعن الرماح، مطبع سلطان المطابع باہتمام کپتان مقبول اللہ ولد بہادر مرزا مہدی علی خان یہ رسالہ ۱۲۲۸ھ کو تالیف ہوا (ص ۲۹۶) یعنی شاہ عبدالعزیز کے وصال سے ایک سال پہلے۔

۹ ایضاً محمد ایوب قادری: فضائل صحابہ و اہل بیت: مقدمہ ص ۲۰ عبدالحی حسنی: الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند ص ۲۹

میں افتا کے مراکز موکف اشتیاق احمد اعظمی ۲۴۱) مفتی کریم اللہ نے سیّد محمد کے رسائل کا بھی جواب لکھا اور اپنے استاذ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث کی تحفہ اثناء عشریہ کے دفاع کا حق ادا کیا، مفتی صاحب کے رسائل کے نام یہ ہیں:

حق الصریح فی رد الروضہ و مثبت الصریح فی جواب ولد مولوی ولدار علی مجتہد[1]

گویا مفتی صاحب نے پہلا رسالہ سیّد محمّد کے رد میں ان کے رسالہ روضہ کے جواب میں اور دوسرا بھی انہی کے عقائد کے خلاف لکھا۔

ردّ وہابیہ

رد وہابیہ مفتی کریم اللہ کا خاص موضوع بحث تھا۔ آپ نے غیر مقلدین کے رد میں جو کچھ لکھا تھا وہ بھی اسی زمرے میں آتا ہے، مفتی صاحب کی جوانی میں ہی تقویت الایمان کی اشاعت سے ہندوستان کی مذہبی فضا اختلافات کا شکار ہو گئی تھی اور اس کے موکف مولانا شاہ اسماعیل دہلوی جب حج سے واپس آئے تو محمد بن عبدالوہاب نجدی کے نظریات سے پوری طرح متاثر ہو چکے تھے اس لیے ان کی تحریک کو ہندوستان میں وہابی تحریک کہا گیا اور ان کے متبعین کو "نجدی وہابی" کہا جانے لگا، تقویت الایمان کے رد میں جب ۱۲۴۰ھ / ۱۸۵۲ء کو علامہ فضل حق خیر آبادی نے تحقیق الفتوی لکھی تو مفتی کریم اللہ نے اس پر اثباتی دستخط کیے، اس کے بعد آپ نے خود تقویت الایمان کے جواب میں ہادی المضلین کے نام سے ایک مستقل کتاب تالیف کی[2]۔ اسی طرح مولانا نذیر حسین دہلوی کے رد میں بھی مفتی صاحب کی کوششوں کا تذکرہ کیا جا چکا ہے، مفتی صاحب مولانا شاہ محمد اسحٰق کو بھی اسی ضمن میں شمار کرتے تھے اور اس سلسلہ میں بھی انہوں نے جو کچھ لکھا ہے کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔ وعظ میں انہوں نے تقویت الایمان کی یہ عبارت کہ "اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک حکم کن سے چاہے کروڑوں نبی اور ولی اور ـــــ جبریل و محمد کے برابر پیدا کر ڈالے" نقل کرتے ہوئے اسے قول ضعیف قرار دیا ہے[3] ایک اور مقام پر عقائد وہابیہ کی بحث کرتے ہوئے رد وہابیہ میں اپنے ایک رسالہ کا حوالہ اس طرح دیا ہے:

---

۱ کریم اللہ: مفتاح النصیحہ ۲۷ ب

۲ رکن: منتخب حق

۳ کریم اللہ: مفتاح النصیحہ ۱۲۳ ب

فی فضیحۃ الوہابین المتہدی للمولف اعنی محمد کریم اللہ[1]۔۔۔۔ انہوں نے رد الحرمۃ. احقاق فی لزوم. انکار الشریعۃ للوھابیہ کے اپنے رسائل ہونے کا ذکر کیا ہے[2]۔

مولانا کریم اللہ بحیثیت مفتی

مولانا کریم اللہ اپنے عہد کے کامیاب ترین اور معروف ترین مفتی تھے، اس زمانہ کی فقہ و اختلافی مسائل پر لکھی جانی والی اکثر کتب و رسائل پر مفتی صاحب کے دستخط ملتے ہیں، جن میں سے صرف چند ایک کا ذکر کیا جارہا ہے:

۱۔ ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء کو علامہ فضل حق خیر آبادی نے شاہ اسماعیل دہلوی کے رسالہ تقویت الایمان میں شامل بعض مسائل مثلاً شفاعت، امکان النظیر، حب رسول ﷺ پر تفصیلی بحث کی اور ثابت کیا کہ شفاعت برحق ہے، امتناع نظیر بھی کی، اور دیگر امور کے اثبات میں دلائل جمع کیے تو تحقیق الفتوی کے نام سے اس پر اس وقت کے اکابر علماء کے دستخط کروائے جن میں مفتی کریم اللہ بھی شامل ہیں[3]۔

۲۔ تنبیہ الضالین و ہدایت الصالحین، یہ وہ فتویٰ ہے جو متبعین سید احمد رائے بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی میں سے بعض نے تقلید سے خود انکار کیا اور پھر ایک امام (خصوصا) حضرت امام ابو حنیفہ کی تقلید سے آزاد کر لیا تھا، مولوی عبد الحق بنارسی (ف ۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء) نے عدم تقلید کا یہ فتویٰ مرتب کیا تھا جس کے جواب میں رسالہ تنبیہ الضالین ۱۲۵۴ھ / ۱۸۳۸ء کو مرتب ہوا، جب یہ فتویٰ تصدیق کے لیے علمائے دہلی کے پاس آیا تو مولوی کریم اللہ دہلوی ساکن لال کوئیں نے کہا کہ یہ لوگ اسماعیلی ہیں مولوی اسماعیل کی تقلید کرتے ہیں وہ بھی ایسے ہی تھے[4] اس رسالہ کے آخر میں مفتی کریم اللہ کے بھی اثباتی دستخط ہیں[5]۔

---

۱ ایضاً ۱۳ب، ۷۰ب

۲ ایضاً، ۷۰ب

۳ تفصیل بیان کی جاچکی ہے

۴ تنبیہ الضالین ص [illegible] مطبوعہ دہلی، ۱۲۹۲ھ

۵ ایضاً ۱۴۰

۳۔ فصل الخطاب (فتویٰ مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی ف ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء مرتبہ محمد ہاشم علی متوطن میرٹھ بسال ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء) در اثبات علم غیب حضور نبی کریم ﷺ۔ اس پر مفتی کریم اللہ کے اثباتی دستخط ہیں[1]، یہ استفتاء فارسی نثر میں ہے۔

۴۔ تنویر الحق مؤلفہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی (ف ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء)

در تقلید مطلق و تقلید شخصی، بجواب معیار الحق مؤلفہ مولانا نذیر حسین دہلوی (ف ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء) یہ رسالہ اُردو میں ہے اور ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء کو تالیف ہوا[2]۔

۵۔ توفیر الحق مؤلفہ نواب قطب الدین خان مذکور

بیان تقلید معین اور ترجیح مذہب امام ابو حنیفہ۔ یہ رسالہ تنویر الحق کے بعد لکھا گیا، مفتی کریم اللہ نے اس پر اثباتی دستخط کیے تھے۔[3]

۶۔ تحفۃ العرب والعجم مؤلفہ نواب قطب الدین خان مذکور

رد غیر مقلدین و تائید تقلید، نواب صاحب نے یہ رسالہ ۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۷ء کو تالیف کیا اور اس پر عرب وعجم کے علماء سے اثباتی دستخط کروائے، نواب صاحب مذکورہ سنہ میں خود حجاز مقدس حاضر ہوئے اور وہاں کے اکابر علماء سے تقلید کے حق میں ان سے یہ فتویٰ حاصل کیا، اس کے آغاز میں نواب صاحب نے ایک فکر انگیز دیباچہ بھی اُردو میں لکھا تھا۔ اس پر دہلی کے جن اکابر علماء سے دستخط کروائے ان میں مفتی کریم اللہ بھی شامل ہیں[4]۔

۷۔ تحریر محبوب بطرز مکتوب (نوشتہ حدود ۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۷ء)

علمائے دہلی کا ایک فتویٰ شائع ہوا تھا، جس میں جماعت مجاہدین کے بعض افراد نے خود کو حنفی کی بجائے محمدی کہنا شروع کر دیا اور علماء اہل سنت کی تقلید کو ناجائز قرار دیا، جس پر ایک دو ورقی استفتاء شائع ہوا تھا کہ یہ لوگ

---

۱ فصل الخطاب، مطبوعہ مطبع احمدی، میرٹھ، ۱۲۷۸ھ، ص ۸

۲ تنویر الحق، مطبوعہ مطبع ریاض ہند، آگرہ، ص ۱۱۲

۳ توفیر الحق، مطبوعہ مطبع ریاض ہند، آگرہ، ص ۲۳

۴ تحفۃ العرب والعجم، مطبوعہ مطبع حسنی، دہلی، ۱۲۸۵ھ، ص ۷۱

لامذہب ہیں ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ صحیح مسلمان وہی ہے جو حنفی اور مقلد ہے۔ اس فتویٰ پر مفتی کریم اللہ نے بھی دستخط کیے تھے[1]۔

۸۔ مجموعہ فتاوی، تالیف بسال ۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۷ء[2]

(اول) یہ بھی "فرقہ محمدیہ لامذہب" کے خلاف ایک فتویٰ ہے، اس پر اثباتی دستخط کرنے والے اکابر علماء میں مفتی کریم اللہ بھی شامل ہیں[3]۔

(دوم) لامذہب کے پیچھے نماز پڑھنی نادرست ہے اور تقلید امام واحد کی واجب ہے[4]۔ دستخط کنندگان میں مفتی کریم اللہ بھی ہیں[5]۔

(سوم) آمین آہستہ کہنی چاہیے۔ آمین، جہر قرآن کی رو سے منع ہے۔ تصدیق کنندہ مفتی کریم اللہ[6]۔

۹۔ انوار ساطعہ دربیان مولود و فاتحہ مؤلفہ مولانا عبدالسمیع انصاری بیدل

(ف ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء) کتاب کا موضوع نام سے ظاہر ہے، حوالوں سے مزین اور معاصر علماء کے فتاویٰ سے پُر ہے، مفتی کریم اللہ نے محفل میلاد کے مستحب ہونے کا فتویٰ دیا تھا جو اس میں شامل ہے[7]۔

۱۰۔ رسالہ حل المشکلات الفقہ معروف بحیرت الفقہ

مؤلفہ احمد بن حمید بن شہاب، ابتدائی حصہ فارسی، آخری صفحات اردو۔ عمومی اور روزمرہ کے بعض مسائل اور ان کے حل، آخر میں دہلی کے علماء کے دستخط ہیں جن میں مفتی کریم اللہ بھی شامل ہیں[8]۔

---

۱ یہ استفتاء رسالہ نظام الاسلام کے ساتھ کئی بار طبع ہوا

۲ مجموعہ فتاوی، مطبوعہ مطبع ہاشمی ص۳۹ حاشیہ

۳ ایضاً ص۳۸ حاشیہ

۴ ایضاً ۴

۵ ایضاً

۶ ایضاً ۴۲

۷ انوار ساطعہ ۱۴۳، ۲۴۳

۸ بحیرت الفقہ، لاہور، ۱۹۰۸ء

۱۱۔ رسالہ اظہار الحلال والحرام

مؤلفہ مولوی شیخ محمد عبید اللہ مرتبہ محمد حسین ساکن بنت۔

یہ رسالہ مالا بد منہ تالیف قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے ساتھ بطور ضمیمہ ایک عرصہ سے شائع ہو رہا ہے۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے کا طبع شدہ ایک نسخہ بھی ہماری نظر سے گزرا ہے، اس کے آخر میں علمائے دہلی کی مواہیر ثبت ہیں جن میں مفتی کریم اللہ بھی شامل ہیں[۱]، دراصل اس استفتاء کا موضوع ہے کہ مسلمانوں کو غیر مسلموں سے گوشت خرید کر کھانا چاہیے یا نہیں؟ علماء نے اس کی نفی کی ہے۔

وفات

مفتی کریم اللہ نوے سال کی عمر[۲] میں ۴ شوال روز سہ شنبہ ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء کو دہلی میں فوت ہوئے[۳]۔ مشہور نقش بندی شیخ طریقت حضرت خواجہ باقی باللہ (ف ۱۰۱۲ھ / ۱۶۰۳ء) کی درگاہ کے اندر دفن ہوئے، قبر مبارک پر حسب ذیل قطعہ تاریخ وفات درج ہے۔

فاضل بے مثال مولانا کریم اللہ آہ رفت	چوں زیر زمیں آں آفتابِ اوجِ علم
آسماں از سر کلاہ افگند بہر سال گفت	"درزمیں گردیدہ پنہاں آفتابِ اوجِ علم"[۴]

۱۲۹۰ھ

معروف معاصر شاعر مولوی عبد الغفور خان نساخ نے بھی ایک عمدہ قطعہ تاریخ لکھا تھا:

چوں کریم اللہ مردِ پاک ذات	رفت از ہستی سوی ملک عدم
از پی تاریخ سالِ انتقال	گفت ہاتف "جامع فضل و کرم"[۵]

۱۲۹۰ھ

۱ رسالہ اظہار الحلال والحرام، مشمولہ ضمیمہ مالا بد منہ، کانپور، مطبع نولکشور، ۱۸۸۳ء

۲ رحمن علی: تذکرہ علمائے ہند، ص ۳۹۱

۳ محمد عمر سراج الحق: ریاض الانوار، ۱/ ۱۳

۴ بشیر الدین احمد: واقعات دار الحکومت دہلی، ۲/ ۵۲۳

۵ نساخ، عبد الغفور، گنج تواریخ ۵۶

موکف تذکرہ علمائے ہند نے سال وفات ۱۲۹۱ھ اور تاریخ ۴ شوال دی ہے[1]، موکف نزہۃ الخواطر نے بھی یہی لکھا ہے[2] لیکن جس کتاب یعنی ریاض الانوار کا حوالہ دیا ہے وہاں ۴ شوال ۱۲۹۰ھ ہے[3]، ہم نے اسے معاصر بیان کے طور پر نقل کیا ہے، کیونکہ اس کے موکف اخوند محمد عمر سراج الحق مفتی کریم اللہ کے شاگرد تھے[4]۔

اولاد

مفتی کریم اللہ کی کثیر اولاد تھی، سر سید احمد خان کا بیان ہے "باوجود عیال داری اور تاہل کے اہل دنیا کی طرف کم رجوع کرتے ہیں"[5]۔ یہی الفاظ بشیر الدین احمد نے بھی لکھے ہیں[6]۔ لیکن تذکروں میں آپ کی اولاد کا کوئی ذکر نہیں ہے، مختلف کتب فقہ و فتاوی کی مدد سے ہم نے مفتی صاحب کے چار فرزندوں کے نام دریافت کیے ہیں یہ چاروں عالم، فقیہ اور مفتی تھے اور اپنے اجداد کی طرح درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے تھے:

مولانا لطف اللہ فاروقی

|

مفتی محمد کریم اللہ

مفتی حافظ محمد یعقوب | مولانا محمد یوسف | مولانا محمد عمر | محمد یحییٰ

ان کے مختصر حالات بیان کیے جا رہے ہیں:

---

۱ رحمن علی: تذکرہ علمائے ہند (فارسی) ۱۷۶ (ڈاکٹر محمد ایوب قادری نے اس کا ترجمہ کرتے ہوئے ۳ شوال نقل کی ص ۳۹۷)

۲ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ۷ / ۳۹۸

۳ ریاض الانوار ۱ / ۱۳

۴ محمد ادریس نگرامی: تذکرہ علمائے حال، ص ۸۴

۵ آثار الصنادید ۲ / ۹۳

۶ واقعات دار الحکومت دہلی ۲ / ۱۹۳

۱۔ مفتی حافظ محمد یعقوب

مفتی محمد یعقوب اپنے والد کی مسجد واقع قاضی حوض میں درس و تدریس و فتویٰ نویسی اور ہر جمعہ کو وعظ کرتے تھے، انہیں جزئیات پر بڑا عبور تھا، گویا اپنے بزرگ والد کے یہی پہلے جانشین تھے، اس عہد کی کتب فقہ و فتاوی پر ان کے دستخط ملتے ہیں جن سے ان کی عظمت اور علمی تبحر کا اندازہ ہوتا ہے۔[1]

مولانا محمد منصور علی مراد آبادی (ف ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۸ء) نے ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء میں کتاب فتح المبین (رد ظفر المبین مؤلفہ غلام محی الدین) تقلید کے اثبات میں لکھی تو اس پر جن علماء کے دستخط کروائے ان میں مفتی محمد یعقوب بھی شامل ہیں۔[2]

اسی طرح میلاد کے اثبات میں مولوی عبدالسمیع بیدل نے انوار ساطعہ دربیان مولود و فاتحہ ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۴ء میں تالیف کی تو مولوی محمد یعقوب سے تصدیقی تقریظ لکھوائی اور ان کے نام سے پہلے بڑے طویل القاب لکھے، پہلی تقریظ مولانا ابو محمد عبدالحق حقانی (صاحبِ تفسیر حقانی) کی ہے۔[3]

مولانا حقانی مذکور نے میاں ابو المنصور جوداپوری کی تکفیر میں فتوی مرتب کر کے تفسیر حقانی کے مقدمہ کے ساتھ بطور ضمیمہ شامل کیا تو مولوی محمد یعقوب سے بھی اس پر اثبات کروایا۔[4]

دہلی کے مشہور عالم اور صوفی اخوند عبدالعزیز کا ۱۰ محرم ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء کو دہلی میں وصال ہوا تو ان کی نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت بھی مفتی محمد یعقوب کو ملی۔[5] حضرت شاہ ابو الخیر مجددی دہلوی (ف ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۳ء) مشہور عالم اور شیخ طریقت تھے اور کسی کی علمیت اور تقوی پر بڑی مشکل سے اعتماد کرتے تھے، ایک مرتبہ دہلی میں عید کے چاند پر اختلاف ہوا تو اہل دہلی آپ کی خدمت میں آئے تو آپ نے فرمایا کہ مولوی محمد یعقوب سے

---

[1] محمد امان الرحمٰن: وصال الجمیل ص ۳

[2] محمد منصور علی مراد آبادی: فتح المبین ص ۲۵۴

[3] انوار ساطعہ، میرٹھ ۱۳۰۶ھ ص ۳۱

[4] حقانی: مقدمہ تفسیر حقانی (ص ۵ ضمیمہ)

[5] محمد عمر سراج الحق: ریاض الانوار، ص ۲۵۳

دریافت کر لو اور ان کے قول پر عمل کرو[1]، مولوی محمد یعقوب کا دہلی میں ۹ ربیع الاول ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء کو انتقال ہوا[2]۔

مولوی محمد یعقوب کی کسی تالیف کا ہمیں تا حال علم نہیں ہے۔

۲۔ مولوی محمد یوسف دہلوی

یہ بھی مفتی کریم اللہ کے فرزند گرامی تھے، کتب فقہ و فتاویٰ پر اس نام کے کئی اصحاب کے دستخط ملتے ہیں لیکن ہمارے پاس اس وقت تک اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ انؒ سے مراد کون محمد یوسف ہیں؟ البتہ ۲۴ ربیع الاول ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء جب مشکوۃ المصابیح مطبع مجتبائی میرٹھ سے طبع ہوئی تو مولوی محمد یوسف بن مفتی محمد کریم اللہ کے ایما پر اس پر حواشی عربی زبان میں لکھے گئے اور خاتمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کی تصحیح کے لیے بھی کوشش کی، یہ حواشی زیادہ تر حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی شرح مشکوٰۃ سے ماخوذ ہیں، اس کی ابتدائی دو جلدیں ہماری نظر سے گذری ہیں۔

۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء کو مفتی کریم اللہ نے اپنے تفسیری مواعظ مفتاح النصیحۃ کے نام سے اپنے انہی فرزند محمد یوسف کی درخواست پر جمع کیے تھے[3]۔

۳۔ مولوی محمد عمر دہلویؒ

آپ بھی مفتی کریم اللہ کے بیٹے اور ذی علم بزرگ تھے، ان کی ولادت ۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۱ء کو ہوئی، اپنے والد بزرگوار سے جملہ علوم کی تحصیل کی، اور افادۂ طلبہ میں مصروف ہوگئے[4]۔

۱۳۰۰ھ میں کتاب فتح المبین مذکور تالیف ہوئی تو اس پر جن اکابر علمائے دہلی نے اثباتی دستخط کر کے مہر لگائی ان میں مولوی محمد عمر بھی شامل ہیں ان کی مہر کا سجع ہے "خوشا جانباز محمد عمر" ۱۲۹۱ھ، مہر کے نیچے انہوں نے

---

۱ زید ابو الحسن فاروقی: مقامات خیر ۲۹۳

۲ وصال الجمیل ۱۳

۳ کریم اللہ مفتی: مفتاح النصیحہ ص ۱۰۲

۴ محمد ادریس نگرامی: تذکرہ علمائے حال ۸۳

ابن کریم اللہ بھی لکھا ہے[1]۔ مشہور محدث مولانا وصی احمد حنفی سورتی (ف) نے ایک فتویٰ کہ غیر مقلدین اہل سنت سے خارج ہیں، ان کے ساتھ مجالست اور ان کی اقتداء میں نماز جائز نہیں ہے، لکھا تو مولوی محمد عمر نے اس فتویٰ پر اپنی مہر ثبت کرتے ہوئے لکھا کہ "اگر ایسے شخص کے مسجد میں آنے سے فتنہ و فساد ہوتا ہے تو انسداد و فتنہ کے لیے مسجد میں آنے سے منع کرنا بہتر ہے، اس پر وہی مذکور سجع والی مہر لگائی گئی ہے"[2]۔

۴۔ مولوی محمد یحییٰ

مفتی کریم اللہ نے اپنے تفسیری مواعظ مفتاح النصیحۃ کے نام سے اپنے انہی فرزند محمد یحییٰ کی درخواست پر ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء کو جمع کیے[3]۔

اس کے علاوہ ہمیں مولوی محمد یحییٰ کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ہیں۔

ایک بزرگ مولانا عبد الغفار (قاضی حوض والے) مولانا شاہ ابو الخیر مجددی کے وصال ۱۹۲۳ء کو آپ کی جانشینی کی تقریب میں شرکت کے لیے خانقاہ شریف آئے تھے، حضرت ابو الحسن زید نے آپ کی مفصل سوانح میں اس تقریب کے شرکاء کی فہرست دی ہے[4] لیکن قاضی حوض سے آنے والے مولانا عبد الغفار کے نام کے ساتھ صراحت نہیں فرمائی کہ آیا یہ مفتی کریم اللہ کے فرزند تھے؟ ممکن ہے کہ یہ بھی مفتی صاحب کے فرزند ہوں۔

تلامذہ

کسی تذکرہ میں مفتی کریم اللہ کے تلامذہ کی فہرست موجود نہیں ہے، معاصرین خصوصاً سر سید احمد خان نے لکھا ہے کہ مفتی صاحب بیشتر اوقات تدریسی طلبہ شائق میں مصروف رہتے ہیں[5]۔ نوے سال کی عمر پانے والے مدرس نے یقیناً نصف صدی تک تو درس و تدریس کی خدمت انجام دی ہوگی اور اس کے لاتعداد شاگرد ہوں گے، ہمیں مختلف کتب میں صرف ان چند تلامذہ کا ذکر مل سکا ہے:

---

۱ فتح المبین ۲۵۲

۲ وصی احمد سورتی: جامع الشواہد فی اخراج الوہابین عن المساجد ص ۲، محمود محمدی سٹیم پریس، لاہور

۳ کریم اللہ، مفتی: مفتاح النصیحہ ورق ۲۔ الف

۴ زید، ابو الحسن فاروقی: مقامات خیر ۶۳

۵ آثار الصنادید ۹۳/۲

اخوند عبد العزیز دہلوی،

اخوند عبد العزیز بن مولانا حکیم الٰہی بخش، اکابر مشائخ میں سے تھے، اور شاہ محمد غوث شہید قادری کے خلیفہ تھے، اخوند صاحب مفتی کریم اللہ کے شاگرد خاص تھے۔ اخوند صاحب کا وصال ۱۰ محرم ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء کو دہلی میں ہوا، درگاہِ خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے قریب آپ کا مزار ہے[1]۔ اُن کے بعد ان کے بھتیجے اخوند محمد عمر سراج الحق جانشین ہوئے، جنہوں نے اخوند عبد العزیز کے حالات پر دو جلدوں میں بزبان اُردو ایک کتاب ریاض الانوار لکھی تھی[2]۔

مولانا فرید الدین

مولانا محمد فرید الدین دہلوی نے مفتی کریم اللہ کے علاوہ شیخ شیر محمد قندھاری سے بھی پڑھا اور حدیث پاک حاج محمد قاسم دہلوی کی خدمت میں رہ کر پڑھی۔ اس کے علاوہ اخوند عبد العزیز دہلوی سے سلوک کی تعلیم بھی لی اور ایک عرصہ تک ان کی خدمت میں رہے۔

مولانا محمد فرید الدین وعظ و تذکیر میں خوب دسترس رکھتے تھے، اخوند صاحب سے قریبی رشتہ داری تھی[3] ان کی تالیفات میں سے السیف المسلول علی من انکر اثر قدم الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ۱۸۵۰ء میں شائع ہوئی تھی یہ کتاب اُردو نثر میں ہے۔ اور دہلی میں مقام قدم شریف کے صحیح ہونے اور اس کی برکات کے بارے میں ہے یہ رسالہ دراصل مولانا سیّد نذیر حسین دہلوی کے رسالہ "دلیل محکم فی نفی اثر القدم" کے رد میں ہے[4]۔

مولانا فرید الدین دہلوی نے ۱۸۵۷ء کو جہاد قرار دیتے ہوئے اس کے حق میں فتویٰ پر دستخط کیے تھے[5]، انہیں انگریزوں نے ۷ صفر روز شنبہ عصر اور ظہر کے مابین ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء کو گولی مار کر شہید کر دیا تھا[6]۔

۱　بشیر الدین احمد: واقعات دار الحکومت دہلی ۲/۵۲۶

۲　مطبوعہ نصرت المطابع، دہلی، ۱۳۰۲۔۱۳۰۵ھ

۳　عبد الحی حسنی: نزہۃ الخواطر ۷/ ۳۷۱

۴　فرید الدین: السیف المسلول ص ۵۔۲

۵　خلیق صدیقی: ۱۸۵۷ء اور اخبارات و تحریرات

۶　محمد عمر: ریاض الانوار ۱/ ۸۹ معروف شاعر غلام رسول مہر نے قطعہ تاریخ شہادت کہا تھا جو ریاض الانوار کے حاشیہ پر طبع ہوا ہے۔

تعجب ہے کہ مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی نے جب وہ اپنے سفر دہلی کے دوران اخوند محمد عمر سے ملنے گئے تو محض لوگوں سے یہ سن کر مولانا فرید الدین حافظ اکرام الدین وعظ مصنف تفسیر سورۂ فاتحہ[1] کے فرزند ہیں کیونکر لکھ دیا؟ جب کہ حافظ اکرام الدین کا رجحان تقویت الایمان اور اس کے موقف کی طرف تھا[2]، حالانکہ انہوں اپنی دوسری کتاب نزہۃ الخواطر میں ایسا نہیں لکھا۔

اخوند محمد عمر

اخوند محمد عمر ملقب بہ سراج الحق بن مولانا فرید الدین دہلوی، ایک جید عالم، صوفی اور اخوند عبدالعزیز مذکور کے خلیفہ و جانشین تھے، ولادت دہلی میں ۱۹ شعبان ۱۲۷۱ھ / ۱۸۵۵ء میں ہوئی، مفتی کریم اللہ، حافظ غلام رسول ویران، مولوی قدرت اللہ ولایتی، مولوی عبدالصمد بنگالی، مولوی بخش اللہ گورکھپوری، مولوی علم اللہ خان، مولوی محمد یعقوب اور مولانا عبدالحق حقانی سے تعلیم حاصل کی۔ مولانا عبدالصمد مبارکپوری خلیفہ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی سے بھی خلافت ملی تھی[3]۔

اخوند محمد عمر نے اپنے شیخ کے احوال پر "ریاض الانوار" لکھی اس کے علاوہ الاستشفاع والتوسل بآثار الصالحین والرسل (قدم شریف دہلی کی برکات پر)، فائض الانوار، احسن البضاعۃ فی اثبات النوافل بالجماعۃ بھی لکھیں[4]، ان میں سے اول الذکر دو کتب اُردو میں ہیں اور طبع ہو چکی ہیں۔

اخوند محمد عمر کا ۱۱ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ / ۲۴ دسمبر ۱۹۱۷ء میں رات کو دہلی میں وصال ہوا، انہوں نے اسی روز جب حضرت شاہ ابوالخیر مجددی دہلوی ان کی عیادت کے لیے فراش خانہ گئے تھے سے درخواست کی تھی کہ میری نماز جنازہ آپ پڑھائیں، چنانچہ شاہ صاحب نے صبح آپ کی نماز جنازہ پڑھائی[5]۔

---

1. عبدالحی حسنی: دلی اور اس کے اطراف ۱۳۱
2. محمد ایوب قادری: اردو نثر کے ارتقا میں علماء کا حصہ ۱۸۱۔۱۹۰
3. محمد ادریس نگرامی: تذکرہ علمائے حال ۹۵
4. محمد عبدالکریم قادری: عمدۃ الصحائف فی حال اہل الکشف والمعارف ص ۳۲۲
5. زید ابوالحسن فاروقی: مقامات خیر ۲۹۸۔۳۰۰

دیوان نجابت علی

دیوان صاحب ٹھسکہ میراں بھیکھ (خواجہ محمد سعید) کے رہنے والے تھے اور دہلی آکر مفتی کریم اللہ کی خدمت میں تحصیل علم کے لیے رہتے تھے[1]، مزید حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

شیخ طریقت

مفتی کریم اللہ، مارہرہ کے معروف شیخ طریقت حضرت شاہ آل احمد اچھے میاں (۱۱۶۰۔۱۲۳۵ھ /) سے ارادت و خلافت رکھتے تھے[2]۔ جو قادری مشائخ میں سے تھے اور معروف شاہ حمزہ مارہروی کے خلیفہ تھے اور باقی شجرہ اس طرح سیّد آل محمد، شاہ برکت اللہ، شاہ فضل اللہ، میر سیّد محمد، مخدوم جمال اولیاء، شیخ ضیاء الدین معروف بہ قاضی جیا، شیخ محمد بھکاری، میر سیّد ابراہیم ایرجی، شیخ بہاء الدین، میر سیّد احمد جیلانی، میر سیّد حسن، میر سیّد موسیٰ، میر سیّد علی، میر سیّد محی الدین ابی نصر، میر سیّد ابو صالح، میر سیّد عبدالرزاق، حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی[3]۔

مفتی کریم اللہ تحصیل علم کے دوران اور پھر بعد میں مارہرہ حاضر ہو کر فیض یاب ہوئے تھے، لیکن انہیں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے باعث روحانی مشاغل کے لیے وقت نہیں ملتا تھا لیکن تھے بڑے مرتاض بزرگ، بہت سے اصحاب نے ان سے روحانی فیض بھی پایا ہوگا، افسوس کہ تذکروں میں ان کے مریدین کا ذکر بالکل نہیں ملتا۔

تالیفات

مفتی کریم اللہ کثیر التصانیف عالم تھے، لیکن ہمیں ان کی صرف چند کتب کے نام ملے ہیں، مفتی صاحب کا زمانہ بڑا آشوب تھا، ان کے مستقر دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا، علماء کو چن چن کر مارا جا رہا تھا، بہت سے اکابر ہجرت کر گئے، روپوش ہو گئے اور باقی شہید کر دیئے گئے، ان حالات میں بھی مفتی کریم اللہ نے اپنے آپ کو اور اپنی

---

۱ محمد حمزہ: ریاض الانوار/ ۳۱

۲ تذکرہ علمائے ہند ۳۹۷، خزینۃ الاصفیاء ۲/ ۲۹۸

۳ ریاض الانوار/ ۲۹۰۔۲۹۱

اولا کو فکری اعتبار سے قائم رکھا اور اختلافی مسائل کے اس آندھی اور طوفان کے دور میں بھی آپ راسخ العقیدہ سنی مسلمان کی حیثیت سے اپنے نظریاتی وجود کو منواتے رہے۔

وہابیوں، غیر مقلدین، روافض اور ملاحدہ کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ میں نے نہایت کرب اور بے بسی کے عالم میں تیس دنوں میں یہ کتاب لکھی ہے اور طلبہ کو پڑھا رہا ہوں، فرماتے ہیں:

''یقول تراب الاقدام محمد کریم اللہ شاہ جہان آبادی بن لطف اللہ۔۔۔۔

الفت من الکتب فی مدۃ ثلاثین یوم بعون اللہ تعالیٰ و حسن توفیقہ فی غایۃ الکرب والمشقد مع انہ کان یعلم اطفالاً فی اقتصرت علی انہ''۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تاہم آپ کی جس قدر کتابوں کا سراغ مل سکا ہے ان کا مختصر سا تعارف کروایا جارہا ہے:

تحقیق الحق

مایۃ المسائل شاہ محمد اسحٰق دہلوی (ف ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۵ء) کی تالیف ہے، جس میں آپ کے شاگردوں نے بھی آمیزش کی ہے اور انہیں نظریاتی اعتبار سے حنفی کی بجائے کچھ اور بنانے کی کوشش کی ہے [۲]، تاہم شاہ صاحب کی ہجرت حرمین الشریفین (۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء) سے قبل یہ رسالہ علماء کے مابین متنازعہ بن چکا تھا، چنانچہ ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء سے پہلے مفتی کریم اللہ دہلوی نے اس رسالہ کا رد تحقیق الحق فی جواب مایۃ المسائل لمولوی اسحٰق کے نام سے لکھا، گویا انہیں اس امر کا یقین تھا کہ رسالہ مایۃ المسائل شاہ اسحٰق ہی کی تالیف ہے، مفتی صاحب نے یہ کتاب مفتاح النصیبہ (تالیف ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء) سے پہلے لکھی تھی [۳]، اس کے کسی خطی نسخے کا ہمیں تاحال علم نہیں ہے۔

---

۱ مفتاح النصیبہ ورق ۷۰ ب

۲ برکاتی، محمود احمد: حیات شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی، ۳۰۔۳۳

۳ مفتاح ۱۰۶ ب، ۱۱۸ ب، ۱۰۸، ۱۰۹ ب

احقاق الحق

اس کتاب میں مفتی صاحب نے وہابیوں کا رد کیا ہے اور اپنی کتاب مفتاح النصیحہ میں اس کا ذکر اس طرح کیا ہے:

من احقاق الحق المعروف بالرام الشیاطین من تالیفات هذا العبد المسیٰ به محمد کریم الله باب چهارم در اعتراضاق ارباب قاعده مشجره ایں فریق۔۔۔۔۔۔ چنانکه در جواب چهل و هشتم مایة المسائل تصریح بایں طوری۔۔ نموده[1]۔۔۔۔۔

گویا اس میں رد وہابیہ کے علاوہ شاہ محمد اسحٰق کے رسالہ مایۃ المسائل کے مسئلہ ۴۸ سے بھی اختلاف کیا گیا ہے، مفتی صاحب کے اس رسالہ کے وجود سے ہم بے خبر ہیں۔

رسالہ رد بدعۃ

مفتی صاحب نے یہ رسالہ بھی ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء سے پہلے تالیف کیا تھا[2]۔

فضیحۃ الوہابیین

مولف نے یہ کتاب بھی ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء سے پہلے رد وہابیہ میں لکھی تھی اپنی کتاب مفتاح النصیحہ میں اس کا ذکر کرتے ہوئے یوں لکھا ہے:

"فی فضیحۃ الوہابین الہندی للمولف اعنی محمد کریم اللہ"[3]۔۔۔۔۔"

فضیحۃ الوہابین فی اختلاف الوہابیہ لاہل السنۃ فی عدہ مسائل فی لسان الہندیہ"

گویا مولف نے یہاں واضح کر دیا ہے کہ انہوں نے یہ کتاب ہندی یعنی اُردو میں لکھی ہے[4]۔

---

1 ایضاً ورق ۱۱۴-۱۱۵ ب

۲ مفتاح النصیحہ ۱۲۱-۱۱۵ ب

۳ ایضاً ۱۳۵ ب

۴ ایضاً ۲۷۰ ب

زُبدۃ البیان فی تفسیر القرآن (فارسی نثر)

زبدۃ البیان مفتی صاحب کی ضخیم تالیف ہے جو دو جلدوں میں ہے اس کی جلد دوم کا قلمی نسخہ رضا لائبریری، رام پور میں ہے جس کے اوراق ۵۶۸ ہیں[1]۔ خود موٴلف نے لکھا ہے کہ اس کا نسخہ ستر اجزاء میں ہے اور یہ ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء سے پہلے تالیف ہو چکی تھی[2]۔ اسے تفسیر کری بھی کہا جاتا ہے[3]۔

زبدۃ الوعظ

یہ الحمد اور سورۂ بقرہ کی پانچ آیات کی تفسیر ہے۔ جو دو جلدوں میں ہے، پہلی جلد کے پچاس اور دوسری کے ساٹھ اجزاء ہیں[4]۔ یہ بھی مفتاح النصیحۃ سے پہلے تالیف ہو چکی تھی۔

جامع الکتاب فی تفسیر الفرقان۔ یہ تفسیر بھی مفتی صاحب نے مفتاح کی تالیف سے پہلے لکھ لی تھی[5]۔

نقلیات السلف من الاولیاء

اس کا نام نقل المجالس بھی ہے، جو ساٹھ اجزاء کے برابر ہے[6] یہ بھی مفتاح سے پہلے مرتب ہو چکی تھی۔ اس کے کسی نسخے کے وجود کا علم نہیں ہے۔

مفتاح النصیحۃ فی دفع کیود النفسیہ

یہ دراصل مفتی صاحب کے مواعظ کا مجموعہ ہے جو انہوں نے اپنے فرزندوں محمد یوسف اور محمد یحییٰ کے اصرار پر جمع و مرتب کیا، انہوں نے مختلف دینی اور اخلاقی کتب سے نقل کر کے عوام کی اصلاح کے لیے مرتب کیا،

---

۱ فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی، کتابخانہ رضا، رام پور، ۱/ ۳۰

۲ کریم اللہ: مفتاح النصیحہ

۳ فہرست مذکور ۲/ ۳۰

۴ مفتاح ۷۰ ب

۵ ایضاً ورق ۱۰۰

۶ ایضاً ۷۰ ب

خود وضاحت فرماتے ہیں:

------ امابعد فیقول الراجی رحمة اللّٰہ محمد کریم اللّٰہ بن لطف اللّٰہ اقال اللّٰہ عثر من طفیل رسول اللّٰہ ------ وینقل فیه اقوال المفسرین و المجتھدین و اھل الریاضیات. لیکن طلب منی ھذا الامر الصیحت قرۃ عینی فوادی و ثمرتی محمد یوسف و محمد یحییٰ--- فاحببتُ لھما سنه الف و مایتین و سبعه وخمسین فی سلطنت بھادر شاہ الثانی من ھجرۃ نبی المختار علی صاحبھا الف التحیة ----- وسمیت ھذا المنتخب مفتاح النصیحه فی دفع کیود النفسیه---

گویا یہ کتاب ۱۲۵۷ھ / ۱۸۴۱ء کو مرتب ہوئی تھی۔

مفتی صاحب کی یہ کتاب وعظ و نصیحت کے موضوع پر ہے، لیکن اس میں بے شمار مسائل زیر بحث آئے ہیں، ابتداء میں قرآن مجید کی بعض سورتوں کی تفسیر بھی ہے، مرتب نے اسے مختلف مجالس وعظ کے موضوعات کے عنوان دے کر مجالس کی صورت میں ترتیب دیا ہے۔ آخری مجلس فضائل صحابہ کبار پر ہے اس میں تبرکات اور قدم شریف پر بھی لکھا گیا ہے۔ اس کے کل ۲۷۰ ورق ہیں، پیش نظر خطی نسخہ حضرت مولف کا خود نوشتہ ہے جس کے کئی اوراق پر موکف کی مہر "بگو بلطف محمد کریم اللہ ۱۲۷۲ھ" ثبت ہے، پہلے خالی ورق پر بھی موکف نے اپنے قلم سے لکھا ہے "تالیف و نوشت محمد کریم اللہ ولد لطف اللہ" یہاں مہر میں بلطف اشارہ ہے اپنے والد گرامی کے نام کی طرف یہ نادر الوجود خطی نسخہ جناب خلیل الرحمٰن داؤدی مرحوم کے کتب خانہ میں ہے۔ جس میں سے یہ چند یادداشتیں مرحوم کے حین حیات مرتب کی گئی تھیں۔

رسائل

مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ میں نے بہت سے رسائل تالیف کیے تھے، جن میں سے بعض کے اسماء بھی انہوں نے لکھے ہیں، جو یہ ہیں:

۱۔ اثبات الاعرال فی جواب انکار ایصال الثواب، لمولوی اسماعیل

۲۔ الصمصام فی جواب انکار تعین الیوم لمولوی اسحاق

۳۔ رد الحرمۃ لاہل البدعۃ فی اثبات---- کلمۃ التوحید بعد الصلوۃ لانکار فرق الوہابیہ

۴۔ احقاق الحق فی لزوم انکار الشریعۃ للوہابیہ

۵۔ اثابت الحواس للروح ولمی الارواح للیسر

۶۔ الفوائد الکاملہ فی شہادۃ طعۃ القاطمہ

۷۔ فوائد الوافرہ فی شہادہ علی والحسن الذی مرقدہ الفاطمہ

۸۔ حق الصریح فی رد الروضہ ومثبت الضریح فی جواب ولد مولوی دلدار علی مجتہد الذی امر بہ بناء الروضہ والضریح۔۔۔

ان تمام رسائل کا مفتی صاحب نے اپنی کتاب مفتاح النصیحہ میں ذکر کیا ہے جو ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء میں مرتب کی ہے گویا یہ رسائل مذکورہ سنہ سے پہلے آپ تالیف کر چکے تھے۔ ان میں سے رسائل تحقیق الحق اور فضیحۃ الوہابین کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

برہان محکم

مفتی صاحب نے مولانا نذیر حسین دہلوی کے رسالہ دلیل المحکم فی نفی اثر القدم کے رد میں ایک کتاب برہان محکم علی خذلان من نفی اثر القدم لکھی اور اس کی اشاعت میں سعی بلیغ کی، یہ رسالہ مفتی صاحب نے دہلی میں مقام قدم شریف یعنی نقش پائے مبارک نبی کریم ﷺ کی برکات کے اثبات میں لکھا تھا۔[1] مفتی صاحب کا یہ رسالہ مطبع دار السلام، دہلی سے ۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۰ء کو طبع ہوا۔[2]

ہادی المضلین

مفتی صاحب نے یہ کتاب تقویت الایمان کے رد میں لکھی تھی[3]۔ انہوں نے اپنے مواعظ مرتبہ ۱۲۵۷ھ / ۱۸۴۰ء میں اس کا حوالہ نہیں دیا جبکہ شاہ اسماعیل دہلوی کے خلاف اپنے کئی رسائل کا ذکر کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کتاب ہادی المضلین ۱۲۵۷ھ کے بعد تالیف ہوئی تھی۔

محمد عمر سراج الحق: الاستفتاء من صمد یاض الانوار ا / ۲۰۲

رسائل فضل رسول بدایونی، حاشیہ اسید الحق عاصم قادری ص ۱۵۲

فضل احمد لدھیانوی: انوار آفتاب صداقت ا / ۲۳۱، حاشیہ اسید الحق عاصم قادری ص ۱۵۲ بر رسائل فضل رسول بدایونی

مآخذ

۱۔ احمد بن حمید: حیرت الفقہ، لاہور، ۱۳۲۵ھ

۲۔ برکت علی، منشی: مراۃ الحقائق (احوال شیخ عبد الحق محدث دہلوی)، رام پور، ۱۳۲۲ھ

۳۔ بشیر الدین احمد: واقعات دار الحکومت دہلی، دہلی، ۱۹۹۰ء

۴۔ برکاتی، محمود احمد: حیاتِ شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی، دہلی، ۱۹۹۲ء

۵۔ بیدل، عبد السمیع انصاری: انوار ساطعہ در بیان مولود وفاتحہ، میرٹھ، ۱۳۰۷ھ

۶۔ تنبیہ الضالین وہدایت الصالحین (رد غیر مقلدین، فتویٰ علماء) دہلی، سیّد الاخبار، ۱۲۶۲ھ

۷۔ حالی، الطاف حسین: حیات جاوید، کانپور، ۱۹۰۱ء

۸۔ حقانی، عبد الحق: عقائد الاسلام، کراچی (س۔ن)

۹۔ ایضاً: مقدمہ تفسیر حقانی، دہلی، ۱۳۰۵ھ

۱۰۔ رحمٰن علی: تذکرہ علمائے ہند (فارسی) لکھنو، ۱۹۱۴ء، اُردو ترجمہ وحواشی محمد ایوب قادری، کراچی، ۱۹۶۱ء

۱۱۔ زید، ابو الحسن فاروقی: مقاماتِ خیر، دہلی، ۱۳۹۲ھ

۱۲۔ سر سید احمد خان: آثار الصنادید مرتبہ خلیق انجم، دہلی، ۱۹۹۰ء

۱۳۔ عبد الحی حسنی: نزہتہ الخواطر، حیدر آباد، دکن، ۱۹۵۹ء

۱۴۔ ایضاً: الثقافۃ الاسلامیہ فی الھند، دمشق، ۱۹۸۳ء

۱۵۔ ایضاً: دہلی اور اس کے اطراف مرتبہ صادقہ ذکی، دہلی، ۱۹۸۸ء

۱۶۔ عبد الکریم قادری: عمدۃ الصحائف فی حال اہل الکشف والمعارف، الہ آباد، ۱۳۱۲ھ

۱۷۔ عبد العزیز محدث، شاہ: فضائل صحابہ واہل بیت مرتبہ محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۶۷ء

۱۸۔ عتیق صدیقی: ۱۸۵۷ء، اخبارات دستاویزات، دہلی ۱۹۶۵ء

۱۹۔ عزیز الدین مراد آبادی: اکمل البیان فی تائید تقویت الایمان، لاہور، ۱۹۹۸ء

۲۰۔ فضل احمد لدھیانوی: انوار آفتاب صداقت، لاہور، ۱۹۲۰ء

۲۱۔ فضل حق خیر آبادی: تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ مرتبہ محمد عبدالحکم شرف قادری، سرگودھا، ۱۹۷۹ء

۲۲۔ فرید الدین دہلوی: السیف المسلول علی من انکر اثر قدم الرسولؐ، دہلی، ۱۸۵۰ء

۲۳۔ فہرست نسخہ ہائی خطی فارسی کتابخانہ رضا رام پور، رام پور، ۱۹۹۶ء

- فضل رسول بدایونی: مجموعہ رسائل فضل رسول ترجمہ و حواشی اسید الحق محمد عاصم قادری، کراچی ۲۰۱۰ء

۲۴۔ قطب الدین خان، نواب: تحفۃ العرب والعجم، دہلی، ۱۲۸۵ھ

۲۵۔ ایضاً: تنویر الحق، آگرہ، ۱۲۷۹ھ

۲۶۔ ایضاً: توفیر الحق، آگرہ، ۱۲۸۰ھ

۲۷۔ کریم اللہ، مفتی: مفتاح النصیحہ، خطی، بخط مؤلف، مملوکہ جناب خلیل الرحمٰن، داؤدی، لاہور

۲۸۔ مالک رام: تلامذۂ غالب، دہلی

۲۹۔ محمد عمر، سراج الحق، اخوند: ریاض الانوار، دہلی، ۱۳۰۲۔۱۳۰۵ھ

۳۰۔ ایضاً: الاستشفاع والتوسل بآثار الصالحین و سیّد الرسل، دہلی، ۱۳۱۹ھ

۳۱۔ محمد ایوب قادری: جنگ آزادی ۱۸۵۷ء (واقعات و شخصیات) کراچی، ۱۹۷۶ء

ایضاً: اُردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ، لاہور، ۱۹۸۸ء

۳۲۔ محمد مظہر مجددی: مناقب احمدیہ و مقامات السعیدیہ، دہلی، ۱۲۸۴ھ

۳۳۔ ایضاً: رشحات عنبریہ مرتبہ محمد اقبال مجددی، شرقپور

۳۴۔ محمد، سید: طعن الرماح (رد تحفہ اثناء عشریہ) نوشتہ بسال ۱۲۳۸ھ، لکھنؤ ۱۸۵۳ء

۳۵۔ محمد عبید اللہ / محمد حسین فقیر: رسالہ اظہار الحلال والحرام، کانپور، ۱۲۷۲ھ

۳۶۔ محمد ادریس نگرامی: تذکرہ علمائے حال، لکھنؤ، ۱۸۹۷ء

۳۷۔ محمد امان الرحمٰن: وصال الجمیل، دہلی، ۱۳۴۳ھ

۳۸۔ محمد منصور علی مراد آبادی: فتح المبین (بجواب ظفر المبین) لکھنؤ، ۱۳۰۰ھ

۳۹۔ نساخ، عبدالغفور، گنج تواریخ، لکھنؤ، مطبع نولکشور، ۱۲۹۱ھ

۴۰۔ نظامی، خلیق احمد: حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی، دہلی، ۱۹۵۴ء
۴۱۔ وصی احمد سورتی: جامع الشواہد فی اخراج الوہابیین عن المساجد، لاہور، (س۔ن)
۴۲۔ صدر الدین آزردہ: فصل الخطاب مرتبہ محمد ہاشم علی، میرٹھ
۴۳۔ صدیق حسن خان، نواب: ابقاالمنن بلقاالمحن، بھوپال
۴۴۔ اشتیاق احمد اعظمی: اودھ میں افتاء کے مراکز اور ان کی خدمات، مونا تھ یوپی ۲۰۰۹ء
۴۵۔ فضل حسین: الحیاۃ بعد المماۃ، آگرہ، ۱۹۰۸ء

۱۰ رمئی ۲۰۱۲ء

(تذکرہ حاضر کے لیے خصوصیت سے لکھا گیا)

مولانا ابو الفضل محمد اسحاق اسلام آبادی (شارح سبعہ معلقات)

مولوی ابو الفضل اسلام آبادی انیسویں صدی عیسوی کے ایک عالم اور مترجم تھے۔

مولوی ابو الفضل کے اجداد خصوصاً ان کے والد مولانا غلام الرحمٰن نظام پوری، بنگال کے ایک قصبہ اسلام آباد کے مشہور عالم تھے، مدرسہ عالیہ کلکتہ کے مدرسین میں شامل تھے۔

عربی ادب کی مشہور کتاب قصائدِ سبعہ معلقات کے پہلے چار قصائد کی شرح فارسی نثر میں لکھی، اس شرح پر شمس العلماء مولانا میر محمد نے نظر ثانی کی۔

یہ شرح دراصل بنگال کے عربی طلبہ کے لیے لکھی گئی اور ان میں بہت مقبول ہوئی تھی، اس میں طلبہ کی آسانی کے لیے خاص اہتمام کیا گیا ہے۔

یہ شرح مطبع مجیدی کانپور سے چھپی تھی، کل ۱۷۲ صفحات ہیں۔

ماخذ

۱۔ حبیب الرحمٰن، حکیم: ثلاثہ غسالہ، تحقیق وتعلیق عارف نوشاہی، لاہور، ۱۹۹۵ء

۲۔ عبد الستار: تاریخ مدرسہ عالیہ (۱۷۸۱۔۱۹۵۹ء) ڈھاکہ، ۱۹۵۹ء

۱۱ مئی ۲۰۱۱ء

برائے دانشنامہ ادبیات فارسی، شبہ قارہ

مولانا وکیل احمد سکندرپوری

مولانا وکیل احمد سکندرپوری تیرہویں صدی ہجری / انیسویں صدی عیسوی کے نامور عالم، صوفی، مؤلف کتب کثیرہ اور شاعر تھے۔

مولانا وکیل احمد کی ولادت ۹ ذی الحج ۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء کو موضع دلپت پور ضلع سارن میں ہوئی 'جو ان دنوں اتر پردیش کے مشرقی اضلاع کے سرحدی ضلع بلیلا کا ایک قصبہ ہے ۶۴ سال کی عمر میں ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء کو حیدر آباد، دکن میں انتقال ہوا 'وہیں آسودۂ خاک ہیں۔

مولانا سکندرپوری نسباً فاروقی تھے، آپ کے اجداد میں سے شیخ مبارک عدنی چشتی فاروقی (ف ۱۰۱۶ھ) نے ہندوستان آکر قصبہ سکندرپور میں قیام فرمایا وہیں آباد ہو گئے، ان کی ساری اولاد نے وہیں بود و باش اختیار کر لی، مولانا وکیل احمد نے یہیں سکندرپور میں پرورش پائی ابتدائی تعلیم اپنے برادر بزرگ مولوی ولی الحسنین سے حاصل کی، ۱۲ سال کی عمر میں جونپور چلے گئے جہاں خانقاہ رشیدیہ کے سجادہ نشین شاہ غلام معین الدین[۲] (ف ۱۳۰۷ھ / ۱۸۹۰ء)، اس کے بعد مولانا محمد عبدالعلیم آسی[۳] (۱۲۵۰-۱۳۳۵ھ / ۱۸۳۴ء-۱۹۱۶ء) سے جو مولانا وکیل احمد کے چچازاد بھائی بھی تھے، جونپور ہی کے مدرسہ منشی محمد امام بخش میں داخل ہوئے جہاں کے صدر مدرس مشور عالم دین مولانا محمد عبدالحلیم فرنگی محلی (ف ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء) کی خدمت میں درس نظامیہ کی بعمر ۱۹ سال تکمیل کی، مولانا عبدالحلیم مذکور نے اپنے اس ہونہار متعلم کے لیے ملا جیون امیٹھوی (ف ۱۱۳۰ھ / ۱۷۱۷ء) کی اصول فقہ پر

---

۱ محمد ادریس نگرامی: تذکرہ علمائے حال، ۷۸؛ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ۸/ ۵۱۶

۲ نزہۃ الخواطر ۸/ ۵۱۸، امیر احمد فاروقی: مولانا وکیل احمد سکندرپوری، مقالہ مشمولہ بصائر، کراچی، جنوری ۱۹۶۷ء، ص ۶۵

۳ شاہ غلام معین الدین کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو: [illegible] ۱۶۳-۱۳۵

۴ مولانا عبدالعلیم آسی کے حالات کے لیے دیکھیے: [illegible] ۱۷۱-۲۰۳؛ [illegible]: حضرت آسی غازی پوری، حیات اور شاعری، پٹنہ ۱۹۸۲ء

کتاب نور الانوار شرح منار پر قمر الاقمار کے نام سے ۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء کو حاشیہ لکھا اس وقت مولانا سکندر پوری کی عمر ۱۸ سال تھی، یہ حاشیہ یہاں کے متعدد مطابع سے چھپنے کے علاوہ مصر سے بھی طبع ہو چکا ہے، مولانا فرنگی محلی فرماتے ہیں:

عند قراۃ الفطین الامجد المولوی وکیل احمد مِن سکانِ السکندر فور صانھا اللّٰہ عن الشرور ذالک الشرح علی وترددہ الی[1]

مولانا عبدالحلیم کے فرزندِ گرامی اور معروف عالم ومحقق مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے مولانا سکندر پوری کو اپنے والد کے شاگردوں میں سب سے بہتر، سب سے افضل پرکھ رکھنے والے، علوم عقلیہ ونقلیہ کے جامع قرار دیا ہے[2]۔

ان اساتذہ کے علاوہ مولانا سکندر پوری نے مولانا مفتی محمد یوسف فرنگی محلی، مولوی معین الدین کڑوی سے اور علم طب کی مولوی حکیم نور کریم دریابادی اور مولوی سیّد انور علی سے تحصیل کی، ان کے علاوہ مولوی رحمت اللہ، مولانا محمد نعیم لکھنوی اور مولوی امام الدین لاہوری سے بھی اسناد فراغت حاصل کیں[3] جون پور میں کچھ عرصہ مطب کیا، لیکن جلد ہی اسے ترک کر کے حیدر آباد دکن روانہ ہو گئے، حسنِ اتفاق سے آپ کے استاد گرامی مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی ان دنوں وہاں مدرسہ نظامیہ کے فرائض تدریس وافتا پر فائز تھے، مولانا وکیل احمد ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۶ء کو جب حیدر آباد گئے تو سیدھے اپنے استاد کی خدمت میں پہنچے وہیں قیام کر لیا[4]۔ اس وقت نواب افضل الدولہ بہادر دکن کے حکمران تھے مولانا سکندر پوری نے ڈپٹی کلکڑی کے عہدہ سے ملازمت کا آغاز کیا اور عدالت عالیہ (ہائی کورٹ) کے جج کے منصب سے سبکدوش ہو کر وظیفہ یاب ہوئے، ملازمت تقریباً ۲۹۔۳۰ سال کے عرصہ پر محیط ہے[5]۔ مولانا وکیل احمد سکندر پوری جتنے بڑے عالم ومتکلم تھے اتنے ہی عظیم صوفی بھی تھے، آپ

---

۱ عبدالحلیم فرنگی محلی: نورالانوار حاشیہ قمرالاقمار ص ۴

۲ محمد رضا انصاری: "ایک ذہین مصنف" مقالہ مشمولہ نذر مقبول ص ۷

۳ تذکرہ علمائے حال ص ۹۵

۴ محمد رضا انصاری: ایک ذہین مصنف ص ۶، ۷

۵ ایضاً، بشیر احمد فاروقی: مولانا وکیل احمد سکندر پوری (مجموعہ مقالات) ۵۸

نقشبندی مجددی سلسلہ کے معروف بزرگ مولانا میر اشرف علی بن میر سلطان علی سے بیعت تھے، شیخ اشرف علی فن ادب و تصوف، حدیث، اسماء الرجال اور فقہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے، ان کے والد گرامی معروف مجاہد ٹیپو سلطان شہید کے ہاں ملازم تھے، اسی طرح میر اشرف علی بھی فن سپاہ گری میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، آخر دنیا ترک کر کے سلوک و معرفت حاصل کی، طبعیت میں استغنا حد درجہ کا تھا، حیدر آباد دکن کے نواب افضل الدولہ آصف جاہ خامس ملقب بہ مغفرت مکان جو سخاوت اور فقراء نوازی میں مشہور تھا کئی بار ان سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا لیکن انہوں نے اپنے توکل کے باعث انکار کر دیا، جب حیدر آباد میں وبا پھوٹی تو مولانا وکیل احمد سکندر پوری ان سے ملنے کے لیے گئے پہلے ان کے چہرہ پر پریشانی کے آثار تھے پھر اطمینانِ قلب نصیب ہوا، موصوف کوئی کام اپنے شیخ حضرت شاہ سعد اللہ حیدر آبادی نقشبندی کی اجازت کے بغیر نہیں کرتے تھے، مولانا میر اشرف علی حضرت شاہ سعد اللہ (ف ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۴ء) کے خلیفہ تھے وہ علوم ظاہری و باطنی کے عالم تھے حج و زیارت سے مشرف ہوئے تھے [1]، پھر انہیں حیدر آباد دکن میں مامور کیا گیا، موصوف سلسلۂ نقشبندیہ قادریہ اور چشتیہ میں مجاز تھے، نواب ناصر الدولہ بہادر آصف جاہ رابع غفران منزل ان کا معتقد تھا جس نے بارہا ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا لیکن آپ نے اجازت نہ دی، ان کے خلفاء میں سے مولانا اشرف علی کے علاوہ مولوی محمد عثمان، مولوی نیاز محمد بدخشانی، مولوی حسن علی، مولوی عبدالرحیم واعظ، میر عبدالوہاب، میر رفعت علی، شاہ محمد مسکین، محمد نواز، قابلِ ذکر ہیں جن سے ان سلاسل کے فیوض و برکات دکن کے علاوہ کئی دوسرے علاقوں میں بھی ہوئے۔ (ہدیہ مجددیہ ۳۳۱) حاجی سعد اللہ کا مدفن حیدر آباد دکن میں مرجع خلائق ہے آپ حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے جو حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں شہیدِ علیہ الرحمت کے مشہور جانشین تھے (مقاماتِ مظہری ۵۵۶، ۵۸۲)

مولانا وکیل احمد سکندر پوری کے چچازاد بھائی محمد عبدالعلیم آسی (تاریخی نام ظہور الحق) (۱۲۵۰۔۱۳۳۵ھ / ۱۸۳۴۔۱۹۱۶ء) بھی ایک ذی علم بزرگ اور اُردو کے شاعر تھے ان کا تخلص آسی تھا وہ خانقاہ رشیدیہ جونپور کے سجادہ نشین رہے، ان کا عارفانہ مجموعہ کلام عین المعارف کے نام سے سید شاہد علی رشیدی سجادہ نشین درگاہ رشیدیہ جونپور نے مرتب کیا جو کراچی کے ادارہ یادگار آسی غازی پوری سے ۱۹۸۸ء کو طبع

---

1 معاصر تذکرہ نویس علامہ ابوالفیض عبدالستار صدیقی دہلوی نے لکھا ہے: حج السید اشرف علی مع والدہ (میر سلطان علی) واجتمع بالشیخ عابد سندی بالمدینۃ واجیز منہ بروایۃ (فیض الملک الوہاب المتعالی ۱/ ۳۳۳)

ہوا، آسی کی حیات اور شاعری پر کاظم ہاشمی کی کتاب پٹنہ سے ۱۹۸۴ء کو شائع ہوئی تھی، نیز دیکھیے:

علی شیر خان: اُردو ادب کے ارتقاء میں غازی پور کی خدمات (ص ۱۵۵۔۱۶۱)

مولانا وکیل احمد سکندر پوری کا سلسلۂ نسب حضرت امیر المومنین عمر فاروقؓ تک واصل ہوتا ہے اور آپ بھی حضرت مجدد الف ثانی کے جد اعلیٰ ناصر بن عبد اللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن حضرت عبد اللہ بن حضرت عمر فاروقؓ کی اولاد میں سے ہیں یعنی وکیل احمد کندر پوری بن مولانا قلندر حسین بن وسیم بن محمد عطاء بن محمد بزرگ بن [1]...... گویا شجرہ یُوں ہے:

مولانا سکندر پوری کی زندگی بہت ہی مصروفیت سے عبارت تھی لیکن اس کے باوجود آپ نے تصنیف و تالیف کا شغل جو علماء کا بنیادی فریضہ ہے ترک نہ کیا اور موصوف تقریباً ایک سو کتابوں کے مؤلف قرار پائے۔

مولانا وکیل احمد کا عہد علمی و اعتقادی، سیاسی اور تمدنی اعتبار سے انقلابی اور ہنگامہ خیز تھا وہ قدیم مسائل جو کتابوں کی زینت تھے ان کے عہد میں ہندوستان کی علمی محفلوں کی جان بن گئے اس کے علاوہ بہت سے نئے مسائل

[1] جامعین نسب حضرت مجدد الف ثانی نے سہواً ناصر بن عبد اللہ کو براہ راست حضرت عبد اللہ بن حضرت عمرؓ سے منسوب کر دیا حالانکہ ناصر کے بعد چار واسطے مزید ہیں جو ہم نام ہونے کے باعث سہو کا سبب بنے (مقامات معصومی ۲/ ۹۔۱۰)

[2] حضرت آسی غازی پوری ص ۳۱

پیدا ہو گئے جن سے مذہبی ذہنوں میں ہیجان برپا ہو گیا جس سے عام ذہنوں کے لیے اضطراب کی کیفیت نے جنم لے لیا اس عہد کا سب سے بڑا مسئلہ اعتقادات کا تھا، جس پر اتنی بحثیں ہوئیں کہ ملک مناظرہ، مجادلہ اور مکابرہ کا اکھاڑہ بن کر رہ گیا۔

گذشتہ گیارہ صدیوں سے عالم اسلام حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی مسلکوں میں تقسیم ہوتا رہا انہوں نے ائمہ اربعہ کی تقلید کو اپنا دستور حیات بنائے رکھا، لیکن ان آخری صدیوں میں نئے مبلغین نے تقلید اور عدم تقلید کی بحثیں چھیڑ دیں۔

ایک بہت بڑی لہر عدم تقلید کے ماننے والوں کی جو اپنے آپ کو اہل حدیث سے تعبیر کرتے تھے اس دور میں اٹھی اور یہ دعویٰ کیا کہ ائمہ اربعہ اور خاص طور پر امام ابو حنیفہ کے فقہی مسلک کو جس کے ہندوستان میں ننانوے فیصد مسلمان تھے بری طرح متاثر کیا، اب دونوں فریقوں نے ایک دوسرے کے رد میں اتنی کتابیں لکھیں کہ دور آخر میں غیر مقلدین کے ملجاوماویٰ اور ترجمان وہابیہ کے مؤلف نواب صدیق حسن خان (۱۸۳۲ء۔۱۸۹۰ء) کو بھی اپنی خود نوشت سوانح میں یہ تسلیم کرنا پڑا کہ اس معاملہ میں دونوں فریقوں نے زیادتی کی ہے 'علماء تعمیری و تحقیقی کام چھوڑ کر اس ردّ و قبول کے سیلاب میں بہ گئے اور تحقیقی کام جاتا رہا، مولانا فضل رسول بدایونی (ف ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء) کو تادم واپسین ردِّ وہابیہ میں مصروف رہنا پڑا، نزع کے عالم میں اپنے فرزند مولانا شاہ عبد القادر قادری بدایونی کو بلا کر دریافت کیا کہ کیا اعداءِ دین (وہابیہ) کا کوئی رسالہ ایسا تو باقی نہیں جس کا ہم نے جواب نہ لکھا ہو اور ہمارے بعد عوام اہل اسلام کو باعثِ تشویش ہو" تو اس کا جواب نفی میں دیا گیا'۔

بھلا ان حالات میں مولانا وکیل احمد سکندر پوری جیسا حساس دل و دماغ کا عالم اپنے دامن کو کیسے بچا سکتا تھا، مولانا نے بھی بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیا اور غیر مقلدین کی خوب خبر لی اس سلسلہ میں ان کے ایک معاصر مولانا عبد الحی حسنی کا بیان قابل توجہ ہے کہ مولانا سکندر پوری اہل حدیث اور سید احمد شہید بریلوی کے اصحاب کی "نکیر" تھے، لکھتے ہیں:

۱　ابقاء المنن ص ۶۳ [illegible]

۲　[illegible] ۱۲۰

شدید الرغبة الی المباحثة، کثیر النکیر علی اهل الحدیث و علی الفئة الصالحة من اصحاب سیدنا الامام الشهید السید احمد بن عرفان الحسنی البریلوی[1]

مولانا سکندر پوری کی اکثر تصانیف انہی اختلافی مسائل پر مشتمل ہیں اور بہت ہی حسن وخوبی کے ساتھ آپ نے ان موضوعات پر عمدہ تحقیقات پیش کی ہیں، ان کتب میں سے رسالہ ابطال (بجواب ابطال الاباطیل سرد التاویل العلیل لنواب صدیق حسن خان) عربی، عقد الدرر (رد وہابیہ) عربی، فتح الاسلام علی الضلمہ (عربی) وہابی نامہ (فارسی) معین الطالبین (رد وہابیت) فارسی، اصباح الحق الصریح عن احکام المحدث الحسن الصبیح (بجواب ایضاح الحق تالیف مولانا محمد اسماعیل دہلوی) اُردو، تبصرہ (تحریک وہابیت کا پس منظر مع مسلک اہل سنت)، سبحیہ رضیہ (در جواز محفل میلاد) صیانۃ الایمان عن قلب الاطمینان (در اثبات میلاد) اُردو، ناصح مشفق (مثنوی در رد وہابیہ) اُردو نصرۃ المجتہدین بر وہفوات غیر المقلدین (اُردو)، نتیجہ (رد وہابیہ بزبان اُردو) کا موضوع ہی رد وہابیہ ہے۔

اس طرح فکر جدید کے علم بردار سر سیّد احمد خان کے خلاف بھی مولانا سکندر پوری نے عربی میں ارشاد المرغاد الی مسلک حجۃ احبار الآحاد (سرسید کے تہذیب الاخلاق کا جواب) اس کے علاوہ فارسی میں افادہ علی جرح العبادۃ (یہ بھی سرسید احمد خان کے تہذیب الاخلاق کے رد میں ہے)، تہذیب الاخلاق ہی کے جواب میں مولانا سکندر پوری نے اُردو میں محدد لجہات المجدد تالیف کی تھی، یہ تینوں کتابیں کئی بار طبع ہو چکی ہیں۔

ان کتب کے علاوہ عربی میں صامت (بجواب میر باقر داماد)، شمس الضحیٰ (نعت) مراۃ الرای بشرح الاقراری شرح بوجز اقاری، ازالہ المحن عن اکسیر البدن، نفع المامون بدفع الطاعون، نور العینین فی تفسیر ذی القرنین، فارسی زبان میں مساق الاطباء، بیرہ تنبول، تذکرۃ اللبیب فیما متعلق بالطب والطبیب، تریاق فاروق، رافع الوبا، یاقوتی، ماقوتی، کتاب اسرار، گنج شائیگان، لذت الوصال، رسالہ انبہ، تقریر دلپذیر، خاتم سلیمانی، معیار الصرف، مغفرت نامہ (جواب اعتراضات مولانا محمد باقر آگاہ بہ سلسلہ اعتراضات بر مولانا عبد العلی بحر العلوم)، مناجات، مکاتبہ حاشیہ کشف المکتوم، (مولانا سعد اللہ لکھنوی اور مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی کے مابین تصوف کے موضوع پر مباحث)

اُردو زبان میں مولانا سکندر پوری نے مندرجہ ذیل کتب یادگار چھوڑی ہیں:

---

[1] عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ۸، ۵۱۷

آئینۂ چینی (ترجمہ تاریخی یمینی) اخبار نجات، اعتماد بخطائی اجتہاد، تحقیق (درمسئلہ ایمان یزید) تذکرہ العشائر (مولانا سکندر پوری نے اپنے اجداد کے حالات لکھے ہیں)، جلاء العیون ترجمہ الشفاء العیون، شمائم عنبریہ در مدح خیر البریہ، رسالہ چیچک، دستور العمل، عماد الاسلام در ذکر امیر شام، لُمعہ نور، مہر انور فقہ اکبر، مقدمہ مہر انور (اس میں یہ تحقیق ثابت کیا گیا ہے کہ فقہ اکبر امام ابو حنیفہ کی تصنیف نہیں ہے بلکہ دوسرے ابو حنیفہ بخاری کی تصنیف ہے، نقل مجلس (روداد مناظرہ مابین مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی و مولانا مفتی اسد اللہ الہ آبادی) وسیلۂ جلیلہ (توسل کے جواز میں بہترین کتاب ہے)، ہدایا (ترجمہ وصایائے امام ابو حنیفہ) یاقوت الرمانی شرح مقامات بدیع الزمان ہمدانی، فیصلہ عدالت شرعی فتاوی عالمگیری، مرانجہ (معانقہ اور مصافحہ کا اسلامی طریقہ) عمدۃ المطالب (در بحث ایمان حضرت ابو طالب) تنبیہ مخالفین (مسائل اہل سنت اور طریقہ حنفی کے مطابق نماز کے موضوع پر ہے) تنقیح البیان (در حمایت تعلیم نسوان)، علم النفس، سوانح حیات (مولانا سکندر پوری نے اس میں اپنے خود نوشت حالات لکھے ہیں) طبع نہیں ہو سکی، اعتماد بخطاء اجتہاد، ان کتب کے علاوہ عربی میں حد العرفان (فلسفہ تصوّف)، حدیقۃ العرفان تخریج احادیث گلستان و بوستان، شرح فقہ الاکبر، عقد الدرر (وہابی تحریک کے خلاف)، تبصرۃ الشیخ والشاب (افکار شیخ اکبر ابن عربی پر تبصرہ)، اُردو کتب میں رسالہ تحقیق (درمسئلہ طعن بریزید) بھی آپ کی تالیفات میں سے ہیں۔

آپ شاعر بھی تھے فارسی اور اُردو میں شعر کہتے تھے، آپ کا فارسی دیوان ۱۳۰۶ھ کو لکھنو سے طبع ہوا تھا جو دراصل نواب صدیق حسن خان کے دیوان نفح الطیب کے جواب میں ہے نواب صاحب کے دیوان کا موضوع عربی و فارسی ادب کی بجائے رائے، خرد، اجماع اور تقلید کی مذمت ہے، مولانا وکیل احمد سکندر پوری نے ہر نظم کا ترکی بترکی جواب دیا ہے اور بہت ہی مزے لے لے کر طنز و مزاح کیا ہے ان کے بعض دیگر منظوم رسائل کے علاوہ فارسی میں خوان یغما (مثنوی بجواب من وسلویٰ مصنفہ مفتی عباس شوستری) بھی طبع ہو چکی ہے۔

ان کے علاوہ عمدۃ الکلام بجواز کلام الملوک ملوک الکلام، ازالۃ المحن عن اکسیر البدن، ابطال الاباطیل برد التاویل العلیل، ارشاد العنود الی طریق ادب عمل المولود، الکلام المقبول فی اثبات اسلام آباء الرسول، تمہید المبانی بالنکاح الثانی، دافع الشقائق عن اعجاز الانشقاق، ادحاضات شرح ایماضات، ازدجار بجواب اشتہار، بصائر ترجمہ الاشباہ والنظائر کا ذکر صاحب نزہۃ الخواطر (۸ / ۵۱۸) نے کیا ہے اور آپ کے معاصر مولانا محمد ادریس نگرامی نے آپ کی تصانیف کا سب سے زیادہ ذکر کرتے ہوئے مندرجہ ذیل کے نام بھی لکھے ہیں:

ازالہ الحن عن اکسیر البدن، تقویم الاسلام، تنقیح البیان، بجواز تعلیم کتابۃ النسوان، تصحیح فتاوی علماءِ زمان بجواز تعلیم کتابۃ النسوان، رسالہ اذان، زبدۃ التحریر، (تذکرۂ علمائے حال ۹۷-۹۸)

مولانا وکیل احمد سکندر پوری نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (۹۷۱-۱۰۳۴ھ / ۱۵۶۳ء-۱۶۲۴ء) کے دفاع میں تین ضخیم اور معرکہ آرا کتابیں تصنیف کی تھیں اول ہدیہ مجددیہ دوم انوارِ احمدیہ اور سوم الکلام المنجی جن کی تفصیل اس طرح ہے:

ہدیہ مُجددیہ

یہ کتاب دراصل حضرت مجدد الف ثانی کے خلاف آپ کے معاصر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء) کے رسالہ اعتراضات کے جواب میں لکھی گئی ہے، شیخ محدث کو حضرت مجدد الف ثانی کے بعض مکاشفات وعرفانی مندرجات پر شکوک وشبہات پیدا ہوگئے وجہ یہ ہوئی کہ حضرت مجدد الف ثانی کا ایک مرید حسن خان افغان کسی بات پر آپ سے ناراض ہوگیا اور آپ کے مکتوبات کے بعض اجزاء اپنے ساتھ لے گیا اس نے قصداً ان میں تحریف کر کے اس وقت کے مقتدر علماء کے پاس بھیجے وہ دہلی بھی آیا اور نقشبندی سلسلہ کی مرکزی خانقاہ حضرت خواجہ باقی باللہ (ف ۱۰۱۲ھ) کے سجادہ نشین حضرت خواجہ حسام الدین احمد (ف ۱۰۴۳ھ / ۱۶۳۳ء) اور حضرت شیخ محدث کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ محرف مکتوبات دکھائے، یہ دونوں بزرگ بغیر تحقیق احوال کے حضرت مجدد الف ثانی سے کبیدہ خاطر ہوگئے، حضرت شیخ محدث نے باقاعدہ ایک طویل مکتوب بصورت اعتراضات لکھا جسے اس وقت مخالفین نے خوب شہرت دی، جب حضرت مجدد الف ثانی نے اصل مکتوبات ان حضرات کو ارسال کیے تو ان کے شکوک وشبہات رفع ہوگئے اور آپ نے اپنے خیالات سے رجوع کر لیا، اور صفائی باطن پر باقاعدہ خط لکھ کر اظہار کیا آپ کا یہ مکتوب آپ کی کتاب اخبار الاخیار کے آخر میں شامل ہے اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی نے خواجہ حسام الدین احمد مذکور کو ایک خط (۳/ ۱۲۱) لکھ کر باقاعدہ برادرانہ شکوہ کیا ہے کہ شیخ محدث نے مجھے خط لکھنے کی بجائے میری بدنامی کی اور اس قسم کا خط دوسروں کو لکھا حضرت شیخ محدث کی صفائی باطن اور رجوع کے باوجود کئی اصحاب نے اس رسالہ اعتراضات کے جواب میں مدلل رسائل لکھے جن ملا معین

ٹھٹھوی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، شاہ غلام علی دہلوی اور آخری رسالہ مولانا وکیل احمد سکندر پوری کا ہدیہ مجددیہ ہے، ہم نے اس موضوع پر مفصل بحث اس کے مقدمہ میں کی ہے۔

مولانا سکندر پوری کی دوسری اہم کتاب انوارِ احمدیہ فارسی میں ہے۔

اس کتاب کی تالیف کے اسباب بیان کرتے ہوئے مؤلف لکھتے ہیں:

ایک شخص گجراتی، جس نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے کلام معارف نظام کا انکار کرتے ہوئے لب کشائی کی اور اپنے خرافات کے ذریعہ آپ پر سب وشتم کی....... وہ اتنا مجہول اور غیر معروف آدمی ہے کہ اس کے حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے اور نہ کسی عالم کی زبان سے سننے میں آئے اس نے اپنی شہرت کی بنیاد اولیاءِ کاملین کی تنقیص پر رکھی ہے...... گجراتی نے بارہ ہزار روپے بطور نذرانہ مدینہ منورہ کے ایک عالم سید محمد برزنجی کی خدمت میں ارسال کیے اور حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات کی بعض عبارات کا عربی ترجمہ کر کے برزنجی صاحب سے فتویٰ طلب کیا کہ ایسی باتیں لکھنے والے کے بارے میں اپنی رائے تحریر کریں.........برزنجی نے اس عطیہ کو بہت غنیمت جانا اور قدح الزند کے نام سے بہت جد و جہد کے بعد ایک کتاب لکھی جس میں حضرت مجدد الف ثانی کی توہین و تکفیر میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا....... جب برزنجی نے مدینہ طیبہ کے قاضی و مفتی سے اس پر مُہر تصدیق کی درخواست کی تو وہ ان کی منت سماجت کے باوجود راضی نہ ہوئے تو پھر برزنجی مکہ مکرمہ پہنچے اور وہاں کے حرم محترم کے مفتی و قاضی سے اس پر تصدیق کے لیے التجا کی تو ان میں سے کسی ایک نے بھی مہر و دستخط نہ کیے......... اب ناچار انہوں نے غیر معروف "سوقیوں" سے اس رسالہ پر مہریں لگوا کر گجراتی کو بھیج دیں، اس نے ان شبہات کا ترجمہ کیا اور چند امور کا اس پر اضافہ کر کے خود ایک کتاب مکاشف الاسرار کے نام سے لکھ کر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی پر "زشت و تکفیر و تفسیق و اضلال" سے اپنے "لب و دہان" کو آلودہ کیا ہے......... اس پر طرفہ یہ ہے کہ گجراتی موصوف تصوف سے واقف ہی نہیں تھا مگر وہ اپنے آپ کو عارف سمجھتا تھا، وہ صوفیہ کرام کی اصطلاحات سے بھی واقف نہیں تھا......

چونکہ مؤلف (مولانا وکیل احمد سکندر پوری) خود نقشبندی ہے اس لیے اس قسم کے سخنان تضلیل وتکفیر کے خلاف لکھنے پر تیار ہوا.... (انوار احمدیہ ص ۲-۶)

ہمارا قیاس ہے کہ کاشف الاسرار کے مؤلف گجراتی نے اپنا نام اس لیے ظاہر نہیں کیا کہ اس وقت کا حاکم اورنگزیب عالمگیر (۱۰۶۸-۱۱۱۸ء / ۱۶۵۸-۱۷۰۷ء) خانوادہ نقشبندیہ کا معتقدِ خاص بلکہ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہ (۱۰۷۹ھ / ۱۶۶۸ء) کا مرید مخلص تھا، اگر گجراتی اپنا نام لکھتا تو اس پر حکومت کی طرف سے گرفت کا قوی امکان تھا۔

بہر حال اس وقت یعنی گیارہویں صدی ہجری گجرات اور اورنگ آباد (دکن) میں سلسلہ مجددیہ کی مخالفت اپنے پورے عروج پر پہنچ چکی تھی جس کے اسباب اس سلسلہ کے بزرگ افراد کی معاشرہ میں بے حد توقیر و احترام تھا پھر حکومت کی طرف سے ان کے اعزاز واکرام نے دیگر علماء ومشائخ کو حسد کا شکار کر دیا تھا۔

شیخ سید محمد بن عبد الرسول برزنجی (۱۰۴۰-۱۱۰۳ھ / ۱۶۳۰-۱۶۹۱ء) جو سلسلہ مجددیہ کے عرب مخالفین میں پیش پیش تھے، کی اولاد اورنگ آباد آکر مقیم ہوگئی تھی، محمد بن حسن بن عبد الکریم بن محمد برزنجی یعنی برزنجی مذکور کا پڑپوتا عرصہ دراز تک اورنگ آباد میں مقیم رہا، اس نے اپنے دادا کے رسائل کی نقول کر کے انہیں یہاں مشتہر کیا جن کے خطی نسخے اس وقت کتابخانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں ہیں۔ (فہرست بعض کتب نفیسہ قلمیہ جلد دوم ص ۳۴۷-۳۵۰، ۳۵۶، ۳۶۳) علامہ برزنجی نے حضرت مجدد الف ثانی کے خلاف ایک مستقل رسالہ الناشرۃ الناجرۃ للفرقۃ الفاجرہ عربی میں لکھی جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ (نعوذ باللہ) حضرت مجدد الف ثانی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا (فہرست محولہ بالا ۲/ ۳۶۳ نمبر ۲۲۳ فن کلام) یہ ساری مخالفت جو عربستان میں ہوئی کے محرک سید محمد برزنجی تھے جن کا پورا نام سید محمد بن عبد الرسول بن عبد السید حسنی برزنجی ہے، فقہائے شافعیہ میں سے تھے، شہر زور میں ۱۰۴۰ھ / ۱۶۳۰ء کو متولد ہوئے، ہمدان، بغداد، دمشق، قسطنطنیہ اور مصر میں رہے، آخر مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی، ۱۱۰۳ھ / ۱۶۹۱ء کو فوت ہوئے، کئی کتابوں کے مؤلف تھے ان میں سے حل مشکلات ابن العربی بھی ہے جو انہوں نے فارسی سے عربی میں ترجمہ کی تھی (الاعلام ۶/ ۲۰۴) اس کتاب سے موصوف کے صوفیانہ رجحان کا اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں شیخ اکبر ابن عربی کے مکتبۂ فکر سے قریبی لگاؤ تھا، ہمارا یہ بھی قیاس ہے کہ جب مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی میں شیخ ابن عربی کے مکشوفات اور ان کے نظریۂ وحدت الوجود

کے خلاف مواد نظر آیا تو وہ مخالفت پر آمادہ وہ گئے، خود شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے جو حرمین الشریفین میں ان کے شاگردوں سے تحصیل کر چکے تھے انہی سید محمد برزنجی کے متعلق لکھا ہے کہ ان کے مزاج میں کسی قدر خشکی موجود تھی۔(انفاس العارفین ۱۸۴)

حرمین الشریفین میں افکارِ حضرت مجدد الف ثانی کے خلاف یہ مہم حدود ۱۰۹۰۔۱۰۹۶ھ میں ہوئی علامہ محمد بیگ مذکور کا رسالہ عطیۃ الوہاب ۱۰۹۴ھ / ۱۶۸۳ء میں تالیف ہوا(مقامات مظہری ۲۸۲ طبع دوم) مذکورہ سنین کے دوران اس مخالفت کے آثار ہندوستان میں بھی نمایاں ہوئے اور اورنگ آباد اس کا مرکز بنا رہا، سید محمد برزنجی کی اولاد ان دنوں اورنگ آباد میں مقیم اور برزنجی کی تصانیف کی نقول کرنے میں مصروف تھی ان میں سے محمد بن حسن بن عبد الکریم بن محمد برزنجی یعنی برزنجی کا پڑپوتا اپنے پردادا کے رسائل کی کتابت اور اشاعت پر مامور تھا، اس نے العصب الہندی لاستیصال کفریات احمد سرہندی تالیف ابو علی حسن علی کی عجمی (تالیف بسال ۱۰۹۳ھ) کی کتابت ۱۱۵۷ھ کو یہیں اورنگ آباد میں کی تھی اس کا خطی نسخہ کتابخانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں ہے (فہرست مخطوطات آصفیہ ۲ / ۳۳۷)

سیّد محمد برزنجی کی اپنی تصنیف قدح الزند وقدح الرمد فی رد جہالات اہل سرہند کی کتابت بھی اسی مذکورہ پڑپوتے نے ۱۱۷۷ھ کو یہیں کی جس کا خطی نسخہ مذکورہ کتابخانہ میں ہے(ایضاً ۲ / ۳۵۰)

الکلام المنجی بردِ ایرادات البرزنجی

مولانا وکیل احمد سکندر پوری نے علامہ سیّد محمد البرزنجی کے رسالہ قدح الزند کا عربی میں رد لکھا، مؤلف بزرگ اس کے دیباچہ میں وضاحت فرماتے ہیں:

محمد صالح اورنگ آبادی اور گجراتی اور ان کے متبعین محمد عارف اور عبد اللہ سورتی نے حضرت مجدد الف ثانی کے بعض مکاتیب کا عربی ترجمہ کیا جو انصاف سے بہت دور اور محرف تھا، انہوں نے یہ ترجمہ سیّد محمد البرزنجی کو مدینہ منورہ بھیجا اور ان سے ان افکار وخیالات کے حامل کے بارے میں جواب طلب کیا، انہوں نے اس کے ساتھ کچھ رقم بھی ارسال کی، جس کے جواب میں علامہ برزنجی نے ایک رسالہ حضرت مجدد الف ثانی کے خیالات کے رد میں لکھا جس میں آپ کو فاسق اور کافر قرار دیا، اس رسالہ پر انہوں نے مدینہ منورہ کے قاضی اور مفتیوں سے

تصدیق کروانے کے لیے ان سے مواہیر لگانے کی استدعا کی لیکن انہوں نے انکار کر دیا، پھر وہ وہاں سے مکہ مکرمہ گئے تو وہاں بھی یہی معاملہ در پیش ہوا......... اس دوران شیخ نور الدین محمد بیگ' (ترک عالم) اس امر کی تحقیق کے لیے حرمین الشریفین آئے...... انہوں نے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کی اصل عبارتوں کے تراجم عربی میں کیے تو بعض علماء کو جب یہ دکھائے گئے تو وہ حیران بھی ہوئے اور اپنے خیالات سے رجوع کرتے ہوئے اپنے فتوے واپس لے لئے، شیخ محمد بیگ مذکور نے اس ساری صورت حال میں وہ تمام عبارات مکتوبات صحیح عربی میں منتقل کیں اور بہ شکل استفتاء اسے حرمین کے تمام اکابر علماء کی خدمت میں بھیج کر تصویب کروائی، شیخ محمد بیگ کا یہ رسالہ عطیۃ الوہاب بین الخطاء والصواب کے نام سے طبع ہو چکا ہے اور مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے عربی ترجمہ شیخ محمد مراد قازانی مکی رمزی کے حاشیہ پر یہ پورا رسالہ بھی طبع ہوا تھا......... سید محمد برزنجی کی اس کتاب کا رد مولانا وکیل احمد سکندر پوری نے الکلام المنجی کے نام سے کیا برزنجی کا نبیرہ اس کتاب کے ترقیمہ میں مذکورہ کتاب عصب الہندی کے مطالعہ کی باقاعدہ دعوت دیتا ہے، سید محمد برزنجی کی ایک اور کتاب الناشرۃ الناجرہ للفرقۃ الفاجرہ بھی ۱۰۹۳ھ / ۱۶۸۳ء کو تصنیف ہوئی تھی، اس کے مندرجات بھی بہت ہی پست اخلاقی اور غیر علمی خیالات پر مبنی ہیں کہ ۱۰۹۳ھ / ۱۶۸۳ء کو ہندوستان سے حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے خیالات یہاں عرب میں پہنچے جس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے رسالت کا دعویٰ کیا تھا:

''در ۱۰۹۳ھ از ہندوستان ضلالات و خیالات شیخ احمد سرہندی بطور استفتاء در دیار عرب رسید کہ او دعویٰ رسالت کردہ

(فہرست مخطوطات آصفیہ ۲/ ۳۴۳)

گویا ان حضرات کی مخالفت اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی اور غیبت کرنے والوں نے ''مجدد الف ثانی'' کے مبارک لقب کو ''دعویٰ رسالت'' بنا کر پیش کیا تھا، اسی کتاب میں سید برزنجی نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اس سے پہلے شیخ احمد سرہندی، آپ کی اولاد اور خلفاء کی رد میں نو رسالے تصنیف کر چکے ہیں یہ ان کا دسواں رسالہ ہے، مولانا

شیخ محمد بیگ بن یار محمد بن خواجہ محمد بن موہب بخاری ثم برہانپوری حنفی نقش بندی کی ولادت ۱۰۴۱ھ اور وفات ۱۱۱۰ھ کو ہوئی، کئی کتابوں کے مولف تھے، عطیۃ الوہاب مذکورہ کے علاوہ ملحق خلاصۃ السیر (مرتبہ ڈاکٹر محمود احمد اکبر) طبع ہو چکی ہیں۔ ہدیۃ العارفین ۲/ ۲۸۲، ایضاح المکنون، معجم المولفین ۱۱/ ۲۹۷، فوائد الارتحال ونتائج السفر۔ مولفہ مصطفی حموی بیروت ۲۰۱۱ء

وکیل احمد سکندرپوری نے برزنجی کے ساتھ ہی محمد صالح اورنگ آبادی کی مخالفت کا بھی ذکر فرمایا ہے، برزنجی نے خود لکھا ہے کہ مجھ سے پہلے محمد صالح مذکور شیخ احمد سرہندی کے رد میں کئی رسائل لکھ چکا ہے۔ (الناشرہ، مذکور، خطی بحوالہ فہرست مخطوطات آصفیہ ۲/ ۳۶۳) ہم نے اورنگ آباد کی مذکورہ سنین کی اس مخالفانہ فضا کا قدرے تفصیل سے تذکرہ اپنی کتاب احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری میں کیا ہے (۱۵۹۔۱۶۴)

ہمیں ان بہت سے مخالفانہ رسائل کے رد میں اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے دفاع میں لکھے جانے والے رسائل کی ایک مفصل اور طویل فہرست بنانے کی سعادت بھی نصیب ہو چکی ہے، یہ فہرست رسالہ نور اسلام شرقپور کے حضرت مجدد الف ثانی نمبر میں شامل ہے کتاب الکلام المنجی ایک مقدمہ، پانچ مقالات (ابواب) اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، حضرت مؤلف نے مقدمہ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے مناقب، آپ کی تصانیف اور خلفاء کا مختصر مگر بہت ہی جامع تعارف کروایا ہے، اس کے بعد گجرات اور دکن وغیرہ میں جو مخالفانہ سرگرمیاں ہوئیں ان کا ذکر ہے پھر کس طرح ایک غیر معروف مجہول گجراتی نے بارہ ہزار روپے کی رقم جمع کر کے سیّد محمد بزرنجی کے پاس بھیجی اور انہوں نے اس رقم کو غنیمت جانتے ہوئے اس کے سہارے کس طرح حرمین الشریفین میں مخالفت کا آغاز کیا، پھر اس دوران ایک ترکستانی عالم شیخ نور الدین محمد بیگ وہاں حاضر ہوئے اور انہوں نے اس مکدر فضا کو کس طرح بدلا اور حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات کی اصل عبارات کا کامل ترجمہ عربی میں کر کے انہی علماء کرام کی خدمت میں پیش کیا اور فتویٰ طلب کیا جس کے بعد اس مخالفت میں کمی واقع ہوئی...... مولانا سکندرپوری نے باقی پانچ ابواب میں سیّد محمد برزنجی کے مخالفانہ اقوال کی بہت ہی بھرپور طریقہ سے تردید کی ہے؛ ضرورت ہے کہ اس کتاب کو جدید عربی ٹائپ میں کمپوز کر کے ایک مفصل عربی مقدمہ کے ساتھ شائع کیا جائے۔

مآخذ

۱۔ محمد ادریس نگرامی: تذکرہ علمائے حال (تطییب الاخوان بذکر علماء الزمان)، لکھنؤ ۱۸۹۷ء

۲۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر/ ج ۸، طبع عکسی کراچی

۳۔ امیر احمد فاروقی: مولانا وکیل احمد سکندرپوری، مقالہ مشمولہ بصائر، کراچی، جنوری، ۱۹۶۷ء

۴۔ عبدالمجید کتاب: سمات الاخیار، جونپور، ۱۳۴۴ھ

۵۔ کاظم ہاشمی: حضرت آسی غازی پوری، حیات اور شاعری، پٹنہ ۱۹۸۴ء

۶۔ آسی، عبد العلیم ظہور الحق غازی پوری: عین المعارف مرتبہ شاہد علی رشیدی، کراچی/۱۹۸۸ء

۷۔ عبد الحلیم فرنگی محلی: نور الانوار حاشیہ قمر الاقمار، دہلی ۱۳۲۳ھ

۸۔ محمد رضا انصاری: ایک ذہین مصنف، مقالہ مشمولہ نذر مقبول، جونپور، ۱۹۷۰ء

۹۔ وکیل احمد سکندر پوری: انوار احمدیہ، ہدیہ مجددیہ، الکلام المنجی، دہلی ۱۳۱۱ھ

۱۰۔ صفر احمد معصومی: مقامات معصومی تحقیق و تعلیق و ترجمہ محمد اقبال، لاہور ۲۰۰۴ء

۱۱۔ غلام علی دہلوی، شاہ: مقامات مظہری، تحقیق و تعلیق و ترجمہ محمد اقبال مجددی، لاہور، ۲۰۰۱ء (طبع دوم)

۱۲۔ فہرست مشروح بعض کتب نفیسہ قلمیہ، کتابخانہ آصفیہ، حیدر آباد، دکن، ۱۳۵۷ھ

۱۳۔ صدیق حسن خان، نواب: ابقاء المنن بالقاء المحن، بھوپال، ۱۳۰۵ھ

۱۴۔ ضیاء، محمد یعقوب: اکمل التاریخ، بدایون، ۱۹۱۶ء

۱۵۔ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ: انفاس العارفین، دہلی ۱۳۳۳ھ

۱۶۔ زرکلی، خیر الدین: الاعلام، بیروت، ۲۰۰۵ء

۱۷۔ محمد اقبال مجددی: احوال و آثار عبد اللہ خویشگی قصوری، لاہور، ۱۹۷۲ء

۱۸۔ علی شیر خان: اُردو ادب کے ارتقاء میں غازی پور کی خدمات، غازی پور، ۱۹۹۸ء

(رسائل در دفاع حضرت مجدد الف ثانی، مقدمہ، لاہور، ۲۰۱۱ء)

حکیم اعظم خان رام پوری

حکیم محمد اعظم خان رام پوری چودھویں صدی ہجری کے نامور طبیب، عالم اور شاعر تھے۔ حکیم محمد اعظم خان بن حکیم اعظم خان بن رضی خان بن اسماعیل خان کا تعلق افغانوں کے قبیلہ اکوزی (Akozaie) سے تھا۔ اس خاندان کے سارے افراد سلاطین و امرا کے ہاں عمدہ منصبوں پر فائز تھے۔ کئی بڑے معرکوں میں بھی شریک ہوئے۔

اس خانوادے میں سے رضی خان عرف روزی خان سوات سے آئے اور جمعدار (Jamadar) کا عہدہ ملا۔ پھر نواب سیّد فیض اللہ خان کی ملازمت میں آگئے، رام پور میں انہیں سو بیگھ زمین ملی ۱۱۷۴ھ / ۱۷۶۰ء میں احمد شاہ درانی کی طرف سے مرہٹوں سے مقابلہ کیا جس کے صلے میں کئی گاؤں بطور جاگیر ملے۔ اس کے علاوہ بھی رضی خان کئی معرکوں میں پیش پیش رہے۔ اور ۱۲۳۵ھ / ۱۸۲۰ء کو انتقال کیا۔ (تذکرہ کاملانِ رام پور ۴۳-۴۴)

رضی خان کے آٹھ فرزندوں میں سے حکیم شاہ اعظم خان ہی حکیم محمد اعظم رام پوری کے والد تھے۔

حکیم اعظم خان ابتدائی تعلیم کے بعد دیگر علوم وفنون کی تحصیل کے لیے مولوی عبدالرحیم خان بن حاجی محمد سعید (ف ۱۲۳۴ھ / ۱۸۱۸ء) اور مفتی شرف الدین رام پوری (ف ۱۲۶۸ھ) کی خدمت میں حاضر رہے۔ (تذکرہ کاملانِ رام پور ۴۴، نزہۃ الخواطر ۸/ ۴۰۹)

ملازمت کا آغاز ۱۲۵۱ھ / ۱۸۳۵ء کو بھوپال (Bohpal) جاکر نواب جہانگیر خان عرف نواب دولہا (Dolha) سے کیا۔

نواب دولہا جو ان دنوں قدسیہ بیگم کی قید میں تھے حکیم اعظم خان کی کوشش سے رہا ہوئے ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء کو قدسیہ بیگم ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے معزول ہوئیں تو ریاست نواب دولھا کو ملی۔ نواب نے حکیم اعظم خان کی دو سو روپے ماہوار تنخواہ اور سو روپے ماہوار خرچ کے لیے مقرر کیے۔ اور دو گاؤں بھی بطور

جاگیر عطا کیے۔ نواب کے خصوصی معالج کی حیثیت سے کئی بار انعامات سے نوازے گئے۔ ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء کو نواب دولہا کا انتقال ہو گیا۔ بڑودہ (Barodaha) سے انہیں زیادہ تنخواہ کی پیش کش ہوئی لیکن نواب سکندر بیگم نے جانے نہیں دیا۔ ایک بار حکیم اعظم خان لکھنو گئے تو سلیمن (William Henery Sleemann) سے بھی ملے جو لکھنو کے ۱۸۴۹۔۱۸۵۶ء تک ریذیڈنٹ (Resident) تھے۔ (Dictionary of Indian Biography, P.112)

سلیمن سے وہاں کے بگڑے ہوئے حالات معلوم ہوئے۔ وہاں حکیم صاحب کو کئی طرح سے نوازا گیا۔ راجہ مان سنگھ چاہتا تھا کہ حکیم صاحب کو سلون (Saloon) کا ناظم مقرر کر دیا جائے مگر انہوں نے وہاں کے ابتر حالات سے واقفیت کی بنا پر انکار کر دیا۔ (تذکرہ کاملان رام پور ص ۴۵)

اس دوران واجد علی شاہ نے اپنے علاج کے لیے روکنا چاہا تو انکار کرنا پڑا۔ اور آپ اندور (Andor) چلے گئے۔ کچھ عرصہ اجین (Ujeen) میں بھی رہے۔ (ہمانجا ۴۵)

مہاراجہ تکوجی راؤ ہلکر نے اپنے ہاں بصد احترام ملازم رکھ لیا۔ اب مہاراجہ کے طبیب خاص تھے جہاں چند سال صدر کوٹ کے جج بھی رہے۔ نواب کلب علی خان رام پوری اور مہاراجہ کے مابین خوشگوار تعلقات بھی حکیم صاحب ہی کی بدولت قائم ہوئے تھے۔ (ہمانجا ۴۵۔۴۶)

نواب کلب علی خان نے حکیم صاحب کو رام پور بلایا وہاں زمین دی جہاں آپ نے اپنے کئی رہائشی مکانات تعمیر کروائے۔ (تذکرہ کاملانِ رام پور ۴۶)

ریاست اندور (Andor) نے آخری عمر میں حکیم اعظم خان کی پنشن بھی مقرر کر دی جو اڑھائی سو روپے ماہوار تھی۔ آپ کا بیٹا حکیم محمد افضل خان آپ کے حین حیات ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۶ء کو انتقال کر گیا۔ ان کے پوتے حکیم محمد اکمل خان عرصہ تک اندور میں رہے اور وہ طبابت کے فن میں شہرت رکھتے تھے۔

حکیم محمد اعظم خان رام پور کے مشہور شیخ طریقت میاں محمد امیر شاہ (ف ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء) سے بیعت تھے۔ اور تعلیم سلوک سے بھی خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ (ہمانجا ۴۷، ۶۰)

حکیم محمد اعظم نے ۴ محرم ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء کو انتقال کیا۔ (ہمانجا ۴۷، نزہۃ الخواطر ۸/ ۴۰۹)

حکیم محمد اعظم خان شاعر بھی تھے اور اعظم تخلص کرتے تھے لیکن دیوان مرتب نہیں کیا تھا۔

حکیم اعظم کی تمام تر کتب فارسی نثر میں اور علم طب کے موضوع پر ہیں، اس فن میں ان کی وسیع النظری ان کی تالیفات سے عیاں ہے۔ معالجات میں قدیم ترکیبیں مدنظر رہتی تھیں اور قدما کے تجربات سے خوب فائدہ اٹھایا تھا۔ ان کے معاصر آغا سنجر ایرانی نے ان کے فن طب میں تبحر کے پیش نظر انہیں "بو علی سینای ہند" کہا ہے۔ (تذکرہ کاملان رام پور ۴۶۔۴۷) ان کے والد کا لقب ملک الاطباء تھا (اکسیر اعظم۔ برگ اول)

ان کی بعض کتب پر ان کا لقب ناظم جہان بھی لکھا ہوا ہے۔ (اکسیر اعظم، سرورق) حکیم اعظم خان کی طبی تالیفات کا مختصر تعارف حسبِ ذیل ہے:

ا۔ اکسیرِ اعظم

یہ کتاب فارسی نثر میں چار ضخیم اور قطع کلاں میں طبع ہوئی ہے۔

لکھنو سے ۱۸۸۴ء (دوبار) ایک اور ایڈیشن ۱۲۸۶ھ بھی نظر سے گذرا ہے۔

پہلی جلد کے ۵۳۸، دوسری کے ۵۶۹ اور تیسری جلد کے ۴۷۷ صفحات ہیں۔ اس کی چوتھی جلد کانپور سے ۱۲۹۸ھ میں چھپی تھی۔

یہ کتاب معالجات پر ہے۔

جلد اول:

مقدمہ، منابع، شرح علامات و علاج بیماریہای مزاجی و سر و صورت و چشم و گوش و بینی، بیماریہای عصبی و روانی، اقسام مزاجہا۔۔۔ انقباض انف۔۔۔۔

جلد دوم:

بیماریہای لب و کنج دہن، صورت، دہان، زبان، حنک، دندان، مری، صفرا، حلق و حنجرہ، ریہ، قلب۔۔۔

جلد سوم:

بیماری ہای کبدی، مرارہ، طحال، امعاء، مقعد، کلیہ، مثانہ، اعضاءِ تناسلی، امراضِ صفاق، امراض رحم

جلد چہارم:

امراض ظہر واطراف، حمیات، اعراض تابع۔۔۔ امراض جلد، امراض ظفر،۔۔۔ سموم۔۔۔۔ معدنیہ، نباتیہ، مشروبہ۔۔۔

خاتمہ۔۔۔ دربیان اوزان ادویہ، فہرست ادویہ در موقع نسخہ نویسی طبیب احتیاج داشتہ باشد۔۔۔

رموزِ اعظم:

یہ کتاب دو ضخیم جلدوں میں فارسی نثر میں ہے۔

جلد اول طبع دہلی ۱۹۲۵ء

یک مقدمہ، کلیات، امراض ومعالجاتِ آنہا

جلد دوم:

یہ جلد بھی دہلی سے ۱۳۴۳ھ میں چھپی تھی۔ مشتمل بر امراض ومعالجات آنہا

قرابادینِ اعظم:

یہ کتاب فارسی نثر میں مرکبات کے موضوع پر ہے اور حدود ۷۰۰ صفحات میں ۱۹۴۷ء سے قبل تین مرتبہ چھپ چکی ہے۔

حکیم اعظم خان کے پوتے حکیم محمد اکمل خان نے اس میں اضافات کر کے ایک ضمیمہ بنام قرابادین اعظم واکمل دہلی سے ۱۸۹۸ء میں شائع کی۔ جو ایک مقدمہ، فہرست ادویات، امراض کہ در قرابادین مسطور اند متن بہ ترتیب حروف تہجی۔۔۔۔ (فہرست کتابہای چاپی فارسی طبی ۶۰۸)

نیرِ اعظم:

یہ کتاب علم نبض شناسی کے موضوع پر ہے۔ فارسی نثر میں دہلی سے ۱۲۱۷ھ اور کانپور سے بھی ۱۲۹۸ھ میں طبع ہوئی۔

مقدمہ، فوائد متعلقہ بہ نبض،۔۔۔ نبض ہای امزجہ، اجناس، فصول و بلدان، ریاضت، استفراغات، استحمام و اغتسال، ماکول و مشروب، نوم ویقظہ، امراضِ نفسانی، مطلق اوجاع، امراضِ سر، امراضِ صدر، امراضِ قلب، معدہ، جگر، اعضای تناسل، پشت، نبض حمیات، بحران، اورام وشبورہ، امراض جلد، سمومات۔

(فہرست کتابہای چاپی طبی ۷۹۰۔۷۸۹)

رکنِ اعظم:

یہ کتاب بھی فارسی نثر میں ہے اور اس میں جسمانی بحران کا بیان ہے، دہلی سے ۱۲۸۱ھ میں طبع ہو چکی ہے۔

محیطِ اعظم:

یہ حکیم اعظم خان کی سب سے مشہور اور ضخیم کتاب ہے جو چار بڑی بڑی جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ علم مفردات پر ہے۔ حکماء اسے طب کے دائرۃ المعارف کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

اس کی چاروں جلدیں کانپور سے ۱۳۱۳ھ، میں طبع ہو کر نشر ہوئیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے فہرست کتابہای چاپی طبی ص ۷۰۰)

قسطاس الاعظم:

یہ طبی لغات ہے، جس کا خطی نسخہ دو ضخیم جلدوں میں حکیم محمد اکمل خان ساکن رام پور کے پاس ہے۔

(تذکرہ کاملان رام پور ۴۷)۔

مآخذ

۱۔ شوق، احمد علی خان: تذکرہ کاملانِ رام پور مرتبہ شعائر اللہ خان۔ پٹنہ ۱۹۸۶ء

۲۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۸ حیدر آباد دکن ۱۹۷۰ء

۳۔ محمود نجم آبادی: فہرست کتابہای چاپی فارسی طبی۔ تہران ۱۳۴۲ش

۴۔ مشار، خان بابا: فہرست کتابہای چاپی فارسی۔ تہران ۱۳۵۲ش

۵۔ Buckland, C.E: Dictionary of Indian Biography, London, 1960

۱۳ اپریل ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ ادبیات فارسی شبہ۔ قارہ، تہران

مولانا احمد شاہ رضوانی پشاوری

قاضی میر احمد شاہ رضوانی پشاوری، ہندوستان کے برطانوی عہد حکومت کے ایک تذکرہ نویس، شاعر اور صوفی تھے۔ ان کے والد قاضی میر اخوند عبدالغفور صاحب سوات کے خلیفہ تھے۔

میر احمد رضوانی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی پھر اکبر پورہ تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور جسے ان کا مولد ہونے کا شرف حاصل ہے چلے گئے اکبر پورہ میں ان کی ولادت ۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۰ء میں ہوئی تھی۔ مزید تعلیم کے لیے چھچھ ہزارہ، پنجاب اور خراسان کا سفر کیا۔

۱۸۷۵ء میں لاہور گئے جہاں مختصر مدت میں مولوی عالم، منشی فاضل، مولوی فاضل، طب، قانون اور ریاضی کی سندیں حاصل کرلیں۔ انعام اور تمغہ بھی پایا۔

۱۸۷۹ء میں نورمل کالج امرتسر میں علوم شرقیہ کے استاد مقرر کیے گئے اور تقریباً چار سال تک یہ فرائض انجام دیتے رہے۔

۱۸۸۳ء کے آغاز میں وائٹ کنگ (سیکریٹری فنانس کمشنر پنجاب) نے انہیں اپنا اتالیق مقرر کیا۔ اور ان کے ہمراہ طویل دورہ بھی کیا اس ہمراہی میں موصوف سیکریٹری کو پڑھاتے رہے۔ یہ سفر پنجاب، سرحد، افغانستان، راجپوتانہ، میسور، مالوہ، مدراس، بنگال اور کشمیر وغیرہ کا تھا۔ کلکتہ میں عربی، فارسی اور اُردو کی اعلیٰ ڈگریاں حاصل کیں۔ ۱۸۸۸ء میں واپس اپنے مستقر میں آئے یہ مسافرت تقریباً ۱۴ سال کی تھی۔

۲۹ سال کی عمر میں نورمل سکول راولپنڈی میں نومبر ۱۸۸۸ء تا ۱۸۹۶ء تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس سال یعنی ۱۸۹۶ء کو سنٹرل ماڈل سکول میں بحیثیت استاد تقرر ہوا جہاں تقریباً سات سال تک ملازمت کی۔

۹ نومبر ۱۹۰۱ء کو قیصر ہند کی سالگرہ کی تقریب میں ان کو "شمس العلماء" کا خطاب مع خلعت اور ایک تمغہ بھی ملا۔

۴ جولائی ۱۹۰۳ء کو سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں اورینٹل ٹیچر (استادِ علوم شرقیہ) مقرر ہوئے۔

۱۴ اکتوبر ۱۹۰۵ء تا ۹ جولائی ۱۹۰۶ء آپ پنجاب ٹیکسٹ بک رویژن کمیٹی میں ملازم ہوئے اور اپنے فرائض ادا کیے۔

تالیفات:

۱۔ میر احمد رضوانی کی تالیفات میں سے سب سے اہم کتاب تحفۃ الاولیاء ہے جو صوبہ سرحد کے مشہور صوفی اخون پنجو پشاوری (ف ۱۰۴۰ھ / ۳۱۔ ۱۶۳۰ء) کے حالات، مناقب اور ان کے خلفاء کے احوال پر فارسی نثر میں ہے کتاب کی نثر نہایت سادہ اور عام فہم ہے۔ یہ کتاب انہوں نے ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۵ء میں جب کہ اجمیر میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مزار پر معتکف تھے، لکھنے کا آغاز کیا۔ وہیں حضرت خواجہ کی شان میں عربی اور فارسی میں قصائد لکھے جو اس کتاب میں درج ہیں۔ اور یہ کتاب لاہور سے ۱۳۲۱ھ میں اس وقت شائع ہوئی جب آپ سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں علوم شرقیہ کے مدرسِ اعلیٰ تھے۔ (سرورق کتابِ مذکور)

۲۔ ریڈر جدید عربی گریجوئیٹ وبک گرائمر، برائے سیکنڈری سکولز

یہ نصابی کتب چار عدد ہیں جو آپ نے ۱۹۰۵ء اور ۱۹۰۶ء کے مابین مرتب کر کے شائع کروائیں۔ جبکہ آپ پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی میں اعادہ کرنے والی کمیٹی کے ممبر تھے۔

۳۔ دیوانِ اشعار:

میر احمد رضوانی کا مجموعۂ کلام ہے۔ جس میں عربی، فارسی اور اُردو کی منظومات ہیں۔ کلام میں روانی اور برجستگی پائی جاتی ہے۔ قصائد کا حصہ بھی قابلِ توجہ ہے۔ جس میں کئی اہم قطعاتِ تاریخ اور تاریخی قصائد بھی شامل ہیں۔

میر احمد شاہ رضوانی کی تالیفات کی تعداد حدود ۳۵ ہے لیکن دست بردِ زمانہ سے ان کے مسودات محفوظ نہیں رہ سکے۔ میر احمد رضوانی اوائل ۱۹۳۵ء میں فوت ہوئے۔

ماخذ

۱۔ رضوانی، میر احمد شاہ پشاوری: تحفۃ الاولیاء، لاہور، مطبع مفید عام ۱۳۲۱ھ

۲۔ امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء ومشائخ سرحد ۱۹۶۴۔ ۱۹۷۲ء

۳۔ قدوسی، اعجاز الحق: تذکرہ صوفیۂ سرحد، لاہور ۱۹۶۶ء

۴۔ فائلرز اینڈ ریورٹس سنٹرل ٹریننگ کالج، لاہور۔ مملوکہ دفتر کالج، لاہور

۵۔ فیوض الرحمٰن: علماء سرحد کی تصنیفی خدمات۔ لاہور (س۔ن)

۲۷ اپریل ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ کشبہ قارہ۔

صوفیہ کرام

بابا رتن بن کرپال

بابا رتن ساتویں صدی ہجری کے ایک صوفی، محدث اور راویانِ حدیث میں سے تھے۔

بابا رتن بن کرپال بن رتن بترمذی، ایک متنازعہ فیہ شخصیت ہیں نام کے اول میں بھی اختلاف ہے۔ رتن
اور رطن دونوں طرح آیا ہے۔ (الاصابہ ۲/ ۲۷۵۳/ ۲۲۵) ان کی نسبت البترندی (Al-Badtrandi) ہے
بتندہ سے ماخوذ ہے۔ جو ہندوستان کے شہروں میں سے ایک شہر ہے (تاج العروس ۹/ ۲۱۲) یہ شہر اب بھٹنڈہ
(Bhatinda) کے نام سے معروف ہے۔ جو تحصیل گوبند گڈھ (Gobind garh) مشرقی پنجاب (ہندوستان)
میں ہے۔ اسی شہر میں حاجی بابا رتن کی ولادت ہوئی (آئین اکبری ۲/ ۲۰۷)

بابا رتن کے متعلق متضاد بیانات ملتے ہیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک معمر ہندوستانی
تھے (القاموس، مادہ البترندی)، دوسری روایت ان کے صحابیِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہے، تیسری روایت
ہندوؤں کی ہے جس میں انہیں ہندو ثابت کیا گیا ہے۔

صوفیہ کی کتابوں فصل الخطاب، لطائفِ اشرفی، نفحات الانس اور گلزارِ ابرار وغیرہ میں انہیں طبقۂ صوفیہ
میں شمار کیا گیا ہے۔ بعض اکابر علماء و مشائخ نے ان سے ملاقات بھی کی تھی۔

خواجہ محمد پارسا بخاری (ف ۸۲۲ھ / ۱۴۱۹ء) نے بابا رتن کے صحابی اور صوفی ہونے کی تصدیق کی۔
(فصل الخطاب ۲۳۱)، شیخ علاء الدولہ سمنانی (ف ۷۳۶ھ / ۱۳۳۷ء) کو شیخ موسیٰ بن محلی صوفی کے واسطے سے
رتن سے روایت کرنے کی اجازت تھی (سلوۃ العاشقین ۲۹۷) شیخ رضی الدین علی لالہ غزنوی (ف ۶۴۲ھ
۱۲۴۴ء) ۶۲۰ھ / ۱۲۲۳ء کو ہندوستان آئے تو بابا رتن سے ملاقات کی (گلزار ابرار ۲۶، نفحات الانس ص ۴۳۳)

شیخ اشرف جہانگیر سمنانی کے مکتوبات اور ملفوظات لطائفِ اشرفی (۱/ ۳۷۸) میں بابا رتن سے ملاقات
کا ذکر ملتا ہے جو یقیناً الحاقی ہے کیوں کہ بابا رتن کی وفات کے بعد شیخ اشرف جہانگیر کی ولادت ہوئی تھی (حیات
اشرف جہانگیر ۱۲۶۔۱۱۶) گویا صوفیہ نے انہیں طبقۂ مشائخ میں شمار کیا ہے۔

دوسرا بیان بابا رتن کے صحابی ہونے کے بارے میں ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی تھی، غزوۂ خندق میں بھی حاضر تھے جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے لیے درازیٔ عمر کی دعا کی، حضرت سیدہ فاطمہ کے نکاح کے وقت بھی موجود تھے اور ان سے احادیث بھی مروی ہیں۔ یہ احادیث "الرتنیات" کہلاتی ہیں۔ (تاج العروس، مادہ البترمذی، الاصابہ ۲/ ۲۲۵ وبہ بعد)

اس معاملہ میں بھی محدثین کی دو آراء ہیں اول تو محدثین نے ان کے صحابی رسول ہونے کی روایت کو محض افسانہ قرار دیا ہے کہ بابا رتن کا ذکر پہلی پانچ صدیوں تک کہیں نہیں ملتا، اچانک چھٹی صدی ہجری میں ان کی شہرت ہوگئی اور ان سے روایات بیان کی جانے لگیں اس سلسلے میں حافظ شمس الدین محمد ذھبی (ف ۷۴۸ھ) نے بابا رتن اور رتنیات کو من گھڑت اور افسانہ قرار دیا اور اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ "کسر وثن رتن" لکھ کر دلائل دیے ہیں (الذھبی و منھجہ ۱۳۔ ۲۱۴ سیر اعلام النبلاء ۲۲/ ۳۶۷) لیکن محدثین کے دوسرے طبقے نے حافظ ذھبی کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے ان کے وجود سے انکار نہیں کیا۔ البتہ ان مرویات و احادیث کو ضعیف اور وضع قرار دیا ہے کہ ان کی وفات کے بعد یہ احادیث ان سے منسوب کر دی گئیں (الوافی بالوفیات ۱۴/ ۹۹۔ ۱۰۲، تاج العروس۔۔۔۔مادہ البترندی، مرقات۔۔۔۔باب ۱۲۔۔۔۔)

جن اصحاب نے بابا رتن کو دیکھا اور ان سے روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں:

موسیٰ بن مجلی، حسن بن محمد حسینی خراسانی، کمال شیرازی، اسماعیل عارفی، ابو الفضل عثمان اربلی، داؤد بن اسعد، شریف علی بن محمد خراسانی ہروی، معمر ابو بکر مقدسی، ھمام مہر کندی (الاصابہ ۲/ ۲۲۶۔۔۔۔وبہ بعد)

بابا رتن کے سالِ وفات میں اختلاف ہے۔ ۵۹۶ھ، ۶۰۸ھ، ۶۱۲ھ، ۷۰۰ھ اور ۷۰۹ھ بھی درج ہوا ہے، حافظ ذھبی نے ۶۳۲ھ/ ۱۲۳۵ء لکھا ہے (سیر اعلام النبلاء ۲۲/ ۳۶۸)

بابا رتن کی اولاد میں سے دو بیٹوں محمود اور عبد اللہ (ھمانجا، الاصابہ ۲/ ۲۲۸) اور دونوں سے روایت بھی کی گئی ہے۔

بابا رتن کی مرویات کو کتابی صورت میں جمع کیا گیا تھا جس کا ایک نسخہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے دیکھا تھا جو ۷۰۱ھ کا مکتوبہ تھا ان احادیث کے راوی ابو الفتوح موسیٰ بن مجلی صوفی ہیں۔ شیخ موسیٰ صوفی کے مرتبہ مجموعہ میں سے تاج الدین محمد بن احمد خراسانی نے چالیس حدیثوں کا ایک انتخاب مرتب کیا تھا اس میں سے اٹھارہ حدیثیں الاصابہ میں شامل ہیں۔ یہ روایات شیعی اور علوی رجحانات کی مظہر ہیں (اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۱۰/ ۱۹۲) اس

کے خطی نسخے کتابخانہ ہای لائیڈن اور برلن وغیرہ میں موجود ہیں۔(ھمانجا) یہی احادیث صاحب قاموس نے بابا رتن کے اصحاب سے سنی تھیں (قاموس، رواہ البترندی۔۔۔)

چہل حدیث کے اس انتخابی مجموعہ کا فارسی میں بھی ترجمہ ہوا تھا جس کے دو خطی نسخے پاکستان میں بھی موجود ہیں۔(فہرست مشترک ۳/ ۱۵۴۵)

ساتویں صدی ہجری میں مسلمانوں میں بابا رتن کے دعاوں کی خوب شہرت ہونے لگی۔ بعد میں ان کی باتوں کو افسانوی رنگ دے دیا گیا۔ مقامی روایت کے مطابق بابا رتن بٹھنڈے کے ہندو راجہ وینہ پال (Raja Vena Pal) کے وزیر تھے۔ شہاب الدین غوری (محمد بن سام) نے بٹھنڈے کا قلعہ فتح کیا (طبقاتِ ناصری ترجمہ وتعلیقات راورٹی ص ۱۱۸) تعلیقات ۴۵۷، ۴۶۰) تو بابا رتن نے غوری کا ساتھ دیا۔

دوسری مقامی روایت یہ ہے کہ بابا رتن کا اصل نام رتن ناتھ تھا وہ ایک سادھو (Sadho) اور فرقہ درشن (Darshan) سے تعلق رکھتے تھے۔۔۔۔ وفات کے بعد ان کی سادھی بنائی گئی چونکہ انہوں نے حرمین کا سفر کیا تھا اس لیے ناتھ (Nath) کی بجائے حاجی کہلائے اور ان کی سادھی کو خانقاہ بنا لیا گیا۔ بابا رتن کا معمول جیس دم کا تھا جس کی وہ باقاعدہ مشق کرواتے تھے۔ وہ گوگا (goga) میں بھی کمال رکھتے تھے۔ ہندوؤں کا یہ بھی خیال ہے کہ ہو سکتا ہے کہ بابا رتن اصل میں جوگی ہوں ان کی زندگی کے دو رخ نظر آتے ہیں وہ ہندوؤں کے سامنے معمر جوگی اور مسلمانوں کے روبرو صحابی بن جاتے تھے۔

(Journal of the Punjab Historical Socicty, 2: 113)

بابا رتن کا مزار قصبہ بٹھنڈہ (Bhatinda) میں ہے جو اس وقت مشرقی پنجاب ہندوستان میں ہے (تذکرۃ المشائخ ۲۶۵) غوثی مانڈوی نے بابا رتن کا مزار جزیرہ سراندیپ میں بتایا ہے (گلزار ابرار ۲۷) جو دیگر تذکروں اور مقامی روایات کی روشنی میں درست نہیں ہے۔

بابا رتن کے مزار پر کچھ کتبات بھی ہیں۔ ایک کتبہ راجہ ٹوڈرمل (Todermal) کا مورخ ۱۰۰۲ھ دوسرا بدی چند (Badhichand) مورخ ۱۰۲۳ھ/ تیسرا نواب جباری خان ۱۰۱۱ھ، چوتھا نواب شہداد خان مورخ ۱۱۳۱ھ، ایک کتبہ سنسکرت میں ہے اور آخری کتبہ پنجاب کے انگریز گورنر کا مورخ ۱۸۸۰ء ہے۔ سلطان شہاب الدین غوری کی طرف سے ایک وقف نامہ برای درگاہ بابا رتن بھی ہے جو خادموں کے لیے بطور مدد معاش دیا گیا تھا۔ اس میں بابا رتن کا سال وفات ۷۲۲ھ درج ہے۔(تذکرۃ المشائخ ۲۶۵۔۲۶۶)

پنجابی ادب میں بھی بابا رتن کا تذکرہ ملتا ہے ان کے گوگا (goga) داستان سے تعلق کی تفصیل کے لیے دیکھیے (Glossary of the Tribes and Carts of the Punjab 1/175)

مآخذ

۱۔ ابو الفضل، علامی: آئین اکبری، لکھنو، ۱۸۶۹ء

۲۔ ابن حجر عسقلانی: الاصابۃ فی تمیز الصحابہ، کلکتہ ۱۸۵۳ء چاپ عکسی بیروت (س ن)

۳۔ جامی، نور الدین عبد الرحمٰن: نفحات الانس مرتبہ محمود عابدی، تہران، ۱۳۷۰ش

۴۔ ذھبی، شمس الدین محمد: سیر اعلام النبلا، (ج ۲۲) مرتبہ بشار عواد معروف، بیروت، ۱۹۸۵ء

۵۔ زبیدی، محمد مرتضیٰ حسینی: تاج العروس بہ تحقیق عبد الستار احمد فراج، بیروت، ۱۹۷۱ء

۶۔ سمنانی، علاء الدولہ: مصنفاتِ فارسی (رسالہ سلوۃ العاشقین وسکینۃ المشتاقین) مرتبہ نجیب مائل ہروی، تہران ۱۳۶۹ش

۷۔ صفدی، صلاح الدین: الوافی بالوفیات مرتبہ دیدرینغ (Dedering)، بیروت ۱۹۸۲ء

۸۔ غوثی، محمد بن حسن: اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار از فضل احمد، لاہور، ۱۳۹۵ھ

۹۔ گیلانی، مناظر حسن: ایک ہندوستانی صحابی بابا رتن ہندی کے حالات، دیو بند (س ن)

۱۰۔ محمد پارسا بخاری: فصل الخطاب، تاشکند، ۱۳۳۱ھ

۱۱۔ محمد شفیع لاہوری: رتن (بابا) حاجی ابو الرضا، مقالہ مشمولہ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور

۱۲۔ معروف، بشار عواد: الذھبی ومنہجہ فی کتابہ تاریخ الاسلام، قاہرہ، ۱۹۷۶ء

۱۳۔ مولا بخش: تذکرۃ المشائخ (آخرین فصل راجع بہ مدفونین بٹھنڈہ)، فیروز پور، ۱۸۸۷ء

۱۴۔ منزوی، احمد: فہرست مشترک، ج سوم اسلام آباد ۱۹۸۴ء

۱۵۔ نظام غریب یمنی: لطائف اشرفی، دہلی ۱۲۹۹ھ

۱۲۔ وحید اشرف: حیات سیّد اشرف جہانگیر سمنانی، کچھوچھہ، ۱۹۷۵ء

16. Horsllitz, J: Baba Ratan Saint of Bhatinda, (Selection from Journal of Punjab Historical society), Lahrore, 1982. Vol.1
17. Ibbetson, Rose: Glossary of Tribes and castes of Punjab and North-West Frontier province, (rep) Lahore, 1978.

۸ نومبر ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ کشیہ قانعہ۔

شیخ احمد زنجانی اور ان کا تذکرہ (تحفۃ الواصلین)

راقم الحروف عرصہ دراز سے زیب عنوان تذکرے کی تلاش میں ہے، لیکن تلاشِ بسیار کے باوجود ابھی تک کسی کتاب خانے کی فہرست میں اس کا ذکر میری نظر سے نہیں گذرا، بہت سے اربابِ علم و تحقیق سے بھی دریافت کیا، مگر کسی سے پتا نہ چلا، یہاں اس تذکرے کے سنہ تصنیف کے متعلق کچھ کہنا ہے، ممکن ہے اس کو پڑھنے کے بعد کوئی صاحب اس پر روشنی ڈال سکیں۔

رائے بہادر کنھیالال اس تذکرے کی بابت لکھتے ہیں:

"شیخ احمد زنجانی نے رسالہ تحفۃ الواصلین ۴۳۵ھ عہد سلطان مسعود غزنوی میں بمقام لاہور اس شہر (لاہور) کے علماء و فضلاء کے حال میں لکھی ہے"[1]۔

کنھیالال کے اس بیان پر بھروسا کرتے ہوئے، ڈاکٹر محمد باقر صاحب نے اس تذکرے کو ۴۳۵ھ کی تصنیف تسلیم کیا ہے[2]۔

تعجب ہے کہ ڈاکٹر محمد باقر صاحب نے اس بیان پر کس طرح اعتماد کر لیا، یہ بیان نہ صرف غیر تحقیقی بلکہ مضحکہ خیز ہے۔

کنھیالال حضرت ذکی کے حالات کے زمرے میں لکھتے ہیں۔

"تحفۃ الواصلین میں لکھا ہے، کہ یہ بزرگ مغلوں کی لڑائی میں شہید ہوا تھا، اور اس دروازے (ذکی) کی حفاظت اس کے ذمے تھی"[3]۔

لاہور پہلی مرتبہ ۶۳۹ھ م ۱۲۴۱ء میں ملک معز الدین بہرام شاہ کے عہد میں منگولوں کی تاخت و تاراج کا نشانہ بنا، شہر پر قبضہ کرنے کے بعد انہوں نے مسلمانوں کو قتل و اسیر کیا، اس قتل و غارت میں وہ شہداء بھی شامل

---

۱ تاریخ لاہور مطبوعہ وکٹوریہ پریس لاہور ۱۸۸۴ء

۲ ملاحظہ ہو مقالہ "لاہور کی وجہ تسمیہ" در نقوش "لاہور نمبر"

۳ تاریخ لاہور، ص ۱۶۷

ہیں، جن کی قبریں "مزارات شہید گنج" محلہ سادھواں میں واقعہ ہیں، ان کا ذکر بھی "تحفۃ الواصلین" میں موجود ہے[1]۔

"تحفۃ الواصلین" میں حضرت ذکی کی شہادت کا ذکر (قریباً ۶۳۹ھ) اس کی بین دلیل ہے کہ یہ تذکرہ ساتویں صدی ہجری کے بعد کی تصنیف ہے۔

لاہور کے مشہور محقق مفتی غلام سرور لاہوری نے جن کے پاس یہ تذکرہ موجود تھا، اپنی تصانیف میں جا بجا اس کا حوالہ دیا ہے، انہوں نے سید شیخ عزیز الدین مکی ثم لاہوری کے حالات تحفۃ الواصلین ہی سے نقل کیے ہیں، جن کی وفات ۶۱۲ھ میں ہوئی ہے[2]۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ تذکرہ ۶۱۲ھ کے بعد لکھا گیا، خزینۃ الاصفیاء ہی میں سید اسحاق گازرونی لاہوری کے حالات کے ضمن میں مفتی صاحب لکھتے ہیں۔

"ایں قطعہ درج رسالہ "تحفۃ الواصلین" است، قطعہ

سیّد اسحاق ولی کریم گشت چوزیں دہر بجنت مقیم
سال وصالش عجب آور ز دل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۷۸۶ھ

اس قطعہ کے "تحفۃ الواصلین" میں ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں آٹھویں صدی ہجری کے بزرگوں کا ذکر بھی موجود ہے، اس لیے اس کو ۴۳۵ھ کی تصنیف نہیں کہا جا سکتا، رہا یہ سوال کہ اس تذکرے کا مصنف کون ہے؟ اس باب میں کچھ کہنا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک اصل کتاب سامنے نہ ہو، عہد حاضر کے مشہور محقق جناب سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب میرے ایک استفسار کے جواب میں لکھتے ہیں،

"میرا اپنا خیال ہے کہ شیخ احمد زنجانی کی طرف یہ تصنیف منسوب کرنا صحیح نہیں"[4]

معارف، (دارالمصنفین، اعظم گڑھ) ج ۱۰۰ ش ۵ (نومبر ۱۹۶۷ء)

---

1. ملاحظہ ہو طبقات ناصری (انگریزی) مترجم ایچ۔ جی۔ راورٹی، جلد اول ص ۶۵۵، سید یحییٰ سرہندی کی تاریخ مبارک شاہی ص ۱۰ مطبوعہ کلکتہ ۱۹۳۱ء
2. حدیقۃ الاولیاء، مفتی غلام سرور لاہوری ص ۱۷۰ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۸۷۷ء
3. خزینۃ الاصفیاء، جلد دوم ص ۲۵۵
4. مکتوب جناب صباح الدین عبدالرحمن بنام محمد اقبال مجددی، محررہ ۱۱ اپریل ۱۹۶۶ء

حضرت پیر بلخی

پیر بلخی ساتویں صدی ہجری کے ایک صوفی اور مجاہد بزرگ تھے۔

پیر بلخی کا اصل نام لاہور کی مقامی کتب تاریخ اور تذکروں میں مذکور نہیں ہے۔ خوارزم شاہی سلسلہ کا آخری فرمانروا سلطان جلال الدین مینکبرنی (۶۱۷۔ ۶۲۸ھ / ۱۲۲۰۔ ۱۲۳۱ء) پیر بلخی کا معتقد تھا، چنگیز خان (۶۰۳۔ ۶۲۴ھ / ۱۲۰۶۔ ۱۲۲۷ء) نے جب خراسان اور افغانستان پر پے در پے حملے کر کے مسلمانوں کے ان علمی وروحانی مراکز کو نیست ونابود کر دیا تو پیر بلخی اپنے مستقر بلخ (افغانستان) سے ہجرت کر کے لاہور آ گئے۔ (تاریخ لاہور ۱۶۸)

لاہور میں بھی وہ حسب معمول عبادت وریاضت اور دعوت وارشاد میں مصروف رہے۔ یہاں ان کی عوام میں بہت مقبولیت ہوئی۔ اس سے آگے لاہور کے مورخین نے ان کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ معاصر کتب تاریخ کی روشنی میں محض داستان گوئی معلوم ہوتی ہے، سلطان جلال الدین مینکبرنی چنگیز خان کے خوف سے چھپتا چھپاتا لاہور آ گیا تو چنگیز خان اس کے تعاقب میں لاہور پہنچا، سلطان وہاں سے فرار ہو کر دہلی چلا گیا، جب چنگیز خانیوں کو لاہور میں سلطان نہ ملا تو انہوں نے اس شہر پر حملہ کر کے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا اس وقت دہلی کی مرکزی حکومت نے فوج بھیج کر مقابلہ کیا مقامی لوگ بھی اس معرکے میں شریک ہوئے، پیر بلخی بھی اپنے مریدین سمیت کفار منگولوں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے (تاریخ لاہور ۱۶۸، حدیقۃ الاولیاء ۲۵۱)

لاہور کے عجائب گھر میں ایک ایسا کتبہ موجود ہے جو پیر بلخی کی لوحِ مزار معلوم ہوتا ہے۔ یہ کتبہ عربی زبان میں ہے جو نسخ آمیز کوفی خط میں ہے، کتبے کی مختصر سی عبارت اس طرح ہے:

"هذا مقبرة الشهيد الشيخ ابو المحامد الحسين بن محمد الحسين ابو بكر الذكرى البلخى رحمة الله و قد عاش ثمانية و تسعين سنة وفاته فى يوم الجمعة التاسع من ذى الحجه وهى يوم عرفه من ثلثه و اربعين و ستمائية"

اس کتبے سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

ا۔ یہ ایک شہید کا مزار ہے۔

۲۔ ان کا نام ابوالحامد حسین تھا

۳۔ ان کے والد کا نام محمد حسین ابو بکر تھا۔

۴۔ ان کی نسبت ذکری بلخی ہے۔

۵۔ ان کی عمر بوقت شہادت ۹۸ سال تھی۔

۶۔ ان کی وفات (شہادت) ۹ ذی الحج ۶۴۳ھ کو ہوئی۔

۷۔ ان کا سالِ ولادت بحساب عمر ۵۴۵ = (۶۴۳ - ۹۸) ہے۔

اگر اس عہد کی معاصر کتب تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو اس کتبے کے مندرجات صحیح معلوم ہوتے ہیں۔

شہاب الدین نسوی سلطان مینکبرنی کا معاصر اور اُس کا سوانح نگار تھا اس کے بیان کے مطابق چنگیز خان سلطان مینکبرنی کا تعاقب کرتا ہوا۔ دریائے سندھ تک آیا تھا جو ۶۱۸ھ / ۱۲۲۱ء کا واقعہ ہے، وہاں سلطان کو شکست ہوئی اس میں سلطان کی فوج کو بہت نقصان اٹھانا پڑا، چنگیز خان وہیں سے واپس لوٹ جاتا ہے (سیرت جلال الدین مینکبرنی ۱۱۰۔۱۱۳) اس کتاب میں چنگیز خان کے لاہور پر حملہ آور ہونے کا سرے سے ذکر ہی موجود نہیں ہے، البتہ سلطان مینکبرنی کا لاہور پر قبضہ ہو جاتا ہے تو وہ اسے نقد خراج پر دینے کے وعدے پر چھوڑ کر واپس چلا جاتا ہے (حمانجا ۱۱۹۔۱۲۲)

گویا پیر بلخی لاہور میں چنگیزی حملے میں شہید نہیں ہوئے تھے بلکہ علاء الدین مسعود شاہ ۶۳۹۔۶۴۴ھ / ۱۲۴۲۔۱۲۴۶ء کے عہد حکومت میں لاہور پر ہونے والے منگولوں کے حملوں میں ۶۴۳ھ / ۱۲۴۵ء کو شہید ہوئے اور یہی مذکورہ کتبے کے مطابق درست معلوم ہوتا ہے۔ شیر خان کے لاہور کا عامل مقرر ہونے کے بعد بھی یہ حملے جاری رہے تھے (Lahore, p. 15)، پیر بلخی کا مزار لاہور میں گزر رڑہ (Guzar Rarah) میں واقع ہے یہ

علاقہ آج کل کشمیری بازار کہلاتا ہے۔ مزار ایک کمرے کے اندر واقع ہے۔ جس پر چاروں طرف سبز رنگ کر دیا گیا ہے۔ دہلی دروازے سے سنہری مسجد کو جاتے ہوئے یہ مزار بائیں ہاتھ واقع ہے۔ اس سے قبل یہ مزار یقیناً وسیع و عریض تھا ۱۱۶۳ھ / ۱۷۴۹ء کو جب نواب سید بھکاری خان (S.Bhikari Khan) نے سنہری مسجد تعمیر کروائی تو مسجد کی زینت بڑھانے کے لیے اس نے بازار سیدھا کروایا (تاریخی مساجد لاہور ۱۰۴) تو پیر بلخی کا یہ مزار سرراہ آ گیا۔ مزار کا بہت سا حصہ توڑ کر گرا دیا گیا۔ صرف مزار رہنے دیا باقی ملحقہ عمارت گرا دی گئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس توڑ پھوڑ میں پیر بلخی کے مزار کا اصل اور قدیم کتبہ ادھر ادھر ہو گیا اور کسی نے اسے محفوظ رکھا اور جب لاہور میں عجائب گھر بنا تو یہ کتبہ یہاں پہنچ گیا جس پر مفصل بحث گذر چکی ہے۔

مآخذ

۱۔ چشتی، نور احمد: تحقیقاتِ چشتی، لاہور، ۱۸۶۸ء

۲۔ چغتائی، عبداللہ: تاریخی مساجد لاہور، لاہور ۱۹۷۶ء

۳۔ غلام سرور لاہوری مفتی: حدیقۃ الاولیاء تحقیق و تعلیق، محمد اقبال مجددی، لاہور، ۱۹۷۶ء

۴۔ کنہیا لال: تاریخ لاہور، لاہور، ۱۸۸۴ء

۵۔ نامی، غلام دستگیر: بزرگانِ لاہور، لاہور، ۱۹۶۶ء

۶۔ نقوش لاہور نمبر، شمارہ ۹۲، فروری ۱۹۶۲ء

۷۔ نسوی، شہاب الدین محمد خرندزی زیدری: سیرت جلال الدین مینکبرنی ترجمہ فارسی از مترجم مجہول در قرن ہفتم ہجری بہ تصحیح مجتبیٰ مینوی، تہران، ۱۳۶۵ش

8- Muḥammad Latif: Lahore, its Hisotry, Architectural Remains, Lahore, 1892.

۲۴ جولائی ۱۹۹۸ء

برائی دانشنامہ شبہ قارہ

حضرت پیر مکّی لاہوری

شیخ عزیز الدین مکی ثم لاہوری ساتویں صدی ہجری کے ایک صوفی بزرگ اور مدرس تھے۔

شیخ عزیز الدین مکی کا تعلق سادات کے خانوادے سے تھا موصوف اکابر علماء و صوفیہ میں شمار ہوتے تھے۔ ان کے اجداد کا تعلق بخارا سے تھا۔ ان کا سلسلۂ طریقت صرف چند واسطوں سے شیخ جنید بغدادی (ف ۲۹۷ھ / ۹۱۰ء) سے ملتا ہے۔ بغداد سے حرمین الشریفین گئے اور وہاں بارہ سال تک قیام کیا، مکہ مکرمہ میں بیت اللہ میں معتکف رہے اور انہیں اس بنا پر پیر مکی کے خطاب سے پکارا گیا۔ عالم مکاشفہ میں انہیں ہندوستان جانے کا حکم ہوا (خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۲۵۵)

سلطان شہاب الدین غوری (حکومت در غزنہ ۵۶۹۔ ۵۹۹ و در ہند ۵۹۹۔ ۶۰۲ھ) کے ورودِ لاہور سے قبل پیر مکی لاہور پہنچ کر دعوت و ارشاد میں مصروف ہو چکے تھے اور ان کی خاصی شہرت ہو گئی تھی۔ اس سلسلے میں لاہور کے مقامی مورخین نے سلطان شہاب الدین غوری کے ہندوستان پر حملوں کی جو تاریخیں دی ہیں وہ قیاسی اور غلط ہیں۔ جدید تحقیق کے مطابق سلطان غوری ملتان و اوچ فتح کرتا ہوا ۵۷۴ھ / ۱۱۷۸ء کو گجرات پر حملہ آور ہوا لیکن اُسے یہاں شکست ہوئی اور وہ واپس غزنی چلا گیا۔ سندھ اور پنجاب پر اس وقت غزنوی سلطنت کا آخری حکمران تاج الدولہ خسرو ملک (۵۵۵۔ ۵۸۲ھ / ۱۱۶۰۔ ۱۱۸۶ء) حکومت کر رہا تھا۔ سلطان شہاب الدین غوری پشاور تک فتح کرتا ہوا ۵۷۶ھ / ۸۰۔ ۱۱۸۱ء کو لاہور پہنچا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ خسرو ملک میں مقابلہ کی تاب نہیں تھی اور وہ تنگ بھی آ چکا تھا اس نے شیخ عزیز الدین پیر مکی کی خدمت میں جا کر دعاء کرنے کے لیے کہا پیر مکی نے جواب دیا کہ اس سال وہ واپس چلا جائے گا۔ اور تیری یعنی غزنوی حکومت مزید کچھ سال قائم رہے گی پھر اس پر تقدیر الٰہی سے غوری سلطنت کا غلبہ ہو جائے گا۔ (خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۲۵۶) چنانچہ ایسا ہی ہوا سلطان غوری کو لاہور میں کامیابی ہوئی اور اس نے خسرو ملک سے صلح کر لی اور اس کے خُرد سال فرزند کو بطور یرغمال غزنی لے گیا۔ (غوریان ۲۱۶)

اگلے سال سلطان غوری پھر ہندوستان پر حملہ آور ہوا اور اس نے دریائے سندھ تک قبضہ کر لیا۔ ۵۸۰ھ / ۱۱۸۴ء) کو پھر حملہ آور ہوا اور لاہور پر قبضہ کر کے خسرو ملک کو اپنے ساتھ غزنی لے گیا۔ اس طرح پیر مکی کی پیش گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی اور غزنوی سلطنت کو صرف پانچ سال مزید حکومت کرنے کی مہلت مل گئی۔ پھر سلطان غوری نے ۵۸۲ھ / ۱۱۸۶ء کو لاہور پر تیسرا حملہ کر کے اس پر مکمل قبضہ کر لیا۔ (غوریان ۲۱۵۔۲۱۶)

مفتی غلام سرور لاہوری نے سلطان غوری کے لاہور پر پہلے حملے کا سنہ ۵۷۴ھ / ۱۱۷۸ء دیا ہے جو صحیح نہیں ہے اس سنہ میں اُسے گجرات میں شکست ہوئی تو اور وہ آگے نہ بڑھ سکا تھا۔ (خزینۃ ۲/ ۲۵۶) اس طرح مورخین لاہور کے نوشتہ دیگر سنین بھی صحیح نہیں ہیں۔ محمد دین فوق نے جو سنین درج کیے ہیں ان میں بھی سقم ہیں۔ (نقوش لاہور نمبر ص ۱۷۰)

کنھیا لال (Konahia Lal) نے پیر مکی کا اصل نام جلال الدین لکھا ہے (تاریخ لاہور ۳۲۰) لیکن کسی ماخذ کا ذکر نہیں کیا جبکہ مفتی غلام سرور نے ایک قدیم تذکرہ تحفۃ الواصلین' کے حوالے سے ان کا نام عزیز الدین مکی بتایا ہے۔ (خزینۃ الاصفیاء ۲/ ۲۵۵)

نور احمد چشتی نے اس سلسلے میں سب سے زیادہ بے خبری کا اظہار کیا ہے اور محض سماعی باتیں لکھ کر آگے بڑھ گئے ہیں اور تحفۃ الفقراء کے حوالے سے پیر مکی کا سالِ وفات ۱۰۴۸ھ / ۱۶۳۸ء درج کر دیا ہے (تحقیقاتِ چشتی ۶۰۶۔۶۰۷) گزشتہ مذکورہ واقعات کی روشنی میں نور احمد چشتی کا بیان بے بنیاد ہے۔ کہاں غزنوی اور غوری سلاطین اور کہاں ۱۰۴۸ھ شاہ جہان کا زمانہ۔

مفتی غلام سرور کا درج کردہ سالِ وفات ۶۱۲ھ / ۱۵۔۱۲۱۶ء ہے زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے اور جب تک کوئی قدیم دستاویز یا ماخذ سامنے نہ آئے یہی سنہ وفات صحیح سمجھا جانا چاہیے (خزینۃ الاصفیاء ۲/ ۲۵۶) گویا پیر مکی کا اگر ورودِ لاہور کا سنہ ۵۷۶ھ تسلیم کر لیا جائے تو وفات تک ان کے لاہور میں قیام کی مدت ۳۶ سال بنتی ہے۔ ان سالوں میں پیر مکی نے لاہور میں درس و تدریس اور دعوت و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھا اور صدہا طالبانِ خدا

تحفۃ الواصلین جلیف شیخ احمد زنجانی، بسال آٹھویں صدی ہجری کی ستارہ مشہور کتاب ماخذ بعنوان شیخ احمد زنجانی

آپ کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہوئے اور تعلیم و تربیت پا کر کامل ہوئے (خزینۃ الاصفیاء ۲/ ۲۵۶، تاریخ لاہور ۳۲۰، حدیقۃ الاولیاء ۱۸۹، بزرگانِ لاہور ۱۹۹، مدینۃ الاولیاء ۴۹۶، نقوش لاہور نمبر ۱۷۱)

سلطان شمس الدین ایلتتمش (۶۰۷۔ ۶۳۳ھ / ۱۲۱۱۔ ۱۲۳۶ء) کے زمانے میں لاہور اور سارے ہندوستان میں امن وامان قائم ہو گیا اور مفسدین دب گئے۔ اس کے عہد میں علماء وصوفیہ کا بڑی قدر ومنزلت ہوئی تھی خود سلطان علماء وصوفیہ بہت معتقد تھا اسی عہد میں لاہور میں پیر مکی نے درس وتدریس اور دعوت وارشاد کا مثالی مدرسہ قائم کیا اور صدہا اصحابِ علم نے علمی تشنگی بجھانے کے لیے اس مدرسے کی طرف رجوع کیا۔ (لاہور کے قدیم دینی مدارس ۲۵)

ان ایام میں پیر مکی کا مزار بیرون بھائی دروازہ پیر مکی روڈ پر ہے۔ آج ان کے وصال کو آٹھ سو سال ہو گئے ہیں لیکن زائرین کا ہجوم بدستور ہے۔

۱۹۴۴ء میں جب محمد دین فوق نے لاہور کے مزارات پر کتابچہ لکھا تو پیر مکی کے مزار کے کچھ قدیم آثار موجود تھے انہوں نے اس مزار کے واقعی عہد سلاطین دہلی میں تعمیر ہونے کا مشاہدہ کیا تھا (نقوش لاہور نمبر ۱۷۸)

مزار کا موجودہ انتظام محکمہ اوقاف حکومتِ پنجاب کے ذمہ ہے۔ مقبرہ بہت عالی شان ہے۔ اور جدید فن تعمیر کے اعتبار سے بھی قابلِ ستائش ہے۔ اس میں مردانہ اور زنانہ حصے الگ الگ ہیں۔ مزار کے ساتھ ہی ایک مسجد بھی ہے۔ جس کی کچھ عرصہ ہوا توسیع کی گئی ہے۔ مقبرہ کا اندرونی حصہ زیب وزینت اور میناکاری کا بہتر نمونہ پیش کرتا ہے۔ قبر سنگ مرمر کی ہے۔ اس کے گرد لاہور کا قدیم قبرستان ہے۔ اس کی حدود میں ملا احمد ٹھٹھوی (مرتب تاریخ الفی) کی قبر بھی تھی جس کا اب کوئی نشان نہیں ملتا۔ انگریزوں نے اپنے عہد حکومت میں قبرستان کے بڑے حصے کو مسمار کر کے اسے گوروں کا قبرستان بنا دیا تھا جو اب تک موجود ہے۔ مزار پیر مکی کی حدود میں لاہور کے پہلوانوں کی بہت سی قبور ہیں۔

مآخذ

۱۔ پژواک، عتیق اللہ: غوریان، کابل ۱۳۴۵ش

۲۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنو، ۱۸۷۳ء

۳۔ ایضاً حدیقۃ الاولیاء تحقیق وتعلیق محمد اقبال مجددی، لاہور، ۱۹۷۶ء

۴۔ کلیم، محمد دین: مدینۃ الاولیاء، لاہور، ۱۳۹۶ھ

۵۔ ایضاً: لاہور کے قدیم مدارس، مشمولہ رسالہ عرفات لاہور ۱۹۸۱ء

۶۔ ایضاً: سوانح حیات پیر مکی لاہوری، لاہور، ۱۹۸۲ء

۷۔ کنھیالال: تاریخ لاہور، لاہور، ۱۸۸۴ء

۸۔ نامی، غلام دستگیر: بزرگانِ لاہور، لاہور، ۱۹۶۶ء

۹۔ نقوش لاہور، نمبر، ش ۹۲، فروری ۱۹۶۲ء

۱۰۔ نور احمد چشتی: تحقیقاتِ چشتی، لاہور مطبع پیسہ اخبار، ۱۸۶۸ء

11- Muhammad Latif: Lahore, its History, Architectural Remains and........ Lahore, 1892.

۱۹ جولائی ۱۹۹۸ء

برائے دانشنامہ کشبہ قارہ

شیخ بدیع الدین شاہ مدار

شاہ مدار نویں صدی ہجری کے نامور صوفی تھے۔

سیّد بدیع الدین نام، قطب المدار لقب، شاہ مدار عرف اور ابو تراب کنیت تھی (تذکرۃ المتقین ص ۳۸) شاہ مدار حسنی حسینی ساداتِ جعفریہ میں سے تھے ان کے والد سیّد علی حلبی بھی ایک عالم بزرگ تھے۔ شاہ مدار کی ولادت حلب (ملکِ شام) میں ۷۱۵ھ / ۱۵۔۱۳۱۶ء کو ہوئی۔ (مرآۃ مداری ۴۹۔الف)

حلب ہی میں تعلیم اور علم کیمیا وغیرہ سیکھا جوانی میں ہی سیر و سیاحت کے لیے چل پڑے، طویل سفر کیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی اشارے پر ہندوستان آئے، وہ اویسی المشرب تھے اور طریقۂ اویسیہ کو پاکستان و ہند میں متعارف کروانے والے یہی بزرگ تھے۔ (ھمانجا ۱۴۔۱۵) معروف صوفی شیخ اشرف جہانگیر سمنانی شاہ مدار کے معاصر اور کئی اسفار میں ان کے ہم سفر تھے (لطائفِ اشرفی، لطیفہ ۱۲ ج اول)

شاہ مدار گجرات کے راستے ہندوستان آئے اجمیر پہنچ کر حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے عقیدت و مودت کا اظہار کیا۔ (مرآۃ مداری ۱۹۔۲۰) اجمیر سے کالپی (Kalpi) گئے وہاں بھی قبول عام حاصل ہوا وہاں سے قنوج (Kanoj) میں داخل ہوئے تو خواص و عام نے استقبال کیا، مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری (ف ۷۸۵ھ / ۱۳۸۴ء) کے خلیفہ شیخ اخی جمشید (۸۰۱ھ / ۱۳۸۹ء) نے بہت تکریم کی اور شاہ مدار نے قنوج کے مضافات میں طرح اقامت ڈال دی وہ قصبہ مکن پور (Makanpur) کہلاتا تھا۔ (ھمانجا ۲۵)

شاہ مدار جونپور (Jaunpur) بھی گئے وہاں کچھ عرصہ قیام کیا وہاں کے معروف عالم قاضی شہاب الدین دولت آبادی (ف ۸۴۹ھ / ۱۴۴۵ء) کے ساتھ ان کے تعلقات ناخوشگوار ہو گئے، قاضی صاحب نے شاہ مدار سے مراسلت کی اور کئی اختلافی مسائل میں مباحثہ رہا، (دیارِ پورب میں علم اور علماء ۱۸۰۔۱۸۱، نجات الرشید ۱۷۳) آخر شیخ اشرف جہانگیر سمنانی نے خود شاہ مدار کے پاس جا کر صلح کروائی (مرآۃ مداری ۵۳۔ الف) اس کے بعد قاضی

اور شاہ مدار کے مابین قریبی تعلقات کی ابتداء ہوئی اور قاضی ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ (ھمانجا ۳۶۔ الف)

مشہور صوفی شیخ شرف الدین یحیٰ منیری (Muneri) (ف ۷۸۲ھ / ۱۳۸۰ء) نے عوارف المعارف شاہ مدار کی خدمت میں پڑھی (مرآۃ مداری ۳۰۔ الف) شاہ مدار کے تقریباً سترہ خلفاء پاکستان و ہند کے مختلف اضلاع میں معروف کار رہے (ھمانجا ۴۶) ان خلفاء میں سے قاضی شہاب قدوائی، قاضی مطہر، سید جمال الدین عرف سید جمن (Jumman)، میر سید احمد جونپوری، جودن مداری، شیخ شمس الدین ثابت لکھنوی، شیخ بڈھن صدیقی بہرائچی، شاہ بھیکا قنوجی (مرآۃ مداری ۴۶۔ ۴۵) سید ابو محمد ارغون شاہ مدار کے جانشین ہوئے (تذکرۃ المتقین ۶۵۔ ۶۹) بعض دیگر خلفاء کے اسماء گلزارِ مدار اور سیر مدار میں ملاحظہ فرمایئے شیخ اشرف جہانگیر سمنانی نے بھی شاہ مدار سے خرقۂ خلافت حاصل کیا (لطائفِ اشرفی، لطیفہ ۱۴)

سلطان ابراہیم شرقی ۸۰۴۔ ۸۴۴ھ / ۱۴۰۱۔ ۱۴۴۰ء) شاہ مدار کا بہت عقدیت مند تھا کئی بار شاہ مدار سے ملاقات کے لیے آیا اور اصرار کر کے اپنے حدود مملکت میں قیام کے لیے کہا (مرآۃ مداری، ۳۶۔ الف، ۳۹۔ الف، ب)

شاہ مدار کے سالِ وفات میں اختلاف ہے شیخ عبدالرحمٰن چشتی نے بہ تحقیق ۱۸ جمادی الاول ۸۴۰ھ / ۱۴۳۶ء درج کیا ہے (مرآۃ مداری ۴۹۔ ا،ب)

شاہ مدار کا مزار مکن پور (Makanpur واقع ۴۵ کلو میٹر از کانپور Kanpur) میں ہے جسے سلطان ابراہیم شرقی مذکور کے ایک فرزند نے تعمیر کروایا تھا۔

(Sharqi Sultanate of Jaunpur, pp. 276-277)

مآخذ

۱۔ ابو الفضل، علامی: آئین اکبری، لکھنو، ۱۸۶۹ء

۲۔ اطہر مبارکپوری، قاضی: دیار پورب میں علم اور علماء، دہلی، ۱۹۷۹ء

۳۔ امیر حسن مداری: تذکرۃ المتقین، کانپور، ۱۳۲۹ھ

۴۔ بدایونی، عبد القادر: نجات الرشید مرتبہ معین الحق، لاہور ۱۹۷۱ء

۵۔ دارا شکوہ: سفینۃ الاولیاء، لکھنو، ۱۹۰۰ء

۶۔ ظہیری، ظہیر احمد: سیر المدار، جلد اول لکھنو ۱۹۰۰ء، دوم بدایوں، ۱۹۲۰ء

۷۔ عبد الحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، دہلی ۱۳۳۲ھ

۸۔ عبد الرحمٰن چشتی: مرآۃ مداری، خطی مخزونہ نیشنل لائبریری۔ اسلام آباد

۹۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ، ۱۸۷۳ء

۱۰۔ غوثی، محمد مانڈوی: اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار از فضل احمد جیوری۔ لاہور، ۱۳۹۵ھ

۱۱۔ مائل، محمود علی: گلزار مدار عرف شمشیر بدیع، لاہور، ۱۹۷۲ء

۱۲۔ محمد سعید، میاں: تذکرہ مشائخ شیراز ہند جونپور، لاہور، ۱۹۸۵ء

۱۳۔ نظام غریب یمنی: لطائفِ اشرفی، دہلی، نصرت المطابع ۱۲۹۸ھ

۱۴۔ وحید اشرف: حیاتِ اشرف، کچھوچھہ، ۱۹۷۵ء

15- Muhammad Saeed: Sharqi Sultanate of Jaunpur, Karachi, 1972.

۱۲ / اکتوبر ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

مولوی امیر حسن مداری

مولوی محمد امیر حسن مداری چودھویں صدی ہجری کے ایک صوفی، عالم اور تذکرہ نویس تھے۔

محمد امیر حسن بن سیّد شاہ آخون قصبہ مکنپور (کانپور Cawnpur) سے چالیس میل کے فاصلے پر ایک موضع میکنپور Makanpur ہے)

وہ نسلاً فنصوری (Fansuri) تھے ان کے جد اعلیٰ سیّد ابو تراب فنصور (ف ۸۹۹ھ / ۱۴۹۴ء) شاہ مدار کے خلیفہ تھے انہی سے خاندانی نسبت کے باعث فنصوری کہلاتے تھے (تذکرۃ المتقین ۲۲۔۳۱)

مولوی امیر حسن نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سیّد شاہ آخون کی خدمت میں حاصل کی۔ پھر قصبۂ مذکور میں شاہ مدار کی خانقاہ۔ ملحقہ مسجد و مدرسہ میں کچھ عرصہ پڑھا پھر سیّد شاہ فضل عظیم فنصوری کی خدمت میں رہ کر تحصیل کی۔ اس کے بعد انہیں سے سلسلہ مداریہ کے اشغال سیکھے۔ (ہمانجا ص ۳)

سیّد آل حسن معروف بہ اچھے میاں (AchyMian ف ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء) برادر کلاں شاہ فضل عظیم مذکور سے سلسلہ مداریہ میں بیعت ہوئے۔ (ہمانجا ص ۳)

مولوی امیر حسن کے والد سیّد حسین بخش عرف شاہ آخون بھی اسی سلسلہ سے وابستہ تھے۔ گویا ان کا سلسلۂ طریقت مشہور صوفی اور سلسلہ مداریہ کے موسس شاہ مدار (ف ۸۴۰ھ / ۱۴۳۶ء، مراۃ مداری ۴۲) سے ملتا ہے۔ انہوں نے اپنا پورا شجرہ خود مرتب کیا ہے (تذکرۃ المتقین ص ۹۳)

امیر حسن مداری کے سنہ وفات کا ہمیں تا حال علم نہیں ہے ان کا سلسلہ شاہ مدار کے خلیفہ سیّد ابو محمد ملقب بہ خواجہ ارغون کی وساطت سے شاہ مدار سے واصل ہوتا ہے۔ اس لیے ان کا سلسلہ مداری ارغونی کہلاتا ہے (ہمانجا ۶۳)

امیر حسن مداری کو فارسی زبان و ادب پر کس درجے کا عبور تھا اس کا اندازہ کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی زیادہ شواہد نہیں ہیں ان کی تالیفات میں سے صرف ایک کتاب تذکرۃ المتقین کا ہمیں علم ہے۔

تذکرۃ المتقین:

یہ سلسلہ مداریہ سے وابستہ علماء و مشائخ کا تذکرہ ہے۔ جو شاہ مدار (ف ۸۴۰ھ / ۱۴۳۶ء) موسس سلسلہ مداریہ کے حالات و تعلیمات سے شروع ہو کر مؤلف کے مرشد شاہ اچھے میاں اور مؤلف کے والد شاہ اخون (ف ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۳ء) تک کے صوفیہ کے حالات کا مرقع ہے۔ اس تذکرے سے بعض ایسے اصحاب کے حالات بھی معلوم ہوئے ہیں جن سے دیگر تذکرے خالی ہیں۔ مثلاً شیخ محمد لاہوری کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ شاہ مدار کے خلیفہ تھے۔ (تذکرۃ المتقین ۴۹)

کاکوری (Kakori) کے سلسلہ قلندریہ کے اصحاب بھی سلسلہ مداریہ سے وابستہ تھے (ہمانجا ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۸،۱۵۷)

دورِ آخر کے مشہور چشتی صوفی حاجی امداد مہاجر مکی (رک بآں) اور مولانا احمد حسن کانپوری بھی سلسلہ مداریہ میں ارادت رکھتے تھے۔ (ہمانجا ۱۳، ۱۶۹)

اس تذکرے سے بعض تاریخی حالات کا بھی علم ہوتا ہے۔ خانقاہِ شاہ مدار واقعہ مکنپور (ضلع کانپور) میں سلاطین و امراء کی آمد اور مزار پر حاضری کے واقعات اور خانقاہ کے لیے وقف اراضی وغیرہ کے فرامین جو اس کتاب کی تالیف (۱۳۲۹ھ) تک موجود تھے سب کے متون بعینہٖ نقل کر کے محفوظ کر دیئے ہیں، ان فرامین میں اسلام شاہ سوری، ہمایوں، اکبر، اورنگ زیب عالمگیر، احمد شاہ درانی، نواب محمد خان، نواب اسد خان وغیرہ کے فرامین قابل توجہ ہیں۔ (تذکرۃ المتقین ص ۱۸۸ تا ۲۱۰)

اس تذکرے کے مآخذ کی فہرست خاصی طویل ہے چند غیر معروف اسماء حسب ذیل ہیں:

ملفوظات سیّد ابو محمد ارغون، ملفوظات سیّد ابو تراب منصور، مکتوبات قاضی مطہر، مکتوبات قاضی حمید الدین ناگوری، ملفوظات شاہ مدار، رسالہ حالیہ مؤلفہ قاضی محمود، رسالہ مولوی عبد الباسط قنوجی، ملفوظات شیخ مبین الدین، مکتوبات مولانا فخر الدین صوفی، بحر المعارف، مکتوبات شاہ بو علی مدنی، مخزن الاسرار، نور الاخیار فی مناقب

قطب المدار، شوارق الولایت (مؤلفہ ملا وجدی)، خزینۃ الابرار مؤلفہ قاضی مسعود شبابی، مکتوبات مولانا ظہور الاسلام، کنزالحقیقۃ۔۔۔۔۔(تذکرۃ المتقین ص ا)

تذکرۃ المتقین فارسی نثر میں ہے جابجا اشعار بھی نقل کیے ہیں زبان بہت سادہ اور عام فہم ہے۔ یہ تذکرہ کانپور سے مطبع قیومی میں ۱۳۲۹ھ کو طبع ہوا۔ جسے مؤلف نے خود بڑے اہتمام اور تصحیح سے شائع کروایا۔

مؤلف نے آخر کتاب میں ایک اعلان کے ذریعہ یہ اطلاع دی ہے کہ وہ اس تذکرے کا ایک اور حصہ بھی لکھیں گے جس میں اس سلسلہ کے اذکار، اشغال اور اُدعیہ ہوں گی لیکن تا حال ہمیں اس کا بھی مذکورہ حصہ ہی دستیاب ہوا ہے حصہ دوم کی طباعت کا علم نہیں ہے۔

مآخذ

۱۔ امیر حسن مداری: تذکرۃ المتقین، کانپور، مطبع قیومی ۱۳۲۹ھ

۲۔ عبدالرحمٰن چشتی: ثواقب الانوار لمطالع قطب المدار اُردو ترجمہ مرآۃ مداری از محمد عبدالرشید ظہور الاسلام فرخ آبادی، فرخ آباد ۱۹۱۰ء

۳۔ منزوی، احمد: فہرست مشترک ج ۱۲، اسلام آباد ۱۹۹۱ء

4- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970.

۲۰ فروری ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

سلسلۂ چشتیہ

حضرت خواجہ جمال الدین احمد خطیب ہانسوی

شیخ جمال الدین احمد، شیخ فرید الدین گنج شکر (ف ۶۶۴ھ / ۱۲۶۵ء) کے نامور خلیفہ، معروف عالم اور چشتی سلسلہ کے صوفیہ میں سے تھے۔

شیخ جمال الدین کا تعلق پنجاب کے مشہور تاریخی قصبہ ہانسی (Hansi) سے تھا، آپ شیخ فرید الدین گنج شکر کے اولین خلفاء میں سے تھے، شیخ اور مرید کے مابین بڑی موانست تھی، حضرت گنج شکر ان کی محبت میں بارہ سال تک ہانسی میں رہے (سیر الاولیاء ۱۷۸، اخبار الاخیار ۶۷، گلزار ابرار ۵۴)، حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کوفی کی اولاد میں سے تھے (اخبار الاخیار ۶۷، گلزارِ ابرار ۵۴) شیخ جمال الدین بہت ذی علم بزرگ تھے ان سے کئی علمی حکایات و احادیث شیخ نظام الدین اولیاء (ف ۷۲۵ھ / ۱۳۲۵ء) نے اپنے ملفوظات میں روایت کی ہیں (فوائد الفواد ۷۸، ۹۱، ۹۲، جوامع الکلم ۲۳۳)۔

شیخ جمال الدین جو ایک بڑے خطیب بھی تھے حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر سے منسلک ہونے کے بعد مال و اسباب و خطابت سب کچھ ترک کر دیا اور ریاضت و مجاہدہ میں مصروف ہو گئے (اخبار الاخیار ۶۸) آپ سات مرتبہ ہانسی سے اپنے شیخ سے ملاقات کے لیے پاک پٹن (اجودھن) (Ajodhan) گئے (فوائد الفواد ۱۷)

حضرت گنج شکر کے ساتھ محبت و خلوص کا یہ عالم تھا کہ آپ جس کو خلافت نامہ دیتے تو کہتے کہ اس کی تصدیق شیخ جمال الدین احمد سے کروالو۔ (سیر الاولیا ۱۷۹)

حضرت گنج شکر اکثر فرماتے تھے کہ "جمال جمالِ ماست" (ایضاً ۱۷۸) ایک مرتبہ معروف شیخ طریقت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے حضرت گنج شکر سے کہا کہ میرے سارے مرید لے لو اور شیخ جمال الدین ہانسوی مجھے دے دو، لیکن شیخ نے انکار کر دیا (گلزارِ ابرار ۵۴)

شیخ جمال الدین احمد کا سالِ وصال معلوم نہیں ہے اور نہ ہی معاصر و قریب العہد تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے، ان کا تعلق ساتویں صدی ہجری سے تھا، شیخ جمال الدین اپنے شیخ حضرت گنج شکر کے وصال ۶۶۴ھ / ۱۲۶۵ء

سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے (سیر الاولیاء ۱۸۲-۱۸۳)، حدود ۶۵۹ھ / ۱۲۶۰ء کو (خزینۃ الاصفیا ۱/۲۸۶) ان کا مزار ہانسی میں ہے۔

شیخ جمال الدین احمد کے دو فرزند تھے اول مجذوب تھے اور دوسرے مولانا برہان الدین صوفی اپنے والد کے وصال کے وقت جواں سال تھے لیکن اس کے باوجود حضرت گنج شکر نے انہیں خلافت سے نوازا اور شیخ نظام الدین اولیا کی خدمت میں رہنے کی ہدایت کی۔ (سیر الاولیا ۱۸۳)

معروف شیخ طریقت شیخ قطب الدین منور (ف ۷۶۰ھ / ۱۳۵۸ء) انہی مولانا برہان الدین صوفی کے صاحبزادے تھے، جن کی خانقاہ ہانسی میں مرجع خلائق اور عوام کی رشد و ہدایت کا منبع تھی، سلطان محمد بن تغلق (۷۲۵-۷۵۲ھ / ۱۳۲۵-۱۳۵۱ء) نے دو گاؤں (Doganun) کا علاقہ بطور مدد معاش ان کو دیا جو انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا (سیر الاولیاء ۳۵۰-۳۵۱) سلطان ہانسی گیا تو انہیں اپنے دربار میں طلب کیا، پھر دہلی حاضر ہونے کا حکم دیا، ملاقات ہونے پر بادشاہ ان سے متاثر ہوا اور انہیں ایک لاکھ تنکہ بطورِ نذر بھیجا، شیخ نے ان میں سے صرف دو ہزار رکھ لیے باقی واپس کر دیئے (ایضاً ۲۵۵، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ۳۷۰-۳۷۲) شیخ قطب الدین منور کے ایک فرزند نور الدین بھی تھے جو سلطان سے ملاقات کے وقت ان کے ہمراہ تھے۔ (ایضاً ۳۷۱)

شیخ جمال الدین احمد ہانسوی کی ایک عربی تصنیف ملہمات ہے جو صوفیانہ اقوال اور نصائح پر مشتمل ہے۔ ہر قول "یا احمد" سے شروع ہوتا ہے۔ یہ کتاب ۱۳۰۶ھ کو الور سے پھر دہلی سے ۱۸۹۱ء میں طبع ہوئی، تیسرا ایڈیشن مع احوال و آثار سردار علی احمد نے مرتب کیا جو لاہور سے ۱۹۸۵ء کو طبع ہوا۔

شیخ جمال الدین فارسی کے شاعر بھی تھے اور جمال تخلص کرتے تھے، موصوف صاحب دیوان شاعر تھے آپ کا دیوان دو ضخیم جلدوں میں مطبع چشمۂ فیض، دہلی سے ۱۸۸۹ء میں طبع ہوا تھا۔ جلد اول غزلیات اور دوم رباعیات و قطعات پر مشتمل ہے۔ اس دیوان کا ایک عمدہ خطی نسخہ اپسالہ یونیورسٹی (University of Uppsala) میں محفوظ ہے۔ (Life and Times of Sh. Farid ud din p 70)

صاحب ہفت اقلیم نے ہانسی کے اکابر کا تذکرہ کرتے ہوئے شیخ جمال الدین خطیب کا بھی ذکر کیا ہے (۱/۳۴۹)، شعراء کے دوسرے تذکروں میں سے مؤلف مخزن الغرائب (۱/۵۰۱) اور مؤلف روز روشن (ص ۱۷۹) نے شیخ جمال کے کلام کا نمونہ بھی دیا ہے۔

مآخذ

۱۔ امین احمد رازی: ہفت اقلیم، بتصحیح جواد فاضل، تہران، (س ن)

۲۔ امیر خورد: سیر الاولیاء، دہلی، مطبع محب ہند، ۱۳۰۲ھ

۲۔ امیر حسن سجزی: فوائد الفواد، مرتبہ محمد لطیف، لاہور، ۱۹۶۶ء

۳۔ جمال، جمال الدین احمد ہانسوی: ملہمات، الور، مطبع یوسفی، ۱۳۰۶ھ

۴۔ ایضاً: دیوان قطب جمال الدین، دہلی، مطبع چشمہ فیض، ۱۸۸۹ء

۵۔ جمالی، حامد بن فضل اللہ: سیر العارفین، ترجمہ محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۷۶ء

۶۔ خادم، احمد علی سندیلوی: مخزن الغرائب، مرتبہ محمد باقر، لاہور، ۱۹۶۸ء

۷۔ حمید شاعر قلندر: خیر المجالس (ملفوظات شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی) مرتبہ خلیق احمد نظامی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۱۹۵۹ء

۸۔ صبا، محمد مظفر حسین: روز روشن، تہران، ۱۳۴۳ش

۹۔ عبد الحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، دہلی، مطبع مجتبائی، ۱۳۳۲ھ

۱۰۔ محمد اکبر حسینی: جوامع الکلم (ملفوظات خواجہ سیّد محمد گیسو دراز، حیدر آباد دکن، ۱۳۵۶ھ

۱۱۔ نظامی، خلیق احمد: سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، دہلی، ندوۃ المصنفین، ۱۹۵۸ء

۱۲۔ ایضاً: تاریخ مشائخ چشت، دہلی، ادارۂ ادبیات دلی، ۱۹۸۰ء

۱۳۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنو، مطبع ثمر ہند، ۱۸۷۳ء

۱۴۔ غوثی مانڈوی: گلزار ابرار اُردو ترجمہ فضل احمد جیوریؒ، لاہوری، ۱۳۵۹ھ

15- Nizami, K.A: Life and Times of Sh. Farid ud Din Ganj Shakar, Aligarah,1955

16- Ibid: Some Aspects of Religion and Politics in India During thinteenth century, Dehli 1974

17- Anjum, Tanwir: Chishti Sufis in the Sultanate of Dehli (1190-1400), Karachi, 2011

۱۲۲ کتوبر ۲۰۰۳ء

برائے دانشنامہ کشمیر قارہ

حضرت شیخ بدر الدین غزنوی

شیخ بدر الدین غزنوی ساتویں صدی ہجری کے اکابر صوفیہ میں سے تھے۔

شیخ بدر الدین کا تعلق افغانستان کے مردم خیز خطہ غزنی سے تھا۔ ان کے والد بھی ایک صوفی بزرگ تھے اور اس عہد کے معروف صوفی شیخ محمد اجمل شیرازی کے مرید تھے (سیر الاولیاء ۴۷)

ان کے اجداد اسی شہر سے تعلق رکھتے تھے۔ شیخ بدر الدین اپنے اہل وعیال کے ساتھ غزنی سے لاہور چلے آئے۔ جو ان دنوں بہت آباد اور بارونق تھا۔ (فوائد الفواد ۴۳۲، سیر الاولیاء ۴۷۲)

شیخ بدر الدین غزنوی لاہور میں زیادہ عرصہ نہیں رہے ان کا دل چاہا کہ واپس غزنی چلے جائیں اور کبھی دہلی جانے کا سوچتے تھے جہاں ان کا داماد رہتا تھا۔ آخر دہلی منتقل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ جب وہاں پہنچے تو خبر ملی کہ منگولوں نے غزنی کو تاخت وتاراج کر دیا ہے اور قتل عام میں ان کے والدین واقرباسب شہید ہو گئے ہیں (ہمانجا۔۔۔)

دہلی میں ان دنوں چشتی سلسلہ کے معروف شیخ طریقت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (ف ۶۳۳ھ / ۱۲۳۵ء) دعوت وارشاد میں معروف تھے، شیخ بدر الدین غزنوی بھی ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔ اور اپنے شیخ سے جب تک وہ زندہ رہے جدا نہ ہوئے (سیر الاولیاء ۶۱)

دہلی میں چشتی سلسلہ کی نشر واشاعت کا کام خواجہ نظام الدین اولیاء اور شیخ بدر الدین غزنوی نے انجام دیا۔

سلطان شمس الدین التتمش (Altutmish) (۶۰۷۔۶۳۳ھ / ۱۲۱۱۔۱۲۳۶ء) کے عہد میں دہلی علماء ومشائخ کا مرجع بن گئی تھی لیکن اس کی وفات کے بعد علم پروری کا سلسلہ باقی نہ رہا، شیخ بدر الدین غزنوی خواجہ قطب الدین بختیار کے خلیفہ کی حیثیت سے بہت مقبول تو تھے ہی لیکن دہلی کے ان حالات میں جو سلطان کی وفات کے بعد پیدا ہو گئے تھے شیخ بدر الدین غزنوی اپنے آپ کو جادۂ توکل پر قائم نہ رکھ سکے اور جلد ہی نظام الدین خریطہ دار

(kharitahdar) سے منسلک ہو گئے جو چشتی بزرگوں کے طریقے کے خلاف تھا۔ اس نے شیخ کے لیے دہلی میں خانقاہ بنوائی جس میں شیخ کچھ عرصہ مصروف کار رہے لیکن جونہی خریطہ دار پر گرفت ہوئی تو خانقاہ کی مالی امداد بند ہو گئی جس سے شیخ پریشان ہو گئے۔(فوائد الفواد ۴۵۲ -Religion and Politics in India, pp.190 (91

چونکہ ان کا زیادہ وقت دہلی کی دعوتوں اور امرا کی صحبتوں میں صرف ہونے لگا تھا اس لیے سلسلہ چشتیہ کی نشر واشاعت کا کام آگے نہ بڑھ سکا۔(فوائد الفواد ۴۵۳)

شیخ بدر الدین بڑے عالم اور واعظ تھے۔ دہلی میں ان کی مجلس وعظ میں شیخ فرید الدین گنج شکر، قاضی حمید الدین ناگوری، سیّد نور الدین مبارک غزنوی، مولانا مجد الدین اور قاضی منہاج سراج جوزجانی (مؤلف طبقاتِ ناصری) شریک ہوا کرتے تھے۔(سیر الاولیاء ۳۷۲، آثار الکرام ۱۱، تاریخ مشائخ چشت ۲۱۰/۱، ذکر جمیع اولیاء دہلی ۱۹)۔

شیخ بدرالدین غزنوی کو شعر و سخن سے بھی لگاؤ تھا۔ اپنا دیوان بھی مرتب کروایا تھا۔(سیر الاولیاء ۴۵۱) شیخ فارسی میں شعر کہتے تھے، خواجہ نظام الدین اولیاء اپنی مجالس میں شیخ کے اشعار پڑھا کرتے تھے، چند اشعار بھی نقل کیے ہیں (فوائد الفواد ۲۵۵ و بہ بعد) لیکن ان کے دیوان کے کسی نسخے کا تا حال ہمیں علم نہیں ہے۔

شیخ بدر الدین سماع کے بہت دلدادہ تھے قاضی منہاج سراج جوزجانی کے ساتھ مجالس سماع میں وجد و حال کی کیفیاتِ کا تذکرہ ملتا ہے۔(سیر الاولیاء ص ۵۰۲، کلمات الصادقین ۲۹)

شیخ بدر الدین غزنوی نے ۶۵۷ھ / ۱۳۵۶ء کو انتقال کیا (خزینۃ الاصفیاء ۲۸۵/۱) اور اپنے شیخ خواجہ قطب الدین بختیار کی کے روضہ واقع دہلی میں دفن ہوئے (سیر الاولیاء ۱۶۶) تقریباً ایک سو سال عمر پائی (کلمات الصادقین ۲۹)

شیخ بدر الدین کے ایک خلیفہ شیخ امام الدین ابدال دہلوی تھے جو شیخ ضیاء الدین دہلوی کے خواہر زادے اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے ارادت مند تھے، خواجہ نظام الدین اولیاء کے ساتھ گہرے مراسم رکھتے تھے

محاسب ـــــ بعد ازاں نزدیکی نظام الدین خریطہ دار بود حساب کشیدند و در کار او فتوری پیدا شد ـــــ (فوائد الفواد ۴۵۳)

۷۸۰ھ / ۱۳۸۷ء کو انتقال ہوا (کلمات الصادقین ۳۱، مرآۃ الاسرار ۲۲۳۔الف) شیخ شہاب الدین عاشق، شیخ امام الدین ابدال کے خلیفہ تھے۔ شیخ عماد الدین دہلوی بھی شیخ امام الدین کے مرید تھے لیکن خرقۂ خلافت شیخ شہاب الدین عاشق سے ملا تھا (مرآۃ الاسرار ۲۲۳، گلزار ابرار ۲۴، ۱۲۴)

شیخ عماد الدین مذکور کے ایک خلیفہ تھے شیخ تاج الدین امام، انہوں نے سلسلۂ چشتیہ کی تاریخ پر ایک اہم کتاب "رسالہ حال خانوادہ چشت" کے نام سے لکھی اس میں اس سلسلے کے صوفیہ خصوصاً شیخ بدر الدین غزنوی سے لے کر شیخ عماد الدین تک کے حالات تحریر کیے ہیں اس کتاب کی اہمیت یہ ہے کہ یہ اس خانوادے کے ایک اہم فرد کی تالیف ہے جس کے پاس تمام تر معلومات موجود تھیں۔ اس رسالے کا ایک خطی نسخہ پروفیسر خلیق احمد نظامی (علی گڑھ) کے پاس ہے (تاریخ مشائخ چشت ۱/ ۲۱۲)

مآخذ

۱۔ آزاد، غلام علی بلگرامی: مآثر الکرام، آگرہ، ۱۹۱۰ء

۲۔ امیر خورد: سیر الاولیاء، اسلام آباد، ۱۹۷۸ء، واُردو ترجمہ اعجاز الحق قدوسی، لاہور، ۱۹۸۰ء

۳۔ جمالی، حامد بن فضل اللہ، سیر العارفین ترجمہ وتحشیہ محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۷۶ء

۴۔ حبیب اللہ: ذکرِ جمیع اولیاء دہلی (۱۱۵۰ھ) مرتبہ شریف حسین قاسمی، ٹونک، ۱۹۸۸ء

۵۔ حسن، امیر حسن سجزی دہلوی: فوائد الفواد مرتبہ ملک محمد لطیف مع اُردو ترجمہ خواجہ حسن ثانی، دہلی، ۱۹۹۱ء

۶۔ حمید شاعر قلندر: خیر المجالس مرتبہ خلیق احمد نظامی، علی گڑھ، ۱۹۶۰ء

۷۔ عبد الحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، دہلی، ۱۳۳۲ھ

۸۔ عبد الرحمن چشتی: مرآۃ الاسرار، خطی مملوکہ مولوی محمد یعقوب فراہی، کوئٹہ، پاکستان

۹۔ عبد الحی حسنی: نزہۃ الخواطر، حیدر آباد، دکن، ۱۹۶۲ء

۱۰۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، لکھنو، ۱۸۷۳ء

۱۱۔ غوثی، محمد مانڈوی: اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار از فضل احمد جیوری، لاہور، ۱۳۹۵ھ

۱۲۔ محمد بلاق چشتی: روضۃ الاقطاب، دہلی، مطبع محب ہند (س۔ن)

۱۳۔ محمد صادق ہمدانی کشمیری: کلمات الصادقین مرتبہ محمد سلیم اختر، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء

۱۴۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت ج اول دہلی، ۱۹۸۰ء

۱۵۔ ایضاً: سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، دہلی، ۱۹۵۸ء

۱۶۔ ایضاً: بدر الدین غزنوی، شیخ، مقالہ مشمولہ دانش نامۂ جہانِ اسلام۔ تہران، ۱۳۷۵ش

17- Nizami, K.A: Some Aspects of Religion and Politic in India, Dehli, 1974.

18- Anjum, Tanvir: Chishti Sufis in the Sultanate of Delhi, (1190-1400), Karachi, Oxford University Press, 2011.

۱۱ / اکتوبر ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

مولانا شیخ بدر الدین اسحٰق اور آپ کی کتاب اسرار الاولیاء

اسرار الاولیاء شیخ فرید الدین گنج شکر (۵۷۱۔ ۶۶۴ھ / ۱۱۷۵۔ ۱۲۶۵ء) کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ جسے موصوف کے خلیفہ اور داماد مولانا بدر الدین اسحٰق نے جمع کیا۔

ملفوظات کے اس مجموعہ میں کل ۲۲ فصلیں ہیں:

فصل اول، سخن در ذکر اسرارِ عشق اولیاء

فصل دوم در احوال معبدانِ درویشان

فصل سوم سخن در علم لدنی

فصل چہارم سخن در ذکر توبہ و جز آں

فصل پنجم در ذکر خدمتِ بزرگان

فصل ششم سخن در ذکر توبہ، خرقہ و تلاوتِ قرآن

فصل ہفتم سخن در فضیلتِ سورۂ اخلاص

فصل ہشتم سخن در ذکر خرقۂ فقر

فصل نہم سخن در ذکرِ گلیم وصوف

فصل دہم سخن در ذکرِ محبت و جز آں

فصل یازدہم در ذکرِ خوف و توکل

فصل دوازدہم سخن در ذکر طاقہ

فصل سیزدہم سخن در ذکرِ درویشی

فصل چہاردہم سخن در ذکر محبت و عداوتِ دنیا

فصل پانزدہم سخن در ذکرِ عقیدۂ بزرگان

فصل شانزدہم سخن در ذکر رسیدن دست بزرگان

فصل ہفت دہم سخن در ذکرِ ایں طائفہ

فصل ہژدہم سخن در ذکرِ علماء و مشائخ و جز آن

فصل نوزدہم سخن در امساکِ باران

فصل بستم سخن در کشف و کرامت

فصل بست و یکم سخن در ذکر تعظیم پیر

فصل بست و دوم سخن در ذکرِ رنج و مشقت

اس مجموعۂ ملفوظات میں بعض سنین بھی ملتے ہیں مثلاً پہلا ملفوظ ۱۸ شعبان ۶۳۱ھ کا ہے۔ اور اس میں ۶۴۳ھ تک سنہ ملتے ہیں یعنی اسی سال یہ مجموعہ مکمل ہو گیا۔

اسرار الاولیاء کے جامع مولانا بدر الدین اسحٰق بن علی بن اسحٰق دہلوی، دہلی کے ایک ذی علم بزرگ تھے انہوں نے مروجہ علوم کی تحصیل بطریق احسن کی تھی اور ذہن میں ایسے سوالات رکھتے تھے جن کا جواب ہندوستان کے علماء کے پاس نہیں تھا موصوف ان کے حل کے سلسلہ میں بخارا کے لیے رخت سفر باندھے جا رہے تھے کہ اجودھن پہنچے جہاں خواجہ فرید الدین گنج شکر سے ملاقات ہوئی اور ان کے گرویدہ ہو گئے (سیر الاولیاء ۱۸۰۔ ۱۸۱) خواجہ کی خدمت میں رہے خلافت یاب ہوئے اور پھر دامادی کا شرف بھی ملا جماعت خانہ میں خدمت کے علاوہ شیخ فرید الدین کے دیے ہوئے خلافت ناموں کی تحریر وتیاری کا کام بھی ان کے سپرد تھا۔ (ایضاً ۱۷۵)

شیخ فرید الدین کی وفات کے بعد ان کے تعلقات شیخ بدر الدین سلیمان کے ساتھ اچھے نہیں رہے تھے۔ اس لیے موصوف اجودھن کی جامع مسجد میں منتقل ہو گئے جہاں۔ بچوں کو تعلیم دینے لگے۔ (ایضاً ۱۷۱۔ ۱۷۲)

شیخ بدر الدین اسحٰق نے عربی گرائمر کی ایک عالمانہ کتاب تصریفِ بدری کے نام سے لکھی تھی۔ (ایضاً ۱۸۳) خواجہ نظام الدین اولیاء کے پاس اس کا ایک ایسا نسخہ تھا جو بخطِ مؤلف تھا (نظامی، خلیق احمد: لائف اینڈ ٹائمز آف شیخ فرید الدین ۷۲)

شیخ بدر الدین اسحٰق کے انتقال کے بعد خواجہ نظام الدین اولیاء نے جنہیں ان سے بڑی محبت تھی اور خواجہ ان کا بڑا احترام کرتے تھے ان کے پس ماندگان کو دہلی بلا لیا جہاں ان کے بچوں کی تعلیم وتربیت اپنی نگرانی میں کروائی (سیر الاولیاء ۱۸۸)

شیخ بدر الدین اسحٰق ۶۹۵ھ / ۱۲۹۶ء میں فوت ہوئے (خزینۃ الاصفیاء ۱/ ۳۲۰) اور اجودھن (پاک پتن) کی قدیم جامع مسجد کے صحن میں دفن ہوئے (اخبار الاخیار ۶۷)

حقیقت یہ ہے اسرار الاولیاء کا شمار مشائخ چشت کے ملفوظات کے ان مجموعوں میں ہوتا ہے۔ جو غیر معتبر وضعی اور جعلی ہیں۔ خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی (ف ۷۵۷ھ / ۱۳۵۶ء) نے واضح الفاظ میں بتایا ہے کہ ہمارے مشائخ میں سے کسی نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی۔ (خیر المجالس ۵۲) اسی طرح اس سلسلہ کے معروف شیخ طریقت خواجہ سید محمد گیسو دراز بندہ نواز (ف ۸۲۵ھ / ۱۴۲۲ء) جب اجودھن پہنچے تو انہیں مولانا بدر الدین اسحٰق کا مرتب کردہ یہ مجموعۂ ملفوظات (اسرار الاولیاء) دکھایا گیا جسے دیکھ اور پڑھ کر آپ نے فرمایا کہ مولانا بدر الدین اسحٰق نے اس کو جمع نہیں کیا یہ محض "افترا" ہے۔ (جوامع الکلم ۱۳۴)

خواجہ گیسو دراز کی رائے سامنے آ جانے کے بعد اس میں کلام کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ یہ ملفوظات محض وضعی ہیں۔ تاہم عہد حاضر کے بعض محققین نے اس بحث کو بہت طول دیا ہے جس کا خلاصہ ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

سیّد عبد الباری معنی اجمیری نے ۱۹۲۴ء میں خواجگان چشت کے ان وضعی مجموعوں پر شدید تنقید کر کے انہیں جعلی ثابت کیا (تاریخ السلف ۶۳۔۸۰)

پروفیسر محمد حبیب نے ۱۹۵۰ء میں اور پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ۱۹۵۵ء میں ان مجموعوں کو جعلی ثابت کیا۔ (لائف اینڈ ٹائمز آف شیخ فرید الدین ص ۱۱۸۔۱۲۰)

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی اور اخلاق احمد دہلوی نے بھی اس طرف توجہ دلائی (نقد ملفوظات اور آئینہ ملفوظات)

اس طرح ۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۹ء تک صباح الدین عبد الرحمن مرحوم اس جعل سازی طرف توجہ دلاتے رہے لیکن تعجب ہے کہ انہوں نے ۱۹۵۰ء کے بعد اپنی رائے بدل لی اور معارف کے ذریعہ اور پھر بزم صوفیہ کے چوتھے ایڈیشن میں ان وضعی ملفوظات کے اصلی ہونے پر اصرار فرمانے لگے۔ (ص ۲، ۶۳۱۔۶۹۶) ان کے دلائل خاصے کمزور اور قیاسی نوعیت کے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ پروفیسر خلیق احمد نظامی کی رائے سب سے زیادہ وقیع ہے کہ خواجہ گیسو دراز کے اس قول کے سامنے آ جانے کے بعد کہ اسرار الاولیاء کا شیخ فرید الدین گنج شکر اور مولانا بدر الدین اسحٰق سے انتساب محض افترا ہے۔ بحث کی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی اور اسرار الاولیاء کی طرف توجہ کرنا بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ (لائف اینڈ ٹائمز آف شیخ فرید الدین ۱۱۹)

اسرار الاولیاء کا فارسی متن کئی بار مطبع نولکشور سے چھپ چکا ہے اس کا اُردو ترجمہ بھی لاہور سے ملک فضل الدین نے شائع کیا تھا۔

مآخذ

۱۔ امیر حسن سجزی: فوائد الفواد (ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء) مرتبہ محمد لطیف ملک، لاہور ۱۹۶۶ء

۲۔ میر خورد کرمانی: سیر الاولیاء، دہلی ۱۳۰۲ھ

۳۔ نظام غریب یمنی: لطائفِ اشرفی، دہلی ۱۲۹۵ھ

۴۔ جمالی دہلوی: سیر العارفین، دہلی ۱۳۱۱ھ واُردو ترجمہ محمد ایوب قادری، لاہور ۱۹۸۴ء

۵۔ اکبر حسینی: جوامع الکلم (ملفوظات خواجہ گیسودراز) حیدر آباد، دکن ۱۳۵۶ھ

۶۔ حمید شاعر قلندر: خیر المجالس (ملفوظات شیخ چراغ دہلی) مرتبہ خلیق احمد نظامی، علی گڑھ ۱۹۵۹ء

۷۔ بدرالدین اسحٰق: اسرار الاولیاء۔ نولکشور، لکھنو

۸۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، دہلی ۱۳۳۲ھ

۹۔ علی اصغر: جواہر فریدی، لاہور ۱۸۸۴ء

۱۰۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، لکھنو ۱۲۷۵ھ

۱۱۔ معنی، عبدالباری اجمیری: تاریخ السلف، آگرہ ۱۳۴۳ھ

۱۲۔ فاروقی، نثار احمد: نقدِ ملفوظات، لاہور ۱۹۸۹ء

۱۳۔ اخلاق حسین دہلوی: آئینۂ ملفوظات، دہلی ۱۹۹۰ء

۱۴۔ صباح الدین عبدالرحمٰن: بزمِ صوفیہ، اعظم گڑھ، دارالمصنفین ۱۹۸۴ء

15- Habib, M: Chishti Mystics Records of the Sultanate period, Medieval India, Quarterly, Aligarh, Vol.I no. 2, 1950 (oct)

16- Ibid: Politics and Society During the early Medieval period (collected works of Prof. Muhammad Habib) ed. K.A Nizami, Delhi, 1981.

17- Nizami, K.A: Life and Times of Sh. Farid-ud-din Ganj-i-Shakar, (rep) Lahore, 1980.

18- Lawrence, B: Notes from a Distent Flute, Tehran, 1978.

19- Anjum, Tanvir: Chishti Sufis in The Sultanate of Delhi, (1190-1400) Karachi, 2011.

جنوری ۱۹۹۶ء

برائی دانشنامہ شبہ قارہ

جواہر رقم تبریزی، میر سیّد علی

میر سیّد علی خان ملقب بہ جواہر رقم گیارھویں صدی ہجری کے مشہور خطاطین میں سے تھا۔

جواہر رقم کے والد میر محمد مقیم بھی ماہر خطاط تھے اور میر عماد حسینی قزوینی (۹۶۱۔۱۰۲۴ھ / ۱۵۵۴۔۱۶۱۵ء) کے شاگرد تھے، جواہر رقم نے اپنے والد سے فن سیکھا اور اپنے وطن مولوف تبریز سے ہندوستان چلا آیا، اس وقت یہاں شاہ جہان (۱۰۳۷۔۱۰۶۸ء، ۱۶۲۸۔۱۶۵۸ء) کی حکومت تھی، اورنگزیب کو فن خطاطی سکھانے پر مامور ہوا، انہیں ایام میں جواہر رقم کا خطاب ملا۔ (مرآۃ العالم ۲ / ۴۹۱) اس کے بعد اُسے منصب ہزاری اور خان کا خطاب بھی ملا (ایضاً) اس کے بعد شاہی کتابخانہ کی "داروغگی" پر متعین ہوا، اورنگ زیب کے عہد میں اورنگزیب کے فرزندوں کی تعلیم خوش نویسی کے لیے مقرر کر دیا گیا، وہ ساری عمر اورنگزیب کے ساتھ کشمیر اور دکن کی مہمات کے دوران حاضر رہا، (تذکرہ خوش نویساں ۵۷)

جواہر رقم عمر بھر میر عماد اور آقای عبد الرشید دیلمی کی طرز و فن کا اتباع کرتا رہا، اس کی ان حضرات کے ساتھ برابر مراسلت بھی رہتی۔ (ایضاً ۵۷۔۵۸) آخری عمر میں دماغی مرض میں مبتلا ہو گیا تھا اور دکن میں ہی اس عارضہ میں ۱۰۹۴ھ / ۱۶۸۳ء کو انتقال کیا (مرآۃ العالم ۲ / ۴۹۱) اس کی نعش دہلی لا کر دفن کی گئی (تذکرہ خوش نویسان ۵۸)

میر سیّد علی خان کے ایک فرزند شمس الدین علی خان کا ذکر ملتا ہے اسے بھی جواہر قم کا خطاب ملا تھا (ایضاً ۵۸) وہ ۱۹ / رمضان ۱۱۴۴ھ / ۱۷۳۲ء کو فوت ہوا (تاریخ محمدی ۷۹۔۸۰)۔

میر سیّد علی خان جواہر رقم کا ایک اور فرزند میر محمد حسن مخاطب بہ سیادت علی خان بھی اپنے وقت کے اعیان میں سے تھا۔ رمضان ۱۱۵۴ھ / ۱۷۴۰ء کو دہلی میں فوت ہوا (تاریخ محمدی ۱۱۸)

میر سیّد علی خان جواہر رقم فارسی میں شعر بھی کہتا تھا اس کے پانچ اشعار کا بختاور خان نے انتخاب کیا ہے (مرآۃ العالم ۲/ ۴۹۱)

میر سیّد علی خان نے خط نستعلیق کو معراج کمال تک پہنچایا اور اس خط کے نامور اساتذہ میں اس کا شمار ہوتا تھا (مرآۃ العالم ۲/ ۴۹۱، تذکرہ خوش نویساں ۵۷)

مرزا سنگلاخ نے جواہر رقم کے مفصل حالات، مناقب اور قطعات نقل کیے ہیں (تذکرۃ الخطاطین ۲/ ۳۴۷۔۳۶۲)

مآخذ

۱۔ بختاور خان: مرآۃ العالم مرتبہ ساجدہ علوی، لاہور، ۱۹۷۹ء

۲۔ حارثی، محمد رستم: تاریخ محمدی، تحقیق وتعلیق امتیاز علی خان عرشی، علی گڑھ، ۱۹۶۰ء

۳۔ سنگلاخ، مرزا: تذکرۃ الخطاطین مسمیٰ بہ امتحان الفضلاء، تبریز، ۱۲۹۵ھ

۴۔ شاغل، احترام الدین عثمانی: صحیفہ خوش نویساں، علی گڑھ، ۱۹۶۳ء

۵۔ غلام محمد ہفت قلمی: تذکرہ خوش نویساں، مرتبہ ہدایت حسین، کلکتہ ۱۹۱۰ء

۶۔ محمد اسلم پسروری: فرحت الناظرین حواشی وترجمہ محمد ایوب قادری، کراچی، ۱۹۷۲ء

۷۔ مہدی بیانی: احوال وآثار خوش نویساں، تہران، ۱۳۴۵۔۱۳۵۸ش

برائے دانشنامہ کشبہ قارہ

۱۲ نومبر ۲۰۰۴ء

میاں پیر محمد اودھی (مصنف مثنوی مہر وماہ)

پیر محمد اودھی بارہویں صدی ہجری کے ایک عالم اور فارسی شاعر تھے۔ پیر محمد کا تعلق لکھنو (Lucknow) کے مردم خیز خطہ اودھ (Awadh) سے تھا۔ وہ ہندی نژاد تھے اور ہندوستان سے کبھی باہر نہیں گئے تھے۔ (مہر وماہ، خاتمہ)

پیر محمد کے حالاتِ زندگی، متعارف اور مطبوعہ تذکروں میں نہیں ملتے۔ ان کی تصنیف مہر وماہ کے مطالعہ سے ان کے حسب ذیل کوائف معلوم ہو سکے ہیں:

پیر محمد مختلف اوقات میں سورت (Surat) کے نواب مہابت خان اور پھر نواب بسم اللہ خان اور نواب احمد خان سے بھی منسلک رہے۔ (مہر وماہ ۱۲)

میاں نور محمد کلہوڑا (Kalhora) (۱۱۳۱۔۱۱۶۷ھ / ۱۷۱۸۔۱۷۵۳ء) کے عہد حکومت میں پیر محمد ۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء کو وارد سندھ ہوئے اور انہوں نے پیر محمد سے سسی وپنوں کی عشقیہ داستان فارسی میں نظم کرنے کی فرمائش کی۔ جسے وہ عدیم الفرصتی کے باعث اس وقت نظم نہ کر سکے (مہر وماہ ۱۴، تحفۃ الکرام تعلیقاتِ حسام الدین راشدی ۴۸۳)

پیر محمد، فرخ آباد کے نواب احمد خان غالب جنگ (۱۱۶۳۔۱۱۸۵ھ / ۱۷۵۰۔۱۷۷۱ء) سے بھی وابستہ رہے اس انسلاک سے قبل ہی وہ ۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء کو سندھ گئے تھے۔

گجرات کے شمال مغرب میں ایک خود مختار ریاست رادھن پور (Radhanpur) تھی پیر محمد وہاں بھی عرصہ تک رہے۔ اور وہیں کے حاکم بسم اللہ خان سے متوسل تھے۔ ریاست میں ان کا عہدہ کیا تھا معلوم نہیں ہے۔ پیر محمد کا سالِ وفات ہمیں معلوم نہیں ہو سکا وہ اپنی مثنوی مہر وماہ کی تصنیف ۱۱۸۰ھ / ۱۷۶۶ء تک بقید حیات تھے۔

مثنوی مہر وماہ:

پیر محمد اودھی کی صرف ایک ہی کتاب مثنوی مہر وماہ ہمیں تاحال معلوم ہے۔ یہ مثنوی فارسی میں ہے اور سندھ کی مشہور عشقیہ داستان سسی و پنوں کی حکایات کو نظم کیا گیا ہے۔ اس کے مؤلف پیر محمد اودھی۔ ۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء کو سندھ آئے تو وہاں کے حاکم نواب نور محمد کلہوڑا نے انہیں یہ داستان نظم کرنے کے لیے کہا (تحفۃ الکرام، تعلیقات ۴۸۳) لیکن انہیں وہاں یہ کام کرنے کی فرصت نہ مل سکی (مہر وماہ ۱۳) بعد میں جب کہ وہ رادھن پور میں مقیم تھے تو انہوں نے سندھ، سورت، کیچ اور مکران کے لوگوں سے اس قصے کی تفصیلات معلوم کیں، اور ۱۱۸۰ھ / ۱۷۶۶ء کو وہاں کے حاکم (نواب بسم اللہ خان) کی فرمائش پر اسے نظم کر ڈالا۔ انہوں نے اس کے آغاز میں اس سے قبل اس داستان کو نظم کا جامہ پہنانے والوں کے اسماء بھی لکھے ہیں۔

پیر محمد نے سسی کے حُسن کی تصویر کشی جس انداز سے کی ہے وہ داد کی مستحق ہے۔ (مہر وماہ ۴۱) سسی کے جہیز کا ذکر بھی بڑے دل نشین انداز سے کرتے ہوئے بتایا کہ سمرقند وبخارا تک سے اس کا سامان لایا گیا تھا۔ شادی کے موقع پر اس کے گھر کو جس طرح سجایا گیا اس کے عجائبات بھی بطریق احسن بیان کیے ہیں۔ (ھمانجا ۴۸)

دلہن کو کس طرح آراستہ کیا جاتا تھا اس کی جزئیات تک بیان کر دی ہیں جس سے بارہویں صدی ہجری / اٹھارھویں صدی عیسوی کے ہندوستان کی معاشرت کا نقشہ آنکھوں میں پھرنے لگتا ہے۔

پیر محمد نے دعوتِ ولیمہ کا بھی تذکرہ کیا ہے جس میں ہمارے ملک کے رسمی کھانوں کا ذکر ہے ہزاروں دیگوں، زردہ، نان اور دیگر لوازماتِ دعوت کو بے تکلف طور پر جس طرح فارسی میں استعمال کیا ہے وہ ان کے کمالِ فن اور نظم پر دسترس کی شہادت دیتا ہے۔ (مہر وماہ ۶۱)

آخر میں مؤلف نے بتایا کہ میں ہندی نژاد ہوں اور کبھی ہندوستان سے باہر نہیں گیا۔ میری یہ کتاب دراصل "ایرانی بوستان" ہے۔ جو میں نے دوستوں کے لیے ارمغان کے طور پر تیار کی ہے۔

یہ مثنوی کی حیثیت سے بلند پایہ نہیں ہے البتہ اس لحاظ سے کہ اس میں معروف قصے کو ایک نئے انداز سے پیش کیا ہے۔ اس کی ندرت اور اہمیت بڑھ جاتی ہے۔

مثنوی مہر وماہ میں ۳۹۹۵ شعر ہیں یہ مثنوی ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء کو مطبع بحر العلوم لکھنو سے شائع ہوئی۔ جس کا یہ مطبوعہ نسخہ مولانا محمد ہاشم جان مجددی، ٹنڈو سائین داد سندھ (Tando Saindad Sind) کے ذاتی کتب خانے میں دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔

ماٰخذ

۱۔ پیر محمد اودھی: مثنوی مہر وماہ، لکھنو، مطبع بحر العلوم، ۱۲۹۵ھ

۲۔ عابدی، امیر حسن: مثنوی مہر وماہ، مقالہ مشمولہ مجلہ علوم اسلامیہ، علی گڑھ ج ۲۔ ش ا۔ جون ۱۹۶۱ء (ص ۱۷۰۔۱۷۳)

۳۔ قانع، میر علی شیر تتوی: تحفۃ الکرام باہتمام وحواشی حسام الدین راشدی، حیدر آباد، سندھ، ۱۹۷۱ء

۴۔ مہر، غلام رسول؛ تاریخ سندھ (عہد کلہوڑا)، لاہور، ۱۹۵۸ء

۵۔ نور محمد کلہوڑا: منشور الوصیت ودستور الحکومت مرتبہ حسام الدین راشدی، حیدر آباد، سندھ، ۱۹۶۴ء

۲۷ دسمبر ۱۹۹۸ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ احمد اکبر آبادی (مولف تذکرۃ السادات)

احمد اکبر آبادی بارہویں صدی ہجری کے ایک ماہر علم انساب اور منصب دار تھے۔

شیخ احمد بن محمود محمدی اکبر آبادی کے حالات زندگی معروف اور مروجہ تذکروں میں نہیں ملتے۔ انہوں نے اپنی کتاب تذکرۃ السادات کے آغاز میں بھی اپنے بارے میں کچھ زیادہ نہیں لکھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے شاہ عالم بہادر شاہ (۱۱۱۸۔ ۱۱۲۴ھ / ۱۷۰۷۔ ۱۷۱۲ء) سے قریبی تعلقات تھے۔ انہوں نے اپنے منصب کی وضاحت بھی نہیں کی ہے۔ البتہ یہ بتایا ہے کہ شاہ عالم نے مجھے سادات کرام کے انساب پر ایک کتاب مرتب کرنے کے لیے کہا جسے انہوں نے ۱۱۲۴ھ / ۱۷۱۲ء میں مکمل کر کے پیش کیا۔

تذکرۃ السادات

شیخ احمد اکبر آبادی نے اس تذکرے میں سادات کے اسماء، کُنی اور القاب کے اعتبار سے ان کی صلبی اولاد کا ذکر کیا ہے۔ اکثر مقامات پر اسماء کے ساتھ ان سادات کے سالہا ولادت و وفات بھی قلم بند کیے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ، حضرت فاطمۃ الزہرا اور ائمہ اثنا عشر کے انساب میں بڑی جستجو کی ہے۔ ان کی اولاد در اولاد کے شجرات فراہم کیے ہیں۔

اس کتاب کا اہم ترین حصہ ان سید خانوادوں کا ہے جو عرب اور ایران وغیرہ سے آکر ہندوستان کے مختلف علاقوں میں آباد ہو گئے تھے کے انساب اور اولاد کا تذکرہ بڑی کاوش سے مرتب کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ مؤلف کے پاس ہندوستان کے سادات کے انساب بکثرت موجود تھے اور ان کے ان خاندانوں کے ساتھ ان کے علمی مراسم تھے۔

ایک اور قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ مؤلف نے اس کتاب میں ہندوستان میں آباد ہونے والے سادات کے انساب کے سلسلہ میں بہت سی ایسی کتب کے حوالے دیئے ہیں جو آج ان خانوادوں کے پاس موجود نہیں بلکہ اکثر دست بردِ زمانہ سے تلف ہو چکی ہیں۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ مؤلف نے اس وقت کے اکابر سادات کے ایسے افراد سے روابط تھے جو کافی مُسن ہو چکے تھے اور اپنی خاندانی روایات کے امین تھے مؤلف نے ان سے روایات نقل کی ہیں اور ان کی ثقاہت پر بحث نہیں کی اور نہ ہی ان کا علمی مرتبہ بتایا ہے۔

اس کے باوجود یہ کتاب نہایت درجہ اہم ہے۔ تذکرۃ السادات بڑے سائز کے ۶۸ اوراق پر مشتمل ہے اور الہ آباد (ہندوستان) سے ۱۸۸۰ء میں طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے۔

مآخذ

۱۔ احمد اکبر آبادی: تذکرۃ السادات، الہ آباد، مطبع سیدی ۱۸۸۰۔

۲۔ عبدالرزاق، عطاء حسین: کنز الانساب، بمبئی، مطبع صفدری

3- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970.

یکم اپریل ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شاہ محمد اجمل الہ آبادی

اجمل الہ آبادی تیرھویں صدی ہجری کے نامور عالم، صوفی اور شاعر تھے۔

شیخ محمد اجمل بن محمد ناصر بن یحییٰ عباسی الہ آبادی کی ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء کو الہ آباد (Ilahabad) میں ولادت ہوئی۔ (روزِ روشن ۳۰، حدیقۃ الشعراء ۱/ ۸۰، نزہۃ الخواطر ۷/ ۴۲۳) ابتدائی تعلیم اور علم منطق تک مولانا فصیح جونپوری کی خدمت میں پڑھے، سلم العلوم مولانا محمد اسلم بندوی (Bandavi) سے پڑھی اور بعض دیگر کتب شیخ یٰسین سورتی (ف ۱۲۰۲ھ / ۱۷۸۷ء) اور قاضی مستعد خان جونپوری سے علم حدیث مفتی محمد ناصح (مفتی عساکرِ سلطانیہ) سے تحصیل کی۔ آخر میں اپنے چچا فاخر بن یحییٰ عباسی کی خدمت میں رہ کر تکمیل کی۔ (نزہۃ الخواطر /۴۲۴)

اجمل الہ آبادی نے اپنے چچا کے صاحبزادے شیخ قطب الدین بن فاخر بن یحییٰ سے بیعتِ طریقت کی۔ یہ شیخ ایک بلند پایہ عالم وصوفی تھے۔ فارسی واُردو کے صاحب دیوان شاعر تھے۔ ان کا تخلص مصیبؔ تھا۔ اپنے والد محمد فاخر الہ آبادی کے سفر حج کے بعد جانشین ہوئے پھر خود زیارتِ حرمین الشریفین کے اشتیاق سے روانہ ہوئے اور فریضۂ حج کی ادائیگی سے قبل ہی ۱۱۸۷ھ / ۱۷۷۲ء مکہ مکرمہ میں انتقال کر گئے۔ (نزہۃ الخواطر ۶/ ۲۳۴)

شیخ قطب الدین مصیب کے وصال کے بعد ان کے جانشین بھی اجمل الہ آبادی ہوئے اور تقریباً نصف صدی تک مرجع انام بنے رہے۔ (نزہۃ الخواطر ۷/ ۴۲۴) (نگارستانِ سخن ۵)

اجمل الہ آبادی کا ذی الحج ۱۲۳۶ھ / ۱۸۲۱ء میں وصال ہوا (حدیقۃ الشعراء ۱/ ۸۰ روزِ روشن ۳۰، نزہۃ الخواطر ۷/ ۴۲۴)

اجمل الہ آبادی معروف فارسی شاعر وصوفی افضل الہ آبادی (رک بآن) کی اولاد میں سے تھے۔ اجمل صاحب دیوان فارسی شاعر تھے۔ ان کی رُباعیات کا مجموعہ ڈھاکہ یونیورسٹی کے مرکزی کتابخانہ میں ہے۔ (فہرستِ مخطوطاتِ فارسی ۱/ ۱۳۱)

مشہور شاعر فاخر مکین کے ساتھ اجمل الہ آبادی کا ادبی معرکہ بھی یادگار ہے اس کے اشعار نور الحسن نے نقل کیے ہیں (نگارستانِ سخن ۵)

اجمل الہ آبادی کے اشعار تذکرہ نگاروں نے بطور نمونہ نقل کیے ہیں (حدیقۃ الشعراء ۱/ ۸۰، روزِ روشن ۳۰، نگارستانِ سخن ۵) اجمل کے بعد ان کے فرزند ابو المعالی سجادہ نشین ہوئے جن کی اولاد دائرہ شاہ اجمل الہ آباد میں اب تک مصروف کار ہے (کیفیت العارفین ۶۶۔۶۸)

مآخذ

۱۔ احمد دیوان بیگی شیرازی: حدیقۃ الشعراء، مرتبہ عبد الحسین نوائی، تہران ۱۳۶۵ش

۲۔ صباء محمد مظفر حسین: روزِ روشن، بھوپال، ۱۲۹۷ھ

۳۔ عبد الحی حسنی، نزہۃ الخواطر، ج ۷۔۶ حیدر آباد، دکن، ۱۹۵۷ء

۴۔ عضد الدین محمد چشتی: مقاصد العارفین مرتبہ نثار احمد فاروقی، ٹونک ۱۹۸۴ء

۵۔ فانی، عطا حسین، کیفیت العارفین، گیا ۱۳۵۱ھ

۶۔ قدرت اللہ گوپاموی: نتائج الافکار، بمبئی، ۱۳۳۶ش

۷۔ منزوی، احمد: فہرست مشترک، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء

۸۔ نور الحسن: نگارستانِ سخن (تکملہ صبح گلشن)، بھوپال، ۱۲۸۴ھ

۹۔ Habibullah, A, B.M: Descriptive Cat. of Persian, Urdu, Arabic MSS. In Dacca University library, Dacca, 1968

۱۷ نومبر ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

مولانا غلام محی الدین بگوی

پنجاب کے مشہور عالم اور مبلغ اسلام مولانا غلام محی الدین بن حافظ نور حیات (ف ۱۲۳۴ھ / ۱۸۱۸ء) بن حافظ محمد شفاء (ف حدود ۱۱۸۶ھ / ۱۷۷۲ء) بن حافظ نور محمد (ف حدود ۱۱۶۳ھ / ۱۷۵۰ء) اپنے عہد کے جلیل القدر عالم تھے، بروز پیر محرم ۱۲۱۰ھ / ۱۷۹۵ء کو بگہ (ضلع جہلم) میں پیدا ہوئے (ظہور احمد بگوی، تذکرہ مشائخ بگویہ)، کم سنی میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور (۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۳ء) کو تحصیل علم کے لیے اپنے چھوٹے بھائی مولوی احمد الدین بگوی (ف ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء) کے ہمراہ دہلی گئے جہاں بارہ برس تک مختلف مدرسوں میں علم حاصل کرتے رہے، حدیث کی تکمیل مولانا شاہ اسحٰق دہلوی (ف ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۶ء) سے کی، مولانا انہیں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (ف ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء) کے پاس لے گئے، شاہ صاحب ان کی علمیت سے بہت متاثر ہوئے اور حدیث کی سند دیتے ہوئے کہا کہ ان شاء اللہ آپ سے بڑا فیض حاصل ہوگا۔ (ایضاً ص ۹)

قیام دہلی کے دوران مولانا غلام محی الدین بگوی نے شاہ غلام دہلوی مجددی (ف ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء) سے سلسلہ نقشبندیہ و قادریہ میں بیعت کی۔ (تذکار بگویہ ۷۵)

(۱۲۴۱ھ / ۱۸۲۵ء) کو اپنے گاؤں بگہ واپس آ گئے اور دین کی خدمت میں معروف ہو گئے یہ وہ زمانہ تھا جب پنجاب میں سکھوں کی مسلم دشمنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی اور مسلمانوں کی معاشی، معاشرتی اور مذہبی زندگی بری طرح متاثر ہوئی تھی لیکن ایسے دور میں بھی مولانا جادۂ مستقیم پر قائم اور تبلیغ دین میں معروف رہے، جس کا اثر یہ ہوا کہ ان کی کوشش سے پنجاب کے مسلمانوں کے لیے امن کی فضا کے آثار نظر آنے لگے اور مہاراجہ رنجیت سنگھ (۱۷۹۹ء۔۱۸۳۹ء) بھی ان کا معتقد ہو گیا۔ (تذکرہ مشائخ بگویہ ص ۹)

مہاراجہ کے وزیر فقیر سید عزیز الدین نوشاہی (ف ۱۲۶۱ھ / ۱۸۴۵ء) بگہ گئے اور مولانا کو لاہور لے آئے، یہاں انہوں نے مسجد بازار حکیماں میں شمع علم روشن کیے رکھی (تاریخی مساجد لاہور ص ۳۵) ہزارہا غیر مسلم

ان کے حسن سلوک اور تبلیغ سے متاثر ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے، انہیں علم حدیث سے خاص شغف تھا، تقریباً دو ہزار طلبہ نے ان سے علم حدیث کی سند حاصل کی، ان میں مولانا نور الدین چکوڑی والے، مولانا شاہ محمد فیروز شاہ پوری، مولانا غلام رسول قلعہ میہان سنگھ اور حافظ ولی اللہ لاہوری خاص طور پر قابل ذکر ہیں، لاہور میں ان کا درس تقریباً تیس سال تک جاری رہا۔ (حدائق الحنفیہ ۴۹۵)

آخر بیمار ہو کر بگہ چلے گئے، جہاں عرصہ تک مریض رہ کر شب دوشنبہ ۳۰ شوال ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۶ء کو انتقال ہوا (تذکرہ مشائخ بگویہ ص ۱۰، حدائق الحنفیہ ۴۹۶)

مولانا غلام محی الدین کے دو فرزند تھے اول مولانا مفتی غلام محمد بگوی (۱۲۵۵ء / ۱۳۱۸ھ ۱۸۳۹ء۔ ۱۹۰۰ء) اور دوم مولانا عبد العزیز بگوی (ف ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء) یہ دونوں بھائی نامور عالم تھے، انہیں کی بدولت بادشاہی مسجد لاہور واگزار ہوئی، سکھوں نے اس مسجد کو چھاؤنی میں تبدیل کر لیا تھا۔ مولانا غلام محمد نے یہاں ایک دار الافتاء بھی قائم کیا تھا، گویا برطانوی دور میں یہ دونوں علماء اسلام کے بہترین مبلغ تھے۔

مآخذ

۱۔ انوار احمد بگوی: تذکار بگویہ، جلد اول، بھیرہ، ۲۰۰۲ء

۲۔ فقیر محمد جہلمی: حدائق الحنفیہ، لاہور، ۱۹۸۶ء

۳۔ ظہور احمد بگوی: تذکرہ مشائخ بگویہ، بھیرہ، ۱۹۳۴ء

۴۔ رحمٰن علی: تذکرہ علمائے ہند لکھنو، ۱۹۴۱ء، واُردو ترجمہ وحواشی محمد ایوب قادری، کراچی، ۱۹۶۱ء

۵۔ فوق، محمد دین: تذکرۃ العلماء والمشائخ لاہور، لاہور ۱۹۲۰ء

۶۔ شرافت نوشاہی: شریف التواریخ جلد سوم، ادارہ معارف نوشاہیہ، مرید کے، ۱۹۸۳ء

۷۔ اقبال احمد فاروقی: تذکرہ علمائے اہل سنت لاہور، لاہور، ۱۹۷۵ء

۸۔ فقیر عزیز الدین: روزنامچہ، جلد دوم، قلمی مخزونہ کتابخانہ عجائب گھر، لاہور

۹۔ شرف، عبد الحکیم: تذکرہ علمائے اہل سنت، لاہور، ۱۹۷۶ء

۲۷ فروری ۲۰۱۱ء

برائے دانشنامہ ادبیات فارسی شبہ قارہ تہران

علّامہ تاج الدین بہجت

محمد تاج الدین متخلص بہ بہجت تیرھویں صدی ہجری کے فارسی و اُردو کے شاعر، عالم اور فقیہ تھے۔

محمد تاج الدین بہجت معروف خطاط غیاث الدین خان کے فرزند تھے، ان کا تعلق علاقہ گوپامو (Gopamo) سے تھا لیکن مدراس (Madras) میں آکر مقیم ہو گئے تھے مدراس ہی میں تاج الدین کی ولادت ۱۲۱۴ھ/۱۷۹۹ء کو ہوئی (صبح وطن ۴۴، گلزارِ اعظم ۱۳۰، نزہۃ الخواطر ۷/۱۰۴ کوکن: Arabic and Persian in Caramatic p.422)، تاج الدین بہجت نے اس عہد کے نامور علماء و مدرسین کی خدمت میں رہ کر تحصیل کی ان میں مولانا محمد جعفری بن شاہ محی الدین صاحب قابلِ ذکر ہیں، بہجت مزید تحصیل کے لیے اس وقت کے معروف علمی مرکز کمپنی مدرسہ میں داخل ہوئے اور وہاں کے اساتذہ میں سے مولوی تراب علی نامی اور مولوی محمد حسن علی ماہلی (Mahali) کی نگرانی میں دو یا تین سال تک پڑھا۔ (کوکن ۴۲۲، نزہۃ الخواطر ۷/۱۰۴، دیار پورب میں علم اور علماء ۷۹ ۴) ان کے علاوہ مولوی سیّد خیر الدین کے بھی شاگرد تھے (حدیقۃ المرام ۳۰)

علّامہ تاج الدین فارسی اور اُردو میں شعر بھی کہتے تھے ان کا تخلص بہجت ہے۔ فارسی میں مولوی تراب علی نامی سے مشورۂ سخن جاری رکھا اور اُردو میں سیّد ابوالحسن حیرت امامی بن سیّد ابو نعیم امامی کے شاگرد تھے۔ حیرت معروف اُردو شاعر میر حقیقت کے تلمیذ اور مرید تھے۔ جو مشہور شاعر قلندر بخش جرأت کے شاگرد تھے۔ (کوکن ۴۲۲)

ان دنوں کرناٹک (Carnatic) پر نواب غلام غوث خان بہادر (۱۸۴۲ـ۱۸۵۵ء) کی حکومت تھی یہ نواب ایک ذی علم اور شاعر تھا، اس نے کرناٹک کے شعراء کے حالات پر دو تذکرے صبح وطن اور گلزارِ اعظم لکھے جو تذکرہ نویسی کے فن میں بلند مرتبہ رکھتے ہیں، تاج الدین بہجت کو نواب غلام غوث سے خصوصی تعلق تھا، اس نے اپنے دونوں تذکروں میں بہجت کا ذکر بڑی محبت سے کیا ہے۔

نواب غلام غوث خان بہادر کے والد نواب عظیم جاہ کے عہد میں بھی بہجت کی شخصیت معزز اور قابل توجہ تھی انہیں ۱۲۴۸ء/ ۱۸۳۲ء کو ضلع چنگل پٹ (Chinglepat) کا مفتی مقرر کیا گیا۔ اسی طرح انہیں ایک عرصہ تک دو سو روپے ماہوار تنخواہ پر علاقہ سنکاکول (Sinkakol) میں بھی مفتی کی خدمات سونپی گئیں (کوکن ۴۲۳، نزہۃ الخواطر ۷/ ۱۰۴)

اسی طرح وہ کچھ عرصہ پالم کوٹلہ (Palayamcottal) میں بھی مصروف کار بتائے گئے ہیں، کرناٹک پر جب ایسٹ انڈیا کمپنی کا تصرف ہو گیا تو بہجت پھر بھی کمپنی کی طرف سے ضلع ترناولی (Taranowali) میں "صدرِ امین" کے عہدے پر فائز رہے۔ (کوکن ۴۲۳)

شاعر کی حیثیت سے بہجت کا خصوصیت سے تذکرہ کیا گیا ہے۔ انہیں کئی اصنافِ سخن میں مہارت تھی ان میں فنِ تاریخ گوئی پر انہیں ایسا ملکہ حاصل تھا جس کا ان کے معاصرین نے اعتراف کیا ہے۔ ۱۲۴۲ء کو جب بہجت کے ممدوح نواب غلام غوث خان تخت نشین ہوئے تو بہجت نے ایک قطعہ تاریخ لکھا جو ان کے مہارتِ فن کا شاہ کار تسلیم کیا گیا۔ ان کے دیوان میں کئی ایک قطعاتِ تاریخ بھی موجود ہیں۔ (حا نجا ۴۲۳)

بہجت کا سالِ وفات تذکرہ نویسوں نے نہیں لکھا موصوف صبح وطن کی تالیف (بسال ۱۲۵۷ھ) اور گلزارِ اعظم (تالیف ۱۲۶۴ھ) کے دوران جواں سال تھے اسی طرح جب نصرت الملک نے ۱۲۷۱ھ کو جواہر الہند مرتب کی تو وہ ترناولی میں صدر امین کے عہدہ پر متمکن تھے (حانجا ۴۲۳، ۳۵۳) یقیناً بہجت ۱۲۷۱ھ / ۱۸۵۴ء کے بعد فوت ہوئے۔ بہجت کے شاگردوں میں سے انتظام الدولہ نصرت الملک صلابت جنگ (مؤلف جواہر الہند) اپنے عہد میں سخن پروری اور مؤلف کی حیثیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ (کوکن ۴۲۳، ۵۸۳ و مقامات دیگر) بہجت کی حسب ذیل تالیفات اب تک معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ حاشیہ شرح سُلّم:

یہ قاضی مبارک گوپاموی کی عربی شرح سُلّم العلوم پر حاشیہ ہے۔ (کوکن ۴۲۴، نزہۃ الخواطر ۷/ ۱۰۴)

۲۔چمنستان

یہ شیخ سعدی کی گلستان کی فارسی میں شرح ہے۔اس کا آغاز یکم ربیع الثانی ۱۲۴۷ھ کو کیا اور اسی سال ۸ جمادی الآخر کو مکمل کر لی گئی، شارح کے پیش نظر کلکتہ کا چھپا ہوا گلستان کا وہ نسخہ تھا جس میں اس کی عربی وفارسی شرح کے علاوہ لاطینی زبان میں بھی شرح کی گئی تھی۔اس کے باوجود بہجت نے ایران سے گلستان بخطِ شیخ سعدی کی نقل بھی حاصل کر لی تھی۔بہجت نے یہ شرح اپنے استاد شیخ محمد جعفر مذکور کے ایما پر لکھی۔

یہ ضخیم شرح ۱۲۶۹ھ کو مظہر العجائب پریس مدراس سے شائع ہوئی اس کے ۳۲۲ صفحات ہیں۔

۳۔منبع البحرین

یہ مختصر فارسی رسالہ دو بحروں پر مشتمل ہے:

بحر اول در علم عروض

بحر دوم در علم قافیہ

رسالہ منبع البحرین ۶ محرم ۱۲۴۷ھ کو مکمل ہوا۔ اس کا ایک خطی نسخہ بخط مؤلف مکتوبہ ۸ ربیع الاول ۱۲۴۷ھ کرناٹک میں ہے۔جس کے ۱۶۸ صفحات ہیں (کو کن ۴۲۲)

۴۔رسالہ در حرف

علم حرف پر یہ مختصر رسالہ ہے غالباً کمپنی مدرسہ کے طلبہ کے لیے لکھا گیا (کو کن ۴۲۲، نزہۃ الخواطر ۷/۱۰۴)

۵۔تاج القواعد

یہ کتاب فارسی نثر میں ہے اور فارسی زبان کے قواعد پر مشتمل ہے۔مطالب کے عنوانات کو "فائدہ" کا نام دیا گیا ہے۔یہ کتاب ۲۲ جمادی الاولی ۱۲۹۹ھ کو تالیف ہوئی اور اسی سنہ کا مکتوبہ نسخہ بخطِ مؤلف ذخیرۂ انجمن ترقی اُردو کتابخانہ نیشنل میوزیم آف پاکستان کراچی میں محفوظ ہے۔(فہرست نسخہ ہای خطی فارسی ۸۰۔۸۱) لیکن یہ کتاب پہلے بنگلور سے ۱۲۸۹ھ کو اور پھر ۱۲۹۸ھ میں بمبئی سے شائع ہو چکی ہے۔(مشار، مؤلفین ۲/۱۳۰، مشار: چاپی ۲/۲۱۳۱) جس سے واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ خطی نسخہ بخطِ مؤلف نہیں ہے بلکہ بعد میں کسی نے کتابت کیا ہے۔

۶۔ دیوانِ بہجت

یہ بہجت کے فارسی و اُردو کلام کا مجموعہ ہے۔ اس میں طویل اور مختصر نظمیں سبھی جمع کر دی گئی ہیں۔ اس میں قصائد اور قطعاتِ تاریخ بھی موجود ہیں۔

ایک قصیدہ کرناٹک کے راس العلماء بہادر (ف ۱۲۴۶ھ) کی مدح میں ہے، جو سلطان النساء بیگم (ف ۱۲۳۹ھ) کے فرزند تھے۔ یہ نواب والہ جاہ کی بڑی بیٹی تھیں۔ (کوکن ۴۲۴)

جب ۱۲۳۷ھ کو بہجت کے استاد ابوالحسن حیرت کا انتقال ہوا تو بہجت نے ان کی وفات پر ایک طویل قطعہ تاریخ لکھا۔ اسی طرح جب ۱۲۴۲ھ کو نواب غلام غوث خان بہادر کرناٹک کے والی بنے تو بہجت نے فارسی میں قطعہ تخت نشینی لکھا۔ یہ قطعہ اپنی فنی خوبیوں کے باعث عرصہ تک معاصرین میں مقبول رہا۔ (ھمانجا ۴۲۲۔۴۲۳)

بہجت کا دیوان ۲۲۶ اوراق پر مشتمل ہے۔ کرناٹک میں اس کے کئی نسخے موجود ہیں۔ نواب غلام غوث خان بہادر نے اپنے تذکروں صبح وطن اور گلزارِ اعظم میں بہجت کے بہت سے اشعار نقل کر کے ان کے فنی محاسن بتائے ہیں۔

۷۔ قصائدِ پُر فوائد

بہجت کے قصائد کا ایک مجموعہ الگ بھی شائع ہوا تھا، ۱۷۰ صفحات کا یہ رسالہ لکھنو سے ۱۲۹۱ھ میں طبع ہوا۔ (مشار، مؤلفین ۲/۱۳)

مآخذ

۱۔ اطہر مبارک پوری: دیارِ پورب میں علم اور علماء، دہلی، ۱۹۷۹ء

۲۔ سری رام، لالہ: خمخانۂ جاوید، لاہور، ۱۹۰۸ء

۳۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۷، حیدر آباد، دکن، ۱۹۵۹ء

۴۔ غلام غوث خاں بہادر، نواب: صبح وطن، مدراس ۱۲۵۸ھ

۵۔ ایضاً: گلزار اعظم، مدارس، ۱۲۷۲ھ

۶۔ مشار، خان بابا: مؤلفین کتب چاپی، تہران ۱۳۴۰ش

۷۔ ناظر، عبدالقادر: بہار اعظم جاہی (روداد سفر نواب اعظم جاہ) بہ تصحیح و تحشیہ محمد یوسف کوکن عمری، مدراس، ۱۹۶۱ء

۸۔ نوشاہی، سید عارف: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی انجمن ترقی اُردو، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء

۹۔ واصف، محمد مہدی مدراسی: حدیقۃ المرام (تذکرہ علمای مدراس) اُردو ترجمہ سخاوت مرزا، کراچی، ۱۹۸۲ء

10- Kokan, M. Yousuf: Arabic and Persian in Carnatic, Madras1974

۱۱ دسمبر ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

مولانا غلام حسین خان (مؤلف ذکر السیر)

مولانا منشی غلام حسین ایک مورخ وادیب تھے، ان کی کتاب ذکر السیر تیموریانِ ہند کی تاریخ پر ایک اہم کتاب ہے جو تیرھویں صدی ہجری / اٹھارھویں صدی عیسوی کے وسط میں لکھی گئی، اس کے مؤلف غلام حسین خان بنارس سے تعلق رکھتے تھے۔

ذکر السیر کے مؤلف غلام حسین خان بن محمد ہمت خان شاہ جہان آبادی کے اجداد سلاطین مغلیہ کے ہاں مختلف عہدوں پر ملازم رہے، خود ان کے والد محمد ہمت خان بادشاہ فرخ سیر (۱۱۲۴ـ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۳ـ۱۷۱۹ء) سے لے کر عالمگیر ثانی (۱۱۶۷ـ۱۱۷۳ھ / ۱۷۵۴ـ۱۷۶۰ء) کے عہد تک ملازمت کرتے رہے محمد ہمت خان کا انتقال ۱۱۶۸ھ / ۱۷۵۴ء کو ہوا (ایتھے: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی دیوان ہند ا / ۱۶۲)

غلام حسین خان بنارس کے زمیندار حاکم راجہ بلوند سنگھ (Rajah Balwand Singh) کی ملازمت میں تھے ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند و جانشین راجہ چیت سنگھ (Rajah Chait Singh) سے وابستہ ہو کر خدمات بجا لاتے رہے، جہاں انہیں کامل اعتماد کے ساتھ بہت سی مہمات میں شریک کیا گیا، غلام حسین خان اپنی کتاب زمینداران بنارس کے خاتمہ میں خود لکھتے ہیں جب راجہ چیت سنگھ کی حکومت انگریزوں (East India Company) نے ختم کر دی تو وہ راجہ کی طرف سے بحالی کی درخواست لے کر لارڈ کارنوالس (Lord Cornwallis) کے پاس لکھنو گئے لیکن مایوس ہو کر واپس آئے۔ (عبد المقتدر: فہرست نسخہ ہای خطی عربی وفارسی پبلک لائبریری پٹنہ، جلد ہفتم ص ۱۴۲)

غلام حسین خان کی اب تک صرف دو کتابوں کا علم ہو سکا ہے ایک تاریخ زمینداران بنارس اور دوسری ذکر السیر۔

تاریخ زمینداران بنارس فارسی نثر میں ہے جو بنارس کے زمیندار حاکموں کے حالات پر مشتمل ہے، جس کا آغاز راجہ منسارام (Rajah Mansa Ram) کے احوال سے ہوتا ہے اور راجہ چیت سنگھ کی معزولی ۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۱ء) پر ختم ہو جاتی ہے، اس مخطوطہ پر مؤلف کے پوتے سبحان علی بن حسن علی خان نے ایک دیباچہ لکھا تھا جس کے آغاز میں اس نے بتایا ہے کہ یہ تاریخ تمام تر اس کے دادا کے مشاہدات اور جو کچھ راجہ بلوند سنگھ نے اسے مہیا کیا، پر مبنی ہے، سبحان علی نے اس کتاب کو راجہ ایسری پرشاد نرائن (Rajah Isari Pershad Narayan) کے نام ۱۸۳۵ء میں معنون کی ہے (ایضاً ۱۴۱/۷) اس کتاب کا ایک مخطوطہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں ہے۔ (ایضاً)

ذکر السیر، یہ غلام حسین خان کی دوسری کتاب ہے، یہ فارسی نثر میں ہے اور اس کے نام سے اس کا سال تالیف ۱۲۲۱ھ برآمد ہوتا ہے، یہ متاخر سلاطین تیموریہ کی تاریخ ہے جو دہلی پر نادر شاہ افشار کے قبضہ ۱۱۵۱ھ / ۱۷۳۹ء سے شروع ہو کر شاہ عالم ثانی کے عہد کے خاتمہ ۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۶ء پر تمام ہوتی ہے۔

مؤلف کے اجداد سلاطین مغلیہ کے ہاں مختلف عہدوں پر فائز رہے تھے، خود ان کے والد فرخ سیر سے لے کر عالمگیر ثانی تک کے واقعات کے راوی ہیں، جس کا اظہار مؤلف نے مخطوطہ کے آغاز میں ہی کر دیا ہے، ان کے علاوہ اس کے دادا کی روایات بھی اس میں پائی جاتی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کے پیش نظر بعض دستاویزات بھی تھیں جن کے اقتباسات اور بعض کی تلخیص اس میں شامل ہے۔

اس کتاب کا ایک خطی نسخہ انڈیا آفس لائبریری، لندن (شمارہ ۴۲۹) میں موجود ہے (فہرست مذکور ۱/۱۹۲) دوسرا نسخہ شمارہ I.O.3971 بھی ہے۔ تیسرا نسخہ نیشنل لائبریری پیرس میں ہے Storey: Persian Literature Vol. I Part.I p.642 چوتھا خطی نسخہ کتابخانہ مرکزی دانشگاہ پنجاب لاہور میں ہے (شمارہ ۱۴۷، Pe-ii-۱۰۲/۱۳۸۸)

غلام حسین خان کا اسلوبِ تحریر سادہ اور عام فہم ہے، ان کی یہ دونوں کتابیں تاحال طبع نہیں ہوئیں۔

مآخذ

۱۔ احمد منزوی: فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء

۲۔ ایضاً: فہرستوارہ کتابہای فارسی، تہران ۱۳۷۵ش

3- Abdullah S.M: Descriptive Cat. Of Persian, Udru, Arabic MSS. In Punjab University Library, Lahore, Lahore 1942.

4- Abdul Muqtadir: Cat of Arabic and Persian MSS. In Oriental Public Library, Bankipur, Patna, 1977.

5- Ethe, H: Cat, of Persian Mss. In India Office Library London, 1980

6- Marshall, D.N: Mughals in India, Bombay, 1967.

7- Storey , C.A: Persian Literature, London, 1972.

8- Riew, Ch: Cat. Persian MSS. In British Museum, London,1889

۱۹ اکتوبر ۲۰۰۷ء

برائ دانشنامہ شبہ قارہ

مولانا محمد حسین خان شاہ جہانپوری (مولف ریاض الفردوس)

مولوی محمد حسین بن غلام قادر خان شاہ جہانپوری کے احوال مروجہ تذکروں میں نہیں ملتے البتہ کتاب ریاض الفردوس کے خاتمہ میں اپنے خودنوشت حالات لکھے ہیں، جن کا خلاصہ یہاں دیا جارہا ہے:

محمد حسین کے اجداد ہرات کے رہنے والے تھے اور قوم افغان ترین درانی ابدالی حسن زئی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، عہد شاہ جہان (۱۰۳۷۔۱۰۶۸ھ / ۱۶۲۸۔۱۶۵۷ء) سے قبل ہرات کے حالات کی کشیدگی کے سبب وہاں سے ترکِ وطن کر کے برِّعظیم پاکستان وہند آکر ہزارہ (صوبہ سرحد پاکستان) آکر آباد ہو گئے، ان کے جداعلیٰ محمود خان اپنے خاندان کے ساتھ اپنے عم بزرگ دیوانِ قاسم خان کے ہمراہ نواب بہادر خان منصب دار شاہ جہان کی ہمرکابی میں یہاں آئے، یہی نواب ابدال خان مخاطب بہ نواب بہادر چغتا، (ف ۱۰۵۹ھ / ۱۶۴۹ء) شاہ جہانپور کا بانی تھا کی تحریک پر شاہ جہان پور میں محمود خان نے اقامت اختیار کی، مؤلف کے والد غلام قادر خان بن عبدالغفار بن عبدالرؤف بن نصرت خان بن آدم خان بن محمود خان مذکور سب نے خوش حالی کی زندگی بسر کی لیکن گردش ایام سے میرے والد روزگار کی تلاش میں حیدر آباد دکن گئے وہاں فوج کی ملازمت سے آغاز کیا اور نظامت کے عہدہ پر چودہ برس تک رہے پھر ملازمت ترک کر کے اپنے مستقر شاہ جہانپور جاکر نکاح کیا۔ یہاں مال گذاری اور تجارت کا شغل اختیار کر لیا، ان کے ہاں یہیں اولاد ہوئی اور انہوں نے اسی علاقہ میں ۱۳ جمادی الاول ۱۲۶۶ھ بعمر ۶۸ سال انتقال کیا (ریاض الفردوس ۱۶۴۔۱۶۵)

مؤلف محمد حسین خان کی ولادت شاہ جہانپور میں ہی ۲۷ ذی قعد ۱۲۴۵ھ / ۱۸۳۰ء کو ہوئی، یہیں ابتدائی کتب درسیہ مقامی علماء کی خدمت میں پڑھیں، پھر رام پور جاکر دو سال تک تحصیل کی، وہاں سے تکمیل کی غرض سے دہلی پہنچے اور کامل ایک سال وہاں کے علماء سے تحصیل کے بعد پھر لکھنؤ گئے وہاں بھی ایک سال علماء کی

خدمت میں گذارا، پھر علم حدیث اور مطولات حکمیہ و کلامیہ کی تکمیل کے لیے دوبارہ دہلی گئے اور ایک سال وہاں رہ کر فراغت حاصل کی اور واپس اپنے مستقر پہنچے۔ (ایضاً ۱۶۶ / ۳)

اس دوران والد کی جائیداد کی تقسیم کے باعث پھر تلاشِ روزگار میں علاقہ محمدی (من مضافاتِ لکھنؤ) میں گئے اور وہاں انگریزوں کے ہاں سر رشتہ دار کو لیکٹر مقرر ہوئے، وہاں سے آگرہ (Agra) گئے تے کہ ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۷ء کا غدر ہو گیا اس پر آشوب زمانہ میں واپس شاہجہانپور چلے گئے اور بڑی عسرت میں وقت گذارا، اس عالم میں کتاب حاضر یعنی ریاض الفردوس کی تالیف کا آغاز کیا جو تین سال میں جا کر مکمل ہوئی، اس دوران میرا تمام مال و اسباب بلوائیوں نے لوٹ لیا، وہاں سے ضلع باندہ (Bandah) گئے اور حاکم علاقہ کی پیشی میں ملازمت اختیار کر لی۔ اس دوران ان کی والدہ شدید علیل ہوئیں تو وہ ملازمت ترک کر کے واپس اپنے مستقر چلے گئے جہاں ۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۰ء کو ان کی والدہ نے انتقال کیا۔ (ایضاً ۱۷۶)

ان مصائب کے بعد تلاش معاش میں حیدر آباد دکن گئے لیکن وہاں کام نہ بنا تو بھوپال چلے گئے جن انہوں نے معلّمی کا پیشہ اختیار کر لیا اور ۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۴ء تک وہیں مقیم رہے۔ (ایضاً ۱۶۷۔۱۶۸ء)

یہ مؤلف کی ۳۵ سال کی روداد حیات ہے اس کے بعد ان کے احوال کا کچھ علم نہیں ہے یہاں تک کہ ان کا سال وفات بھی ہمیں تاحال معلوم نہیں ہو سکا۔

مؤلف نے اپنے اساتذہ کے نام نہیں لکھے لیکن ان کی تحریرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا مولانا مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی (ف ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء) اور مولانا سلامت اللہ کشفی بدایونی (ف ۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۴ء) سے تعلقِ خاطر تھا۔ (ریاض الفردوس ۱۳۳، ۱۱۹ و بہ بعد) مؤلف مولانا غلام امام خان ہجر و ملک تخلص (ف ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء) سے بیعتِ ارادت بھی رکھتے تھے (ایضاً ۱ / ۵) قیاس ہے کہ انہی کے حوزۂ ادبی سے بھی منسلک رہے ہوں گے، مولانا ہجر حیدر آباد دکن کے نوابوں سے وابستہ تھے، جب وہ تلاشِ معاش میں حیدر آباد گئے تو ان سے فیض یاب ہوئے ہوں گے، مولانا ہجر کئی اہم کتابوں کے مؤلف تھے جن میں سے تاریخ رشید الدین خانی اور تاریخ خورشید جاہی قابل توجہ ہیں۔

کتاب ریاض الفردوس ایک علمی و ادبی مرقع و دائرۃ المعارف ہے، اس کے کئی خصائص میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے تینوں دفتروں میں شعرائے نامدار کے مختصر احوال و نمونۂ کلام درج کیا گیا ہے اس کا

حصہ اول جو عربی زبان میں ہے، اس کی فصل خامس متقدمین و متاخرین عربی شعراء و علماء پر ہے۔ جو تاریخ ابن خلکان، سُبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان (مولفہ آزاد بلگرامی) اور نفحۃ الیمن سے ماخوذ ہے۔ متاخرین میں سے مولانا صدر الدین خان آزردہ دہلوی، مفتی سعد اللہ اور مولانا فضل حق خیر آبادی وغیرہ شامل ہیں۔ حصہ دوم کی پانچویں فصل فارسی شعرائے متقدمین و متاخرین کے مختصر حالات اور نمونہ کلام پر مشتمل ہے۔ جس کا آغاز ابوالحسن رود کی سے ہوتا ہے، اور متاخرین میں سے مولوی امام بخش صہبائی، میرزا اسد اللہ خان غالب، صدر الدین آزردہ، محمد فضل عظیم خیر آبادی، مصطفیٰ خان شفیتہ و حسرتی، نواب ضیاء الدین خان نیر رخشاں، نیاز احمد بریلوی، غلام امام شہید، محمد صادق خان اختر، مولوی سلاست اللہ کشفی، عارف علی شاہ عارف خراسانی، نواب غلام حسین خان حسین شاہ جہانپوری، مولوی احمد حسن عرشی قنوجی، نیاز علی مفتون خیر آبادی اور محمد یعقوب حلیم فیض آبادی اندروی، اس فصل کے ذیل کے طور پر خواتین (زنان) شعراء فارسی کا مختصر سا تذکرہ ہے۔ جو نور جہاں بیگم مخفی (زوجہ جہانگیر بادشاہ) سے شروع ہو کر شریفہ بانو ہمدمی پر ختم ہوتا ہے۔

اس کتاب کا تیسرا حصہ جو اُردو زبان میں ہے کی پانچویں فصل شعرائے اُردو کے یک سطری حالات اور ایک ایک شعر کے انتخاب پر مشتمل ہے۔ یہ تذکرہ حروف تہجی کے اعتبار سے لکھا گیا ہے۔

اس کے علاوہ اس کتاب میں قصائد، مکاتیب، مقطوعات، مسائل علم خط، علم صرف، نحو، معانی، بیان، بدیع، عقائد، فقہ، فرائض، اصول فقہ، حدیث، تفسیر، تجوید، تصوف، منطق، حکمت، حساب، ہیئت، ہندسہ، مناظرہ وغیرہ پر ابتدائی نوعیت کی معلومات جمع کی گئی ہیں۔

مؤلف نے اسے ''کشکول'' کہا ہے اور بتایا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے دوران پُر آشوب حالات میں وہ اپنے مستقر شاہ جہانپور میں رہنے پر مجبور تھے اب وقت گزارنے کے لیے انہوں نے اس کتاب کی تالیف کا آغاز کیا، اور چار پانچ سال کی مدت میں مؤلف اسے ۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء کو مکمل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ (ریاض الفردوس ۱۶۶) تاہم ۱۲۸۱ھ تک وہ اس کی تبییض میں لگے رہے اور مذکورہ سنہ کو آخری و جاری سال بتایا ہے (ایضاً ۱۶۷)

اس کتاب پر اس عہد کے بہت سے اکابر علماء و ادباء و شعراء نے تقریظیں لکھیں جن میں سے مفتی محمد سعد اللہ مراد آبادی، قاضی زین العابدین عرب، نواب صدیق حسن خان، مولانا عباس بن احمد یمنی شروانی، مولانا احمد گل، واحد علی شاہ آبادی، نثار احمد شاہ جہانپوری، تراب علی لکھنوی قابل ذکر ہیں یہ تمام تقاریظ عربی میں ہیں۔

مولانا عبدالہادی نامی گلریزی نے قطعہ تاریخ فارسی میں لکھا، اور نواب غلام حسین خان شاہ جہانپوری، خلیفہ محمد سمیع اللہ شاہ جہانپوری، مولوی احمد حسن عرشی قنوجی، نواب صدیق حسن خان، حکیم اصغر حسین فرخ آبادی وغیرہ نے فارسی میں بہترین تقریظیں لکھیں جو کتاب کے آخر میں شامل ہیں۔

ریاض الفردوس کے تینوں حصے یکجا مطبع نولکشور ۱۲۸۴ھ کو طبع ہوئے۔

مرتضیٰ حسین فاضل بلگرامی نے اس کا حصہ شعرائے اُردو ایک کتابچہ کی صورت میں مرتب کیا تھا جو لاہور سے ۱۹۷۱ء میں طبع ہوا۔

مآخذ

۱۔ عبدالحی حسنی، نزہۃ الخواطر، حیدر آباد، دکن، ۱۹۵۹ء

۲۔ علی رضا نقوی: تذکرہ نویسی فارسی در ہند و پاکستان، تہران، ۱۹۶۴ء

۳۔ گلچینِ معانی، احمد: تاریخ تذکرہ ہائ فارسی، تہران، ۱۳۵۰ش

۴۔ مبارک شمیم: سخنورانِ شاہ جہانپور، دہلی، ۱۹۹۵ء

۵۔ محمد حسین شاہ جہانپوری: ریاض الفردوس، لکھنو، مطبع نولکشور، ۱۲۸۴ھ

۶۔ بحر وملک، غلام امام خان: تاریخ رشید الدین خانی وحاشیہ تاریخ خورشید جاہی، علی گڑھ، ۱۳۲۱ھ

۲۸ اکتوبر ۲۰۰۷ء

برائ دانشنامہ شبہ قارہ

منشی ذوالفقار علی خان (موکف تذکرہ ریاض الوفاق)

منشی ذوالفقار علی تذکرہ ریاض الوفاق کے موکف کی حیثیت سے متعارف ہیں جو تیرھویں صدی ہجری / انیسویں صدی عیسوی کے فارسی واُردو شعراء کا ایک تذکرہ ہے اور اپنے معاصرین کے سوانحی مواد کا حامل ہونے کی وجہ سے معروف ہے۔

اس تذکرہ کے مؤلف منشی ذوالفقار علی خان بہادر متخلص بہ مست تھے، ان کے حالات شعراء کے مروجہ تذکروں میں نہیں ملتے، فقط ان کے اپنے بیانات میں ان کے سوانحی اشارات ہیں، خود لکھا ہے کہ مجھے کم سنی میں شاہ قدرت اللہ قدرتؔ سے ملاقات کا موقع ملا تھا (ریاض الوفاق ۴۱) مروجہ عربی علوم کی تحصیل کے لیے مولانا نجم الدین محمد خان ثاقب کی خدمت میں گیا (ایضاً ۱۶) آغاز جوانی میں شیخ الاسلام شاہ شمس الدین ابو الفرج سے ضلع بہار میں ملاقات ہوئی۔ (ایضاً ۵۶) کلکتہ اور بنارس میں معروف شاعر مرزا جان محمد طپش بخاری سے صحبتیں رہیں۔ (ایضاً ۵۶)

مؤلف کا بنارس کا دوسرا سفر ناصر الملک کلاں کی رفاقت میں ہوا (ایضاً! ۴۹) اس سفر میں سیّد قطب الہدیٰ شوق بریلوی بھی ہمراہ تھے (ایضاً ۴۹)

بنارس کے نواب مہاراجہ اودت نرائن سنگھ بہادر (Awadit Narain) سے بھی تعلق تھا (ایضاً ۶۲) (ملخصاً از احمد گلچین معانی: تاریخ تذکرہ ہائے فارسی ۱ / ۶۸۰) مؤلف نے اپنے خطاب "خان بہادر" کی توضیح نہیں کی حالانکہ ترقیمہ میں واضح طور پر ان کے نام کے ساتھ منشی اور "خان بہادر" لکھا ہوا ہے۔ (ایضاً ۱۲۳) یقیناً وہ کسی مقامی حکومت کے ناظم اعلیٰ سے متوسل ہوں گے تبھی انہیں "خان بہادر" کا خطاب ملا، دور وسطیٰ میں فارسی زبان و ادب کے ماہر کو منشی کہا جاتا تھا لیکن دور آخر میں یہ باقاعدہ "عہدہ" بن گیا ممکن ہے مستؔ کسی نواب کے ہاں منشی رہے ہوں، مؤلف نے اپنی مصروفیت کو "بارگراں وخدمت گذاریِ خلائق" سے تعبیر کیا ہے۔ (ایضاً ۱۲۰)

اس کے باوجود مؤلف اس تذکرہ کے علاوہ کئی کتابوں کے مؤلف تھے جن کے نام انہوں نے خود لکھے ہیں:

۱۔ دبستان حقوق ۲۔ انتخاب نسخہ طیبہ یعنی ابواب الجنان

۳۔ باغ و بہار (مکاتبت منظوم) ۴۔ بیاضِ نوطرز

۵۔ تحفۃ المہتدی ۶۔ نگارستانِ ضمائر

۷۔ بہارستانِ ضمائر ۸۔ لطفِ سخن

۹۔ نیرنگِ ظہور (ایضاً ۱۲۱)

ان میں سے کوئی کتاب بھی اس وقت تک دستیاب نہیں ہے۔ ذوالفقار علی مست کی صرف ایک ہی تذکرہ یعنی ریاض الوفاق ملتی ہے۔ یہ فارسی اور اُردو شعراء کا تذکرہ ہے، ان میں سے اکثر شعراء مؤلف کے قریبی دوست تھے، مؤلف کا ارادہ تھا کہ ہندی یعنی اُردو اور فارسی شعراء کے الگ الگ باب بنائے جائیں گے لیکن بعد کو صرف ردیف کا التزام ہی رکھا گیا اور ان دونوں زبانوں کے شعراء کے حالات و نمونہ کلام حروفِ تہجی کے اعتبار سے تحریر کر دیئے گئے۔

مؤلف نے یہ تذکرہ ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۳ء کو مکمل کیا تذکرہ کے نام "ریاض الوفاق" سے اس کا سالِ تالیف برآمد ہوتا ہے (ایضاً ۱۲۳)

یہ تذکرہ بنارس (Benaras) اور کلکتہ (Calcutta) کے شعراء کے احوال و انتخاب کلام پر مشتمل ہے، چونکہ یہ مؤلفِ کے معاصرین کا تذکرہ ہے اس لیے اس کی اہمیت واضح ہے، ان میں سے اکثر شعراء کے حالات سے دیگر تذکرے خالی ہیں۔

اس تذکرہ کا فارسی متن ڈاکٹر عبدالرسول خیام پور نے مرتب کر کے تبریز سے ۱۳۴۳ش کو طبع کر دیا، لیکن انہوں نے اُردو سے ناواقفیت کی وجہ سے اس میں سے 'شعرائے اُردو کے حالات و کلام والے حصے حذف کر دیئے، اس کے علاوہ بعض فارسی شعراء کے اشعار بھی کم کر دیئے، تذکرہ کے شروع میں مؤلف نے ایک طویل مقدمہ لکھا تھا جس کی عبارت بہت "مصنوع" تھی فاضل مرتب نے اس کی تلخیص کر دی ہے۔ مؤلف نے شعراء کی تعریف میں جو عبارتیں لکھی تھیں ان میں بھی کمی کر دی ہے۔

پٹنہ کے ڈاکٹر سید حسن نے ڈاکٹر خیام پور کے حذف شدہ تراجم کو اسی نسخہ جرمن کی مدد سے مرتب کیا اور عطا کاکوی نے اس حصے کا اُردو میں ترجمہ بھی کیا تھا۔

۱۹۶۷ء کو مع متن فارسی شائع ہوا جس میں اُردو کے ۳۱ شعراء کے احوال ہیں۔

اس تذکرہ میں شعراء کے تراجم ان کے تخلص کے تحت حروف تہجی کے اعتبار سے لکھے گئے ہیں۔ اس کا آغاز میر مظفر علی آہ پھلواروی سے ہوتا ہے اور آخرین احوال خواجہ یعقوب علی یعقوب کے ہیں۔

اس تذکرہ کی نثر مصنوع اور متکلفانہ ہے، مؤلف شعراء کو بہت قریب سے جاننے کے باوجود ان کے بارے میں سوانحی مواد فراہم نہیں کر سکے یہاں تک کہ ایک دو کے سوا باقی کسی کا سالِ ولادت یا وفات درج نہیں کیا، اس طرح ان حضرات کے حالات پردۂ خفا میں رہ گئے، ان میں سے صرف ۱۱۹ اصحاب کے احوال کچھ تفصیل سے لکھے ہیں، سات شعراء تو ایسے ہیں جو اصلاً ایرانی تھے لیکن وہ ہندوستان میں رہتے تھے ان میں سے اسماعیل قزوینی، محمد جواد حاجب شیرازی، میرزا خلیل اللہ خان سفیر شیرازی، عبدالرحیم شیرازی اور صادق ایرانی قابلِ ذکر ہیں۔(تاریخ تذکرہ ہائ فارسی ۱/ ۶۷۹)

اس تذکرہ سے ۱۲۔ ۱۳ صدی کے ہندوستان کا فارسی ادب ترقی پذیر معلوم نہیں ہوتا بلکہ انحطاط کا شکار معلوم ہوتا ہے۔

اس تذکرہ کا واحد خطی نسخہ جرمن کے ٹوبنگن کتابخانہ میں (بہ شمارہ ۶۶۵) موجود ہے، اس نسخے کا تعارف سپرنگر (Sprenger) نے اپنی فہرست میں کروایا ہے اور تذکرہ میں شامل شعراء کی فہرست بھی دی ہے (Storey, Vol.I, PartII, p.885)

مآخذ

۱۔ علی رضا نقوی: تذکرہ نویسی فارسی در ہند و پاکستان، تہران ۱۹۶۴ء

۲۔ گلچین معانی، احمد: تاریخ تذکرہ ہائی فارسی، تہران، ۱۳۵۰ش

۳۔ مست، ذوالفقار علی: ملخص ریاض الوفاق مرتبہ عبدالرسول خیامپور، تبریز، ۱۳۴۳ش

۴۔ ایضاً: ریاض الوفاق (بخش شعرائے اُردو) مرتبہ سیّد حسن واُردو ترجمہ عطا کاکوی، پٹنہ، بہار، ۱۹۶۷ء

5- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970.

۱۲۹ اکتوبر ۲۰۰۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

حکیم غلام مرتضیٰ بن حکیم محمد صادق

حکیم غلام مرتضیٰ خان (ف ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء) بن حکیم محمد صادق (ف ۱۲۶۴ھ / ۱۸۴۸ء) بن اشرف الحکماء، حکیم محمد شریف خان (۱۱۳۸۔ ۱۲۳۱ھ / ۱۷۲۵۔ ۱۸۱۵ء، بانی خاندان شریفی) اس خانوادہ کے اسلاف کا تعلق کاشغر سے تھا اور معروف نقشبندی شیخ طریقت خواجہ عبید اللہ احرار (ف ۸۹۵ھ / ۱۴۹۰ء) کی اولاد میں سے تھے۔

حکیم محمد شریف خان نے روایتی طب یونانی میں ہندوستانی آیورویدک کو ملا کر اس میں میں ایسی روح پھونکی کہ اس کے کامیاب معالج بن گئے۔

ان کے فرزندِ سوم حکیم محمد صادق نے فارسی میں کئی کتابیں فن طب میں تصنیف کیں۔ ان کے فرزندِ اصغر حکیم غلام مرتضیٰ خان نے طب اپنے والد سے پڑھی اور اس میں مہارت تامہ حاصل کی ان کی شہرت ہندوستان کی ریاستوں تک پہنچی تو پٹیالہ کے مہاراجہ نرندر سنگھ (Narindar Singh) (۱۸۴۶۔ ۱۸۶۲ء) نے انہیں اپنے ہاں بلا کر بڑے اعزاز سے ریاستی طبیب کا درجہ دیا۔ ان کے بڑے بھائی حکیم محمود خان پہلے ہی ریاست میں شاہی طبیب تھے، ان دونوں بھائیوں کی مساعی سے پٹیالہ میں علم طب کے فروغ کے لیے ایک مدرسہ بھوپ اندرا طبیہ کالج (Bhup Indra Tibbia College) قائم ہوا۔ (خاندانِ شریفی، شخصیات و معمولات طب ۱۵۔ ۲۵)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ہولناک فضا میں حکیم غلام مرتضیٰ خان پٹیالہ میں تھے۔ انہوں نے ان حالات میں دہلی میں جہاں ان کا آبائی مسکن شریف منزل تھا جانا چاہا تو ریاست کے مہاراجہ نے جو اس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کی حمایت میں سرگرم تھا، انگریز افسروں سے کہا کہ وہ دہلی میں شریف منزل کی حفاظت کریں چنانچہ خود ریاست کی فوج نے اس مقام کی حفاظت کی اور بے شمار افراد دہلی میں اس حویلی میں پناہ لے کر محفوظ رہے، حکیم غلام مرتضیٰ کے بڑے بھائی حکیم محمود خان (ف ۱۸۹۲ء) ریاست جیند (Jind) میں تھے اور انگریزوں کے دہلی پر قبضہ کے وقت ریاست

پٹیالہ کی معاون فوج میں تھے اور انہوں نے دہلی کی تباہی کے لرزہ خیز مناظر دیکھے تھے، وہ جنگ کے اختتام پر گرفتار بھی ہوئے تھے لیکن اپریل ۱۸۵۸ء کو رہا کر دیئے گئے تھے۔ (تاریخ صحافتِ اُردو ا / ۱۶۰)

حکیم غلام مرتضیٰ خان کے معروف شاعر میرزا غالب کے ساتھ اچھے مراسم تھے، غالب نے ۱۲ مارچ ۱۸۶۵ء کو ایک سفارشی خط بھی لکھا جس میں انہیں "خان صاحب جمیل المناقب" لکھ کر مخاطب کیا تھا (غالب کے خطوط ۷۵۶/۲)

حکیم غلام مرتضیٰ نے اپنے بزرگوں کی طبی کتابوں پر نظر ثانی کی زادِ غریب ان کے والد حکیم محمد صادق خان میں کئی ابواب کا اضافہ کیا۔ یہ کتاب فارسی نثر میں ہے جو ایک مقدمہ، دو رفیق (ابواب) پر مشتمل ہے رفیق اوّل در تدبیر مسافران بری، رفیق دوم در تدبیر مسافران بحری، ہر رفیق میں کئی فصلیں ہیں جنہیں طریق کا عنوان دیا گیا ہے یہ کتاب مطبع نولکشور لکھنو سے کئی بار طبع ہو چکی ہے۔

حکیم محمد صادق کی دوسری طبی کتاب مخازن التعلیم ہے جو فارسی نثر میں ہے۔ جو انہوں نے ۱۲۲۴ھ / ۱۸۰۹ء میں تالیف کی تھی۔ وہ اس میں دیسی ادویہ مفردہ و مرکبہ کا اضافہ کرنا چاہتے تھے لیکن موت نے انہیں موقع نہ دیا۔ اور وفات کے وقت انہوں نے اپنے فرزند حکیم غلام مرتضیٰ سے اس کی تکمیل کے لیے کہا جسے انہوں نے ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء کو پورا کر دیا۔ اور اس پر ایک جداگانہ دیباچہ لکھا جس میں اس امر کا اظہار بھی کیا۔ (فہرست مشترک ۱ / ۷۳۱)

اس خاندان کے فردِ فرید حکیم واصل خان (ف ۱۱۴۵ھ / ۱۷۳۲ء) نے اپنے طبی تجربات اور مشاہدات علاج الامراض کے نام سے جمع کرنے شروع کر دیئے تھے بعد میں آنے والوں نے اس میں اپنے اپنے تجربات کا اضافہ کیا، اس میں حکیم غلام مرتضیٰ خان بھی شامل ہیں انہوں نے اس کتاب کی تلخیص بھی تیار کی جو خلاصہ علاج الامراض کے نام سے مشہور ہے۔ انہوں نے اپنی خاندانی کتاب عجالۂ نافعہ تالیف حکیم محمد شریف خان بھی از سرنو مرتب کی (خاندان شریفی ۲۶) علاج الامراض کا ایک ایسا خطی نسخہ بخط حکیم غلام مرتضیٰ خان، حکیم محمد نبی خان جمال سویدا، گلبرگ لاہور کے پاس موجود ہے۔ جس میں حکیم غلام مرتضیٰ نے ایک جداگانہ دیباچہ کا اضافہ کیا ہے (فہرست مشترک ۱ / ۶۵۰)

حکیم غلام مرتضیٰ کے دو فرزند تھے بڑے حکیم غلام رضا خان بھی اپنے والد کے ہمراہ ریاست پٹیالہ میں رہتے تھے۔ وہ خالص ادبی شخصیت کے مالک تھے میرزا غالب سے مراسلت بھی تھی (میرزا غالب کے خطوط ۴/ ۱۴) ۱۸۶۵ء کو دہلی سوسائٹی کے نام سے ایک انجمن قائم ہوئی جس کے ارکان اس وقت کے اکابر ادبا تھے ان میں حکیم غلام رضا بھی شامل تھے (واقعات، دارالحکومت دہلی ۲/ ۷۰۴) ان حضرات نے اکمل الاخبار اپنی حویلی بلیماران دہلی سے یکم جنوری ۱۸۸۶ء جاری کیا اور ایک مطبع اکمل المطابع بھی قائم کیا جو حکیم شریف خان کے والد حکیم اکمل خان کے نام پر رکھا گیا تھا (دلی اور طب یونانی ۲۱۴، خاندان شریفی ۲۷) حکیم غلام مرتضیٰ کے دوسرے بیٹے خان بہادر حکیم احمد سعید خان (ف ۱۹۳۰ء) کا دہلی میں محلہ بلیماران میں کامیاب مطب تھا۔ حکومت برطانیہ نے ان کو "خان بہادر" کے خطاب سے نوازا تھا۔ وہ معروف طبیب مسیح الملک حکیم اجمل خان (ف ۱۹۲۷ء) کے بہنوئی تھے، ان کے فرزند حکیم غلام کبریا (عرف بھورے میاں ف ۱۹۳۵ء) طبیب ہونے کے ساتھ اُردو کے شاعر بھی تھے۔ (سخن شعراء ۴۴۶، واقعات دارالحکومت ۲/ ۲۴ وبہ بعد خاندان شریفی ۲۹)

خاندانِ شریفی کے ان متاخر حکماء نے یونانی طب کو جدید خطوط پر استوار کیا اور سر سیّد احمد خان (ف ۱۸۹۸ء) کی جدیدیت کی تحریک سے متاثر ہو کر جدید علم طب کے لیے کئی مدرسے اور طبی کالج قائم کیے۔

مآخذ

۱۔ احمد فزوی: فہرست مشترک نسخہ خطی فارسی پاکستان، ج ۱، اسلام آباد ۱۹۸۳ء

۲۔ امداد صابری: تاریخ صحافتِ اُردو، دہلی ج ۱، ۱۹۵۳ء، ج ۲، ۱۳۷۳ھ

۳۔ احسان اللہ خان: تذکرۃ الخواجگان (احوال اکابر خاندانِ شریفی) گوالیار، ۱۹۴۱ء

۴۔ بشیر الدین احمد: واقعات دارالحکومت دہلی، دہلی، ۱۹۱۹ء

۵۔ حبیب الرحمٰن، حکیم، سیّد: ہندوستان کے مشہور اطباء، دہلی، ۱۹۹۸ء

۶۔ خلیق انجم (مرتب) غالب کے خطوط، ج ۲، ج ۴، کراچی ۱۹۹۸ء، ۱۹۹۵ء

۷۔ ظل الرحمٰن، حکیم: دلی اور طب یونانی، لاہور، ۱۹۹۷ء

۔ فہرست میکروفلیم نسخہ ہای خطی فارسی و عربی ذخیرہ حکیم سیّد ظل الرحمٰن، دہلی، ۱۳۸۰ش

- طبِ اسلامی بر صغیر میں (نادر طبی مخطوطات پر منعقدہ سیمنار کے مقالات) پٹنہ، ۱۹۸۸ء

۸۔ محمد کمال الدین حسین ہمدانی: خاندانِ شریفی، شخصیات و معمولات طب، پٹنہ، ۲۰۰۱ء

۹۔ محمد حسن خان، خلیفہ: تاریخ پٹیالہ، امرتسر، ۱۸۷۸ء

۱۰۔ محمود نجم آبادی: فہرست کتابہائ چاپی فارسی طبی، تہران، (دانشگاہ ۱۳۴۲ش)

۱۱۔ نساخ، عبدالغفور خان: سخن شعراء، لکھنؤ مطبع نولکشور، ۱۲۹۱ھ

12- Fauja Singh (ed): Patiaala and its Historical Surroundings, Patiala, Panjabi University, 1968.

۲۵ مارچ ۲۰۱۱ء

برائ دانشنامہ شبہ قارہ تہران

مولانا حافظ محمّد جمال گھوٹوی

حافظ محمد جمال الدین گھوٹوی تیرھویں صدی ہجری کے مشہور علماء و مدرسین میں سے تھے۔

حافظ محمد جمال الدین کے والد محمد صالح بن محمد شریف بھی ایک ذی علم بزرگ تھے وہ مظفر گڑھ سے ملتان آگئے، جہاں ان کے فرزند محمد جمال الدین تولد ہوئے انہوں نے مضافاتِ ملتان کے ایک قصبہ گھوٹہ میں طرح اقامت ڈالی۔

حافظ محمد جمال نے عمر بھر درس و تدریس کی خدمت انجام دی اور ملتان میں ہی ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء کو انتقال ہوا۔(فہرست مشترک ۱۳/ ۲۵۷۳)

تالیفات

۱۔ شرح عوامل منظوم

یہ کتاب ابن حسام، کمال الدین بن جمال الدین بن حسام کی علم نحو میں ایک مختصر سا منظومہ ہے، جو انہوں نے خسرو غازی معزالدین حسین فرمانروائے ہرات (۳۲۷۔۷۷۲ھ / ۱۳۳۱۔۱۳۷۰ء) کے نام معنون کی اس کی بہت سی شروح لکھی گئیں جن میں سے ایک فارسی شرح حافظ محمد جمال الدین گھوٹوی کی ہے، جس کا ایک خطی نسخہ مدرسہ جامعۃ العلوم عید گاہ شاہی بھکر میں ہے، جو شارح کے حین حیات ۱۳۰۲ھ کا مکتوبہ ہے۔(فہرست مشترک ۱۳/ ۲۵۷۳)

۲۔ صرف زبان عربی

یہ رسالہ قوانین گھوٹوی کے نام سے بھی معروف ہے، اس کے دو خطی نسخے پائے جاتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولف نے اس موضوع پر مختلف اوقات میں دو شرحیں لکھیں کیوں کہ دونوں کا آغاز بھی مختلف ہے۔

اس کا ایک نسخہ مدرسۃ العلوم الشریعۃ جامعہ غوثیہ، بھل، بھکر میں ہے، جس کا نام قوانین گھوٹوی ہے اور دوسرا نسخہ مدرسہ جامعۃ العلوم عید گاہ شمالی، بھکر میں ہے۔(فہرست مشترک ۲۶۴۰/۱۳)

۳۔ قوانین صرف

اسی موضوع پر شیخ جمال الدین کے رسالہ قوانین صرف کو مولوی عبدالحق نے اپنے رسالہ قوانین صرف کے حواشی پر نقل کیا ہے جو مطبع گلزار محمدی (لاہور) سے ۱۳۲۴ھ کو طبع ہوا ہے، شیخ محشی کا نام "افضل المحققین۔۔۔ حافظ محمد جمال الحق والدین لکھا ہوا ہے۔

مآخذ

۱۔ احمد منزوی: فہرست مشترک نسخہ ہائی خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء

۲۔ اختر راہی: تذکرہ مصنفین درس نظامی، لاہور، ۱۹۷۸ء

۳۔ کحالہ، عمر رضا: معجم المولفین، بیروت، ۱۹۶۱ء

۴۔ حاجی خلیفہ: کشف الظنون مرتبہ محمد شرف الدین یالتقایا، (طبع عکسی) بیروت (س ن)

۵۔ محمد گھلوی، مولوی: خیر الاذکار فی مناقب الابرار مرتبہ عبدالعزیز ساحر واہ کینٹ، ۲۰۱۰ء

۱۷ نومبر ۲۰۰۳ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

قاضی فقیر محمد (موکف جامع التواریخ)

قاضی فقیر محمد (۱۱۸۹ھ۔۱۲۵۹ھ / ۱۷۷۵۔۱۸۴۴ء) مورخ اور فارسی کے ادیب تھے، ان کا نسب مشہور سپہ سالار حضرت خالد بن ولیدؓ پر منتہی ہوتا ہے، اس خاندان کے بزرگوں میں سے شاہ عین الدین محمد (ف ۱۰۴۱ھ / ۱۶۳۱ء) پہلے فرد ہیں جو بغداد سے ۱۰۳۳ھ / ۱۶۲۳ء کو دہلی آئے۔

ان کے فرزند عبدالرسول کو شاہ جہان (حکو ۱۰۳۷۔ ۱۰۶۸ھ / ۱۶۲۸۔ ۱۶۵۸ء) نے فتح آباد چکلہ بھوسنہ ضلع فرید پور، بنگال (Fatihabad, Chaklah of Bhusnah, Faridpur, Bengal) کا قاضی مقرر کیا اور وہ وہیں آباد ہوگئے، ان کے بعد ان کے بیٹے قاضی عبدالوہاب نے مسندِ قضا سنبھالی تو اورنگ زیب عالمگیر (حکو ۱۰۶۸۔ ۱۱۱۸ھ / ۱۶۵۸۔ ۱۷۰۷ء) نے انہیں موضع راجہ بنی (Mauzah Rajabenee)، بنگال میں جاگیر دی، انہوں نے ایک اور علاقے راجہ پور (Rajapur) میں بھی زمین حاصل کرلی اور وہیں آباد ہوگئے، ان کے بعد نسلاً در نسل قاضی محمد اشرف، قاضی عبدالشکور، قاضی محمد شفیع اور قاضی محمد رضا (ف ۱۱۸۶ھ / ۱۷۷۲ء) نے یہ خدمات انجام دیں، یہی موخر الذکر فقیر محمد کے والد تھے۔ جنہوں نے اپنا آبائی شغل درس و تدریس و قضا چھوڑ کر ہندوستان کی برطانوی حکومت کی ملازمت اختیار کرلی اور انہوں نے بڑی کامیابی کے ساتھ ۲۸ سال تک صدر دیوانی اور نظامت عدالت کلکتہ میں خدمات انجام دیں۔

قاضی فقیر محمد کی تین بیویوں سے چار فرزند اور ایک بیٹی تھی، فرزندوں میں عبدالحمید (ف ۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۷ء) فقہ و اصول میں مہارت رکھتے تھے اور فارسی میں شعر بھی کہتے تھے، ان کے دوسرے فرزند مولوی عبدالباری صید (ف ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء) اُردو و فارسی کے شاعر تھے (سخن شعراء ۲۸۶)، قاضی فقیر محمد کے دو بیٹے بہت نامور ہوئے ہیں، ان میں عبدالغفور نساخ (۱۲۴۹۔۱۳۰۶ھ / ۱۸۳۴۔۱۸۸۹ء) فارسی و اُردو کے شاعر اور شاعروں کے مشہور تذکرہ سخن شعراء کے موکف تھے، فقیر محمد کے سب سے مشہور فرزند نواب بہادر

عبداللطیف خان (۱۸۲۸ـ ۱۸۹۳ء/ ۱۲۴۴ـ ۱۳۱۱ھ) تھے، موصوف بنگال کے برطانوی دور حکومت میں مسلمانوں کی بیداری اور ترقی کے لیے خاص شہرت رکھتے ہیں۔ ۱۸۴۹ء کو وہ ڈپٹی مجسٹریٹ مقرر ہوئے اور ۱۸۸۵ء کو بھوپال (Bhopal) کے وزیر اعظم بنائے گئے۔ مسلمانوں کو جدید تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے سر سید احمد خان کی طرح ان کی کوششیں بھی قابل قدر ہیں:

(خود نوشت سوانح عبدالغفور نساخ، مشمولہ نساخ، حیات و تصانیف مؤلفہ محمد صدر الحق ۲۷۳ـ ۲۸۱)

Enamul Haque: Nawab Bahadur Abdul Latif, pp. 122-134, 156-186 ، آئینہ دیسی مؤلفہ محمد مطیع الرحمٰن ۱۲۸، ۱۶۷، و بہ بعد، مشرقی بنگال میں اُردو مؤلفہ اقبال عظیم ۸۲، ۱۷، و بہ بعد

قاضی فقیر محمد کلکتہ کی عدالت کی نظامت کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے فارسی ادیب بھی تھے، ایسٹ انڈیا کمپنی (East India Company) کے افسران کی نظروں میں بھی معزز تھے، وہ فارسی کی کئی کتابوں کے موکف تھے (انعام الحق ۱۲۳) ان کی ایک تالیف منتخب النجوم بھی ہے (محمد صدر الحق ۴۲)

فقیر محمد کی سب سے مشہور کتاب جامع التواریخ ہے، جو موکف نے ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء کو مکمل کی، یہ ایک عمومی تاریخ ہے جو حسبِ ذیل چودہ فصول پر مشتمل ہے: (۱) تخلیق کائنات (۲) انبیائے کرام (۳) فلسفیان (۴) ایران کے قدیم شہنشاہان (۵) محمد رسول اللہ ﷺ (۶) خلفائے راشدین (۷) ائمہ کرام (۸) بنو امیہ (۹) بنو عباس (۱۰) عباسیوں کی معاصر مقامی حکومتیں (جس میں ۱۹ گفتار ہیں) (۱۱) ترکستان کے خوانین و مغول (۱۲) تیموریان، مرہٹے، اودھ اور بنگال کے حکمران (۱۳) جغرافیہ (۱۴) ہندو اور ہندوستان کی مقامی ریاستیں، تاریخ امریکہ۔

جامع التواریخ کا ایک خطی نسخہ انڈیا آفس لائبریری، لندن اور دو نسخے برٹش میوزیم لائبریری، لندن میں موجود ہیں (سٹوری: ادبیات فارسی ۱/۱/ ۱۵۰) ایک نسخہ جامعہ ہمدرد کراچی کے کتابخانہ کی زینت ہے (فہرست مشترک ۱۰/ ۱۳۶)

جامع التواریخ موکف کے حین حیات ہی کلکتہ سے ۱۸۳۶ء کو طبع ہو کر مقبول ہو گئی تھی، اس کے بعد مطبع نولکشور، لکھنو سے اس کے دو مزید ایڈیشن ۱۸۷۱ء اور ۱۸۷۴ء میں شائع ہوئے موخر الذکر طباعت کے آغاز میں

موکف کے قابل فرزند نواب بہادر عبداللطیف خان مذکور کا ایک دیباچہ بھی ہے جس میں انہوں نے موکف کے مختصر حالات واوصاف بیان کیے ہیں۔

جامع التواریخ قدیم تاریخ کے لیے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی پہلے سے موجود اور متعارف کتب تاریخ سے نقل واقتباس کیا گیا ہے، البتہ ہندوستان کے متاخر مغل سلاطین، مرہٹوں اور بنگال واودھ کی تاریخ کے لیے اس میں خاصا مواد موجود ہے، امریکہ کی تاریخ پر بھی کتاب کے آخر میں موکف نے جو کچھ لکھا ہے وہ اپنے انگریز دوستوں کی زبانی تحریر کیا ہے، معروف مورخ ایلیٹ نے اس کے کچھ اقتباسات کا انگریزی میں ترجمہ دیا ہے (ایلیٹ: تاریخ ہند۸/ ۴۲۵-۴۲۹)

مآخذ

۱۔ نساخ، عبدالغفور خان: سخن شعراء، لکھنو، مطبع نولکشور، ۱۲۹۱ھ

۲۔ ایضاً: قطعۂ منتخب، لکھنؤ، مطبع نولکشور، ۱۲۹۱ھ

۳۔ محمد مطیع الرحمٰن: آئینہ ویسی، پٹنہ، ۱۹۷۶ء

۴۔ اقبال عظیم: مشرقی بنگال میں اُردو، ڈھاکہ، ۱۹۵۴ء

۵۔ محمد صدر الحق: نساخ (حیات وتصانیف) کراچی، انجمن ترقی اُردو، ۱۹۷۹ء

۶۔ احمد منزوی: فہرست مشترک نسخہ ہائی خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء

۷۔ عبدالستار: تاریخ مدرسہ عالیہ، ڈھاکہ، ۱۹۵۹ء

۹۔ فقیر محمد: جامع التواریخ، لکھنؤ، مطبع نولکشور، ۱۸۷۴ء

۱۰۔ حبیب الرحمٰن، حکیم: ثلاثہ غسالہ، مرتبہ عارف نوشاہی، ۱۹۹۵ء

۱۱۔ ایضاً: آسودگانِ ڈھاکہ، ڈھاکہ، ۱۹۴۶ء

12- Buckland, C.E: Dictionary of Indian Biography, Lahore, 1975.

13- Elliot, and Dowson: History of India as told by its own Historions, Lahore, 1984.

14- Enamul Haque: Nawab Bahadur, Abdul Latif, His writings and Related Documents, Dacca, 1968.

15- Rieu, C: Cat. of Persian MSS. in the British Museum, London, 1883.

16- Storey, C.A: Persian Literature, London, 1970.

۱۶ مارچ ۲۰۱۱ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ، تہران

مولانا غلام محمد اسلمی (مولف تنبیہہ الغافلین)

مولانا غلام محمد اسلمی مدراسی تیرھویں صدی ہجری کے نامور علماء میں سے تھے۔

حافظ غلام محمد بن محی الدین بن عمر اسلمی (مختصر تحفۃ الاثناء عشریہ ص ۲) کی ولادت مدراس (Madras بنگال کا ایک اہم خطہ) میں ۱۱۹۴ھ / ۱۷۸۰ء کو ہوئی (نزہۃ الخواطر ۷ / ۴۴۱)

مولانا اسلمی کے والد اور دادا اکابر علماء میں سے تھے اور میسور کے حکمرانوں نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے عہد (۱۷۲۲۔۱۷۹۹ء) میں ریاست کے معززین میں سے تھے۔

مولانا اسلمی نے تحصیل و تکمیل ملا عبدالعلی بحر العلوم ملقب بہ سلطان العلماء (۱۱۴۴۔ ۱۲۲۵ھ / ۱۷۳۱۔ ۱۸۱۰ء) کی خدمت میں کی۔ (حدیقۃ المرام ۱۹) ملا بحر العلوم نواب محمد علی والہ جاہ (ف ۱۲۱۰ھ / ۱۷۹۵ء) کی درخواست پر ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۱ء کو مدراس آگئے اور باقی زندگی وہیں درس و تدریس میں گذاری (بحر العلوم مولفہ محمد یوسف کوکن عمری ص ۱۔۲) قیاس ہے کہ مولانا اسلمی نے یہیں مدراس میں ان کی خدمت میں تحصیل کی ہوگی۔

نواب محمد علی والہ جاہ کی وفات کے بعد ۱۲۱۰ھ / ۱۷۹۵ء کو ان کے فرزند عمدۃ الامراء جانشین ہوئے اور صرف چھ سال بعد ہی ۱۲۲۶ھ / ۱۸۰۱ء میں انتقال کر گئے ان کا عہد بھی ہندوستان بھر کے علماء و شعراء کے لیے پرکشش تھا۔ ان کے بعد ۱۲۱۶ھ / ۱۸۱۶ء کو ان کے بیٹے عبد العلی خان عظیم الدولہ کے لقب سے جانشین بنے۔ یہی مولانا اسلمی کے مربی تھے۔ انہی کے عہد میں مولانا اسلمی نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (ف ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء) کی معروف فارسی تالیف تحفہ اثناء عشریہ کا عربی میں ترجمہ کیا تھا (مختصر التحفۃ الاثنی عشریہ ص ۵ مقدمہ) عظیم الدولہ کے عہد میں انہوں نے مدتوں درس و تدریس کے فرائض ہی انجام دیئے (نزہۃ الخواطر ۷ / ۴۴۱) والا جاہی دربار میں ان کی بہت ہی قدر و منزلت تھی اور انہیں ریاست مدراس کی جانب سے وکالت کا عہدہ دے کر حرمین الشریفین

میں متعین کیا گیا تھا یعنی ریاست کی طرف سے جس قدر نذر و نیاز مقاماتِ مقدسہ کے لیے بھیجی جاتی تھیں سب کا بندوبست یہی مولانا اسلمی کرتے تھے۔ (تاریخ النوائط ۴۶۳)

۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۷ء کو انہیں ریاست کی طرف سے سراج العلماء حافظ محمد اسلم خان بہادر کا خطاب ملا (ہمانجا ۴۶۳) اور اسی خطاب کی مناسبت سے وہ اسلمی کے عرف سے مشہور ہوئے تھے (نزہۃ الخواطر ۷/ ۴۴۲)

مولانا اسلمی کا تعلق علماء وفضلا کی ایک معروف قوم نائطی (Naiti) سے تھا۔ (تاریخ النوائط ۴۶۲)

قوم نائطی کے اکثر افراد و علماء مسلکاً حنفی تھے صرف وہ خاندان جو بعد میں مدراس میں مینمبور (Menmboor) کے علاقے میں جا بسے وہ شافعی تھے ان میں مولانا اسلمی اور ان کا خانوادہ بھی شامل ہے۔ (خانوادہ قاضی بدر الدولہ ص ۱۹)

مولانا اسلمی علوم معقول میں خوب مہارت رکھتے تھے۔ عربی وفارسی دونوں علمی زبانوں پر کامل دسترس رکھتے تھے۔ مولانا اسلمی نے مدراس کے علاقہ سعید آباد میں اپنی رہائش کے لیے مکانات اور باغ اور اپنے لیے ایک مقبرہ بھی بنوایا تھا۔ حرمین الشریفین سے واپس مدراس آکر مختصر قیام کے بعد اپنے دوست واحباب سے ملاقات کے لیے حیدر آباد دکن اور اورنگ آباد بھی گئے پھر اپنے مستقر میں واپس آ گئے (حدیقۃ المرام ۱۹، نزہۃ الخواطر ۷/ ۴۴۲)

مولانا اسلمی نے باختلاف روایت ۱۱ محرم، محرم ۱۲۷۱ یا ۱۲۷۲ھ / ۵۵۔۱۸۵۶ء میں انتقال کیا۔ (حدیقۃ المرام ۱۹، تاریخ النوائط ۴۶۳، نزہۃ الخواطر ۷/ ۴۴۲)

مولانا اسلمی کئی اہم دینی کتابوں کے مؤلف تھے ہمیں تاحال ان کی صرف حسب ذیل تالیفات کا علم ہو سکا ہے:

۱۔ الترجمۃ العبقریۃ والصولۃ الحیدریۃ:

یہ اہل تشیع کے رد میں لکھی جانے والی معرکہ آرا کتاب تحفہ اثناء عشریہ تالیف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (ف ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء) کا عربی میں ترجمہ ہے۔ مولانا اسلمی نے یہ ترجمہ عظیم الدولہ مذکور کی فرمائش پر مدراس میں ۵ شعبان ۱۲۲۷ھ / ۱۸۱۲ء کو مکمل کیا۔ (مختصر التحفۃ الاثنی عشریۃ، مقدمہ)

مترجم نے اس میں کئی مقامات پر مفید حواشی کا بھی اضافہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ خاصا ضخیم ہے اس کے ایک خطی نسخہ کے صفحات ۱۰۵۱ ہیں ۱۳۰۱ھ میں سید محمود شکری الالوسی نے اس ترجمے کی تلخیص و تہذیب تیار کی جو ۱۳۱۵ھ میں بمبئی (Bomby) سے طبع ہوئی پھر اس ایڈیشن کو شیخ محمد نصیف نے اغلاط سے پاک کر کے مصر سے شائع کیا۔ اصل عربی ترجمے کے خطی نسخے خدا بخش لائبریری، پٹنہ اور کتابخانہ آصفیہ میں محفوظ ہیں۔

(Contribution of Indo-Pakistan to Arabic literature, pp 389.90)

یہ عربی ترجمہ کتاب کے مؤلف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے حین حیات ہوا تھا خود شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ آرکاٹ کے والی نے اس کا عربی ترجمہ کروا کر عرب بھیجا تھا (ملفوظات شاہ عبدالعزیز ۷۰)

۲۔ سفینۃ النجاۃ:

اختلافی مسائل پر یہ ایک ضخیم کتاب ہے۔ اس کا ایک خطی نسخہ مولانا عبدالحی حسنی کو تجمل حسین گوپاموی (درہند) کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا (نزہۃ الخواطر ۷ / ۴۴۳) گویا علم عقائد میں یہ ایک مبسوط کتاب ہے (تاریخ النوائط ۴۶۳) تعلیقات الرزینہ فی شرح السفینۃ کے نام سے کتابخانہ آصفیہ میں اس کا ایک خطی نسخہ موجود ہے۔ (ادبیات فارسی، برگل ۱ / ۲۶)

۳۔ تنبیہ الغافلین:

یہ کتاب فارسی نثر میں ہے۔ اور رد وہابیہ ہی کے موضوع پر ہے۔ ان کے زمانے میں مدراس میں تقلید و عدم تقلید کے نام پر بحثیں بہت زور پکڑ گئی تھیں۔ مولانا اسلمی نے جو مسلکاً شافعی تھے اس رسالے میں تقلید کے جواز میں دلائل دے کر اپنے معاصر علماء سے دستخط کروائے تھے۔

عرصہ ہوا اس رسالے کا ایک خطی نسخہ عبدالعزیز نظام آبادی تاجر مخطوطات (لاہور) کے پاس دیکھا تھا، دوسرے کسی نسخے کا تاحال ہمیں علم نہیں ہے۔

۴۔ مواھب الرحمٰن:

مولانا اسلمی نے اپنی آخری عمر میں وفات سے دس دن قبل قرآن پاک کی ایک تفسیر فارسی نثر میں لکھی تھی۔ یہ کتاب چار ضخیم جلدوں میں مرتب ہوئی، مؤلف نے اس میں عقلی و نقلی دلائل سے خوب بحثیں کی ہیں۔

زیادہ تر شوافع سے استنباط کیا ہے جسے فارسی میں ہندوستان میں لکھی جانے والی ایسی تفسیروں میں اہم درجہ حاصل ہے۔ کیوں کہ اکثر تفاسیر حنفی مکتبِ فکر کے علماء کی تالیف ہیں غیر حنفی تفسیریں بہت کم لکھی گئی ہیں ان میں مواہب الرحمٰن شافعی نکتہ نظر کی ترجمان ہے۔

مواہب الرحمٰن کی کتابت و تصحیح سید سعد الدین بن مولوی جعفر نے کی تھی جو مؤلف کے رفقاء میں سے تھے (حدیقۃ المرام ۳۲)

اس کتاب کے آخری دو اجزاء مطبع جامع الاخبار، مدراس سے ۱۲۶۱ھ میں طبع ہوئے۔

مولانا اسلمی نے تحفہ اثنا عشریہ کے ترجمہ میں اپنا نام غلام محمد لکھا ہے لیکن مذکورہ بالا تمام تذکروں میں ان کا نام محمد سعید درج ہوا ہے۔ ان کا لقب سعید تھا (تاریخ النوائط ۴۶۲) یقیناً تذکرہ نویسوں نے اسی لقب کو ان کا اصل نام سمجھ لیا ہوگا، اسلمی کا ایک شعری مجموعہ بھی ہے جو طبع نہیں ہوا۔

مآخذ

۱۔ اسلمی، غلام محمد: مختصر تحفۃ الاثناء عشریہ، تلخیص وتہذیب محمود شکری الوسی، استانبول، ترکی ۱۹۷۶ء

۲۔ برگل: ادبیاتِ فارسی برجنای تالیف استوری ترجمہ یحییٰ آرین پور، تہران ۱۳۵۳ء

۳۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر، ج ۷، حیدر آباد، دکن ۱۹۵۹ء

۴۔ ایضاً: الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند، دمشق ۱۹۸۳ء

۵۔ عبدالعزیز محدث دہلوی: ملفوظات شاہ عبدالعزیز اردو ترجمہ محمد علی لطفی، کراچی ۱۹۶۰ء

۶۔ ایضاً: فضائل صحابہ واہل بیت مرتبہ محمد ایوب قادری، لاہور ۱۹۶۷ء

۷۔ عزیز جنگ: تاریخ النوائط، حیدر آباد، دکن ۱۳۲۲ھ

۸۔ کوکن، محمد یوسف عمری: خانوادہ قاضی بدر الدولہ، مدراس ۱۹۶۱ء

۹۔ ایضاً: بحر العلوم (سوانح، تالیفات) مدراس ۱۹۶۰ء

۱۰۔ رحمٰن علی: تذکرہ علماء ہند، ترجمہ وتحشیہ محمد ایوب قادری، کراچی ۱۹۶۱ء

۱۱۔ ناظر، غلام عبدالقادر: بہار اعظم جاہی (روداد سفر نواب اعظم جاہ بہادر ۱۲۳۸ھ) مرتبہ محمد یوسف کوکن عمری، مدراس ۱۹۶۱ء

۱۲۔ واصف، محمد مہدی: حدیقۃ المرام (تذکرہ علماءِ مدراس) ترجمہ سخاوت مرزا۔ کراچی ۱۹۸۲ء

13- Kokan, M. Yusuf: Arabic and Persian in Carnatic, Madras, 1982.

14- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970

15- Zubaid Ahmad: Contribution of Indo-Pakistan to Arabic literature, Lahore, 1968.

۱۶ فروری ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ برہان الدین خان بہادر (مؤلف محامد حمادیہ)

شیخ برہان الدین تیرھویں صدی ہجری کے ایک فارسی شاعر تذکرہ نویس اور تصوف دوست بزرگ تھے۔

حاجی حافظ سیّد محمد برہان الدین کے والد سیّد محمد نور الحسن خان بہادر تیرھویں صدی ہجری کے ممتاز اصحاب علم ودانش میں سے تھے نوابانِ دکن (Deccan) کے انتظامی شعبوں میں معزز عہدوں پر کام کرتے رہے، انہیں ریاست حیدر آباد کی طرف سے "خان بہادر" کا خطاب بھی ملا تھا۔ (محامد حمادیہ ۲/ ۱۰۱۳)

حافظ برہان الدین نے دکن کی علمی فضا میں پرورش پائی، اپنے والد گرامی اور دیگر اساتذہ سے تحصیل کے بعد ریاست کی ملازمت اختیار کرلی۔ اس خانوادے کا قادری سلسلۂ طریقت سے روحانی تعلق تھا۔ ان کے مرشد ملک شاہ محمود قادری تیرھویں صدی ہجری کے ایک معروف صوفی بزرگ تھے۔ جن کے جد اعلیٰ ملک محمود پیارو (Piaro) دکن کے فاروقی سلاطین کے وزیر زادے تھے، ملازمت ترک کر کے شاہ منصور کی خدمت میں بیعت ہوئے اور گجرات میں ۱۰۰۰ھ / ۹۱۔ ۱۵۹۲ء کو انتقال ہوا۔ مثنوی مولانا روم سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا (محبوب ذی المنن ۲/ ۹۱۴۔ ۹۱۵) حافظ برہان الدین کو بھی اپنے والد کا خطاب "خان بہادر" ریاست حیدر آباد کی طرف سے ملا تھا۔ ان کا حلقۂ احباب بہت وسیع تھا معروف عالم مولانا عنایۃ العلی بن کرامت العلی اسرائیلی دہلوی ثم حیدر آبادی (متوفی ۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء) سے قریبی تعلقات تھے (نزہۃ الخواطر ۸/ ۳۳۷) حافظ برہان الدین کے مرشد زادے شاہ غلام محمد قادری جو خود ایک عمدہ نثر نویس اور فارسی شاعر تھے حافظ صاحب پر خاص مہربانی کی نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے محامد حمادیہ میں ان کا بطور خاص تذکرہ کیا ہے (۲/ ۹۸۹)

ان کے علاوہ متعدد ہم عصر اہل علم مثلاً حافظ محمد علیم اللہ متخلص بہ نطق، حکیم مظفر الدین خان متخلص بہ مزاج جیسے فارسی شعراء عصر کے ساتھ نشست وبرخاست رہتی تھی۔ (حمانجا۲/ ۹۹۱۔۱۰۱۵)

حافظ برہان الدین کے صرف ایک فرزند سید عبدالصمد کا ہمیں علم ہے، انہوں نے محامد حمادیہ پر فارسی میں ایک طویل قطعہ تاریخ لکھا ہے۔

حافظ برہان الدین کا سالِ وفات تذکرہ نویسوں نے درج نہیں کیا۔ ان کی تالیف محامد حمادیہ ۱۲۹۸ھ میں مکمل ہوئی جب کہ وہ سن رسیدہ تھے، قیاس ہے کہ آغاز ۱۳۰۰ھ / ۸۲۔۱۸۸۳ء کو انتقال ہوا ہو گا۔ معلوم نہیں احمد منزوی نے ان کا سالِ وفات ۸۲۵ھ کس بنیاد پر لکھ دیا ہے۔ (فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی ۲/ ۱/ ۱۳۶۳، فہرست مشترک ۱۲/ ۲۳۱۸) یقیناً انہیں غلط فہمی ہوئی ہے ان کی محولہ فہارس خصوصاً تذکرہ مخطوطات (۲/ ۱۵۹) میں ان کی تالیف محامد حمادیہ کا سالِ تالیف ۱۲۹۸ھ واضح الفاظ میں درج ہے، لہٰذا اس سنہ کا مؤلف ۸۲۵ھ میں کیسے فوت ہو سکتا ہے؟

محامد حمادیہ

حافظ برہان الدین کی صرف ایک تالیف محامد حمادیہ کا تاحال ہمیں علم ہو سکا ہے۔ یہ کتاب فارسی نثر میں ہے اور قادری سلسلہ کے صوفیہ خصوصاً ملک شاہ محمود قادری اور شاہ غلام محمد قادری کے احوال شرح و بسط کے ساتھ لکھے ہیں۔

اس کتاب کے محرک مؤلف کے خاص دوست اور عالم مولانا محمد عنایۃ العلی مذکور ہیں، شاہ غلام محمد قادری کو عالم رویا اور مکاشفہ میں حضور ﷺ کی بارگاہ سے "حمادِ ثانی" کا لقب ملا تھا (محامد ۲/ ۹۱۰) اس لیے اس تذکرے کا نام مؤلف نے ان کے لقب کی مناسبت سے محامد حمادیہ تجویز کیا۔

تذکرہ محامد حمادیہ دو ضخیم جلدوں میں ہے۔ اس کا جو خطی نسخہ جلد دوم مخزونہ کتب خانہ ادارہ ادبیات اُردو، حیدر آباد، دکن میں ہے صفحہ ۵۸۵ سے ۱۰۱۵ پر مشتمل ہے ظاہر ہے کہ اس کی جلد اول ۵۸۴ صفحات پر پھیلی ہوئی ہو گی، یہ مخطوطہ مؤلف کا خود نوشت نسخہ ہے دوسری جلد شاہ محمود قادری کی اولاد اور قرابت داروں کے احوال و مناقب پر مشتمل ہے، اس جلد کے چند آخری اجزاء مؤلف کے مرشد زادے سید شاہ غلام محمد قادری متخلص بہ شید آنے لکھے ہیں۔ کتاب کے آخر میں اس عہد کے نامور شعراءِ فارسی کے قطعاتِ تاریخ ہیں جن میں شید امذکور کے

علاوہ حافظ محمد علیم اللہ نطق، مظفر الدین مزاج اور سیّد عبد الصمد (فرزندِ مؤلف) کے عربی و فارسی قطعات قابلِ توجہ ہیں۔(تذکرہ مخطوطات ۲/ ۱۵۹)

حیدر آباد دکن سے ۱۳۰۸ھ کو محامد حمادیہ کی ایک جلد (صفحات ۲۰۱) شائع ہوئی تھی یہی ایک جلد خان بابا مشار کے پیش نظر تھی (مولفین کتب چاپی ۲/۱۰۶، فہرست کتابہای چاپی فارسی ۲/۲۹۴۱ ("محاکمہ حمادیہ" سہوِ کتابت ہے) اسٹوری: ادبیات فارسی ۱/۲/۱۰۵۴)۔

مآخذ

۱۔　برہان الدین، حافظ: محامد حمادیہ، حیدر آباد دکن ۱۳۰۸ھ (ج۔۱)

۲۔　زور، محی الدین قادری: تذکرۂ مخطوطات کتب خانہ ادارہ ادبیاتِ اُردو، ج ۲، دہلی، ۱۹۸۴ء

۳۔　عبد الحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۸۔ کراچی، ۱۹۷۶ء

۴۔　مشار، خان بابا: مولفین کتب چاپی فارسی و عربی، تہران۔ ۱۳۴۰ش

۵۔　ایضاً: فہرست کتابہای چاپی فارسی، تہران، ۱۳۵۲ش

۶۔　ملکاپوری، عبد الجبار: محبوب ذی المنن تذکرہ اولیائے دکن، حیدر آباد، دکن ۱۳۳۱ھ

۷۔　منزوی، احمد: فہرست نسخہ ہای خطی فارسی، ج ۲، تہران، ۱۳۴۹ش

۸۔　ایضاً: فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان ج ۱۲، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء

9-　Storey, CA : Persian Literature, London 1970

۵ دسمبر ۱۹۹۷ء

برائی دانشنامہ شبہ قارہ

مولانا محمد کریم اللہ دہلوی

مولانا محمد کریم اللہ دہلوی تیرہویں صدی ہجری / انیسویں صدی عیسوی کے ایک بڑے عالم، مفتی، واعظ اور مصنف تھے۔

مفتی کریم اللہ کے حالات زندگی مطبوعہ اور متعارف تذکروں میں بہت ہی مختصر طور پر درج ہوئے ہیں۔ آپ کے اجداد کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔

تذکرہ علمائے ہند میں ان کی نسبت فاروقی[۱] سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کے والد گرامی مولانا لطف اللہ تھے، آپ نے ان کے نام کے ساتھ کوئی لقب یا نسبت درج نہیں کی[۲]۔

منشی بشیر الدین احمد دہلوی کی روایت ہے کہ مولوی کریم اللہ صاحب بھی اپنے باپ کی طرح حنفی مذہب کے جنید علماء میں سے تھے[۳]۔ جس سے اس نتیجہ پر پہنچنا دشوار نہیں رہ جاتا کہ آپ کے والد اور اجداد بھی اکابر علماء میں سے تھے۔

مفتی کریم اللہ کا انتقال ۴ ماہ عید الفطر روز سہ شنبہ ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء کو ہوا[۴]، وفات کے وقت عمر نوے سال تھی[۵]۔ اس اعتبار سے ان کی ولادت ۱۲۰۰ھ / ۱۷۸۵ء (۱۲۹۰- ۹۰= ۱۲۰۰) کو ہوئی تھی۔

قیاس ہے کہ مفتی کریم اللہ کے والد اور اجداد بھی دہلی کے محلہ قاضی حوض میں رہتے تھے، وہیں ان کی

---

۱ رحمٰن علی: تذکرہ علمائے ہند ۳۹۷

۲ کریم اللہ: مفتاح النصیحہ ورق ۱

۳ بشیر الدین احمد: واقعات دار الحکومت دہلی ۲/ ۱۴۳

۴ محمد عمر سراج الحق: ریاض الانوار ۱/ ۱۴

۵ تذکرہ علمائے ہند ۳۹۷، صاحب نزہۃ الخواطر (۷/ ۳۹۸) نے سال وصال کے لیے ریاض الانوار کا حوالہ دیا ہے لیکن اس وقت ان کے پیش نظر تذکرہ علمائے ہند تھا جہاں سے انہوں نے سال وفات ۱۲۹۱ھ اور عمر نوے سال نقل کر دی حالانکہ ریاض الانوار میں عمر کا ذکر موجود نہیں ہے۔

مسجد اور مسکن تھا، جس کے قرائن حسب ذیل ہیں:

اس سلسلہ کی پہلی روایت منشی برکت علی (از اولاد حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی) کی ہے جنہوں نے شیخ محدث کی خدمت حدیث کی روایت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "مولوی کریم اللہ ساکن حوض قاضی"[1] دوسری روایت بشیر الدین احمد کی ہے جنہوں نے قاضی حوض کے علاقہ میں واقع مسجد و مدرسہ مولوی محمد یعقوب کا ذکر کرتے ہوئے انہیں مولوی کریم اللہ کا فرزند بتایا ہے کہ باپ بیٹا دونوں یہیں درس و تدریس میں مصروف رہتے تھے[2]۔

معلوم ہوتا ہے کہ علاقہ قاضی حوض کا یہ محلہ ۱۲۶۴ھ / ۱۸۴۸ء کو معتبر الدولہ نے آباد کیا اور حوض بنایا[3] لیکن یہ مسجد اس سے پہلے ۱۱۳۱ھ /۱۷۱۸ء میں موجود تھی جسے مولوی کریم اللہ نے از سر نو بنوایا اور توسیع کی،[4] ۱۲۵۲ھ /۱۸۳۶ء تک مولوی کریم اللہ محلہ لال کنواں میں ہی رہتے تھے[5]۔ جو علاقہ قاضی حوض کی حدود میں واقع ہے[6]۔

اساتذہ

مفتی کریم اللہ کے اساتذہ میں نامی گرامی اصحاب شامل تھے، مثلاً حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (ف ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء)، مولانا رشید الدین خان دہلوی (ف ۱۲۴۳ھ /۱۸۲۷ء) مولانا محمد کاظم دہلوی[7]، مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی[8] (ف ۱۲۳۰ھ / ۱۸۱۴ء) بن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔

---

۱ برکت علی: مراۃ الحقائق ص ۱۰۶

۲ بشیر الدین احمد: واقعات دارالحکومت دہلی ۲/ ۱۹۳

۳ ایضاً ۲/ ۱۹۳

۴ ایضاً ۲/ ۳۲۲

۵ تحفۃ الطالبین ۸۷

۶ واقعات دارالحکومت دہلی ۲/ ۲۰۴

۷ تحفۃ الطالبین ۸۷

۸ واقعات دارالحکومت ۲/ ۲۰۴

درس و تدریس

مفتی کریم اللہ طالب علمی کے زمانے سے مدرسین کی طرح درس دیتے تھے اور انہیں کتب متداولہ پر اس قدر قدرت حاصل تھی کہ گویا کتابیں انہیں حفظ تھیں[1] چنانچہ دہلی کے معروف عالم و صوفی اخوند شاہ عبدالعزیز دہلوی (ف ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء) نے شافیہ ابن حاجب اور شرح ملا جامی انہی ایام میں آپ کی خدمت میں پڑھی تھیں[2]۔

تکمیل کے بعد مفتی کریم اللہ نے جامع مسجد شاہ جہان آباد میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا، موصوف وہاں وعظ اور تفسیر بھی بیان کرتے تھے۔ چنانچہ ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء کو آپ نے درس تفسیر کو اپنے فرزندوں کی درخواست پر مفتاح النصیحہ کے نام سے جمع کیا تھا[3]، اس کے دوران ہی آپ اپنے آبائی مدرسہ اور مسجد علاقہ قاضی حوض دہلی میں بھی یہ خدمت انجام دیتے تھے۔ جمعہ کے روز وعظ بھی کرتے تھے، ان کے اس مدرسہ میں ان کے فرزندان گرامی خصوصاً مولوی محمد یعقوب بھی درس دیتے تھے، یہ مدرسہ واقعات دارالحکومت دہلی کی تالیف ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۹ء تک جاری تھا[4] کسی فروعی اختلاف کے باعث دہلی کے مشہور شیخ طریقت اور عالم مولانا شاہ ابوالخیر مجددی (ف ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۳ء) عوام کو انہی مولانا محمد یعقوب کے قول پر عمل کرنے کا مشورہ دیتے تھے[5]۔

سرسید احمد خان کا بیان ہے کہ مولوی کریم اللہ تدریس طلبۂ شائق میں مصروف اور عنانِ ہمت افادۂ طالبین کی طرف معطوف رکھتے ہیں[6] مولوی رحمٰن علی نے انہیں کثیر الدرس لکھا ہے[7]۔

---

1. محمد سراج الحق: ریاض الانوار ۱/ ۱۲
2. ایضاً ۱/ ۱۳، حدیقۃ الصحائف ص ۲۵۷
3. مفتاح النصیحہ۔ قلمی مملوکہ جناب خلیل الرحمن داؤدی مرحوم، لاہور (بحفظ مؤلف)
4. بشیر الدین احمد: واقعات دار الحکومت دہلی ۲/ ۱۳۰
5. زید ابو الحسن فاروقی: مقامات خیر ۲۹۳
6. سرسید احمد خان آثار الصنادید ۲/ ۹۳
7. رحمٰن علی: تذکرہ علمائے ہند ص ۳۹۷

فتویٰ جہاد پر دستخط

۱۸۵۷ء کی انگریزوں کے خلاف بغاوت کو ہندوستان کے علماء نے جہاد قرار دیا تھا اس موقع پر باقاعدہ ایک فتویٰ بھی مرتب ہوا، جس پر اس وقت کے نامی گرامی علماء اور مفتیوں نے اثباتی دستخط کیے، جو اس وقت کے اخبارات ظفر الاخبار اور صادق الاخبار میں شائع ہوا[1]، جس سے جہاد کا خوب چرچا کیا گیا۔ مفتی کریم اللہ دہلوی چونکہ مفتی تھے اس لیے انہوں نے بھی اس پر دستخط کیے تھے، جس کے جرم میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے ان علماء کو سزائیں دیں، شہید کیا، جہاد کے محرکین میں سے حضرت شاہ احمد سعید مجددی اور شاہ عبدالغنی مجددی نے حرمین الشریفین کی طرف ہجرت کی[2]، دہلی کے مشہور عالم وواعظ مولوی فرید الدین کو انگریزوں نے گولی مار کر شہید کر دیا تھا[3] اسی طرح بعض دیگر علماء کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا گیا[4]۔ لیکن بعض علماء کے خلاف کوئی اقدام یا کارروائی نہیں کی گئی ان کا انتقال بھی ۱۸۵۷ء کے بعد ہوا، ان میں مفتی کریم اللہ بھی شامل ہیں، جن کے بارے میں کوئی عصری شہادت نہیں ہے کہ ان کے خلاف کوئی کارروائی ہوئی تھی، موصوف نوے سال کی عمر پا کر ۱۸۷۳ء کو فوت ہوئے، نہ تو ان کے معافی مانگنے کا کوئی ثبوت ہے اور نہ ہی روپوش ہونے کی شہادت ملتی ہے۔

غالب گمان ہے کہ موصوف کے چونکہ اخوند مولانا عبدالعزیز دہلوی کے ساتھ گہرے مراسم تھے بلکہ اخوند صاحب مفتی صاحب کے عزیز شاگرد بھی تھے، اور مولانا عبدالحق حقانی (مولف تفسیر حقانی) بھی اخوند صاحب کے شاگرد تھے اور مولانا حقانی کے والد خواجہ محمد امیر کے ساتھ بھی قریبی تعلقات کے باعث اخوند صاحب نے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں ان کی حویلی علاقہ گستھلہ گڑھ میں پناہ لی تھی[5]۔ اس لیے ممکن ہے کہ ان کے ساتھ مفتی کریم اللہ بھی وہاں چلے گئے ہوں اور عام معافی کے اعلان کے بعد واپس دہلی آگئے ہوں، اس سلسلہ میں ایک اور امر قابل توجہ ہے کہ مفتی کریم اللہ نے سر سید احمد خان کے خلاف جب کفر کا فتویٰ دیا تو سر سید کے بنا کردہ سکول کو ناپاک

---

۱ عتیق صدیقی: اٹھارہ سو ستاون، اخبار اور دستاویزیں ۱۹۸-۱۹۹

۲ محمد مظہر مجددی: رحمات مظہریہ، مناقب احمدیہ، مقامات سعیدیہ ص ۱۹۶-۲۰۱

۳ محمد عمر سراج الحق: ریاض الانوار / ۸۹ حاشیہ

۴ محمد ایوب قادری: جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، ص ۲۰۲-۲۱۶

۵ عقائد الاسلام مؤلفہ مولانا حقانی، مقدمہ از نبیرہ حکیم محمد اسحق حقانی ص ۸

قرار دے کر اس میں شرکت کو اسلام کے منافی ہونے کا اعلان کیا تھا[1]، اگر مفتی صاحب نے انگریزوں سے معافی مانگی ہوتی تو سر سید کے خلاف اس کا قسم کا فتویٰ نہ دیتے کیوں کہ اس مدرسہ کی تعمیر میں کمپنی کا مکمل تعاون حاصل تھا، ویسے انگریزوں نے سر سید احمد خان کے کسی مخالف کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی تھی۔

متصلّب سُنّی

مفتی کریم اللہ کا زمانہ نظریاتی اور فکری اعتبار سے نہایت ہیجان انگیز تھا، مسلمانوں کے فروعی اختلافات کو جس قدر اس دور میں ہوا دی گئی اس سے پہلے ایسا نہیں تھا، خود انگریز یہ چاہتے تھے کہ مسلمان آپس میں دست و گریبان رہ کر کمزور ہوتے رہیں اور انہیں ہمارے خلاف متحد ہونے کا موقع ہی نہ ملے۔

شاہ محمد اسماعیل دہلوی (ف ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) کی کتاب "تقویت الایمان" کی اشاعت نے بہت سے اختلافی مسائل چھیڑ دیئے جن سے ملک میں اختلاف کی آندھی چل پڑی، تقلید اور عدم تقلید کے اختلاف نے تو ایسی فضا پیدا کر دی کہ اس سے علماء کے مابین ناقابل عبور خلیج حائل ہو گئی، ترجمان وہابیہ کے موکف نواب محمد صدیق حسن خان (۱۸۳۲۔۱۸۹۰ء) کو بھی اپنی خود نوشت سوانح میں یہ تسلیم کرنا پڑا کہ اس معاملہ میں دونوں فریقوں نے زیادتی کی ہے[2]۔ علماء تعمیری و تحقیقی کام چھوڑ کر رد و قبول کے اس سیلاب میں بہہ گئے اور تحقیقی کام جاتا رہا انگریزوں نے تقویت الایمان کا انگریزی ترجمہ[3] (۱۸۵۲ء) اس لیے کروایا تھا کہ وہ یہ سمجھ سکیں کہ آخر اس میں ہے کیا کہ جس نے ہندوستان کی مذہبی فضا میں اس قدر ہیجان پیدا کر دیا ہے؟

ان حالات میں علماء کے دو گروہ بن گئے ایک متصلب سنی اور دوسرا غیر مقلدین کا، اول الذکر فرقہ کے امام علامہ فضل حق خیر آبادی (ف ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء) اور دوسرے کے شاہ اسماعیل دہلوی تھے۔ مفتی کریم اللہ کا تعلق پہلے گروپ سے تھا۔

ان فریقین نے ایک دوسرے کے خلاف بہت سے رسائل لکھے علامہ فضل حق خیر آبادی نے شاہ اسماعیل دہلوی کی کتاب تقویت الایمان میں شفاعت کے انکار پر ایک مستقل کتاب "تحقیق الفتویٰ" کے نام سے

---

1 حالی، الطاف حسین: حیات جاوید ۲ / ۲۸۳

2 ابقاء المنن ص ۹۳ "تقلید پر کمر ہمت باندھی تحریر و تقریر میں استعمال سب و شتم تک نوبت طعن کا ہوا، میں نے رد تقلید میں بہت کچھ لکھا" (ایضاً ۶۵)

3 Takwiyat-ul-Iman, Trans, Mir Shahamat Ali, J. Royal Asiatic Society, London, xiii (1852) pp 310-72

۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۵ء کو لکھی، جس پر اس عہد کے جن علماء نے تائیدی دستخط کیے ان میں مفتی کریم اللہ بھی شامل تھے[1]۔

اس کے بعد مفتی صاحب نے شاہ اسماعیل کے رد میں ایک مستقل کتاب ہادی المضلین لکھی[2] اسی طرح انہوں نے شاہ اسماعیل کے نظریہ ایصال ثواب کے جواب میں بھی ایک کتاب لکھنے کا خود ذکر کیا ہے کہ "اثبات الاعرال فی جواب انکار الایصال الثواب البدعۃ لمولوی اسماعیل"[3]۔ مفتی کریم اللہ نے اپنے مواعظ میں بھی جابجا شاہ اسماعیل کے معتقدات سے اختلاف کیا ہے اور اس سلسلہ میں اپنے رسائل کا بھی حوالہ دیا ہے[4]۔ شاہ اسماعیل دہلوی کے بعد دوسری بڑی متنازعہ شخصیت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی (۱۱۹۷۔ ۱۲۶۲ھ / ۱۷۸۲۔۱۸۴۵ء) کی ہے جن کے ساتھ مفتی کریم اللہ نے اختلاف کیا اور ان کی کتاب "ماۃ المسائل" میں شامل کئی مسائل کا رد لکھا، مفتی صاحب نے اپنے ان رسائل کا ذکر اپنے مواعظ کے ایک مجموعہ "مفتاح النصیحہ" میں کیا ہے جو ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء میں مرتب کیا گیا، گویا شاہ محمد اسحٰق جنہوں نے ہندوستان سے ۱۲۵۸ھ کو حرمین الشریفین ہجرت کی ابھی دہلی میں ہی تھے، مفتی صاحب نے کتاب ماۃ المسائل کے شاہ اسحٰق کی تالیف ہونے پر کسی تعجب یا تردد کا اظہار نہیں کیا[5]، چند اشارات ملاحظہ ہوں:

۱۔ ایک اندراج سے تو واضح ہوتا ہے کہ مفتی صاحب نے شاہ اسحٰق کی ماۃ المسائل کے رد میں پورا رسالہ لکھا تھا:

---

۱ فضل حق خیر آبادی: تحقیق الفتویٰ مرتبہ عبدالحکیم شرف قادری، بندیال، سرگودھا ۱۹۷۹ء، ص ۳۴

۲ فضل احمد صابری: انوار آفتاب صداقت ۱/ ۳۳۱

۳ کریم اللہ: مفتاح النصیحہ قلمی ورق ۲۷۰ ب

۴ ایضاً ورق ۶۸، ۱۲۲، ۱۴۰ ب۔ عجیب ہے کہ حافظ عزیز الدین مراد آبادی نے اکمل البیان فی تائید تقویۃ الایمان (ص ۳۳۳) میں حضور نبی اکرم ﷺ کے علم غیب کے انکار میں مفتی کریم اللہ کا فتوی کہاں سے نقل کر دیا ہے حالانکہ انہوں نے تو مفتی صاحب کا زمانہ ہی نہیں پایا (ولادت ۱۲۹۵ھ، وفات ۱۳۶۷ھ)

۵ ماۃ المسائل کے شاہ محمد اسحٰق سے انتساب کی تفصیل کے لیے دیکھیے حیات شاہ محمد اسحٰق مؤلفہ حکیم محمود احمد برکاتی ص ۱۳۶۔۱۳۹ و بعد

ان البدعة الحسنه متفق عليها من ائمة الاربعة فانقل من رسالتی تحقيق الحق فی جواب مأية المسائل لمولوی اسحق من تاليفات ہذہ العبد الضعيف يعنی محمد کريم الله[1]۔

مفتی صاحب نے بدعت کی بحث میں اپنے مذکورہ مجموعہ میں اور بھی بعض مقامات پر اس کے حوالے دیئے ہیں[2]۔

۲۔ مفتی صاحب نے حلال و حرام کی بحث کے دوران بھی مایۃ المسائل کے مسئلہ ۴۸ کا جواب دیتے ہوئے تفصیل کے لیے اپنے رسالہ احقاق الحق معروف بہ رجم الشیاطین کا حوالہ دیا ہے[3]، پھر ایک اور بحث میں ان کے مسئلہ ۶۶ پر بھی اظہار خیال کیا ہے[4]۔

تیسری بڑی شخصیت جن کے ساتھ مفتی کریم اللہ کا اختلاف ہوا وہ مولانا میاں نذیر حسین دہلوی (۱۲۲۰۔ ۱۳۲۰ھ / ۱۸۰۵۔ ۱۹۰۲ء) کی ہے، جو دہلی میں غیر مقلدین جنہیں مفتی صاحب نے اپنی کتابوں میں وہابی کہا ہے کے سب سے بڑے راہنما تھے اور اہل سنت مقلدین سے ہر مسئلہ میں اختلاف رکھتے تھے، مفتی صاحب نے اپنے رسائل میں یقیناً میاں صاحب سے بھی جابجا اختلاف کیا ہوگا لیکن افسوس کہ وہ رسائل آج محفوظ نہیں ہیں، دہلی میں موجود قدم شریف کی زیارت اہل سنت کے علماء و مشائخ کا معمول رہا ہے، لیکن وہابی اس فعل کو شرک قرار دیتے تھے۔ ہندوستان کے مسلم سلاطین اس متبرک مقام کی تولیت کے لیے اکابر علماء کو نامزد کرتے تھے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (ف ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء) کی اولاد کو بھی اس مبارک مقام کی تولیت کا شرف حاصل تھا، ان کے ہاں ۱۰۰۵ھ / ۱۵۹۶ء کا محررہ ایک وقف نامہ (تولیت نامہ) مولانا احسان الحق حقی[5] کی ملکیت تھا جو انہوں نے

---

۱ کریم اللہ، مفتی: مطلع النصیر، ۱۰۲ اب، ۱۸۸ اب

۲ ۷۰ ب

۳ ایضاً ۱۲۱۔ اب

۴ ایضاً ۱۱۹ اب

۵ مفتی احسان الحق حقی بن اکرام الدین خان بن علام الدین بن محب اللہ بن نور الحق ثانی بن محب اللہ بن نور اللہ بن شیخ نور الحق بن شیخ عبدالحق محدث (حیات شیخ عبدالحق ۲۵۵، مرآۃ الحقائق، ۱۱۸ ا ب بعد)

اخوند محمد عمر سجادہ نشین درگاہ اخوند عبدالعزیز دہلوی کو دیا تھا[1]۔ شاہ جہان کے زمانہ میں ایک روپیہ یومیہ اس خدمت کے عوض ملتا تھا[2]۔ لیکن مولانا نذیر حسین کے زمانہ میں ان کے متبعین نے اس معاملہ میں مخالفت شروع کر دی خود مولانا نذیر حسین نے قدم شریف کی زیارت کے خلاف ایک مستقل کتاب دلیل محکم فی نفی اثر القدم لکھی[3] اور شائع کی، جس کے جواب میں کئی رسائل لکھے گئے ایک رسالہ سیف المسلول علیٰ من انکر اثر قدم الرسولؐ مولوی فرید الدین دہلوی (ف ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء) نے ۱۸۵۰ء کو دہلی سے شائع کیا[4]۔ یہ رسالہ اُردو میں ہے۔ اسی طرح مفتی کریم اللہ نے بھی ایک رسالہ برہان محکم علی خذلان من نفی اثر القدم لکھا اور اس کی اشاعت میں بہت کوشش کی[5]۔

مفتی صاحب نے اثر قدم شریف کے دہلی پہنچنے کا خود بھی ذکر کیا ہے[6]۔

ایک اور شخصیت سیّد دلدار علی نصیر آبادی (ف ۱۲۳۵ھ / ۱۸۲۰ء) کی ہے جو ایسے شیعہ تھے جنہوں نے اہل سنت کے خلاف تحریری کوششیں انتہائی درجہ کی کیں، انہوں نے تحفہ اثنا عشریہ تالیف سراج الملت حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۲ء) کے رد میں پانچ رسائل تالیف کیے[7]۔ ان کے فرزند سیّد محمد (ف ۱۸۶۷ء) نے بھی تحفہ اثناء عشریہ کے رد میں رسالے لکھے ان میں سے ایک رسالہ طعن الرماح ملقب بہ فوائد حیدریہ ہے[8] دوسرا رسالہ البوارق فی مبحث الامامت تھا[9]۔ سیّد دلدار علی کے بڑے فرزند سیّد حسن (ف ۱۲۷۳ھ / ۱۸۵۶ء) نے بھی بہت سی کتابیں لکھیں جن میں روضۃ الاحکام کا رد مفتی صاحب نے تحریر کیا۔ (اودھ

---

۱ محمد عمر سراج الحق: الہ مستفاد ص ۵۳

۲ ایضاً ۳۳

۳ فضل حسین: الحیاۃ بعد المماۃ ۲۸۲

۴ مطبوعہ مطبع دہلی اردو اخبار باہتمام محمد حسین آزاد، دہلی ۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۰ء

۵ محمد عمر سراج الحق: ریاض الانوار ۱ / ۲۰۲

۶ کریم اللہ: مفتاح التفسیر ۲۶۵ ب

۷ عبدالحی حسنی: الثقافۃ الاسلامیہ ۲۱۹

۸ طعن الرماح، سلطان المطابع باہتمام کپتان مقبول الدولہ بہادر مرزا مہدی علی خان پر رسالہ ۱۲۳۸ھ کو تالیف ہوا (ص ۲۹۹) یعنی شاہ عبدالعزیز کے وصال سے ایک سال پہلے۔

۹ ایضاً محمد ایوب قادری: فضائل صحابہ و اہل بیت: مقدمہ ص ۲۶ عبدالحی حسنی: الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند ص ۲۹

میں افتا کے مراکز مولف اشتیاق احمد اعظمی ۲۴۱) مفتی کریم اللہ نے سید محمد کے رسائل کا بھی جواب لکھا اور اپنے استاذ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث کی تحفہ اثناء عشریہ کے دفاع کا حق ادا کیا، مفتی صاحب کے رسائل کے نام یہ ہیں:

حق الصریح فی رد الروضہ و مثبت الصریح فی جواب ولد مولوی ولدار علی مجتہد[1]۔

گویا مفتی صاحب نے پہلا رسالہ سید محمدؒ کے رد میں ان کے رسالہ روضہ کے جواب میں اور دوسرا بھی انہیؒ کے عقائد کے خلاف لکھا۔

ردّ وہابیہ

رد وہابیہ مفتی کریم اللہ کا خاص موضوع بحث تھا۔ آپ نے غیر مقلدین کے رد میں جو کچھ لکھا تھا وہ بھی اسی زمرے میں آتا ہے، مفتی صاحب کی جوانی میں ہی تقویت الایمان کی اشاعت سے ہندوستان کی مذہبی فضا اختلافات کا شکار ہو گئی تھی اور اس کے مولف مولانا شاہ اسماعیل دہلوی جب حج سے واپس آئے تو محمد بن عبدالوہاب نجدی کے نظریات سے پوری طرح متاثر ہو چکے تھے اس لیے ان کی تحریک کو ہندوستان میں وہابی تحریک کہا گیا اور ان کے متبعین کو "نجدی وہابی" کہا جانے لگا، تقویت الایمان کے رد میں جب ۱۲۴۰ھ / ۱۸۵۲ء کو علامہ فضل حق خیر آبادی نے تحقیق الفتوی لکھی تو مفتی کریم اللہ نے اس پر اثباتی دستخط کیے، اس کے بعد آپ نے خود تقویت الایمان کے جواب میں ہادی المضلین کے نام سے ایک مستقل کتاب تالیف کی[2]۔ اسی طرح مولانا نذیر حسین دہلوی کے رد میں بھی مفتی صاحب کی کوششوں کا تذکرہ کیا جا چکا ہے، مفتی صاحب مولانا شاہ محمد اسحٰق کو بھی اسی ضمن میں شمار کرتے تھے اور اس سلسلہ میں بھی انہوں نے جو کچھ لکھا ہے کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔ وعظ میں انہوں نے تقویت الایمان کی یہ عبارت کہ "اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک حکم کن سے چاہے کروڑوں نبی اور ولی اور۔۔۔۔۔ جبریل و محمد کے برابر پیدا کر ڈالے" نقل کرتے ہوئے اسے قول ضعیف قرار دیا ہے[3] ایک اور مقام پر عقائد وہابیہ کی بحث کرتے ہوئے رد وہابیہ میں اپنے ایک رسالہ کا حوالہ اس طرح دیا ہے:

---

۱ کریم اللہ: مفتاح التفسیر ۲۰۷ ب

۲ ر ک۔ منقلب حق

۳ کریم اللہ: مفتاح التفسیر ۱۲۳ ب

فی فضیحۃ الوہابین المتہدی للمولف اعنی محمد کریم اللہ[1]۔۔۔ انہوں نے رد الحرمۃ، احقاق فی لزوم، انکار الشریعۃ للوہابیہ کے اپنے رسائل ہونے کا ذکر کیا ہے[2]۔

مولانا کریم اللہ بحیثیت مفتی

مولانا کریم اللہ اپنے عہد کے کامیاب ترین اور معروف ترین مفتی تھے، اس زمانہ کی فقہ و اختلافی مسائل پر لکھی جانی والی اکثر کتب و رسائل پر مفتی صاحب کے دستخط ملتے ہیں، جن میں سے صرف چند ایک کا ذکر کیا جارہا ہے:

۱۔ ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء کو علامہ فضل حق خیر آبادی نے شاہ اسماعیل دہلوی کے رسالہ تقویت الایمان میں شامل بعض مسائل مثلاً شفاعت، امکان النظیر، حب رسول ﷺ پر تفصیلی بحث کی اور ثابت کیا کہ شفاعت برحق ہے، امتناع نظیر بھی کی، اور دیگر امور کے اثبات میں دلائل جمع کیے تو تحقیق الفتوی کے نام سے اس پر اس وقت کے اکابر علماء کے دستخط کروائے جن میں مفتی کریم اللہ بھی شامل ہیں[3]۔

۲۔ تنبیہ الضالین و ہدایت الصالحین، یہ وہ فتویٰ ہے جو متبعین سیّد احمد رائے بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی میں سے بعض نے تقلید سے خود انکار کیا اور پھر ایک امام (خصوصاً) حضرت امام ابو حنیفہ کی تقلید سے آزاد کر لیا تھا، مولوی عبد الحق بنارسی (ف ۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء) نے عدم تقلید کا یہ فتویٰ مرتب کیا تھا جس کے جواب میں رسالہ تنبیہ الضالین ۱۲۵۴ھ / ۱۸۳۸ء کو مرتب ہوا، جب یہ فتویٰ تصدیق کے لیے علمائے دہلی کے پاس آیا تو مولوی کریم اللہ دہلوی ساکن لال کوئیں نے کہا کہ یہ لوگ اسماعیلی ہیں مولوی اسماعیل کی تقلید کرتے ہیں وہ بھی ایسے ہی تھے[4] اس رسالہ کے آخر میں مفتی کریم اللہ کے بھی اثباتی دستخط ہیں[5]۔

---

۱ ایضاً ۱۳ب، ۲۷۰ب

۲ ایضاً ۲۷۰ب

۳ تفصیل بیان کی جاچکی ہے

۴ تنبیہ الضالین ص ۸۰، مطبوعہ دہلی، ۱۲۶۲ھ

۵ ایضاً ۱۳۰

۳۔ فصل الخطاب (فتویٰ مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی ف ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء مرتبہ محمد ہاشم علی متوطن میرٹھ بسال ۱۲۷۸ھ /۱۸۶۱ء) در اثبات علم غیب حضور نبی کریم ﷺ۔ اس پر مفتی کریم اللہ کے اثباتی دستخط ہیں[1]، یہ استفتاء فارسی نثر میں ہے۔

۴۔ تنویر الحق مؤلفہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی (ف ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء)

در تقلید مطلق و تقلید شخصی، بجواب معیار الحق مؤلفہ مولانا نذیر حسین دہلوی (ف ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء) یہ رسالہ اُردو میں ہے اور ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء کو تالیف ہوا[2]۔

۵۔ توفیر الحق مؤلفہ نواب قطب الدین خان مذکور

بیان تقلید معین اور ترجیح مذہب امام ابو حنیفہ۔ یہ رسالہ تنویر الحق کے بعد لکھا گیا، مفتی کریم اللہ نے اس پر اثباتی دستخط کیے تھے[3]۔

۶۔ تحفۃ العرب والعجم مؤلفہ نواب قطب الدین خان مذکور

رد غیر مقلدین و تائید تقلید، نواب صاحب نے یہ رسالہ ۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۷ء کو تالیف کیا اور اس پر عرب وعجم کے علماء سے اثباتی دستخط کروائے، نواب صاحب مذکورہ سنہ میں خود حجاز مقدس حاضر ہوئے اور وہاں کے اکابر علماء سے تقلید کے حق میں ان سے یہ فتویٰ حاصل کیا، اس کے آغاز میں نواب صاحب نے ایک فکر انگیز دیباچہ بھی اُردو میں لکھا تھا۔ اس پر دہلی کے جن اکابر علماء سے دستخط کروائے ان میں مفتی کریم اللہ بھی شامل ہیں[4]۔

۷۔ تحریر محبوب بطرز مکتوب (نوشتہ حدود ۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۷ء)

علمائے دہلی کا ایک فتویٰ شائع ہوا تھا، جس میں جماعت مجاہدین کے بعض افراد نے خود کو حنفی کی بجائے محمدی کہنا شروع کر دیا اور علماء اہل سنت کی تقلید کو ناجائز قرار دیا، جس پر ایک دوورقی استفتاء شائع ہوا تھا کہ یہ لوگ

---

۱ فصل الخطاب، مطبوعہ مطبع ہاشمی، میرٹھ، ۱۲۷۸ھ، ص ۸

۲ تنویر الحق، مطبوعہ مطبع ریاض ہند، آگرہ، ص ۱۱۲

۳ توفیر الحق، مطبوعہ مطبع ریاض ہند، آگرہ، ص ۴۳

۴ تحفۃ العرب والعجم، مطبوعہ مطبع حسنی، دہلی، ۱۲۸۵ھ، ص ۷۲

لامذہب ہیں ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ صحیح مسلمان وہی ہے جو حنفی اور مقلد ہے۔ اس فتویٰ پر مفتی کریم اللہ نے بھی دستخط کیے تھے[1]۔

۸۔ مجموعۂ فتاویٰ، تالیف بسال ۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۷ء[2]

(اول) یہ بھی "فرقہ محمدیہ لامذہب" کے خلاف ایک فتویٰ ہے، اس پر اثباتی دستخط کرنے والے اکابر علماء میں مفتی کریم اللہ بھی شامل ہیں[3]۔

(دوم) لامذہب کے پیچھے نماز پڑھنی نادرست ہے اور تقلید امام واحد کی واجب ہے[4]۔ دستخط کنندگان میں مفتی کریم اللہ بھی ہیں[5]۔

(سوم) آمین آہستہ کہنی چاہیے۔ آمین، جہر قرآن کی رو سے منع ہے۔ تصدیق کنندہ مفتی کریم اللہ[6]۔

۹۔ انوار ساطعہ دربیان مولود و فاتحہ مؤلفہ مولانا عبدالسمیع انصاری بیدل

(ف ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء) کتاب کا موضوع نام سے ظاہر ہے، حوالوں سے مزین اور معاصر علماء کے فتاویٰ سے پُر ہے، مفتی کریم اللہ نے محفل میلاد کے مستحب ہونے کا فتویٰ دیا تھا جو اس میں شامل ہے[7]۔

۱۰۔ رسالہ حل المشکلات الفقہ معروف بحیرت الفقہ

مؤلفہ احمد بن حمید بن شہاب، ابتدائی حصہ فارسی، آخری صفحات اردو۔ عمومی اور روزمرہ کے بعض مسائل اور ان کے حل، آخر میں دہلی کے علماء کے دستخط ہیں جن میں مفتی کریم اللہ بھی شامل ہیں[8]۔

---

۱ یہ استفتاء رسالہ نظام الاسلام کے ساتھ بھی طبع ہوا

۲ مجموعہ فتاویٰ، مطبوعہ مطبع ناصری ص ۳۹ حاشیہ

۳ ایضاً ص ۳۸ حاشیہ

۴ ایضاً ۴۶

۵ ایضاً

۶ ایضاً ۶۲

۷ انوار ساطعہ ۱۹۳، ۲۹۳

۸ حیرت الفقہ، لاہور ۱۹۰۸ء

۱۱۔ رسالہ اظہار الحلال والحرام

مؤلفہ مولوی شیخ محمد عبید اللہ مرتبہ محمد حسین ساکن بنت۔

یہ رسالہ مالا بدمنہ تالیف قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے ساتھ بطور ضمیمہ ایک عرصہ سے شائع ہو رہا ہے۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے کا طبع شدہ ایک نسخہ بھی ہماری نظر سے گزرا ہے، اس کے آخر میں علمائے دہلی کی مواہیر ثبت ہیں جن میں مفتی کریم اللہ بھی شامل ہیں[1]، دراصل اس استفتاء کا موضوع ہے کہ مسلمانوں کو غیر مسلموں سے گوشت خرید کر کھانا چاہیے یا نہیں؟ علماء نے اس کی نفی کی ہے۔

وفات

مفتی کریم اللہ نوے سال کی عمر[2] میں ۴ شوال روز سہ شنبہ ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء کو دہلی میں فوت ہوئے[3]۔ مشہور نقش بندی شیخ طریقت حضرت خواجہ باقی باللہ (ف ۱۰۱۲ھ / ۱۶۰۳ء) کی درگاہ کے اندر دفن ہوئے، قبر مبارک پر حسب ذیل قطعہ تاریخ وفات درج ہے۔

فاضل بے مثال مولانا کریم اللہ آہ رفت — چوں زیرِ زمیں آں آفتابِ اوجِ علم
آسماں از سر کلاہ افگند بہر سال گفت — "در زمیں گردیدہ پنہاں آفتابِ اوجِ علم"[4]

۱۲۹۰ھ

معروف معاصر شاعر مولوی عبد الغفور خان نساخ[5] نے بھی ایک عمدہ قطعہ تاریخ لکھا تھا:

چوں کریم اللہ مردِ پاک ذات — رفت از ہستی سوی ملک عدم
از پی تاریخ سالِ انتقال — گفت ہاتف "جامع فضل و کرم"

۱۲۹۰ھ

---

۱ رسالہ اظہار الحلال والحرام، مشمولہ ضمیمہ مالابدمنہ، کانپور، مطبع نولکشور، ۱۸۸۴ء

۲ رحمٰن علی: تذکرہ علمائے ہند ۳۹۷

۳ محمد عمر سراج الحق: ریاض الانوار ۱/ ۱۴

۴ بشیر الدین احمد: واقعات دار الحکومت دہلی ۲/ ۵۳۳

۵ نساخ، عبد الغفور: گنج تواریخ ۵۶

موکف تذکرہ علمائے ہند نے سال وفات ۱۲۹۱ھ اور تاریخ ۴ شوال دی ہے[1]، موکف نزہۃ الخواطر نے بھی یہی لکھا ہے[2] لیکن جس کتاب یعنی ریاض الانوار کا حوالہ دیا ہے وہاں ۴ شوال ۱۲۹۰ھ ہے[3]۔ ہم نے اسے معاصر بیان کے طور پر نقل کیا ہے، کیونکہ اس کے موکف اخوند محمد عمر سراج الحق مفتی کریم اللہ کے شاگرد تھے[4]۔

اولاد

مفتی کریم اللہ کی کثیر اولاد تھی، سر سیّد احمد خان کا بیان ہے "باوجود عیال داری اور تاہل کے اہل دنیا کی طرف کم رجوع کرتے ہیں[5]۔ یہی الفاظ بشیر الدین احمد نے بھی لکھے ہیں[6]۔ لیکن تذکروں میں آپ کی اولاد کا کوئی ذکر نہیں ہے، مختلف کتب فقہ و فتاویٰ کی مدد سے ہم نے مفتی صاحب کے چار فرزندوں کے نام دریافت کیے ہیں یہ چاروں عالم، فقیہ اور مفتی تھے اور اپنے اجداد کی طرح درس وتدریس کی خدمات انجام دیتے تھے:

مولانا لطف اللہ فاروقی
|
مفتی محمد کریم اللہ

مفتی حافظ محمد یعقوب — مولانا محمد یوسف — مولانا محمد عمر — محمد یحیٰ

ان کے مختصر حالات بیان کیے جارہے ہیں:

---

۱ رحمٰن علی: تذکرہ علمائے ہند (فارسی) ۱۷۲ (ڈاکٹر محمد ایوب قادری نے اس کا ترجمہ کرتے ہوئے ۴ شوال نہیں لکھا ص ۳۹۷)

۲ عبد الحی حسنی: نزہۃ الخواطر ۷ / ۳۹۸

۳ ریاض الانوار ۱ / ۱۳

۴ محمد ادریس نگرامی: تذکرہ علمائے حال، ص ۸۴

۵ آثار الصنادید ۲ / ۹۳

۶ واقعات دار الحکومت دہلی ۲ / ۱۹۳

۱۔ مفتی حافظ محمد یعقوب

مفتی محمد یعقوب اپنے والد کی مسجد واقع قاضی حوض میں درس و تدریس و فتویٰ نویسی اور ہر جمعہ کو وعظ کرتے تھے، انہیں جزئیات پر بڑا عبور تھا[1] گویا اپنے بزرگ والد کے یہی پہلے جانشین تھے، اس عہد کی کتب فقہ و فتاوی پر ان کے دستخط ملتے ہیں جن سے ان کی عظمت اور علمی تبحر کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا محمد منصور علی مراد آبادی (ف ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۸ء) نے ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء میں کتاب فتح المبین (رد ظفر المبین مؤلفہ غلام محی الدین) تقلید کے اثبات میں لکھی تو اس پر جن علماء کے دستخط کروائے ان میں مفتی محمد یعقوب بھی شامل ہیں[2]۔

اسی طرح میلاد کے اثبات میں مولوی عبدالسمیع بیدل نے انوار ساطعہ دربیان مولود و فاتحہ ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۴ء میں تالیف کی تو مولوی محمد یعقوب سے تصدیقی تقریظ لکھوائی اور ان کے نام سے پہلے بڑے طویل القاب لکھے، پہلی تقریظ مولانا ابو محمد عبدالحق حقانی (صاحب تفسیر حقانی) کی ہے[3]۔

مولانا حقانی مذکور نے میاں ابوالمنصور جوداپوری کی تکفیر میں فتویٰ مرتب کر کے تفسیر حقانی کے مقدمہ کے ساتھ بطور ضمیمہ شامل کیا تو مولوی محمد یعقوب سے بھی اس پر اثبات کروایا[4]۔

دہلی کے مشہور عالم اور صوفی اخوند عبدالعزیز کا ۱۰ محرم ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء کو دہلی میں وصال ہوا تو ان کی نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت بھی مفتی محمد یعقوب کو ملی[5]۔ حضرت شاہ ابو الخیر مجددی دہلوی (ف ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۳ء) مشہور عالم اور شیخ طریقت تھے اور کسی کی علمیت اور تقویٰ پر بڑی مشکل سے اعتماد کرتے تھے، ایک مرتبہ دہلی میں عید کے چاند پر اختلاف ہوا تو اہل دہلی آپ کی خدمت میں آئے تو آپ نے فرمایا کہ مولوی محمد یعقوب سے

---

۱ محمد لال الرحمن: وسائل الجلیل ص ۳

۲ محمد منصور علی مراد آبادی: فتح المبین ص ۲۵۳

۳ انوار ساطعہ، میرٹھ ۱۳۰۶ھ، ۳۱۷

۴ حقانی: مقدمہ تفسیر حقانی (ص ۵ ضمیمہ)

۵ محمد عمر سراج الحق: ریاض الاولیاء، ص ۲۵۳

دریافت کر لو اور ان کے قول پر عمل کرو، مولوی محمد یعقوب کا دہلی میں ۹ ربیع الاول ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء کو انتقال ہوا[1]۔

مولوی محمد یعقوب کی کسی تالیف کا ہمیں تا حال علم نہیں ہے۔

۲۔ مولوی محمد یوسف دہلوی

یہ بھی مفتی کریم اللہ کے فرزند گرامی تھے، کتب فقہ و فتاویٰ پر اس نام کے کئی اصحاب کے دستخط ملتے ہیں لیکن ہمارے پاس اس وقت تک اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ انؒ سے مراد کون محمد یوسف ہیں؟ البتہ ۲۴ ربیع الاول ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء جب مشکوۃ المصابیح مطبع مجتبائی میرٹھ سے طبع ہوئی تو مولوی محمد یوسف بن مفتی محمد کریم اللہ کے ایماء پر اس پر حواشی عربی زبان میں لکھے گئے اور خاتمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کی تصحیح کے لیے بھی کوشش کی، یہ حواشی زیادہ تر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی شرح مشکوۃ سے ماخوذ ہیں، اس کی ابتدائی دو جلدیں ہماری نظر سے گذری ہیں۔

۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء کو مفتی کریم اللہ نے اپنے تفسیری مواعظ مفتاح النصیحہ کے نام سے اپنے انہی فرزند محمد یوسف کی درخواست پر جمع کیے تھے[2]۔

۳۔ مولوی محمد عمر دہلویؒ

آپ بھی مفتی کریم اللہ کے بیٹے اور ذی علم بزرگ تھے، ان کی ولادت ۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۱ء کو ہوئی، اپنے والد بزرگوار سے جملہ علوم کی تحصیل کی، اور افادۂ طلبہ میں معروف ہو گئے[3]۔

۱۳۰۰ھ میں کتاب فتح المبین مذکور تالیف ہوئی تو اس پر جن اکابر علمائے دہلی نے اثباتی دستخط کر کے مہر لگائی ان میں مولوی محمد عمر بھی شامل ہیں ان کی مہر کا سجع ہے "خوشا جانباز محمد عمر" ۱۲۹۱ھ، مہر کے نیچے انہوں نے

---

۱ زید، ابوالحسن فاروقی: مقامات مجد ۲۹۳

۲ وصال الجلیل ۱۳

۳ کریم اللہ مفتی: مفتاح النصیحہ ورق ۱۰۲

۴ محمد ادریس نگرامی: تذکرہ علمائے حال ۸۸

ابن کریم اللہ بھی لکھا ہے[۱]۔ مشہور محدث مولانا وصی احمد حنفی سورتی (ف) نے ایک فتویٰ کہ غیر مقلدین اہل سنت سے خارج ہیں، ان کے ساتھ مجالست اور ان کی اقتداء میں نماز جائز نہیں ہے، لکھا تو مولوی محمد عمر نے اس فتویٰ پر اپنی مہر ثبت کرتے ہوئے لکھا کہ ''اگر ایسے شخص کے مسجد میں آنے سے فتنہ و فساد ہوتا ہے تو انسداد و فتنہ کے لیے مسجد میں آنے سے منع کرنا بہتر ہے، اس پر وہی مذکور سجع والی مہر لگائی گئی ہے''[۲]۔

۴۔ مولوی محمد یحییٰ

مفتی کریم اللہ نے اپنے تفسیری مواعظ مفتاح النصیحہ کے نام سے اپنے انہی فرزند محمد یحییٰ کی درخواست پر ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء کو جمع کیے[۳]۔

اس کے علاوہ ہمیں مولوی محمد یحییٰ کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ہیں۔

ایک بزرگ مولانا عبد الغفار (قاضی حوض والے) مولانا شاہ ابو الخیر مجددی کے وصال ۱۹۲۳ء کو آپ کی جانشینی کی تقریب میں شرکت کے لیے خانقاہ شریف آئے تھے، حضرت ابو الحسن زید نے آپ کی مفصل سوانح میں اس تقریب کے شرکاء کی فہرست دی ہے[۴] لیکن قاضی حوض سے آنے والے مولانا عبد الغفار کے نام کے ساتھ صراحت نہیں فرمائی کہ آیا یہ مفتی کریم اللہ کے فرزند تھے؟ ممکن ہے کہ یہ بھی مفتی صاحب کے فرزند ہوں۔

تلامذہ

کسی تذکرہ میں مفتی کریم اللہ کے تلامذہ کی فہرست موجود نہیں ہے، معاصرین خصوصاً سر سیّد احمد خان نے لکھا ہے کہ مفتی صاحب بیشتر اوقات تدریسی طلبہ شائق میں مصروف رہتے ہیں[۵]۔ نوے سال کی عمر پانے والے مدرس نے یقیناً نصف صدی تک تو درس و تدریس کی خدمت انجام دی ہوگی اور اس کے لاتعداد شاگرد ہوں گے، ہمیں مختلف کتب میں صرف ان چند تلامذہ کا ذکر مل سکا ہے:

---

۱ فتح المبین ص ۳۵۳

۲ وصی احمد سورتی: جامع الشواہد فی اخراج الوہابیین عن المساجد ص ۶، مطبوعہ محمدی سٹیم پریس، لاہور

۳ کریم اللہ، مفتی: مفتاح النصیحہ ورق ۳ ۔ الف

۴ زید ابو الحسن فاروقی: مقامات خیر ۹۳

۵ آثار الصنادید ۲/۹۳

اخوند عبد العزیز دہلوی ؒ

اخوند عبد العزیز بن مولانا حکیم الٰہی بخش، اکابر مشائخ میں سے تھے، اور شاہ محمد غوث شہید قادری کے خلیفہ تھے، اخوند صاحب مفتی کریم اللہ کے شاگرد خاص تھے۔ اخوند صاحب کا وصال ۱۰ محرم ۱۲۹۶ھ / ۱۸۷۸ء کو دہلی میں ہوا، درگاہِ خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے قریب آپ کا مزار ہے[1]۔ اُن کے بعد ان کے بھتیجے اخوند محمد عمر سراج الحق جانشین ہوئے، جنہوں نے اخوند عبد العزیز کے حالات پر دو جلدوں میں بزبان اُردو ایک کتاب ریاض الانوار لکھی تھی[2]۔

مولانا فرید الدین

مولانا محمد فرید الدین دہلوی نے مفتی کریم اللہ کے علاوہ شیخ شیر محمد قندھاری سے بھی پڑھا اور حدیث پاک حاج محمد قاسم دہلوی کی خدمت میں رہ کر پڑھی۔ اس کے علاوہ اخوند عبد العزیز دہلوی سے سلوک کی تعلیم بھی لی اور ایک عرصہ تک ان کی خدمت میں رہے۔

مولانا محمد فرید الدین وعظ و تذکیر میں خوب دسترس رکھتے تھے، اخوند صاحب سے قریبی رشتہ داری تھی[3] ان کی تالیفات میں سے السیف المسلول علی من انکر اثر قدم الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ۱۸۵۰ء میں شائع ہوئی تھی یہ کتاب اُردو نثر میں ہے۔ اور دہلی میں مقام قدم شریف کے صحیح ہونے اور اس کی برکات کے بارے میں ہے یہ رسالہ دراصل مولانا سیّد نذیر حسین دہلوی کے رسالہ "دلیل محکم فی نفی اثر القدم" کے رد میں ہے[4]۔

مولانا فرید الدین دہلوی نے ۱۸۵۷ء کو جہاد قرار دیتے ہوئے اس کے حق میں فتویٰ پر دستخط کیے تھے[5]، انہیں انگریزوں نے ۷ صفر روز شنبہ عصر اور ظہر کے مابین ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء کو گولی مار کر شہید کر دیا تھا[6]۔

---

۱ بشیر الدین احمد: واقعات دار الحکومت دہلی ۲/۵۲۶

۲ مطبوعہ [illegible] دہلی، ۱۳۰۲-۱۳۰۵ھ

۳ عبد الحی حسنی: نزہۃ الخواطر ۷/ ۳۷۱

۴ فرید الدین: السیف المسلول ص ۵-۹

۵ عتیق صدیقی: ۱۸۵۷ء، اخبارات و دستاویزات

۶ محمد عمر: ریاض الانوار ۱/ ۸۹ معروف شاعر غلام رسول ویران نے قطعہ تاریخ شہادت کہا جو ریاض الانوار کے حاشیہ پر طبع ہوا ہے۔

تعجب ہے کہ مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی نے جب وہ اپنے سفر دہلی کے دوران اخوند محمد عمر سے ملنے گئے تو محض لوگوں سے یہ سن کر مولانا فرید الدین حافظ اکرام الدین وعظ مصنف تفسیر سورۂ فاتحہ[1] کے فرزند ہیں کیونکر لکھ دیا؟ جب کہ حافظ اکرام الدین کا رجحان تقویت الایمان اور اس کے موقف کی طرف تھا[2]، حالانکہ انہوں اپنی دوسری کتاب نزہۃ الخواطر میں ایسا نہیں لکھا۔

اخوند محمد عمر

اخوند محمد عمر ملقب بہ سراج الحق بن مولانا فرید الدین دہلوی، ایک جید عالم، صوفی اور اخوند عبدالعزیز مذکور کے خلیفہ و جانشین تھے، ولادت دہلی میں ۱۹ شعبان ۱۲۷۱ھ / ۱۸۵۵ء میں ہوئی، مفتی کریم اللہ، حافظ غلام رسول ویران، مولوی قدرت اللہ ولایتی، مولوی عبدالصمد بنگالی، مولوی بخش اللہ گورکھپوری، مولوی علم اللہ خان، مولوی محمد یعقوب اور مولانا عبدالحق حقانی سے تعلیم حاصل کی۔ مولانا عبدالصمد مبارکپوری خلیفہ مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی سے بھی خلافت ملی تھی[3]۔

اخوند محمد عمر نے اپنے شیخ کے احوال پر "ریاض الانوار" لکھی اس کے علاوہ الاستشفاع والتوسل بآثار الصالحین والرسل (قدم شریف دہلی کی برکات پر)، فائض الانوار، احسن البضاعۃ فی اثبات النوافل بالجماعۃ بھی لکھیں[4]، ان میں سے اول الذکر دو کتب اُردو میں ہیں اور طبع ہو چکی ہیں۔

اخوند محمد عمر کا ۱۱ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ / ۲۴ دسمبر ۱۹۱۷ء میں رات کو دہلی میں وصال ہوا، انہوں نے اسی روز جب حضرت شاہ ابوالخیر مجددی دہلوی ان کی عیادت کے لیے فراش خانہ گئے تھے سے درخواست کی تھی کہ میری نماز جنازہ آپ پڑھائیں، چنانچہ شاہ صاحب نے صبح آپ کی نماز جنازہ پڑھائی[5]۔

---

۱ عبدالحی حسنی: دہلی اور اس کے اطراف ۱۳۱

۲ محمد ایوب قادری: اُردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ ۱۸۱-۱۹۰

۳ محمد ادریس نگرامی: تذکرہ علمائے حال ص ۴۸

۴ محمد عبدالکریم قادری: حدیقۃ الصحائف فی حال اہل الکشف والمعارف ص ۳۲۳

۵ زید ابوالحسن فاروقی: مقامات خیر ۲۹۸-۳۰۰

دیوان نجابت علی

دیوان صاحب ٹھسکہ میراں بھیکھ (خواجہ محمد سعید) کے رہنے والے تھے اور دہلی آکر مفتی کریم اللہ کی خدمت میں تحصیل علم کے لیے رہتے تھے[1]، مزید حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

شیخ طریقت

مفتی کریم اللہ، مارہرہ کے معروف شیخ طریقت حضرت شاہ آل احمد اچھے میاں (۱۱۶۰ـ۱۲۳۵ھ /) سے ارادت و خلافت رکھتے تھے[2]۔ جو قادری مشائخ میں سے تھے اور معروف شاہ حمزہ مارہروی کے خلیفہ تھے اور باقی شجرہ اس طرح سیّد آل محمد، شاہ برکت اللہ، شاہ فضل اللہ، میر سیّد محمد، مخدوم جمال اولیاء، شیخ ضیاء الدین معروف بہ قاضی جیا، شیخ محمد بھکاری، میر سیّد ابراہیم ایرجی، شیخ، بہاء الدین، میر سیّد احمد جیلانی، میر سیّد حسن، میر سیّد موسیٰ، میر سیّد علی، میر سیّد محی الدین ابی نصر، میر سیّد ابو صالح، میر سیّد عبد الرزاق، حضرت غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی[3]۔

مفتی کریم اللہ تحصیل علم کے دوران اور پھر بعد میں مارہرہ حاضر ہو کر فیض یاب ہوئے تھے، لیکن انہیں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے باعث روحانی مشاغل کے لیے وقت نہیں ملتا تھا لیکن تھے بڑے مرتاض بزرگ، بہت سے اصحاب نے ان سے روحانی فیض بھی پایا ہوگا، افسوس کہ تذکروں میں ان کے مریدین کا ذکر بالکل نہیں ملتا۔

تالیفات

مفتی کریم اللہ کثیر التصانیف عالم تھے، لیکن ہمیں ان کی صرف چند کتب کے نام ملے ہیں، مفتی صاحب کا زمانہ بڑا آشوب تھا، ان کے مستقر دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا، علماء کو چن چن کر مارا جا رہا تھا، بہت سے اکابر ہجرت کر گئے، روپوش ہو گئے اور باقی شہید کر دیئے گئے، ان حالات میں بھی مفتی کریم اللہ نے اپنے آپ کو اور اپنی

---

۱ محمد حمزہ، ریاض الانوار/ ۳۱

۲ تذکرہ علمائے ہند ۳۹۶، تذکرہ الواصلین/ ۲۹۸

۳ ریاض الانوار/ ۲۹۰ـ۲۹۱

اولا کو فکری اعتبار سے قائم رکھا اور اختلافی مسائل کے اس آندھی اور طوفان کے دور میں بھی آپ راسخ العقیدہ سنی مسلمان کی حیثیت سے اپنے نظریاتی وجود کو منواتے رہے۔

وہابیوں، غیر مقلدین، روافض اور ملاحدہ کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ میں نے نہایت کرب اور بے بسی کے عالم میں تیس دنوں میں یہ کتاب لکھی ہے اور طلبہ کو پڑھا رہا ہوں، فرماتے ہیں:

"یقول تراب الاقدام محمد کریم اللہ شاہ جہان آبادی بن لطف اللہ-----

الفت من الکتب فی مدۃ ثلاثین یوم بعون اللہ تعالیٰ و حسن توفیقہ فی غایۃ الکرب والمشقۃ مع انہ کان یعلم اطفالاً فی اقتصرت علی انہ"[1]---------

تاہم آپ کی جس قدر کتابوں کا سراغ مل سکا ہے ان کا مختصر سا تعارف کروایا جارہا ہے:

تحقیق الحق

مایۃ المسائل شاہ محمد اسحٰق دہلوی (ف ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۵ء) کی تالیف ہے، جس میں آپ کے شاگردوں نے بھی آمیزش کی ہے اور انہیں نظریاتی اعتبار سے حنفی کی بجائے کچھ اور بنانے کی کوشش کی ہے[2]، تاہم شاہ صاحب کی ہجرت حرمین الشریفین (۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء) سے قبل یہ رسالہ علماء کے مابین متنازعہ بن چکا تھا، چنانچہ ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء سے پہلے مفتی کریم اللہ دہلوی نے اس رسالہ کا رد تحقیق الحق فی جواب مایۃ المسائل لمولوی اسحٰق کے نام سے لکھا، گویا انہیں اس امر کا یقین تھا کہ رسالہ مایۃ المسائل شاہ اسحٰق ہی کی تالیف ہے، مفتی صاحب نے یہ کتاب مفتاح النصیحۃ (تالیف ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء) سے پہلے لکھی تھی[3]،اس کے کسی خطی نسخے کا ہمیں تا حال علم نہیں ہے۔

---

۱ مفتاح النصیحہ ورق ۲۰۷ ب

۲ برکاتی، محمود احمد: حیات شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی، ۳۰۔۳۳

۳ مفتاح ۱۰۶ ب، ۱۱۸ ب، ۱۰۸، ۱۰۹ ب

احقاق الحق

اس کتاب میں مفتی صاحب نے وہابیوں کا رد کیا ہے اور اپنی کتاب مفتاح النصیحہ میں اس کا ذکر اس طرح کیا ہے:

من احقاق الحق المعروف بالزام الشیاطین من تالیفات هذا العبد المسیٔ به محمد کریم اللّٰه باب چهارم در اعتراضاتِ ارباب قاعدہ مشجرہ این فریق------ چنانکه در جواب چهل و هشتم مایة المسائل تصریح بایں طوری-- نموده[1]-----

گویا اس میں رد وہابیہ کے علاوہ شاہ محمد اسحٰق کے رسالہ مایۃ المسائل کے مسئلہ ۴۸ سے بھی اختلاف کیا گیا ہے، مفتی صاحب کے اس رسالہ کے وجود سے ہم بے خبر ہیں۔

رسالہ رد بدعۃ

مفتی صاحب نے یہ رسالہ بھی ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء سے پہلے تالیف کیا تھا[2]۔

فضیحۃ الوہابیین

موکف نے یہ کتاب بھی ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء سے پہلے رد وہابیہ میں لکھی تھی اپنی کتاب مفتاح النصیحہ میں اس کا ذکر کرتے ہوئے یوں لکھا ہے:

"فی فضیحۃ الوہابین الہندی للمولف اعنی محمد کریم اللہ[3]-----"

فضیحۃ الوہابین فی اختلاف الوہابیہ لاہل السنۃ فی عدہ مسائل فی لسان الہندیہ[4]

گویا موکف نے یہاں واضح کر دیا ہے کہ انہوں نے یہ کتاب ہندی یعنی اُردو میں لکھی ہے۔

---

۱ ایضاً ورق ۱۱۴۔ الف ب

۲ مفتاح النصیحہ ۱۲۱۔ الف ب

۳ ایضاً ۱۳۵ب

۴ ایضاً ۲۷۰ب

زُبدۃ البیان فی تفسیر القرآن (فارسی نثر)

زبدۃ البیان مفتی صاحب کی ضخیم تالیف ہے جو دو جلدوں میں ہے اس کی جلد دوم کا قلمی نسخہ رضا لائبریری، رام پور میں ہے جس کے اوراق ۵۶۸ ہیں[1]۔ خود موکف نے لکھا ہے کہ اس کا نسخہ ستر اجزاء میں ہے اور یہ ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء سے پہلے تالیف ہو چکی تھی[2]۔ اسے تفسیر کریمی بھی کہا جاتا ہے[3]۔

زبدۃ الوعظ

یہ الحمد اور سورۂ بقرہ کی پانچ آیات کی تفسیر ہے۔ جو دو جلدوں میں ہے، پہلی جلد کے پچاس اور دوسری کے ساٹھ اجزاء ہیں[4]۔ یہ بھی مفتاح النصیحۃ سے پہلے تالیف ہو چکی تھی۔

جامع الکتاب فی تفسیر الفرقان۔ یہ تفسیر بھی مفتی صاحب نے مفتاح کی تالیف سے پہلے لکھ لی تھی[5]۔

نقلیات السلف من الاولیاء

اس کا نام نقل المجالس بھی ہے، جو ساٹھ اجزاء کے برابر ہے[6] یہ بھی مفتاح سے پہلے مرتب ہو چکی تھی۔ اس کے کسی نسخے کے وجود کا علم نہیں ہے۔

مفتاح النصیحۃ فی دفع کیود النفسیہ

یہ دراصل مفتی صاحب کے مواعظ کا مجموعہ ہے جو انہوں نے اپنے فرزندوں محمد یوسف اور محمد یحیٰی کے اصرار پر جمع و مرتب کیا، انہوں نے مختلف دینی اور اخلاقی کتب سے نقل کر کے عوام کی اصلاح کے لیے مرتب کیا،

---

۱ فہرست نسخہ ہائی خطی فارسی، کتابخانہ رضا رام پور، ۱۰۱ / ۴۰

۲ کریم اللہ: مفتاح النصیحہ

۳ فہرست مذکور ۲ / ۴۰

۴ مفتاح، ۷۰ ب

۵ ایضاً ورق ۷۰ ا

۶ ایضاً ۷۰ ب

خود وضاحت فرماتے ہیں:

------ امابعد فیقول الراجی رحمۃ اللّٰہ محمد کریم اللّٰہ بن لطف اللّٰہ اقال اللّٰہ عثر من طفیل رسول اللّٰہ ------ وینقل فیہ اقوال المفسرین و المجتہدین و اھل الریاضیات. لیکن طلب منی ھذا الامر الصیحت قرۃ عینی فوادی و ثمرتی محمد یوسف و محمد یحییٰ--- فاجبتُ لھما سنہ الف و مایتین و سبعہ وخسمین فی سلطنت بھادر شاہ الثانی من ھجرۃ نبی المختار عل صاحبھا الف التحیۃ ----- وسمیت ھذا المنتخب مفتاح النصیحہ فی دفع کیود النفسیہ---

گویا یہ کتاب ۱۲۵۷ھ / ۱۸۴۱ء کو مرتب ہوئی تھی۔

مفتی صاحب کی یہ کتاب وعظ و نصیحت کے موضوع پر ہے، لیکن اس میں بے شمار مسائل زیر بحث آئے ہیں، ابتداء میں قرآن مجید کی بعض سورتوں کی تفسیر بھی ہے، مرتب نے اسے مختلف مجالس وعظ کے موضوعات کے عنوان دے کر مجالس کی صورت میں ترتیب دیا ہے۔ آخری مجلس فضائل صحابہ کبار پر ہے اس میں تبرکات اور قدم شریف پر بھی لکھا گیا ہے۔ اس کے کل ۲۷۰ ورق ہیں، پیش نظر خطی نسخہ حضرت موکف کا خود نوشتہ ہے جس کے کئی اوراق پر موکف کی مہر "بگو بلطف محمد کریم اللہ ۱۲۷۲ھ" ثبت ہے، پہلے خالی ورق پر بھی موکف نے اپنے قلم سے لکھا ہے "تالیف و نوشت محمد کریم اللہ ولد لطف اللہ" یہاں مہر میں بلطف اشارہ ہے اپنے والد گرامی کے نام کی طرف یہ نادر الوجود خطی نسخہ جناب خلیل الرحمٰن داؤدی مرحوم کے کتب خانہ میں تھے۔ جس میں سے یہ چند یادداشتیں مرحوم کے حین حیات مرتب کی گئی تھیں۔

رسائل

مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ میں نے بہت سے رسائل تالیف کیے تھے، جن میں سے بعض کے اسماء بھی انہوں نے لکھے ہیں، جو یہ ہیں:

۱۔ اثبات الاعرال فی جواب انکار ایصال الثواب، لمولوی اسماعیل

۲۔ الصمصام فی جواب انکار تعین الیوم لمولوی اسحاق

۳۔ رد الحرمۃ لاہل البدعۃ فی اثبات---- کلمۃ التوحید بعد الصلوۃ لانکار فرق الوہابیہ

۴۔ احقاق الحق فی لزوم انکار الشریعۃ للوہابیہ

۵۔ اثبات الحواس للروح ولمی الارواح للبیسر

۶۔ الفوائد الکاملہ فی شہادۃ طعنۃ الفاطمہ

۷۔ فوائد الوافرہ فی شہادہ علی والحسن الذی مرقدہ الفاطمہ

۸۔ حق الصریح فی رد الروضہ وثبت الضریح فی جواب ولد مولوی دلدار علی مجتہد الذی امر بہ بناء الروضہ والضریح۔۔۔

ان تمام رسائل کا مفتی صاحب نے اپنی کتاب مفتاح النصیحہ میں ذکر کیا ہے جو ۱۲۵۶ھ / ۱۸۴۰ء میں مرتب کی ہے گویا یہ رسائل مذکورہ سنہ سے پہلے آپ تالیف کر چکے تھے۔ ان میں سے رسائل تحقیق الحق اور فضیحۃ الوّہابین کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔

برہان محکم

مفتی صاحب نے مولانا نذیر حسین دہلوی کے رسالہ دلیل المحکم فی نفی اثر القدم کے رد میں ایک کتاب برہان محکم علی خذلان من نفی اثر القدم لکھی اور اس کی اشاعت میں سعی بلیغ کی، یہ رسالہ مفتی صاحب نے دہلی میں مقام قدم شریف یعنی نقش پائے مبارک نبی کریم ﷺ کی برکات کے اثبات میں لکھا تھا۔[1] مفتی صاحب کا یہ رسالہ مطبع دار السلام، دہلی سے ۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۰ء کو طبع ہوا۔[2]

ہادی المضلین

مفتی صاحب نے یہ کتاب تقویت الایمان کے رد میں لکھی تھی[3]۔ انہوں نے اپنے مواعظ مرتبہ ۱۲۵۷ھ / ۱۸۴۰ء میں اس کا حوالہ نہیں دیا جبکہ شاہ اسماعیل دہلوی کے خلاف اپنے کئی رسائل کا ذکر کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کتاب ہادی المضلین ۱۲۵۷ھ کے بعد تالیف ہوئی تھی۔

۱۔ محمد مراد الحق: الاستفتاء ص، [illegible] ۱ / ۲۰۲

۲۔ رسائل فضل رسول بدایونی، حاشیہ اسید الحق عاصم قادری ص ۱۵۲

۳۔ فضل احمد لدھیانوی: انوار آفتاب صداقت ۱ / ۲۳۱، حاشیہ اسید الحق عاصم قادری ص ۱۵۲ بر رسائل فضل رسول بدایونی

ماخذ

۱۔ احمد بن حمید: حیرت الفقہ، لاہور، ۱۳۲۵ھ

۲۔ برکت علی، منشی: مراۃ الحقائق (احوال شیخ عبد الحق محدث دہلوی)، رام پور، ۱۳۲۲ھ

۳۔ بشیر الدین احمد: واقعات دار الحکومت دہلی، دہلی، ۱۹۹۰ء

۴۔ برکاتی، محمود احمد: حیاتِ شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی، دہلی، ۱۹۹۲ء

۵۔ بیدل، عبد السمیع انصاری: انوار ساطعہ دربیان مولود و فاتحہ، میرٹھ، ۱۳۰۷ھ

۶۔ تنبیہ الضالین وہدایت الصالحین (رد غیر مقلدین، فتوئ علماء) دہلی، سید الاخبار، ۱۲۶۲ھ

۷۔ حالی، الطاف حسین: حیات جاوید، کانپور، ۱۹۰۱ء

۸۔ حقانی، عبد الحق: عقائد الاسلام، کراچی (س۔ن)

۹۔ ایضاً: مقدمہ تفسیر حقانی، دہلی، ۱۳۰۵ھ

۱۰۔ رحمٰن علی: تذکرہ علمائے ہند (فارسی) لکھنو، ۱۹۱۴ء، اُردو ترجمہ وحواشی محمد ایوب قادری، کراچی، ۱۹۶۱ء

۱۱۔ زید، ابو الحسن فاروقی: مقاماتِ خیر، دہلی، ۱۳۹۲ھ

۱۲۔ سر سید احمد خان: آثار الصنادید مرتبہ خلیق انجم، دہلی، ۱۹۹۰ء

۱۳۔ عبد الحی حسنی: نزہتہ الخواطر، حیدر آباد، دکن، ۱۹۵۹ء

۱۴۔ ایضاً: الثقافۃ الاسلامیہ فی الھند، دمشق، ۱۹۸۳ء

۱۵۔ ایضاً: دہلی اور اس کے اطراف مرتبہ صادقہ ذکی، دہلی، ۱۹۸۸ء

۱۶۔ عبد الکریم قادری: عمدۃ الصحائف فی حال اہل الکشف والمعارف، الہ آباد، ۱۳۱۲ھ

۱۷۔ عبد العزیز محدث، شاہ: فضائل صحابہ واہل بیت مرتبہ محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۶۷ء

۱۸۔ عتیق صدیقی: ۱۸۵۷ء، اخبارات دستاویزات، دہلی ۱۹۶۵ء

۱۹۔ عزیز الدین مراد آبادی: اکمل البیان فی تائید تقویت الایمان، لاہور، ۱۹۹۸ء

۲۰۔ فضل احمد لدھیانوی: انوار آفتاب صداقت، لاہور، ۱۹۲۰ء

۲۱۔ فضل حق خیر آبادی: تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ مرتبہ محمد عبد الحکم شرف قادری، سرگودھا، ۱۹۷۹ء

۲۲۔ فرید الدین دہلوی: السیف المسلول علی من انکر اثر قدم الرسولؐ، دہلی، ۱۸۵۰ء

۲۳۔ فہرست نسخہ ہائی خطی فارسی کتابخانہ رضارام پور، رام پور، ۱۹۹۶ء

- فضل رسول بدایونی: مجموعہ رسائل فضل رسول ترجمہ وحواشی اسید الحق محمد عاصم قادری، کراچی ۱۰۱۰ء

۲۴۔ قطب الدین خان، نواب: تحفۃ العرب والعجم، دہلی، ۱۲۸۵ھ

۲۵۔ ایضاً: تنویر الحق، آگرہ، ۱۲۷۹ھ

۲۶۔ ایضاً: توفیر الحق، آگرہ، ۱۲۸۰ھ

۲۷۔ کریم اللہ، مفتی: مفتاح النصیحہ خطی، بخط موکف، مملوکہ جناب خلیل الرحمٰن، داؤدی، لاہور

۲۸۔ مالک رام: تلامذۂ غالب، دہلی

۲۹۔ محمد عمر، سراج الحق، اخوند: ریاض الانوار، دہلی، ۱۳۰۲۔۱۳۰۵ھ

۳۰۔ ایضاً: الاستشفاع والتوسل بآثار الصالحین وسیّد الرسل، دہلی، ۱۳۱۹ھ

۳۱۔ محمد ایوب قادری: جنگ آزادی ۱۸۵۷ء (واقعات وشخصیات) کراچی، ۱۹۷۶ء

ایضاً: اُردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ، لاہور، ۱۹۸۸ء

۳۲۔ محمد مظہر مجددی: مناقب احمدیہ ومقامات السعیدیہ، دہلی، ۱۲۸۴ھ

۳۳۔ ایضاً: رشحات عنبریہ مرتبہ محمد اقبال مجددی، شرقپور

۳۴۔ محمد، سیّد: طعن الرماح (رد تحفہ اثناء عشریہ) نوشتہ بسال ۱۲۳۸ھ، لکھنو ۱۸۵۳ء

۳۵۔ محمد عبید اللہ / محمد حسین فقیر: رسالہ اظہار الحلال والحرام، کانپور، ۱۲۷۲ھ

۳۶۔ محمد ادریس نگرامی: تذکرہ علمائے حال، لکھنؤ، ۱۸۹۷ء

۳۷۔ محمد امان الرحمٰن: وصال الجمیل، دہلی، ۱۳۴۳ھ

۳۸۔ محمد منصور علی مراد آبادی: فتح المبین (بجواب ظفر المبین) لکھنو، ۱۳۰۰ھ

۳۹۔ نساخ، عبد الغفور، گنج تواریخ، لکھنو، مطبع نولکشور، ۱۲۹۱ھ

۴۰۔ نظامی، خلیق احمد: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، دہلی، ۱۹۵۴ء

۴۱۔ وصی احمد سورتی: جامع الشواہد فی اخراج الوہابیین عن المساجد، لاہور، (س۔ن)

۴۲۔ صدرالدین آزردہ: فصل الخطاب مرتبہ محمد ہاشم علی، میرٹھ

۴۳۔ صدیق حسن خان، نواب: ابقاالمنن بلقاالحن، بھوپال

۴۴۔ اشتیاق احمد اعظمی: اودھ میں افتاء کے مراکز اور ان کی خدمات، مونا تھ یوپی ۲۰۰۹ء

۴۵۔ فضل حسین: الحیاۃ بعد المماۃ، آگرہ، ۱۹۰۸ء

۱۰ر مئی ۲۰۱۲ء

(تذکرۂ حاضر کے لیے خصوصیت سے لکھا گیا)

مولانا ابوالفضل محمد اسحاق اسلام آبادی (شارح سبعہ معلقات)

مولوی ابوالفضل اسلام آبادی انیسویں صدی عیسوی کے ایک عالم اور مترجم تھے۔

مولوی ابوالفضل کے اجداد خصوصاً ان کے والد مولانا غلام الرحمٰن نظام پوری، بنگال کے ایک قصبہ اسلام آباد کے مشہور عالم تھے، مدرسہ عالیہ کلکتہ کے مدرسین میں شامل تھے۔

عربی ادب کی مشہور کتاب قصائدِ سبعہ معلقات کے پہلے چار قصائد کی شرح فارسی نثر میں لکھی، اس شرح پر شمس العلماء مولانا میر محمد نے نظر ثانی کی۔

یہ شرح دراصل بنگال کے عربی طلبہ کے لیے لکھی گئی اور ان میں بہت مقبول ہوئی تھی، اس میں طلبہ کی آسانی کے لیے خاص اہتمام کیا گیا ہے۔

یہ شرح مطبع مجیدی کانپور سے چھپی تھی، کل ۱۷۲ صفحات ہیں۔

مآخذ

۱۔ حبیب الرحمٰن، حکیم: ثلاثہ غسالہ، تحقیق وتعلیق عارف نوشاہی، لاہور، ۱۹۹۵ء

۲۔ عبدالستار: تاریخ مدرسہ عالیہ (۱۷۸۱۔۱۹۵۹ء) ڈھاکہ، ۱۹۵۹

۱۱ مئی ۲۰۱۱ء

برائے دانشنامہ ادبیات فارسی، شبہ قارہ

مولانا وکیل احمد سکندر پوری

مولانا وکیل احمد سکندر پوری تیرہویں صدی ہجری / انیسویں صدی عیسوی کے نامور عالم، صوفی، مؤلف کتب کثیرہ اور شاعر تھے۔

مولانا وکیل احمد کی ولادت ۹ ذی الحج ۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء کو موضع دلیپ پور ضلع سارن میں ہوئی (جو ان دنوں اتر پردیش کے مشرقی اضلاع کے سرحدی ضلع بلیلا کا ایک قصبہ ہے) ۶۴ سال کی عمر میں ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء کو حیدر آباد، دکن میں انتقال ہوا' وہیں آسودۂ خاک ہیں۔[1]

مولانا سکندر پوری نسباً فاروقی تھے، آپ کے اجداد میں سے شیخ مبارک عدنی چشتی فاروقی (ف ۱۰۱۶ھ) نے ہندوستان آ کر قصبہ سکندر پور میں قیام فرمایا وہیں آباد ہو گئے، ان کی ساری اولاد نے وہیں بود و باش اختیار کر لی، مولانا وکیل احمد نے یہیں سکندر پور میں پرورش پائی ابتدائی تعلیم اپنے برادر بزرگ مولوی ولی الحسنین سے حاصل کی، ۱۲ سال کی عمر میں جونپور چلے گئے جہاں خانقاہِ رشیدیہ کے سجادہ نشین شاہ غلام معین الدین[3] (ف ۱۳۰۷ھ / ۱۸۹۰ء)، اس کے بعد مولانا محمد عبد العلیم آسی[4] (۱۲۵۰-۱۳۳۵ھ / ۱۸۳۴ء-۱۹۱۶ء) سے جو مولانا وکیل احمد کے چچازاد بھائی بھی تھے، جونپور ہی کے مدرسہ منشی محمد امام بخش میں داخل ہوئے جہاں کے صدر مدرس مشہور عالم دین مولانا محمد عبد الحلیم فرنگی محلی (ف ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء) کی خدمت میں درس نظامیہ کی بعمر ۱۹ سال تکمیل کی، مولانا عبد الحلیم مذکور نے اپنے اس ہونہار متعلم کے لیے ملا جیون امیٹھوی (ف ۱۱۳۰ھ / ۱۷۱۷ء) کی اصول فقہ پر

---

1. محمد ادریس نگرامی: تذکرہ علمائے حال، ۷۸؛ عبد الحی حسنی: نزہۃ الخواطر ۸/ ۵۱۷
2. نزہۃ الخواطر ۸/ ۵۱۸؛ امیر احمد فاروقی: مولانا وکیل احمد سکندر پوری، مقالہ مشمولہ بصائر، کراچی، جنوری ۱۹۶۷ء، ص ۶۵
3. شاہ غلام معین الدین کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو: سماۃ الابرار ۱۳۵-۱۴۳
4. مولانا عبد العلیم آسی کے حالات کے لیے دیکھیے: سماۃ الابرار ۱۶۲-۲۰۳؛ کاظم علی: حضرت آسی غازی پوری، حیات اور شاعری، پٹنہ ۱۹۸۳ء۔

کتاب نور الانوار شرح منار پر قمر الاقمار کے نام سے ۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء کو حاشیہ لکھا اس وقت مولانا سکندر پوری کی عمر ۱۸ سال تھی، یہ حاشیہ یہاں کے متعدد مطابع سے چھپنے کے علاوہ مصر سے بھی طبع ہو چکا ہے، مولانا فرنگی محلی فرماتے ہیں:

عند قراۃ الفطین الامجد المولوی وکیل احمد من سکانِ السکندر فور صانہا اللہ عن الشرور ذالک الشرح علی وترددہ الی[1]

مولانا عبدالحلیم کے فرزندِ گرامی اور معروف عالم و محقق مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے مولانا سکندر پوری کو اپنے والد کے شاگردوں میں سب سے بہتر، سب سے افضل پرکھ رکھنے والے، علوم عقلیہ ونقلیہ کے جامع قرار دیا ہے[2]۔

ان اساتذہ کے علاوہ مولانا سکندر پوری نے مولانا مفتی محمد یوسف فرنگی محلی، مولوی معین الدین کڑوی سے اور علم طب کی مولوی حکیم نور کریم دریابادی اور مولوی سید انور علی سے تحصیل کی، ان کے علاوہ مولوی رحمت اللہ، مولانا محمد نعیم لکھنوی اور مولوی امام الدین لاہوری سے بھی اسناد فراغت حاصل کیں[3] جون پور میں کچھ عرصہ مطب کیا، لیکن جلد ہی اسے ترک کر کے حیدر آباد دکن روانہ ہو گئے، حسنِ اتفاق سے آپ کے استاد گرامی مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی ان دنوں وہاں مدرسہ نظامیہ کے فرائض تدریس و افتا پر فائز تھے، مولانا وکیل احمد ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۶ء کو جب حیدر آباد گئے تو سیدھے اپنے استاد کی خدمت میں پہنچے وہیں قیام کر لیا[4]۔ اس وقت نواب افضل الدولہ بہادر دکن کے حکمران تھے مولانا سکندر پوری نے ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ سے ملازمت کا آغاز کیا اور عدالت عالیہ (ہائی کورٹ) کے جج کے منصب سے سبکدوش ہو کر وظیفہ یاب ہوئے، ملازمت تقریباً ۲۹۔۳۰ سال کے عرصہ پر محیط ہے[5]۔ مولانا وکیل احمد سکندر پوری جتنے بڑے عالم و متکلم تھے اتنے ہی عظیم صوفی بھی تھے، آپ

---

۱ عبدالحلیم فرنگی محلی: نور الانوار حاشیہ قمر الاقمار ص ۴

۲ محمد رضا انصاری: "ایک ذہین مصنف" مقالہ مشمولہ نذر مقبول ص ۷

۳ تذکرہ علمائے حال ص ۹۶

۴ محمد رضا انصاری: ایک ذہین مصنف ص ۶۔۷

۵ ایضاً، امیر احمد فاروقی: مولانا وکیل احمد سکندر پوری (مجلہ ...) ۵۸

نقشبندی مجددی سلسلہ کے معروف بزرگ مولانا میر اشرف علی بن میر سلطان علی سے بیعت تھے، شیخ اشرف علی فن ادب و تصوف، حدیث، اسماء الرجال اور فقہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے، ان کے والد گرامی معروف مجاہد ٹیپو سلطان شہید کے ہاں ملازم تھے، اسی طرح میر اشرف علی بھی فن سپاہ گری میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، آخر دنیا ترک کر کے سلوک و معرفت حاصل کی، طبیعت میں استغنا حد درجہ کا تھا، حیدر آباد دکن کے نواب افضل الدولہ آصف جاہ خامس ملقب بہ مغفرت مکان جو سخاوت اور فقراء نوازی میں مشہور تھا کئی بار ان سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا لیکن انہوں نے اپنے توکل کے باعث انکار کر دیا، جب حیدر آباد میں وبا پھوٹی تو مولانا وکیل احمد سکندر پوری ان سے ملنے کے لیے گئے پہلے ان کے چہرہ پر پریشانی کے آثار تھے پھر اطمینانِ قلب نصیب ہوا، موصوف کوئی کام اپنے شیخ حضرت شاہ سعد اللہ حیدر آبادی نقشبندی کی اجازت کے بغیر نہیں کرتے تھے، مولانا میر اشرف علی حضرت شاہ سعد اللہ (ف ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۴ء) کے خلیفہ تھے وہ علوم ظاہری و باطنی کے عالم تھے حج و زیارت سے مشرف ہوئے تھے[1]، پھر انہیں حیدر آباد دکن میں مامور کیا گیا، موصوف سلسلۂ نقشبندیہ قادریہ اور چشتیہ میں مجاز تھے، نواب ناصر الدولہ بہادر آصف جاہ رابع غفران منزل ان کا معتقد تھا جس نے بارہا ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا لیکن آپ نے اجازت نہ دی، ان کے خلفاء میں سے مولانا اشرف علی کے علاوہ مولوی محمد عثمان، مولوی نیاز محمد بدخشانی، مولوی حسن علی، مولوی عبد الرحیم واعظ، میر عبد الوہاب، میر رفعت علی، شاہ محمد مسکین، محمد نواز، قابلِ ذکر ہیں جن سے ان سلاسل کے فیوض و برکات دکن کے علاوہ کئی دوسرے علاقوں میں بھی ہوئے۔ (ہدیہ مجددیہ ۳۳۱) حاجی سعد اللہ کا مدفن حیدر آباد دکن میں مرجع خلائق ہے آپ حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہ کے خلیفہ تھے جو حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں شہید علیہ الرحمت کے مشہور جانشین تھے (مقاماتِ مظہری ۵۵۶، ۵۸۲)

مولانا وکیل احمد سکندر پوری کے چچازاد بھائی محمد عبد العلیم آسی (تاریخی نام ظہور الحق) (۱۲۵۰۔۱۳۳۵ھ / ۱۸۳۴۔۱۹۱۶ء) بھی ایک ذی علم بزرگ اور اُردو کے شاعر تھے ان کا تخلص آسی تھا وہ خانقاہِ رشیدیہ جونپور کے سجادہ نشین رہے، ان کا عارفانہ مجموعہ کلام عین المعارف کے نام سے سید شاہد علی رشیدی سجادہ نشین درگاہ رشیدیہ جونپور نے مرتب کیا جو کراچی کے ادارہ یادگار آسی غازی پوری سے ۱۹۸۸ء کو طبع

---

۱ معاصر تذکرہ نویس علامہ ابو الفیض عبد الستار صدیقی دہلوی نے لکھا ہے: حج السید اشرف علی مع والدہ (میر سلطان علی) اجتمع بالشیخ عابد سندی بالمدینۃ واجیز منہ بمرویاتہ (فیض الملک الوہاب المتعالی ۱/ ۵۳۳)

ہوا، آسی کی حیات اور شاعری پر کاظم ہاشمی کی کتاب پٹنہ سے ۱۹۸۴ء کو شائع ہوئی تھی، نیز دیکھیے:

علی شیر خان: اُردو ادب کے ارتقاء میں غازی پور کی خدمات (ص ۱۵۵_۱۶۱)

مولانا وکیل احمد سکندر پوری کا سلسلۂ نسب حضرت امیر المومنین عمر فاروقؓ تک واصل ہوتا ہے اور آپ بھی حضرت مجدد الف ثانی کے جد اعلیٰ ناصر[1] بن عبد اللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن حضرت عبد اللہ بن حضرت عمر فاروقؓ کی اولاد میں سے ہیں یعنی وکیل احمد کندر پوری بن مولانا قلندر حسین بن وسیم بن محمد عطاء بن محمد بزرگ بن[2]...... گویا شجرہ یُوں ہے:

محمد بزرگ
محمد عطاء
محمد وسیم
(۱۲۵۰_۱۳۳۵ھ)

مولانا سکندر پوری کی زندگی بہت ہی مصروفیت سے عبارت تھی لیکن اس کے باوجود آپ نے تصنیف و تالیف کا شغل جو علماء کا بنیادی فریضہ ہے ترک نہ کیا اور موصوف تقریباً ایک سو کتابوں کے مؤلف قرار پائے۔

مولانا وکیل احمد کا عہد علمی و اعتقادی، سیاسی اور تمدنی اعتبار سے انقلابی اور ہنگامہ خیز تھا وہ قدیم مسائل جو کتابوں کی زینت تھے ان کے عہد میں ہندوستان کی علمی محفلوں کی جان بن گئے اس کے علاوہ بہت سے نئے مسائل

---

[1] جامعین نسب حضرت مجدد الف ثانی نے سہواً ناصر بن عبد اللہ کو براہ راست حضرت عبد اللہ بن حضرت عمر سے منسوب کر دیا حالانکہ ناصر کے بعد چار واسطے مزید ہیں جو ہم نام ہونے کے باعث سہو کا سبب بنے (مقالات معصومی ۲/ ۹_۱۰)

[2] حضرت آسی غازی پوری ص ۳۱

پیدا ہو گئے جن سے مذہبی ذہنوں میں ہیجان برپا ہو گیا جس سے عام ذہنوں کے لیے اضطراب کی کیفیت نے جنم لے لیا اس عہد کا سب سے بڑا مسئلہ اعتقادات کا تھا، جس پر اتنی بحثیں ہوئیں کہ ملک مناظرہ، مجادلہ اور مکابرہ کا اکھاڑہ بن کر رہ گیا۔

گذشتہ گیارہ صدیوں سے عالم اسلام حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی مسلکوں میں تقسیم ہوتا رہا انہوں نے ائمہ اربعہ کی تقلید کو اپنا دستور حیات بنائے رکھا، لیکن ان آخری صدیوں میں نئے مبلغین نے تقلید اور عدم تقلید کی بحثیں چھیڑ دیں۔

ایک بہت بڑی لہر عدم تقلید کے ماننے والوں کی جو اپنے آپ کو اہل حدیث سے تعبیر کرتے تھے اس دور میں اٹھی اور یہ دعویٰ کیا کہ ائمہ اربعہ اور خاص طور پر امام ابو حنیفہ کے فقہی مسلک کو جس کے ہندوستان میں ننانوے فیصد مسلمان تھے بری طرح متاثر کیا، اب دونوں فریقوں نے ایک دوسرے کے رد میں اتنی کتابیں لکھیں کہ دور آخر میں غیر مقلدین کے ملجا وماویٰ اور ترجمان وہابیہ کے مؤلف نواب صدیق حسن خان (۱۸۳۲ء۔۱۸۹۰ء) کو بھی اپنی خود نوشت سوانح میں یہ تسلیم کرنا پڑا کہ اس معاملہ میں دونوں فریقوں نے زیادتی کی ہے 'علماء تعمیری و تحقیقی کام چھوڑ کر اس ردّ و قبول کے سیلاب میں بہ گئے اور تحقیقی کام جاتا رہا، مولانا فضل رسول بدایونی (ف ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء) کو تادم واپسین ردِّ وہابیہ میں مصروف رہنا پڑا، نزع کے عالم میں اپنے فرزند مولانا شاہ عبد القادر قادری بدایونی کو بلا کر دریافت کیا کہ کیا اعداءِ دین (وہابیہ) کا کوئی رسالہ ایسا تو باقی نہیں جس کا ہم نے جواب نہ لکھا ہو اور ہمارے بعد عوام اہل اسلام کو باعثِ تشویش ہو" تو اس کا جواب نفی میں دیا گیا'۔

بھلا ان حالات میں مولانا وکیل احمد سکندر پوری جیسا حساس دل و دماغ کا عالم اپنے دامن کو کیسے بچا سکتا تھا، مولانا نے بھی بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیا اور غیر مقلدین کی خوب خبر لی اس سلسلہ میں ان کے ایک معاصر مولانا عبد الحی حسنی کا بیان قابل توجہ ہے کہ مولانا سکندر پوری اہل حدیث اور سید احمد شہید بریلوی کے اصحاب کی "نکیر" تھے، لکھتے ہیں:

---

۱ [illegible] السنن ص ۶۳ [illegible] (۱۵)

۲ [illegible] ۱۳۰

شدید الرغبة الی المباحثة. کثیر النکیر علی اهل الحدیث و علی الفئة الصالحة من اصحاب سیدنا الامام الشهید السید احمد بن عرفان الحسنی البریلوی[1]

مولانا سکندر پوری کی اکثر تصانیف انہی اختلافی مسائل پر مشتمل ہیں اور بہت ہی حسن وخوبی کے ساتھ آپ نے ان موضوعات پر عمدہ تحقیقات پیش کی ہیں، ان کتب میں سے رسالہ ابطال (بجواب ابطال الاباطیل سرد التاویل العلیل لنواب صدیق حسن خان) عربی، عقد الدرر (رد وہابیہ) عربی، فتح الاسلام علی الظلمہ (عربی) وہابی نامہ (فارسی) معین الطالبین (رد وہابیت) فارسی، اصباح الحق الصریح عن احکام المحدث الحسن الصبیح (بجواب ایضاح الحق تالیف مولانا محمد اسماعیل دہلوی) اُردو، تبصرہ (تحریک وہابیت کا پس منظر مع مسلک اہل سنت)، سبحیہ رضیہ (در جواز محفل میلاد) صیانۃ الایمان عن قلب الاطمینان (در اثبات میلاد) اُردو، ناصح مشفق (مثنوی در رد وہابیہ) اُردو نصرۃ المجتہدین برد ہفوات غیر المقلدین (اُردو)، نتیجہ (رد وہابیہ بزبان اُردو) کا موضوع ہی رد وہابیہ ہے۔

اس طرح فکر جدید کے علم بردار سرسید احمد خان کے خلاف بھی مولانا سکندر پوری نے عربی میں ارشاد المرغاد الی مسلک حجۃ احبار الآحاد (سرسید کے تہذیب الاخلاق کا جواب) اس کے علاوہ فارسی میں افادہ علی جرح العبادۃ (یہ بھی سرسید احمد خان کے تہذیب الاخلاق کے رد میں ہے)، تہذیب الاخلاق ہی کے جواب میں مولانا سکندر پوری نے اُردو میں محدد لجبہات الجدد تالیف کی تھی، یہ تینوں کتابیں کئی بار طبع ہو چکی ہیں۔

ان کتب کے علاوہ عربی میں صامت (بجواب میر باقر داماد)، شمس الضحیٰ (نعت) مراۃ الرای بشرح الاقراری شرح بوجز اقاری، ازالۃ المحن عن اکسیر البدن، تفع المامون بدفع الطاعون، نور العینین فی تفسیر ذی القرنین، فارسی زبان میں مساق الاطباء بیرۂ تنبول، تذکرۃ اللبیب فیما متعلق بالطب والطبیب، تریاق فاروق، رافع الوبا، یاقوتی، ماقوتی، کتاب اسرار، گنج شائیگان، لذت الوصال، رسالہ انبہ، تقریر دلپذیر، خاتم سلیمانی، معیار الصرف، مغفرت نامہ (جواب اعتراضات مولانا محمد باقر آگاہ بہ سلسلہ اعتراضات بر مولانا عبد العلی بحر العلوم)، مناجات، مکاتبہ حاشیہ کشف المکتوم، (مولانا سعد اللہ لکھنوی اور مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی کے مابین تصوف کے موضوع پر مباحث)

اُردو زبان میں مولانا سکندر پوری نے مندرجہ ذیل کتب یادگار چھوڑی ہیں:

---

[1] عبد الحی حسنی: نزہۃ الخواطر ۸، ۵۱۷

آئینۂ چینی (ترجمہ تاریخی یمینی) اخبار نحات، اعتماد بخطای اجتہاد، تحقیق (در مسئلہ ایمان یزید) تذکرہ العشائر (مولانا سکندر پوری نے اپنے اجداد کے حالات لکھے ہیں)، جلاء العیون ترجمہ الشفاء العیون، شائم عنبریہ در مدح خیر البریہ، رسالہ چیچک، دستور العمل، عماد الاسلام در ذکر امیر شام، لمعہ نور، مہر انور فقہ اکبر، مقدمہ مہر انور (اس میں یہ تحقیق ثابت کیا گیا ہے کہ فقہ اکبر امام ابو حنیفہ کی تصنیف نہیں ہے بلکہ دوسرے ابو حنیفہ بخاری کی تصنیف ہے، نقل مجلس (روداد مناظرہ مابین مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی و مولانا مفتی اسد اللہ الہ آبادی) وسیلۂ جلیلہ (توسل کے جواز میں بہترین کتاب ہے)، ہدایا (ترجمہ وصایائے امام ابو حنیفہ) یاقوت الرمانی شرح مقامات بدیع الزمان ہمدانی، فیصلہ عدالت شرعی فتاوی عالمگیری، مرانجہ (معانقہ اور مصافحہ کا اسلامی طریقہ) عمدۃ المطالب (در بحث ایمان حضرت ابو طالب) تنبیہ مخالفین (مسائل اہل سنت اور طریقہ حنفی کے مطابق نماز کے موضوع پر ہے) تنقیح البیان (در حمایت تعلیم نسوان)، علم النفس، سوانح حیات (مولانا سکندر پوری نے اس میں اپنے خود نوشت حالات لکھے ہیں) طبع نہیں ہو سکی، اعتماد بخطاء اجتہاد، ان کتب کے علاوہ عربی میں حد العرفان (فلسفہ تصوف)، حدیقۃ العرفان تخریج احادیث گلستان و بوستان، شرح فقہ الاکبر، عقد الدرر (وہابی تحریک کے خلاف)، تبصرۃ الشیخ والشاب (افکار شیخ اکبر ابن عربی پر تبصرہ)، اردو کتب میں رسالہ تحقیق (در مسئلہ طعن بر یزید) بھی آپ کی تالیفات میں سے ہیں۔

آپ شاعر بھی تھے فارسی اور اردو میں شعر کہتے تھے، آپ کا فارسی دیوان ۱۳۰۶ھ کو لکھنو سے طبع ہوا تھا جو دراصل نواب صدیق حسن خان کے دیوان نفح الطیب کے جواب میں ہے نواب صاحب کے دیوان کا موضوع عربی و فارسی ادب کی بجائے رائے، خرد، اجماع اور تقلید کی مذمت ہے، مولانا وکیل احمد سکندر پوری نے ہر نظم کا ترکی بترکی جواب دیا ہے اور بہت ہی مزے لے لے کر طنز و مزاح کیا ہے ان کے بعض دیگر منظوم رسائل کے علاوہ فارسی میں خوان یغما (مثنوی بجواب من و سلویٰ مصنفہ مفتی عباس شوستری) بھی طبع ہو چکی ہے۔

ان کے علاوہ عمدۃ الکلام بجواز کلام الملوک ملوک الکلام، ازالۃ اللحن عن اکسیر البدن، ابطال الاباطیل برد التاویل العلیل، ارشاد العنود الی طریق ادب عمل المولود، الکلام المقبول فی اثبات اسلام آباء الرسول، تمہید المبانی بالنکاح الثانی، دافع الشقائق عن اعجاز الانشقاق، ادحاضات شرح ایماضات، ازوجار بجواب اشتہار، بصائر ترجمہ الاشباح والنظائر کا ذکر صاحب نزہۃ الخواطر (۸/ ۵۱۸) نے کیا ہے اور آپ کے معاصر مولانا محمد ادریس نگرامی نے آپ کی تصانیف کا سب سے زیادہ ذکر کرتے ہوئے مندرجہ ذیل کے نام بھی لکھے ہیں:

ازالۃ المحن عن اکسیر البدن، تقویم الاسلام، تنقیح البیان، بجواز تعلیم کتابۃ النسوان، تصحیح فتاویٰ علماءِ زمان بجواز تعلیم کتابۃ النسوان، رسالہ اذان، زبدۃ التحریر، (تذکرہ علمائے حال ۹۷۔۹۸)

مولانا وکیل احمد سکندر پوری نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (۹۷۱۔۱۰۳۴ھ / ۱۵۶۳ء۔۱۶۲۴ء) کے دفاع میں تین ضخیم اور معرکہ آرا کتابیں تصنیف کی تھیں اول ہدیہ مجددیہ دوم انوارِ احمدیہ اور سوم الکلام المنجی جن کی تفصیل اس طرح ہے:

ہدیہ مجددیہ

یہ کتاب دراصل حضرت مجدد الف ثانی کے خلاف آپ کے معاصر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء) کے رسالہ اعتراضات کے جواب میں لکھی گئی ہے، شیخ محدث کو حضرت مجدد الف ثانی کے بعض مکاشفات و عرفانی مندرجات پر شکوک و شبہات پیدا ہو گئے وجہ یہ ہوئی کہ حضرت مجدد الف ثانی کا ایک مرید حسن خان افغان کسی بات پر آپ سے ناراض ہو گیا اور آپ کے مکتوبات کے بعض اجزاء اپنے ساتھ لے گیا اس نے قصداً ان میں تحریف کر کے اس وقت کے مقتدر علماء کے پاس بھیجے وہ دہلی بھی آیا اور نقشبندی سلسلہ کی مرکزی خانقاہ حضرت خواجہ باقی باللہ (ف ۱۰۱۲ھ) کے سجادہ نشین حضرت خواجہ حسام الدین احمد (ف ۱۰۴۳ھ / ۱۶۳۳ء) اور حضرت شیخ محدث کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ محرف مکتوبات دکھائے، یہ دونوں بزرگ بغیر تحقیق احوال کے حضرت مجدد الف ثانی سے کبیدہ خاطر ہو گئے، حضرت شیخ محدث نے باقاعدہ ایک طویل مکتوب بصورت اعتراضات لکھا جسے اس وقت مخالفین نے خوب شہرت دی، جب حضرت مجدد الف ثانی نے اصل مکتوبات ان حضرات کو ارسال کیے تو ان کے شکوک و شبہات رفع ہو گئے اور آپ نے اپنے خیالات سے رجوع کر لیا، اور صفائی باطن پر باقاعدہ خط لکھ کر اظہار کیا آپ کا یہ مکتوب آپ کی کتاب اخبار الاخیار کے آخر میں شامل ہے اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی نے خواجہ حسام الدین احمد مذکور کو ایک خط (۳/ ۱۲۱) لکھ کر باقاعدہ برادرانہ شکوہ کیا ہے کہ شیخ محدث نے مجھے خط لکھنے کی بجائے میری بدنامی کی اور اس قسم کا خط دوسروں کو لکھا حضرت شیخ محدث کی صفائی باطن اور رجوع کے باوجود کئی اصحاب نے اس رسالہ اعتراضات کے جواب میں مدلل رسائل لکھے جن میں ملا معین

ٹھٹھوی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، شاہ غلام علی دہلوی اور آخری رسالہ مولانا وکیل احمد سکندر پوری کا ہدیہ مجددیہ ہے، ہم نے اس موضوع پر مفصل بحث اس کے مقدمہ میں کی ہے۔

مولانا سکندر پوری کی دوسری اہم کتاب انوارِ احمدیہ فارسی میں ہے۔

اس کتاب کی تالیف کے اسباب بیان کرتے ہوئے مؤلف لکھتے ہیں:

ایک شخص گجراتی، جس نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے کلام معارف نظام کا انکار کرتے ہوئے لب کشائی کی اور اپنے خرافات کے ذریعہ آپ پر سب و شتم کی....... وہ اتنا مجہول اور غیر معروف آدمی ہے کہ اس کے حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے اور نہ کسی عالم کی زبان سے سننے میں آئے اس نے اپنی شہرت کی بنیاد اولیاءِ کاملین کی تنقیص پر رکھی ہے...... گجراتی نے بارہ ہزار روپے بطور نذرانہ مدینہ منورہ کے ایک عالم سیّد محمد برزنجی کی خدمت میں ارسال کیے اور حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات کی بعض عبارات کا عربی ترجمہ کر کے برزنجی صاحب سے فتویٰ طلب کیا کہ ایسی باتیں لکھنے والے کے بارے میں اپنی رائے تحریر کریں.........برزنجی نے اس عطیہ کو بہت غنیمت جانا اور قدح الزند کے نام سے بہت جد و جہد کے بعد ایک کتاب لکھی جس میں حضرت مجدد الف ثانی کی توہین و تکفیر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا....... جب برزنجی نے مدینہ طیبہ کے قاضی و مفتی سے اس پر مُہر تصدیق کی درخواست کی تو وہ ان کی منت سماجت کے باوجود راضی نہ ہوئے تو پھر برزنجی مکہ مکرمہ پہنچے اور وہاں کے حرم محترم کے مفتی و قاضی سے اس پر تصدیق کے لیے التجا کی تو ان میں سے کسی ایک نے بھی مہر و دستخط نہ کیے......... اب ناچار انہوں نے غیر معروف "سوقیوں" سے اس رسالہ پر مہریں لگوا کر گجراتی کو بھیج دیں، اس نے ان شبہات کا ترجمہ کیا اور چند امور کا اس پر اضافہ کر کے خود ایک کتاب مکاشف الاسرار کے نام سے لکھ کر حضرت امام ربانی مجداولف ثانی پر "زشت و تکفیر و تفسیق و اضلال" سے اپنے "لب و دہان" کو آلودہ کیا ہے.......... اس پر طرفہ یہ ہے کہ گجراتی موصوف تصوف سے واقف ہی نہیں تھا مگر وہ اپنے آپ کو عارف سمجھتا تھا، وہ صوفیہ کرام کی اصطلاحات سے بھی واقف نہیں تھا.......

چونکہ مؤلف (مولانا وکیل احمد سکندر پوری) خود نقشبندی ہے اسی لیے اس قسم کے سخنان تضلیل و تکفیر کے خلاف لکھنے پر تیار ہوا.... (انوار احمدیہ ص ۲۔۶)

ہمارا قیاس ہے کہ کاشف الاسرار کے مؤلف گجراتی نے اپنا نام اس لیے ظاہر نہیں کیا کہ اس وقت کا حاکم اورنگزیب عالمگیر (۱۰۶۸۔۱۱۱۸ء / ۱۶۵۸۔۱۷۰۷ء) خانوادہ نقشبندیہ کا معتقدِ خاص بلکہ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہ (۱۰۷۹ھ / ۱۶۶۸ء) کا مرید مخلص تھا، اگر گجراتی اپنا نام لکھتا تو اس پر حکومت کی طرف سے گرفت کا قوی امکان تھا۔

بہرحال اس وقت یعنی گیارہویں صدی ہجری گجرات اور اورنگ آباد (دکن) میں سلسلہ مجددیہ کی مخالفت اپنے پورے عروج پر پہنچ چکی تھی جس کے اسباب اس سلسلہ کے بزرگ افراد کی معاشرہ میں بے حد توقیر و احترام تھا پھر حکومت کی طرف سے ان کے اعزاز و اکرام نے دیگر علماء و مشائخ کو حسد کا شکار کر دیا تھا۔

شیخ سید محمد بن عبدالرسول برزنجی (۱۰۴۰۔۱۱۰۳ھ / ۱۶۳۰۔۱۶۹۱ء) جو سلسلۂ مجددیہ کے عرب مخالفین میں پیش پیش تھے، کی اولاد اورنگ آباد آکر مقیم ہوگئی تھی، محمد بن حسن بن عبدالکریم بن محمد برزنجی یعنی برزنجی مذکور کا پڑپوتا عرصہ دراز تک اورنگ آباد میں مقیم رہا، اس نے اپنے دادا کے رسائل کی نقول کر کے انہیں یہاں مشتہر کیا جن کے خطی نسخے اس وقت کتابخانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں ہیں۔ (فہرست بعضی کتب نفیسہ قلمیہ جلد دوم ص ۳۴۷۔ ۳۵۰، ۳۵۶، ۳۶۳) علامہ برزنجی نے حضرت مجدد الف ثانی کے خلاف ایک مستقل رسالہ الناشرۃ الناجرۃ للفرقۃ الفاجرہ عربی میں لکھی جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ (نعوذ باللہ) حضرت مجدد الف ثانی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا (فہرست محولہ بالا ۲/ ۳۶۳ نمبر ۲۲۳ فن کلام) یہ ساری مخالفت جو عربستان میں ہوئی کے محرک سید محمد برزنجی تھے جن کا پورا نام سید محمد بن عبدالرسول بن عبدالسید حسنی برزنجی ہے، فقہائے شافعیہ میں سے تھے، شہر زور میں ۱۰۴۰ھ / ۱۶۳۰ء کو متولد ہوئے، ہمدان، بغداد، دمشق، قسطنطنیہ اور مصر میں رہے، آخر مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی، ۱۱۰۳ھ / ۱۶۹۱ء کو فوت ہوئے، کئی کتابوں کے مؤلف تھے ان میں سے حل مشکلات ابن العربی بھی ہے جو انہوں نے فارسی سے عربی میں ترجمہ کی تھی (الاعلام ۶/ ۲۰۴) اس کتاب سے موصوف کے صوفیانہ رجحان کا اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں شیخ اکبر ابن عربی کے مکتبۂ فکر سے قریبی لگاؤ تھا، ہمارا یہ بھی قیاس ہے کہ جب مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی میں شیخ ابن عربی کے مکشوفات اور ان کے نظریۂ وحدت الوجود

کے خلاف مواد نظر آیا تو وہ مخالفت پر آمادہ ہو گئے، خود شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے جو حرمین الشریفین میں ان کے شاگرد سے تحصیل کر چکے تھے انہی سید محمد برزنجی کے متعلق لکھا ہے کہ ان کے مزاج میں کسی قدر خشکی موجود تھی۔(انفاس العارفین ۱۸۴)

حرمین الشریفین میں افکارِ حضرت مجدد الف ثانی کے خلاف یہ مہم حدود ۱۰۹۰ء۔۱۰۹۶ھ میں ہوئی علامہ محمد بیگ مذکور کا رسالہ عطیۃ الوہاب ۱۰۹۴ھ / ۱۶۸۳ء میں تالیف ہوا (مقامات مظہری ۴۸۲ طبع دوم) مذکورہ سنین کے دوران اس مخالفت کے آثار ہندوستان میں بھی نمایاں ہوئے اور اورنگ آباد اس کا مرکز بنا رہا، سید محمد برزنجی کی اولاد ان دنوں اورنگ آباد میں مقیم اور برزنجی کی تصانیف کی نقول کرنے میں مصروف تھی ان میں سے محمد بن حسن بن عبدالکریم بن محمد برزنجی یعنی برزنجی کا پڑپوتا اپنے پردادا کے رسائل کی کتابت اور اشاعت پر مامور تھا، اس نے العصب الہندی لاستیصال کفریات احمد سرہندی تالیف ابو علی حسن علی مکی عجمی (تالیف بسال ۱۰۹۳ھ) کی کتابت ۱۱۵۷ھ کو یہیں اورنگ آباد میں کی تھی اس کا خطی نسخہ کتابخانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں ہے (فہرست مخطوطات آصفیہ ۲ / ۳۳۷)

سید محمد برزنجی کی اپنی تصنیف قدح الزند و قدح الرمد فی رد جہالات اہل سرہند کی کتابت بھی اسی مذکورہ پڑپوتے نے ۱۱۷۷ھ کو یہیں کی جس کا خطی نسخہ مذکورہ کتابخانہ میں ہے (ایضاً ۲ / ۳۵۰)

الکلام المنجی برد ایرادات البرزنجی

مولانا وکیل احمد سکندر پوری نے علامہ سید محمد البرزنجی کے رسالہ قدح الزند کا عربی میں رد لکھا، مؤلف بزرگ اس کے دیباچہ میں وضاحت فرماتے ہیں:

محمد صالح اورنگ آبادی اور گجراتی اور ان کے متبعین محمد عارف اور عبداللہ سورتی نے حضرت مجدد الف ثانی کے بعض مکاتیب کا عربی ترجمہ کیا جو انصاف سے بہت دور اور محرف تھا، انہوں نے یہ ترجمہ سید محمد البرزنجی کو مدینہ منورہ بھیجا اور ان سے ان افکار و خیالات کے حامل کے بارے میں جواب طلب کیا، انہوں نے اس کے ساتھ کچھ رقم بھی ارسال کی، جس کے جواب میں علامہ برزنجی نے ایک رسالہ حضرت مجدد الف ثانی کے خیالات کے رد میں لکھا جس میں آپ کو فاسق اور کافر قرار دیا، اس رسالہ پر انہوں نے مدینہ منورہ کے قاضی اور مفتیوں سے

تصدیق کروانے کے لیے ان سے مواہیر لگانے کی استدعا کی لیکن انہوں نے انکار کر دیا، پھر وہ وہاں سے مکہ مکرمہ گئے تو وہاں بھی یہی معاملہ در پیش ہوا......... اس دوران شیخ نور الدین محمد بیگ[1] (ترک عالم) اس امر کی تحقیق کے لیے حرمین الشریفین آئے...... انہوں نے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کی اصل عبارتوں کے تراجم عربی میں کیے تو بعض علماء کو جب یہ دکھائے گئے تو وہ حیران بھی ہوئے اور اپنے خیالات سے رجوع کرتے ہوئے اپنے فتوے واپس لے لئے، شیخ محمد بیگ مذکور نے اس ساری صورت حال میں وہ تمام عبارات مکتوبات صحیح عربی میں منتقل کیں اور بہ شکل استفتاء اسے حرمین کے تمام اکابر علماء کی خدمت میں بھیج کر تصویب کروائی، شیخ محمد بیگ کا یہ رسالہ عطیۃ الوہاب بین الخطاء والصواب کے نام سے طبع ہو چکا ہے اور مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے عربی ترجمہ شیخ محمد مراد قازانی مکی رمزی کے حاشیہ پر یہ پورا رسالہ بھی طبع ہوا تھا......... سیّد محمد برزنجی کی اس کتاب کا رد مولانا وکیل احمد سکندر پوری نے الکلام المنجی کے نام سے کیا برزنجی کا نبیرہ اس کتاب کے ترقیمہ میں مذکورہ کتاب عصب الہندی کے مطالعہ کی باقاعدہ دعوت دیتا ہے، سیّد محمد برزنجی کی ایک اور کتاب الناشرۃ الناجرہ للفرقۃ الفاجرہ بھی ۱۰۹۳ھ / ۱۶۸۳ء کو تصنیف ہوئی تھی، اس کے مندرجات بھی بہت ہی پست اخلاقی اور غیر علمی خیالات پر مبنی ہیں کہ ۱۰۹۳ھ / ۱۶۸۳ء کو ہندوستان سے حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے خیالات یہاں عرب میں پہنچے جس سے معلوم ہوا! کہ انہوں نے رسالت کا دعویٰ کیا تھا:

> ''در ۱۰۹۳ھ از ہندوستان ضلالات و خیالات شیخ احمد سرہندی بطور استفتاء در دیار عرب رسید کہ او دعوئ رسالت کردہ
>
> (فہرست مخطوطات آصفیہ ۲/ ۳۴۳)

گویا ان حضرات کی مخالفت اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی اور غیبت کرنے والوں نے ''مجد الف ثانی'' کے مبارک لقب کو ''دعوئ رسالت'' بنا کر پیش کیا تھا، اسی کتاب میں سیّد برزنجی نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اس سے پہلے شیخ احمد سرہندی، آپ کی اولاد اور خلفاء کی رد میں نو رسالے تصنیف کر چکے ہیں یہ ان کا دسواں رسالہ ہے، مولانا

---

[1] شیخ محمد بیگ بن یار محمد بن خواجہ محمد بن موہب بخاری ثم بدایونی حنفی نقش بندی کی ولادت ۱۰۴۱ھ اور وفات ۱۱۱۰ھ کو ہوئی، کئی کتابوں کے مؤلف تھے، عطیۃ الوہاب مذکورہ کے علاوہ ملخص خلاصۃ السیر (مرتبہ ڈاکٹر محمود احمد اعمیر) طبع ہو چکی ہے۔ ہدیۃ العارفین ۲/ ۲۸۲، ایضاح المکنون، معجم المؤلفین ۱۱/ ۲۹۷، فوائد ارتحال و نتائج السفر۔ مؤلفہ مصطفیٰ حموی بیروت ۲۰۱۱ء

وکیل احمد سکندر پوری نے برزنجی کے ساتھ ہی محمد صالح اورنگ آبادی کی مخالفت کا بھی ذکر فرمایا ہے، برزنجی نے خود لکھا ہے کہ مجھ سے پہلے محمد صالح مذکور شیخ احمد سرہندی کے رد میں کئی رسائل لکھ چکا ہے۔ (الناشرہ، مذکور، خطی بحوالہ فہرست مخطوطات آصفیہ ۲/ ۳۶۳) ہم نے اورنگ آباد کی مذکورہ سنین کی اس مخالفانہ فضا کا قدرے تفصیل سے تذکرہ اپنی کتاب احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری میں کیا ہے (۱۵۹۔۱۶۴)

ہمیں ان بہت سے مخالفانہ رسائل کے رد میں اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے دفاع میں لکھے جانے والے رسائل کی ایک مفصل اور طویل فہرست بنانے کی سعادت بھی نصیب ہو چکی ہے، یہ فہرست رسالہ نور اسلام شرقپور کے حضرت مجدد الف ثانی نمبر میں شامل ہے کتاب الکلام المنجی ایک مقدمہ، پانچ مقالات (ابواب) اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، حضرت مؤلف نے مقدمہ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے مناقب، آپ کی تصانیف اور خلفاء کا مختصر مگر بہت ہی جامع تعارف کروایا ہے، اس کے بعد گجرات اور دکن وغیرہ میں جو مخالفانہ سرگرمیاں ہوئیں ان کا ذکر ہے پھر کس طرح ایک غیر معروف مجہول گجراتی نے بارہ ہزار روپے کی رقم جمع کر کے سیّد محمد برزنجی کے پاس بھیجی اور انہوں نے اس رقم کو غنیمت جانتے ہوئے اس کے سہارے کس طرح حرمین الشریفین میں مخالفت کا آغاز کیا، پھر اس دوران ایک ترکستانی عالم شیخ نور الدین محمد بیگ وہاں حاضر ہوئے اور انہوں نے اس مکدر فضا کو کس طرح بدلا اور حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات کی اصل عبارات کا کامل ترجمہ عربی میں کر کے انہی علماء کرام کی خدمت میں پیش کیا اور فتویٰ طلب کیا جس کے بعد اس مخالفت میں کمی واقع ہوئی...... مولانا سکندر پوری نے باقی پانچ ابواب میں سیّد محمد برزنجی کے مخالفانہ اقوال کی بہت ہی بھرپور طریقہ سے تردید کی ہے، ضرورت ہے کہ اس کتاب کو جدید عربی ٹائپ میں کمپوز کر کے ایک مفصل عربی مقدمہ کے ساتھ شائع کیا جائے۔

ماخذ

۱۔ محمد ادریس نگرامی: تذکرہ علمائے حال (تطیب الاخوان بذکر علماء الزمان)، لکھنو ۱۸۹۷ء

۲۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر / ج ۸، طبع عکسی کراچی

۳۔ امیر احمد فاروقی: مولانا وکیل احمد سکندر پوری، مقالہ مشمولہ بصائر، کراچی، جنوری، ۱۹۶۷ء

۴۔ عبدالمجید کتاب: سمات الاخیار، جونپور، ۱۳۴۴ھ

۵۔ کاظم ہاشمی: حضرت آسی غازی پوری، حیات اور شاعری، پٹنہ ۱۹۸۴ء

۶۔ آسی، عبدالعلیم ظہور الحق غازی پوری: عین المعارف مرتبہ شاہد علی رشیدی، کراچی /۱۹۸۸ء

۷۔ عبدالحلیم فرنگی محلی: نور الانوار حاشیہ قمر الاقمار، دہلی ۱۳۲۳ھ

۸۔ محمد رضا انصاری: ایک ذہین مصنف، مقالہ مشمولہ نذر مقبول، جونپور، ۱۹۷۰ء

۹۔ وکیل احمد سکندر پوری: انوار احمدیہ، ہدیہ مجددیہ، الکلام المنجی، دہلی ۱۳۱۱ھ

۱۰۔ صفر احمد معصومی: مقامات معصومی تحقیق وتعلیق وترجمہ محمد اقبال، لاہور ۲۰۰۴ء

۱۱۔ غلام علی دہلوی، شاہ: مقامات مظہری، تحقیق وتعلیق وترجمہ محمد اقبال مجددی، لاہور، ۲۰۰۱ء (طبع دوم)

۱۲۔ فہرست مشروح بعض کتب نفیسہ قلمیہ، کتابخانہ آصفیہ، حیدر آباد، دکن، ۱۳۵۷ھ

۱۳۔ صدیق حسن خان، نواب: ابقاء المنن بالقاء المحن، بھوپال، ۱۳۰۵ھ

۱۴۔ ضیاء، محمد یعقوب: اکمل التاریخ، بدایون، ۱۹۱۶ء

۱۵۔ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ: انفاس العارفین، دہلی ۱۳۳۳ھ

۱۶۔ زرکلی، خیر الدین: الاعلام، بیروت، ۲۰۰۵ء

۱۷۔ محمد اقبال مجددی: احوال وآثار عبد اللہ خویشگی قصوری، لاہور، ۱۹۷۲ء

۱۸۔ علی شیر خان: اُردو ادب کے ارتقاء میں غازی پور کی خدمات، غازی پور، ۱۹۹۸ء

(رسائل در دفاع حضرت مجدد الف ثانی، مقدمہ، لاہور، ۲۰۱۱ء)

حکیم اعظم خان رام پوری

حکیم محمد اعظم خان رام پوری چودھویں صدی ہجری کے نامور طبیب، عالم اور شاعر تھے۔ حکیم محمد اعظم خان بن حکیم اعظم خان بن رضی خان بن اسماعیل خان کا تعلق افغانوں کے قبیلہ اکوزی (Akozaie) سے تھا۔ اس خاندان کے سارے افراد سلاطین و امرا کے ہاں عمدہ منصبوں پر فائز تھے۔ کئی بڑے معرکوں میں بھی شریک ہوئے۔

اس خانوادے میں سے رضی خان عرف روزی خان سوات سے آئے اور جمعدار (Jamadar) کا عہدہ ملا۔ پھر نواب سیّد فیض اللہ خان کی ملازمت میں آگئے، رام پور میں انہیں سو بیگھ زمین ملی ۱۱۷۴ھ / ۱۷۶۰ء میں احمد شاہ درانی کی طرف سے مرہٹوں سے مقابلہ کیا جس کے صلے میں کئی گاؤں بطور جاگیر ملے۔ اس کے علاوہ بھی رضی خان کئی معرکوں میں پیش پیش رہے۔ اور ۱۲۳۵ھ / ۱۸۲۰ء کو انتقال کیا۔ (تذکرہ کاملانِ رام پور ۴۳-۴۴)

رضی خان کے آٹھ فرزندوں میں سے حکیم شاہ اعظم خان ہی حکیم محمد اعظم رام پوری کے والد تھے۔

حکیم اعظم خان ابتدائی تعلیم کے بعد دیگر علوم وفنون کی تحصیل کے لیے مولوی عبدالرحیم خان بن حاجی محمد سعید (ف ۱۲۳۴ھ / ۱۸۱۸ء) اور مفتی شرف الدین رام پوری (ف ۱۲۶۸ھ) کی خدمت میں حاضر رہے۔ (تذکرہ کاملانِ رام پور ۴۴، نزہۃ الخواطر ۸/ ۴۰۹)

ملازمت کا آغاز ۱۲۵۱ھ / ۱۸۳۵ء کو بھوپال (Bohpal) جا کر نواب جہانگیر خان عرف نواب دولہا (Dolha) سے کیا۔

نواب دولہا جو ان دنوں قدسیہ بیگم کی قید میں تھے حکیم اعظم خان کی کوشش سے رہا ہوئے ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء کو قدسیہ بیگم ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے معزول ہوئیں تو ریاست نواب دولھا کو ملی۔ نواب نے حکیم اعظم خان کی دو سو روپے ماہوار تنخواہ اور سو روپے ماہوار خرچ کے لیے مقرر کیے۔ اور دو گاؤں بھی بطور

جاگیر عطا کیے۔ نواب کے خصوصی معالج کی حیثیت سے کئی بار انعامات سے نوازے گئے۔ ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء کو نواب دولہا کا انتقال ہو گیا۔ بڑودھ (Barodaha) سے انہیں زیادہ تنخواہ کی پیش کش ہوئی لیکن نواب سکندر بیگم نے جانے نہیں دیا۔ ایک بار حکیم اعظم خان لکھنو گئے تو سلیمن (William Henery Sleemann) سے بھی ملے جو لکھنو کے ۱۸۴۹۔۱۸۵۶ء تک ریذیڈنٹ (Resident) تھے۔ (Dictionary of Indian Biography, P.112)

سلیمن سے وہاں کے بگڑے ہوئے حالات معلوم ہوئے۔ وہاں حکیم صاحب کو کئی طرح سے نوازا گیا۔ راجہ مان سنگھ چاہتا تھا کہ حکیم صاحب کو سلون (Saloon) کا ناظم مقرر کر دیا جائے مگر انہوں نے وہاں کے ابتر حالات سے واقفیت کی بنا پر انکار کر دیا۔ (تذکرہ کاملان رام پور ص ۴۵)

اس دوران واجد علی شاہ نے اپنے علاج کے لیے روکنا چاہا تو انکار کرنا پڑا۔ اور آپ اندور (Andor) چلے گئے۔ کچھ عرصہ اجین (Ujeen) میں بھی رہے۔ (ہمانجا ۴۵)

مہاراجہ تکوجی راو ہلکر نے اپنے ہاں بصد احترام ملازم رکھ لیا۔ اب مہاراجہ کے طبیب خاص تھے جہاں چند سال صدر کوٹ کے جج بھی رہے۔ نواب کلب علی خان رام پوری اور مہاراجہ کے مابین خوشگوار تعلقات بھی حکیم صاحب ہی کی بدولت قائم ہوئے تھے۔ (ہمانجا ۴۵۔۴۶)

نواب کلب علی خان نے حکیم صاحب کو رام پور بلایا وہاں زمین دی جہاں آپ نے اپنے کئی رہائشی مکانات تعمیر کروائے۔ (تذکرہ کاملان رام پور ۴۶)

ریاست اندور (Andor) نے آخری عمر میں حکیم اعظم خان کی پنشن بھی مقرر کر دی جو اڑھائی سو روپے ماہوار تھی۔ آپ کا بیٹا حکیم محمد افضل خان آپ کے حین حیات ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء کو انتقال کر گیا۔ ان کے پوتے حکیم محمد اکمل خان عرصہ تک اندور میں رہے اور وہ طبابت کے فن میں شہرت رکھتے تھے۔

حکیم محمد اعظم خان رام پور کے مشہور شیخ طریقت میاں محمد امیر شاہ (ف ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء) سے بیعت تھے۔ اور تعلیم سلوک سے بھی خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ (ہمانجا ۴۷، ۲۰)

حکیم محمد اعظم نے ۴ محرم ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۲ء کو انتقال کیا۔ (ہمانجا ۴۷، نزہۃ الخواطر ۸/۴۰۹)

حکیم محمد اعظم خان شاعر بھی تھے اور اعظم تخلص کرتے تھے لیکن دیوان مرتب نہیں کیا تھا۔

حکیم اعظم کی تمام تر کتب فارسی نثر میں اور علم طب کے موضوع پر ہیں، اس فن میں ان کی وسیع النظری ان کی تالیفات سے عیاں ہے۔ معالجات میں قدیم ترکیبیں مدنظر رہتی تھیں اور قدما کے تجربات سے خوب فائدہ اٹھایا تھا۔ ان کے معاصر آغا سنجر ایرانی نے ان کے فن طب میں تبحر کے پیش نظر انہیں "بو علی سینای ہند" کہا ہے۔ (تذکرہ کاملان رام پور ۴۶۔۴۷) ان کے والد کا لقب ملک الاطباء تھا (اکسیر اعظم۔ برگ اول)

ان کی بعض کتب پر ان کا لقب ناظم جہان بھی لکھا ہوا ہے۔ (اکسیر اعظم، سرورق) حکیم اعظم خان کی طبی تالیفات کا مختصر تعارف حسبِ ذیل ہے:

ا۔ اکسیرِ اعظم

یہ کتاب فارسی نثر میں چار ضخیم اور قطع کلاں میں طبع ہوئی ہے۔

لکھنو سے ۱۸۸۴ء (دوبار) ایک اور ایڈیشن ۱۲۸۶ھ بھی نظر سے گذرا ہے۔

پہلی جلد کے ۵۳۸، دوسری کے ۵۶۹ اور تیسری جلد کے ۴۷۷ صفحات ہیں۔ اس کی چوتھی جلد کانپور سے ۱۲۹۸ھ میں چھپی تھی۔

یہ کتاب معالجات پر ہے۔

جلد اول:

مقدمہ، منابع، شرح علامات و علاج بیماریہای مزاجی و سر و صورت و چشم و گوش و بینی، بیماریہای عصبی و روانی، اقسام مزاجہا۔۔۔ انقباض انف۔۔۔

جلد دوم:

بیماریہای لب و کنج دہن، صورت، دہان، زبان، حنک، دندان، مری، صفرا، حلق و حنجرہ، ریہ، قلب۔۔۔

جلد سوم:

بیماری ہای کبدی، مرارہ، طحال، امعاء، مقعد، کلیہ، مثانہ، اعضاء تناسلی، امراضِ صفاق، امراضِ رحم

جلد چہارم:

امراض ظہر واطراف، حمیات، اعراض تابع۔۔۔امراض جلد، امراض ظفر،۔۔۔ سموم۔۔۔۔ معدنیہ، نباتیہ، مشروبہ۔۔۔

خاتمہ۔۔۔ در بیان اوزان ادویہ، فہرست ادویہ در موقع نسخہ نویسی طبیب احتیاج داشتہ باشد۔۔۔

رموزِ اعظم:

یہ کتاب دو ضخیم جلدوں میں فارسی نثر میں ہے۔

جلد اول طبع دہلی ۱۹۲۵ء

یک مقدمہ، کلیات، امراض ومعالجاتِ آنہا

جلد دوم:

یہ جلد بھی دہلی سے ۱۳۴۳ھ میں چھپی تھی۔ مشتمل بر امراض ومعالجات آنہا

قرابادینِ اعظم:

یہ کتاب فارسی نثر میں مرکبات کے موضوع پر ہے اور حدود ۷۲۰ صفحات میں ۱۹۴۷ء سے قبل تین مرتبہ چھپ چکی ہے۔

حکیم اعظم خان کے پوتے حکیم محمد اکمل خان نے اس میں اضافات کر کے ایک ضمیمہ بنام قرابادین اعظم واکمل دہلی سے ۱۸۹۸ء میں شائع کی۔ جو ایک مقدمہ، فہرست ادویات، امراض کہ در قرابادین مسطور اند متن بہ ترتیب حروف تہجی۔۔۔ (فہرست کتابہای چاپی فارسی طبی ۶۰۸)

نیرّ اعظم:

یہ کتاب علم نبض شناسی کے موضوع پر ہے۔ فارسی نثر میں دہلی سے ۱۲۱۷ھ اور کانپور سے بھی ۱۲۹۸ھ میں طبع ہوئی۔

مقدمہ، فوائد متعلقہ بہ نبض،۔۔۔ نبض ہای امزجہ، اجناس، فصول و بلدان، ریاضت، استفراغات، استحمام و اغتسال، ماکول و مشروب، نوم و یقظہ، امراضِ نفسانی، مطلق اوجاع، امراضِ سر، امراضِ صدر، امراضِ قلب، معدہ، جگر، اعضای تناسل، پشت، نبض حمیات، بحران، اورام و شبورہ، امراضِ جلد، سمومات۔

(فہرست کتابہای چاپی طبی ۷۹۰۔۷۸۹)

رکنِ اعظم:

یہ کتاب بھی فارسی نثر میں ہے اور اس میں جسمانی بحران کا بیان ہے، دہلی سے ۱۲۸۱ھ میں طبع ہو چکی ہے۔

محیطِ اعظم:

یہ حکیم اعظم خان کی سب سے مشہور اور ضخیم کتاب ہے جو چار بڑی بڑی جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ علم مفردات پر ہے۔ حکماء اسے طب کے دائرۃ المعارف کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

اس کی چاروں جلدیں کانپور سے ۱۳۱۳ھ، میں طبع ہو کر نشر ہوئیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے فہرست کتابہای چاپی طبی ص ۷۰۰)

قسطاس الاعظم:

یہ طبی لغات ہے، جس کا خطی نسخہ دو ضخیم جلدوں میں حکیم محمد اکمل خان ساکن رام پور کے پاس ہے۔ (تذکرہ کاملان رام پور ۴۷)۔

مآخذ

۱۔ شوق، احمد علی خان: تذکرہ کاملانِ رام پور مرتبہ شعائر اللہ خان۔ پٹنہ ۱۹۸۶ء

۲۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۸ حیدر آباد دکن ۱۹۷۰ء

۳۔ محمود نجم آبادی: فہرست کتابہای چاپی فارسی طبی۔ تہران ۱۳۴۲ش

۴۔ مشار، خان بابا: فہرست کتابہای چاپی فارسی۔ تہران ۱۳۵۲ش

۵۔ Buckland, C.E: Dictionary of Indian Biography, London, 1960

۱۳ اپریل ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ ادبیات فارسی شبہ۔ قارہ، تہران

مولانا احمد شاہ رضوانی پشاوری

قاضی میر احمد شاہ رضوانی پشاوری، ہندوستان کے برطانوی عہد حکومت کے ایک تذکرہ نویس، شاعر اور صوفی تھے۔ ان کے والد قاضی میر اخوند عبد الغفور صاحب سوات کے خلیفہ تھے۔

میر احمد رضوانی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی پھر اکبر پورہ تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور جسے ان کا مولد ہونے کا شرف حاصل ہے چلے گئے اکبر پورہ میں ان کی ولادت ۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۰ء میں ہوئی تھی۔ مزید تعلیم کے لیے چھچھ ہزارہ، پنجاب اور خراسان کا سفر کیا۔

۱۸۷۵ء میں لاہور گئے جہاں مختصر مدت میں مولوی عالم، منشی فاضل، مولوی فاضل، طب، قانون اور ریاضی کی سندیں حاصل کر لیں۔ انعام اور تمغہ بھی پایا۔

۱۸۷۹ء میں نورمل کالج امرتسر میں علوم شرقیہ کے استاد مقرر کیے گئے اور تقریباً چار سال تک یہ فرائض انجام دیتے رہے۔

۱۸۸۳ء کے آغاز میں وائٹ کنگ (سیکریٹری فنانس کمشنر پنجاب) نے انہیں اپنا اتالیق مقرر کیا۔ اور ان کے ہمراہ طویل دورہ بھی کیا اس ہمراہی میں موصوف سیکریٹری کو پڑھاتے رہے۔ یہ سفر پنجاب، سرحد، افغانستان، راجپوتانہ، میسور، مالوہ، مدراس، بنگال اور کشمیر وغیرہ کا تھا۔ کلکتہ میں عربی، فارسی اور اُردو کی اعلیٰ ڈگریاں حاصل کیں۔ ۱۸۸۸ء میں واپس اپنے مستقر میں آئے یہ مسافرت تقریباً ۱۴ سال کی تھی۔

۲۹ سال کی عمر میں نورمل سکول راولپنڈی میں نومبر ۱۸۸۸ء تا ۱۸۹۲ء تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس سال یعنی ۱۸۹۶ء کو سنٹرل ماڈل سکول میں بحیثیت استاد تقرر ہوا جہاں تقریباً سات سال تک ملازمت کی۔

۹ نومبر ۱۹۰۱ء کو قیصر ہند کی سالگرہ کی تقریب میں ان کو "شمس العلماء" کا خطاب مع خلعت اور ایک تمغہ بھی ملا۔

۴جولائی ۱۹۰۳ء کو سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں اورینٹل ٹیچر (استادِ علوم شرقیہ) مقرر ہوئے۔

۱۴اکتوبر ۱۹۰۵ء تا ۹جولائی ۱۹۰۶ء آپ پنجاب ٹیکسٹ بک رویژن کمیٹی میں ملازم ہوئے اور اپنے فرائض ادا کیے۔

تالیفات:

۱۔ میر احمد رضوانی کی تالیفات میں سے سب سے اہم کتاب تحفۃ الاولیاء ہے جو صوبہ سرحد کے مشہور صوفی اخون پنجو پشاوری (ف ۱۰۴۰ھ / ۳۱۔ ۱۶۳۰ء) کے حالات، مناقب اور ان کے خلفاء کے احوال پر فارسی نثر میں ہے کتاب کی نثر نہایت سادہ اور عام فہم ہے۔ یہ کتاب انہوں نے ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۵ء میں جب کہ اجمیر میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مزار پر معتکف تھے، لکھنے کا آغاز کیا۔ وہیں حضرت خواجہ کی شان میں عربی اور فارسی میں قصائد لکھے جو اس کتاب میں درج ہیں۔ اور یہ کتاب لاہور سے ۱۳۲۱ھ میں اس وقت شائع ہوئی جب آپ سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں علوم شرقیہ کے مدرسِ اعلیٰ تھے۔ (سرورق کتابِ مذکور)

۲۔ ریڈر جدید عربی گریجویئیٹ وبک گرائمر، برائے سیکنڈری سکولز

یہ نصابی کتب چار عدد ہیں جو آپ نے ۱۹۰۵ء اور ۱۹۰۶ء کے مابین مرتب کر کے شائع کروائیں۔ جبکہ آپ پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی میں اعادہ کرنے والی کمیٹی کے ممبر تھے۔

۳۔ دیوانِ اشعار:

میر احمد رضوانی کا مجموعۂ کلام ہے۔ جس میں عربی، فارسی اور اُردو کی منظومات ہیں۔ کلام میں روانی اور برجستگی پائی جاتی ہے۔ قصائد کا حصہ بھی قابلِ توجہ ہے۔ جس میں کئی اہم قطعاتِ تاریخ اور تاریخی قصائد بھی شامل ہیں۔

میر احمد شاہ رضوانی کی تالیفات کی تعداد حدود ۳۵ ہے لیکن دست بردِ زمانہ سے ان کے مسودات محفوظ نہیں رہ سکے۔ میر احمد رضوانی اوائل ۱۹۳۵ء میں فوت ہوئے۔

مآخذ

۱۔ رضوانی، میر احمد شاہ پشاوری: تحفۃ الاولیاء، لاہور، مطبع مفید عام ۱۳۲۱ھ

۲۔ امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء و مشائخ سرحد ۱۹۶۴ء۔ ۱۹۷۲ء

۳۔ قدوسی، اعجاز الحق: تذکرہ صوفیہ سرحد، لاہور ۱۹۶۶ء

۴۔ فائلز اینڈ رپورٹس سنٹرل ٹریننگ کالج، لاہور۔ مملوکہ دفتر کالج، لاہور

۵۔ فیوض الرحمن: علماء سرحد کی تصنیفی خدمات۔ لاہور (س۔ن)

۱۲۷ پریل ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ کشمیر قارہ

صوفیہ کرام

بابا رتن بن کرپال

بابا رتن ساتویں صدی ہجری کے ایک صوفی، محدث اور راویانِ حدیث میں سے تھے۔

بابا رتن بن کرپال بن رتن بتر مذی، ایک متنازعہ فیہ شخصیت ہیں نام کے اول میں بھی اختلاف بنے۔ رتن اور رطن دونوں طرح آیا ہے۔ (الاصابہ ۲/ ۲۷۵۳/ ۲۲۵) ان کی نسبت البترندی (Al-Badtrandi) ہے جو بتندہ سے ماخوذ ہے۔ جو ہندوستان کے شہروں میں سے ایک شہر ہے (تاج العروس ۹/ ۲۱۲) یہ شہر اب بٹھنڈہ (Bhatinda) کے نام سے معروف ہے۔ جو تحصیل گو بند گڑھ (Gobind garh) مشرقی پنجاب (ہندوستان) میں ہے۔ اسی شہر میں حاجی بابا رتن کی ولادت ہوئی (آئین اکبری ۲/ ۲۰۷)

بابا رتن کے متعلق متضاد بیانات ملتے ہیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک معمر ہندوستانی ولی تھے (القاموس، مادہ البترندی)، دوسری روایت ان کے صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہے، تیسری روایت ہندوؤں کی ہے جس میں انہیں ہندو ثابت کیا گیا ہے۔

صوفیہ کی کتابوں فصل الخطاب، لطائفِ اشرفی، نفحات الانس اور گلزارِ ابرار وغیرہ میں انہیں طبقۂ صوفیہ میں شمار کیا گیا ہے۔ بعض اکابر علماء و مشائخ نے ان سے ملاقات بھی کی تھی۔

خواجہ محمد پارسا بخاری (ف ۸۲۲ھ/ ۱۴۱۹ء) نے بابا رتن کے صحابی اور صوفی ہونے کی تصدیق کی ہے (فصل الخطاب ۲۳۱)، شیخ علاء الدولہ سمنانی (ف ۷۳۶ھ/ ۱۳۳۷ء) کو شیخ موسیٰ بن محلی صوفی کے واسطے سے بابا رتن سے روایت کرنے کی اجازت تھی (سلوۃ العاشقین ۲۹۷) شیخ رضی الدین علی لالہ غزنوی (ف ۶۴۲ھ/ ۱۲۴۴ء) ۶۲۰ھ/ ۱۲۲۳ء کو ہندوستان آئے تو بابا رتن سے ملاقات کی (گلزار ابرار ۲۶، نفحات الانس ص ۴۳۳)۔

شیخ اشرف جہانگیر سمنانی کے مکتوبات اور ملفوظات لطائفِ اشرفی (۱/ ۳۷۸) میں بابا رتن سے ملاقات کا ذکر ملتا ہے جو یقیناً الحاقی ہے کیوں کہ بابا رتن کی وفات کے بعد شیخ اشرف جہانگیر کی ولادت ہوئی تھی (حیاتِ اشرف جہانگیر ۱۲۶۔۱۱۶) گویا صوفیہ نے انہیں طبقۂ مشائخ میں شمار کیا ہے۔

دوسرا بیان بابا رتن کے صحابی ہونے کے بارے میں ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی تھی، غزوۂ خندق میں بھی حاضر تھے جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے لیے درازیِ عمر کی دعا کی، حضرت سیدہ فاطمہ کے نکاح کے وقت بھی موجود تھے اور ان سے احادیث بھی مروی ہیں۔ یہ احادیث "الرتنیات" کہلاتی ہیں۔ (تاج العروس، مادہ البترمذی، الاصابہ ۲/ ۲۲۵ و بہ بعد)

اس معاملہ میں بھی محدثین کی دو آراء ہیں اول تو محدثین نے ان کے صحابی رسول ہونے کی روایت کو محض افسانہ قرار دیا ہے کہ بابا رتن کا ذکر پہلی پانچ صدیوں تک کہیں نہیں ملتا، اچانک چھٹی صدی ہجری میں ان کی شہرت ہوگئی اور ان سے روایات بیان کی جانے لگیں اس سلسلے میں حافظ شمس الدین محمد ذہبی (ف ۷۴۸ھ) نے بابا رتن اور رتنیات کو من گھڑت اور افسانہ قرار دیا اور اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ "کسر وثن رتن" لکھ کر دلائل دیے ہیں (الذہبی و منہجہ ۱۳۔ ۲۱۴ سیر اعلام النبلاء ۲۲/ ۳۶۷) لیکن محدثین کے دوسرے طبقے نے حافظ ذہبی کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے ان کے وجود سے انکار نہیں کیا۔ البتہ ان مرویات و احادیث کو ضعیف اور وضعی قرار دیا ہے کہ ان کی وفات کے بعد یہ احادیث ان سے منسوب کر دی گئیں (الوافی بالوفیات ۱۴/ ۹۹۔ ۱۰۲، تاج العروس۔۔۔۔ مادہ البترمذی، مرقات۔۔۔۔ باب ۱۲۔۔۔۔)

جن اصحاب نے بابا رتن کو دیکھا اور ان سے روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں:

موسیٰ بن مجلی، حسن بن محمد حسینی خراسانی، کمال شیرازی، اسماعیل عارفی، ابو الفضل عثمان اربلی، داؤد بن اسعد، شریف علی بن محمد خراسانی ہروی، معمر ابو بکر مقدسی، ہمام جہر کندی (الاصابہ ۲/ ۲۲۶۔۔۔ و بہ بعد)

بابا رتن کے سالِ وفات میں اختلاف ہے۔ ۵۹۶ھ، ۶۰۸ھ، ۶۱۲ھ، ۷۰۰ھ اور ۷۰۹ھ بھی درج ہوا ہے، حافظ ذہبی نے ۶۳۲ھ/ ۱۲۳۵ء لکھا ہے (سیر اعلام النبلاء ۲۲/ ۳۶۸)

بابا رتن کی اولاد میں سے دو بیٹوں محمود اور عبداللہ (ہمانجا، الاصابہ ۲/ ۲۲۸) اور دونوں سے روایت بھی کی گئی ہے۔

بابا رتن کی مرویات کو کتابی صورت میں جمع کیا گیا تھا جس کا ایک نسخہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے دیکھا تھا جو ۷۰۱ھ کا مکتوبہ تھا ان احادیث کے راوی ابو الفتوح موسیٰ بن مجلی صوفی ہیں۔ شیخ موسیٰ صوفی کے مرتبہ مجموعہ میں سے تاج الدین محمد بن احمد خراسانی نے چالیس حدیثوں کا ایک انتخاب مرتب کیا تھا اس میں سے اٹھارہ حدیثیں الاصابہ میں شامل ہیں۔ یہ روایات شیعی اور علوی رجحانات کی مظہر ہیں (اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۱۰/ ۱۹۲) اس

کے خطی نسخے کتابخانہ ہای لائیڈن اور برلن وغیرہ میں موجود ہیں۔(عمانحا) یہی احادیث صاحب قاموس نے بابا رتن کے اصحاب سے سنی تھیں (قاموس، رواہ البترندی۔۔۔۔)

چہل حدیث کے اس انتخابی مجموعہ کا فارسی میں بھی ترجمہ ہوا تھا جس کے دو خطی نسخے پاکستان میں بھی موجود ہیں۔(فہرست مشترک ۳/ ۱۵۴۵)

ساتویں صدی ہجری میں مسلمانوں میں بابا رتن کے دعاوں کی خوب شہرت ہونے لگی۔ بعد میں ان کی باتوں کو افسانوی رنگ دے دیا گیا۔ مقامی روایت کے مطابق بابا رتن بٹھنڈے کے ہندو راجہ وینہ پال (Raja Vena Pal) کے وزیر تھے۔ شہاب الدین غوری (محمد بن سام) نے بٹھنڈے کا قلعہ فتح کیا (طبقاتِ ناصری ترجمہ وتعلیقات راورٹی ص ۱۱۸) تعلیقات ۴۵۷، ۳۶۰) تو بابا رتن نے غوری کا ساتھ دیا۔

دوسری مقامی روایت یہ ہے کہ بابا رتن کا اصل نام رتن ناتھ تھا وہ ایک سادھو (Sadho) اور فرقہ درشن (Darshan) سے تعلق رکھتے تھے۔۔۔۔ وفات کے بعد ان کی سادھی بنائی گئی چونکہ انہوں نے حرمین کا سفر کیا تھا اس لیے ناتھ (Nath) کی بجائے حاجی کہلائے اور ان کی سادھی کو خانقاہ بنا لیا گیا۔ بابا رتن کا معمول حبس دم کا تھا جس کی وہ باقاعدہ مشق کرواتے تھے۔ وہ گوگا (goga) میں بھی کمال رکھتے تھے۔ ہندوؤں کا یہ بھی خیال ہے کہ ہو سکتا ہے کہ بابا رتن اصل میں جوگی ہوں ان کی زندگی کے دورخ نظر آتے ہیں وہ ہندوؤں کے سامنے معمر جوگی اور مسلمانوں کے روبرو صحابی بن جاتے تھے۔

(Journal of the Punjab Historical Society, 2: 113)

بابا رتن کا مزار قصبہ بٹھنڈہ (Bhatinda) میں ہے جو اس وقت مشرقی پنجاب ہندوستان میں ہے (تذکرۃ المشائخ ۲۶۵) غوثی مانڈوی نے بابا رتن کا مزار جزیرہ سراندیپ میں بتایا ہے (گلزار ابرار ۲۷) جو دیگر تذکروں اور مقامی روایات کی روشنی میں درست نہیں ہے۔

بابا رتن کے مزار پر کچھ کتبات بھی ہیں۔ ایک کتبہ راجہ ٹوڈرمل (Todermal) کا مورخ ۱۰۰۲ھ دوسرا بدی چند (Badhichand) مورخ ۱۰۲۳ھ / تیسرا نواب جباری خان ۱۰۱۱ھ، چوتھا نواب شہداد خان مورخ ۱۱۳۱ھ، ایک کتبہ سنسکرت میں ہے اور آخری کتبہ پنجاب کے انگریز گورنر کا مورخ ۱۸۸۰ء ہے۔ سلطان شہاب الدین غوری کی طرف سے ایک وقف نامہ برای درگاہ بابا رتن بھی ہے جو خادموں کے لیے بطور مدد معاش دیا گیا تھا۔ اس میں بابا رتن کا سال وفات ۲۲۷ھ درج ہے۔(تذکرۃ المشائخ ۲۶۵۔۲۶۶)

پنجابی ادب میں بھی بابا رتن کا تذکرہ ملتا ہے ان کے گوگا (goga) داستان سے تعلق کی تفصیل کے لیے دیکھیے (Glossary of the Tribes and Carts of the Punjab 1/175)

ماخذ

۱۔ ابو الفضل، علامی: آئین اکبری، لکھنو، ۱۸۶۹ء

۲۔ ابن حجر عسقلانی: الاصابۃ فی تمیز الصحابہ، کلکتہ ۱۸۵۳ء چاپ عکسی بیروت (س ن)

۳۔ جامی، نور الدین عبد الرحمٰن: نفحات الانس مرتبہ محمود عابدی، تہران، ۱۳۷۰ش

۴۔ ذہبی، شمس الدین محمد: سیر اعلام النبلاء (ج ۲۲) مرتبہ بشار عواد معروف، بیروت، ۱۹۸۵ء

۵۔ زبیدی، محمد مرتضیٰ حسینی: تاج العروس بہ تحقیق عبد الستار احمد فراج، بیروت، ۱۹۷۱ء

۶۔ سمنانی، علاء الدولہ: مصنفاتِ فارسی (رسالہ سلوۃ العاشقین وسکینۃ المشتاقین) مرتبہ نجیب مائل ہروی، تہران ۱۳۶۹ش

۷۔ صفدی، صلاح الدین: الوافی بالوفیات مرتبہ دیدرینگ (Dedering)، بیروت ۱۹۸۶ء

۸۔ غوثی، محمد بن حسن: اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار از فضل احمد، لاہور، ۱۳۹۵ھ

۹۔ گیلانی، مناظر حسن: ایک ہندوستانی صحابی بابا رتن ہندی کے حالات، دیو بند (س ن)

۱۰۔ محمد پارسا بخاری: فصل الخطاب، تاشکند، ۱۳۳۱ھ

۱۱۔ محمد شفیع لاہوری: رتن (بابا) حاجی ابو الرضا، مقالہ مشمولہ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور

۱۲۔ معروف، بشار عواد: الذہبی ومنہجہ فی کتابہ تاریخ الاسلام، قاہرہ، ۱۹۷۶ء

۱۳۔ مولا بخش: تذکرۃ المشائخ (آخرین فصل راجع بہ مدفونین بٹھنڈہ)، فیروز پور، ۱۸۸۷ء

۱۴۔ منزوی، احمد: فہرست مشترک، ج سوم اسلام آباد ۱۹۸۴ء

۱۵۔ نظام غریب یمنی: لطائف اشرفی، دہلی ۱۲۹۹ھ

۱۶۔ وحید اشرف: حیات سید اشرف جہانگیر سمنانی، کچھوچھہ ۱۹۷۵ء

16. Horsllitz, J: Baba Ratan Saint of Bhatinda, (Selection from Journal of Punjab Historical society), Lahrore, 1982. Vol.1

17. Ibbetson, Rose: Glossary of Tribes and castes of Punjab and North-West Frontier province, (rep) Lahore, 1978.

۸ نومبر ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ کشمیر قارہ

شیخ احمد زنجانی اور ان کا تذکرہ (تحفۃ الواصلین)

راقم الحروف عرصہ دراز سے زیبِ عنوان تذکرے کی تلاش میں ہے، لیکن تلاشِ بسیار کے باوجود ابھی تک کسی کتاب خانے کی فہرست میں اس کا ذکر میری نظر سے نہیں گذرا، بہت سے اربابِ علم و تحقیق سے بھی دریافت کیا، مگر کسی سے پتا نہ چلا، یہاں اس تذکرے کے سنہ تصنیف کے متعلق کچھ کہنا ہے، ممکن ہے اس کو پڑھنے کے بعد کوئی صاحب اس پر روشنی ڈال سکیں۔

رائے بہادر کنھیا لال اس تذکرے کی بابت لکھتے ہیں:

"شیخ احمد زنجانی نے رسالہ تحفۃ الواصلین ۴۳۵ھ عہدِ سلطان مسعود غزنوی میں بمقام لاہور اس شہر (لاہور) کے علماء و فضلاء کے حال میں لکھی ہے"[1]۔

کنھیا لال کے اس بیان پر بھروسا کرتے ہوئے، ڈاکٹر محمد باقر صاحب نے اس تذکرے کو ۴۳۵ھ کی تصنیف تسلیم کیا ہے[2]۔

تعجب ہے کہ ڈاکٹر محمد باقر صاحب نے اس بیان پر کس طرح اعتماد کر لیا، یہ بیان نہ صرف غیر تحقیقی بلکہ مضحکہ خیز ہے۔

کنھیا لال حضرت ذکی کے حالات کے زمرے میں لکھتے ہیں۔

"تحفۃ الواصلین میں لکھا ہے، کہ یہ بزرگ مغلوں کی لڑائی میں شہید ہوا تھا، اور اس دروازے (ذکی) کی حفاظت اس کے ذمے تھی"[3]۔

لاہور پہلی مرتبہ ۶۳۹ھ م ۱۲۴۱ء میں ملک معز الدین بہرام شاہ کے عہد میں منگولوں کی تاخت و تاراج کا نشانہ بنا، شہر پر قبضہ کرنے کے بعد انہوں نے مسلمانوں کو قتل و اسیر کیا، اس قتل و غارت میں وہ شہداء بھی شامل

---

1. تاریخ لاہور مطبوعہ وکٹوریہ پریس لاہور ۱۸۸۴ء
2. ملاحظہ ہو مقالہ "لاہور کی وجہ تسمیہ" در "نقوش" لاہور نمبر
3. تاریخ لاہور، ص ۱۶۷

ہیں، جن کی قبریں "مزارات شہید گنج" محلہ سادھواں میں واقعہ ہیں، ان کا ذکر بھی "تحفۃ الواصلین" میں موجود ہے[1]۔

"تحفۃ الواصلین" میں حضرت ذکی کی شہادت کا ذکر (قریباً ۶۳۹ھ) اس کی بین دلیل ہے کہ یہ تذکرہ ساتویں صدی ہجری کے بعد کی تصنیف ہے۔

لاہور کے مشہور محقق مفتی غلام سرور لاہوری نے جن کے پاس یہ تذکرہ موجود تھا، اپنی تصانیف میں جا بجا اس کا حوالہ دیا ہے، انہوں نے سید شیخ عزیز الدین مکی ثم لاہوری کے حالات تحفۃ الواصلین ہی سے نقل کیے ہیں، جن کی وفات ۶۱۲ھ میں ہوئی ہے[2]۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ تذکرہ ۶۱۲ھ کے بعد لکھا گیا، خزینۃ الاصفیاء ہی میں سید اسحاق گازرونی لاہوری کے حالات کے ضمن میں مفتی صاحب لکھتے ہیں۔

"ایں قطعہ درج رسالہ "تحفۃ الواصلین" است، قطعہ

سید اسحاق ولی کریم گشت چوزیں دہر بجنت مقیم
سال وصالش عجب آور ز دل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۷۸۶ھ

اس قطعہ کے "تحفۃ الواصلین" میں ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں آٹھویں صدی ہجری کے بزرگوں کا ذکر بھی موجود ہے، اس لیے اس کو ۴۳۵ھ کی تصنیف نہیں کہا جاسکتا، رہا یہ سوال کہ اس تذکرے کا مصنف کون ہے؟ اس باب میں کچھ کہنا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک اصل کتاب سامنے نہ ہو، عہد حاضر کے مشہور محقق جناب سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب میرے ایک استفسار کے جواب میں لکھتے ہیں،

"میرا اپنا خیال ہے کہ شیخ احمد زنجانی کی طرف یہ تصنیف منسوب کرنا صحیح نہیں"[4]

معارف، (دارالمصنفین، اعظم گڑھ) ج ۱۰۰ ش ۵ (نومبر ۱۹۶۷ء)

---

۱ ملاحظہ ہو طبقات ناصری (انگریزی) مترجم ایچ۔ جی۔ راورٹی، جلد اول ص ۱۵۵، سید یحییٰ سرہندی کی تاریخ مبارک شاہی ص [illegible] مطبوعہ کلکتہ ۱۹۳۱ء

۲ حدیقۃ الاولیاء، مفتی غلام سرور لاہوری ص ۱۵۲ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۸۷۷ء

۳ خزینۃ الاصفیاء، جلد دوم ص ۲۵۵

۴ مکتوب جناب صباح الدین عبدالرحمن بنام محمد اقبال مجددی، محررہ ۱۱ اپریل ۱۹۶۶ء

حضرت پیر بلخی

پیر بلخی ساتویں صدی ہجری کے ایک صوفی اور مجاہد بزرگ تھے۔

پیر بلخی کا اصل نام لاہور کی مقامی کتب تاریخ اور تذکروں میں مذکور نہیں ہے۔ خوارزم شاہی سلسلہ کا آخری فرمانروا سلطان جلال الدین مینکبرنی (۶۱۷ـ ۶۲۸ھ / ۱۲۲۰ـ۱۲۳۱ء) پیر بلخی کا معتقد تھا، چنگیز خان (۶۰۳ـ ۶۲۴ھ / ۱۲۰۶ـ ۱۲۲۷ء) نے جب خراسان اور افغانستان پر پے در پے حملے کر کے مسلمانوں کے ان علمی وروحانی مراکز کو نیست ونابود کر دیا تو پیر بلخی اپنے مستقر بلخ (افغانستان) سے ہجرت کر کے لاہور آ گئے۔ (تاریخ لاہور ۱۶۸)

لاہور میں بھی وہ حسب معمول عبادت وریاضت اور دعوت وارشاد میں معروف رہے۔ یہاں ان کی عوام میں بہت مقبولیت ہوئی۔ اس سے آگے لاہور کے مورخین نے ان کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ معاصر کتب تاریخ کی روشنی میں محض داستان گوئی معلوم ہوتی ہے، سلطان جلال الدین مینکبرنی چنگیز خان کے خوف سے چھپتا چھپاتا لاہور آ گیا تو چنگیز خان اس کے تعاقب میں لاہور پہنچا، سلطان وہاں سے فرار ہو کر دہلی چلا گیا، جب چنگیز خانیوں کو لاہور میں سلطان نہ ملا تو انہوں نے اس شہر پر حملہ کر کے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا اس وقت دہلی کی مرکزی حکومت نے فوج بھیج کر مقابلہ کیا مقامی لوگ بھی اس معرکے میں شریک ہوئے، پیر بلخی بھی اپنے مریدین سمیت کفار منگولوں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے (تاریخ لاہور ۱۶۸، حدیقۃ الاولیاء ۲۵۱)

لاہور کے عجائب گھر میں ایک ایسا کتبہ موجود ہے جو پیر بلخی کی لوحِ مزار معلوم ہوتا ہے۔ یہ کتبہ عربی زبان میں ہے جو نسخ آمیز کوفی خط میں ہے، کتبے کی مختصر سی عبارت اس طرح ہے:

"هذا مقبرة الشهيد الشيخ ابو المحامد الحسين بن محمد الحسين ابو بكر الذكرى البلخي رحمة اللّٰه و قد عاش ثمانية و تسعين سنة وفاته في يوم الجمعة التاسع من ذى الحجه وهى يوم عرفه من ثلثه و اربعين و ستمائية"

اس کتبے سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

ا۔ یہ ایک شہید کا مزار ہے۔

۲۔ ان کا نام ابوالمجاہد حسین تھا

۳۔ ان کے والد کا نام محمد حسین ابو بکر تھا۔

۴۔ ان کی نسبت ذکری بلخی ہے۔

۵۔ ان کی عمر بوقت شہادت ۹۸ سال تھی۔

۶۔ ان کی وفات (شہادت) ۹ ذی الحج ۶۴۳ھ کو ہوئی۔

۷۔ ان کا سالِ ولادت بحساب عمر ۵۴۵ = (۶۴۳ - ۹۸) ہے۔

اگر اس عہد کی معاصر کتب تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو اس کتبے کے مندرجات صحیح معلوم ہوتے ہیں۔

شہاب الدین نسوی سلطان مینکبرنی کا معاصر اور اُس کا سوانح نگار تھا اس کے بیان کے مطابق چنگیز خان سلطان مینکبرنی کا تعاقب کرتا ہوا۔ دریائے سندھ تک آیا تھا جو ۶۱۸ھ / ۱۲۲۱ء کا واقعہ ہے، وہاں سلطان کو شکست ہوئی اس میں سلطان کی فوج کو بہت نقصان اٹھانا پڑا، چنگیز خان وہیں سے واپس لوٹ جاتا ہے (سیرت جلال الدین مینکبرنی ۱۱۰۔ ۱۱۳) اس کتاب میں چنگیز خان کے لاہور پر حملہ آور ہونے کا سرے سے ذکر ہی موجود نہیں ہے، البتہ سلطان مینکبرنی کا لاہور پر قبضہ ہو جاتا ہے تو وہ اسے نقد خراج پر دینے کے وعدے پر چھوڑ کر واپس چلا جاتا ہے (ھانجا ۱۱۹۔ ۱۲۲)

گویا پیر بلخی لاہور میں چنگیزی حملے میں شہید نہیں ہوئے تھے بلکہ علاء الدین مسعود شاہ ۶۳۹۔ ۶۴۴ھ / ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۶ء کے عہد حکومت میں لاہور پر ہونے والے منگولوں کے حملوں میں ۶۴۳ھ / ۱۲۴۵ء کو شہید ہوئے اور یہی مذکورہ کتبے کے مطابق درست معلوم ہوتا ہے۔ شیر خان کے لاہور کا عامل مقرر ہونے کے بعد بھی یہ حملے جاری رہے تھے (Lahore, p. 15)، پیر بلخی کا مزار لاہور میں گزر رڑہ (Guzar Rarah) میں واقع ہے یہ

علاقہ آج کل کشمیری بازار کہلاتا ہے۔ مزار ایک کمرے کے اندر واقع ہے۔ جس پر چاروں طرف سبز رنگ کر دیا گیا ہے۔ دہلی دروازے سے سنہری مسجد کو جاتے ہوئے یہ مزار بائیں ہاتھ واقع ہے۔ اس سے قبل یہ مزار یقیناً وسیع و عریض تھا ۱۱۶۳ھ / ۱۷۴۹ء کو جب نواب سیّد بھکاری خان (S.Bhikari Khan) نے سنہری مسجد تعمیر کروائی تو مسجد کی زینت بڑھانے کے لیے اس نے بازار سیدھا کروایا (تاریخی مساجد لاہور ۱۰۴) تو پیر بلخی کا یہ مزار سر راہ آ گیا۔ مزار کا بہت سا حصہ توڑ کر گرا دیا گیا۔ صرف مزار رہنے دیا باقی ملحقہ عمارت گرا دی گئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس توڑ پھوڑ میں پیر بلخی کے مزار کا اصل اور قدیم کتبہ ادھر ادھر ہو گیا اور کسی نے اسے محفوظ رکھا اور جب لاہور میں عجائب گھر بنا تو یہ کتبہ یہاں پہنچ گیا جس پر مفصل بحث گذر چکی ہے۔

مآخذ

۱۔ چشتی، نور احمد: تحقیقاتِ چشتی، لاہور، ۱۸۶۸ء

۲۔ چغتائی، عبد اللہ: تاریخی مساجد لاہور، لاہور ۱۹۷۶ء

۳۔ غلام سرور لاہوری مفتی: حدیقۃ الاولیاء تحقیق و تعلیق، محمد اقبال مجددی، لاہور، ۱۹۷۶ء

۴۔ کنہیا لال: تاریخ لاہور، لاہور، ۱۸۸۴ء

۵۔ نامی، غلام دستگیر: بزرگانِ لاہور، لاہور، ۱۹۶۶ء

۶۔ نقوش لاہور نمبر، شمارہ ۹۲، فروری ۱۹۶۲ء

۷۔ نسوی، شہاب الدین محمد خرندزی زیدری: سیرت جلال الدین مینکبرنی ترجمہ فارسی از مترجم مجہول در قرن ہفتم ہجری بہ تصحیح مجتبیٰ مینوی، تہران، ۱۳۶۵ش

8- Muḥammad Latif: Lahore, its Hisotry, Architectural Remains, Lahore, 1892.

۲۴ جولائی ۱۹۹۸ء

برائی نوائشاسہ شبیہ قارہ

حضرت پیر مکّی لاہوری

شیخ عزیز الدین مکی ثم لاہوری ساتویں صدی ہجری کے ایک صوفی بزرگ اور مدرس تھے۔

شیخ عزیز الدین مکی کا تعلق سادات کے خانوادے سے تھا موصوف اکابر علماء وصوفیہ میں شمار ہوتے تھے۔ ان کے اجداد کا تعلق بخارا سے تھا۔ ان کا سلسلۂ طریقت صرف چند واسطوں سے شیخ جنید بغدادی (ف ۲۹۷ھ / ۹۱۰ء) سے ملتا ہے۔ بغداد سے حرمین الشریفین گئے اور وہاں بارہ سال تک قیام کیا، مکہ مکرمہ میں بیت اللہ میں معتکف رہے اور انہیں اس بنا پر پیر مکی کے خطاب سے پکارا گیا۔ عالم مکاشفہ میں انہیں ہندوستان جانے کا حکم ہوا (خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۲۵۵)

سلطان شہاب الدین غوری (حکومت در غزنہ ۵۶۹۔ ۵۹۹ و در ہند ۵۹۹۔ ۶۰۲ھ) کے ورود لاہور سے قبل پیر مکی لاہور پہنچ کر دعوت وارشاد میں مصروف ہو چکے تھے اور ان کی خاصی شہرت ہو گئی تھی۔ اس سلسلے میں لاہور کے مقامی مورخین نے سلطان شہاب الدین غوری کے ہندوستان پر حملوں کی جو تاریخیں دی ہیں وہ قیاسی اور غلط ہیں۔ جدید تحقیق کے مطابق سلطان غوری ملتان واوچ فتح کرتا ہوا ۵۷۴ھ / ۱۱۷۸ء کو گجرات پر حملہ آور ہوا لیکن اُسے یہاں شکست ہوئی اور وہ واپس غزنی چلا گیا۔ سندھ اور پنجاب پر اس وقت غزنوی سلطنت کا آخری حکمران تاج الدولہ خسرو ملک (۵۵۵۔ ۵۸۲ھ / ۱۱۶۰۔ ۱۱۸۶ء) حکومت کر رہا تھا۔ سلطان شہاب الدین غوری پشاور تک فتح کرتا ہوا ۵۷۶ھ / ۸۰۔ ۱۱۸۱ء کو لاہور پہنچا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ خسرو ملک میں مقابلہ کی تاب نہیں تھی اور وہ تنگ بھی آچکا تھا اس نے شیخ عزیز الدین پیر مکی کی خدمت میں جا کر دعاء کرنے کے لیے کہا پیر مکی نے جواب دیا کہ اس سال وہ واپس چلا جائے گا۔ اور تیری یعنی غزنوی حکومت مزید کچھ سال قائم رہے گی پھر اس پر تقدیر الٰہی سے غوری سلطنت کا غلبہ ہو جائے گا۔ (خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۲۵۶) چنانچہ ایسا ہی ہوا سلطان غوری کو لاہور میں کامیابی ہوئی اور اس نے خسرو ملک سے صلح کر لی اور اس کے خُرد سال فرزند کو بطور یرغمال غزنی لے گیا۔ (غوریان ۲۱۶)

اگلے سال سلطان غوری پھر ہندوستان پر حملہ آور ہوا اور اس نے دریائے سندھ تک قبضہ کر لیا۔ ۵۸۰ھ / ۱۱۸۴ء) کو پھر حملہ آور ہوا اور لاہور پر قبضہ کر کے خسرو ملک کو اپنے ساتھ غزنی لے گیا۔ اس طرح پیر مکی کی پیش گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی اور غزنوی سلطنت کو صرف پانچ سال مزید حکومت کرنے کی مہلت مل گئی۔ پھر سلطان غوری نے ۵۸۲ھ / ۱۱۸۶ء کو لاہور پر تیسرا حملہ کر کے اس پر مکمل قبضہ کر لیا۔ (غوریان ۲۱۵۔۲۱۶)

مفتی غلام سرور لاہوری نے سلطان غوری کے لاہور پر پہلے حملے کا سنہ ۵۷۴ھ / ۱۱۷۸ء دیا ہے جو صحیح نہیں ہے اس سنہ میں اُسے گجرات میں شکست ہوئی تو اور وہ آگے نہ بڑھ سکا تھا۔ (خزینۃ ۲ / ۲۵۶) اس طرح مورخین لاہور کے نوشتہ دیگر سنین بھی صحیح نہیں ہیں۔ محمد دین فوق نے جو سنین درج کیے ہیں ان میں بھی سقم ہیں۔ (نقوش لاہور نمبر ص ۱۷۰)

کنھیا لال (Konahia Lal) نے پیر مکی کا اصل نام جلال الدین لکھا ہے (تاریخ لاہور ۳۲۰) لیکن کسی ماخذ کا ذکر نہیں کیا جبکہ مفتی غلام سرور نے ایک قدیم تذکرہ تحفۃ الواصلین' کے حوالے سے ان کا نام عزیز الدین مکی بتایا ہے۔ (خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۲۵۵)

نور احمد چشتی نے اس سلسلے میں سب سے زیادہ بے خبری کا اظہار کیا ہے اور محض سماعی باتیں لکھ کر آگے بڑھ گئے ہیں اور تحفۃ الفقراء کے حوالے سے پیر مکی کا سالِ وفات ۱۰۴۸ھ / ۱۶۳۸ء درج کر دیا ہے (تحقیقاتِ چشتی ۶۰۶۔۶۰۷) گزشتہ مذکورہ واقعات کی روشنی میں نور احمد چشتی کا بیان بے بنیاد ہے۔ کہاں غزنوی اور غوری سلاطین اور کہاں ۱۰۴۸ھ شاہ جہان کا زمانہ۔

مفتی غلام سرور کا درج کردہ سالِ وفات ۶۱۲ھ / ۱۵۔۱۲۱۶ء سے زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے اور جب تک کوئی قدیم دستاویز یا ماخذ سامنے نہ آئے یہی سنہ وفات صحیح سمجھا جانا چاہیے (خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۲۵۶) گویا پیر مکی کا اگر ورودِ لاہور کا سنہ ۵۷۶ھ تسلیم کر لیا جائے تو وفات تک ان کے لاہور میں قیام کی مدت ۳۶ سال بنتی ہے۔ ان سالوں میں پیر مکی نے لاہور میں درس و تدریس اور دعوت و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھا اور صدہا طالبانِ خدا

تحفۃ الواصلین تالیف شیخ احمد زنجانی بسال آٹھویں صدی ہجری رک مقالہ مشمولہ کتاب حاضر بعنوان شیخ احمد زنجانی

آپ کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہوئے اور تعلیم و تربیت پا کر کامل ہوئے (خزینۃ الاصفیاء ۲/ ۲۵۶، تاریخ لاہور ۳۲۰، حدیقۃ الاولیاء ۱۸۹، بزرگانِ لاہور ۱۹۹، مدینۃ الاولیاء ۴۹۶، نقوش لاہور نمبر ۱۷۱)

سلطان شمس الدین التمش (۶۰۷۔ ۶۳۳ھ / ۱۲۱۱۔ ۱۲۳۶ء) کے زمانے میں لاہور اور سارے ہندوستان میں امن و امان قائم ہو گیا اور مفسدین دب گئے۔ اس کے عہد میں علماء و صوفیہ کا بڑی قدر و منزلت ہوئی تھی خود سلطان علماء و صوفیہ بہت معتقد تھا اسی عہد میں لاہور میں پیر مکی نے درس و تدریس اور دعوت و ارشاد کا مثالی مدرسہ قائم کیا اور صدہا اصحابِ علم نے علمی تشنگی بجھانے کے لیے اس مدرسے کی طرف رجوع کیا۔ (لاہور کے قدیم دینی مدارس ۲۵)

ان ایام میں پیر مکی کا مزار بیرون بھائی دروازہ پیر مکی روڈ پر ہے۔ آج ان کے وصال کو آٹھ سو سال ہو گئے ہیں لیکن زائرین کا ہجوم بدستور ہے۔

۱۹۴۴ء میں جب محمد دین فوق نے لاہور کے مزارات پر کتابچہ لکھا تو پیر مکی کے مزار کے کچھ قدیم آثار موجود تھے انہوں نے اس مزار کے واقعی عہد سلاطینِ دہلی میں تعمیر ہونے کا مشاہدہ کیا تھا (نقوش لاہور نمبر ۱۷۸)

مزار کا موجودہ انتظام محکمۂ اوقاف حکومتِ پنجاب کے ذمہ ہے۔ مقبرہ بہت عالی شان ہے۔ اور جدید فن تعمیر کے اعتبار سے بھی قابلِ ستائش ہے۔ اس میں مردانہ اور زنانہ حصے الگ الگ ہیں۔ مزار کے ساتھ ہی ایک مسجد بھی ہے۔ جس کی کچھ عرصہ ہوا توسیع کی گئی ہے۔ مقبرہ کا اندرونی حصہ زیب و زینت اور میناکاری کا بہتر نمونہ پیش کرتا ہے۔ قبر سنگ مرمر کی ہے۔ اس کے گرد لاہور کا قدیم قبرستان ہے۔ اس کی حدود میں ملا احمد ٹھٹھوی (مرتب تاریخ الفی) کی قبر بھی تھی جس کا اب کوئی نشان نہیں ملتا۔ انگریزوں نے اپنے عہد حکومت میں قبرستان کے بڑے حصے کو مسمار کر کے اسے گوروں کا قبرستان بنا دیا تھا جو اب تک موجود ہے۔ مزار پیر مکی کی حدود میں لاہور کے پہلوانوں کی بہت سی قبور ہیں۔

مآخذ

۱۔ پژواک، عتیق اللہ: غوریان، کابل ۱۳۴۵ش

۲۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنو، ۱۸۷۳ء

۳۔ ایضاً حدیقۃ الاولیاء تحقیق و تعلیق محمد اقبال مجددی، لاہور، ۱۹۷۶ء

۴۔ کلیم، محمد دین: مدینۃ الاولیاء، لاہور، ۱۳۹۶ھ

۵۔ ایضاً: لاہور کے قدیم مدارس، مشمولہ رسالہ عرفات لاہور ۱۹۸۱ء

۶۔ ایضاً: سوانح حیات پیر مکی لاہوری، لاہور، ۱۹۸۲ء

۷۔ کنھیا لال: تاریخ لاہور، لاہور، ۱۸۸۴ء

۸۔ نامی، غلام دستگیر: بزرگانِ لاہور، لاہور، ۱۹۶۶ء

۹۔ نقوش لاہور، نمبر، ش ۹۲، فروری ۱۹۶۲ء

۱۰۔ نور احمد چشتی: تحقیقاتِ چشتی، لاہور مطبع پیسہ اخبار، ۱۸۶۸ء

11- Muhammad Latif: Lahore, its History, Architectural Remains and…….. Lahore, 1892.

۱۹ جولائی ۱۹۹۸ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ بدیع الدین شاہ مدار

شاہ مدار نویں صدی ہجری کے نامور صوفی تھے۔

سید بدیع الدین نام، قطب المدار لقب، شاہ مدار عرف اور ابو تراب کنیت تھی (تذکرۃ المتقین ص ۳۸) شاہ مدار حسنی حسینی ساداتِ جعفریہ میں سے تھے ان کے والد سید علی حلبی بھی ایک عالم بزرگ تھے۔ شاہ مدار کی ولادت حلب (ملکِ شام) میں ۷۱۵ھ / ۱۵-۱۳۱۶ء کو ہوئی۔ (مرآۃ مداری ۴۹-الف)

حلب ہی میں تعلیم اور علم کیمیاوغیرہ سیکھا جوانی میں ہی سیر وسیاحت کے لیے چل پڑے، طویل سفر کیے آنحضرت ﷺ کے روحانی اشارے پر ہندوستان آئے، وہ اویسی المشرب تھے اور طریقۂ اویسیہ کو پاکستان وہند میں متعارف کروانے والے یہی بزرگ تھے۔ (ھانجا ۱۴-۱۵) معروف صوفی شیخ اشرف جہانگیر سمنانی شاہ مدار کے معاصر اور کئی اسفار میں ان کے ہم سفر تھے (لطائفِ اشرفی، لطیفہ ۱۲ ج اول)

شاہ مدار گجرات کے راستے ہندوستان آئے اجمیر پہنچ کر حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے عقیدت و مودت کا اظہار کیا۔ (مرآۃ مداری ۱۹-۲۰) اجمیر سے کالپی (Kalpi) گئے وہاں بھی قبول عام حاصل ہوا وہاں سے قنوج (Kanoj) میں داخل ہوئے تو خواص وعام نے استقبال کیا، مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری (ف ۷۸۵ھ / ۱۳۸۴ء) کے خلیفہ شیخ اخی جشید (۸۰۱ھ / ۱۳۸۹ء) نے بہت تکریم کی اور شاہ مدار نے قنوج کے مضافات میں طرح اقامت ڈال دی وہ قصبہ مکن پور (Makanpur) کہلاتا تھا۔ (ھانجا ۲۵)

شاہ مدار جونپور (Jaunpur) بھی گئے وہاں کچھ عرصہ قیام کیا وہاں کے معروف عالم قاضی شہاب الدین دولت آبادی (ف ۸۴۹ھ / ۱۴۴۵ء) کے ساتھ ان کے تعلقات ناخوشگوار ہوگئے، قاضی صاحب نے شاہ مدار سے مراسلت کی اور کئی اختلافی مسائل میں مباحثہ رہا، (دیارِ پورب میں علم اور علماء ۱۸۰-۱۸۱، نجات الرشید ۱۷۳) آخر شیخ اشرف جہانگیر سمنانی نے خود شاہ مدار کے پاس جاکر صلح کروائی (مرآۃ مداری ۳۵-الف) اس کے بعد قاضی

اور شاہ مدار کے مابین قریبی تعلقات کی ابتداء ہوئی اور قاضی ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ (حمانجا ۳۶۔ الف)

مشہور صوفی شیخ شرف الدین یحییٰ منیری (Muneri) (ف ۷۸۲ھ / ۱۳۸۰ء) نے عوارف المعارف شاہ مدار کی خدمت میں پڑھی (مرآۃ مداری ۳۰۔ الف) شاہ مدار کے تقریباً سترہ خلفاء پاکستان و ہند کے مختلف اضلاع میں مصروف کار رہے (حمانجا ۴۶) ان خلفاء میں سے قاضی شہاب قدوائی، قاضی مطہر، سیّد جمال الدین عرف سیّد جُمن (Jumman)، میر سیّد احمد جونپوری، جودن مداری، شیخ شمس الدین ثابت لکھنوی، شیخ بڈھن صدیقی بہرائچی، شاہ بھیکا قنوجی (مرآۃ مداری ۳۶۔ ۴۵) سیّد ابو محمد ارغون شاہ مدار کے جانشین ہوئے (تذکرۃ المتقین ۶۵۔ ۶۹) بعض دیگر خلفاء کے اسماء گلزارِ مدار اور سیر مدار میں ملاحظہ فرمایئے شیخ اشرف جہانگیر سمنانی نے بھی شاہ مدار سے خرقۂ خلافت حاصل کیا (لطائفِ اشرفی، لطیفہ ۱۴)

سلطان ابراہیم شرقی ۸۰۴۔ ۸۴۴ھ / ۱۴۰۱۔ ۱۴۴۰ء) شاہ مدار کا بہت عقیدت مند تھا کئی بار شاہ مدار سے ملاقات کے لیے آیا اور اصرار کر کے اپنے حدود مملکت میں قیام کے لیے کہا (مرآۃ مداری، ۳۶۔ الف، ۳۹۔ الف، ب)

شاہ مدار کے سالِ وفات میں اختلاف ہے شیخ عبدالرحمٰن چشتی نے بہ تحقیق ۱۸ جمادی الاول ۸۴۰ھ / ۱۴۳۶ء درج کیا ہے (مرآۃ مداری ۳۹۔ ا، ب)

شاہ مدار کا مزار مکن پور (Makanpur) واقع ۴۵ کلو میٹر از کانپور (Kanpur) میں ہے جسے سلطان ابراہیم شرقی مذکور کے ایک فرزند نے تعمیر کروایا تھا۔

(Sharqi Sultanate of Jaunpur, pp. 276-277)

ماخذ

۱۔ ابو الفضل، علامی: آئین اکبری، لکھنو، ۱۸۶۹ء

۲۔ اطہر مبارکپوری، قاضی: دیار پورب میں علم اور علماء، دہلی، ۱۹۷۹ء

۳۔ امیر حسن مداری: تذکرۃ المتقین، کانپور، ۱۳۲۹ھ

۴۔ بدایونی، عبد القادر: نجات الرشید مرتبہ معین الحق، لاہور ۱۹۷۱ء

۵۔ داراشکوہ: سفینۃ الاولیاء، لکھنؤ، ۱۹۰۰ء

۶۔ ظہیری، ظہیر احمد: سیر المدار، جلد اول لکھنو ۱۹۰۰ء، دوم بدایوں، ۱۹۲۰ء

۷۔ عبد الحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، دہلی ۱۳۳۲ھ

۸۔ عبد الرحمٰن چشتی: مرآۃ مداری، خطی مخزونہ نیشنل لائبریری۔ اسلام آباد

۹۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ، ۱۸۷۳ء

۱۰۔ غوثی، محمد مانڈوی: اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار از فضل احمد جیوری۔ لاہور، ۱۳۹۵ھ

۱۱۔ مائل، محمود علی: گلزارِ مدار عرف شمشیر بدیع، لاہور، ۱۹۷۲ء

۱۲۔ محمد سعید، میاں: تذکرہ مشائخ شیراز ہند جونپور، لاہور، ۱۹۸۵ء

۱۳۔ نظام غریب یمنی: لطائفِ اشرفی، دہلی، نصرت المطابع ۱۲۹۸ھ

۱۴۔ وحید اشرف: حیاتِ اشرف، کچھوچھہ، ۱۹۷۵ء

15- Muhammad Saeed: Sharqi Sultanate of Jaunpur, Karachi, 1972.

۱۲ / اکتوبر ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

مولوی امیر حسن مداری

مولوی محمد امیر حسن مداری چودھویں صدی ہجری کے ایک صوفی، عالم اور تذکرہ نویس تھے۔

محمد امیر حسن بن سیّد شاہ آخون قصبہ مکنپور (کانپور Cawnpur) سے چالیس میل کے فاصلے پر ایک موضع میکنپور Makanpur ہے)

وہ نسلاً فنصوری (Fansuri) تھے ان کے جد اعلیٰ سیّد ابو تراب فنصور (ف ۸۹۹ھ / ۱۴۹۴ء) شاہ مدار کے خلیفہ تھے انہی سے خاندانی نسبت کے باعث فنصوری کہلاتے تھے (تذکرۃ المتقین ۲۲۔۳۱)

مولوی امیر حسن نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سیّد شاہ آخون کی خدمت میں حاصل کی۔ پھر قصبہ مذکور میں شاہ مدار کی خانقاہ۔ ملحقہ مسجد و مدرسہ میں کچھ عرصہ پڑھا پھر سیّد شاہ فضل عظیم فنصوری کی خدمت میں رہ کر تحصیل کی۔ اس کے بعد انہیں سے سلسلہ مداریہ کے اشغال سیکھے۔ (ہمانجا ص ۳)

سیّد آل حسن معروف بہ اچھے میاں (AchyMian ف ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء) برادر کلاں شاہ فضل عظیم مذکور سے سلسلہ مداریہ میں بیعت ہوئے۔ (ہمانجا ص ۳)

مولوی امیر حسن کے والد سیّد حسین بخش عرف شاہ آخون بھی اسی سلسلۂ سے وابستہ تھے۔ گویا ان کا سلسلۂ طریقت مشہور صوفی اور سلسلہ مداریہ کے موسس شاہ مدار (ف ۸۴۰ھ / ۱۴۳۶ء، مراۃ مداری ۴۲) سے ملتا ہے۔ انہوں نے اپنا پورا شجرہ خود مرتب کیا ہے (تذکرۃ المتقین ص ۹۳)

امیر حسن مداری کے سنہ وفات کا ہمیں تاحال علم نہیں ہے ان کا سلسلہ شاہ مدار کے خلیفہ سیّد ابو محمد ملقب بہ خواجہ ارغون کی وساطت سے شاہ مدار سے واصل ہوتا ہے۔ اس لیے ان کا سلسلہ مداری ارغونی کہلاتا ہے (ہمانجا ۶۳)

امیر حسن مداری کو فارسی زبان وادب پر کس درجے کا عبور تھا اس کا اندازہ کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی زیادہ شواہد نہیں ہیں ان کی تالیفات میں سے صرف ایک کتاب تذکرۃ المتقین کا ہمیں علم ہے۔

تذکرۃ المتقین:

یہ سلسلہ مداریہ سے وابستہ علماء و مشائخ کا تذکرہ ہے۔ جو شاہ مدار (ف ۸۴۰ھ / ۱۴۳۶ء) موسس سلسلہ مداریہ کے حالات وتعلیمات سے شروع ہو کر مؤلف کے مرشد شاہ اچھے میاں اور مؤلف کے والد شاہ اخون (ف ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۳ء) تک کے صوفیہ کے حالات کا مرقع ہے۔ اس تذکرے سے بعض ایسے اصحاب کے حالات بھی معلوم ہوئے ہیں جن سے دیگر تذکرے خالی ہیں۔ مثلاً شیخ محمد لاہوری کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ شاہ مدار کے خلیفہ تھے۔ (تذکرۃ المتقین ۴۹)

کاکوری (Kakori) کے سلسلہ قلندریہ کے اصحاب بھی سلسلہ مداریہ سے وابستہ تھے (ہمانجا ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۵۸!)

دورِ آخر کے مشہور چشتی صوفی حاجی امداد مہاجر مکی (رک باں) اور مولانا احمد حسن کانپوری بھی سلسلہ مداریہ میں ارادت رکھتے تھے۔ (ہمانجا ۱۳، ۱۶۹)

اس تذکرے سے بعض تاریخی حالات کا بھی علم ہوتا ہے۔ خانقاہ شاہ مدار واقعہ ماکنپور (ضلع کانپور) میں سلاطین وامراء کی آمد اور مزار پر حاضری کے واقعات اور خانقاہ کے لیے وقف اراضی وغیرہ کے فرامین جو اس کتاب کی تالیف (۱۳۲۹ھ) تک موجود تھے سب کے متون بعینہٖ نقل کر کے محفوظ کر دیئے ہیں، ان فرامین میں اسلام شاہ سوری، ہمایوں، اکبر، اورنگ زیب عالمگیر، احمد شاہ درانی، نواب محمد خان، نواب اسد خان وغیرہ کے فرامین قابل توجہ ہیں۔ (تذکرۃ المتقین ص ۱۸۸ تا ۲۱۰)

اس تذکرے کے مآخذ کی فہرست خاصی طویل ہے چند غیر معروف اسماء حسب ذیل ہیں:

ملفوظات سید ابو محمد ارغون، ملفوظات سید ابو تراب منصور، مکتوبات قاضی مطہر، مکتوبات قاضی حمید الدین ناگوری، ملفوظاتِ شاہ مدار، رسالہ حالیہ مؤلفہ قاضی محمود، رسالہ مولوی عبد الباسط قنوجی، ملفوظات شیخ معین الدین، مکتوبات مولانا فخر الدین صوفی، بحر المعارف، مکتوبات شاہ بو علی مدنی، مخزن الاسرار، نور الاخیار فی مناقب

قطب المدار، شوارق الولایت (مؤلفہ ملا وجدی)، خزینۃ الابرار مؤلفہ قاضی مسعود شبابی، مکتوبات مولانا ظہور الاسلام، کنز الحقیقۃ۔۔۔۔۔ (تذکرۃ المتقین ص ا)

تذکرۃ المتقین فارسی نثر میں ہے جا بجا اشعار بھی نقل کیے ہیں زبان بہت سادہ اور عام فہم ہے۔ یہ تذکرہ کانپور سے مطبع قیومی میں ۱۳۲۹ھ کو طبع ہوا۔ جسے مؤلف نے خود بڑے اہتمام اور تصحیح سے شائع کروایا۔

مؤلف نے آخر کتاب میں ایک اعلان کے ذریعہ یہ اطلاع دی ہے کہ وہ اس تذکرے کا ایک اور حصہ بھی لکھیں گے جس میں اس سلسلہ کے اذکار، اشغال اور اُدعیہ ہوں گی لیکن تاحال ہمیں اس کا بھی مذکورہ حصہ ہی دستیاب ہوا ہے حصہ دوم کی طباعت کا علم نہیں ہے۔

مآخذ

۱۔ امیر حسن مداری: تذکرۃ المتقین، کانپور، مطبع قیومی ۱۳۲۹ھ

۲۔ عبدالرحمٰن چشتی: ثواقب الانوار لطالع قطب المدار اُردو ترجمہ مرآۃ مداری از محمد عبدالرشید ظہور الاسلام فرخ آبادی، فرخ آباد ۱۹۱۰ء

۳۔ منزوی، احمد: فہرست مشترک ج ۱۲، اسلام آباد ۱۹۹۱ء

4- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970.

۲۰ فروری ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

سلسلۂ چشتیہ

حضرت خواجہ جمال الدین احمد خطیب ہانسوی

شیخ جمال الدین احمد، شیخ فرید الدین گنج شکر (ف ۶۶۴ھ / ۱۲۶۵ء) کے نامور خلیفہ، معروف عالم اور چشتی سلسلہ کے صوفیہ میں سے تھے۔

شیخ جمال الدین کا تعلق پنجاب کے مشہور تاریخی قصبہ ہانسی (Hansi) سے تھا، آپ شیخ فرید الدین گنج شکر کے اولین خلفاء میں سے تھے، شیخ اور مرید کے مابین بڑی موانست تھی، حضرت گنج شکر ان کی محبت میں بارہ سال تک ہانسی میں رہے (سیر الاولیاء ۱۷۸، اخبار الاخیار ۶۷، گلزار ابرار ۵۴)، حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کوفی کی اولاد میں سے تھے (اخبار الاخیار ۶۷، گلزارِ ابرار ۵۴) شیخ جمال الدین بہت ذی علم بزرگ تھے ان سے کئی علمی حکایات و احادیث شیخ نظام الدین اولیاء (ف ۷۲۵ھ / ۱۳۲۵ء) نے اپنے ملفوظات میں روایت کی ہیں (فوائد الفواد ۷۸، ۹۱، ۹۲، جوامع الکلم ۲۳۳)۔

شیخ جمال الدین جو ایک بڑے خطیب بھی تھے حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر سے منسلک ہونے کے بعد مال و اسباب و خطابت سب کچھ ترک کر دیا اور ریاضت و مجاہدہ میں مصروف ہو گئے (اخبار الاخیار ۶۸) آپ سات مرتبہ ہانسی سے اپنے شیخ سے ملاقات کے لیے پاک پتن (اجودھن)(Ajodhan) گئے (فوائد الفواد ۱۷)

حضرت گنج شکر کے ساتھ محبت و خلوص کا یہ عالم تھا کہ آپ جس کو خلافت نامہ دیتے تو کہتے کہ اس کی تصدیق شیخ جمال الدین احمد سے کروالو۔ (سیر الاولیا ۱۷۹)

حضرت گنج شکر اکثر فرماتے تھے کہ "جمال جمالِ ماست" (ایضاً ۱۷۸) ایک مرتبہ معروف شیخ طریقت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے حضرت گنج شکر سے کہا کہ میرے سارے مرید لے لو اور شیخ جمال الدین ہانسوی مجھے دے دو، لیکن شیخ نے انکار کر دیا (گلزارِ ابرار ۵۴)

شیخ جمال الدین احمد کا سالِ وصال معلوم نہیں ہے اور نہ ہی معاصر و قریب العہد تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے، ان کا تعلق ساتویں صدی ہجری سے تھا، شیخ جمال الدین اپنے شیخ حضرت گنج شکر کے وصال ۶۶۴ھ / ۱۲۶۵ء

سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے (سیر الاولیاء ۱۸۲۔۱۸۳)، حدود ۶۵۹ھ / ۱۲۶۰ء کو (خزینۃ الاصفیا ا/۲۸۶) ان کا مزار ہانسی میں ہے۔

شیخ جمال الدین احمد کے دو فرزند تھے اول مجذوب تھے اور دوسرے مولانا برہان الدین صوفی اپنے والد کے وصال کے وقت جواں سال تھے لیکن اس کے باوجود حضرت گنج شکر نے انہیں خلافت سے نوازا اور شیخ نظام الدین اولیا کی خدمت میں رہنے کی ہدایت کی۔ (سیر الاولیا ۱۸۳)

معروف شیخ طریقت شیخ قطب الدین منور (ف ۷۶۰ھ / ۱۳۵۸ء) انہی مولانا برہان الدین صوفی کے صاحبزادے تھے، جن کی خانقاہ ہانسی میں مرجع خلائق اور عوام کی رشد و ہدایت کا منبع تھی، سلطان محمد بن تغلق (۷۲۵۔۷۵۲ھ / ۱۳۳۵۔۱۳۵۱ء) نے دو گاؤں (Doganun) کا علاقہ بطور مدد معاش ان کو دیا جو انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا (سیر الاولیاء ۲۵۰۔۲۵۱) سلطان ہانسی گیا تو انہیں اپنے دربار میں طلب کیا، پھر دہلی حاضر ہونے کا حکم دیا، ملاقات ہونے پر بادشاہ ان سے متاثر ہوا اور انہیں ایک لاکھ تنکہ بطورِ نذر بھیجا، شیخ نے ان میں سے صرف دو ہزار رکھ لیے باقی واپس کر دیئے (ایضاً ۲۵۵، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ۳۷۰۔۳۷۲) شیخ قطب الدین منور کے ایک فرزند نور الدین بھی تھے جو سلطان سے ملاقات کے وقت ان کے ہمراہ تھے۔ (ایضاً ۳۷۱)

شیخ جمال الدین احمد ہانسوی کی ایک عربی تصنیف ملہمات ہے جو صوفیانہ اقوال اور نصائح پر مشتمل ہے۔ ہر قول "یا احمد" سے شروع ہوتا ہے۔ یہ کتاب ۱۳۰۶ھ کو الور سے پھر دہلی سے ۱۸۹۱ء میں طبع ہوئی، تیسرا ایڈیشن مع احوال و آثار سردار علی احمد نے مرتب کیا جو لاہور سے ۱۹۸۵ء کو طبع ہوا۔

شیخ جمال الدین فارسی کے شاعر بھی تھے اور جمال تخلص کرتے تھے، موصوف صاحب دیوان شاعر تھے آپ کا دیوان دو ضخیم جلدوں میں مطبع چشمۂ فیض، دہلی سے ۱۸۸۹ء میں طبع ہوا تھا۔ جلد اول غزلیات اور دوم رباعیات و قطعات پر مشتمل ہے۔ اس دیوان کا ایک عمدہ خطی نسخہ اپسالہ یونیورسٹی (University of Uppsala) میں محفوظ ہے۔ (Life and Times of Sh. Farid ud din p 70)

صاحب ہفت اقلیم نے ہانسی کے اکابر کا تذکرہ کرتے ہوئے شیخ جمال الدین خطیب کا بھی ذکر کیا ہے (۱/۳۴۹)، شعراء کے دوسرے تذکروں میں سے مؤلف مخزن الغرائب (۱/۵۰۱) اور مؤلف روز روشن (ص ۱۷۹) نے شیخ جمال کے کلام کا نمونہ بھی دیا ہے۔

مآخذ

۱۔ امین احمد رازی: ہفت اقلیم، بتصحیح جواد فاضل، تہران، (س ن)

۲۔ امیر خورد: سیر الاولیاء، دہلی، مطبع محب ہند، ۱۳۰۲ھ

۲۔ امیر حسن سجزی: فوائد الفواد، مرتبہ محمد لطیف، لاہور، ۱۹۶۶ء

۳۔ جمال، جمال الدین احمد ہانسوی: ملہمات، الور، مطبع یوسفی، ۱۳۰۶ھ

۴۔ ایضاً: دیوان قطب جمال الدین، دہلی، مطبع چشمہ فیض، ۱۸۸۹ء

۵۔ جمالی، حامد بن فضل اللہ: سیر العارفین، ترجمہ محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۷۶ء

۶۔ خادم، احمد علی سندیلوی: مخزن الغرائب، مرتبہ محمد باقر، لاہور، ۱۹۶۸ء

۷۔ حمید شاعر قلندر: خیر المجالس (ملفوظات شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی) مرتبہ خلیق احمد نظامی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۱۹۵۹ء

۸۔ صبا، محمد مظفر حسین: روزِ روشن، تہران، ۱۳۴۳ش

۹۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، دہلی، مطبع مجتبائی، ۱۳۳۲ھ

۱۰۔ محمد اکبر حسینی: جوامع الکلم (ملفوظات خواجہ سیّد محمد گیسودراز، حیدر آباد دکن، ۱۳۵۶ھ

۱۱۔ نظامی، خلیق احمد: سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، دہلی، ندوۃ المصنفین، ۱۹۵۸ء

۱۲۔ ایضاً: تاریخ مشائخ چشت، دہلی، ادارۂ ادبیات دلی، ۱۹۸۰ء

۱۳۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنو، مطبع ثمر ہند، ۱۸۷۳ء

۱۴۔ غوثی مانڈوی: گلزار ابرار اُردو ترجمہ فضل احمد جیوری، لاہوری، ۱۳۵۹ھ

15- Nizami, K.A: Life and Times of Sh. Farid ud Din Ganj Shakar, Aligarah,1955

16- Ibid: Some Aspects of Religion and Politics in India During thinteenth century, Dehli 1974

17- Anjum, Tanwir: Chishti Sufis in the Sultanate of Dehli (1190-1400), Karachi, 2011

۱۲ اکتوبر ۲۰۰۳ء

برائی دانشنامہ گشہیہ قارہ

حضرت شیخ بدر الدین غزنوی

شیخ بدر الدین غزنوی ساتویں صدی ہجری کے اکابر صوفیہ میں سے تھے۔

شیخ بدر الدین کا تعلق افغانستان کے مردم خیز خطہ غزنی سے تھا۔ ان کے والد بھی ایک صوفی بزرگ تھے اور اس عہد کے معروف صوفی شیخ محمد اجمل شیرازی کے مرید تھے (سیر الاولیاء ۴۷)

ان کے اجداد اسی شہر سے تعلق رکھتے تھے۔ شیخ بدر الدین اپنے اہل وعیال کے ساتھ غزنی سے لاہور چلے آئے۔ جو ان دنوں بہت آباد اور بارونق تھا۔ (فوائد الفواد ۲۳۲، سیر الاولیاء ۲۷۴)

شیخ بدر الدین غزنوی لاہور میں زیادہ عرصہ نہیں رہے ان کا دل چاہا کہ واپس غزنی چلے جائیں اور کبھی دہلی جانے کا سوچتے تھے جہاں ان کا داماد رہتا تھا۔ آخر دہلی منتقل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ جب وہاں پہنچے تو خبر ملی کہ منگولوں نے غزنی کو تاخت وتاراج کر دیا ہے اور قتل عام میں ان کے والدین واقرباسب شہید ہو گئے ہیں (ہمانجا۔۔۔)

دہلی میں ان دنوں چشتی سلسلہ کے معروف شیخ طریقت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (ف ۶۳۳ھ / ۱۲۳۵ء) دعوت وارشاد میں معروف تھے، شیخ بدر الدین غزنوی بھی ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔ اور اپنے شیخ سے جب تک وہ زندہ رہے جدا نہ ہوئے (سیر الاولیاء ۶۱)

دہلی میں چشتی سلسلہ کی نشرو اشاعت کا کام خواجہ نظام الدین اولیاء اور شیخ بدر الدین غزنوی نے انجام دیا۔

سلطان شمس الدین التتمش (Altutmish) (۶۰۷۔۶۳۳ھ / ۱۲۱۱۔۱۲۳۶ء) کے عہد میں دہلی علماء ومشائخ کا مرجع بن گئی تھی لیکن اس کی وفات کے بعد علم پروری کا سلسلہ باقی نہ رہا، شیخ بدر الدین غزنوی خواجہ قطب الدین بختیار کے خلیفہ کی حیثیت سے بہت مقبول تو تھے ہی لیکن دہلی کے ان حالات میں جو سلطان کی وفات کے بعد پیدا ہو گئے تھے شیخ بدر الدین غزنوی اپنے آپ کو جادۂ توکل پر قائم نہ رکھ سکے اور جلد ہی نظام الدین خریطہ دار

(kharitahdar) سے منسلک ہو گئے جو چشتی بزرگوں کے طریقے کے خلاف تھا۔ اس نے شیخ کے لیے دہلی میں خانقاہ بنوائی جس میں شیخ کچھ عرصہ مصروف کار رہے لیکن جونہی خریطہ دار پر گرفت ہوئی تو خانقاہ کی مالی امداد بند ہو گئی جس سے شیخ پریشان ہو گئے۔(فوائد الفواد ۲۵۲ -Religion and Politics in India, pp.190 (91

چونکہ ان کا زیادہ وقت دہلی کی دعوتوں اور امرا کی صحبتوں میں صرف ہونے لگا تھا اس لیے سلسلہ چشتیہ کی نشر و اشاعت کا کام آگے نہ بڑھ سکا۔(فوائد الفواد ۲۵۳)

شیخ بدر الدین بڑے عالم اور واعظ تھے۔ دہلی میں ان کی مجلس وعظ میں شیخ فرید الدین گنج شکر، قاضی حمید الدین ناگوری، سید نور الدین مبارک غزنوی، مولانا مجد الدین اور قاضی منہاج سراج جوزجانی (مؤلف طبقاتِ ناصری) شریک ہوا کرتے تھے۔(سیر الاولیاء ۷۲،۳، آثار الکرام ۱۱، تاریخ مشائخ چشت ۱/ ۲۱۰، ذکر جمیع اولیاء دہلی ۱۹)۔

شیخ بدرالدین غزنوی کو شعر و سخن سے بھی لگاؤ تھا۔ اپنا دیوان بھی مرتب کروایا تھا۔(سیر الاولیاء ۲۵۱)
شیخ فارسی میں شعر کہتے تھے، خواجہ نظام الدین اولیاء اپنی مجالس میں شیخ کے اشعار پڑھا کرتے تھے، چند اشعار بھی نقل کیے ہیں (فوائد الفواد ۲۵۵ و بعد) لیکن ان کے دیوان کے کسی نسخے کا تا حال ہمیں علم نہیں ہے۔
شیخ بدر الدین سماع کے بہت دلدادہ تھے قاضی منہاج سراج جوزجانی کے ساتھ مجالس سماع میں وجد و حال کی کیفیاتِ کا تذکرہ ملتا ہے۔(سیر الاولیاء ص ۵۰۲، کلمات الصادقین ۲۹)
شیخ بدر الدین غزنوی نے ۶۵۷ھ / ۱۳۵۶ء کو انتقال کیا (خزینۃ الاصفیاء ۱/ ۲۸۵) اور اپنے شیخ خواجہ قطب الدین بختیار کی کے روضہ واقع دہلی میں دفن ہوئے (سیر الاولیاء ۱۶۶) تقریباً ایک سو سال عمر پائی (کلمات الصادقین ۲۹)

شیخ بدر الدین کے ایک خلیفہ شیخ امام الدین ابدال دہلوی تھے جو شیخ ضیاء الدین دہلوی کے خواہر زادے اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے ارادت مند تھے، خواجہ نظام الدین اولیاء کے ساتھ گہرے مراسم رکھتے تھے

کاسب ـــــ صد رہاں خورد کی نظام الدین خریطہ دار بدار حساب کشید دور مکر و فتوری پیدا شد ـــــ (فوائد الفواد ۲۵۴)

۷۸۰ھ / ۱۳۸۷ء کو انتقال ہوا (کلمات الصادقین ۳۱، مرآۃ الاسرار ۲۲۳۔الف) شیخ شہاب الدین عاشق، شیخ امام الدین ابدال کے خلیفہ تھے۔ شیخ عماد الدین دہلوی بھی شیخ امام الدین کے مرید تھے لیکن خرقۂ خلافت شیخ شہاب الدین عاشق سے ملا تھا (مرآۃ الاسرار ۲۲۳، گلزارِ ابرار ۲۴، ۱۲۴)

شیخ عماد الدین مذکور کے ایک خلیفہ تھے شیخ تاج الدین امام، انہوں نے سلسلۂ چشتیہ کی تاریخ پر ایک اہم کتاب "رسالہ حال خانوادہ چشت" کے نام سے لکھی اس میں اس سلسلے کے صوفیہ خصوصاً شیخ بدر الدین غزنوی سے لے کر شیخ عماد الدین تک کے حالات تحریر کیے ہیں اس کتاب کی اہمیت یہ ہے کہ یہ اس خانوادے کے ایک اہم فرد کی تالیف ہے جس کے پاس تمام تر معلومات موجود تھیں۔ اس رسالے کا ایک خطی نسخہ پروفیسر خلیق احمد نظامی (علی گڑھ) کے پاس ہے (تاریخ مشائخ چشت ۱/ ۲۱۲)

مآخذ

۱۔ آزاد، غلام علی بلگرامی: مآثر الکرام، آگرہ، ۱۹۱۰ء

۲۔ امیر خورد: سیر الاولیاء، اسلام آباد، ۱۹۷۸ء، و اُردو ترجمہ اعجاز الحق قدوسی، لاہور، ۱۹۸۰ء

۳۔ جمالی، حامد بن فضل اللہ، سیر العارفین ترجمہ و تحشیہ محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۷۶ء

۴۔ حبیب اللہ: ذکرِ جمیع اولیاء دہلی (۱۱۵۰ھ) مرتبہ شریف حسین قاسمی، ٹونک، ۱۹۸۸ء

۵۔ حسن، امیر حسن سجزی دہلوی: فوائد الفواد مرتبہ ملک محمد لطیف مع اُردو ترجمہ خواجہ حسن ثانی، دہلی، ۱۹۹۱ء

۶۔ حمید شاعر قلندر: خیر المجالس مرتبہ خلیق احمد نظامی، علی گڑھ، ۱۹۶۰ء

۷۔ عبد الحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، دہلی، ۱۳۳۲ھ

۸۔ عبد الرحمٰن چشتی: مرآۃ الاسرار، خطی مملوکہ مولوی محمد یعقوب فراحی، کوئٹہ، پاکستان

۹۔ عبد الحی حسنی: نزہۃ الخواطر، حیدر آباد، دکن، ۱۹۶۲ء

۱۰۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ، ۱۸۷۳ء

۱۱۔ غوثی، محمد مانڈوی: اذکارِ ابرار ترجمہ گلزارِ ابرار از فضل احمد جیوری، لاہور، ۱۳۹۵ھ

۱۲۔ محمد بلاق چشتی: روضۃ الاقطاب، دہلی، مطبع محب ہند (س۔ن)

۱۳۔ محمد صادق ہمدانی کشمیری: کلمات الصادقین مرتبہ محمد سلیم اختر، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء

۱۴۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت ج اول دہلی، ۱۹۸۰ء

۱۵۔ ایضاً: سلاطینِ دہلی کے مذہبی رجحانات، دہلی، ۱۹۵۸ء

۱۶۔ ایضاً: بدرالدین غزنوی، شیخ، مقالہ مشمولہ دانش نامۂ جہانِ اسلام۔ تہران، ۱۳۷۵ش

17- Nizami, K.A: Some Aspects of Religion and Politic in India, Dehli, 1974.

18- Anjum, Tanvir: Chishti Sufis in the Sultanate of Delhi, (1190-1400), Karachi, Oxford University Press, 2011.

۱۱ ر اکتوبر ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

مولانا شیخ بدر الدین اسحٰق اور آپ کی کتاب اسرار الاولیاء

اسرار الاولیاء شیخ فرید الدین گنج شکر (۵۷۱۔ ۶۶۴ھ / ۱۱۷۵۔ ۱۲۶۵ء) کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ جسے موصوف کے خلیفہ اور داماد مولانا بدر الدین اسحٰق نے جمع کیا۔

ملفوظات کے اس مجموعہ میں کل ۲۲ فصلیں ہیں:

فصلِ اول، سخن در ذکر اسرارِ عشق اولیاء

فصلِ دوم در احوال معبدانِ درویشان

فصلِ سوم سخن در علم لدنی

فصلِ چہارم سخن در ذکر توبہ و جز آں

فصلِ پنجم در ذکر خدمتِ بزرگان

فصلِ ششم سخن در ذکر توبہ، خرقہ و تلاوتِ قرآن

فصلِ ہفتم سخن در فضیلتِ سورۂ اخلاص

فصلِ ہشتم سخن در ذکر خرقۂ فقر

فصلِ نہم سخن در ذکرِ گلیم و صوف

فصلِ دہم سخن در ذکرِ محبت و جز آں

فصلِ یازدہم در ذکرِ خوف و توکل

فصلِ دوازدہم سخن در ذکر طاقہ

فصلِ سیزدہم سخن در ذکرِ درویشی

فصلِ چہاردہم سخن در ذکر محبت و عداوتِ دنیا

فصلِ پانزدہم سخن در ذکرِ عقیدۂ بزرگان

فصلِ شانزدہم سخن در ذکر رسیدن دست بزرگان

فصلِ ہفدہم سخن در ذکرِ ایں طائفہ

فصلِ ہژدہم سخن در ذکرِ علماء و مشائخ و جز آں

فصلِ نوزدہم سخن در امساکِ باران

فصلِ بستم سخن در کشف و کرامت

فصلِ بست و یکم سخن در ذکر تعظیم پیر

فصلِ بست و دوم سخن در ذکرِ رنج و مشقت

اس مجموعۂ ملفوظات میں بعض سنین بھی ملتے ہیں مثلاً پہلا ملفوظ ۱۸ شعبان ۶۳۱ھ کا ہے۔ اور اس میں ۶۴۳ھ تک سنہ ملتے ہیں یعنی اسی سال یہ مجموعہ مکمل ہو گیا۔

اسرار الاولیاء کے جامع مولانا بدر الدین اسحٰق بن علی بن اسحٰق دہلوی، دہلی کے ایک ذی علم بزرگ تھے انہوں نے مروجہ علوم کی تحصیل بطریق احسن کی تھی اور ذہن میں ایسے سوالات رکھتے تھے جن کا جواب ہندوستان کے علماء کے پاس نہیں تھا موصوف ان کے حل کے سلسلہ میں بخارا کے لیے رخت سفر باندھے جارہے تھے کہ اجودھن پہنچے جہاں خواجہ فرید الدین گنج شکر سے ملاقات ہوئی اور ان کے گرویدہ ہوگئے (سیر الاولیاء ۱۸۰۔۱۸۱) خواجہ کی خدمت میں رہے خلافت یاب ہوئے اور پھر دامادی کا شرف بھی ملا جماعت خانہ میں خدمت کے علاوہ شیخ فرید الدین کے دیے ہوئے خلافت ناموں کی تحریر و تیاری کا کام بھی ان کے سپرد تھا۔ (ایضاً ۱۷۵)

شیخ فرید الدین کی وفات کے بعد ان کے تعلقات شیخ بدر الدین سلیمان کے ساتھ اچھے نہیں رہے تھے۔ اس لیے موصوف اجودھن کی جامع مسجد میں منتقل ہوگئے جہاں۔ بچوں کو تعلیم دینے لگے۔ (ایضاً ۱۷۱۔۱۷۲)

شیخ بدر الدین اسحٰق نے عربی گرائمر کی ایک عالمانہ کتاب تصریفِ بدری کے نام سے لکھی تھی۔ (ایضاً ۱۸۳) خواجہ نظام الدین اولیاء کے پاس اس کا ایک ایسا نسخہ تھا جو بخطِ مؤلف تھا (نظامی، خلیق احمد: لائف اینڈ ٹائمز آف شیخ فرید الدین ۷۲)

شیخ بدر الدین اسحٰق کے انتقال کے بعد خواجہ نظام الدین اولیاء نے جنہیں ان سے بڑی محبت تھی اور خواجہ ان کا بڑا احترام کرتے تھے ان کے پس ماندگان کو دہلی بلالیا جہاں ان کے بچوں کی تعلیم و تربیت اپنی نگرانی میں کروائی (سیر الاولیاء ۱۸۸)

شیخ بدر الدین اسحٰق ۶۹۵ھ / ۱۲۹۶ء میں فوت ہوئے (خزینۃ الاصفیاء ۱/ ۳۲۰) اور اجودھن (پاک پتن) کی قدیم جامع مسجد کے صحن میں دفن ہوئے (اخبار الاخیار ۶۷)

حقیقت یہ ہے اسرار الاولیاء کا شمار مشائخ چشت کے ملفوظات کے ان مجموعوں میں ہوتا ہے۔ جو غیر معتبر وضعی اور جعلی ہیں۔ خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی (ف ۷۵۷ھ / ۱۳۵۶ء) نے واضح الفاظ میں بتایا ہے کہ ہمارے مشائخ میں سے کسی نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی۔ (خیر المجالس ۵۲) اسی طرح اس سلسلہ کے معروف شیخ طریقت خواجہ سید محمد گیسو دراز بندہ نواز (ف ۸۲۵ھ / ۱۴۲۲ء) جب اجودھن پہنچے تو انہیں مولانا بدر الدین اسحٰق کا مرتب کردہ یہ مجموعۂ ملفوظات (اسرار الاولیاء) دکھایا گیا جسے دیکھ اور پڑھ کر آپ نے فرمایا کہ مولانا بدر الدین اسحٰق نے اس کو جمع نہیں کیا یہ محض "افترا" ہے۔ (جوامع الکلم ۱۳۴)

خواجہ گیسو دراز کی رائے سامنے آجانے کے بعد اس میں کلام کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ یہ ملفوظات محض وضعی ہیں۔ تاہم عہد حاضر کے بعض محققین نے اس بحث کو بہت طول دیا ہے جس کا خلاصہ ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

سیّد عبدالباری معنی اجمیری نے ۱۹۲۴ء میں خواجگان چشت کے ان وضعی مجموعوں پر شدید تنقید کر کے انہیں جعلی ثابت کیا (تاریخ السلف ۶۳۔۸۰)

پروفیسر محمد حبیب نے ۱۹۵۰ء میں اور پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ۱۹۵۵ء میں ان مجموعوں کو جعلی ثابت کیا۔ (لائف اینڈ ٹائمز آف شیخ فرید الدین ص ۱۱۸۔۱۲۰)

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی اور اخلاق احمد دہلوی نے بھی اس طرف توجہ دلائی (نقد ملفوظات اور آئینہ ملفوظات) اس طرح ۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۹ء تک صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم اس جعل سازی طرف توجہ دلاتے رہے لیکن تعجب ہے کہ انہوں نے ۱۹۵۰ء کے بعد اپنی رائے بدل لی اور معارف کے ذریعہ اور پھر بزم صوفیہ کے چوتھے ایڈیشن میں ان وضعی ملفوظات کے اصلی ہونے پر اصرار فرمانے لگے۔ (ص ۲، ۶۳۱۔۶۹۶) ان کے دلائل خاصے کمزور اور قیاسی نوعیت کے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ پروفیسر خلیق احمد نظامی کی رائے سب سے زیادہ وقیع ہے کہ خواجہ گیسو دراز کے اس قول کے سامنے آجانے کے بعد کہ اسرار الاولیاء کا شیخ فرید الدین گنج شکر اور مولانا بدر الدین اسحٰق سے انتساب محض افترا ہے۔ بحث کی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی اور اسرار الاولیاء کی طرف توجہ کرنا بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ (لائف اینڈ ٹائمز آف شیخ فرید الدین ۱۱۹)

اسرار الاولیاء کا فارسی متن کئی بار مطبع نولکشور سے چھپ چکا ہے اس کا اُردو ترجمہ بھی لاہور سے ملک فضل الدین نے شائع کیا تھا۔

مآخذ

۱۔ امیر حسن سجزی: فوائد الفواد (ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء) مرتبہ محمد لطیف ملک، لاہور ۱۹۶۶ء

۲۔ میر خورد کرمانی: سیر الاولیاء، دہلی ۱۳۰۲ھ

۳۔ نظام غریب یمنی: لطائفِ اشرفی، دہلی ۱۲۹۵ھ

۴۔ جمالی دہلوی: سیر العارفین، دہلی ۱۳۱۱ھ واُردو ترجمہ محمد ایوب قادری، لاہور ۱۹۸۴ء

۵۔ اکبر حسینی: جوامع الکلم (ملفوظات خواجہ گیسو دراز) حیدر آباد، دکن ۱۳۵۶ھ

۶۔ حمید شاعر قلندر: خیر المجالس (ملفوظات شیخ چراغ دہلی) مرتبہ خلیق احمد نظامی، علی گڑھ ۱۹۵۹ء

۷۔ بدر الدین اسحٰق: اسرار الاولیاء۔ نولکشور، لکھنو

۸۔ عبد الحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، دہلی ۱۳۳۲ھ

۹۔ علی اصغر: جواہر فریدی، لاہور ۱۸۸۴ء

۱۰۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، لکھنو ۱۲۷۵ھ

۱۱۔ معنی، عبد الباری اجمیری: تاریخ السلف، آگرہ ۱۳۴۳ھ

۱۲۔ فاروقی، نثار احمد: نقدِ ملفوظات، لاہور ۱۹۸۹ء

۱۳۔ اخلاق حسین دہلوی: آئینۂ ملفوظات، دہلی ۱۹۹۰ء

۱۴۔ صباح الدین عبد الرحمٰن: بزمِ صوفیہ، اعظم گڑھ، دار المصنفین ۱۹۸۴ء

15- Habib, M: Chishti Mystics Records of the Sultanate period, Medieval India, Quarterly, Aligarh, Vol.I no. 2, 1950 (oct)

16- Ibid: Politics and Society During the early Medieval period (collected works of Prof. Muhammad Habib) ed. K.A Nizami, Delhi, 1981.

17- Nizami, K.A: Life and Times of Sh. Farid-ud-din Ganj-i-Shakar, (rep) Lahore, 1980.

18- Lawrence, B: Notes from a Distent Flute, Tehran, 1978.

19- Anjum, Tanvir: Chishti Sufis in The Sultanate of Delhi, (1190-1400) Karachi, 2011.

جنوری ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

امیر خرد اور سیر الاولیاء

پاکستان وہند کے بیشتر مورخین ایرانی نظریہ تاریخ سے متاثر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کی تاریخوں میں صرف بادشاہوں کے حالات اور جنگی مہمات کی تفصیل ملتی ہے۔ عوام کی زندگی اور ان کے مسائل کی کہیں کوئی جھلک بھی دکھائی نہیں دیتی۔ مشائخ کے تذکرے، مکتوبات اور ملفوظات ہمارے تاریخی ماخذ کی اس تکلیف دہ کمی کو ایک حد تک پورا کر دیتے ہیں ان سے نہ صرف صوفیہ کی زندگی اور ان کے افکار و نظریات ہی پر روشنی نہیں پڑتی بلکہ اس دور کی ذہنی فضا، معاشی حالات، ادبی تحریکات اور سماجی رجحانات کا اندازہ بھی ہو جاتا ہے ان ماخذ میں عوام کے دلی جذبات، ان کی پوشیدہ آرزوئیں کشمکش حیات میں ان کی ہار جیت، ان کی مایوسیاں اور پریشانیاں سب ہی محفوظ ہو گئی ہیں، روزمرہ کی زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے مسئلے کے متعلق ان مشائخ سے رجوع کیا جاتا تھا۔ گویا ملفوظات میں جگہ جگہ اس نوعیت کے واقعات ملتے ہیں۔ جن سے اس دور کی بڑی دلچسپ تصویر ہمارے سامنے آجاتی ہے، تصوف کے اس لٹریچر کو غور سے پڑھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ پاکستان وہند میں تصوف کی تحریک کن حالات میں اور کن دائروں میں رہ کر آگے بڑھی اور اس نے کیا کیا نتائج پیدا کیے۔

بادشاہوں، شہزادوں اور امراء کی زندگی کے بعض گوشوں سے متعلق بھی اس لٹریچر میں دلچسپ معلومات ملتی ہیں۔ ان کے مشائخ و علماء سے روابط اور ان تعلقات کی نوعیت بھی معلوم ہو جاتی ہے جو سلاطین و مشائخ کے مابین تھے۔ دوسرے الفاظ میں سلاطین کے مذہبی رجحانات کا اندازہ صرف اسی لٹریچر سے ہی لگایا جاسکتا ہے۔

مختلف زبانوں کی نشو و نما میں جو کردار صوفیہ کرام نے ادا کیا ہے وہ شعراء سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ جس کی تفصیل تصوف کے اس لٹریچر سے ملے گی صوفیہ کرام نے عوامی زبانوں سے واقفیت پر خاص زور دیا ہے۔ اس کے بغیر ان کی تحریک عوام تک پہنچ ہی نہیں سکتی تھی۔

صوفیہ نے سماج کے صحت مند عناصر کو ابھارنے اور اخلاقی قدروں کی فضیلت دل نشین کرانے کے سلسلہ میں جو جدوجہد کی، احترام انسانیت کی تلقین، مساوات واخوت کی تعلیم، ترویج علم کی فکر، خدمتِ خلق کے لیے بے چینی کی تفصیلات ملفوظات کے ہر صفحے پر ملتی ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ کسی ملک (خصوصاً پاکستان وہند) کی کوئی سماجی تاریخ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی، جب تک صوفیہ کے تذکرے اور ملفوظات سے پورے طور پر استفادہ نہ کیا جائے[1]۔

خدا کا شکر ہے کہ عہد حاضر کے مورخین کو اس اہم مواد کی اہمیت معلوم ہو گئی ہے۔ اس باب میں جس جدید مورخ نے صوفیہ کے لٹریچر سے سب سے زیادہ استفادہ کیا ہے وہ جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی[2] ہیں، جنہوں نے کماحقہ اس کا بالاستیعاب مطالعہ کر کے مثبت نتائج اخذ کیے ہیں، جو عہد حاضر کے مورخین کے لیے خاصے قابلِ توجہ اور پرکشش ہیں، ان کی تقلید میں نہ صرف پاکستان وہند بلکہ یورپ میں بھی اس سے استفادہ کیا جانے لگا ہے۔

پاک وہند میں مشائخ کرام کے ملفوظات جمع کرنے کی تاریخ کا آغاز ۷۰۷ھ / ۱۳۰۷ء میں فوائد الفواد (ملفوظات حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ) سے ہوا۔ امیر حسن سجزی رحمۃ اللہ علیہ کے اس کامیاب تجربے نے دوسرے معاصرین کو اس طرف متوجہ کیا۔ اور اُچ سے لے کر مُنیرؔ (بہار) تک ملفوظات کی ترتیب وتدوین کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ گویا رفتہ رفتہ ملفوظ نویسی خانقاہی نظام تعلیم وتربیت کا ایک اہم جز بن گئی[3]۔

ملفوظات کے بعد پاک وہند میں مشائخ کے جو باقاعدہ تذکرے لکھے گئے ان کا آغاز مولانا محمد بن مبارک کرمانی کے تذکرہ سیر الاولیاء سے ہوتا ہے اس کے بعد عرصہ تک جو تذکرے مرتب ہوتے رہے ان کے مصنفین نے انہیں فقط ایک سلسلہ طریقت کے مشائخ کے حالات پر مرکوز کیے رکھا۔ پھر حدود ۸۳۰ھ / ۱۴۲۶ء میں

---

[1] نظامی، خلیق احمد: "ملفوظات کی تاریخی اہمیت" مقالہ مشمولہ نذر عرشی۔ مطبوعہ دہلی ۱۹۶۵ء، ص ۳۳۵ تا ۲۲۷۔ یہ تمام معلومات (بہ تغیر قلیل) اسی گراں بہا مقالہ سے ماخوذ ہیں۔

[2] پروفیسر خلیق احمد نظامی مدظلہ کا تعلق مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (بھارت) سے ہے۔ موصوف متعدد تحقیقی تالیفات کے مالک ہیں۔ ان میں سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، تاریخ مشائخ چشت، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، خیر المجالس (تحقیقی وتنقیدی متن فارسی)، بابا فرید (انگریزی) اور ان پر اردو وانگریزی میں متعدد تحقیقی مقالات بھی موصوف شائع کر چکے ہیں۔

[3] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو خلیق احمد نظامی صاحب کا مذکورہ مقالہ "ملفوظات کی تاریخی اہمیت"

لطائفِ اشرفی (ملفوظات و حالات حضرت سیّد اشرف جہانگیر سمنائیؒ) میں ایک مستقل باب کے ذریعہ تمام مروجہ سلاسل کے صوفیہ کے حالات لکھ کر متعارف کرایا گیا۔ جس سے پاکستان وہند کی تاریخ میں عمومی تذکرہ نویسی کا آغاز ہوا۔ جس کا پہلا نقش مولانا جمالی کی سیر العارفین (حدود سے ۹۳۷ھ / ۱۵۳۰ء) کی صورت میں ابھرا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے تو اخبار الاخیار (۹۹۹ھ / ۱۵۹۰ء) لکھ کر تذکرہ نویسی کے حق میں جس انقلاب، تبدل، تجدّد اور تحقیق کی طرح ڈالی، اس سے اس علم کو باقاعدہ سائنسی علم کا درجہ حاصل ہو گیا۔

آیئے اس پس منظر میں کتاب حاضر یعنی سیر الاولیاء کی اہمیت و افادیت کی ایک جھلک ان اوراق میں دیکھیں۔

امیر خورد

سیر الاولیاء کے مؤلف کی حیثیت سے دنیائے تصوف میں نیک نامی اور شہرت رکھتے ہیں لیکن افسوس کہ تذکرہ نویسوں نے ان کے حالات محفوظ کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ سیر الاولیاء میں مختلف مقامات پر اپنے بارے میں جو اشارات ملتے ہیں ہم انہیں یک جا کر کے ان کی زندگی کا خاکہ قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

امیر خورد نے لکھا ہے:

"کاتب حروف بندہ و بندہ زادہ و پدر وجدِ ایں بندہ در سلکِ خدمت گارانِ این مشائخ کبار منسلک، بودہ اند و بہ نعمت دینی و دنیاوی از حضرتِ این پاکان مخصوص گشتہ اند"[1]

یعنی میں میرا بیٹا اور باپ دادا حضرت خواجہ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء (ف ۷۲۵ھ) کے خدمت گاروں میں سے تھے۔

فرماتے ہیں کہ جب میری ولادت ہوئی تو میرے جد پدر سیّد محمد کرمانی جو کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین میں سے تھے اور مولانا شمس الدین دامغانی جو کہ میرے نانا اور حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ہم سبق تھے، میرا نام تجویز کروانے کی غرض سے حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں

---

۱ امیر خورد، سیر الاولیاء، فارسی، مطبوعہ مطبع محب ہند دہلی ۱۳۰۲ھ، ص ۲۵۶۔۲۵۷

گئے۔ سیّد محمد کرمانی نے کہا کہ اس بچّہ کا نام آپ رکھیں۔ آپ نے قدرے تامل کے بعد فرمایا کہ میرا نام محمد ہے۔ اور ان کے دادا کا نام بھی محمد۔ اس لیے ہم اس خردسال کا نام محمد تجویز کرتے ہیں[1]۔

خود لکھتے ہیں کہ جب میں سنِ بلوغت کو پہنچا تو اپنی والدہ کی سعیِ جمیلہ اور جدِ مادر کی شفقت سے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوا:

"چوں بندہ بحد بلاغت رسید بسعی جمیلہ والدۂ بزرگوار رحم اللہ علیہا و بواسطہ شفقت جد مادر مولانا شمس الدین دامغانی رحمۃ اللہ علیہ بشرفِ ارادت حضرت سلطان المشائخ۔۔۔ بشرفِ گشت[2]"۔

مصنف جب حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے دو بھائی سیّد لقمان اور سیّد داؤد بھی ہمراہ تھے۔ مولانا شمس الدین نے حضرت خواجہ سے عرض کی کہ سیّد مبارک کے فرزندوں کو اپنے کے حلقۂ ارادت میں شامل کرلیں تو حضرت نے فرمایا کہ یہ میرے ہی فرزند ہیں:

"خدمتِ مولانا شمس الدین بندہ را با دو برادر سیّد لقمان و سیّد داؤد پیش برد۔۔۔ وذکر این بندگان مولانا شمس الدین بدین عبارت کرد کہ پسرانِ سیّد مبارک، دُعاگو زادگان مخدوم می خواہند کہ در سلکِ بندگان منسلک شوند و بہ شرفِ ارادت مشرف گردند حضرت سلطان المشائخ فرمود کہ مولانا مرا اینہا فرزندان اند[3]"

بیعت کے بعد حضرت نے ان کے سر پر کلاہ باندھا اس وقت حضرت پر گریہ اس قدر غالب تھا کہ انہیں تلقین نہ کرسکے۔ لیکن ان کا اصل مقصد اپنے آباد اجداد کی سنت کے مطابق حضرت کے سایۂ شفقت میں پرورش پانا تھا سو وہ انہیں حاصل ہوگیا، لکھتے ہیں:

---

1. حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کا پورا اسم گرامی اس طرح ہے۔ خواجہ محمد بن احمد بن خواجہ علی الحسینی البخاری بدایونی (ایضاً ص ۳۵۶)
2. ایضاً ص ۳۵۷
3. ایضاً ص ۳۵۷
4. ایضاً ص ۳۵۸

دستِ ارادت بندہ کمینہ راداد و کلاہ بر سر این بندہ نہاد فاما درین حالت حضرت سلطان المشائخ را گر یہ چنان غالب شد کہ تلقینے نہ کردند المقصود این بندہ در سایۂ دیوار سلطان المشائخ بر سنتِ آباواجداد پرورش می یافت"[1]

پرورش کا یہ زمانہ مصنف کا خاصا ابتدائے جوانی سے معلوم ہوتا ہے جبکہ وہ حضرت کی مجالس کے سخنان سمجھنے کا ادراک بھی نہیں رکھتے تھے، لکھتے ہیں:

"اگر چہ درک معانی در آں ایام چنداں نبود"[2]

مؤلف حضرت سلطان المشائخ کے مدرسہ میں معروف علماء سے علم حاصل کرتے رہے چنانچہ لکھتے ہیں:

"الغرض خدمت مولانا سراج الدین در کبر سن تعلم کرد و برابر کاتبِ حروف در آغاز تعلم میزان و تصرف و قواعد و مقدماتِ او تحقیق کرد۔۔۔۔ و پیش مولانا رکن الدین اندپتی برابر کاتبِ حروف کافیہ و مفصل و قدوری و مجمع البحرین تحقیق کرد و بمرتبۂ افادت رسید"[3]

دکن جانے سے پیشتر مؤلف سے کہا گیا کہ حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ سے بیعت کر لو تو مؤلف نے جواب دیا کہ میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ سے بیعت ہوں انہوں نے میرے سر پر کلاہ بھی باندھا تھا[4]۔ لیکن مؤلف اس وقت ان سے بیعت نہ ہوئے، بعد میں حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے۔

"مؤلف کے ایک معاصر و مستند تذکرہ نویس خواجہ نظام غریب یمنی لکھتے ہیں:

کہ در آوانِ جوانی و زمانِ عنفوانی بامور اشغالِ روزگار و اعمال دیار اشتغال نمودہ ہمدراں ہنگام از اعلیٰ مراتب جاہ و جلال اعراض کردہ طریق مجاہدہ و سبیل مشاہدہ سپردہ و بہ حضرت سلطان المشائخ شرف حضور یافتہ و از اصحابِ کبار و احبابِ نامدار مشارٌ الیہ و مومی الیہ گشتہ و خدمتی شائستہ و ملازمتی بائستہ ازوی برآمدہ"[5]

---

۱ ایضاً ص ۲۵۸

۲ ایضاً ص ۲۵۹

۳ ایضاً ص ۲۸۹

۴ ایضاً ص ۳۶۱

۵ نظام غریب یمنی: لطائف اشرفی مطبوعہ نصرت المطابع دہلی ۱۲۹۹ھ ص ۳۶۵

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی وفات کے بعد مؤلف نے حضرت خواجہ نظام الاولیاء کے بعد حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی سے تربیت حاصل کی:

> بعد ازو (وفات حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ) در خدمتِ خلفاء او بودہ واز شیخ نصیر الدین محمود تربیت یافتہ"[1]

مؤلف کے دیگر اعزہ بھی حضرت نظام الدین سے منسلک تھے۔ سیّد قطب الدین حسین کرمانی اور سیّد کمال الدین کرمانی انکے چچا تھے۔ جنہیں محمد بن تغلق نے مختلف عہدے دے کر مرکز سے منتشر کردیا[2]۔

سلسلۂ چشتیہ کے حضرات کو جب جبراً دہلی سے باہر مثلاً دکن وغیرہ بھیجا گیا تو صاحب سیر الاولیاء بھی دولت آباد میں نظر آتے ہیں[3]۔

پروفیسر محمد حبیب نے مؤلف کے پریشان کن بیانات سے اور غالباً ان کے نام کے ساتھ لفظ "امیر" کی مناسبت سے قیاس آرائی کی ہے کہ انہوں نے اپنے اجداد کی سنت کے خلاف بادشاہ کی ملازمت اختیار کرلی تھی، وہ لکھتے ہیں:

> "Whether my conclusion that Amir Khurd's sin consisted in entering government service be correct or not, he insists that he returned to Delhi in a condition of mental worry and distraction"[4].

نیز ان کا خیال ہے کہ مؤلف نے دکن سے پہلے خواجہ نصیر الدین محمود کے حلقۂ ارادت میں شامل ہونے سے انکار کردیا تھا[5]۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مؤلف نوجوانی میں دہلی سے دکن گئے تھے۔

---

۱ عبدالحق محدث دہلوی شیخ: اخبار الاخیار۔ مطبع ہاشمی میرٹھ ۱۲۷۸ھ ص ۹۰

۲ تفصیل کے لیے پروفیسر خلیق احمد نظامی کی کتاب سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات کا مطالعہ کرنا چاہیے ص ۳۶۱ تا ۳۶۲

۳ محمد حبیب پروفیسر: عہد سلاطین میں مشائخ چشت کے حالات۔ مقالہ مشمولہ میڈیول انڈیا علی گڑھ، اکتوبر ۱۹۵۰ء ص ۹

۴ ایضاً

۵ ایضاً ص ۷

سالِ وفات

مؤلف کی زندگی کا یہ وہ خاکہ ہے جو انہوں نے اپنی کتاب سیر الاولیاء میں خود پیش کیا ہے۔ اس کے بعد کی زندگی پر مکمل پردہ پڑا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ مؤلف کا سالِ وفات بھی کسی معاصر یا قریب العہد تذکرہ نویس نے نہیں لکھا۔ کم از کم حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار کے لیے جن مآخذ سے استفادہ کیا ہے وہ ان کے سالِ وفات سے خالی ہیں۔ صرف مفتی غلام سرور لاہوری مرحوم نے ایک نایاب کتاب شجرۂ چشتیہ کے حوالے سے جس کا سال تصنیف بھی ہمیں معلوم نہیں ہے، صاحب سیر الاولیاء کا سال وفات ۷۷۰ھ لکھا ہے[1] ایرانی فاضل سعید نفیسی نے ۱۳۴۴ش / ۱۹۶۵ء میں اپنی کتاب تاریخ نظم و نثر در ایران در زبانِ فارسی کی جلد دوم میں ایک تکملہ کا اضافہ کیا ہے جس میں مؤلف سیر الاولیاء کا مختصر حال بھی لکھا ہے[2]۔ ہمارا قیاس ہے کہ سعید نفیسی نے یہ حالات ستوری کی کتاب پرشین لٹریچر[3] سے بغیر حوالہ ترجمہ کر کے شامل کتاب کر لیے ہیں۔ ستوری نے اس باب میں[4] دو سنین ۷۱۱ھ اور ۷۷۰ھ لکھے ہیں لیکن دونوں سنین میں مرنے والوں کے نام کی بجائے

He died in 711/1311-12.........
...... He died in 770/1368-9..........

اب اگر سیاق و سباق کے ساتھ غور کیا جائے تو پہلے سال وفات سے مراد مؤلف کے والد سیّد مبارک اور آخر سنہ وفات خود صاحب سیر الاولیا کا ہے دونوں سنین میں چونکہ مرنے والوں کے نام درج نہیں تھے اس لیے نفیسی صاحب کو سہو ہو گیا اور انہوں نے موخر الذکر ۷۷۰ھ کو (جو غالباً طباعت کی غلطی سے ۷۹۰ھ بن گیا ہے) لایعنی طور پر حالات کے درمیان لکھ دیا اور ۷۱۱ھ کو مؤلف کا سالِ وفات سمجھ لیا۔

بحث کا حاصل یہ ہے کہ مفتی غلام سرور کا درج کردہ سالِ وفات ۷۷۰ھ نفیسی کے مقابلہ میں زیادہ معتبر ہے۔

---

۱ غلام سرور، مفتی لاہوری: خزینۃ الاصفیا ۱/۳۶۲

ستوری: پرشین لٹریچر سیکشن ۱، حصہ دوم ص ۹۳۳-۹۴۱

۲ سعید نفیسی: تاریخ نظم و نثر در ایران، جلد دوم [illegible]

۴ ستوری کی پرشین لٹریچر کا [illegible] حصہ ۱۹۵۳ء میں لندن سے شائع ہوا تھا اور نفیسی نے زیر بحث مجلد ۱۹۶۵ء میں لکھا۔

سیر الاولیاء

کتاب سیر الاولیا، دس ابواب پر مشتمل ہے۔ بابِ اوّل حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ تک اور باقی ابواب حضرت خواجہ کے خلفاء کے احوال وملفوظات سے مملو ہیں۔ بابِ ششم تا دہم میں تصوف کے مختلف امور پر بحث وتمحیص ہے۔ یہ کتاب مؤلف نے کس سنہ میں لکھنی شروع کی اور پایہ تکمیل تک کب پہنچی اس کا مؤلف نے کہیں ذکر نہیں کیا۔ تاہم انہوں نے لکھا ہے کہ اس کی تالیف کے وقت میری عمر پچاس سال تھی۔ لیکن یہ حتمی ہے کہ انہوں نے اس کی تالیف کا آغاز فیروز شاہ تغلق (۷۵۲ھ۔۷۹۰ھ، ۱۳۵۱ء۔۱۳۸۸ء) کے عہد میں کیا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ وفات ۷۷۰ھ تک اس میں اصلاح واضافہ کرتے رہے۔

آیئے ان مختصر تعارفی سطور کے بعد اس کا قدرے مفصل جائزہ لیں:

مشائخ چشت کے تذکروں اور ملفوظات میں سے فوائد الفواد یا درر نظامی اور خیر المجالس کے بعد سیر الاولیاء کو خاص اہمیت حاصل ہے، مشائخ چشت کے مختلف ادوار میں سے دور اول کی سب سے زیادہ تفصیلات اسی سیر الاولیاء میں ملتی ہیں۔ صوفیہ کے اکثر تذکرہ نگاروں نے اسے سند کے طور پر استعمال کیا ہے۔

معاصر اور قریب العہد تذکرہ نویسوں میں سے بعض کی آراء پیش کی جاتی ہیں۔

صاحب لطائفِ اشرفی جو حضرت اشرف جہانگیر سمنانی (متوفی حدود ۸۳۰ھ) کے ملفوظات پر مشتمل ہے اس کے جامع حضرت نظام غریب یمنی ہیں۔ اس میں انہوں نے سیر الاولیاء سے استفادہ کیا ہے اور اسے ملفوظات کے دوسرے مجموعوں پر ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ گم گشتگان کے لیے دل جمعی، مقصود کی رہنمائی کے لیے آئینہ اور معرفت کشائی کا جام ہے، لکھا ہے:

> الفاظِ متبرکہ واقوال متوثرہ را جامع آمدہ اگرچہ اکابر دیگر واماثر اصحاب ملفوظات شریف راجمع بہترین ازین دست ندادہ کہ مقبول ہمہ طوائف وماموِل ہمہ ظرائف شد وسبب ہدایت جمعی گم گشتگانِ بادیہ ضلالت وموجبِ رعایت زمرہ راہ نابردگانِ وادیۂ زلالت شدہ، بلکہ مقصد

اصحابِ عرفان و موجد اربابِ وجدان آمدہ آیند روی نمائی متصود و جامِ معرفت کشائی معبود گشتہ[1]۔

مولانا جمال دہلوی نے سیر العارفین میں جو ۹۳۷ھ کی تصنیف ہے۔ میں جابجا سیر الاولیاء سے استفادہ کیا ہے۔ اور اس کے اقوال شاملِ کتاب کیے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی جنہوں نے اخبار الاخیار خاصی تحقیق و تنقیدی نقطۂ نظر سے لکھی ہے، مشائخ چشت کے احوال کے لیے انہوں نے اس سے خاصا مواد نقل و اقتباس کیا ہے، بعض مقامات پر اس کے مندرجات کو ناقص بھی قرار دیا ہے۔ مثلاً حضرت شیخ علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ جن کی شخصیت تذکرہ نویسوں کے ہاں متنازعہ فیہ ہے حضرت شیخ محدث نے سیر الاولیاء میں مندرج حالاتِ شیخ صاحب کے بارے میں وضاحت کی ہے:

> ذکر او در سیر الاولیاء اصلاً نہ کردہ وانچہ کردہ ہمیں شیخ صابر را کردہ براں نہجی کہ در عنوان مذکور شد و ترک ذکرِ او خالی از غرابت نیست و تواند کہ مراد از شیخ صابر ہمیں شیخ علی صابر باشد؟[2]

مولانا عبدالحی حسنی صاحب نزہۃ الخواطر نے لکھا ہے کہ مشائخ کے تذکروں میں سیر الاولیا ایک بے نظیر کتاب ہے۔

> لم اراہ نظیرا فی طبقات المشائخ۔۔۔۔۔[3]

مؤلف اپنی دکن کی پریشان کن زندگی سے پورے ذہنی سکون کے ساتھ پاک و ہند کے چشتی صوفیہ کا تذکرہ لکھنے کے لیے قلم سنبھالتے ہیں۔ وہ اس باب میں خود خواجہ نظام الدین اولیاء کے بہت سے نجی کاغذات حاصل کر لیتے ہیں۔ انہیں اپنے ابتدائی ایام جوانی میں حضرت خواجہ کے بہت سے خلفا کی صحبت میسر آئی تھی۔ جب انہوں نے سیر الاولیاء لکھنے کا ارادہ کیا تو ان کے والدین، اور چچا نے جو کہ حضرت خواجہ کے "نزدیکان" میں سے تھے، اور

---

۱ نظام غریب یمنی: لطائف اشرفی ۱/۳۶۵

۲ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار ص ۶۲

۳ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر، حیدر آباد دکن ۱۹۴۷، جلد ۲ ص ۳۰۵

اس عہد کی خاص یادداشتیں ان کے پاس تھیں جو انہوں نے مؤلف کے حوالہ کر دیں۔ اس طرح مکمل تیاری کے بعد امیر خورد نے اپنا کام شروع کیا۔۔۔۔

فوائد الفواد اور خیر المجالس سے تقابل کیا جائے تو سیر الاولیاء اپنی سادگی، سہل نویسی اور آسان پیرائیہ بیان کے اعتبار سے ان پر فائق ہے لیکن بیانات کی مضبوطی اور تقدم زمانی کے اعتبار سے سلسلۂ چشتیہ کے دورِ اول کی تاریخ کے سلسلہ میں اول الذکر ماٰخذ زیادہ معتبر ہیں۔

مؤلف ہمیں بہت سی ایسی معلومات بہم پہنچاتے ہیں جو قابلِ اعتماد اور چشم دید گواہوں کے بیانات پر مبنی ہیں وہ حضرت خواجہ کے کئی جانشینوں اور خلفاء کو جانتے ہیں جن کے بیانات انہوں نے نہ صرف شامل کتاب کیے ہیں بلکہ بہت سے اضافات بھی کیے ہیں کہ انہوں نے دوسروں سے اس واقعہ کو اس طرح سنا ہے۔ انہوں نے فوائد الفواد کا بہت سا مواد شامل کتاب کر لیا ہے۔

مؤلف کو حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے ملفوظات خیر المجالس سے واقفیت نہیں تھی۔ اگرچہ وہ سیر الاولیاء سے قبل مکمل ہو چکی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کے جامع مولانا حمید شاعر قلندر سے کبھی نہیں ملے۔ انہوں نے حضرت شیخ نصیر الدین محمود کے جو ملفوظات سیر الاولیاء میں درج کیے ہیں وہ براہِ راست ان کی اپنی شنید ہے۔ وہ خیر المجالس سے ماخوذ نہیں ہیں۔[1]

گویا حضرت چراغ دہلی کے حالات وملفوظات پر خیر المجالس کے بعد دوسرا معاصر ماخذ سیر الاولیاء ہے۔

سیر الاولیاء میں عہد سلاطین کے بہت سے سیاسی، سماجی اور معاشی اشارے ملتے ہیں۔ یہ نکات تاریخی اعتبار سے شک وشبہ سے پاک ہیں۔ وہیں سیاسی کتب تاریخ وہ سماجی زندگی کے آثار اور علماء وصوفیہ کے حالات سے کلیۃً خالی ہیں۔ دراصل تذکرہ نویسوں نے تذکرہ نویسی کے فن کو بلاوجہ نہیں اپنا لیا اور یہ خیال بھی خام ہے کہ صوفیہ نے اپنی مدح سرائی کے لیے اپنے ملفوظات مرتب کروائے اور اپنے حالات پر تذکرے لکھوائے۔ بلکہ تذکرہ نویس شعوری طور پر سیاسی کتب تاریخ کی اس ناانصافی کو محسوس کر چکے تھے کئی تذکرہ نگاروں نے واضح الفاظ میں اس کی

---

[1] سیر الاولیاء کا یہ تنقیدی جائزہ پروفیسر محمد حبیب کے مذکورہ مقالہ سے ملخصاً ماخوذ ہے۔

شکایت بھی کی ہے مثلاً محمد غوثی شطاری نے گلزار ابرار (۱۰۲۳ھ) میں قاضی منہاج سراج کی طبقاتِ ناصری میں اس وقت کے علمی اور مذہبی حالات سے کلیۃً اجتناب کرنے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے[1]۔

سیر الاولیا میں جو بہت اہم سیاسی نکات درج ہوئے ہیں ان میں محمد بن تغلق (۷۵۲۔۷۹۰ھ/۱۳۵۱۔۱۳۸۸ء) کی دکن پالیسی خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ محمد بن تغلق کی اس پالیسی سے دہلی کے علماء و مشائخ کی مرکزیت و اجتماعی حیثیت کو بڑا نقصان پہنچا تھا۔ خصوصاً سلسلۂ چشتیہ کی مرکزیت ختم کرنے کے لیے اس نے اس سلسلہ کے اکابر کو جبراً سیاست میں آلودہ کر کے دور دراز مقامات پر بھیج دیا جس سے سلسلۂ چشتیہ کا ابتدائی دور مکمل طور پر ختم ہو کر رہ گیا، سلسلہ چشتیہ کے صوفیہ کے تذکروں میں اس کے اس رویہ پر بڑی کڑی تنقید کا سبب بھی یہی ہے۔ پیشِ نظر کتاب سیر الاولیاء میں بھی اس قسم کے بہت سے واقعات درج ہیں۔ جن کا مطالعہ تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے لطف سے خالی نہیں ہو گا۔

سیر الاولیاء کے متعدد قلمی نسخے دنیا کے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں جن کی تفصیل کے لیے ملاحظہ مسٹر سی اے سٹوری کی کتاب پرشین لٹریچر[2]۔

سیر الاولیاء کا فارسی متن ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء میں پہلی مرتبہ چرنجی لال کے اہتمام سے مطبع محب ہند دہلی سے شائع ہوا۔ یہ ایڈیشن متن کی ان گنت غلطیوں سے بھرا ہوا ہے، کئی جگہ مطلب کی تہ تک پہنچنا اسی لیے دشوار ہو جاتا ہے کہ اسے بغیر کسی تنقیدی نظر سے اور متن کو ایک ماہر زبان کی تصحیح کے بغیر ہی شائع کر دیا گیا تھا۔۔۔۱۹۷۸ء میں اسی مذکورہ ایڈیشن کو مکتبہ المعارف لاہور نے عکسی صورت میں مرکزِ تحقیقات فارسی ایران و پاکستان کے تعاون سے شائع کر دیا ہے۔ تاہم ضرورت اس امر کی ہے کہ اس اہم کتاب کا ایک تحقیقی و تنقیدی ایڈیشن مرتب کر کے شائع کیا جائے۔

اس کا ایک اُردو ترجمہ جو اسی مذکورہ اشاعت اول پر مبنی ہے۔ اب اس کو مکتبہ الکتاب لاہور نے بصورت عکس ۱۹۸۲ء میں شائع کر دیا۔ اس کا دوسرا اُردو ترجمہ اعجاز الحق قدوسی نے کیا جو اُردو سائنس بورڈ، لاہور سے ۱۹۸۰ء میں شائع کیا گیا۔

---

۱ نظامی، خلیق احمد، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔ دہلی ۱۹۵۸ء، ص ۱۰۲

۲ جلد اول حصہ دوم ص ۹۴۳ مطبوعہ لندن ۱۹۵۳ء

سیر الاولیاء کا ایک تکملہ بھی لکھا گیا تھا۔ جو خاصا اہم ہے۔ یہ ذیل فارسی میں خواجہ گل محمد احمد پوری نے لکھا ہے۔ جو مطبع رضوی دہلی سے ۱۳۱۲ھ میں شائع ہوا۔

۲۷ جون ۱۹۷۸ء

(مقدمہ سیر الاولیاء، اُردو ترجمہ از غلام احمد بریاں)

دانشنامہ کشبہ قارہ

حضرت شیخ اخی سراج

شیخ سراج الدین عثمان معروف بہ اخی سراج، شیخ نظام الدین اولیاء کے اکابر خلفا میں سے تھے۔ مرکز دہلی کے بعد چشتی سلسلہ کی جو شاخیں صوبوں میں قائم ہوئیں ان میں مرکزِ بنگال میں سلسلہ چشتیہ کے موسس یہی خواجہ اخی سراج تھے۔

شیخ اخی سراج اپنے آبائی قصبے لکھنوتی مشہور بہ گور سے دہلی گئے تھے (اخبار الاخیار ۸۶) لکھنوتی گور کا قدیم نام ہے (امپریل گزیٹر آف انڈیا ۲/۱۸۸) اس گور کے قصبہ پنڈوہ سے شیخ اخی سراج کا تعلق تھا، پنڈوہ انگلش بازار سے ۱۱ میل دور گور سے ۲۰ میل پر واقع ہے۔ (چشتی نظامی صوفی آڈر آف بنگال ۸۳) کنگھم نے اسے حضرت پنڈوہ اس لیے لکھا ہے کہ اسے پڈوہ واقع ہگلی ڈسٹرکٹ سے ممتاز کیا جاسکے (اینشنٹ جیوگرافی آف انڈیا) پنڈوہ کو یروز آباد میں بھی کہا جاتا ہے۔ پنڈوہ ناصر الدین محمود شاہ (۱۴۴۲ـ۱۴۵۹ء) کے عہد تک بنگال کا صدر مقام رہا ہے۔ (میمورز آف گور اینڈ پنڈوہ ص ۹۴)۔

دہلی میں عنفوانِ شباب سے ہی شیخ اخی سراج حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء سے منسلک ہو گئے تھے ان کی تعلیم و تربیت خانقاہ خواجہ نظام الدین میں ہی ہوئی۔ مولانا فخر الدین زرادی کی خدمت میں تحصیل علم کے بعد مولانا رکن الدین اندپتی کے حضور غیاث پور میں کافیہ، مفصل، قدوری اور مجمع البحرین پڑھیں۔ مولانا زرادی نے شیخ اخی سراج کے لیے صرف کی کتاب تالیف کی اور ان کے نام کی نسبت سے اس کا نام عثمانی رکھا (اخبار الاخیار ۸۷، مرآۃ الاسرار ۱۷۹ الف) جب شیخ اخی سراج زیورِ علم سے ایسے آراستہ ہوئے تو خواجہ نظام الدین اولیاء نے انہیں آئینۂ ہندوستان کا لقب دیا (مرآۃ الاسرار ۱۷۵ ب)

شیخ اخی سراج کے زمانے یعنی چودھویں صدی عیسوی میں بنگال میں سیاسی بے چینی پورے عروج پر تھی بنگال کا تعلق سلاطین دہلی سے کٹ گیا تھا (طبقات اکبری ۳/ ۶۲ـ۲۶۱) ۱۳۳۸ء میں دہلی کی حکومت سے جب اس

کا تعلق منقطع ہوا تو الیاس شاہ (۱۳۴۲۔۱۳۵۷ء) نے لکھنوتی اور سنار گاؤں پر قبضہ کرلیا اور الیاس شاہی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ اس کا محمد بن تغلق کے ساتھ معاہدہ بھی ہو گیا تھا۔ الیاس شاہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سکندر شاہ (۱۳۵۷۔۱۳۸۹ء) جانشین ہوا اسی سال یعنی ۱۳۵۷ء میں اخی سراج انتقال کر گئے (۷۵۸ھ/۱۳۵۷ء) (خزینۃ الاصفیا ا/۳۵۸)

بنگال کی اس عہد کی بدلی ہوئی فضا کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو (ریاض السلاطین، سوشل اینڈ کلچرل ہسٹری آف بنگال ۲ جلد)

ان حالات میں جب سلطان محمد بن تغلق نے علماء ومشائخ کو دہلی سے دور دراز مقامات پر بھیجنا چاہا تو شیخ اخی سراج نے اپنے آبائی علاقے پنڈوہ کی طرف سفر اختیار کیا (مرآۃ الاسرار ۷۵ اب)

اس سیاسی وسماجی فضا میں شیخ اخی سراج نے سلسلۂ چشتیہ کی ترویج کا آغاز کیا۔ موصوف حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا اجازت نامہ اور ان کے کتب خانہ سے چند کتابیں اپنے ہمراہ لے گئے۔ بقول امیر خورد بنگال میں نہ صرف چشتیہ سلسلہ بلکہ اسلامی تہذیب وتمدن اور تبلیغ انہی کے ذریعے ہوئی اور ان کے مریدین کا حلقہ اتنا وسیع ہو گیا کہ بنگال کے سلاطین بھی ان کے ارادت مندوں میں شامل ہو گئے (سیر الاولیاء ۲۸۹۔۲۹۰ مرآۃ الاسرار۔ برگ ۷۶ اب)

کئی نامور اصحاب ان کے خلفاء میں شمار ہوئے ان میں سب سے زیادہ مشہور شیخ علاء الحق بن اسعد بنگالی ہیں۔ وہ صاحب ثروت بزرگ تھے شیخ اخی سراج سے اتنے متاثر ہوئے کہ پنڈوہ میں ایک ایسی عظیم خانقاہ کی بنیاد ڈالی جس میں دور دراز سے لوگ کھنچے چلے آتے تھے۔ شیخ علاء الحق کے بعد ان کے خلفاء خصوصاً شیخ نور قطب عالم اور سید اشرف جہانگیر سمنانی نے اس سلسلے کو بہت ترقی دی۔

اس عہد میں بنگال کی سیاسی صورتِ حال بڑی کشیدہ تھی راجہ کنس (ضلع راج شاہی کا جاگیر دار) بنگال کے تخت پر قابض ہو کر عوام پر ظلم وستم کرتا تھا۔ شیخ نور قطب عالم نے خود اور پھر سید اشرف جہانگیر سمنانی کی وساطت سے سلطان ابراہیم شرقی کو بنگال پر حملے کی دعوت دی۔ شیخ سمنانی کے مکتوبات میں اس عہد کی سیاسی کشیدگی کی جو تفصیلات ملتی ہیں وہ عوامی زندگی کے کرب کی آئینہ دار ہیں (مکتوبات اشرفی۔ خطی نسخہ برٹش میوزیم اسی طرح لطائفِ اشرفی (ملفوظات شیخ اشرف جہانگیر) خاص طور پر ان حضرات کی مساعی جمیلہ کی عکاسی کرتی ہے۔

شیخ نور قطب عالم کے مکتوبات کا مجموعہ بھی مرتب ہوا تھا شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اس مجموعہ کی بہت تعریف کی ہے۔(اخبار الاخیار ۷۵)

اگر بنگال میں شیخ نور قطب عالم کی تبلیغی سرگرمیوں کا تفصیلی جائزہ لیا جائے تو ان کا مشن اسلام بھگتی تحریک کے مقابلہ میں زیادہ مؤثر معلوم ہوتا ہے ضرورت ہے کہ چیتنیا روپا، ساتن، جبوا گوسوامی کے افکار سے ان حضرت کی تعلیمات کا تقابلی خاکہ عوام کے سامنے پیش کیا جائے۔ کہ کس طرح بھگتی تحریک کے مقابلہ میں ان حضرات نے اسلام کی لازوال تعلیمات اور مساوات کا نمونہ پیش کر کے اسلام کی سربلندی کے لیے اقدام کیا۔(چشتی نظامی صوفی آڈر آف بنگال ص ۸۳۔ ۸۴)

شیخ اخی سراج اپنی خانقاہ پنڈوہ میں مدفون ہیں(اخبار الاخیار ۸۶، چشتی نظامی صوفی آڈر آف بنگال ص ۸۳)

مآخذ

۱۔ نظام غریب یمنی: لطائفِ اشرفی۔ دہلی ۱۲۹۵ھ

۲۔ عبدالحق دہلوی: اخبار الاخیار۔ دہلی ۱۳۳۲ھ

۳۔ مانڈوی، محمد غوثی: اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار۔ لاہور ۱۳۹۵ھ

۴۔ عبدالرحمٰن چشتی: مرآۃ الاسرار۔ خطی نسخہ مملوکہ مولوی محمد یعقوب فراہی، کوئٹہ پاکستان

۵۔ امیر خورد کرمانی: سیر الاولیاء، دہلی ۱۳۰۲ھ

۶۔ نظام الدین احمد ہروی: طبقات اکبری، کلکتہ ۱۹۳۵ء

۷۔ سلیم، غلام حسین: ریاض السلاطین، کلکتہ ۱۸۹۰ء

۸۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ ۱۲۹۰ھ

۹۔ خلیق احمد نظامی: تاریخ مشائخ چشت۔ جلد اوّل، دہلی ۱۹۸۰ء

10- Ghulam Rasool: Chishti Nizami Sufi Order of Bengal, Delhi, 1990

11- Imperial Gazetteer of India, Oxford, 1990

12- Cunningham: Ancient Geography of India, Calcutta 1924

13- Abid Ali: Memoris of Gaur and Pandua, Calcutta. (N.D)

14- M. Abdur Rahim: Social and Cultural History of Bengal, Karachi 1963.

15- Nizami, K.A: life and Times of Sh. Nizamuldin Aulya, Delhi, 1993.

جنوری ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

مولانا جمال الدین دہلوی

مولانا جمال الدین دہلوی، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء(ف ۷۲۵ھ / ۱۳۲۵ء) کے مرید و خلیفہ تھے، مولانا جمال الدین کے حالات عمومی اور متعارف تذکروں میں نہیں ملتے، سیر الاولیاء میں صرف اس قدر منقول ہے کہ وہ بہت عابد، زاہد اور متقی صوفی تھے، علوم ربانی میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے، توجہ باطنی میں اس قدر منہمک رہتے تھے کہ مولانا جمال الدین پر ایسا وقت اور لحات بھی آتے کہ انہیں حق کے سوا کچھ یاد نہ رہتا۔۔۔

(سیر الاولیاء ۳۰۵، مرآۃ الاسرار، خطی برگ ۲۷۸ب)

شیخ جمال الدین کمال درجہ کے استغراق و استہلاک کی صفت سے موصوف تھے (کلمات الصادقین ۷۲) حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات میں صرف ایک بار ۱۵ ذی قعدہ ۷۰۷ھ کی مجلس نہم میں مولانا جمال الدین کا ذکر آیا ہے (فوائد الفواد ۱۸) جس میں آپ کے مریدین کی ایک جماعت جن میں مولانا وجیہ الدین پائلی، مولانا حسام الدین حاجی اور مولانا تاج الدین بھی حاضر خدمت تھے، اس کے بعد حضرت خواجہ کی کسی مجلس میں مولانا جمال الدین کا ذکر نہیں آتا، جس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا اسی سال ۷۰۷ھ / ۱۳۰۸ء کے حدود میں فوت ہو گئے ہوں گے۔

سیر الاولیاء سے بھی اس کا واضح ثبوت ملتا ہے کہ مولانا جمال الدین حضرت خواجہ کے حین حیات ہی وصال فرما گئے تھے (سیر الاولیاء ۳۰۵) اس روایت کو بغیر کسی حوالے کے عبدالرحمٰن چشتی نے بھی بیان کیا ہے (مرآۃ الاسرار، ورق ۲۷۸ب) مولانا محمد صادق دہلوی اور حبیب اللہ نے بھی یہی لکھا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی وضاحت کی ہے کہ شیخ جمال الدین کا مدفن درگاہِ حضرت نظام الدین اولیاء کے جوار (دہلی) میں ہے (کلمات الصادقین ۷۲، ذکر جمیع اولیاء دہلی ۵۸)

پروفیسر خلیق احمد نظامی جنہوں نے سلسلۂ چشتیہ کی تاریخ اور افکار کا گہرا مطالعہ کیا ہے، حضرت خواجہ کے خلفاء کی تین اقسام بتائی ہیں ان میں دوسرے درجہ کے خلفاء کی فہرست میں مولانا جمال الدین کا نام درج کیا ہے۔
(Life and Times of Sh. Nizamuddin Auliya p. 164)

مآخذ

۱۔ امیر حسن سجزی: فوائد الفواد مرتبہ محمد لطیف ملک، لاہور، ۱۹۶۶ء

۲۔ امیر خورد: سیر الاولیاء، دہلی، مطبع محب ہند، ۱۳۰۲ھ

۳۔ حبیب اللہ: ذکر جمیع اولیاء دہلی مرتبہ شریف حسین قاسمی، ٹونک، ۱۹۸۸ء

۴۔ عبدالرحمٰن چشتی: مراۃ الاسرار، خطی مملوکہ مولوی محمد یعقوب فراہی، کوئٹہ، پاکستان

۵۔ محمد صادق دہلوی کشمیری: کلمات الصادقین مرتبہ محمّد سلیم اختر، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء

6- Nizami, K.A: Life and Times of Sh. Nizamuddin Auliya, Delhi, 1991.

۱۹ مارچ ۲۰۰۳ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ برہان الدین غریب ہانسوی

شیخ برہان الدین غریب آٹھویں صدی ہجری کے ایک عالم اور صوفی تھے۔ شیخ برہان الدین غریب بن شیخ محمد محمود ہانسوی ۶۴۵ھ / ۱۲۵۶ء کو ہانسی (Hansi) ضلع ہریانہ (Haryana) میں پیدا ہوئے، حدود ۶۹۳ھ / ۱۲۹۴ء کو خواجہ نظام الدین اولیاء (ف ۷۲۵ھ / ۱۲۲۵ء) سے بیعت ہوئے۔ آغازِ شباب سے ہی ذکر اور عبادت کی طرف رجحان تھا، ان کے ساتھیوں اور قریبی دوستوں شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی، امیر خسرو اور امیر حسن (جامع فوائد الفواد) نے ان کی تعلیم وتربیت اور خواجہ نظام الدین اولیاء کے حضور باریابی میں اہم کردار ادا کیا۔ وہ اپنے شیخ کا بے حد ادب واحترام کرتے تھے۔ ایک بار ان کے مرشد ان سے ناراض ہوئے تو ان دوستوں نے معافی دلوائی اور انہیں کی سعی سے انہیں خواجہ نظام الدین اولیاء سے خلافت ملی (سیر الاولیاء ۲۷۹۔ ۲۸۰، لطائف اشرفی ۱/ ۳۵۷، سیر العارفین ۱۲۸، اخبار الاخیار ۹۷، مرآۃ الاسرار ۲۷۲ ب)

خواجہ نظام الدین اولیاء نے ان کی دنیا سے بے رغبتی کے باعث انہیں غریب کا خطاب دیا تھا۔ (روضۃ الاولیاء ص ۱۱، مرآۃ الاسرار ۲۷۳۔ الف)

سلطان محمد بن تغلق (۷۲۰۔ ۷۲۵ھ / ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۵ء) نے دہلی کے علماء ومشائخ کو حکم دیا کہ وہ ہندوستان کی مختلف ریاستوں میں جاکر تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیں اور وہیں بس جائیں (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ۳۵۴۔ ۳۷۳) اس سلسلے میں جن مشائخ نے دکن کا رخ کیا ان میں شیخ برہان الدین غریب بھی شامل ہیں۔ وہ دکن کے معروف قصبہ دیوگیر (Dewgir) میں جاکر بس گئے وہاں ایک خانقاہ کی بنیاد ڈالی اور دعوت وارشاد کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ پہلے چشتی بزرگ تھے جنہوں نے سرزمین دکن پر قدم رکھا تھا (تاریخ مشائخ چشت ۱/ ۲۶۰) ان کے دم قدم سے اس سلسلہ کو دکن میں بہت فروغ ہوا۔

دکن میں شیخ برہان الدین غریب کو غیر معمولی تبولیت نصیب ہوئی (فتوح السلاطین ۴۵۸) دکن کے سلاطین، امراء اور عوام میں بہت ہی ہر دل عزیز ہوئے۔ سلطان ناصر خان فاروقی (۱۳۹۹ھ۔۱۴۳۷ء) شیخ کا خاص عقیدت مند تھا اس نے اسی سرزمین پر برہانپور (Burhanpur) نام کا شہر انہی شیخ برہان الدین غریب کی یاد میں آباد کیا تھا (اخبار الاخیار ۹۴، مراۃ الاسرار ۷۴ ۲ ب)

انہی سلطان شیخ برہان الدین کے ایک خلیفہ شیخ زین الدین کا بھی عقیدت مند تھا اس نے ان کے نام پر بھی ایک شہر زین آباد بسایا۔ (فتوح السلاطین ۴۶۲)

برہان پور میں چند دیہات سجادنشینوں کو بطور مدد معائش حکومت کی طرف سے ملے تھے جن کی آمدنی وہ اپنی ضروریات کے لیے صرف کرتے تھے (اذکار ابرار۔ ۹۰)

شیخ برہان الدین غریب کے سالِ وفات میں اختلاف ہے۔ ایک روایت ۱۱ صفر ۷۳۸ھ اور دوسری ۷۴۱ھ / ۱۳۴۱ء کی ہے۔ (الاولیاء ۲۵، خزینۃ الاصفیاء ۱/ ۳۴۸) لیکن موخر الذکر کو ترجیح حاصل ہے۔

مولانا برہان الدین غریب کے خلفاء میں سے مولانا زین الدین مذکور، مولانا حماد بن عماد کاشانی، خواجہ رکن الدین دبیر کاشانی اور خواجہ مجد الدین کاشانی وغیرہ قابل ذکر ہیں جن کی کوشش سے دکن اور اس کے نواح میں اس سلسلے کی خوب اشاعت ہوئی۔

شیخ برہان الدین غریب کے ملفوظات وحالات پر مندرجہ ذیل کتب تالیف ہوئی تھیں:

ا۔ احسن الاقوال:

شیخ برہان الدین غریب کے ملفوظات کا یہ مجموعہ ان کے خلیفہ خواجہ حماد بن عماد کاشانی نے مرتب کیا اس میں تاریخ وار ملفوظات درج نہیں ہیں بلکہ سلوک، وعرفان اور اخلاق سے متعلق موضوعات قائم کر کے ان کے تحت شیخ غریب کے اقوال جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس میں کل ۲۹ اقوال (ابواب ہیں) پہلا قول در روش ہائے اصحابِ طریقت وسنن اربابِ حقیقت، قولِ دوم در رعایت آدابِ مجلس مشائخ بر جادہ اولیاء صاحب سجادہ۔۔۔۔ قول ۱۶ در آداب قبولِ فتوحات از مردمان وشرائط اباحت وصرفہ آں۔۔۔۔۔ قول ۲۹۔ در بیان انفاس نفیس حضرت شیخ (برہان الدین غریب۔۔۔۔)

خواجہ حماد کاشانی نے احسن الاقوال کے علاوہ حصول الوصول، منافع المسلمین اور اسرارِ طریقت بھی تالیف کی تھیں۔ (نقدِ ملفوظات ۹۳)

احسن الاقوال نہ صرف چشتیہ سلسلہ کی تاریخ کا ایک بنیادی ماخذ ہے۔ بلکہ اس میں عہد سلاطین دہلی کے معاشرے کی مذہبی اور سماجی تصویر کشی بھی بطریق احسن کی گئی ہے۔ (On sources and source material, p. 69-73)

احسن الاقوال کا فارسی متن تاحال طبع نہیں ہوا۔ اس کا اُردو ترجمہ مطبع جہانگیر سفری، بمبئی سے ۱۳۴۲ھ کو شائع ہوا تھا۔ اس کے دو فارسی خطی نسخے ملتے ہیں ایک جامعہ عثمانیہ کی لائبریری حیدر آباد، دکن میں اور دوسرا نسخہ پروفیسر خلیق احمد نظامی (علی گڑھ) کے پاس ہے۔ (Life and Times of Sh. Nizamuddin Auliya, p. 203)

۲۔ نفائس الانفاس:

خواجہ برہان الدین غریب کے ملفوظات کا یہ مجموعہ فوائد الفواد (ملفوظاتِ خواجہ نظام الدین اولیاء) کے تتبع میں مرتب ہوا ہے۔ اس میں تاریخ و سنہ وار شیخ کے اقوال جمع کیے گئے ہیں۔ اس کا آغاز رمضان ۷۳۲ھ سے ہوتا ہے اور شیخ حماد بن عماد کاشانی مذکور کی وفات ۷۶۱ھ پر ختم ہو جاتا ہے۔ (روضۃ الاولیاء ص ۹)

اس مجموعہ کے جامع خواجہ رکن الدین دبیر کاشانی (برادر شیخ حماد مذکور) ہیں انہوں نے شیخ غریب کے احوال و ملفوظات پر ایک اور کتاب شمائل الاتقیاء کے نام سے بھی مرتب کی تھی۔ نفائس الانفاس فارسی نثر میں ہے۔ نفائس الانفاس کا ایک خطی نسخہ کتابخانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ہے۔ (On sources and source material, p.70)

۳۔ شمائل الاتقیاء:

یہ بھی شیخ برہان الدین غریب کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ اس کے جامع بھی خواجہ رکن الدین دبیر کاشانی (برادر خواجہ حماد مذکور) ہیں یہ مجموعہ چہار اقسام پر مشتمل ہے۔ ہر قسم میں چند "بیان" باب ہیں۔

قسم اول افعالِ حسنہ اصحابِ طریقت و مقاماتِ سالکان (در پنجاہ و یک بیان)

دوم در بیانِ اربابِ حقیقت از انبیاء و بالاخص اولیاء (در سی بیان)

سوم در اوصاف و کیفیت الوصیت۔۔۔۔

چہارم در صفات مہتر آدم و فضائل آدمیان۔۔۔

شمائل الاتقیا فارسی نثر میں ہے۔ جا بجا فارسی اشعار بھی نقل ہوئے ہیں۔ اس کا متن اشرف پریس، حیدر آباد دکن سے ۱۳۴۷ھ کو چھپا تھا۔ پاکستان میں موجود خطی نسخوں کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فہرست مشترک ۳/ ۱۶۶۷

مولانا برہان الدین غریب کے ملفوظات و مناقب پر دو اور کتابوں یعنی غرائب الکرامات و عجائب المکاشفات اور بقیہ الغرائب کے نام بھی ملتے ہیں یہ دونوں کتابیں مولانا حماد مذکور کے ایک اور بھائی مولانا مجد الدین کاشانی نے مرتب کی تھیں۔(روضۃ الاولیاء ص ۹)

مآخذ

۱۔ آزاد، میر غلام علی بلگرامی: روضۃ الاولیاء، (تذکرہ مدفونین خلد آباد)، مطبع خبیر، اورنگ آباد ۱۳۱۰ھ

۲۔ امیر خورد: سیر الاولیاء، اسلام آباد، مرکز تحقیقات، فارسی، ۱۹۷۸ء

۳۔ جمالی، حامد بن فضل اللہ: سیر العارفین، ترجمہ و تحشیہ محمد ایوب قادری، لاہور ۱۹۷۶ء

۴۔ دبیر، رکن الدین کاشانی: شمائل الاتقیاء، حیدر آباد، دکن، اشرف پریس، ۱۳۴۷ھ

۵۔ عبد الحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، دہلی ۱۳۳۲ھ

۶۔ عبد الرحمٰن چشتی: مرآۃ الاسرار خطی مملوکہ مولوی محمد یعقوب فراحی، کوئٹہ

۷۔ عبد الحی حسنی: نزہۃ الخواطر، حیدر آباد، دکن ج ۴ ۱۹۵۹ء

۸۔ عصامی: فتوح السلاطین مرتبہ محمد یوشع، مدراس، ۱۹۴۸ء

۹۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنو، ۱۸۷۳ء

۱۰۔ غوثی مانڈوی: اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار از فضل احمد جیوری، لاہور، ۱۳۹۵ھ

۱۱۔ فاروقی، نثار احمد: نقد ملفوظات، لاہور ۱۹۸۹ء

۱۲۔ منزوی، احمد: فہرست مشترک، اسلام آباد، ج ۳، ۱۹۸۴ء

۱۳۔ نظام غریب یمنی: لطائفِ اشرفی: دہلی، نصرت المطابع، ۱۲۹۹ھ

۱۴۔ نظامی، خلیق احمد: سلاطینِ دہلی کے مذہبی رجحانات۔ دہلی، ۱۹۵۸ء

۱۵۔ ایضاً: تاریخ مشائخ چشت، ج اول۔ دہلی، ۱۹۸۰ء

16- Nizami, K.A: On sources and source material Vol. I, Delhi, 1995.

17- Ibid:Life and times of Sh. Nizamuddin Auliya, Delhi, 1991.

۲۰ مئی ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ سیّد احمد کرمانی

سیّد احمد کرمانی آٹھویں صدی ہجری کے ایک صوفی اور منصب دار تھے۔

سیّد کمال الدین احمد بن سیّد محمد بن محمود کرمانی علوی کا آبائی وطن کرمان تھا۔ اس خاندان کے سب سے پہلے فرد جو کرمان سے بغرضِ تجارت لاہور آئے وہ سیّد احمد کے والد سیّد محمد کرمانی تھے اور شیخ فرید الدین گنج شکر (ف ۶۶۴ھ / ۱۲۶۵ء) کی شہرت سن کر ان کی خدمت میں اجودھن (Ajodahan) حاضر ہوئے۔ تجارت کا پیشہ جلد ہی ترک کر کے ان کے حلقہ مریدین میں شامل ہو کر خلافت یاب ہوئے (سیر الاولیاء ۳۴۲) ان کے خواجہ نظام الدین اولیاء سے بھی مراسم تھے انہیں کی سرپرستی میں سلوک کی تعلیم مکمل کی (ھمانجا ۳۴۳) سیّد محمد کرمانی نے ۷۱۱ھ / ۱۲-۱۳۱۱ء میں انتقال کیا اور دہلی میں دفن ہوئے (ہمانجا ۳۴۳، ۲۱۶، کلمات الصادقین ۶۶-۶۸، ذکر جمیع اولیاء دہلی ۳۰-۳۱)

اس خانوادے کے دیگر افراد کی طرح سیّد احمد کرمانی کی تعلیم و تربیت بھی خواجہ نظام الدولیاء کی نگرانی میں ہوئی (سیر الاولیاء ۲۲۴)

ابتدا میں سیّد احمد کرمانی ملتان کی ٹکسال کے افسر تھے (ہمانجا ۳۴۲) ان کی ایک بیٹی بی بی رانی خواجہ فرید الدین گنج شکر کی مرید تھیں۔ (ہمانجا)

سلطان محمد تغلق (۷۲۵-۷۵۲ھ / ۱۳۲۵-۱۳۵۱ء) نے سیّد احمد کرمانی کو تلنگانہ (Talegoon ضلع امروتی Amraoti برار میں ایک قصبہ) میں لشکر کا "خان" بنایا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد معتوب ہوئے اور قید میں ڈال دیئے گئے، دورانِ قید ان سے کچھ کرامات سرزد ہوئیں جن سے سلطان متاثر ہوا اور انہیں رہا کر کے اپنے پاس بلا لیا، ملازمت ترک کرنے کی بھی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ لباس فقیرانہ اختیار کر لیا اس کے باوجود سلطان نے عہدہ دے کر اپنا مشیر بنا لیا۔ (سیر الاولیاء ۲۲۴-۲۲۵)

آخری ایام حیات میں کچھ عرصہ لشکرِ لاہور میں بھی رہے۔ یہیں جمادی الآخر ۷۲۸ھ / ۱۳۲۸ء کو انتقال کیا نعش لاہور سے دہلی لاکر خواجہ نظام الدین اولیاء کے مزار کے جوار میں چبوترہ باراں پر مدفون ہوئے (سیر الاولیاء ۲۲۵، کلمات الصادقین ۶۹، ذکر جمیع اولیاء دہلی ۴۳)

سید احمد کرمانی کے دو فرزند تھے ایک سید عماد الدین اور دوسرے سید نور الدین (سیر الاولیاء ۲۲۵۔ ۲۲۶) سلسلۂ چشتیہ کے مشائخ کے مشہور تذکرہ نویس امیر خورد (رک باں) سید احمد کرمانی کے بھتیجے تھے۔ انہوں نے اپنے تذکرہ سیر الاولیاء میں کئی روایات اپنے اس چچا کی زبانی نقل کی ہیں۔ اسی طرح ان کی بیٹی بی بی رانی سے بھی جو مؤلف کی دادی تھیں کئی اہم روایات بیان کی ہیں۔

مآخذ

۱۔ امیر خورد: سیر الاولیاء، اسلام آباد، مرکزِ تحقیقاتِ فارسی ایران وپاکستان، ۱۹۷۸ء

۲۔ حبیب اللہ: ذکر جمیع اولیاء دہلی مرتبہ شریف حسین قاسمی، ٹونک ۱۹۸۸ء

۳۔ ہمدانی، محمد صادق دہلوی کشمیری: کلمات الصادقین مرتبہ محمد سلیم اختر، اسلام آباد ۱۹۸۸ء

۲۹ مارچ ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ جُنید حصاری

شیخ جنید حصاری چشتی سلسلہ کے صوفیہ میں سے تھے نویں صدی ہجری کے مشائخ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

شیخ جنید، حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر (ف ۶۶۴ھ / ۱۲۶۵ء) کی اولاد میں سے تھے کتابت کے فن سے بخوبی واقف تھے اس فن میں فوق العادت قسم کی مہارت رکھتے تھے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی (ف ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء) کا قول ہے کہ موصوف صرف تین دن میں پورا قرآن شریف اعراب سمیت کتابت کر لیتے تھے (اخبار الاخیار ۵۶۵)

شیخ جنید کا تعلق پنجاب ایک قصبہ حصار (Hisar) سے تھا جسے برطانوی دور میں ضلع کا درجہ حاصل تھا (Imperial gazetteer of India. Vol. xiii, p155)

شیخ جنید حصاری نے تصوف کے اسرار ورموز پر بعض رسائل بھی لکھے تھے، جن میں بقول شیخ عبدالحق مذکور انہوں نے ایسے "غرائب ونوادر عالمی کہ از عوالم خداوندی بہ روی نمودہ، نوشتہ است کہ از حدِ وہم وفہم خارج است، خدا داند کہ آں چہ تاویل کردہ است۔۔۔وجہ اورا بریں داشتہ است" اخبار الاخیار ۲۸۳)

ان رسائل میں سے اب کوئی رسالہ بھی دستیاب نہیں ہے نہ ہی دنیا کے مختلف کتب خانوں کی شائع شدہ فہارسِ مخطوطات میں ان میں سے کسی رسالہ کے وجود کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی اولاد میں سے کسی نے ان اسرار کے افشاء پر خلقت کی طرف سے طعن کے خدشہ سے انہیں دھو کر ختم کر ڈالا تھا (ایضاً ۲۸۳)

شیخ جنید حصاری کا سالِ وفات بقول مفتی غلام سرور لاہوری ۹۰۰ھ / ۱۴۹۴ء ہے (خزینۃ الاصفیاء ۱/ ۴۰۷) شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے وہ معاصر تھے انہوں نے اخبار الاخیار میں ان کا سالِ وصال ۹۰۱ھ دیا ہے جو معاصر شہادت ہے۔

شیخ جنید کا مزار ان کے مستقر حصار میں واقع ہے (اخبار الاخیار ۲۸۳، خزینۃ الاصفیا ۱/ ۴۰۷)

مآخذ

۱۔ عبدالحق، شیخ: اخبار الاخیار، مرتبہ علم اشرف خان، تہران ۱۳۸۳ش

۲۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنو، مطبع ثمر ہند، ۱۸۷۳ء

۳۔ میر خورد کرمانی: سیر الاولیاء، دہلی، ۱۳۰۲ھ

4- Nizami, K.A: Life and Times of Sh. Frid-ud-Din Ganj-i-Shakar, Laore, 1975.

5- Imperial Gazetteer of India, London, 1905.

۱۸ مارچ ۲۰۰۳ء

دانشنامہ شبہ قارہ

حضرت سیّد محمد حسینی گیسو دراز اور آداب المریدین

آداب المریدین شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی ؒف ۵۶۳ھ / ۱۱۶۸ء) کی عربی زبان میں معروف کتاب ہے۔ جو آداب سلوک پر منفرد اور دستور العمل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی مقبولیت کی وجہ سے اس کے کئی تراجم فارسی زبان میں ہوئے ہیں۔

ان تراجم میں سیّد محمد حسینی گیسو دراز (۷۲۱۔۸۲۵ھ / ۱۳۲۱۔۱۴۲۲ء) کی شروح بہت مقبول ہوئیں۔ خواجہ گیسو دراز چشتی سلسلے کے نامور شیخ طریقت اور خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی (ف ۷۵۷ھ / ۱۳۵۸ء) کے خلیفہ تھے حدود ۱۲۵ کتابوں کے مؤلف (تبصرۃ الخوارخات ۳۹، ۱۰۲) اور ضدہا اصحاب نے ان سے سلوک کی تعلیم حاصل کی تھی (رک تاریخ حبیبی، سیر محمدی، جوامع الکلم)

خواجہ گیسو دراز نے عربی اور فارسی میں آداب المریدین کی تین شرحیں لکھیں اور ترجمہ بھی کیا۔ آخری ترجمے کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ وہ دو تین مرتبہ اس سے پہلے بھی اس کا ترجمہ مفصل اور پھر مجمل طور پر کر چکے ہیں لیکن ہر مرتبہ ایسا ہوا کہ ترجمہ جس معتقد کی درخواست پر کیا گیا وہ اسے ہمراہ لے گیا اور پھر لوٹ کر نہ آیا۔ اس طرح یہ تراجم ناپید ہو گئے اور یہ ترجمہ چوتھی مرتبہ کیا جا رہا ہے (ترجمہ ص ۳)

مترجم وضاحت کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ ترجمہ ۸۱۳ھ / ۱۴۱۰ء کو گلبرگہ (Gulbarga) (یکی از قدیم اماکن دکن) میں کیا۔ (ترجمہ آداب المریدین ص ۳)

مترجم اپنے زمانے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس وقت قیامت کی نشانیاں ظاہر ہو رہی ہیں طالب سلوک بہت ہی کم رہ گئے ہیں (ایضاً)

آداب المریدین کا فارسی ترجمہ ۳۲ فصلوں پر مشتمل ہے۔ فصل اول در بیان صفاتِ حق تعالیٰ فصل سوم در بیان آنکہ قرآن سخن خدا است۔۔۔۔۔

ترجمہ کی زبان شُستہ، صاف اور سادہ ہے۔ ترجمہ کے دوران مترجم نے کئی مقامات پر مشروح ترجمہ کیا ہے لیکن عام طور پر فقط عربی سے فارسی ترجمے پر ہی اکتفا کیا ہے۔

یہ ترجمہ سید عطا حسین کی تصحیح سے حیدر آباد دکن میں ۱۳۵۸ھ کو شائع ہوا اس میں آداب المریدین کا عربی متن بھی شامل ہے۔

خواجہ گیسو دراز نے آداب المریدین کی جو شرحیں لکھی تھیں ان میں سے کسی ایک شرح کا ذیل یا خاتمہ بھی تالیف کیا تھا، زیر نظر ترجمہ آداب المریدین کے آخر میں خود ہی وضاحت کرتے ہیں کہ مطالب سلوک کے ان امور کی شرح کے لیے ہمارا "خاتمہ" ملاحظہ کریں (ترجمہ آداب المریدین ص ۳۷۰)

خواجہ گیسو دراز نے اپنی کسی شرح کا یہ ذیل بطور خاتمہ تالیف کیا تھا؟ اس کی انہوں نے خود کوئی وضاحت نہیں کی ہے۔ ایک بیان سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ خاتمہ ۸۰۷ھ / ۱۴۰۴ء میں تالیف کیا۔ (خاتمہ ص ۱۱۳، فقرہ ۱۹۴)

خواجہ کے سوانح نگار عبدالعزیز واعظی نے آپ کی کل تالیفات کو سنہ تالیف کے اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے اس اعتبار سے یہ ذیل گلبرگہ میں تالیف ہوا تھا (تاریخ حبیبی ص ۶۷)۔

یہ خاتمہ دراصل آداب المریدین کے بعض تشریح طلب امور کی شرح کے لیے تالیف کیا گیا ہے۔ لیکن اس تسلسل اور وضاحتی طرز بیان کی صورت میں کہ یہ بذات خود ایک جداگانہ تالیف کی حیثیت اختیار کر گیا ہے، اس میں ایک طالب یا صوفی کو روز مرہ پیش آنے والے حوادث اور ان سے بچنے کے طریقے اس طرح بتائے گئے ہیں کہ صوفیہ کے لیے یہ خاتمہ آداب المریدین ایک دستور العمل کی حیثیت رکھتا ہے۔

خاتمہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے راستہ کے سوا وصول الی اللہ کی تمام راہیں مسدود کر دی گئی ہیں جس سے اس نظریہ پر سخت ضرب لگائی ہے کہ قلندر، برہمن اور جوگی جو یہ کہتے ہیں کہ تمام راستے خدا کی طرف جاتے ہیں غلط وافترا ہے۔ (خاتمہ ص ۸۲ فقرہ ۱۲۳)

یہ شرح یا خاتمہ آداب المریدین بھی عام فہم اور سادہ اسلوب بیان میں لکھی گئی ہے۔ کئی الفاظ ہندوستانی زبان کے اس میں استعمال ہوئے ہیں مثلاً در سماع باید کسی رامز احمق ندہد و چناں نرود کہ دھکہ بکس رود (خاتمہ، فقرہ ۴۸)، در سماع باید میر خورد و بناشد و کذالک پیاز و گنا (ایضاً) ان فقرات میں دھکہ، پیاز، گنا تمام الفاظ ہندی ہیں۔

خاتمہ ۳۴۴ فقرات پر مشتمل ہے۔ ہر فقرہ جداگانہ مطلب کا حامل ہے۔ یہ کتاب خاتمہ یا خاتمہ ترجمۂ آداب المریدین کے نام سے سیّد عطا حسین کی تصحیح سے حیدر آباد، دکن سے ۱۳۵۶ھ میں چھپ چکی ہے۔ مصحح نے آخر میں بہت مفید تعلیقات کا بھی اضافہ کیا ہے اور ستائس صفحات کی مکمل فہرست مندرجات بھی مرتب کر دی ہے۔

آداب المریدین کا عربی متن عمر شیر کان کے فارسی ترجمہ کے حصہ دوم کے طور پر نجیب مایل ہروی کی تصحیح کے ساتھ چھپ چکا ہے۔ (تہران ۱۳۶۳ش)

مآخذ

۱۔ سامانی، شاہ محمد علی: سیر محمدی۔ گلبرگہ، سیّد محمد گیسو دراز اکادمی ۱۹۸۴ء

۲۔ سہروردی، ضیاء الدین ابو نجیب: آداب المریدین (عربی متن مع فارسی ترجمہ عمر شیر کان) طبع نجیب مائل ہروی۔ تہران ۱۳۶۳ش

۳۔ قادری، احمد ادریس: حیاتِ بندہ نواز، کراچی ۱۹۶۵ء

۴۔ گیسو دراز، سیّد محمد: ترجمہ آداب المریدین، طبع عطا حسین، حیدر آباد، دکن ۱۳۵۸ھ

۵۔ ایضاً: خاتمہ ترجمۂ آداب المریدین معروف بہ خاتمہ، طبع عطا حسین، حیدر آباد، دکن ۱۳۵۶ھ

۶۔ محمد اکبر حسینی: جوامع الکلم، طبع محمد حامد صدیقی، کانپور ۱۳۵۶ھ

۷۔ من اللہ حسینی: تبصرۃ الخوارقات، طبع مبارز الدین رفعت۔ حیدر آباد دکن ۱۹۶۶ء

۸۔ واعظی، عبدالعزیز: تاریخ حبیبی اُردو ترجمہ مشتاق یار جنگ، حیدر آباد دکن ۱۳۶۸ھ

Khusro Hussaini, S.S: Sayyid Muhammad Al-Husayni-i-Gisudaraz on Sufism, Delhi, 1983.

۲۹ جون ۱۹۹۶ء

برائی دانشنامہ شبہ قارہ

سیّد محمد حسینی گیسو دراز اور اسمار الاسراء

اسمار الاسرار خواجہ صدر الدین ابوالفتح سید محمد حسینی ملقب بہ خواجہ گیسو دراز ۷۲۱ھ۔ ۸۲۵ھ / ۱۳۲۱۔ ۱۴۲۲ء) کی تالیف ہے۔

خواجہ گیسو دراز پاکستان وہند کے نامور صوفی عالم اور کثیر التصانیف مصنف تھے۔ دہلی میں ولادت ہوئی سات سال کی عمر میں بسال ۷۲۸ھ / ۱۳۲۷ء اپنے والدین کے ہمراہ بحکم محمد بن تغلق (۷۲۵۔ ۷۵۲ھ / ۱۳۲۵۔ ۱۳۵۱ء) دکن کے لیے روانہ ہوئے اور دولت آباد میں قیام کیا۔ جوانی میں دہلی تشریف لائے اور چشتی سلسلہ کے معروف بزرگ خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی (ف ۷۵۷ھ / ۱۳۵۶ء) سے بیعت ہوئے اور پھر اس سلسلے کے نامور شیخ طریقت کے درجے پر پہنچے۔

ان کی تالیفات میں سے اسمار الاسرار کو بہت شہرت حاصل ہے۔ کیوں کہ یہ تصوف کے تقریباً تمام موضوعات وامور سے بحث کرتی ہے۔ مؤلف کو خود اس پر فخر تھا (اسمار ص ۱،۳) موصوف اپنے مریدین کو خود یہ کتاب پڑھاتے اور پڑھنے کی تلقین کرتے تھے (واعظی عبدالعزیز: تاریخ حبیبی ص ۶۶، ۶۹)

مؤلف نے اسے قرآن پاک کی سورتوں کی تعداد کے مطابق ۱۱۴۔ سمروں میں تقسیم کیا ہے۔ ہر سمر آیات قرآنی اور احادیث کے حوالوں سے مزین ہے۔ اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں تصوف کے اسرار کو مؤلف نے اپنے مشاہدات ومکاشفات سے وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔

اسمار الاسرار کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف ابن عربی کے افکار کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ لیکن اس میں بہت سے مقامات پر انہوں نے شیخ اکبر ابن عربی کے بیانات پر سخت تنقید بھی کی ہے۔ مؤلف کی سوانح تاریخ حبیبی میں درج ہے کہ اسمار الاسرار گلبرگہ میں تالیف ہوئی لیکن سالِ تالیف درج نہیں کیا گیا۔ (ص ۶۶) لیکن ہمیں اس کا سالِ تالیف متعین کرنے میں زیادہ وقت نہیں ہوگی کیونکہ مؤلف نے خود وضاحت کی ہے کہ وہ

اس کتاب کی تالیف کے وقت نوے سال کے ہو چکے ہیں (اسمار۔ سمر ۸۰ ص ۲۴۶) خواجہ گیسو دراز کا سال ولادت ۷۲۱ھ ہے۔ (سامانی، محمد علی: سیر محمدی ص ۳۔۴) اسمار الاسرار کے پہلے شارح خواجہ گیسو دراز کے فرزند سیّد اکبر حسینی ہیں جو والد کے حین حیات ۸۱۲ھ میں فوت ہوئے (ایضاً ص ۱۳۰) گویا شارح کی وفات کے سے چند ماہ پہلے ہی اسمار مکمل ہوئی۔ اس طرح ہم بہ یقین یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسمار الاسرار کا سال تالیف ۸۱۱ھ / ۱۴۰۸ء ہے۔

مؤلف نے اس کی تالیف کے مقاصد اور دیگر امور کی خود ان الفاظ میں وضاحت کی ہے:

در خاطر افتاد اگر سر گویم بارے اسمار اسرار یحتمل بعض مردم احرار را آں طرف لحظ شود وقوفی بر بعض خفایا الہیات یابند۔۔۔ ان کتابنا ھذا المسمیٰ باسمار الاسرار کتاب لایاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ ولا یختلفہ احد من خلقہ لیس فیہ الا تجرید التوحید و افراد التفرید۔۔۔۔

اصحاب ایں قدر بدانند کہ از خود چیزی نہ نبشتہ ایم ہر چہ مارا املا کردند ما بر مستملی خویش ہماں چیز را بلا زیادت و نقصان حکایت کردیم۔۔۔ شمہ از جوامع الکلم ولمعہ از گفتار او کہ نور الہدیٰ و بیان سر القرب والدنی است نصیبہ او گردد۔۔۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی اسمار الاسرار کے متعلق لکھتے ہیں:

حقائق و معارف بزبان رمز و ایماو الفاظ و اشارات بیان کردہ (اخبار الاخیار ص ۱۳۶)

اسمار الاسرار کا فارسی متن سیّد عطا حسین کی تصحیح سے حیدر آباد دکن میں طبع ہو کر خانقاہ خواجہ گیسو دراز سے ۱۳۵۰ھ میں شائع ہوا تھا۔

اس وقت تک اسمار الاسرار کی مندرجہ ذیل شروح ہمارے علم میں ہیں:

۱۔ تبصرۃ الاصطلاحات الصوفیہ تالیف سیّد اکبر حسینی بن خواجہ گیسو دراز (ف ۸۱۲ھ / ۱۴۰۹ء) طبع عطا حسین، گلبرگہ، کتب خانہ روضتین ۱۳۶۵ھ

۲۔ اسمار الاسرار۔ شارح نامعلوم بسال ۸۷۷ھ / ۱۴۷۲ء

عطا حسین (مصحح اسمار الاسرار) کا خیال ہے کہ یہ شرح سیّد ید اللہ حسینی کے کسی خلیفہ کی تالیف ہے۔ (دیباچہ اسمار ص ۴) یہ بعض مغلق مقامات (اسمار) کی شرح ہے۔

جس کا خطی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں ہے نمبر ۱۴۶۴

۳۔ شرح از شاہ رفیع الدین بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، خطی نسخہ ذخیرۂ شیرانی، کتابخانہ مرکزی دانشگاہ پنجاب لاہور، پاکستان نمبر ۱۹۴۹/ ۲/ ۴۹۶۱

یہ صرف ایک سر کی شرح ہے۔

۴۔ شرح اسمار الاسرار از عبدالرحیم، قلمی مخزونہ کتب خانہ سیّد ارشاد شاہ، قصور، پاکستان

ماٰخذ

۱۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار۔ دہلی ۱۳۳۲ھ

۲۔ گیسودراز، خواجہ: اسمار الاسرار طبع عطا حسین، حیدر آباد، دکن، ۱۳۵۰ھ

۳۔ تبصرۃ الاصطلاحات الصوفیہ، گلبرگہ ۱۳۶۵ھ

۴۔ سامانی، محمد علی: سیر محمدی۔ گلبرگہ ۱۹۸۴ء

۵۔ واعظی، عبدالعزیز: تاریخی حبیبی (اُردو ترجمہ) حیدر آباد دکن ۱۳۶۸ھ

۶۔ اکبر حسینی: جوامع الکلم مرتبہ حامد صدیقی، کانپور ۱۳۵۶ھ

۷۔ من اللہ حسینی: تبصرۃ الخوارقات طبع مبارز الدین رفعت، حیدر آباد، دکن ۱۹۶۶ء

۸۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت، جلد اوّل، دہلی ۱۹۸۰ء

۹۔ میر ولی الدین: خواجہ بندہ نواز کا تصوف و سلوک۔ دہلی ۱۹۶۶ء

10- Khusro Hussaini: S. Muhammad Al Husayni-i-Gisodirarz on Sufism, Delhi, 1983.

جنوری ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

سیّد شیخ اکبر حسینی بن سیّد محمد گیسو دراز

سیّد محمد اکبر حسینی نویں صدی ہجری کے صوفیہ اور مولفین میں سے تھے۔

سیّد اکبر بن حضرت سیّد محمد گیسو دراز (۷۲۱۔۸۲۵ھ / ۱۳۲۱۔۱۴۲۲ء) کی ولادت کا سال معلوم نہیں ہے۔ البتہ یہ معلوم ہے کہ خواجہ سیّد محمد گیسو دراز چالیس سال سے متجاوز تھے کہ متاہل ہوئے اس اعتبار سے ان کے فرزندِ اکبر یعنی سیّد محمد اکبر کا سالِ ولادت حدود ۷۶۲ھ / ۱۳۶۱ء قرار دیا جاسکتا ہے۔ (تبصرۃ اصطلاحات ص ۲) ان کا نام مخدوم سیّد حسین معروف بہ سیّد اکبر حسینی مشہور بہ سیّد بڑے رکھا گیا (ہمانجا ۲۔۳)

قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد تحصیل علم میں مصروف ہوئے اس وقت کے اکابر علماء قاضی عبد المقتدر کندی (ف ۷۹۱ھ / ۱۳۸۸ء)، مولانا خواجگی خنفی دہلوی (ف ۸۰۹ھ / ۱۴۰۶ء)، مولانا محمد بغرا اور مولانا نصیر الدین قاسم سے تحصیل مکمل کی یہ تمام تر علماء دہلی کے تھے۔ (سیر محمدی ۱۲۷)

سلوک کی تعلیم اپنے والد گرامی کی خدمت میں شروع کی۔ (ہمانجا ۱۲۷) مولانا علاء الدین گوالیاری اور مولانا بہاء الدین امام جیسے اکابر ومعروف صوفیہ سے بھی ان کی صحبت رہتی تھی (ہمانجا ۱۲۸)

سیّد اکبر حسینی تمام عمر اپنے والد کے ہمراہ رہے حدود ۸۰۰ھ / ۱۳۹۷ء کو اپنے والد کے ہمراہ دہلی سے روانہ ہوئے۔ اواخر ۸۰۴ھ / ۱۴۰۲ء میں گلبرگہ (Gulbarga) پہنچے۔ ۸۱۱ھ / ۱۴۰۸ء میں خواجہ گیسو دراز نے انہیں خلافت دی اور جماعت خانہ میں اپنے روبرو دنہالچہ پر ان کو بٹھایا، سیّد اکبر حسینی کا نکاح ملک چھجو (Chajow) کی بیٹی سے ہوا جو سلطان علاء الدین خلجی کے بھائی حاتم خان کا نواسہ تھا۔ اس کے بطن سے ایک بیٹا میاں سفیر اللہ اور ایک لڑکی تولد ہوئی (سیر محمدی ۱۳۱، تبصرۃ الخوارقات ۱۱۵)

مخدوم محمد اکبر حسینی کا انتقال اپنے والد کے حین حیات ۱۵ ربیع الآخر ۸۱۲ھ / ۱۴۰۹ء میں ہوا عمر کل پچاس سال تھی (سیر محمدی ۱۳۹، تبصرۃ الخوارقات ۱۱۵، تاریخ حبیبی ۵۶) گلبرگہ ہی میں مدفون ہیں۔

ان کے والد ان کے تبحر علمی اور معارف وحقائق میں ان کے کامل ہونے کے قائل تھے۔(حظائر القدس ۱۸۵۔۱۸۶) خواجہ گیسودراز نے اپنے اس ذی علم فرزند کی وفات پر نہایت بلیغ اور درد سے بھرپور خط لکھے ہیں (مکتوبات خواجہ گیسودراز ۸۹۔۹۲،۱۰۳۔۱۰۴)

سید محمد اکبر حسینی نے فارسی زبان میں علم تصوف پر بلند پایہ کتب تالیف کی تھیں ان میں سے صرف حسب ذیل کتابوں کا ہمیں تاحال علم ہو سکا ہے:

۱۔ معارف (در علم نحو)
۲۔ شرح تفسیر ملتقط (تصنیف خواجہ گیسودراز)
۳۔ رسالہ اباحتِ سماع
۴۔ رسالہ اباحت پوشیدنِ کفش در مسجد
۵۔ مقاماتِ صوفیان (بزبانِ عربی)
۶۔ تصریف مالکی
۷۔ شرح رسالہ فارسی در علم صرف
۸۔ شرح سوانح امام احمدؒ غزالی
۹۔ کتاب العقائد
۱۰۔ تبصرۃ الاصطلاحات الصوفیہ (سیر محمدی ۱۳۱)

ان مذکورہ کتب میں سے موخر الذکر صرف تین کتابوں کے علاوہ باقی ناپید ہیں۔ ان کے علاوہ اپنے والد کے ملفوظات کے دو مجموعے بھی مرتب کیے تھے۔ ایک مجموعہ دہلی میں لکھا گیا دوسرا گجرات میں مرتب ہوا جس کا نام جوامع الکلم ہے۔ ان میں سے بھی فقط موخر الذکر ہی دستیاب ہے۔ سیر محمدی میں ملفوظات کے صرف دو مجموعوں کا ذکر ملتا ہے۔(لیکن تبصرۃ الخوارقات ص ۱۱۶) میں تین بتائے گئے ہیں۔

۱۔ تبصرۃ الاصطلاحات الصوفیہ

اس کتاب کی فصل نہم (ص ۱۲۴۔۱۲۵) میں مؤلف نے اصطلاحاتِ تصوف کی کچھ تشریح کی ہے۔ باقی فصول مؤلف نے اپنے والد کی ایک اہم عرفانی کتاب اسمار الاسرار (رک باک) کی شرح وتوضیحات کی ہیں۔ اس کے مغلق مقامات کی شرح نہایت اجمال کے ساتھ بیان کی ہے۔ فصل ششم میں اولیاء کی شطحیات بھی بیان کی ہیں۔ اس کی فصل ششم حضرت آدم اور ابلیس کے واقعہ کی تحقیق پر مشتمل ہے۔

اس کتاب کا فارسی متن سید عطا حسین کی تصحیح کے ساتھ۔ خانقاہ خواجہ گیسودراز گلبرگہ سے ۱۳۶۵ھ میں شائع ہو چکا ہے۔

۲۔ کتاب العقائد:

یہ کتاب اہل سنت کے عقائد پر مشتمل ہے اور سوال و جواب کی طرز پر لکھی گئی ہے۔ تمام ضروری مسائل عام فہم فارسی نثر میں لکھ دیے ہیں۔ فلسفہ و کلام کے دقیق مباحث سے احتراز کیا گیا ہے۔ دوسرے مذاہب کے عقائد پر بہت کم بحث کی گئی ہے۔ بجز عقائدِ معتزلہ جن کا جابجا رد کیا گیا ہے۔ عقائدِ اہل سنت کی جملہ بنیادی کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں متکلمانہ طریقۂ استدلال کی بجائے عام فہم صوفیانہ طریقہ افہام و تفہیم اختیار کیا گیا ہے۔ اس میں علوم اسلامیہ خصوصاً علم فقہ کی تقریباً ۴۱ بنیادی کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔

یہ کتاب گلبرگہ میں ۸۰۵ سے ۸۱۰ھ / ۱۴۰۲۔۱۴۰۷ء مابین تالیف ہوئی۔ یہ تعجب ہے کہ مؤلف کے معاصرین جن کی کتب اس کتاب کی تالیف سے بہت کم عرصہ پہلے مرتب کی ہوئی تھیں ان سے بھی مؤلف نے استفادہ کیا ہے۔ مثلاً شرح عقائد نسفی از علامہ تفتازانی (تالیف در خوارزم ۷۶۸ھ) شرح مقاصد (در سمرقند ۷۸۰ھ) شرح مقاصد اسی زمانے میں شیراز میں تصنیف ہوئی۔ گویا یہ کتابیں تالیف ہوتے ہی شمالی ہندوستان بلکہ جنوب میں گلبرگہ تک میں پہنچ گئیں۔ جن سے مؤلف نے استفادہ کیا (کتاب العقائد ص ۳ مقدمہ)

کتاب العقائد کا فارسی متن سیّد عطاء حسین کی تصحیح کے ساتھ کتابخانہ روضتین گلبرگہ سے ۱۳۶۶ھ میں شائع ہوا۔

شرح سوانح:

امام احمد غزالی کی سوانح (کتابی عرفانی) سیّد محمد اکبر نے اپنے والد سے سبقاً پڑھی تھی۔ اس کے بعد اپنے والد کی اجازت سے اس کی شرح لکھی۔ یہ شرح مختصر ہے۔ اثنائے تالیف اور تکمیل کے بعد بھی اپنے والد گرامی کی خدمت میں اصلاح کے لیے پیش کی۔ (تبصرۃ الاصطلاحات ص ۹۔ مقدمہ)

جوامع الکلم:

سیّد محمد اکبر حسینی نے اس میں اپنے والد کے ملفوظات ۸۰۲ھ۔ سے ربیع الثانی ۸۰۳ھ / ۱۴۰۰ء تک کے سخنان جمع کیے ہیں۔ اس کی ترتیب فوائد الفواد کی طرح سال بسال اور ماہ بہ ماہ اور یوم بہ یوم ہے۔ اس میں بہت سے

دینی مسائل کا ذکر بھی آیا ہے اور خواجہ گیسو دراز کی زندگی کے کئی اہم گوشے بھی سامنے آگئے ہیں۔ جامع نے وضاحت کی ہے کہ ہر روز کے ملفوظات لکھنے کے بعد خواجہ گیسو دراز کو دے دیا کرتا تھا وہ ملاحظہ کرنے کے بعد اس کی اصلاح بھی کر دیتے تھے۔ کئی بار خوش ہو کر کہا کہ سیّد اکبر ملفوظات اس طرح لکھ رہا ہے گویا کہ میں خود لکھ رہا ہوں۔ (جوامع الکلم ص ۲۷۱) آٹھویں اور نویں صدی ہجری کی تاریخ ہند کے بعض اہم سیاسی اور معاشرتی نکات بھی ان ملفوظات کے مطالعہ سے معلوم ہوتے ہیں۔

جوامع الکلم کا فارسی متن محمد حامد صدیقی کی تصحیح سے کانپور میں ۱۳۵۶ھ کو طبع ہوا۔ پوری کتاب کا اُردو ترجمہ معین الدین دروائی نے کیا جو کراچی سے ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا۔

مآخذ

۱۔ اکبر حسینی، سیّد: تبصرۃ الاصطلاحات الصوفیہ مرتبہ حافظ سیّد عطاء حسین۔ گلبرگہ کتابخانہ روضتین ۱۳۶۵ھ

۲۔ ایضاً: کتاب العقائد مرتبہ سیّد عطاء حسین، گلبرگہ، کتابخانہ روضتین ۱۳۶۶ھ

۳۔ ایضاً: جوامع الکلم (ملفوظات سیّد محمد گیسو دراز) مرتبہ حامد صدیقی۔ کانپور ۱۳۵۶ھ

۴۔ سامانی، محمد علی: سیر محمدی، فارسی متن مع اُردو ترجمہ از شاہ نذیر احمد قادری سکندر پوری، گلبرگہ، گیسو دراز اکادمی ۱۳۴۷ھ

۵۔ گیسو دراز، سیّد محمد حسینی: حظائر القدس مرتبہ سیّد عطا حسین، حیدر آباد دکن ۱۳۵۹ھ

۶۔ ایضاً: مکتوبات، جامع رکن الدین ابو الفتح علاء قریشی بسال ۸۵۲ھ مرتبہ سیّد عطاء حسین، حیدر آباد، دکن ۱۳۶۲ھ

۷۔ واعظی، عبدالعزیز: تاریخ حبیبی، اُردو ترجمہ مشتاق یار جنگ، حیدر آباد، دکن ۱۳۶۸ھ۔ فارسی متن مبنی بر عکس نسخۂ خطی، مرتبہ سیّد نفیس حسینی، لاہور، ۲۰۰۵ء

۸۔ من اللہ حسینی: تبصرۃ الخوارقات مرتبہ سیّد مبارز الدین رفعت۔ گلبرگہ، بندہ نواز اکیڈمی ۱۹۶۶ء

۹۔ ولی اللہ حسینی: تذکرۂ مخدوم زادہ خرد سیّد یوسف معروف بہ محمد اصغر حسینی، گلبرگہ، بزم معراج العاشقین ۱۳۹۸ھ

۱۰۔ نفیس الحسینی: شمائم سیّد محمد گیسودراز، لاہور، ۱۹۹۹ء

۱۱۔ ایضاً: شجرۃ الاشراف، لاہور، ۲۰۰۲ء

12- Khusro Hussaini: Sayyid Muhammad Al-Husyani-i-Gisodiraz on Sufism, Delhi, 1983.

۱۹ نومبر ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ پیارا

شیخ پیارا نویں صدی ہجری کے سلسلۂ چشتیہ کے ایک صوفی بزرگ تھے۔ شیخ پیارا چشتی سلسلۂ سلوک کے نامور شیخ طریقت حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز (ف ۸۲۵ھ / ۱۴۲۲ء) کے نبیرے سید ید اللہ حسینی (ف ۸۴۹ھ / ۴۵-۱۴۴۶ء) کے مرید تھے۔ لیکن ان کی تعلیم و تربیت خود خواجہ گیسو دراز نے کی تھی۔ جب پہلی بار خواجہ گیسو دراز کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے دریافت کیا کہ کبھی عشق کا کوئی ورود ہوا ہو تو بتاؤ؟ شیخ پیارا جوان سال تھے ہچکچاہٹ محسوس کی بالآخر بتادیا کہ وہ ایک ہندو لڑکی پر فریفتہ ہوئے تھے، اس کے عشق میں زنار تک پہن کر مندر میں رہنے لگے۔ یہ حکایت سن کر خواجہ گیسو دراز ان کی صاف گوئی پر خوش ہوئے اور کہا کہ ہم تمہیں عشق حقیقی کی تعلیم دیتے ہیں۔ چنانچہ بہت جلد اللہ تعالٰی کے عشق کے اسباق سیکھ کر سلوک کی منازل طے کرنے لگے۔ وہ انہیں دہلی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (رک بآں) کے مزار پر لے گئے وہاں بابا شیخ فرید الدین گنج شکر کے حجرۂ اعتکاف میں لے گئے اور وہاں انہیں عبادت میں مصروف کر دیا۔ (اخبار الاخیار ۱۷۲-۱۷۳، معارج الولایت، خطی برگ ۳۰۹-الف)

خواجہ گیسو دراز اپنے مریدین کی تربیت کا آغاز عشق الٰہی کے سبق سے کرتے تھے۔ اور بتدریج عشق حقیقی کی منازل طے کرتے ہوئے سلوک کی دیگر منزلیں یکے بعد دیگرے طالب کے سامنے آتی تھیں (جوامع الکلم ۴۱۴)

شیخ پیارا کی تمام تر تعلیم و تربیت دہلی میں ہوئی اور انہیں خواجہ گیسو دراز کا دہلی میں اشغالِ سلوک میں مصروف کرنا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ یہ خواجہ گیسو دراز کے دکن جا کر سکونت اختیار کرنے سے پہلے کا واقعہ ہے ورنہ خواجہ انہیں اپنی خانقاہِ گلبرگہ میں مصروف کرتے، خواجہ گیسو دراز اپنے شیخ کی رحلت (۷۵۷ھ / ۱۳۵۶ء)

کے بعد دہلی سے نکلے اور دکن پہنچے۔ (اخبار الاخیار ۱۳۱۔ ۱۳۲) اس لیے شیخ پیارا کا ان سے اتصال ان کے ابتدائی زمانے کا معلوم ہوتا ہے۔

شیخ پیارا کا انتقال ۸۶۵ھ / ۶۰۔۱۴۶۱ء کو ہوا (خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۳۹۸) ان کی اولاد یا خلفاء کا حال معلوم نہیں ہے۔

مآخذ

۱۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، دہلی، ۱۳۳۲ھ

۲۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ، ۱۸۷۳ء

۳۔ محمد اکبر حسینی: جوامع الکلم (ملفوظاتِ خواجہ گیسو دراز) مترجم معین الدین دردائی، کراچی ۱۹۸۰ء

۴۔ محمد علی سامانی: سیر محمدی (حالات وملفوظات خواجہ گیسو دراز)، گلبرگہ، ۱۳۴۷ھ

۵۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت ج ا۔ دہلی، ۱۹۸۰ء

6- Khusro, Hussaini: Syyid M. Al-Hussaini-i-gisudaraz on Sufism, Delhi, 1983.

۱۷ جولائی ۱۹۹۸ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ احمد مجد شیبانی

شیخ احمد بن قاضی مجد الدین بن قاضی تاج الافاضل بن شمس الدین شیبانی، جو امام ربانی محمد بن حسن شیبانی کوفی (ف ۱۸۹ھ / ۸۰۴ء) (صاحب امام اعظم ابو حنیفہ کوفی) کی اولاد میں سے تھے۔

شیخ احمد شیبانی علم شریعت و طریقت میں یکتائے زمانہ اور امر معروف و نہی منکر میں اپنے عہد کے فردِ وحید تھے۔ خواجہ حسین ناگوری سلطان التارکین کے شاگرد و مرید تھے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں علوم رسمیہ دینیہ کا درس دینا شروع کر دیا تھا۔ ان کی ولادت نارنول میں ہوئی۔ اپنے سات بھائیوں میں شیخ احمد سب سے زیادہ دانشمند، متقی اور متدین تھے۔ آغازِ شباب میں امر معروف اور نہی منکر کے لیے بادشاہوں اور امراء کی مجالس میں جاتے تھے۔ لیکن جلد ہی شیخ حسین ناگوری سے بیعت کرنے کے بعد ان اغنیا کی صحبت ترک کر دی، اٹھارہ سال ہی کی عمر میں نارنول سے اجمیر گئے اور خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی درگاہ میں معتکف ہو گئے، جہاں اپنی عمر کے ستر سال ریاضت اور درس و تدریس میں گذار دیے۔ (اخبار الاخیار ۱۸۴)

خُرد سالی میں اپنے اقربا کے لیے مدد معاش کے لیے مانڈو گئے تو وہاں شیخ الاسلام شیخ محمود دہلوی جو صدارت کے منصب پر فائز تھے بحث کی اور انہیں نماز دوبارہ ادا کرنے پر مجبور کیا۔ مانڈو کے حکمرانوں نے سلام کرنے کا غیر اسلامی طریقہ رائج کر رکھا تھا شیخ احمد اور قاضی ادریس دہلوی بادشاہ کے پاس گئے اور سلام کے ان کے قاعدہ کے خلاف السلام علیکم کہہ کر بادشاہ کے برابر بیٹھ گئے۔ بادشاہ خوش ہوا اور قاضی ادریس کو اجمیر کا قاضی اور شیخ احمد کو جو ان کے خاندان میں فتویٰ نویسی کا طریقہ رائج تھا جاری کیا یہ سلطان محمود خلجی کا عہدِ حکومت تھا۔ شیخ احمد کو حضور ﷺ کے اہل بیت سے خصوصی محبت تھی اور یوم عاشور میں خاص اہتمام کے ساتھ وظائف اور اظہارِ محبت کے لیے اقدام کرتے تھے (ایضاً)

سماع بہت ہی ذوق سے سنتے تھے لیکن اس دوران رقص اور وجد بالکل نہیں کرتے تھے۔ (ایضاً ۱۸۵)

مانڈو کے حکمرانوں کا دربار چشتی صوفیہ کے اثر و نفوذ سے خالی نہیں تھا۔ سلطان محمود خلجی کے جانشین غیاث الدین (۱۴۶۹۔۱۵۰۱ء) کے عہد میں بھی تذکروں میں اسی قسم کی حکایات ملتی ہیں۔ نیز ملاحظہ ہو طبقاتِ اکبری ۳/ ۳۵۳)

شیخ احمد شیبانی کی زندگی کا زیادہ حصہ اجمیر میں بسر ہوا جہاں اعتکاف، اوراد، علوم دینیہ کا درس اور خصوصاً اپنے مشائخ کی اتباع میں تفسیر مبارک کا بیان ان کی مجالس کا امتیاز تھا (اخبار الاخیار ۱۸۶)

شیخ احمد کی عمر نوے سال تھی کہ ۹۲۲ھ / ۱۵۱۶ء میں جب اجمیر پر رانا سانگا نے حملہ کر کے اسے اپنے تصرف میں لے لیا اور بکثرت مسلمانوں کو شہید کیا۔ اس سے سات روز پہلے ایک بشارت ملنے پر شیخ احمد اجمیر سے ناگور چلے گئے جہاں ۲۵ صفر ۹۲۷ھ / فروری ۱۵۲۱ء کو ان کا انتقال ہو گیا اور وہیں اپنے شیخ سلطان التارکین شیخ حسین ناگوری کے مقبرے میں دفن کیے گئے (اخبار الاخیار ۱۸۶، اذکارِ ابرار ۲۲۹)

شیخ احمد شیبانی کے شاگردوں اور مریدوں میں نارنول کے معروف شاعر و تاریخ گو ملا محمد نارنولی (اخبار الاخیار ۱۸۶)، شیخ بایزید بن شیخ طاہر بن بایزید بن قیام الدین اجمیری معروف بر صغیر (نزہتہ الخواطر ۴/ ۴۸) اور ملا عبدالرحمٰن اخون زادہ نارنولی (طبقاتِ شاہ جہانی، طبقہ تاسع ص ۶۴) کے حالات تذکروں میں ملتے ہیں۔

ماخذ

۱۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار۔ دہلی ۱۳۳۲ھ

۲۔ محمد غوثی مانڈوی: اذکارِ ابرار ترجمہ گلزارِ ابرار، آگرہ ۱۳۲۶ھ

۳۔ محمد صادق کشمیری ہمدانی: طبقاتِ شاہ جہانی، طبقہ تاسع مرتبہ محمد اسلم خان۔ دہلی ۱۹۹۳ء

۴۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، کانپور ۱۸۷۳ء

۵۔ فقیر محمد جہلمی: حدائق الحنفیہ، لکھنو

۶۔ عبدالحی حسنی: نزہتہ الخواطر ج ۴ حیدر آباد، دکن ۱۹۵۴ء

۷۔ رحمٰن علی: تذکرہ علماء ہند تحقیق و ترجمہ محمد ایوب قادری، کراچی ۱۹۶۱ء

۲۵ اپریل ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

سیّد شاہ تاج الدین شیر سوار

سید تاج الدین شیر سوار آٹھویں صدی ہجری کے ایک صوفی تھے۔

شیخ تاج الدین شیر سوار خواجہ قطب الدین منور ہانسوی Hansavi (ف ۷۵۷ھ / ۱۳۵۶ء) کے معروف خلیفہ تھے جو مشہور چشتی شیخ طریقت حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی (ف ۷۲۵ھ / ۱۳۲۵ء) کے اجازت یافتہ تھے۔

سیّد تاج الدین شیر سوار پنجاب کی معروف ریاست (موجودہ ضلع) پٹیالہ (Patiala) کے ایک قصبہ نارنول (Narnaul) کے باشندے سے تھے۔

ابتداء میں محنتِ شاقہ اور سخت ریاضت کی۔ حیوانات کے دل مسخر کر لیے۔ سید تاج الدین شیر پر سواری کرتے تھے اور زندہ سانپ کو ہاتھ میں تازیانہ کے طور پر رکھتے تھے۔ اکثر اپنے شیخ خواجہ قطب الدین منور ہانسوی کے خدمت میں جاتے تو اسی حالت میں سوار ہو کر جاتے شہر کے قریب پہنچ کر شیر کو چھوڑ دیتے۔ ایک مرتبہ عالم بے خودی میں اُسی شیر سواری کی حالت میں شیخ میں خدمت میں حاضر ہو گئے تو شیخ نے دیکھ کر فرمایا کہ تاج الدین جانداروں اور حیوانات کو تابع کر لینا کوئی کام نہیں ہے مردانِ خدا تو بے جان دیوار اور پتھر کو حرکت کا حکم دیں تو وہ متحرک ہو جائیں۔ (اخبار الاخیار ۱۴۹)

سیّد تاج الدین کے ایک فرزند شیخن ابدال بھی تھے جو تارک الدنیا تھے اور ہر وقت یادِ خدا میں معروف رہتے تھے، صرف قوتِ لایموت کے طور پر تناول کرتے تھے (ہمانجا ۱۴۹)

سیّد تاج الدین کے مریدین کے اسماء تک معلوم نہیں ہیں۔ تذکروں میں ان کی صرف کرامات ہی کا ذکر ملتا ہے۔

شیخ تاج الدین قصبہ نارنول ہی میں تولد ہوئے اور عمر کا بیشتر حصہ اُسی گاؤں میں گذرا، وہیں یادِ خدا میں مصروف رہ کر شدید ریاضات کر کے منازلِ سلوک پر درجہ بدرجہ گامزن رہے۔(اخبار الاخیار ۱۴۹)

سیّد تاج الدین شیر سوار کی وفات ۸۷۴ھ / ۶۹۔۱۴۷۰ء کو ہوئی اور اپنے آبائی علاقہ نارنول میں دفن ہوئے۔(ہمانجا ۱۴۹، خزینۃ الاصفیاء ۱/ ۳۶۷) ان کا مزار شہر نارنول سے باہر لیکن آبادی سے قدرے قریب ہے (اخبار الاخیار ۱۴۹)

مآخذ

۱۔ امیر خورد: سیر الاولیاء، دہلی، مطبع محبِ ہند، ۱۳۰۲ھ

۲۔ عبد الحق محدث دہلوی: اخبار الاخبار، دہلی، مطبع مجتبائی، ۱۳۳۲ھ

۳۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنو ۱۸۷۳ء

۴۔ غوثی مانڈوی: اذکارِ ابرار ترجمہ گلزارِ ابرار مترجم فضل احمد جیوری، لاہور، ۱۳۹۵ھ

۵۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت، دہلی ۱۹۸۰ء (جلد اول)

6- Nizami, K.A: Life and Times of Sh. Nizạmudin Auliya, Delhi, 1991.

۱۵ جولائی ۱۹۹۸ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولوی چشتی صابریؒ

شیخ احمد عبدالحق ردولوی سلسلہ چشتیہ صابریہ کے معروف شیخ طریقت تھے۔

حضرت شیخ احمد ردولوی بن شیخ عمر بن شیخ داؤد کا نسب امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے، شیخ احمد کے دادا شیخ داؤد ہلاکو خان (۶۵۴۔ ۶۶۳ھ / ۱۲۵۶۔ ۱۲۶۵ء) کے حملے کے دوران بلخ سے بعہد سلطان علاء الدین خلجی ہندوستان آ گئے۔ سلطان نے اودھ کے متصدی (حسابدار Accountant، سٹینگاس: فرہنگ فارسی، فرہنگ معین) کو لکھا کہ ان کو مدد معاش کے طور پر جاگیر دے دیں۔

شیخ داؤد روحانی ذوق رکھتے تھے اور شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی (ف ۷۵۷ھ / ۱۳۵۶ء) کے مرید تھے، انہوں نے ردولی (Rudauli قصبہ جو لکھنو شہر سے تقریباً ایک سو کلو میٹر مشرق میں واقع ہے) میں سکونت اختیار کر لی۔ ان کے صرف ایک فرزند تھے شیخ عمر جن کے دو بیٹے ہوئے بڑے شیخ تقی الدین اور دوسرے شیخ احمد، شیخ داؤد اور شیخ عمر ردولی میں ہی دفن ہیں (مرآۃ الاسرار۔ خطی برگ ۳۶۱ب)

شیخ احمد عبدالحق کی ولادت بھی ردولی میں ہی ہوئی (اخبار الاخیار ۱۸۷، مرآۃ الاسرار ۳۶۱ب) شیخ احمد کے بڑے بھائی شیخ تقی الدین نے دہلی میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہاں درس و تدریس کے فرائض نجام دیتے تھے۔ شیخ احمد کو جو کم سن تھے، حصول علم کے لیے برادر بزرگ کی خدمت میں دہلی بھیجا گیا لیکن ان کا تعلیم کی طرف میلان نہیں تھا، شیخ تقی الدین نے بہت کوشش کی کہ کچھ اسباق پڑھ لیں لیکن بے سود، دیگر علماء نے بھی سعی کی اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان پر باطنی علم اور سلوک حاصل کرنے کا جذبہ غالب ہے، انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا۔ (انوار العیون ۱۴۔۱۷)

شیخ احمد عبدالحق مرشدِ کامل کی تلاش میں پھرتے رہے حتی کہ پانی پت میں شیخ جلال الدین محمود پانی پتی (ف ۷۶۵ھ / ۱۳۶۳ء) سے ملاقات ہوئی بیعت کے بعد شدید ریاضت کی اور خلافت یاب ہوئے (ہمانجا ۱۹۔۲۴)

اس طرح آپ سلسلہ چشتیہ کی مشہور شاخ صابریہ سے یُوں منسلک ہوگئے یعنی شیخ جلال الدین پانی پتی خلیفہ شیخ شمس الدین ترک پانی پتی اور وہ خلیفہ شیخ علاء الدین علی احمد صابر کلیری (سیر الاقطاب ۱۵۶)

شیخ احمد عبدالحق اپنے آبائی قصبہ ردولی چلے گئے اور وہاں انہوں نے اس سلسلہ کی ایک ایسی خانقاہ کی بنیاد ڈالی جسے بجاطور پر سلسلہ چشتیہ صابریہ کا پہلا مرکز قرار دے سکتے ہیں۔ انہوں نے ایسے دور میں وہاں خانقاہ قائم کی جب چشتیہ سلسلہ کا مرکزی نظام ختم ہو چکا تھا اور اس سلسلے کے مشائخ گجرات، مالوہ، دکن اور بنگال وغیرہ میں اپنی خانقاہیں قائم کر رہے تھے۔ دہلی اور اس کے نواح کے علاقے اس سلسلے کے بزرگوں سے خالی ہو چکے تھے۔ شیخ احمد عبدالحق نے طویل سیاحت کی تھی اور بھکر سے پنڈوہ تک کا سفر کیا تھا (انوار العیون ۹۱) اور ان حالات کا جائزہ لیا تھا ردولی میں ان کی خانقاہ رشد وہدایت کا مرکز بن گئی اور شمالی ہندوستان کے لوگ بکثرت حاضر ہونے لگے۔ (ہمانجا ۳۹۔۶۵،۵۵،۱۲۴)

شیخ احمد عبدالحق نے نہایت متوکلانہ زندگی بسر کی سلطان ابراہیم شرقی (۸۰۳۔ ۸۴۴ھ / ۱۴۰۱۔ ۱۴۴۰ء) نے خانقاہ کے لیے جاگیر وقف کرنا چاہی تو صاف انکار کر دیا (ہمانجا ۴۲۔۴۶، ۴۹، ۸۸) ردولی کا حاکم قاضی خان بھی آپ کا معتقد تھا اس سے بھی کبھی کچھ قبول نہیں کیا (ہمانجا ۱۱۵) اودھ اور ردولی کے دیگر امراء فیروز خان، تاتار خان اور محمد خاں اکثر خانقاہ میں حاضر ہوتے اور اپنی عقیدت کا اظہار کرتے تھے (ہمانجا ۳۹، ۴۹، ۸۸)

مریدین وخلفاء بھی خاصی تعداد میں تھے ان کے شیخ جلال الدین پانی پتی کی اولاد بھی انہی سے منسلک ہو گئی تھی (انوار العیون ۱۴۳) خاص خلفاء میں سے شیخ بختیار، شیخ بہرام، شیخ برہان اور میاں فرید کے نام ان کے ملفوظات میں بار بار آئے ہیں، شیخ احمد عبدالحق کا وصال ۸۳۷ھ / ۱۴۳۳ء میں ہوا۔ اپنی خانقاہِ ردولی میں ہی دفن ہوئے (ہمانجا ۱۴۶)۔

شیخ احمد عبدالحق کے صرف ایک ہی فرزند شیخ احمد عارف بقید حیات رہے اور وہی آپ کے جانشین بنے تھے جو چالیس سال کی عمر میں ۸۵۹ھ / ۱۴۵۴ء کو فوت ہوئے (خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۳۹۷) شیخ احمد عارف کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ محمد سجادہ نشین ہوئے ان کے خلفاء میں جس شخصیت نے شہرت حاصل کی اور سلسلہ چشتیہ صابریہ کی صحیح معنوں میں تاسیس کی وہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی (ف ۹۴۴ھ / ۱۵۳۷ء) تھے، ان کے جانشین ان

کے صاحبزادے شیخ رکن الدین ہوئے جن سے شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے والد مخدوم عبدالاحد نے سلسلہ چشتیہ میں فیض پایا۔(زبدۃ المقامات ۹۲)

شیخ احمد عبدالحق ظاہری علم کے مقابلے میں باطنی علم کے حصول پر زور دیتے تھے (انوار العیون ۹۴) غالباً یہی وجہ ہے کہ ان کی کوئی تالیف اب تک دستیاب نہیں ہوئی ہے، صرف ان کے ملفوظات کا ایک مجموعہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے انوار العیون کے نام سے ان کی وفات ۸۳۷ھ کے پچاس سال بعد ان کے پوتے شیخ محمد اور دیگر خلفاء سے سن کر جمع کیے تھے، جس کے کئی ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں اودھ ۱۲۸۴ھ، ردولی ۱۹۰۳ء (مع خاتمہ و ضمیمہ)، علی گڑھ ۱۹۰۵ء، مطبع مجتبائی دہلی سے در مکنون کے نام سے اس کا اُردو ترجمہ بھی چھپ چکا ہے۔

شیخ کے ملفوظات انوار العیون سے وحدت الوجود میں ان کی گہری نظریاتی وابستگی کا علم ہوتا ہے، بعض ہندی دوہڑے بھی ان سے منسوب ہیں (انوار العیون ۴۵، ۶۰)

اس میں لکھا ہے کہ ایک طویل ریاضت کے بعد شیخ احمد کو الہامی طور پر عبدالحق کا خطاب ملا تھا، شیخ خود ان کے خلفاء اور بعد کے مریدین بھی السلام علیکم اور الحمد للہ کی بجائے حق حق حق تین مرتبہ کہتے تھے۔ (ہمانجا ۱۲۴) کئی اصحاب کو اس پر اعتراض تھا کہ یہ خلاف سنت ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ چونکہ یہ طریقہ خلاف شرع تھا اس لیے اب ترک ہو چکا ہے۔ لیکن اس سلسلے کے اصحاب اپنے خطوط کے آغاز میں تین مرتبہ "حق" لکھتے ہیں (اخبار الاخیار ۱۸۹)، شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مجموعہ مکاتیب میں تقریباً ہر مکتوب کے آغاز میں یہی لکھا ہوا ہے۔

شیخ احمد عبدالحق کے معاصر مشائخ کے ساتھ خوشگوار تعلقات تھے، ان میں سے شیخ جمال الدین اودھی، شیخ فتح اللہ اودھی، شیخ زین الدین اودھی، شیخ زکریا بن سلیمان اور شیخ نور الدین ابدالی کا آپ کے ملفوظات میں کئی بار ذکر آیا ہے۔ (انوار العیون ۳۹۔ ۴۱، ۶۱، ۶۵) شیخ احمد پانی پت سے سنام گئے لیکن اس دوران ہندوستان پر تیمور کے حملے (۹۹۔ ۱۳۹۸ء) کی وجہ سے شیخ بنگال چلے گئے جہاں چشتی سلسلہ کے معروف بزرگ شیخ نور قطب عالم سے ملاقات ہوئی ان کی خدمت میں مختصر قیام رہا (ہمانجا ۳۱۔ ۳۵) شیخ نور قطب عالم نے پنڈوہ (Pandua) میں اس سلسلے کی ایک عظیم خانقاہ کی بنیاد ڈالی تھی، شیخ احمد عبدالحق ان سے متاثر ہوئے اور خود اسی طرز کی خانقاہ ردولی جا کر بسائی۔

مآخذ

۱۔ الہدیہ چشتی: سیر الاقطاب، لکھنو، مطبع نولکشور ۱۸۸۱ء

۲۔ رکن الدین: لطائف قدوسی (ملفوظات شیخ عبدالقدوس گنگوہی) دہلی، مطبع مجتبائی ۱۳۱۱ھ

۳۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر، جلد ۳، حیدر آباد، دکن، ۱۹۶۸ء

۴۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، دہلی، مطبع مجتبائی، ۱۳۳۲ھ

۵۔ عبدالرحمٰن چشتی: مرآۃ الاسرار، خطی نسخہ مملوکہ مولوی محمد یعقوب فراہی، کوئٹہ، پاکستان

۶۔ عبدالقدوس گنگوہی: انوار العیون۔ ردولی، خانقاہ ردولی، ۱۹۰۳ء

۷۔ عبدالقدوس گنگوہی: مکتوبات قدوسیہ جامع بدہن بن رکن معروف بہ میاں قوام الملک، دہلی، مطبع احمدی، ۱۸۷۰ء

۸۔ قدوسی، اعجاز الحق: شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات، کراچی، ۱۹۶۱ء

۹۔ کشمی، محمد ہاشم: زبدۃ المقامات، لکھنو، مطبع نولکشور، ۱۳۰۷ھ

۱۰۔ محمد اکرم براسوی: اقتباس الانوار، لاہور، مطبع اسلامیہ، ۱۸۹۵ء

۱۱۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت، دہلی، ۱۹۸۱ء (جلد اول)

12- Nizami, K.A: Life and Times of Sh. Nasir-ud-din Chiragh-i-Dehli, Dehli ,1991.

۱۰/ اگست ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ، تہران

شیخ سعد اللہ دہلوی

شیخ سعد اللہ دہلوی دسویں صدی ہجری / سولہویں صدی عیسوی کے مشائخ میں سے تھے۔

شیخ سعد اللہ کے جدِ اعلیٰ آغا محمد ترک بخاری (ف ۷۳۹ھ / ۱۳۳۸ء) بخارا سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے، سلطان علاء الدین خلجی (۶۹۶۔۷۱۶ھ / ۱۲۹۶۔۱۳۱۶ء) نے انہیں معزز عہدوں سے نوازا اور انہیں فتح گجرات کی مہم پر روانہ کر دیا فتح کے بعد انہوں نے وہیں سکونت اختیار کر لی، کثیر اولاد ہوئی ایک حادثہ کے باعث تارکِ دنیا ہو کر دہلی میں گوشہ نشین ہو گئے، ان کے فرزند ملک معز الدین اور پوتے ملک موسیٰ کا بھی اہم کردار تھا۔

ملک موسیٰ کے فرزندوں میں سے شیخ فیروز خاص صلاحیتوں کے مالک تھے فن سپاہ گری کے ساتھ شعری ذوق بھی رکھتے تھے، انہوں نے بہرائچ (Behraich) کے ایک معرکہ میں ۸۶۰ھ / ۱۴۵۵ء کو شہادت پائی (اخبار الاخیار ۵۹۵۔۵۹۸)۔

شہادت کے وقت ان کی زوجہ محترمہ حاملہ تھیں، شہادت کے بعد ان کے جس فرزند کی ولادت ہوئی وہ یہی شیخ سعد اللہ دہلوی تھے، گویا موصوف حدود ۸۶۰ھ کو متولد ہوئے۔ (ایضاً ۵۹۸)

شیخ سعد اللہ میں اپنے والد گرامی کے تمام اوصاف پائے جاتے تھے، ان کے ابتدائی حالات نہیں ملتے تحصیل کے بعد عبادت و ریاضت میں وقت گذارنے لگے اور اس وقت کے مشہور شیخ طریقت شیخ محمد منگن ملقب بہ مصباح العاشقین (ف ۹۰۰ھ / ۱۴۹۴ء) سے بیعت ہوئے وہ بہت متقی بزرگ تھے سلطان سکندر لودھی (۸۹۴۔۹۲۳ھ / ۱۴۸۹۔۱۵۱۷ء) ان کا عقیدت مند تھا ان کی خانقاہ ملاوہ (حدود قنوج) میں تھی شیخ سعد اللہ نے ان کی خدمت میں رہ کر سلوک کی مشق کی شدید ریاضتیں کیں۔ شیخ سعد اللہ کا ۲۲ ربیع الاول ۹۲۸ھ / ۱۵۲۱ء کو وصال ہوا، (ایضاً ۵۹۹) ان کا قیام دہلی میں تھا وہ دہلی میں اپنے اتقاء کے باعث بہت معزز تھے۔

شیخ سعد اللہ کے فرزندوں میں سے دو کو دہلی میں بہت شہرت ملی اول فرزند بزرگ شیخ رزق اللہ متخلص بہ مشتاقی (۸۹۷۔۹۸۹ھ / ۱۴۹۱۔۱۵۸۱ء) بڑے عالم اور عارف تھے انہوں نے سلوک کی تعلیم شیخ محمد منگن مذکور اور شیخ بدھن شطاری سے حاصل کی انہیں ہندی زبان اور کتب ہنود پر کامل عبور تھا، لودھی عہد کی تاریخ پر ان کی کتاب واقعات مشتاقی کا فارسی متن اور انگریزی ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔

شیخ سعد اللہ کے دوسرے فرزند مولانا شیخ سیف الدین (۹۲۰۔ ۹۹۰ھ / ۱۵۱۴۔ ۱۵۸۲ء) اپنے عہد کے بلند پایہ صوفی تھے، شعر و سخن سے بھی مناسبت تھی، شیخ امان اللہ پانی پتی (ف ۹۵۷ھ / ۱۵۵۰ء) سے بیعت تھے۔ (ایضاً ۴۸۸۔۵۰۰)

انہی شیخ سیف الدین کے صاحبزادے مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۹۵۸۔ ۱۰۵۲ھ / ۱۵۵۱۔ ۱۶۴۲ء) جو برعظیم پاکستان و ہند کے سب بڑے محدث تھے، اپنے تقویٰ اور کثیر تصانیف کے باعث بین الاقوامی شہرت کے مالک ہوئے۔

ماخذ

۱۔ احمد قادری: تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، پٹنہ، ۱۹۵۰ء

۲۔ برکت علی، منشی: مرآۃ الحقائق (احوالِ شیخ عبدالحق محدث)، رام پور، ۱۳۲۲ھ

۳۔ حبیب اللہ: ذکر جمیع اولیاءِ دہلی مرتبہ شریف حسین قاسمی، ٹونک، ۱۹۸۸ء

۴۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار مرتبہ علیم اشرف خان، تہران، ۱۳۸۰ش

۵۔ محمد صادق ہمدانی کشمیری: کلمات الصادقین مرتبہ محمد سلیم اختر، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء

۶۔ نظامی، خلیق احمد: حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، دہلی، ۱۹۵۳ء

۷۔ حارثی، محمد بن رستم، تاریخ محمدی ۲ / ۴ مرتبہ نثار احمد فاروقی، رام پور، ۲۰۰۵ء

۳۰ راکتوبر ۲۰۰۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شاہ بہاء الدین باجن

شاہ بہاء الدین باجن نویں صدی ہجری کے مشہور صوفی اور شاعر تھے۔

شاہ بہاء الدین باجن بن حاجی معز الدین مولانا احمد مدنی کی اولاد میں سے تھے۔ (خزائن رحمت ص ۱۱، اذکارِ ابرار ۲۱۲) جو قرشی خطابی نسب سے منسلک تھے، مولانا احمد مدنی معروف صوفی شیخ ابو مدین (ف ۵۹۰ھ / ۱۱۹۴ء) کے مرید اور تفسیر و حدیث میں کمال و تبحر حاصل تھا۔ (اذکارِ ابرار ۲۱۲) موصوف طویل سیاحت کے بعد دہلی بھی آئے اور وہاں چند سال حدیث کا درس دیا ان کے فرزند شیخ عبد الملک بھی ہمراہ تھے۔ مولانا احمد واپس جاتے ہوئے اپنے اس فرزند کو دہلی میں ہی چھوڑ گئے (خزائن رحمت ۵۹، محبوب ذی المنن ۱۸۸)

انہی شیخ عبد الملک کے بیٹوں میں ایک حاجی معز الدین بھی تھے جو شاہ بہاء الدین باجن کے والد تھے۔ حاجی معز الدین مخدوم جہانیاں جہان گشت کے مرید تھے۔ (محبوب ذی المنن ۱ / ۱۸۸ اذکار ابرار ۲۱۳) سفر حجاز پر جاتے ہوئے حاجی معز الدین گجرات (احمد آباد) میں ٹھہرے تو وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ وہیں شادی کی اور عیال داری نے مزید سفر کی مہلت نہ دی۔ (شاہ بہاء الدین باجن ص ۳)

شیخ بہاء الدین باجن کی ولادت حدود ۸۳۵ھ / ۱۴۳۱ء کو احمد آباد (گجرات) میں ہوئی، عربی و فارسی کے علاوہ انہیں ہندوی زبان پر بھی خوب عبور تھا۔ (ہمانجا ۷)

شیخ بہاء الدین باجن چشتی سلسلہ کے معروف شیخ طریقت شیخ رحمت اللہ (ف ۸۷۷ھ / ۱۴۷۳ء) بن شیخ عزیز اللہ متوکل (ف ۸۵۱ھ / ۱۴۴۷ء) کے مرید و خلیفہ تھے۔ (اذکار ابرار ۲۱۲) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ باجن نے ابتداء میں شیخ رحمت اللہ کے والد شیخ عزیز اللہ متوکل سے بھی استفادۂ باطنی کیا تھا (اخبار الاخیار ۲۷۹) لیکن سلوک کی تکمیل شیخ رحمت اللہ کی خدمت میں رہ کر کی اور اکیس برس تک ان کی خدمت میں رہے۔ پھر سیاحت کے لیے نکلے طویل سفر کے بعد واپس گجرات آئے تو شیخ رحمت اللہ کا انتقال ہو چکا تھا، ان کے جانشین شیخ احمد

عطاء اللہ سے بھی باطنی استفادہ کیا۔ شیخ باجن نے عمر کا بڑا حصہ سیاحت میں گذارا سندھ سے خراسان تک اور دکن سے سیلون (Seloon) تک سفر کر چکے تھے (خزائن رحمت ۲۷)، شیخ جیون (جانشین شیخ برہان الدین برہانپوری) سے بھی اجازت وخلافت ملی تھی (ہمانجا ۷۶۔۷۷)

آخر میں شیخ باجن نے برہان پور (Burhanpur از بلادِ دکن) میں قیام کیا۔ (ہمانجا ۷۷) شیخ منجھلے (Manjahaly) جو شیخ مسعود بک کے خلیفہ تھے کے ساتھ بھی ارادت تھی۔ برہان پور میں حاکم وقت نے ان کے لیے جامع مسجد اور خانقاہ کی تعمیر کروائی (اذکارِ ابرار ۲۱۴) درس وتدریس کے ساتھ مریدین کی روحانی تربیت میں بھی مصروف رہے۔ جہاں تقریباً چالیس سال تک انہوں نے دعوت وارشاد کا سلسلہ جاری رکھا اور یہیں ۹۱۲ھ / ۱۵۰۷ء کو انتقال ہوا۔ ایک سو دو سال عمر پائی (گلزار ابرار ۱۹۳، تاریخ برہانپور ۱۰۳)

شاہ باجن کا روضہ ایک وسیع احاطہ کے شمال مشرقی گوشہ میں خانقاہ سے متصل ہے۔ (شاہ بہاء الدین باجن ۹۔۱۱)

شاہ باجن کے جانشین ان کے فرزند شاہ عبد الحکیم تھے۔ جو بڑے عالم اور صوفی تھے ان کی تالیفات میں سے ایک حاشیہ تلخیص المفتاح کتب خانہ درگاہِ شاہ برہان الدین رازِ الٰہی (برہانپور) میں ہے۔ شاہ باجن کے پوتے شیخ فرید بھی ذی علم اور شاعر تھے۔ (اذکارِ ابرار ۶۰۳) شاہ باجن کے ایک نبیرے عزت اللہ خان کی فقہ حنفی پر ایک مبسوط کتاب مرآۃ المسائل قابلِ توجہ ہے۔ شاہ باجن کے مقبرہ کے لیے شاہ جہان، اورنگزیب اور شاہ عالم ثانی نے زمینیں دی تھیں (شاہ بہاء الدین باجن ۱۱)

شیخ بہاء الدین کا لقب باجن (Bajan) تھا جو ان کے مرشد نے انہیں دیا (خزائن رحمت ۷۵) اور اسے انہوں نے اپنے ہندوی (گجراتی) زبان میں شاعری کرتے ہوئے بطور تخلص بھی استعمال کیا ہے۔ جو خزائن رحمت میں متعدد بار آیا ہے۔

باجن کے معنیٰ موسیقی ساز یا باجہ ہے (مقالاتِ شیرانی ۱/ ۱۶۴) یہ ہندی زبان کا لفظ ہے باج بمعنی بجنے کی آواز اور باجن آلاتِ موسیقی کو کہتے ہیں (ہندی اُردو لغت ۱۰۵)

باجن بیک وقت فارسی اور ہندوی زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ان کی تحریرات میں فارسی زبان زیادہ تر ہندی طرزِ تخیل وتکلم کے تابع معلوم ہوتی ہے۔ ان کی تحریر میں ہندی محاورات اور اسلوب کا پر تو موجود ہے۔

ہندوستانی فارسی اسی قسم کی تھی۔ خزائن رحمت میں بعض بالکل ہندی محاورے استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً دب کردن بہ معنی دفن کردن۔ اسی طرح لفظ رہائش بمعنی رہائی استعمال ہوا ہے۔ شیخ باجن کوئی بلند مرتبہ فارسی شاعر نہیں تھے۔ اور نہ ہی ان کی شاعری بلند پایہ ہے۔ تاہم انہوں نے اپنے خیالات و جذبات کا اظہار اشعار کے ذریعہ کیا ہے (مقالاتِ شیرانی ا / ۱۶۷)

خزائن رحمت اللہ:

اس کتاب میں شیخ [illegible] نے اپنے مرشد شیخ رحمت اللہ کے حالات، مناقب اور ملفوظات جمع کیے ہیں۔ اس کے کل سات خزائن (ابواب [illegible]) ہیں۔

خزانہ اول: در حالات و مناقب شیخ رحمت اللہ، مناقب شیخ عزیز اللہ متوکل، مناقب شیخ لطیف الدین دریا نوش، مناقب خواجہ محمد بن زاہد یوسف چشتی۔

خزانۂ دوم: حضرات اہل طریقت کے افعال کا ذکر۔ ہر عنوان کو مفتاح کا نام دیا ہے۔۔۔

خزانۂ سوم: اہلِ حقیقت کے حالات بیان کیے ہیں جس میں ۱۹ عنوانات ہیں ہر عنوان کو فتح کا نام دیا ہے۔

خزانۂ چہارم: در اسرار توحید جلی و علیٰ اور مبداء و معاد انسان کے ذکر میں ہے۔۔۔

خزانۂ پنجم: در بیان اوراد، دعوت وادعیہ، حرزیات، ضربیات۔۔۔۔۔

خزانۂ ششم: ہیں ایسے اوراد و اشغال کا بیان جن میں نماز اور دعاؤں کے مہینے، اور اوقات مشائخ سلف کی کتب سے منقول ہیں۔

خزانۂ ہفتم: در ذکرِ اشعار گو مقولہ ایں فقیر (باجن) است بزبانِ ہندوی، چکری خوانند و قوالانِ ہند آں را در پردہ ہاو سرودمی نوازند۔۔۔۔۔ (شاہ بہاء الدین باجن ۴۱-۴۴)

خزائن رحمت کا سالِ تالیف کہیں مذکور نہیں ہے لیکن مندرجات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے اپنے شیخ رحمت اللہ کے وصال ۸۷۷ھ / ۱۴۷۳ء کے بعد برہانپور میں مستقل سکونت اختیار کرنے کے بعد شروع کیا۔ تکمیل کے سنہ کی بھی کہیں وضاحت نہیں ہے۔

خزائن رحمت فارسی نثر میں ہے مؤلف کا بیان اور زبان نہایت سادہ اور عام فہم ہے۔ انداز بیان، میں وعظ و نصیحت کا غلبہ ہے۔ مؤلف نے جا بجا فارسی اشعار اور مقامی زبان (گجراتی و قدیم اُردو) کے دوہڑے بھی نقل کیے ہیں۔

شاہ باجن اپنے کلام کو جکری بزبان ہندوی کہتے ہیں (خزائن رحمت، خزانۂ ہفتم) قدیم اُردو یا گوجری کی اس صنف سخن کی ابھی تک تشفی بخش وجہ تسمیہ سامنے نہیں آئی ہے۔ حافظ محمود شیرانی نے اسے ذکر یا ذکری کی ہندوستانی اثرات میں بگڑی ہوئی شکل قرار دیا ہے۔ (مقالاتِ شیرانی ۱/ ۱۷۷) اور یہ تاویل عام طور پر مانی جاتی ہے۔ لیکن ڈاکٹر ضیاء الدین دیسائی کی تاویل زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ یہ لفظ دراصل چکری (چ۔ک۔ر۔ی) ہے جو کاتبوں کے ہاتھوں بگڑتا ہوا کئی صورتیں اختیار کر گیا۔ اس لفظ کا تعلق فارسی یا عربی سے نہیں بلکہ ہندوی سے ہے۔ صوفیہ کے بعض سلاسل میں مزامیر کے ساتھ صوفیانہ کلام گایا جاتا ہے۔ اسے سن کر حلقے بنائے ہوئے یہ حضرات بے اختیار وجد میں آکر رقص کرتے گول گول گھومتے ہیں جسے چکر لگانا کہا جاتا ہے۔ اس حالت کو فارسی میں "بہ چرخ آمدن" کے محاورے سے ادا کیا جاتا ہے۔ خود شاہ باجن نے اپنے پیر کے خرقہ کے حصول کی کیفیت بیان کرتے ہوئے اسی قسم کے وجد اور چکر کا ذکر کیا ہے۔ (خزائن ۶۵) اس طرح شاہ باجن کا یہ کلام نہ تو جکری، جگری، ذکر، ذکری ہے بلکہ دراصل یہ چکری ہے (مقدمہ دیسائی بر شاہ باجن حیات اور گجری کلام ۱۳۔۱۵)

خزائن رحمت ایک اہم ترین تذکرہ بھی ہے جس میں مؤلف کے مرشد شیخ رحمت اللہ گجراتی، شیخ عزیز اللہ متوکل، شیخ لطیف الدین دریانوش اور خواجہ محمد بن زاہد یوسف چشتی کے حالات معاصرانہ روایات و مشاہدات پر مبنی ہیں اور ان حضرات کے حالات سے آگہی کا مستند ترین ذریعہ یہی تذکرہ ہے۔

اس کتاب کی کئی اعتبار سے تاریخی اہمیت بھی ہے۔ ایک مقام پر سلطان قطب الدین گجراتی (۸۶۳ھ / ۱۴۵۹ء) کی مجلس میں علماء و مشائخ کی موجودگی کا بڑے دلنشین انداز میں ذکر کیا گیا ہے۔ سلطان محمود بن محمد شاہ گجراتی، شاہ باجن کا مرید و معتقد تھا۔ (ہمانجا ۴۱۔۴۲) مؤلف نے سلطان غیاث الدین (۸۷۳۔۹۰۵ھ / ۱۴۶۸۔۱۴۹۹ء) کے عدل و انصاف، معارف پروری اور فقراء دوستی کی بڑی تعریف کی ہے۔ (شاہ باجن حیات اور گجری کلام ۱۷۔۱۹)

اس کتاب میں بعض تاریخی انکشاف بھی پائے جاتے ہیں مثلاً مؤلف نے لکھا ہے کہ شیخ عزیز اللہ متوکل کے مزار واقع مانڈو (Mando) کے پایانِ روضہ میں سلطان احمد شاہ گجراتی کے فرزند مبارک خان کا چبوترہ ہے۔ تاریخ کے اوراق اس گجراتی شہزادے کے نام سے نا آشنا ہیں چہ جائے کہ اس کے مدفن کا ذکر کہیں ملے۔ لیکن چند سال قبل شہزادے کے وجود کا گجرات کے سابر کانٹھا ضلع قصبہ پرانتیج کی ایک مسجد کے کتبے کے ذریعہ معلوم ہوا جو اس وقت تعمیر ہوئی تھی جب شہزادہ مبارک خان اس نواح کا حاکم یا گورنر تھا۔ اس کے علاوہ اس شہزادے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ (مقدمہ دیسائی بر شاہ باجن حالات وکلام ص ۱۲۔۱۳) خزائن سے پہلی مرتبہ معلوم یہ ہوا کہ یہ شہزادہ نہ صرف دانشمند اور درویش تھا بلکہ وہ حافظِ قرآن اور قاریِ سبع قرأت بھی تھا۔ (ہمانجا ۱۳) اسی طرح اس کتاب کے ذریعہ گجرات کے مشہور وزیر امیر ملک عماد الملک ملک شعبان کے بارے میں پتا چلتا ہے کہ وہ بھی شیخ رحمۃ اللہ کا مرید تھا۔ (ہمانجا ۱۳)

خزائن رحمت کے خطی نسخے ذخیرہ شیرانی کتابخانہ مرکزی دانشگاہِ پنجاب لاہور (نمبر ۲۲۸۲/ ۵۲۸۹)، نیشنل میوزیم کراچی (ذخیرہ انجمن ترقی اردو) اور کئی نسخے برہان پور (ہندوستان) میں بھی موجود ہیں اب تک اس کا فارسی متن شائع نہیں ہوا ہے۔ اس کی تلخیص اردو میں ڈاکٹر شیخ فرید نے شاہ بہاء الدین باجن حیات اور گجری کلام کے عنوان سے گجرات ۱۹۹۲ء میں شائع کی۔

شاہ باجن کی ایک مثنوی جنگ نامہ کے نام سے قدیم اردو میں ہے۔ جس کا خطی نسخہ نیشنل میوزیم کراچی میں ہے۔ اس مثنوی کا مکمل متن بھی شیخ فرید نے اپنی مذکورہ کتاب کے آخر میں مرتب کر کے شامل کر دیا ہے۔

شاہ باجن کے خلفاء میں ایک امیر قدسی بھی تھے جو فارسی کے شاعر تھے۔ معروف عالمِ دین و محدث شیخ علی بن حسام الدین متقی برہانپوری ثم مکی (ف ۹۷۵ھ / ۱۵۶۷ء) نے سات آٹھ سال کی عمر میں شاہ باجن سے بیعت کی اور پھر شیخ عبد الحکیم بن شاہ باجن سے سلسلۂ چشتیہ میں خلافت حاصل کی تھی (اخبار الاخیار ۲۵۷)

مآخذ

۱۔ اصغر، راجیسور راؤ: ہندی اُردو لغت، حیدر آباد، دکن ۱۹۳۸ء

۲۔ جالبی، جمیل: تاریخ ادب اردو، لاہور، ۱۹۸۴ء

۳۔ خلیل الرحمٰن: تاریخ برہانپور، دہلی ۱۳۱۷ھ

۴۔ دیسائی، ضیاء الدین: مقدمہ بر شاہ باجن، حیات اور کلام مرتبہ شیخ فرید، گجرات، ۱۹۹۲ء

۵۔ راشد، مطیع اللہ برہانپوری: برہانپور کے سندھی اولیاء۔ کراچی ۱۹۵۷ء

۶۔ شیرانی، حافظ محمود: مقالاتِ شیرانی مرتبہ مظہر محمود شیرانی، لاہور ج اول، ۱۹۶۶ء

۷۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، دہلی ۱۳۳۲ھ

۸۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر، حیدر آباد، دکن ۱۹۵۵ء

۹۔ غلام مصطفیٰ خان: علمی نقوش، حیدر آباد، سندھ (س۔ن)

۱۰۔ غوثی مانڈوی: اذکارِ ابرار اُردو ترجمہ گلزارِ ابرار، از فضل احمد جیوری۔ لاہور، ۱۳۹۵ھ، فارسی متن مرتبہ محمد ذکی، پٹنہ، ۲۰۰۱ء

۱۱۔ فرید، شیخ: شاہ بہاء الدین باجن حیات اور گجری کلام، گجرات احمد آباد، ۱۹۹۲ء

۱۲۔ ملکاپوری، عبدالجبار خان: محبوب ذی المنن، حیدر آباد، دکن، ۱۳۲۹ھ

۱۳۔ مدنی، سیّد ظہیر الدین: گجری مثنویاں، گجرات، ۱۹۹۰ء

۱۴۔ جعفر، سیدہ، گیان چند جین: تاریخ ادب اُردو، دہلی ۱۹۹۸ء

۱۹ راپریل ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ کشبہ قارہ

شیخ محمد چشتی گجراتی احمد آبادی

شیخ محمد چشتی احمد آبادی گیارہویں صدی ہجری کے نامور شیخ طریقت اور مؤلف تھے، موصوف نے گجرات میں سلسلۂ چشتیہ کے فروغ کے لیے گراں قدر خدماتِ انجام دیں۔ شیخ محمد اپنے رسائل میں اپنا نام و نسب یُوں لکھتے ہیں:

> شیخ محمد بن شیخ حسن محمد بن شیخ احمد مشہور بہ میاں جیو بن شیخ نصیر الدین بن شیخ مجد الدین بن شیخ سراج الدین بن شیخ کمال الدین علامہ۔۔۔۔۔۔ من خالہ الحقیقی شیخ نصیر الدین محمود اودھی چراغ دہلی (مجموعہ رسائل برگ ۱۰۰۔الف)

شیخ محمد چشتی کی والدہ بی بی امۃ الغنی شیخ عزیز اللہ متوکل چشتی کی اولاد میں سے تھیں۔ شیخ محمد ۹۵۶ھ میں تولد ہوئے (مجمع الکمال۔ خطی برگ ۳۳۔الف، خاتمہ مرآۃ احمدی ۷۶)

آپ کے والد شیخ حسن محمد گجراتی ایک بلند پایہ عالم اور صوفی تھے تفسیر محمدی اور حاشیہ بیضاوی ان سے یادگار ہیں (تذکرہ علماء ہند ۴۷۳) ۹۸۲ھ / ۱۸۷۵ء، میں وصال ہوا۔

شیخ محمد چشتی اپنے والد کے شاگرد اور خلیفہ تھے اس نعمت کا انہوں نے خود تذکرہ کیا ہے (رسائل، خطی برگ ۴۷۔الف) شیخ کے اجداد کو بادشاہوں کی طرف سے جاگیروں کے عطیات ملے تھے لیکن توکل کی راہ اختیار کرتے ہوئے آپ نے تمام سندیں دعوڈالیں اور شاہان وقت سے تعلق نہ رکھا اور ملک مقصود کی مسجد واقع بر کنارِ صابر متی (Sabir Mati) میں گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ ۲۶ رمضان ۱۰۰۲ھ / ۱۵۹۴ء کو منصبِ قطبیت (درجۂ صوفیہ) پر فائز ہوئے۔ مولانا شریف عبد القادر بن شریف عیدروس نے اس کی تصدیق کی۔ گجرات کے بکثرت طالبانِ حق نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور منازلِ سلوک کے بعد مراتبِ اعلیٰ پر فائز ہوئے۔

جہانگیر بادشاہ نے کہا کہ جب دہلی سے اجمیر زیارت کے لیے آئیں تو مجھ سے ملاقات کریں چنانچہ ان کی جہانگیر سے اجمیر ہی میں ملاقات ہوئی۔ ۱۰۲۷ھ / ۱۶۱۸ء میں جب جہانگیر احمد آباد آیا تو سید احمد قادری کے توسط سے ملاقات کی۔ پہلی ملاقات میں آپ نے کوئی وظیفہ قبول نہیں کیا البتہ جہانگیر کے کہنے پر ایک گاؤں اپنے فرزندوں کے لیے مدد معاش کے طور پر قبول کر لیا۔ (مرآۃ احمدی، خاتمہ ۷۸ اسی سنہ میں جہانگیر نے سیّد محمد سجادہ نشین شاہ عالم اور دیگر مشائخ احمد آباد سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے (جہانگیر نامہ ۲۳۸، مآثر جہانگیری ۲۳۵)

شیخ نے ۹ ربیع الاول ۱۰۴۰ھ / ۱۶۳۰ء کو انتقال کیا اور اپنے والد کے پہلو میں مشرقی جانب دفن کیے گئے (خاتمہ مرآۃ احمدی ۷۸)

شیخ محمد چشتی کے چار فرزند تھے ۱۔ حسن محمد ۲۔ شیخ محمود ۳۔ شیخ سراج الدین (ف ۱۰۵۰ھ) ۴۔ شیخ عزیز اللہ (ایضاً ۷۹)

شیخ محمد نے وصیت کی تھی کہ میرے بعد میرے برادر زادے شیخ یحییٰ جانشین بنیں یہ شیخ یحییٰ مدنی سلسلۂ چشتیہ کے بہت ہی نامور شیخ طریقت ہوئے شاہ کلیم اللہ جہان آبادی انہی کے خلیفہ تھے۔ ان کے دیگر خلفاء اور افکار کے لیے دیکھئے تاریخ مشائخ چشت (۵/ ۷۱۔ ۹۸۲)

شیخ محمد چشتی کے مختلف موضوعات پر بہت سے رسائل ہیں۔ خانقاہِ تونسہ کے کتب خانہ میں ایک ضخیم مجموعۂ رسائل ہماری نظر سے گذرا ہے جس کی فہرست حسب ذیل ہے:

۱۔ تقسیم الامداد ۲۔ چہار برادران ۳۔ مجالس حسنیہ ۴۔ آداب الطالبین ۵۔ رفیق الطلاب ۶۔ الہامات ۷۔ ہدایات مشیخہ ۸۔ توحید ثلاثہ ۹۔ رسالہ لب ۱۰۔ معرفت ۱۱۔ لذت المنتہین ۱۲۔ راحت المریدین ۱۳۔ صبر در شدت ۱۴۔ موجب الرحمۃ ۱۵۔ الجمع بین الدنیا والآخرۃ ۱۶۔ مراجین العشاق ۱۷۔ تحفۃ الملوک ۱۸۔ الحیرۃ ۱۹۔ الناس باللباس ۲۰۔ السفر والاقامۃ ۲۱۔ نکات الاخوان ۲۲۔ نیت ۲۳۔ ایمان ۲۴۔ اذکار و مراقبات ۲۵۔ روحِ اعظم ۲۶۔ جواہر العلوم ۲۷۔ جہادِ اصغر ۲۸۔ فوائد الاصول ۲۹۔ قصہ زن گل فروش ۳۰۔ قصہ جماعت مسافران ۳۱۔ جہاد اکبر ۳۲۔ چند افسانہ ۳۳۔ دریاءِ شہادت ۳۴۔ فضل کسب ۳۵۔ طلبِ حلال ۳۶۔ مساہلہ در معاملہ ۳۷۔ عجوبۂ عشق ۳۸۔ خلوت و جلوت ۳۹۔ مسجد و کعبہ و اقصیٰ ۴۰۔ علم ۴۱۔ قرآن ۴۲۔ نہایت و بدایت

دیگر مختلف خطی نسخوں کی تفصیل کے لیے دیکھیے، فہرست مشترک ۳/ ۱۲۱۴

ان رسائل میں سے صرف آداب الطالبین اور رفیق الطلاب ایک ہی مجموعہ میں مطبع مجتبائی دہلی سے

چھپ چکے ہیں اور مجالس حسنیہ (مذکورہ رسالہ نمبر ۳) میں مؤلف نے اپنے اہم رسائل کے نام خود لکھے ہیں۔

ان رسائل میں مؤلف نے تصوف کے اسرار و رموز کے علاوہ چشتی مشائخ کے بارے میں بہت ہی اہم معلوم مہیا کی ہیں۔ بعض مشائخ کی تاریخ اور سنین وفات کا بڑے اہتمام سے تذکرہ کیا ہے یہاں بعض معاصرین کے قطعاتِ تاریخ وفات بھی نقل کیے ہیں۔ مثلاً شیخ سراج الدین محمد (از بزرگانِ خانوادۂ خود) مذکور کی تاریخ وصال یکم جمادی الاول ۱۰۱۷ھ دی ہے اور ساتھ ہی ان کے ایک مرید مولانا حمزہ ناگوری کا نظم کردہ سالِ وفات بھی نقل کیا ہے (ص ۷۷۔۷۸)

ان رسائل میں سلسلہ چشتیہ کے اکابر کے افکار پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے سلسلہ میں کئی اہم روایات بھی اپنے رسائل میں نقل کی ہیں۔ جو مروجہ تذکروں میں نہیں ملتیں لیکن شیخ محمد گجراتی چونکہ اس سلسلہ کے ایک ایسے باخبر بزرگ تھے کہ ان کی درج کردہ روایات کو کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

مآخذ

۱۔ احمد آبادی، محمد چشتی: مجموعہ رسائل، خطی، مخزونہ کتابخانہ ٹونسہ، R.No. 287

۲۔ محمد اسماعیل چشتی: مجمع الکمال، خطی، مخزونہ کتابخانہ عمومی خیر پور، سندھ، پاکستان

۳۔ جہانگیر بادشاہ: جہانگیر نامہ طبع محمد ہاشم، تہران، بنیاد فرہنگ ایران ۱۳۵۹ش

۴۔ کامگار حسینی، خواجہ: مآثر جہانگیری طبع عذرا علوی، بمبئی ۱۹۷۸ء

۵۔ مرزا محمد حسن علی محمد خان: مرآۃ احمدی، خاتمہ طبع نواب علی، بڑودہ ۱۹۳۰ء

۶۔ ایضاً: تاریخ اولیائے گجرات (ترجمہ خاتمہ مرآۃ احمدی) از ابو ظفر ندوی، احمد آباد ۱۹۹۳ء

۷۔ احمد منزوی: فہرستِ مشترک، اسلام آباد ۱۹۸۴ء

۸۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت ج ۱، ۵، دہلی ۸۰۔۱۹۸۴ء

۹۔ رحمٰن علی: تذکرہ علماء ہند ترجمہ و تحقیق محمد ایوب قادری۔ کراچی ۱۹۶۱ء

۱۰۔ عبدالحی حسنی: یادِ ایام (تاریخ گجرات)، لکھنؤ ۱۹۸۳ء

۲۸ اپریل ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

میاں شیخ عبدالوہاب جیلانی پشاوری

شیخ عبدالوہاب گیلانی معروف بہ اخون پنجو پشاوری گیارہویں صدی ہجری کے نامور صوفی، عالم اور مُدرس تھے۔

مقامی روایات کے مطابق شیخ عبدالوہاب کی ولادت ۹۴۵ھ / ۱۵۳۸ء کو علاقہ یوسف زئی پشاور میں ہوئی، آپ سیّد غازی بابائے نوسلجامی کے صاحبزادے اور حسینی سادات سے تعلق رکھتے تھے جن کے اسلاف عرب سے ہندوستان آکر آباد ہو گئے (تحفۃ الاولیاء ۴، ۱۰) شیخ عبدالوہاب مع متعلقین وہاں سے پشاور کی ایک مضافاتی بستی اکبر پورہ میں آکر آباد ہو گئے، یہ حدود ۹۹۱ھ / ۱۵۸۲ء کا واقعہ ہے۔ ان ایام میں بایزید انصاری مشہور بہ پیر تاریک کا ایک خلیفہ سرمست رہتا تھا اور ہر وقت نشہ آور چیزیں استعمال کرتا تھا اور اباحتی افکار کا پرچار کرتا رہتا تھا، اخوند عبدالوہاب نے وہاں مسجد تعمیر کروائی اور پانچ وقت نماز پر زور دیا جس کے باعث آپ کو تحقیر کے طور پر "اخون پنجو" کہا جانے لگا لیکن جب آپ نے یہ طعنہ سنا تو اسے اپنے لیے احکام اسلام کی پابندی کے سلسلہ میں افتخار جانتے ہوئے اپنا لیا (ایضاً ۱۶)۔

اخوند پنجو پشاوری، اخوند درویزہ کے افکار اور بایزید انصاری کے مقابلہ میں ان کی تحریک احیاءِ دین سے متاثر تھے، انہی ایام میں شیخ جلال الدین تھانیسری (ف ۹۸۹ھ / ۱۵۸۱ء) کے خلیفہ شیخ ابو الفتح کماچی (مولف سبع سماء) اکبر پورہ تشریف لائے تو اخوند پنجو عبدالوہاب جیلانی ان کے مرید ہو گئے، شیخ جلال الدین تھانیسری چشتی سلسلہ کے مشہور بزرگ شیخ عبدالقدوس گنگوہی (ف ۹۴۵ھ / ۱۵۳۸ء) کے خلیفہ تھے، گویا اب اخوند پنجو سلسلہ چشتیہ صابریہ میں منسلک ہو کر شیخ طریقت بن چکے تھے۔ (ایضاً ۸، ۱۶، ۱۷، تذکرہ علماء و مشائخ سرحد ۱۹) شیخ عبدالوہاب جیلانی اخوند پنجو پشاوری درس وتدریس کا شغل بھی فرماتے تھے، تقریباً تین سو علماء نے آپ سے تحصیل کی (تحفۃ الاولیاء ۱۶)۔

شیخ عبدالوہاب پنجو پشاوری کے مریدین و خلفاء کثیر تعداد میں تھے جن میں سے شیخ میاں علی خان، شیخ عبدالغفور عباسی، شیخ رحمکار عرف کاکا صاحب، اخوند سالاک کابلی، چنبل بیگ خیر آبادی وغیرہ قابل ذکر ہیں (ایضاً ۲۸۔۳۴)

اکبر بادشاہ (حکو ۹۶۳۔ ۱۰۱۴ھ / ۱۵۵۶۔ ۱۶۰۵ء) اخوند شیخ عبدالوہاب سے عقیدت رکھتا تھا (ایضاً ۳۴۔۳۶)

شیخ عبدالوہاب اخوند پنجو پشاوری کا ۲۷ رمضان ۱۰۴۰ھ / ۱۶۳۱ء کو وصال ہوا اور اکبر پورہ (من مضافات پشاور) میں دفن کیے گئے جہاں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے (تحفۃ الاولیاء ۳۹۔ ۴۰) سال وفات میں اختلاف ہے صاحب خزینۃ الاصفیاء (۱/ ۴۸۰) نے ۱۰۷۳ھ درج کیا ہے۔

مآخذ

۱۔ ابوالفضل علامی: آئین اکبری، لکھنو، مطبع نولکشور، ۱۸۶۹ء

۲۔ امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء ومشائخ سرحد، پشاور، ۱۹۶۴ء

۳۔ رضوانی، احمد شاہ: تحفہ الاولیاء (مناقب شیخ عبدالوہاب اخوند پنجو)، لاہور، ۱۳۳۰ھ

۴۔ عبدالقادر بدایونی: منتخب التواریخ، کلکتہ، ۱۸۶۵ء

۵۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، کانپور، مطبع ثمر ہند، ۱۸۷۳ء

۶۔ قدوسی، اعجاز الحق: تذکرہ صوفیہ سرحد، لاہور، ۱۹۶۶ء

7- Abul-Fazl: Ain-i-Akbari, tran. by H. Blochmann, (rept.) Lahore, 1975..

8- Abdul Qadir Badauni, Muntakhab-ul-Tawarikh, (rept.) Karachi, 1976.

۱۵ر نومبر ۲۰۰۴ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ، تہران

شاہ محب اللہ الہ آبادی

شاہ محب اللہ الہ آبادی گیارہویں صدی ہجری کے نامور عالم، صوفی اور مؤلف تھے۔
شاہ محب اللہ بن شیخ مُبارز کا سلسلۂ نسب شیخ فرید الدین گنج شکر سے واصل ہوتا ہے۔(نزہۃ الخواطر ۵/ ۳۲۳)

شاہ محب اللہ کی ولادت خیر آباد (Kherabad) کے ایک قصبہ صدر پور (Sadarpur) میں ۲ صفر ۹۹۶ھ / ۱۵۸۸ء کو ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد لاہور چلے آئے۔ جہاں معروف عالم مفتی عبد السلام لاہوری (ف ۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۸ء) کی خدمت میں تحصیل کی آپ کے ہم سبق ساتھیوں میں سعد اللہ خان (بعد اَوزیر شاہ جہان) بھی تھا۔(ہمانجا۳۲۳)

شاہ محب اللہ نے اپنی ابتدائی زندگی اور حصولِ علم کے حالات اپنی کتاب انفاس الخواص کے دیباچے میں اس طرح لکھے ہیں۔ عنفوانِ شباب میں انہیں ظاہری علم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ ایک استاد نے پاسِ انفاس کی تعلیم میں بھی دی۔ اسی دوران ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ ان کی شادی کر دی گئی اس کے باوجود حصولِ علم کے لیے لاہور آئے، تحصیلِ علم کے بعد اپنے موطن صدر پور واپس آئے تو فکرِ معاش دامن گیر تھی ملازمت کی تلاش میں احمد آباد گجرات گئے لیکن ملازمت کا ارادہ ترک کر کے واپس وطن پہنچے اور درس و تدریس میں معروف ہو گئے۔ (کواکب ۵۵۔۵۶)

بزرگوں کے مزارات کی زیارت کے لیے دہلی کا سفر کیا اتفاق سے نواب سعد اللہ خان سے ملاقات ہو گئی اس نے شاہ جہان سے ملوایا اور منصب کی پیش کش کی جسے آپ نے قبول نہ کیا۔ اور واپس اپنے وطن چلے گئے۔ (ذکر العارف ۲۲۔۲۵)

اس وقت چشتی صابری سلسلہ کے معروف بزرگ شیخ ابو سعید گنگوہی (رک باں) کی روحانیت کا شہرہ تھا آپ ان کی خدمت میں گنگوہ (Gangoh) حاضر ہوئے اس سفر میں ان کے دوست عبدالرحمٰن چشتی صاحب مرآۃ الاسرار بھی ہمراہ تھے، شیخ نے تربیت کے فرائض بخوبی انجام دیئے اور جلد ہی خلافت سے نوازا (مرآۃ الاسرار، خطی، برگ ۳۷۸ب) اپنے مستقر صدر پور میں کچھ عرصہ قیام کیا پھر بحکم مرشد الہ آباد (Allahabad) چلے گئے۔ وہاں انہوں نے ایک خانقاہ کی بنیاد ڈالی۔ جہاں طلبہ کی تعلیم وتربیت میں معروف ہو گئے اور تادم حیات دعوت وارشاد کا فریضہ انجام دیا۔ الہ آباد میں قیام کی مدت حدود بیس ۲۰ سال بنتی ہے۔ جہاں ۹ رجب ۱۰۵۸ھ / ۱۶۴۸ء کو وصال ہوا وہیں دفن کیے گئے۔ (مرآۃ الاسرار ۳۷۹۔ الف)

آپ کے صرف ایک ہی صاحبزادے تھے تاج الدین۔ (ہمانجا)

شاہ محب اللہ کے خلفاء کثیر تعداد میں تھے ان میں سے قاضی گھاسی (Ghasi)، شیخ محمد رسولدار، قاضی یوسف، قاضی عبدالرشید، میر سیّد محمد قنوجی، شاہ محمدی فیاض اور شیخ احمد مشہور ہوئے۔

آپ حقائق ومعارف کے بیان میں مہارت تامہ رکھتے تھے تقریر ایسی مؤثر اور دل نشین ہوتی تھی کہ وحدت الوجود جس کے آپ علمبردار تھے کے منکر علماء بھی آپ کی صحبت سے متاثر ہو کر اس کے قائل ہو گئے۔ اور یہی مسلک اختیار کر لیا۔ (مرآۃ الاسرار ۳۷۸ب)

شاہ محب اللہ الہ آبادی نظریۂ وحدت الوجود کے علمبردار اور تصانیفِ ابن عربی کے بہترین شارح اور مروج تھے۔ (تذکرہ علماء ہند ۴۰۴)

شاہ محب اللہ کے جس رسالے پر اس وقت کی مذہبی زندگی میں ہلچل مچ گئی وہ ان کا رسالہ تسویہ تھا جس میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کے بارے میں ایسی بحث کی تھی جو علماء کے نزدیک قابل اعتراض تھی۔ یہ رسالہ جب اورنگزیب عالمگیر (۱۰۵۸۔۱۱۱۸ھ) کی نظر سے گذرا تو اس وقت ان کا وصال ہو چکا تھا۔ اورنگزیب نے آپ کے مریدوں کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ شاید یہ عملی طور پر ممکن نہیں تھا ان کے صرف دو خلفاء میر سیّد محمد قنوجی اور شیخ محمدی کے حاضر ہونے کا ذکر ملتا ہے، میر سید محمد قنوجی نے کہا کہ میں ان سے اپنا سلسلۂ بیعت منقطع کرتا ہوں لیکن شیخ محمدی نے جرأت مندانہ جواب دیا کہ میں اس کی شرح اور تاویل کرنے کے قابل نہیں ہوں تم اسے جلانا چاہو تو تمہارے مطبخ میں آگ بہت ہے۔ (مآثر الکرام ۸۴)

اس قسم کی شورش شاہ محب اللہ کی زندگی میں بھی ہوئی تھی وہ اتنی شدید تھی کہ عوام ان کے قتل کے درپے ہو گئے تھے آخر شیخ محمد رشید جونپوری نے ثالث کا کردار ادا کرتے ہوئے ان کے کلام کی توضیح کی تو لوگوں کے جذبات فرو ہوئے (معارج الولایت برگ ۴۳۲)

شاہ محب اللہ کی مخالفت میں ان کے معاصر علامہ محمود جونپوری (ف ۱۰۶۲ھ / ۱۶۵۲ء) پیش پیش تھے۔ انہوں نے حرز الایمان کے نام سے رسالہ تسویہ کا رد بھی لکھا تھا۔ داراشکوہ کے ساتھ شاہ محب اللہ کے خصوصی مراسم تھے شاہ محب اللہ تصوف کے جس حلقۂ فکر کی ترجمانی کر رہے تھے داراشکوہ کو اس سے خاص عقیدت تھی۔ (تاریخی مقالات ۱۴۹) انہوں نے جب فصوص الحکم کی شرح فارسی میں لکھی تو اس کا ایک نسخہ داراشکوہ کو بھی ارسال کیا۔ دارا کی ان کے ساتھ مراسلت بھی تھی جب انہوں نے دارا کے طویل سوالنامے کا جواب دیا تو دارا نے لکھا کہ مجھے آپ کے ساتھ اپنی ہم مشربی کا علم ہو گیا ہے (رقعاتِ عالمگیر ۳۲۹) جب داراشکوہ کو شاہ محب اللہ کے آخری مستقر الہ آباد کا صوبیدار بنا کر بھیجا گیا تو اس وقت ان کے ساتھ تعلقات بہت گہرے ہو گئے اور عرفانی اسرار و رموز پر اکثر گفتگو ہونے لگی اس نے اسے اپنی خوش نصیبی تصور کیا۔ (ہمانجا ۳۲۰، تاریخی مقالات ۱۴۹۔ ۱۵۰)

شاہ محب اللہ کے افکار و نظریات کے اثرات ان کے مریدین پر بہت گہرے تھے انہوں نے ان کی تبلیغ جاری رکھی (مقاصد العارفین، مفتاح الخزائن، انوار العارفین، انوار العاشقین)

شاہ محب اللہ الہ آبادی نے عربی و فارسی میں بہت سے کتابیں تالیف کیں جن کا مرکزی نقطۂ نظر وحدت الوجود اور شیخ اکبر ابن عربی کے خیالات و افکار کی توضیحات ہے۔ عربی کتب کے نام یہ ہیں

۱۔ تجلیۃ الفصوص (شرح فصوص الحکم) ۲۔ ترجمۃ الکتاب ۳۔ منہیات ترجمۃ الکتاب ۴۔ رسالۃ التسویہ ۵۔ عقائد الخواص ۶۔ المغالطۃ العامہ ۷۔ تفسیر القرآن ۸۔ حاشیۃ ترجمۃ القرآن۔ انفاس الخواص یعنی شرح فصوص الحکم

فارسی تالیفات کا مجمل تعارف کروایا جا رہا ہے۔

۹۔ غایت الغایات:

شیخ ابنِ عربی کی تصانیف میں اہل اللہ کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے اُسے بعض احباب کی درخواست پر یک جا کر دیا ہے۔ اس کے پانچ ابواب ہیں:

اوّل: دربیانِ آں کہ مناظر اہل اللہ در حق غیر عقائد اہل کلام وعلماء۔۔۔

دوم: دربیانِ آں کہ وجد وحال نقص است نہ کمال

سوم: دربیانِ معرفت حق واسماء وصفاتِ او

چہارم: دربیان سبب بدء عالم

پنجم: دربیان بدءِ خلق روحانی وجودِ انسانی

اس کا ایک خطی نسخہ ذخیرہ سبحان اللہ کتابخانہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ہے (کواکب ۱۱۸۔۱۱۹)

۱۔عبادات الخواص:

یہ کتاب ۱۵ تنبیہات ۵۳۷ فصول، نو ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ پہلا باب کلمۂ طیبہ کے بیان میں دوسرا جہنم تیسرا جنت چوتھا اصولِ فقہ پانچواں طہارت چھٹا نماز ساتواں زکوٰۃ آٹھواں روزہ اور نواں حج کے بیان میں ہے۔ خاتمہ نوافل، سنتوں اور فرض نماز کے بیان میں ہے۔

یہ کتاب خاصی ضخیم اور ۱۳۷۷ صفحات پر مشتمل ہے سال تکمیل ۱۰۵۳ھ ہے۔ اس کا ایک نسخہ ذخیرۂ دہلی کتابخانہ دیوان ہند لندن میں ہے (1.0.D.P. 170)

۱۱۔شرح فصوص الحکم:

یہ شرح ۱۰۴۷ھ / ۱۶۳۷ء کو مکمل کی۔ پاکستان وہند میں لکھی جانے والی شروح میں یہ اپنی نوعیت کی عجیب شرح ہے۔ اس میں دیگر شارحین فصوص سے نقل واقتباس کی بجائے شارح نے زیادہ تر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

دو نسخے کتابخانۂ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں اور ایک نسخہ کتابخانۂ نیشنل میوزیم کراچی میں ہے۔ لکھنو سے مع اردو ترجمہ چھپ چکی ہے۔

۱۲۔ہفت احکام:

یہ رسالہ مندرجہ ذیل سات احکام پر مشتمل ہے۔

اول: علم بہ حقائق است، دوم علم۔ تجلی حق تعالیٰ در اشیاء، ثالث۔ علم بخطاب حق تعالیٰ

پنجم۔ علم انسان بنفس خود از جہت حقائق آں۔۔۔۔۔

ششم علم بخیال و عالم آں۔ ہفتم علم بہ علل و ادویہ آں۔

حقائق و معارف پر مشتمل ایک مقدمہ بھی ہے۔ اس رسالے کا ایک خطی نسخہ کتابخانہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ہے (کواکب ۱۲۱) دوسرا نسخہ ذخیرۂ دہلی کتابخانہ دیوان ہند، لندن میں ہے (نمبر 1.0.D.P.1024)

رسالہ سہ رکنی:

اس رسالے میں مؤلف نے وحدت الوجود کے تین بنیادی اصولوں سے بحث کی ہے۔ جو اس نظریہ کے قائل کے لیے تین ستونوں کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس رسالے کا ایک خطی نسخہ ذخیرہ دہلی، کتابخانۂ دیوان ہند، لندن میں ہے (نمبر 1.0.D.P. 1002)

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل رسائل بھی شاہ محب اللہ نے تالیف کیے تھے۔

سر الخواص، طرق الخواص، عبادات اخص الخواص، رسالہ وجودِ مطلق، مراتب الوجود، رسالہ سیر الٰہی، رسالہ اعانۃ الاخوان، مناظر اخص الخواص، رسالہ توحید، امالۃ القلوب۔

مکتوبات:

شاہ محب اللہ الہ آبادی کے مکتوبات حقائق و معارف کا گنجینہ ہیں ان میں ان کا مرکزی نقطۂ نظر وحدت الوجود ہے۔ اس میں کل ۱۸ مکاتیب ہیں۔ دارا شکوہ کے نام مکتوبات میں اس عہد کے سیاسی امور کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ مثلاً دارا شکوہ نے ان سے دریافت کیا کہ حکومت کے معاملات میں ہندو مسلمان کی تفریق جائز ہے یا نہیں، انہوں نے جواب دیا کہ یہ تفریق ناجائز ہے۔ مکتوبات کے کئی خطی نسخے پائے جاتے ہیں۔ ایک نسخہ ذخیرہ سبحان اللہ کتابخانۂ مرکزی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ہے (تاریخی مقالات ۱۴۷۔ ۱۵۱) دوسرا ذخیرۂ دہلی کتابخانہ دیوان ہند لندن نمبر ۱۱۹۲ ہماری نظر سے گذرا ہے۔ ذکر المعارف میں ان مکتوبات کے طویل اقتباسات پائے جاتے ہیں (کواکب ۶۶۔ ۱۱۸)

رسالہ تسویہ کی شروح:

اس رسالے کی کئی شرحیں عربی و فارسی میں لکھی گئیں، خود مؤلف نے اس کا مشروح فارسی ترجمہ بھی کیا تھا، حرز الایمان از ملا محمود جونپوری (تردیدی شرح)، القول السدید (تردیدی شرح) از خواجہ خرد بن خواجہ باقی باللہ دہلوی)، شرح از شیخ حبیب اللہ ساکن پٹنہ بجواب شرح خواجہ خُرد، اس شارح نے حرز الایمان از ملا محمود جونپوری کا بھی رد لکھا تھا۔ (تسویہ کی شروح و جرح ۳۸۔ ۴۴) شرح از محمدی فیاض، شرح از شیخ امان اللہ بنارسی ۱۱۳۳ھ، شرح از محمد افضل الہ آبادی، شرح بزبان عربی مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی، شرح از علی اکبر دہلوی فیض آبادی۔ تصفیہ شرح تسویہ (فارسی) از شاہ علی انور قلندر کاکوروی (ف ۱۹۰۶ء) مطبوعہ، رسالہ تسویہ بخطِ شاہ محب اللہ الہ آبادی کتابخانہ انوریہ خانقاہِ کاظمیہ کاکوری (Kakori) لکھنو میں موجود ہے (کواکب ۱۲۵)

مآخذ

۱۔ آزاد، غلام علی بلگرامی: مآثر الکرام مرتبہ محمد عبدہٗ، لاہور ۱۹۷۱ء

۲۔ رحمٰن علی: تذکرہ علماء ہند ترجمہ و تحشیہ محمد ایوب قادری، کراچی ۱۹۶۱ء

۳۔ شاہ نواز خان، صمصام الدولہ: مآثر الامراء ترجمہ و تحشیہ محمد ایوب قادری۔ لاہور ۱۹۶۹ء

۴۔ بشیر احمد خان غوری: تسویہ کی شروح و جروح (مشمولہ تصوف برصغیر میں، پٹنہ، خدابخش لائبریری، ۱۹۹۲ء)

۴/۲۔ داعی، عبدالرحمٰن ا شاہ محب اللہ آبادی، مقالہ برائے پی ایچ ڈی (بر ہنمائی پروفیسر آرویری) کیمبرج یونیورسٹی، کیمبرج (غیر مطبوعہ)

۵۔ شوکت حسین الہ آبادی: ذکر العارف، الہ آباد، رضوی پریس، ۱۳۴۲ھ

۶۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر، ج ۵، حیدر آباد، دکن ۱۹۵۵ء

۷۔ عبدالرحمٰن چشتی: مرآۃ الاسرار، خطی مملوکہ مولوی محمد یعقوب فراہی، کوئٹہ

۸۔ عبدی، عبداللہ خویشگی قصوری: معارج الولایت خطی، مخزونہ کتابخانۂ دانشگاہِ پنجاب لاہور، ذخیرہ آذر نمبر H-25

۹۔ عضد الدین محمد چشتی: مقاصد العارفین مرتبہ نثار احمد فاروقی، ٹونک، ۱۹۸۴ء

۱۰۔ مسعود انور علوی کاکوروی: کواکب (مقالات راجع بہ علماء ہند)، کاکوری، ۱۹۸۷ء

۱۱۔ نجیب اشرف ندوی: رقعاتِ عالمگیر، اعظم گڑھ، ندوۃ المصنفین، ۱۹۳۰ء

۱۲۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخی مقالات، دہلی، ۱۹۶۶ء

۱۳۔ مشتاق احمد انبیٹھوی: انوار العاشقین، حیدر آباد، دکن

14- Yusuf Hussain Khan: Shah Muhibullah of Allahabd, and his Mystical thought, Islamic Culture, Hyderabad, Vol. 38, Oct. 1964.

۱۹ جون ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ احمد بن محمد حسینی کالپوی

شیخ احمد حسینی کالپوی گیارھویں صدی ہجری کے معروف چشتی صوفیہ میں سے تھے۔

شیخ احمد بن محمد بن ابی سعید ترمذی کالپوی بن۔۔۔۔ (نزہۃ الخواطر ۵ / ۳۲۷) کے اجداد میں سے شیخ احمد کے والد محمد بن ابی سعید ہندوستان آئے اور میر ابو العلاء اکبر آبادی (رک باں) سے بیعت ہو کر ان کے اکابر خلفاء میں شمار ہوئے ۱۰۳۱ھ / ۱۶۲۱ء میں انتقال ہوا (ہمانجا ۵ / ۳۲۸، خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۴۵۸)

شیخ احمد حسینی کی ولادت کالپی (Kalpi) (ضلع جالون یوپی میں ایک تاریخی قصبہ ہے) (Imperial Gazetteer of India, Vol. xiv pp. 318-19) میں ہوئی تعلیم کا آغاز اپنے والد کی خدمت میں کیا پھر شیخ محمد افضل الہ آبادی (رک باں) سے باقی کتب پڑھیں۔ اپنے والد سے بیعت ہوئے صرف ۲۴ سال کی عمر میں فراغت کے بعد اپنے والد کی مسندِ درس و ارشاد کو رونق بخشی (مآثر الکرام ۷۷، نزہۃ الخواطر ۵ / ۶۱) اجمیر سے واپسی کے بعد سماع سے رغبت ہو گئی تھی (ہمانجا) سماع ہی کے موضوع پر شیخ محمد افضل الہ آبادی سے طویل مراسلت بھی ہوئی (ہمانجا ۷۷-۷۹)

رسالہ تسویہ مؤلفہ شاہ محب اللہ الہ آبادی (ف ۱۰۵۸ھ / ۱۶۴۸ء) پر مباحث کے سلسلہ میں اورنگزیب نے جن علماء ومشائخ کو دربار میں طلب کرنے کی فہرست مرتب کروائی تھی ان میں شیخ احمد حسینی کالپوی کا نام بھی شامل تھا لیکن موصوف اس حاضری سے قبل ہی فوت ہو گئے (ہمانجا ۷۹) یعنی شیخ احمد حسینی کا انتقال ۱۹ صفر ۱۰۸۴ھ / ۱۶۷۳ء کو ہوا اور کالپی میں ہی آسودہ خاک ہوئے۔ (مآثر الکرام ۷۹، نزہۃ الخواطر ۶۲)

ان کے تین فرزند تھے شاہ فضل اللہ (ف ۱۱۱۱ھ / ۱۷۰۰ء)، سید سلطان مقصود اور سلطان مسعود یہ تینوں اصحاب صاحب علم وفضل تھے (نزہۃ الخواطر ج ۵، ۶، مآثر الکرام ۷۹-۸۳)

سید احمد حسینی کالپوری کی صرف تین تالیفات کا ہمیں تاحال علم ہے۔

۱۔ مشاہداتِ صوفیہ:

یہ کتاب اربابِ شہود کے مشاہدات پر مشتمل ہے۔ تصوف کے عمومی مسائل کی بجائے دقیق امورِ عرفانی سے بحث کی گئی ہے۔ روش عموماً "مشاہدہ" صوفیہ کے مطابق ہے۔ یہ کتاب فارسی نثر میں ہے لیکن بکثرت رباعیات بھی نقل کی گئی ہیں۔ اس کتاب کا ایک خطی نسخہ وصی احمد بلگرامی کے کتب خانہ کراچی میں ہے (فہرست مشترک ۳/ ۱۹۲۳)

اس کا ایک اور قلمی نسخہ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ہے (مرآۃ التصوف ص ۳۷، الثقافۃ الاسلامیہ فی الھند ۱۹۵)

۲۔ جوامع الہدایت:

یہ بھی تصوف و سلوک پر ایک اہم کتاب ہے۔ مؤلف نے متعدد کتبِ صوفیہ کے حوالے سے عرفانی مسائل و عملیات بیان کیے ہیں۔ اپنے خانوادے کے بعض بزرگوں کے اشغال بھی شامل کتاب کیے گئے ہیں۔ ۱۷۰۔ اوراق کا یہ مخطوطہ بھی آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے (مرآۃ التصوف ص ۳۷، تصوف برصغیر میں، فہرست ص ۸۸)

۳۔ شرح علیٰ عقائد النسفیہ:

سیّد احمد حسینی کالپوی نے عقائد النسفیہ جیسی دقیق کتاب کی یہ شرح صرف ۱۴ دنوں میں تالیف کی تھی (نزہۃ الخواطر ۵/ ۶۲)، اس کے کسی خطے نسخے کا ہمیں تاحال علم نہیں ہے۔

۴۔ دیوان:

سیّد احمد کالپی صاحب دیوان شاعر تھے، ان کے اس فارسی دیوان کے کسی قلمی نسخے کا تاحال علم نہیں ہے۔ (ہمانجہ ۵/ ۶۲)

مآخذ

۱۔ آزاد، غلام علی بلگرامی: مآثر الکرام، لاہور، ۱۹۷۱ء

۲۔ احمد منزوی: فہرست مشترک ج ۳۔ اسلام آباد ۱۹۸۴ء

۳۔ تصوف بر صغیر میں (تصوف کے نادر مخطوطات پر جنوبی ایشیائی علاقائی سیمینار منعقدہ ۱۹۸۵ء کے مقالات) پٹنہ ۱۹۹۲ء

۴۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۵، حیدر آباد دکن ۱۹۵۵ء

۵۔ عبدالحی حسنی: الثقافۃ الاسلامیہ فی الهند، دمشق ۱۹۸۳ء

۶۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ ۱۸۷۳ء

۷۔ قیصر، محمود حسن امروہوی: مرآۃ التصوف (آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی کے مخطوطاتِ تصوف کی فہرست) علی گڑھ ۱۹۸۵ء

۸۔ محمد کالپوی، سید: تحقیق روح، الہ آباد مطبع مینی۔

۹۔ ایضاً: عقائدِ صوفیہ، الہ آباد، مطبع مینی۔

10- Imperial Gazetteer of India (rep.) Delhi (n.d.)

۳ نومبر ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ ابو سعید چشتی صابری گنگوہی

شیخ ابو سعید گنگوہی سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے نامور شیخ طریقت تھے۔ اس سلسلے کے معروف ترین بزرگ شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے نسبی تعلق بھی تھا۔

شیخ عبدالرحمٰن جن کی شیخ ابو سعید گنگوہی کے ساتھ "محبت و یگانگی" تھی لکھا ہے کہ شیخ ابو سعید، عبدالقدوس گنگوہی کے نبیرے اور ان کی والدہ معروف شیخ طریقت شیخ جلال الدین تھانیسری کی بیٹی تھیں۔ اور یہ بھی وضاحت کی ہے کہ شیخ ابو سعید کچھ عرصہ "سپاہگری" بھی کرتے رہے پھر ملازمت ترک کر کے شیخ جلال تھانیسری کی خدمت میں آ گئے۔ (مرآۃ الاسرار برگ ۷۸ ۳۔ الف) شیخ جلال تھانیسری (ف ۹۸۹ھ / ۱۵۸۱ء) نے کبر سنی کی وجہ سے شیخ ابو سعید کی تربیت کے لیے اپنے خلیفہ شیخ نظام الدین تھانیسری ثم بلخی (ف ۱۰۳۶ھ / ۱۶۲۷ء) کے حوالے کر دیا تھا (اقتباس الانوار ۲۷۶)

۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء میں جب شہزادہ خسرو بن جہانگیر نے بغاوت کی تو اس کا گذر تھانیسر سے ہوا۔ شہزادہ شیخ نظام الدین کی زیارت و ملاقات کے لیے بھی گیا، شیخ نظام کے مخالفوں نے جہانگیر کو یہ باور کروایا کہ شیخ نے شہزادے کو سلطنت کی بشارت دی تھی، جہانگیر ان سے کبیدہ خاطر ہو گیا اور انہیں ملک بدر کر دیا شیخ نے بلخ میں سکونت اختیار کر لی (مرآۃ الاسرار ۷۸ ۳۔ الف)

اس دوران شیخ ابو سعید کی تربیت ناتمام رہ گئی تھی چنانچہ وہ اس کی تکمیل کے لیے شیخ نظام کی خدمت میں بلخ گئے اور حدود بارہ سال تک بلخ میں رہ کر تکمیل کی (اقتباس الانوار ۲۷۷) شیخ نظام الدین تھانیسری نے انہیں خلافت دے کر آبائی قصبہ گنگوہ میں متعین کیا۔ (ایضا ۲۸۰)

جب شیخ ابو سعید گنگوہ پہنچے تو شیخ احمد عبدالحق ردولوی کے نبیرے شیخ حمید الدین نے بھی ان کو خلافت دی (مرآۃ الاسرار ۷۸ ۳، اقتباس الانوار ۲۸۰)

شیخ ابو سعید گنگوہی سے سلسلۂ صابریہ کو بہت فروغ ہوا کئی اصحاب کے شجرات اس سلسلے میں انہی شیخ ابو سعید کی وساطت سے واصل ہوتے ہیں (کچکول نامہ مولفہ عبدالکریم گنگوہی، خطی)

شیخ ابو سعید کے خلفاء میں سے تین اصحاب خاص طور پر شہرت کے مالک ہوئے ہیں، شیخ محب اللہ الہ آبادی، شیخ محمد صادق گنگوہی اور شیخ محمد ابراہیم رامپوری۔

شاہ محب اللہ الہ آبادی (ف ۱۰۵۸ھ / ۱۶۴۸ء) ان میں معروف ترین بزرگ تھے انہیں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی تصانیف پر کامل عبور تھا۔ فصوص الحکم کی عربی وفارسی میں شرحیں لکھی تھیں۔ موصوف کے تمام رسائل کا موضوع افکار ابن عربی کی تشریح وترجمانی ہے انہیں بجاطور پر ابن عربی ثانی کہا جاتا ہے۔ داراشکوہ بن شاہ جہان کے ساتھ ان کے بہت قریبی مراسم تھے۔ شاہ محب اللہ الہ آبادی کے ساتھ داراشکوہ کی مراسلت بھی تھی ان کے مجموعۂ مکتوبات میں کئی مکاتیب داراشکوہ کے نام ہیں جن سے اس عہد کی فکری فضا کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ شاہ محب اللہ الہ آبادی کے رسالہ تسویہ کی کئی شرحیں لکھی گئیں اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے عہد حکومت میں اس رسالے میں خلافِ شرع امور پر گرفت کی اور اسے جلا دینے کا حکم دیا۔ (مرآۃ الاسرار برگ ۳۸۰، معارج الولایت۔ خطی برگ ۴۳۲ب)

شاہ محب اللہ الہ آبادی ہماری فکری تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دراشکوہ اور شاہ محب اللہ الہ آبادی کی مراسلت اور رسالہ سوال وجواب سے بھی اس عہد کی ذہنی وفکری فضاء صوفیہ کے نظریۂ وحدت الوجود کی طرف شدید میلان اور ان کے آپس کے اختلافات کا پس منظر بخوبی سمجھا جاسکتا ہے (تاریخی مقالات ۱۴۷۔۱۵۱، مقامات معصومی ۱/ ۷۲۔۷۶)

شیخ ابو سعید کے دوسرے خلیفہ شیخ محمد صادق گنگوہی دراصل آپ کے جانشین تھے انہوں نے ہی شیخ کی وفات کے بعد مسندِ ارشاد کو سنبھالا اور سلسلۂ صابریہ کو ترقی دی۔ ان کے تیسرے خلیفہ شیخ محمد ابراہیم رامپوری بھی اپنے وقت کے سرگرم عمل صوفیہ میں سے تھے (اقتباس الانوار ۲۸۱)

شیخ ابو سعید کے دو اور خلفاء شیخ ابراہیم سہارنپوری اور خواجہ شیخ پانی پتی بھی قابل ذکر ہیں۔ (خزینۃ الاصفیاء ۱/ ۴۷۲)

مفتی غلام سرور لاہوری نے مرآۃ الاسرار کے حوالے سے شیخ ابو سعید کا سالِ وفات ۱۰۴۹ھ لکھا ہے۔ (خزینۃ الاصفیاء ۱/ ۲۷۲) لیکن مرآۃ الاسرار میں سرے سے ان کا سالِ وفات درج ہی نہیں ہے۔ اقتباس الانوار (ص ۲۸۲) میں اتنا لکھا ہے کہ وفات کے بعد انہیں ان کے جدِ اعلیٰ کے مزار کے احاطہ میں دفن کیا گیا یعنی قصبہ گنگوہ میں، لیکن سالِ وفات نہیں لکھا۔ مشتاق احمد امیٹھوی نے بغیر کسی حوالے کے ان کا سالِ وفات ربیع الاول ۱۰۴۰ھ دیا ہے۔ (انوار العاشقین ۷۸)

مآخذ

۱۔ عبد الرحمٰن چشتی: مرآۃ الاسرار۔ خطی نسخہ مملوکہ مولوی محمد یعقوب فراہی۔ کوئٹہ، پاکستان

۲۔ محمد سعید بن قطب الدین چشتی سرہندی: سراج العاشقین بسال ۱۰۷۸ھ۔ قلمی مملوکہ خلیل الرحمٰن داودی مرحوم، لاہور، پاکستان

۳۔ عبد الکریم گنگوہی (نبیرہ شیخ ابو سعید) کچکول و ارشاد المریدین بسال ۱۱۹۲ھ قلمی مملوکہ خلیل الرحمٰن داودی۔ لاہور

۴۔ غلام عبد القدوس: حدائقِ داودی (حالات شیخ داود بن شیخ محمد صادق گنگوہی) بسال ۱۱۳۲ھ خطی نسخہ ذخیرہ شیرانی۔ کتابخانہ مرکزی دانشگاہ۔ پنجاب لاہور، پاکستان۔ نمبر ۱/ ۸۷۶/ ۳۹۲۸

۵۔ محمد اکرم براسوی: اقتباس الانوار، مطبع اسلامیہ، لاہور ۱۹۰۸ء

۶۔ الہ دیہ چشتی: سیر الاقطاب۔ لکھنؤ ۱۸۸۱ء

۷۔ عصند الدین محمد چشتی صابری: مقاصد العارفین، طبع نثار احمد فاروقی۔ ٹونک ۱۹۸۴ء

۸۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء۔ لکھنؤ ۱۸۷۳ء

۹۔ مشتاق احمد امیٹھوی: انوار العاشقین۔ حیدر آباد دکن ۱۳۳۲ھ

۱۰۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخی مقالات، دہلی ۱۹۸۰ء

۱۱۔ ایضاً: تاریخ مشائخ چشت، ج ۱، دہلی، ۱۹۸۰ء

۳۰ جنوری ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

حضرت شیخ داؤد گنگوہی، حدائق داودی کے آئینہ میں

"حدائق داودی" کی اہمیت واضح کرنے سے پیشتر اس کے معاصر یا قریب العہد چند تذکروں (جن میں شیخ داود گنگوہیؒ کے حالات پائے جاتے ہیں) کا مختصر تعارف کروایا جاتا ہے۔

مرآۃ الاسرار: مؤلفہ عبدالرحمٰن بن عبدالرسول چشتی المتوفی ۱۰۹۴ھ سالِ تالیف (ابتدا ۱۰۴۵ھ تکمیل ۱۰۶۵ھ) اس کتاب میں مؤلف نے سلسلۂ چشتیہ کے مشائخ کے حالات آغاز سے مخدوم شیخ عارف بن احمد عبدالحقؒ تک مفصل اور شیخ عبدالقدوسؒ گنگوہی تا شیخ داؤد گنگوہی اجمالاً درج کیے ہیں۔ شیخ داود گنگوہی اس کتاب کی تالیف کے وقت زندہ تھے مؤلف لکھتا ہے:

"الحال حضرت شیخ داؤد بن شیخ محمد صادق صورتاً و معناً قائم مقام پدرِ عالی قدر خود است حق تعالیٰ ذاتِ بابرکات او را بجائے آبا و اجدادِ خود سالہا بسیار سلامت دارد"[۱]

معارج الولایت: مؤلفہ غلام معین الدین عبداللہ خویشگی قصوری سال تالیف ۱۰۹۴ھ۔ یہ کتاب قریباً ساڑھے چار سو مشائخ کے تراجم پر مشتمل ہے۔ چشتی مشائخ کے حالات مفصل اور دیگر تراجم قدرے اجمالاً تحریر کیے گئے ہیں۔ اس میں شیخ محمد صادق گنگوہیؒ کے حالات کے باب میں ان کے صاحبزادے شیخ داؤد کا اجمالاً تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے۔

"شیخ داؤد کہ پسر آں حضرت (شیخ محمد صادق گنگوہی) بود، و والی دہی او را بقول مدعیان حبس کرد و وی آنرا متحمل گشت تا آنکہ براءۃ ذمہ او ظاہر شد و از حبس خلاص یافت"۔

۱ اقتباس الانوار ص ۷۰۳ بحوالہ مرآۃ الاسرار (مرآۃ الاسرار کا کوئی قلمی نسخہ اس وقت پیش نظر نہیں ہے اس لیے مجبوراً اقتباس الانوار کا سہارا لینا پڑا) اگرچہ اس کے کئی قلمی نسخے مختلف کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں مثلاً (۱) رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ (۲) بانکی پور (۳) بوہار لائبریری (۴) کتب خانہ آصفیہ وغیرہم)

اقتباس الانوار: مؤلفہ شیخ محمد اکرم البراسوی سال تالیف ۱۱۳۲ھ[1]

اقتباس الانوار، حدائق داؤدی کی قریب العہد تصنیف ہے اور اس میں شیخ داؤد گنگوھی کے حالات نہایت شرح و بسط سے ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں۔ اکثر واقعات دونوں کتابوں میں آپس میں منطبق ہیں۔ اس لیے اس کا قدرے تفصیلی تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

مؤلف کے حالات تذکروں میں تفصیل سے مرقوم نہیں ہیں لہٰذا خود مؤلف نے اپنے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا ضروری حصہ درج ذیل ہے:

اپنے سلسلۂ نسب کے باب میں مؤلف لکھتا ہے[2]

"(محمد اکرم بن محمد علی) بن الہ بخش اسماعیل ثانی بن بہاء الدین بن فتح اللہ بن صدر الدین بن علیم الدین بن نجم الدین بن زین الدین بن محمد عاشق بن شیخ محمد بن قدوۃ الدین بن حمید الدین ثانی بن جمال الدین بن کمال الدین ہدایت اللہ بن نور الدین سلمان بن تاج الدین بران بن شیخ مسعود بن شیخ محمود بن شیخ احمد بن حمید الدین اول بن مولانا ضیاء الدین مولانا ناصر الدین بن اسماعیل اول بن سیّد نعمان بن ثابت"[3]۔

مؤلف شیخ سوندھا سفیدونی[4] کا مرید تھا ۱۱۱۱ھ میں خرقۂ خلافت ملا

"....... من الفقیر الرخص شیخ سوندھا ساکن قصبہ سفیدوں" کتبہ، و حررہ فی سنہ احدی عشرہ و مایۃ والف"[5]۔

---

1. معارج الولایت ورق ۳۴۷ الف قلمی نسخہ ذخیرہ آذر ۲۵۱H خزانہ دانش گاہ پنجاب لاہور۔ راقم الحروف کو معارج الولایت کے اس وقت تک صرف تین قلمی نسخوں کا علم ہے (۱) نسخہ شیرانی (فصل الاول) (۲) نسخہ آذر علی گڑھ مکتوبہ ۱۱۱۱ھ تعداد اوراق ۶۵۲ سطر فی ورق ۱۹ تقطیع ۸x۱۰۸ (۳) نسخہ پروفیسر خلیق احمد نظامی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
2. اقتباس الانوار کے سال تصنیف پر مفصل بحث اپنے مقام پر آئے گی۔
3. اقتباس الانوار ص ۳۳۵
4. "قصبہ سفیدون کہ چہار دہ کروہ از پانی پت جانب غرب و شمال کروہ است از آن کہ موطن این فقیر است جانب جنوب در میان جنگل واقع است" (اقتباس الانوار ص ۳۱۹)
5. اقتباس الانوار ص ۳۳۵ تا ص ۳۳۶ برائے شرح حال سوندھا رجوع کنید بہ (۱) اقتباس الانوار ص ۳۱۸ تا ص ۳۲۲ (۲) حدائق داؤدی مؤلفہ غلام محمد قلمی نسخہ (۳) خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۴۸۷ (مفتی صاحب نے شیخ سوندھا کے حالات "اقتباس الانوار" سے نقل کیے ہیں اور سال وفات ۱۱۲۹ھ (مفتی صاحب کا خود ساختہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ اقتباس الانوار میں شیخ سوندھا کے سال وفات کا تعین تک نہیں بلکہ صرف ان کی عمر ۹۶ سال درج ہے)

مؤلف نے سہرند جا کر مولانا فرخ شاہ[1] بن محمد سعید بن شیخ احمد" مجدد الف ثانی سے علوم ظاہر حاصل کیے، مؤلف لکھتا ہے۔

"پس بامر آنحضرت (شیخ سوندھا) بکسب علم ظاہر مشغول شدم در چہار و پنج سال بخدمتِ اُستادِ ان کامل در شہر سرہند از تحصیل ہمہ علومِ رسمیہ فراغ یافتم و فاتحہ بخدمت مولوی فرخ شاہ نبیرہ شیخ احمد سرہندی قدس رہ کہ در علمِ ظاہر ثلا عبدالحکیم ثانی بود[2]"

مؤلف نے اقتباس الانوار کے علاوہ اپنی دیگر تالیفات کا ذکر اس طرح کیا ہے:

"بعضے از تصانیف این فقیر مثل جواہر ستہ و شرحِ وے مسمی بہ نشر اللآلی و حدائق المجالس ملفوظ این فقیر و ملفوظِ دیگر این فقیر مسمے بہ بوارق الانوار و بحر الاسرار و اسرارِ عشقیہ و دو شرح الف و ب و مکتوباتِ این فقیر مشتمل واقع شدہ اند[3]"

"جواہر ستہ" کی شرح کا ذکر ایک اور مقام پر اس طرح کیا گیا ہے۔

"شرح جواہر ستہ کہ تصنیف این کاتب حروف است[4]"

اپنی ایک اور تالیف "اورادِ چشتیہ" کا ذکر مولف اس طرح کرتا ہے:

"و بیانِ شجرہ ہا طریق این کاتب حروف ہمدرین احوال خواہد آمد ان شاء اللہ تعالیٰ در "اورادِ چشتیہ" ذکرے کند[5]"

---

1. مولانا فرخ شاہ (متولد ۱۰۳۸ھ متوفی ۱۱۲۲ھ) صاحب نزہۃ الخواطر نے مولانا موصوف کے ان چھ رسائل کا ذکر کیا ہے۔(۱) القول الفاصل بین الحق والباطل (۲) کشف الغطاء عن وجوہ الخطاء (۳) رسالہ فی الوحدۃ الشہود (۴) رسالہ فی المقامات (۵) رسالہ الحقیقۃ المحمدیہ (۶) حاشیہ علی حاشیہ عبدالحکیم علی الخیالی۔ (۶/ ۲۲۲)
مولانا موصوف کے سالِ وفات کے باب میں تذکرہ نویسوں کا سخت اختلاف ہے (۱) روضۃ القیومیہ رکن اول ۳ شوال ۱۱۱۸ھ (۲) عمدۃ المقامات ص ۴۳۸ - ۲۰ شوال ۱۱۰۸ھ (۳) تذکرۃ الانساب للقاضی ثناء اللہ پانی پتی ۳ شوال ۱۱۲۲ھ (بحوالہ نزہۃ الخواطر ۶/ ۲۲۲) (۴) مناقب احمدیہ و مقامات سعیدیہ ص ۷۷ ولادت ۱۰۳۸ھ وفات ۱۱۲۰ھ (۵) ہدیہ احمدیہ ۱۱۲۲ھ (۶) خزینۃ الاصفیاء ۱/ ۶۱۳ میں ۱۱۳۲ھ بظاہر مندرجہ صدر کتب کولہ میں روضۃ القیومیہ قدیم ترین ماخذ ہے لیکن اس کا مؤلف خود لکھتا ہے کہ میں بچپن میں سرہند سے شاہجہان پور چلا آیا تھا۔ اس لیے حضرت مجدد کی اولاد کے باب میں واقفیت نہیں رکھتا" اس لیے راقم الحروف نے اس سلسلہ کی آخری کتب یعنی تذکرۃ الانساب اور ہدیہ احمدیہ کے بیان کو ترجیح دی ہے۔
2. اقتباس الانوار ص ۳۳۸
3. ایضاً ص ۲۰۔
4. ایضاً ص ۲۹۷
5. ایضاً ص ۲۳ سطر اول

بقول صاحبِ نزہۃ الخواطر مؤلف (محمد اکرم البراسوی) محرم ۱۱۵۹ھ میں دہلی میں فوت ہوا اور جوار قدم الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن ہوا[1]۔ صاحب نزہۃ الخواطر نے اپنا ماخذ نہیں بتایا اس لیے مذکورہ سنہ وفات کے تسلیم کرنے میں قدرے تامل ہے[2]۔

"اقتباس الانوار" مشائخ چشتیہ صابریہ کا تذکرہ ہے چار اقتباسات پر مشتمل ہے اول ذکرِ نبی کریم ﷺ و خلفائے راشدینؓ و ائمہ کرام، دوم خواجہ حسن بصریؒ تا خواجہ عثمان ہارونی، سوم خواجہ معین الدین چشتی تا شیخ عارف بن احمد عبد الحق، چہارم شیخ عبد القدوس گنگوہی تا شیخ محمد علی پدرِ مؤلف۔۔۔۔

اس تذکرہ کے آخری ابواب (در ذکر شیخ محمد صادق، شیخ داؤد، شیخ سوندھا، شیخ الہ بخش اور شیخ محمد علیؒ) نہایت اہم ہیں۔ کیونکہ ان میں اکثر واقعات کا مؤلف خود راوی ہے اور شیخ داؤد گنگوھی کے حالات مؤلف نے اپنے پیر شیخ سوندھا سفیدونی سے سن کر تحریر کیے ہیں۔ اقتباس الانوار اور حدائق داودی ہمہ سال تالیف ہوئیں دونوں کتابوں کے اکثر واقعات (باب شیخ داؤد گنگوھی) آپس میں منطبق ہیں۔ مثلاً اورنگزیب عالمگیر کا تخت نشین ہوتے ہی شیخ داود کو امراء کے کہنے پر دربار میں بلانا، داراشکوہ کی ارادت، واقعۂ وفات وغیرہ۔

لیکن تعجب ہے کہ دونوں مؤلف ایک دوسرے کے نام سے بھی واقف نہیں نہ تو حدائق داودی میں اقتباس الانوار یا اس کے مؤلف کا ذکر ہے اور نہ ہی اقتباس الانوار میں حدائق داودی یا اس کے مؤلف کا ذکر ہے۔

"اقتباس الانوار" مطبع اسلامیہ لاہور سے بہ تصحیح شاہ اشفاق حسین رزاقی باہتمام مولانا کریم بخش ۱۸۹۵ء میں شائع ہوئی۔

اقتباس الانوار کا سالِ تصنیف:

کتب خانہ انڈیا آفس کے کیٹلاگ کا مرتب مسٹر ایتھے لکھتا ہے۔

> [M.Akram] "who commenced this work 1135/1722, at Delhi, and completed it after seven years labour, the 13th of Muharram 1142/1729 August 9. The chronogram for the beginning of the work is کتاب معتبر [1135] in a tarikh by

---

۱ نزہۃ الخواطر ۶/ ۳۸۳

۲ مولوی مشتاق احمد انبیٹھوی نے انوار العاشقین ص ۱۰۶ میں لکھا ہے "تمیز تاریخ وفات"۔۔۔۔۔۔۔

Sharad-al-din Ali Khan, That for the completion بحر الخارق [=1142]"[2] (abridged)

عہدِ حاضر کے مشہور محقق آنجہانی سی اے سٹوری نے بغیر کسی تحقیق کے مسٹر ایتھے کے مندرجہ صدر بیان پر اعتماد کر کے اسے اپنی شہرہ آفاق تالیف پرشین لٹریچر میں جگہ دے دی ہے[2]۔ حالانکہ اس کا مطبوعہ نسخہ ان کے پیش نظر تھا اور انہوں نے اس کے صفحات کی تعداد تک لکھی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ "اقتباس الانوار" کا آغاز ۷ جمادی الاول ۱۱۳۱ھ کو دہلی میں ہوا اور چار ماہ کی محنت سے پنجم رمضان ۱۱۳۲ھ ہی کو پایہ تکمیل کو پہنچی، مؤلف لکھتا ہے۔

"۔۔۔۔۔۔۔۔پس تالیف این مختصر را از ابتدائے جمادی الاول بہ تاریخ ہفتم وے سنہ یک ہزار ویک صد وسی ودو ہجری در دار الخلافہ حضرت دہلی پشت قدم رسول شروع کردہ در جمع دے سعی وکوشش بسیار بکار بردہ در چہار ماہ کم وبیش روزِ جمعہ بتاریخ پنجم ماہِ رمضان المبارک سنہ مذکور (۱۱۳۲ھ)۔۔۔۔ باتمام رسید"[3]۔

اقتباس الانوار کے ۱۱۳۲ھ میں تالیف ہونے کی شہادت کتاب کے اندرونی دیگر قرائن سے بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً مسٹر ایتھے نے خود ہی شیخ محمد علی پدر مؤلف کا سالِ وفات (بغیر کسی دوسرے حوالہ کے) ۱۱۲۷ھ درج کیا ہے۔ حالانکہ اصل کتاب میں سالِ وفات کا نشان تک نہیں بلکہ مؤلف لکھتا ہے۔

"۔۔۔۔۔وجون وقتِ وفات پدر عالی قدر این فقیر قریب رسید"[4]

تاہم اس سالِ وفات کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس مذکورہ سال کے بعد کا اس میں کوئی واقع درج نہیں لہٰذا ۱۱۲۷ھ کے قریباً پانچ سال بعد ۱۱۳۲ھ میں یہ کتاب تالیف ہوئی۔

درج بالا مبحث کا نتیجہ یہ ہے کہ اقتباس الانوار کا صحیح سالِ تالیف ۱۱۳۲ھ ہے۔

---

1 Cat. India office vol . I. MS. No. 654, page 326 to 339

2 Persian literaturé, Vol. I part I page 1019

۳ اقتباس الانوار ص ۸ مطبوعہ لاہور

۴ ایضاً ص ۳۲۹

انیس العاشقین: [1] مکتوبہ ۱۱۸۳ھ [2] مؤلفہ شیخ گھاسی مرید شیخ محمد رامپوری چشتی، انیس العاشقین چشتی سلسلہ کے صوفیہ کا تذکرہ ہے۔ مؤلف نے اس میں شیخ محمد صادق اور شیخ داود گنگوھی کے مناقب اپنے مرشد شیخ محمد چشتی سے سن کر تحریر کیے ہیں جو زیادہ مفصل نہیں ہیں۔ یہ صرف مناقب ہیں سنینِ ولادت و وفات درج نہیں کیے گئے۔

فرحت الناظرین مؤلفہ محمد اسلم بن محمد حفیظ سالِ تالیف ۱۱۸۴ھ

یہ ہندوستان کی ۱۱۸۴ھ تک کی عام تاریخ ہے۔ اس کے خاتمہ کا باب التراجم علماء، مشائخ اور شعرائے عہد اورنگ زیب بہت اہم ہے جس میں مؤلف نے شیخ داؤد گنگوھی کا سالِ وفات پنجم جلوس عالمگیری درست لکھا ہے [3]۔

حدائقِ داؤدی

مذکورہ بالا تذکروں کے اجمالی تعارف کے بعد "حدائقِ داودی" کا مفصل تعارف کرایا جاتا ہے "حدائق داؤدی" غلام عبدالقدوس بن محمد یوسف بن شیخ ابوالفتح کی تالیف ہے۔ جو شیخ داؤد گنگوھی کے دختر زادہ تھے۔ ان کے مفصل حالات اپنے مقام پر آئیں گے۔

حدائقِ داؤدی چار روضوں اور کئی حدائق پر مشتمل ہے۔

۱۔ روضۂ اوّل، مشتمل بر حالات شیخ نظام الدین تھانیسری

۲۔ روضۂ دوم، شیخ ابوسعید گنگوھی

۳۔ روضۂ سوم، شیخ محمد صادق گنگوھی

۴۔ روضۂ چہارم، مشتمل بر حالات شیخ داود گنگوھی

---

۱ انیس العاشقین ورق ۵ ص ۳۶۔۲۸

۲ "انیس العاشقین" کا قلمی نسخہ حافظ محمود شیرانی مرحوم کے ذخیرۂ کتب (محزونہ دانش گاہ پنجاب لاہور) میں موجود ہے اس کے اوراق ۱۰۴ ہیں کہیں شکستہ اور کہیں نستعلیق ہے۔ جرح و سالِ کتابت ۱۲ شعبان ۱۱۸۳ھ ہے۔

۳ فرحت الناظرین کے قلمی نسخے کیمبرج، تحفہ اور بانکی پور کے کتب خانوں میں موجود ہیں جن کے روٹو گراف دانش گاہ پنجاب لاہور میں محفوظ ہیں اس کا طبقۂ مشائخ و شعراء اورینٹل کالج میگزین لاہور کی اگست ۱۹۲۸ء میں طبع ہو چکا ہے۔

اس کے پہلے تین روضوں کے تراجم مجملاً اور آخری روضہ یعنی حالات شیخ داؤد تفصیلاً بیان کیے ہیں اسی لیے کتاب کا نام حدائق داؤدی مؤلف نے تجویز کیا ہے۔

مؤلف نے ہر بزرگ کا بار بار نام لینے کی بجائے ان کے القاب اس طرح استعمال کیے ہیں۔

۱۔ شیخ نظام الدین تھانیسری کے لیے قطب المحققین

۲۔ شیخ ابو سعید گنگوہی کے لیے حجۃ العارفین

۳۔ شیخ محمد صادق گنگوہی کے لیے محبوب الٰہی اور طبیب حاذق

۴۔ شیخ داؤد گنگوہی کے لیے حجۃ الاولیاء

۵۔ شیخ محمد برادر خرد شیخ داود مذکور کے لیے قدوۃ الاولیاء

پیشِ نظر نسخہ میں کتاب کے مختلف نام درج ہیں (۱) حدائق داؤدی (۲) حدائق الاولیاء (۳) حدیقۂ داودی (۴) حقائق داودی۔ یہ کتاب چونکہ چار روضوں اور ہر روضہ کئی حدائق پر مشتمل ہے اس لیے راقم الحروف نے اس کے مذکورہ ناموں میں سے "حدائق داودی" کو ترجیح دی ہے۔

خطی نسخے: حدائق داؤدی کے اب تک مجھے صرف دو ۲ قلمی نسخوں کا علم ہوا ہے مزید تلاش وجستجو سے اس کے اور نسخے بھی دریافت ہو سکتے ہیں۔

۱۔ نسخہ مملوکہ محترم صوفی بشیر احمد قدوسی (کراچی) راقم السطور نے بار بار قدوسی صاحب کی خدمت میں ان کے نسخے کی کیفیت دریافت کرنے کی غرض سے عریضہ ارسال کیا لیکن جواب سے محروم رہا۔

۲۔ دوسرا قلمی نسخہ حضرت حافظ محمود خان شیرانی مرحوم ومغفور کے ذخیرہ ۱/ ۸۷۶ / ۳۹۲۸ کا ہے۔ جو اس وقت کتب خانہ دانش گاہِ پنجاب میں محفوظ ہے۔

یہ نسخہ کرم خردہ اور بوسیدہ ہونے کے علاوہ خوش خط بھی نہیں ہے جس کے ایک ورق کا مطالعہ بھی محال ہے۔ اس کے صفحات کی تعداد ۴۴۱ سطور فی صفحہ ۱۲ تقطیع ۸.۸x ۸.۸ ۹ ہے۔ اس کا سال کتابت ۱۲۸۰ھ اور کاتب سید جمال الدین کرمانی ہے۔ کاتبِ مذکور نے اس کا قلمی نسخہ علی احمد سجادہ نشین خانقاہِ شاہ ابو المعالی" انبیٹھوی سے حاصل کر کے نقل کیا ہے۔

نسخہ مذکور املاء کے اغلاط سے پاک نہیں ہے۔ اور کئی جگہ عبارت غیر مربوط ہو کر رہ گئی ہے۔ جس کی وجہ سے راقم الحروف کو جا بجا دقت کا سامنا کرنا پڑا تاہم ربط قائم رکھنے کے لیے اپنی طرف سے جو اضافہ کیا گیا ہے اُسے قوسین میں ظاہر کر دیا گیا ہے۔

حال ہی میں ذخیرۂ شیرانی کی جو فہرست شائع ہوئی ہے۔ اس میں "حدائق داودی" کو شیخ عبدالقدوسؒ گنگوہی متوفی ۹۴۵ھ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ جس پر راقم نے اپنے ایک مضمون میں مفصل تنقید کی ہے[1]۔

حدائقِ داوٗدی کا سال تصنیف: حدائق داودی میں سنین کا بہت فقدان ہے۔ مؤلف نے اس کے سالِ تصنیف کی کہیں وضاحت نہیں کی دوسرے اس کا جو قلمی نسخہ اس وقت پیشِ نظر ہے یہ اس قدر کرم خردہ ہے کہ اکثر حصے پڑھے نہیں جا سکتے۔ تاہم کتاب کے چند قابلِ مطالعہ مقامات کے پیشِ نظر اس کے سالِ تصنیف پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

شیخ داوٗد گنگوہی کا سالِ وفات ۱۰۷۳ھ (بروایت حدائق داوٗدی) ہے۔

مؤلف ایک موقع پر شیخ داوٗد کی وفات کے بعد اپنی عمر تریسٹھ سال بتاتے ہیں۔

"...... نیز بعد پنج سال از رحلت آنحضرت ودیعت حیوۃ سپردوین ناکس و ناسزا یعنی مؤلف این اوراق کہ دختر زادۂ آنحضرت ست و این نسبت وی آنجنابِ پاکش، ہچو نسبتِ سگ با مسجد است تا ایں مدۃ کہ عمرش بحکم الٰہی از شصت سہ ۳ سال متجاوز شدہ (اند) است"[2]۔

گویا مؤلف ۱۱۳۶ھ (سالِ وفاتِ شیخ داوٗد ۱۰۷۳ھ + عمر مؤلف تا این مدت ۶۳ سال = ۱۱۳۶ھ) میں اس کتاب کی تالیف میں مصروف نظر آتے ہیں۔

کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی مستقل کتاب نہیں، بلکہ مؤلف کی ایک بیاض ہے جو واقعہ جس وقت کسی معتبر بزرگ سے سنا اُسے قلمبند کر لیا شاہ محمد نامی کسی معتقد کی وفات کے ذکر میں تاریخ، وقت اور ماہ

---

[1] محمد اقبال مجددی: فہرست مخطوطات ذخیرہ شیرانی پر ایک نظر، معارف، اعظم گڑھ جنوری ۱۹۶۹ء

[2] حدائق داودی ص ۴۴۹

تک لکھا ہے لیکن بد قسمتی سے مؤلف یا کاتب سال وفات درج کرنا بھول گئے۔ ورنہ کتاب کے سالِ تصنیف پر بحث کے لیے ایک نئی راہ نکلتی کیوں کہ یہ واقعہ کتاب کے خاتمہ میں اس طرح درج ہے۔

"شاہ محمد نام۔۔۔۔۔۔رحلتش ازین سرائے فانی بدار الملکِ جاودانی بتاریخ بست چہارم درماہِ محرم الحرام وقت چہار ساعت باقی ماندہ از شب چہار شنبہ ہجری است"۔

اس ساری بحث کا ماحاصل یہ ہے کہ "حدائق داودی" ۱۱۳۶ھ اور ۱۱۵۲ھ (سالِ وفاتِ مؤلف) کے درمیان کسی سال غالباً ۱۱۵۰ھ تک مؤلف کے زیر تحریر رہی ہے۔[1]

مؤلف کے حالات: اس سلسلے کے جن تذکروں کی فہرست اس مضمون کے آخر میں دی گئی ہے مجھے ان میں مؤلف کے حالات نہیں مل سکے تاہم کتاب کے اندرونی قرائن کی روشنی میں حالات تحریر کیے جاتے ہیں۔

حال ہی میں مخطوطاتِ شیرانی کی جو فہرست شائع ہوئی ہے اس میں حدائق داؤدی کو شیخ عبدالقدوس گنگوہی متوفیٰ ۹۴۵ھ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ جس پر راقم الحروف نے اپنے ایک مضمون میں مفصل تنقید کی ہے۔[2]

مؤلف کے ایک عزیز غلام علاء الدین نے کتاب کے پہلے روضہ کے آخر میں ایک یادداشت قلمبند کی ہے جو نہایت اہم ہے۔

بعد وصال حضرت جدی کہ مصنفِ این کتاب اند سہ ۳ عدد مسودہ در مناقبِ حضرت نظام الدین (تھانیسری) بخطِ خاصِ اوشان بودند غالب است کہ از یاد محو شدند۔۔۔۔۔ فصل الکتاب می نمودند حالا بعینہٖ کتاب کون ضرور است بنابرین فقیرِ حقیر غلام علاء الدین بعبارت بلاتفاوت مینگارند یافتن مسودہا در ۱۱۹۷ھ کہ چہل و پنج سال بعد فوت مصف متقضی کہ اتفاق افتادوا ولنست[3]"

---

۱ حدائق داودی ص ۳۳۹

۲ محمد اقبال مجددی۔ فہرست مخطوطات شیرانی۔ ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۷۹ء

۳ فہرست مخطوطات شیرانی ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۶۹ء

درج بالا اقتباس غیر مربوط ہے، مبہم اور بلا سیاق و سباق ہے۔ تاہم راقم نے اس سے حسب ذیل نتیجہ اخذ کیا ہے۔

مؤلف کی وفات کے پینتالیس سال بعد ۱۱۹۷ھ میں غلام علاء الدین کو کتاب کے چند نسخے (بخطِ مصنف) ملے جس میں نظام الدین تھانیسریؒ کے حالات کا باب بھی شامل ہے اب ہم مصنف کا سالِ وفات بہ آسانی معلوم کر سکتے ہیں۔ یعنی ۱۱۹۷ھ میں سے پینتالیس منہا کر دیا جائے تو ۱۱۵۲ھ سالِ وفات بر آمد ہو جاتا ہے۔

غلام عبد القدوس اپنی تصنیف حدائق داودی کی روشنی میں:

غلام عبد القدوس، شیخ داوٗد گنگوہی کا دختر زادہ اور شیخ نور محمدؒ کے توسط سے شیخ داود کے مریدین میں شامل ہوئے، لکھتے ہیں:

"فقیر حقیر غلام عبد القدوس ابنِ شیخ محمد یوسف عثمانی اباً و نعمانی مذہباً۔۔۔ این خاکسار۔۔۔
جدِّ الاولیاء حضرت شیخ داود۔۔۔ سوای نسبت دختر زادگی رتبہ مریدی و غلامی و بندگی دارد
توسط۔۔۔ حضرت شیخ نور محمد نور مرقدہ کہ یکے از اعظم خلفاء اصفیاء ش بودہ۔۔۔۔
در سلکِ بندگان این خاندان کرامت نشان منسلک ساختہ از زمرۂ سگانِ ایشان انداختند"۔[1]

مؤلف پھر شیخ داوٗد سے اپنا تعلق بیان کر کے لکھتا ہے کہ شیخ کی وفات سے اس وقت میری عمر تریسٹھ سال سے متجاوز ہے۔

"نیز بعد پنج سال از رحلتِ آنحضرت ودیعت حیوۃ سپرد و این ناکس و ناسزا یعنی مؤلف این اوراق کہ دختر زادہ آنحضرت ست و این نسبت وی آنجناب پاکش ہچو نسبت سگ با مسجد است تا این مدت کہ عمرش بحکم الٰہی از شصت سہ سال متجاوز شدہ (اند) است"۔[2]

مؤلف اپنے والد اور دادا کا نام اس طرح لیتے ہیں۔

"یکے از (مریدین شیخ داوٗد) شیخ محمد یوسف پسر شیخ ابو الفتح دہا تہرتی پدر مؤلف این رسالہ"۔۔۔۔۔[3]

---

1. [حدائق] داودی ص ۲
2. ایضاً ص ۲۲۹
3. حدائق داودی ص ۲۲۲

مؤلف کی والدہ کی پرورش شیخ داؤد ہی نے کی اور ان کا عالم طفولیت بھی شیخ داؤد ہی کے یہاں گذرا جس کا مؤلف نے اس طرح ذکر کیا ہے۔

"شیخ داؤد کفالت پرورش مادر مؤلف در خردی بوی تعلق داشتہ بودند"[1]۔۔۔

شیخ داود مؤلف کے متعلق کہا کرتے تھے۔

"حجۃ الاولیاء در بارۂ من چنیں فرمودہ کہ این پیر شدنی ست"[2]۔۔۔

مؤلف شاعر بھی تھا اور ایک دو فارسی غزلیں ان کی کتاب میں پائی جاتی ہیں لیکن افسوس کہ حدائق داودی کا پیش نظر خطی نسخہ اس قدر کرم خوردہ ہے کہ ایک شعر بھی درست نہیں پڑھا جا سکا نیز مؤلف نے شیخ داؤد کا شجرہ نسب کئی جگہ نظم کیا ہے لیکن تخلص کہیں بھی استعمال نہیں کیا۔

حدائق داودی کے مآخذ: اس کتاب کا زیادہ حصہ سماعی ہے تاہم کہیں کہیں کسی کتاب کا ذکر ملتا ہے۔ شیخ ابو سعید گنگوہی کے حالات کے باب میں شیخ ابو سعید گنگوہی کے مصنفہ ایک رسالہ کا حوالہ اس طرح دیا ہے۔

این قصہ در رسالۂ شیخ ابو سعید مجملاً منقوش است"[3]۔

اس کے علاوہ لطائف قدوسی تالیف شیخ رکن الدین بدھن جونپوری اور سیر الاقطاب کے حوالے بھی جا بجا ملتے ہیں۔

مؤلف حدائق داودی نے شیخ محمد صادق اور شیخ داود کے حالات کے باب میں جو کچھ لکھا ہے وہ بہت معتبر اور مستند ہے کیوں کہ شیخ محمد صادق کے حالات مؤلف نے اپنے والد اور والدہ (دختر شیخ داود) سے سن کر تحریر کیے ہیں۔

اپنی والدہ سے روایت بیان کرنے کا ذکر مؤلف اس طرح کرتے ہیں:

---

۱ ایضاً ص ۹۲

۲ ایضاً ص ۲۵۸

۳ حدائق داودی ص ۱۱۶

”حکایتے کہ از زبان احدی استماع نمود از جائی دیگر از یک بار و کسے تصدیق۔۔۔۔ نرسیدہ درین کتاب درج نساخت مگر بعضی احوال کہ از زبان مادر خود کہ دختر آن آفتاب برج ولایت (شیخ داود) بود“[1]۔

مؤلف نے ان گنت روایات اپنی والدہ محترمہ سے نقل کی ہیں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔

”مؤلف از والدۂ خود و از غلام محمد ترکمان لکھنوی کہ اکثر بملازمۃ حجتہ الاولیاء (شیخ داؤدؒ)۔۔۔۔ واز عاشق باصفاء شیخ سوندھا وغیر ھم شنیدہ۔۔۔۔ کہ۔۔۔۔“[2]

مؤلف نے شیخ داؤد کے برادرِ خُرد شیخ محمد سے بھی روایات نقل کی ہیں جس کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

۔۔۔۔۔ در اثنا تالیفِ این رسالہ۔۔۔۔ قدوۃ الاولیاء حضرت شیخ محمد قدس سرہ کہ بعضی مناقب ازوی نیز استماع نمودہ درین کتاب درج ساختہ ام“[3]

مؤلف اپنے بیان کی تصدیق کے لیے ایک مقام پر ان بزرگوں کا حوالہ دیتا ہے۔

۔۔۔۔ ”مؤلف این سرگذشت از جامعی فضل و کمالات شیخ محمد حیات گنگوہی و شیخ محمد فاروقی التھانیسری، محمد جلال خان۔۔۔۔۔۔۔ و محمد صالح برادرش شیخ محمد کرمانی واز شیخ محمد نقل میکردند شنیدہ بود“[4]۔

خواجہ محمد عاقل سے بھی کچھ روایات منقول ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں۔

”مؤلف این حکایت از زبان خواجہ محمد عاقل برادرزادہ قاضی بنجارہ شنیدہ[5]۔۔۔

غرض کتاب کا زیادہ حصہ سماعی ہے جو کہ اس زمانہ کی تذکرہ نویسی کی روش کی غمازی کرتا ہے۔

حدائق داودی کی اہمیت: یہ تذکرہ نہایت اہم ہے۔ بالخصوص اس کے دو آخری ابواب (تراجم شیخ محمد صادق و شیخ داؤد گنگوہی) کیوں کہ اکثر واقعات مؤلف نے اپنے والد اور والدہ (دختر شیخ داود) اور شیخ محمد برادر

---

۱ حدائق داودی ص ۱۹۸

۲ ایضاً ص ۲۱۹

۳ ایضاً ص ۱۷۰

۴ ایضاً ص ۲۲۲

۵ حدائق داودی ص ۲۵۵

خُرد شیخ داؤد سے سن کر تحریر کیے ہیں۔ مؤلف نے شیخ محمد صادق اور شیخ داود کے جو سنین وفات درج کیے ہیں وہ نہایت معتبر ذرائع سے قلمبند کیے ہیں۔ جن کی تصدیق دیگر بیرونی ذرائع سے بھی ہوتی ہے۔

نیز اس کتاب سے سلاطین و صوفیہ کے تعلقات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ داراشکوہ کی شیخ محمد صادق کی خانقاہ میں حاضری و اظہار عقیدت، اورنگزیب عالمگیر کا تخت نشین ہوتے ہی شیخ داؤد کو دربار میں بلا کر ان کے نظریات دریافت کرنا، سماع کے باب میں وزیر شاہ جہان سعد اللہ خان کے کہنے پر شیخ داود کا دربار شاہ جہانی میں بلایا جانا وغیرہ[1]۔

اگر کتاب کا پیش نظر نسخہ صحیح حالت میں ہوتا تو اس سے بہت سے عقدے وا ہو سکتے تھے۔ چند اقتباسات جو صحیح حالت میں مل سکے نقل کیے جاتے ہیں۔ جن سے کتاب کی اہمیت پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

شیخ محمد صادق گنگوہی اور شیخ عبد الجلیل الہ آبادی[2] کی حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ سے ملاقات کا حال اس طرح درج ہے:

------ "حضرت شیخ عبد الجلیل الہ آبادی کہ ارباب علم و خلیفہ محبوب الٰہی (شیخ محمد صادق) بود بعد تحصیل علوم دیگر بنا بر سند علم حدیث تشریف بخدمت قدوۃ اہل کمال شیخ عبد الحق محدث دہلوی قیام داشت دران اثنا صوفی فرشتہ منظر خورشید پیکر در عالم مثال دید کہ میفرماید شیخ عبد الجلیل سوئے من ائ شیخ از نام نامیش پرسید فرمود کہ من صادقم شیخ عبد الجلیل راہمون وقت دل از علم درسی (بے زار شد) و میل بہ علم حقائق پدید آمد از شیخ عبد الحق محدث درخواست رخصت نمود شیخ فرمود کہ روزی چند دیگر باین علم باید پرداخت باکمالی میر سد التماس نمود کہ حالیا دلم ازین علم سیر شدہ و تعلیمی دیگر مایل است شیخ کہ صاحب باطن و عالم علم معرفت بود فرمودہ کہ این جا ہم از علم حاصل تواند شد شیخ عبد الجلیل عرض نمود کہ شخصے مرا بوی نمود کشیدہ دل من بجائے دیگر بسکے نمی دہد بعد ازاں شیخ عبد الجلیل در ہر

1 ایضاً ص ۲۲۷

2 شیخ عبد الجلیل الہ آبادی حنفی "[illegible] سن [illegible] و [illegible] الہ آباد [illegible]" [illegible] ۶ / ۱۳۸

جا نقش صوفی کہ در خواب دیدہ بود ـــــ و چون بگنگوہ رسید صورت مرشد دریافت چنانچہ شیخ این تمامی ماجرا در نظم بستہ۔

مطلع ـــــ

جانبِ گنگوہ چوں بشتافتم صورت مرشد شد دریافتم[1]

سورہ والضحیٰ کے اسرار و رموز پر مولانا عبدالحکیم سے شیخ داؤد کی گفتگو کا اس طرح ذکر کیا گیا ہے۔

ـــــ ''روزی در مجلسِ خلیفۂ وقت شاہ جہان حجۃ الاولیاء (شیخ داود) و مولانا عبدالحکیم مجتمع بودند اتفاقاً ذکری در معنی سورۃ والضحیٰ افتاد حجۃ الاولیاء اسرار معانی بیان میفرمود مولوی عبدالحکیم باستماع آن فراوان محظوظ بود آخر بخلیفہ عرض نمود آنچہ شیخ میفرمایند روزی مشاہدہ وصال میفرمایند و ما از استماع اساتذہ کتب آنچہ می باہم میگویم'' ۔[2]

شاہ جہان کی اسیری اور اس کے بیٹوں کی خانہ جنگی کا تذکرہ اس طرح ملتا ہے۔

''شاہ جہان بادشاہ در اکبر آباد بقیدِ شاہزادہ داراشکوہ آمد و پسرش عالمگیر کہ ملک دکن است پادشاہِ ہندوستان خواہد شد''[3]

ایک اور مقام پر اس واقعہ کا ذکر اس طرح شروع ہوتا ہے۔

''تحقیق معلوم شد کہ بادشاہ را در قید کردند بعد چند روز در شاہزادہا جنگ آمد''[4]

ایک موقع پر شاہ جہاں سیر کے لیے نکلا تو شیخ محمد صادق کی خانقاہ کے قریب پہنچ کر ان سے ملاقات کا خواہش مند ہوا۔ لیکن حضرت شیخ محمد صادق نے خود جانے کی بجائے اپنے دو صاحبزادوں یعنی شیخ داؤد اور شیخ محمد جو کہ اس وقت بالترتیب چودہ سال اور گیارہ سال کے تھے۔ اس کے ساتھ روانہ کر دیا۔ افسوس ہے کہ مؤلف حدائق داؤدی نے اس واقعہ کا سنہ نہیں لکھا ورنہ اس طرح شیخ داود اور شیخ محمد کے درست سنین ولادت معلوم ہو جاتے، اقتباس ملاحظہ ہو۔

---

1. حدائق داؤدی ص ۱۱۵ یہی واقعہ قدرے اختلاف تحریر کے ساتھ "اقتباس الانوار" ص ۲۹۹ میں بھی درج ہے۔
2. حدائق داؤدی ص ۲۲۶
3. ایضاً ص ۲۲۵
4. ایضاً ص ۲۲۵

۔۔۔۔ چوں خلیفۂ وقت شاہ جہان طاب ثراہ بعزم سیر متوجہ مخلص پور شد بمقربان خود فرمود ہر گاہ مقام حضرت شیخ صادق قریب رسید بمن اطلاع دہند تا بملاقاتش شتابیم خان عالم کہ یکے از عمدہ امراء و مقرب خلیفہ بود[1]۔۔۔۔

پس مناسب آن است کہ صاحب زادہا را ہمراہی من بفرستند تا ملاقاتِ بادشاہ نمایند در صورتی کہ ملاقاتِ خلیفہ بحضرت سیر شد و صاحب زادہا ہم ملاقات کند از مصلحت دور است محبوب الٰہی ملتمس وی را منظور داشتہ بود صاحبزادہا یعنی شیخ داود و شیخ محمدؒ ہمراہ خانِ عالم فرستاد و دران وقت حجۃ الاولیاء شیخ داود چہاردہ سالہ و قدوۃ الاولیاء شیخ محمد یازدہ سالہ بودند چوں بلشکر رسیدند خانِ عالم فرمودند کہ بخلیفہ ملاقات کنانند"[2]۔

حدائق داودی کی یہ روایت محل نظر ہے کیوں کہ عہد شاہ جہانی کے معاصر مآخذ سے ثابت نہیں کہ شاہ جہان شیخ محمد صادق گنگوہی کی زندگی میں کبھی مخلص پر گیا ہو۔ تاہم یہ بھی ثابت نہیں کہ عہد شاہ جہانی کے مورخین نے تمام واقعات قلم بند کیے ہوں۔ دربارِ شاہ جہانی میں مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی اور شیخ داود کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کے ذکر سے بھی معاصر کتب تاریخ خالی ہیں۔ صوفیہ کے تذکروں میں سلاطین و صوفیہ تعلقات کے بے شمار ایسے واقعات ملتے ہیں جن کا کتبِ تاریخ میں ذکر تک نہیں کیا گیا۔

شاہ جہان کے اپنے آخری دورِ حکومت میں مخلص پور جانے کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

"کنارے جون متصل دامانِ کوہ شمالی کہ بکوہ سرموز نزدیک است چہل و ہفت کروہ دہلی موضع ست معروف بہ مخلص پور از مضافاتِ سہارنپور۔ بخوش ہوائی و چندیں صفات شگرف موصوف از دار الخلافہ کشتی سوارہ در یک ہفتہ توان آمد در سال بیست و ہشتم حکم اساس عمارتے رفیع اصدار یافتہ بود در سال سی ام بصرف پنج لک روپیہ باتمام رسید و بقدوم پادشاہی مورد سعادت گردیدہ بفیض آباد موسوم گشت" (مآثر الامراء جلد دوم ص ۸۶۷ تا ص ۸۶۸) جلد سوم ص ۱۵۷ بسلسلہ حالات کیرت سنگھ، عملِ صالح جلد سوم ص ۲۳۷

---

1 یہ ورق اس قدر کرم خوردہ ہے کہ قابل بھی مطالعہ نہیں۔

2 حدائق داودی ص ۱۲۱ تا ص ۱۲۲

گویا شاہ جہان ۱۰۶۷ھ (تیسویں جلوس) میں مخلص پور گیا اور شیخ محمد صادق گنگوہی ۱۰۵۱ھ میں فوت ہو چکے تھے اس لیے ملاقات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

غرض حدائق داؤدی میں شاہ جہان اور اورنگ زیب عالمگیر کے عہد کے ایسے بہت سے واقعات پائے جاتے ہیں جن سے دیگر مطبوعہ اور معروف کتب تاریخ خالی ہیں۔

شیخ محمد صادق اور شیخ داؤد گنگوہی کے سنینِ وفات کے باب میں تذکرہ نویسوں کی غلطیاں جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے سب سے پہلے مفتی غلام سرور لاہوری مرحوم مصنف خزینۃ الاصفیاء نے شیخ محمد صادق گنگوہی اور شیخ داود گنگوہی اور بعد کے قریباً تمام تذکرہ نویس مفتی صاحب ہی کے اتباع میں غلطیوں کے مرتکب ہوئے صرف مذکورہ دو ۲ بزرگوں کے سنینِ وفات ہی نہیں بلکہ بے شمار مشائخ کے سالِ وفات کے اندراج میں مفتی صاحب مرحوم سے غلطیاں ہوئیں۔

مفتی صاحب نے خزینۃ الاصفیاء، حدیقۃ الاولیاء اور گنجینۂ سروری وغیرہ میں خاندانِ نوشاہیہ کے بزرگوں کے جو سنینِ وفات لکھے ہیں سب غلط ہیں صرف دو بزرگوں یعنی سید عصمت اللہ نوشاہی اور سید حافظ جمال اللہ کے سنینِ وفات درست درج کیے ہیں۔ نیز اس باب میں مفتی صاحب کی محولہ کتاب "تذکرۂ نوشاہیہ" میں صرف حضرت شیخ حاجی محمد نوشہ گنج بخش اور عصمت اللہ نوشاہی اور سید حافظ جمال اللہ کے سنینِ وفات ہی درج ہیں اور ان تین بزرگوں کے سوا کسی نوشاہی بزرگ کا سالِ وفات تذکرۂ نوشاہیہ میں تحریر نہیں مفتی صاحب نے حضراتِ نوشاہیہ کے حالات تو "تذکرۂ نوشاہیہ" مؤلفہ حافظ محمد حیات سے نقل کر لیے اور سنینِ وفات کر لیے اور سنینِ وفات محض اپنے قیاس سے درج فرما دیئے اور ان سب کو مستند بنانے کے لیے "تذکرۂ نوشاہیہ" کا حوالہ دے دیا حالانکہ اس تذکرہ میں ان تاریخوں کا سرے سے وجود ہی نہیں[1]۔

حضرت شیخ علی ہجویری لاہوری کے سالِ وفات کے باب میں مفتی صاحب نے "نفحات الانس" کا حوالہ دیا ہے۔ حالانکہ نفحات میں سرے سے شیخ علی ہجویری کا سالِ وفات مذکور ہی نہیں[2]۔

---

[1] ملاحظہ ہو تذکرۂ نوشاہیہ مؤلفہ حافظ محمد حیات نوشاہی قلمی نسخہ [illegible] ... شرافت نوشاہی ص ۳۸

[2] مقالہ آغا [illegible] ... فروری ۱۹۶۰ء

بالکل یہی سلوک مفتی صاحب نے شیخ محمد صادق اور شیخ داود گنگوہی کے سنین وفات کے متعلق کیا۔ مفتی صاحب نے ان دونوں بزرگوں کے حالات تو اقتباس الانوار سے نقل فرما لیے لیکن سنین وفات کے تعین میں قیاس آرائی سے کام لیا اور اپنے قیاس کو مصدقہ بنانے کے لیے اسی کتاب کے حوالے دے دیئے مفتی صاحب کی کتاب خزینۃ الاصفیاء طبع اول لاہور اور بعد کی اشاعتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ طبع اول میں شیخ محمد صادق کا سالِ وفات بحوالۂ ''شجرہ'' چشتیہ'' ۱۰۳۶ھ نظم کیا ہے اور یکایک دوسرے ایڈیشن میں بحوالۂ سواطع الانوار (اقتباس الانوار) ۱۰۵۸ھ نظم فرمادیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ''سواطع الانوار'' میں شیخ محمد صادق کے سالِ وفات کے متعلق وضاحت سے لکھا ہے۔

''وفات بندگی شیخ محمد صادق گنگوہی قدس سرہ، بتاریخ ہژدھم ماہِ محرم الحرام واقع شدہ وسنہ وفاتش تا حال معلوم این احقر نہ شدہ کہ نوشتہ آید''[۲]۔

یعنی مفتی صاحب کی محولہ کتاب سواطع الانوار کے مصنف نے وضاحت سے لکھا ہے کہ مجھے ہنوز شیخ محمد صادق کا سالِ وفات معلوم نہیں۔ لیکن مفتی صاحب نے اس کے باوجود ۱۰۵۸ھ رقم فرمادیا[۳]۔

ممکن ہے میری اس تنقید پر یہ اعتراض کیا جائے کہ خزینۃ الاصفیاء کی تصنیف کے وقت مفتی صاحب کے پیشِ نظر سواطع الانوار کا جو قلمی نسخہ تھا اس میں شیخ محمد صادق کا سالِ انتقال مندرج ہو۔ اور میرا محولہ مطبوعہ نسخہ اس سے خالی ہو۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کا انڈیا آفس لائبریری میں (مسٹر ایتھے کے خیال کے مطابق) مصنف کا خود نوشت نسخہ موجود ہے۔ اور لائبریری کے کیٹلاگ میں اقتباس الانوار کی جو تلخیص پیش کی گئی ہے اس میں بھی وضاحت سے مرقوم ہے کہ مصنف کو شیخ محمد صادق کا سال وفات معلوم نہیں تھا[۱]۔

''حدائق داودی'' میں شیخ محمد صادق کے سالِ وفات کے باب میں یہ تصریح درج ہے۔

---

۲ سواطع الانوار (اقتباس الانوار) ص ۳۰۳

۳ خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۴۰۷

1 Cat. India Office, By Ethe Vol. 1. No 654 Page 326 to 339.

"و روز جمعہ آخر وقت نوزدہم از محرم الحرام سنہ یکہزار و پنجاہ و یک از ہجرت نبوی ﷺ بود۔۔۔۔۔ یکے از فرزندانِ گفتہ کو وفات حضرت در شب جمعہ میشدی"[1]۔

حدائقِ داؤدی کے مؤلف نے شیخ محمد صادق کا سالِ وفات شیخ محمد ابراہیم مراد آبادی، شیخ یوسف سامانوی اور شیخ جمال ساکن موضع کاجھوہ کے حوالہ سے لکھا ہے جو کہ وفات کے وقت موجود تھے۔ جسے رد نہیں کیا جاسکتا۔

درج ذیل مؤلفین نے شیخ محمد صادق گنگوہی کا سالِ وفات غلط لکھا ہے۔

ا۔ حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار (جو فی الحقیقت خزینۃ الاصفیاء کی مسخ شدہ شکل ہے) میں بحوالہ خزینۃ الاصفیاء شیخ محمد صادق کا سالِ وفات ۱۰۵۸ھ درج کیا ہے[2]۔

۲۔ مرزا آفتاب بیگ مؤلف تحفۃ الابرار (کلیاتِ جدولیہ) نے دو قول نقل کیے ہیں۔

i۔ ۱۸ محرم الحرام ۱۰۵۸ھ (بحوالہ اقتباس الانوار، حدیقۃ الاولیاء، سواطع الانوار، تذکرۃ المشائخ)

ii۔ ۱۰۶۰ھ عمرائے سال (بحوالہ تذکرۃ العابدین) مادۂ وفات "رضی اللہ تعالیٰ عنہ"[3]

قولِ اول دراصل خزینۃ الاصفیاء اور حدیقۃ الاولیاء سے منقول ہے اور دیگر حوالے محض دل لگی کے لیے دیئے گئے ہیں۔ نیز مؤلف اقتباس الانوار اور سواطع الانوار دو علیحدہ علیحدہ تذکرے سمجھتے ہیں لیکن اصل میں یہ دونوں ایک ہی کتاب کے نام ہیں۔

قولِ دوم بالکل بے سروپا ہے۔

۳۔ شیخ محمد حسن صابری صاحبِ تواریخ آئینہ تصوف نے مکتوب نطاب، شوق الکثیر اور ظہرت نامہ کے حوالہ سے شیخ محمد صادق کا سالِ وفات ۱۹ محرم ۱۰۵۳ھ لکھا ہے[4]۔

حقیقت یہ ہے کہ محمد حسن صابری کا یہ تذکرہ الہامی کتابوں سے منقول ہے جس کا خود انہوں نے دیباچہ کتاب میں اعتراف کیا ہے۔ تاریخ محمد حسن صاحب کے الہامات کی قائل نہیں، حقائق کا نام ہے۔ نیز صابری صاحب کی مندرجہ روایات دوسری مستند کتب سے اس قدر متضاد ہیں کہ ان پر تنقید کرنا فضول ہے۔

---

[1] حدائقِ داؤدی ص ۱۶۸

[2] حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار مؤلفہ امام بخش ص ۱۲۳

[3] تحفۃ الابرار ص ۱۶۹ (حصہ مشائخ چشتیہ)

[4] تواریخ آئینہ تصوف ص ۳۹

۴۔ مولوی مشتاق احمد انبیٹھوی مرحوم نے انوار العاشقین میں شیخ محمد صادقؒ کا سالِ وفات درج نہیں کیا۔ لیکن "تحفۃ السالکین" میں بغیر کسی حوالہ کے ۱۷ محرم ۱۰۶۰ھ درج کر دیا ہے۔

۵۔ مشہور محقق مولانا عبد الحیؒ لکھنوی مؤلف "نزہۃ الخواطر" نے بھی خزینۃ الاصفیاء کی تقلید میں شیخ محمد صادق کا سالِ وفات ۱۰۵۸ھ لکھا ہے[1]۔ حالانکہ مؤلف کی نظر سے اقتباس الانوار گذر چکی ہے۔

۶۔ مرزا محمد اختر دہلوی مؤلف تذکرہ اولیائے ہند نے بھی ۱۸ محرم ۱۰۵۸ھ لکھ کر اپنے بیان کو مصدقہ بنانے کے لیے اقتباس الانوار کا حوالہ دیا ہے[2]۔

۷۔ متاخر تذکرہ نویس اعجاز الحق قدوسی صاحب جن کے پیش نظر حدائق داودی کا قلمی نسخہ (کراچی) موجود تھا۔ انہوں نے حدائق داودی ہی کے حوالہ سے شیخ کا سال وفات ۱۰۵۸ھ لکھا ہے[3] جو واقعی تعجب خیز ہے۔

درج بالا مبحث کا نتیجہ یہ ہے کہ شیخ محمد صادق گنگوہی کا سالِ وفات ۱۸۔ ۱۹ محرم ۱۰۵۱ھ ہر لحاظ سے درست ہے۔

شیخ داؤد گنگوہی کا سال وفات

"حدائق داؤدی" میں ہے۔

"روزِ یکشنبہ ششم از ماہِ رمضان المبارک سنہ یکہزار و ہفتاد و سہ ۱۳ از ہجرت وقتِ چاشت بود۔ کہ آن آفتاب عالم تاب (شیخ داؤد) در ہمیں ازین عالم فانی (بہ عالم بقاءِ رحلت نمود)"[4]

فرحت الناظرین میں ہے۔

(شیخ داؤد گنگوہی) "در سنہ پنجم جلوس والا (اورنگ زیب عالمگیر) از دارِ محن بہ نزہتگاہِ جنت رحلت نمود"[5]۔

---

۱ نزہۃ الخواطر ۵/ ۳۷۷

۲ تذکرہ اولیاء ہند جلد دوم ص ۱۰۱ دہلی

۳ شیخ عبد القدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات ص ۳۰۳

۴ حدائق داودی ص ۳۹۵ قلمی نسخہ دانش گاہ پنجاب لاہور، نسخہ ہذا یہ حصہ نہایت کرم خوردہ ہے اس لیے بریکٹ کے الفاظ عبارت کے تسلسل کو قائم کرنے کے لیے بڑھائے گئے ہیں۔

۵ فرحت الناظرین مؤلفہ محمد اسلم (اقتباس منتقل در تراجم علماء صوفیہ [illegible] اورینٹل کالج میگزین مئی / اگست ۱۹۲۸ء)

اورنگ زیب عالمگیر یکم ذی قعدہ ۱۰۶۸ھ ۲۱ اپریل ۱۶۵۸ء کو تخت نشین ہوا اس میں ایک سالِ رواں کے اشتراک سے پنجم جلوس عالمگیری ۱۰۷۳ھ کے مطابق ہوگا اور یہی شیخ داود کا سالِ وفات ہے۔

۱۰۷۳ھ (سالِ وفات شیخ داود) کے معتبر اور صحیح ترین ہونے کے قرائن حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اقتباس الانوار اور حدائق داودی معاصر اور ہمہ سال تالیف ہوئیں اور ان کے نقل کردہ ماہِ وفات آپس میں منطبق ہیں۔ یعنی ششم ماہِ رمضان (اقتباس) ششم از ماہِ رمضان المبارک (حدائق)

۲۔ شیخ داؤد کی وفات کا واقعہ شیخ نے اپنی وفات سے تین روز قبل اپنے بھائی شیخ محمد کو تابوت مہیا کرنے کا حکم دیا دونوں کتابوں (اقتباس اور حدائق) میں باہم موجود ہے۔ فرحت الناظرین بھی اس سلسلہ کا قدیم اور مستند ماخذ ہے جس میں شیخ داؤد کا سالِ وفات ۱۰۷۳ھ درج ہے جو حدائق داودی کے مندرجہ سال کے درست ہونے کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔

درج ذیل تذکرہ نویسوں کے بیانات بہت متضاد ہیں۔

۱۔ محمد حسن صابری صاحب تواریخ آئینۂ تصوف نے بھی انہیں کتابوں کے حوالہ سے شیخ داؤد کا سالِ وفات ۶ رمضان ۱۰۸۰ھ نقل کیا ہے۔

۲۔ مرزا آفتاب بیگ مؤلف تحفۃ الابرار نے خزینۃ الاصفیاء کی تقلید میں شیخ داؤد کا سالِ وفات ۱۰۹۵ھ لکھ کر اقتباس الانوار، حدیقۃ الاولیاء سواطع الانوار تذکرۃ المشائخ کے حوالے محض اپنے بیان کو مستند بنانے کے لیے مزین کیے ہیں[۱]۔

۳۔ امام بخش بن پیر بخش مؤلف حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار نے بھی یہی سن لکھ کر اقتباس الانوار (سواطع الانوار) کا حوالہ دیا ہے جو فی الحقیقت خزینۃ الاصفیاء کی تقلید ہے[۲]۔

۴۔ مولوی مشتاق احمد انبیٹھوی نے انوار العاشقین میں شیخ داؤد کا سالِ وفات درج نہیں کیا[۳]۔ اور نہ ہی تحفۃ السالکین میں تحریر کیا ہے[۴]۔

---

۲ تحفۃ الابرار (کلیات جدولیہ) ص ۱۷۹، ص ۱۸۰ حصہ چشتیہ

۳ حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار ص ۱۲۳

۴ انوار العاشقین ص ۱۰۱ تحفۃ السالکین ۱۸

۵۔ مولانا عبدالحی مرحوم مؤلف نزہۃ الخواطر نے بھی خزینۃ الاصفیاء کی تقلید میں شیخ داؤد کا سالِ وفات ۱۰۹۵ھ تحریر فرمایا ہے[1]۔

۶۔ مرزا محمد اختر دہلوی نے ۱۹۰۵ھ (جو غالباً کتابت کی غلطی ہے اصل میں ۱۰۹۵ھ ہوگا کیوں کہ ان کا تذکرہ تو مکمل خزینۃ الاصفیاء کا چربہ ہے) لکھا ہے[2]۔

۷۔ متاخر تذکرہ نویس اعجاز الحق قدوسی صاحب نے بھی خزینۃ الاصفیاء اور نزہۃ الخواطر کی تقلید میں شیخ داؤد کا سالِ وفات ۱۰۹۵ھ تحریر فرمایا ہے۔ نیز انہوں نے شیخ داؤد گنگوہی کے حالات اور سالِ وفات کے باب میں اخبار الاخیار مؤلفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا بھی حوالہ دیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اخبار الاخیار ۹۹۹ھ میں تالیف ہوئی اور شیخ داؤد گنگوہی ۱۰۷۳ھ میں فوت ہوئے۔

درج بالا مبحث کا نتیجہ یہ ہے کہ شیخ محمد صادق گنگوہی کا سالِ وفات نوزدہم یا ہژدہم محرم ۱۰۵۱ھ اور شیخ دوٗد گنگوھی کا سالِ وفات ششم رمضان ۱۰۷۳ھ مستند تصور کیا جائے۔ ڈاکٹر سید معین الحق نے شیخ محمد صادق کا ایک رسالہ شہودیہ مرتب کر کے (رسالہ) بصائر، میں شائع کر دیا تھا بصائر، کراچی ج ۷، ش ۳۔۴ (۱۹۷۰ء) اس رسالہ کا موضوع وحدت الشہود نہیں ہے بلکہ تصوف کے بعض عمومی مسائل پر مشتمل ہے۔

شیخ محمد بن محمد صادق گنگوھی برادر خُرد شیخ داؤد

مولوی مشتاق احمد انبیٹھوی نے شیخ محمد کا سلسلۂ نسب اس طرح لکھا ہے۔

عبدالرحیم بن عبدالکریم بن نیاز علی بن شاہ علی بخش بن احسان علی بن شاہ علی بن غلام احمد بن شیخ محمد بن شیخ محمد صادق بن فتح اللہ بن عبدالحمید بن شیخ عبدالقدوس گنگوھی[3]

مرزا آفتاب بیگ نے بحوالہ تذکرۃ العابدین لکھا ہے کہ شیخ محمد کی ولادت ۱۰۲۲ھ میں ہوئی[4]۔ یہ سن ولادت غلط ہے جس کے قرائن حسب ذیل ہیں۔

---

۱ نزہۃ الخواطر ۵/ ۱۳۲

۲ تذکرہ اولیائے ہند حصہ ششم اڈیشن حصہ دوم

۳ انوار العاشقین ص ۱۲۳

۴ تحفۃ الابرار ص ۱۸۱ حصہ سلاسل چشتیہ

۱۔ حدائق داودی کی روایت کے مطابق شیخ داود اور شیخ محمد جب دربار شاہ جہان میں پہنچے تو اس وقت شیخ داؤد کی عمر چودہ سال اور شیخ محمد کی عمر گیارہ سال تھی۔

"شیخ داود و شیخ محمد ہمراہ خانعالم فرستاد و دران وقت حجۃ الاولیاء شیخ داود چہار دہ سالہ و قدوۃ الاولیاء شیخ محمد یازدہ سالہ بودند"۔۔۔۔

۲۔ شیخ محمد کی ولادت بقولِ مرزا آفتاب بیگ ۱۰۲۲ھ ہے اور اس میں اگر بارہ سال (دربار شاہ جہانی میں شیخ محمد بارہ سال کی عمر میں پہنچے) جمع کیے جائیں تو ۱۰۳۴ھ سال برآمد ہو گا۔ گویا مرزا صاحب کے قول کے مطابق شیخ محمد ۱۰۳۴ھ میں دربارِ شاہِ جہانی میں گئے۔

۳۔ حقیقت یہ ہے کہ شاہ جہان ۱۰۳۷ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس لیے ۱۰۳۴ھ میں شیخ محمد دربار شاہ جہانی میں کیسے جاسکتے تھے۔ لہٰذا ثابت ہوا ہے کہ مرزا صاحب کا پیش کردہ سالِ ولادت شیخ محمدؒ ۱۰۲۲ھ غلط ہے۔

مرزا آفتاب بیگ مرحوم نے شیخ محمدؒ کا سال وفات ۲۲ ربیع الاول ۱۰۹۹ھ تحریر فرمایا ہے اور اس طرح مولوی مشتاق احمد انبیٹھوی نے بھی اسی کی پیروی کی ہے۔ لیکن جب تک ہمارے پاس کوئی معاصر شہادت نہیں پہنچتی اس وقت تک اسے تسلیم کرنے میں تامل رہے گا۔

شیخ محمدؒ کے حالات مستند تذکروں میں نہیں ملتے اقتباس الانوار کے اس اقتباس سے مصنف کی عقیدت تو عیاں ہوتی ہے لیکن تاریخ کا پہلو تاریک ہو جاتا ہے۔

"شیخ محمد گنگوہی برادر خُرد شیخ داؤد بود و در تربیت مریدان قوتے باہر و در ہدایت مستفیدان تصرفی ظاہر داشت از محبت شاصوفیہ در حال روساء چشتیہ بود و خلفاء بسیار داشت و از دامن تربیتش مردمان خوب و مستفیدان مرغوب برخاستند چنانکہ عالمے رابنورِ ہدایت خویش منور ساختند الغرض بندگی شیخ محمد قدس سرہ تمام عمر را در عشق و محبت و فقر و فناء و شغل باطن گذرانید چون خواست کہ جمالِ محبوب حقیقی را بے پردہ بیند مرغِ روحش حجاب ہستی مجازی

۱ حدائق داودی ص ۱۲۲ (مکمل اقتباس "حدائق داودی کی اہمیت" کے تحت نقل ہو چکا ہے)

۲ انوار العاشقین ص ۱۲۳

راشق کردہ بآشیانۂ لامکاں پرواز نمود و بادوست یکرنگ گشت و مرقدِ مبارکش در قصبۂ گنگوہی"[1]۔۔۔

قصر عارفان میں ہے[2]۔

یکی ازان (خلفائے شیخ محمد صادق) شیخ محمد صاحب سجادۂ پدر (شیخ محمد صادق) ۔۔۔۔۔۔۔ ازوی (شیخ داود) شاہ محمد غریب فیض یافت ازوی شاہ محمد اعظم[3] وازوی شاہ جمال بنوری[4] وازوی شاہ محمد حیات[5] وشاہ غلام علی[6] پلہانوی وازوی شاہ امیر الدین[7] وشاہ کریم الدین[8] حالا منصرم درگاہ پلہانوی[9] بجائے شاہ امیر الدین شاہ کریم بخش[10] از اولاد شاہ غریب باشد"

حدائق داؤدی کے نقائص: یہ تذکرہ قدیم تذکرہ نویسوں کی تقلید میں لکھا گیا ہے۔ اس میں خاص ترتیب ملحوظ نہیں رکھی گئی بلکہ جو واقعہ جس وقت یاد آیا یا کسی معتبر بزرگ سے سنا اُسے قلمبند کر لیا۔ قدیم روش کے مطابق کرامات بیان کرنے میں رطب ویابس سے کام لیا گیا ہے۔ تاہم اس کتاب کو محض کرامات کا مجموعہ کہہ کر اس کی اہمیت کو کم نہیں لگایا جاسکتا ہے کیوں کہ اس وقت اسی قسم کے تذکرے لکھنے کا رواج تھا۔ مصنف کی فارسی زبان عام تذکرہ نویسوں کی طرح ادیبانہ نہیں بلکہ بعض جگہ قواعد کے اغلاط بھی پائے جاتے ہیں اکثر مقامات پر عبارتیں غیر مربوط ہو کر رہ گئی ہیں۔

---

۱ اقتباس الانوار ص ۳۰۳

۲ قصر عارفان مطبوعہ لاہور ۳۷۶

۳ متوفی ۲ رجب ۱۱۳۲ھ

۴ متوفی ۲۹ شعبان ۱۱۶۵ھ

۵ متوفی سوم جمادی الاول ۱۱۹۲ھ

۶ متوفی پنجم جمادی الاول ۱۲۱۰ھ

۷ پانزدہ جمادی الاول ۱۲۴۳ھ

۸ شاہ کریم الدین کی تاریخ وفات معلوم نہیں ہو سکی

۹ یہ "پلہانوی" نہیں بلکہ "سنبھلی" ہے۔ شاید ڈاکٹر محمد باقر صاحب اپنے مرتبہ نسخہ قصر عارفان میں درست نہیں کر سکے۔

۱۰ ۱۷ شوال ۱۲۷۹ھ (یہ تمام سنین وفات انوار العاشقین سے ماخوذ ہیں)

مآخذ

۱۔ معارج الولایت مؤلفہ عبد اللہ خویشگی خطی نسخہ ذخیرۂ شیرانی مخزونہ دانش گاہ پنجاب نمبر ۶۲۸۱

۲۔ معارج الولایت عبد اللہ خویشگی خطی نسخہ ذخیرۂ آذر مخزونہ دانش گاہ پنجاب نمبر H۲۵

۳۔ حدائق داودی مؤلفہ غلام عبد القدوس خطی نسخہ شیرانی مخزونہ دانش گاہ پنجاب نمبر ۱/ ۸۷۶/ ۳۹۲۸

۴۔ مفتاح العارفین مؤلفہ عبد الفتاح بن محمد نعمان خطی نسخہ شیرانی مخزونہ دانش گاہ پنجاب نمبر ۱۶۱۳/ ۴۲۶۳

۵۔ تذکرۂ نوشاہیہ مؤلفہ محمد حیات نوشاہی خطی نسخہ شیرانی مخزونہ دانش گاہ پنجاب

۶۔ انیس العاشقین مؤلفہ گھاسی مرید شیخ محمد چشتی رام پوری خطی نسخہ شیرانی مخزونہ دانش گاہ پنجاب نمبر ۱۹۶/ ۳۲۰۲

۷۔ طبقات الاولیاء سالِ تالیف ۱۰۶۸ھ خطی نسخہ شیرانی مخزونہ دانش گاہ پنجاب نمبر ۱۰۳۵/ ۴۰۸۷

۸۔ اخبار الاولیاء مؤلفہ محمد امیر بسال ۱۱۳۰ھ (در حالت و ملفوظات شاہ علی محمد) خطی نسخہ شیرانی مخزونہ دانش گاہ پنجاب نمبر ۲۰۹/ ۳۲۱۴

۹۔ فرحت الناظرین مؤلفہ محمد اسلم بن محمد حفیظ پسروری روٹوگراف مخزونہ دانش گاہ پنجاب، لاہور

۱۰۔ شجرۃ الانوار فخری مؤلف مولانا رحیم بخش فخری مرید و خلیفہ شاہ فخر الدین دہلوی خطی نسخہ مملوکہ مولانا شمس الدین مرحوم، لاہور (المتوفیٰ ۱۱ جنوری ۱۹۶۸ء)[1]

۱۱۔ ثمرات القدس مؤلف لعل بیگ لعلی سنہ کتابت ۱۲۷۸ھ خطی نسخہ مملوکہ جناب نصرت نوشاہی، شرقپور پاکستان

۱۲۔ روضۃ القیومیہ (فارسی) مؤلفہ کمال الدین محمد احسان خطی نسخہ مخزونہ پنجاب پبلک لائبریری، لاہور

۱۳۔ اقتباس الانوار مؤلفہ محمد اکرم براسوی مطبوعہ مطبع اسلامیہ، لاہور ۱۸۹۵ء

۱۴۔ خزینۃ الاصفیاء مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوری مطبع ثمر ہند، لکھنؤ ۱۸۷۳ء

---

[1] شجرۃ الانوار فخری کا مذکورہ نسخہ اب کراچی میوزیم میں منتقل کر دیا گیا ہے۔

۱۵۔ حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار مؤلفہ امام بخش بن پیر بخش مطبوعہ۔۔۔۔۔

۱۶۔ مکتوبات قدوسیہ جامع بدھن رکنی صدیقی جونپوری مطبوعہ مطبع احمدی، دہلی ۱۲۸۷ھ

۱۷۔ منتخب مکتوباتِ قدوسیہ اہتمام مولوی مشتاق احمد انبیٹھوی، مطبع مجتبائی ۱۳۱۲ھ

۱۸۔ عمدۃ المقامات مؤلفہ خواجہ محمد فضل اللہ مطبوعہ لاہور ۱۳۵۵ھ

۱۹۔ مناقب احمدیہ و مقاماتِ سعیدیہ مؤلفہ شاہ محمد مظہر بن شاہ احمد سعید مطبوعہ اکمل المطابع دہلی ۱۲۸۲ھ

۲۰۔ ہدیہ احمدیہ مؤلفہ مولانا احمد ابوالخیر مکی مطبوعہ مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۱۳ھ

۲۱۔ قصرِ عارفان مؤلفہ مولوی احمد علی مرتبہ ڈاکٹر محمد باقر مطبوعہ، لاہور ۱۹۶۵ء

۲۲۔ نزہۃ الخواطر (عربی) مؤلفہ مولانا عبدالحی لکھنوی مطبوعہ دائرۃ المعارف، حیدر آباد، دکن

۲۳۔ روضۃ القیومیہ ترجمہ (اردو) کمال الدین محمد احسان مطبوعہ، لاہور ۱۳۳۵ھ

۲۴۔ تواریخ آئینہ تصوف مؤلفہ محمد حسن صابری مطبوعہ مطبع حسنی، رامپور ۱۳۱۱ھ

۲۵۔ حقیقتِ گلزار صابری مؤلفہ محمد حسن صابری مطبع حسنی، رامپور ۱۳۰۷ھ

۲۶۔ تحفۃ الابرار (کلیاتِ جدولیہ) مؤلفہ مرزا آفتاب بیگ مطبع رضوی، دہلی ۱۳۲۳ھ

۲۷۔ انوار العاشقین مؤلفہ مولوی مشتاق احمد انبیٹھوی مطبوعہ عثمان پریس، دکن ۱۳۳۲ھ

۲۸۔ تحفۃ السالکین مؤلفہ مولوی مشتاق احمد انبیٹھوی

۲۹۔ اذکارِ نوشاہیہ از سیّد شریف احمد شرافت نوشاہی مطبوعہ، لاہور

30- Cat. India office by Ethe printed London 1882.

31- Persian literature by C.A Storey London, 1925-1953

32- Cat. Bankipur. Vol VIII, Bankipur.

(رسالہ) برہان، دہلی ج ۶۴۔ ش ۵ (مئی ۱۹۷۰ء)

حضرت سیّد میراں بھیکہ

شیخ محمد سعید ملقب بہ میراں بھیکہ چشتی صابری سلسلہ کے معروف شیخ طریقت، عالم اور فقیہ بزرگ تھے۔

شیخ میراں بھیکہ کا نام محمد سعید بن سیّد محمد یوسف بن سید قطب بن۔۔۔۔۔ تھا حسینی سادات، میں سے تھے آپ کے اجداد کا مسکن ومستقر علاقہ ترمذ تھا۔ آپ کی والدہ بی بی ملکوہ (Malikoh) بھی سادات میں سے تھیں (ثمرۃ الفواد ۲۳، تحفۃ السالکین ص ۱۷۳)

آپ کے اجداد میں سے سیّد زید ترمذی ایک روحانی اشارے پر ترمذ سے ہندوستان آئے اس وقت ہندوسان میں مسلمانوں کی حکومت استحکام پذیر ہو رہی تھی اور سلطان قطب الدین ایبک (۶۰۲۔ ۶۰۷ھ / ۱۲۰۶۔ ۱۲۱۰ء) حکمران تھا۔ سیّد زید نے قصبہ سیانہ (Sianah) میں قیام کیا جو علاقہ کہرام (Kuhram) من مضافات سرہند (Sirhind) ایک گاؤں ہے۔ وہاں کے ہندو راجہ سے مسلمانوں کے اس مختصر سے قافلہ کی لڑائی ہوئی۔ سیّد زید کو نماز کی حالت میں شہید کر دیا گیا۔ (تحفۃ الصالحین ۱۷۳۔ ۱۷۲، ثمرۃ الفواد ۱۷۔ ۲۲) سلطان نے راجہ کو سزا دی اور وہ قتل ہوا۔ سیّد زید شہید کی اولاد قصبہ کہرام میں بس گئی اور دعوت وارشاد اور تبلیغ دین میں مصروف ہو گئی (ہمانجا)

اسی خانوادے کے چشم وچراغ سیّد محمد سعید ملقب بہ میراں بھیکہ کی ولادت ۹ رجب ۱۰۴۶ھ / ۱۶۳۶ء کو ہوئی۔

آپ کا لقب میراں بھیکہ تھا، بھیکہ سنسکرت زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی ہیں ڈرنے والا یعنی خدا کے خوف میں ہمیشہ رہنے والا بھیکہ (بکسر باو ہا خفی ویاء ساکن معجمہ وکاف مفتوح وہای خفی) اس کے دوسرے معنی (باء بکسر وہاء خفی وکاف ساکن عربی وشین بضم معجمہ یعنی بھکش) زاہد وطالب کے ہیں۔ (ثمرۃ الفواد ۲۶)

والد کی وفات کے بعد میراں بھیکہ نے اخوند فرید کی خدمت میں رہ کر تحصیل کی۔ اور کمال انہماک کے ساتھ علم حاصل کیا (ہمانجا ۲۹۔۳۱) حصولِ علم کے بعد قصبہ نلوی (Nalwi) کے ایک بزرگ شاہ قاسم کے پاس رہ کر سلوک کی مشق کرتے رہے (ہمانجا ۳۲۔۳۳)

بارہویں صدی ہجری میں چشتی سلسلہ کے ایک نامور شیخ طریقت شاہ ابو المعالی انبیٹھوی (Anbethavi) خاص شہرت رکھتے تھے اور پنجاب میں ان کے خلفاء دعوت و ارشاد میں مصروف تھے۔

میراں بھیکہ انہی شاہ ابو المعالی کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کی خدمت میں رہے اور ان سے خلافت یاب ہو کر واپس اپنے مستقر میں آکر مریدوں کی تعلیم و تربیت کرنے لگے۔ شاہ ابو المعالی نے ۱۱۱۲ھ / ۱۷۰۰ء کو انتقال کیا۔ (انوار العاشقین ۱۰۹، عقد اللآلی ۲۰۔۲۱)

میراں بھیکہ تقریباً تیس سال دعوت و ارشاد کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ موصوف عالم، فقیہ اور متبع شرع بزرگ تھے (نزہۃ الخواطر ۶/ ۳۱۱) آپ شعر فہم اور شعراء کے مربی تھے آپ کے کئی مرید فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔ چنانچہ خواجہ محمد سلیم کا طویل فارسی قصیدہ ان کے مناقب میں نقل ہوا ہے۔ خود میراں بھیکہ فارسی اور ہندی[1] میں شعر کہتے تھے انہوں نے اپنے شیخ شاہ ابو المعالی کی مدح میں ۱۱۹ اشعار کا ایک قصیدہ بھی لکھا جو شیخ لطف اللہ انبالوی نے من و عن نقل کر دیا ہے (ثمرۃ الفواد ۳۴۔۳۵) معتمد خان نے میراں بھیکہ کے نام کے ساتھ لفظ بصیر بھی لکھا ہے (تاریخ محمدی ص ۴۰) لیکن اس امر کی وضاحت نہیں کی کہ یہ ان کا تخلص ہے۔

میراں بھیکہ کا شجرہ چشتی سلسلے کی معروف شاخ صابریہ سے ملتا ہے۔ یعنی میراں بھیکہ خلیفہ شاہ ابو المعالی مذکور خلیفہ شیخ داؤد، شیخ محمد صادق، شیخ ابو سعید گنگوہی، شیخ نظام الدین تھانیسری، شیخ جلال تھانیسری، شیخ عبدالقدوس گنگوہی یہ پورا شجرہ اس سلسلہ کی متداولہ کتب مرآۃ الاسرار، سیر الاقطاب، اقتباس الانوار (ص ۳۳۹) میں درج ہے۔

میراں بھیکہ کا وصال ۵ رمضان ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء کو ہوا قصبہ کہرام میں دفن کیے گئے جو اس وقت پٹیالہ میں ہے موضع تھسکہ عملہ پرگنہ تھانیسر کہ وطنش بود فوت شد (تاریخ محمدی ۲/ ۶/ ۴۰) جو اس وقت پٹیالہ میں ہے

---

1. ہندی میں میراں بھیکہ چشتی کے منظومات کے مجموعے [illegible] (مرتبہ فاروق الحسن چشتی) [illegible] موجود ہیں، جن میں سے دو کے اردو تراجم [illegible] صابری صاحب نے شائع کیے ہیں۔

(تحفۃ الصالحین ۲۰۳، ثمرۃ الفواد ۲۳ و باب ہفتم، تاریخ محمدی ۴۰، حدیقۃ الاولیاء ۱۰۱) میراں بھیکہ کے مریدین و خلفاء کثیر تعداد میں تھے ثمرۃ الفواد میں کئی اصحاب کے احوال و مناقب درج ہیں۔ لیکن ان میں سے مولانا بہلول گول برکی جالندھری (شارح دیوانِ حافظ وغیرہ)، شیخ لطف اللہ انبالوی مولفِ ثمرۃ الفواد اور شیخ علیم اللہ جالندھری مولفِ نزہۃ السالکین وغیرہ زیادہ مشہور ہوئے۔

میراں بھیکہ کے حالات و ملفوظات پر دو کتابیں مرتب ہوئیں ان میں ثمرۃ الفواد جسے آپ کے خلیفہ شیخ لطف اللہ انبالوی (ف ۱۱۸۰ھ) نے تالیف کیا یہ کتاب فارسی نثر میں ہے جابجا فارسی اشعار سے بھی مزین ہے۔ اس کا ایک خطی نسخہ کتابخانہ مرکزی دانشگاہِ پنجاب لاہور میں ہے۔ اس کا فارسی متن مع اُردو ترجمہ دہلی سے ۱۹۲۵ء کو چھپ چکا ہے۔

اس موضوع پر دوسری اہم کتاب مولانا علیم اللہ جالندھری حسینی (۱۱۰۹۔ ۱۲۰۲ھ) مؤلف و شارح کتبِ درسیہ نے نزہۃ السالکین کے نام سے ۱۱۸۲ھ میں تالیف کی اس کتاب کے آخری ابواب میراں بھیکہ کے حالات و ملفوظات پر مشتمل ہیں کتاب فارسی نثر میں ہے اس کتاب کا ایک خطی نسخہ ذخیرۂ شیرانی، کتابخانہ مرکزی دانشگاہ پنجاب، لاہور (شمارہ ۶۲۱۱) میں ہے۔ اس کا اُردو ترجمہ لاہور سے ۱۹۴۵ء میں شائع ہو چکا ہے۔ جی سی یونیورسٹی لاہور کی پروفیسر طاہرہ اس کا فارسی متن پی ایچ ڈی کے لیے مرتب کر رہی ہیں۔ اس کے مؤلف مولانا علیم اللہ جالندھری کے احوال و مناقب میں ایک رسالہ اسرار العلیم عبداللہ شاہ قادری نے لکھا تھا جس کا عکس جناب فاروق الحسن چشتی (ملتان) کے پاس ہے۔

مآخذ

۱۔ الہدیہ چشتی: سیر الاقطاب، لکھنؤ، ۱۹۱۳ء

۲۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر، حیدر آباد، دکن ۱۹۵۷ء

۳۔ عبدالرحمٰن چشتی: مرآۃ الاسرار، خطی نسخہ مملوکہ مولوی محمد یعقوب فراہی، کوئٹہ

۴۔ علیم اللہ جالندھری: تحفۃ الصالحین ترجمہ نزہۃ السالکین، لاہور، ۱۹۴۵ء

۵۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: حدیقۃ الاولیاء تحقیق و تعلیق، محمد اقبال مجددی، لاہور، ۱۹۷۶ء

۶۔ ایضاً: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ، ۱۸۷۳ء

۷۔ لطف اللہ انبالوی: ثمرۃ الفواد (احوال و ملفوظات و مناقب میراں بھیکہ چشتی) دہلی، ۱۹۲۵ء

۸۔ محمد حسین مراد آبادی: انوار العارفین۔ بریلی، ۱۲۹۰ھ

۹۔ محمد اکرم براسوی: اقتباس الانوار، لاہور، ۱۸۹۵ء

۱۰۔ مشتاق احمد انبیٹھوی: انوار العاشقین، حیدر آباد، دکن ۱۳۳۲ھ

۱۱۔ ایضاً: عقد اللآلی یعنی مناقب شاہ المعالی، ساڈھورہ، ۱۳۳۱ھ

۱۲۔ معتمد خان، میرزا محمد: تاریخ محمدی، تصحیح و تعلیقات امتیاز علی عرشی، علی گڑھ، ۱۹۶۰ء

۱۳۔ بھیکھ، میراں، سید: نور معرفت (ترجمہ و شرح گیان لہر) شارح فاروق الحسن چشتی، ملتان، ۲۰۱۱ء

۱۴۔ ایضاً: مورکھ سمجھاوتی ترجمہ از خلیفہ یونس صابری، ملتان۔

۱۵۔ ایضاً: سی حرفیاں مترجم خلیفہ یونس صابری، ملتان۔

۳ دسمبر ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ فتح اللہ جالندھری

شیخ محمد فتح اللہ جالندھری حسنی حسینی چشتی (ف ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۵ء) ایک عالم و عارف مؤلف تھے۔ وہ ہندوستانی پنجاب کے مشہور علاقہ جالندھر (Jalundhar) کے رہنے والے تھے۔

جالندھر کے مشہور بزرگ میر سیّد محمد سعید ملقب بہ میران بھیکھ (ف ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء) اور شاہ علیم اللہ چشتی جالندھری (ف ۱۲۰۲ھ / ۱۷۸۸ء) سے قریبی تعلقات تھے۔ شاہ فتح اللہ چشتی کے حالات مطبوعہ اور متعارف تذکروں میں نہیں ملتے۔

ان کے ایک مرید شیخ نور اللہ نے جو ان کے حین حیات ۱۱۵۲ھ / ۱۷۴۰ء کو انتقال کر گئے تھے ان کے ملفوظات کے تین مجموعے مرتب کیے تھے یعنی فتح الاسرار در معارفِ توحید، فتح الاخیار اور فتح العقائد۔

شاہ فتح اللہ چشتی کی دو تصانیف تصوف کے وجود کا ہمیں تاحال علم ہے۔ اول فتح العارف یا رسالہ شرح کلمۂ طیبہ ہے جو کلمۂ طیبہ کی شرح اور اس کے معارف و مطالب پر مشتمل ہے۔ مؤلف کے ایک مرید شیخ محمد منیر الدین حضرات خواجگانِ چشتیہ سے ملاقات کے لیے دہلی گئے تو انہوں نے ان سے کلمہ شریفہ کے معنی کی تحقیق کی درخواست کی انہیں اس کا تسلی بخش جواب نہیں مل سکا، جس پر واپس آکر انہوں نے اپنے شیخ شاہ فتح اللہ سے کلمہ طیبہ کی ایک شرح لکھنے کی درخواست کی جس پر انہوں نے ۱۱۵۴ھ / ۱۷۴۱ء کو یہ کتاب مکمل کر لی۔ مؤلف نے اپنے مآخذ میں احادیثِ نبویہ، فصوص الحکم، مرآۃ العارفین، رسالہ اصطلاحات مؤلفہ شیخ عبدالرزاق کاشانی، تمہیدات عین القضات ہمدانی، لمعات عراقی، گنج الاسرار (منسوب بہ خواجہ معین الدین سجزی) اور نزہۃ الارواح مؤلفہ میر حسینی کے حوالے دیئے ہیں، ان کے علاوہ اپنے بیانات کو دلچسپ بنانے کے لیے مولانا روم اور حافظ شیرازی کے اشعار بھی نقل کیے ہیں۔

اس رسالہ کا خطی نسخہ ذخیرہ شیرانی کتابخانہ، مرکزی دانشگاہ پنجاب لاہور (شمارہ ۱۰۲۷) ایک مجموعہ میں (برگ ۱۶۱۔ ۳۴۳) موجود ہے۔

شاہ فتح اللہ چشتی کا دوسرا رسالہ فتح الاذکار بھی اسی مجموعہ میں ورق ۴۲۔ ۶۲ دیکھا جا سکتا ہے۔

مؤلف نے اس رسالہ میں سلسلۂ چشتیہ کی اصطلاحات کی تشریح کی ہے اور اس میں خواجہ معین الدین چشتی سجزی کے بعض فیوضات بھی نقل کیے ہیں، یہ رسالہ مؤلف نے اپنے ایک عزیز دوست خواجہ محمد یحیٰ بن سید مخدوم اعظم کی فرمائش پر ۱۱۶۳ھ / ۱۷۵۰ء میں تالیف کیا اور ان کو اس سلسلہ کی اجازت بھی دی، اصطلاحات کے علاوہ ذکر دربیان لطائف و مکان، دربیانِ تلقین و تعلیم مرید، لطیفہ سرّی، لطیفۂ خفی و اخفی، توحید وجودی و شہودی اور ولایت خمسہ کا بیان بھی قابلِ توجہ ہے۔ (پاکستان میں فارسی ادب ۳/ ۴۰۴۔ ۴۰۶)

مؤلف اپنے ملفوظات و افکار کے اعتبار سے نظریۂ وحدت الوجود کے پیروکار معلوم ہوتے ہیں۔ انہوں نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود کا بیان بھی طریقۂ چشتیہ کے مطابق کرتے ہوئے اول الذکر کو ترجیح دی ہے۔ مؤلف نے چشتی سلسلہ کے بعض محض وضعی ملفوظات کے مجموعوں کا بھی سہارا لیا ہے۔ حالانکہ اس سلسلہ کے سرخیل خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی اس سے پہلے واضح طور پر فوائد الفواد کے علاوہ مجموعوں کو جعلی قرار دے چکے تھے (خیر المجالس ص ۲۴۱)

مآخذ

۱۔ منزوی: احمد فہرست مشترک نسخہ ہائی خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء

۲۔ بھیکھ، میران، سیّد: نورِ معرفت (ترجمہ گیان لہر) مترجم فاروق الحسن چشتی، لاہو، ۲۰۱۱ء

حمید شاعر قلندر: خیر المجالس مرتبہ خلیق احمد نظامی، علی گڑھ، ۱۹۵۹ء

۳۔ ظہور الدین احمد: پاکستان میں فارسی ادب جلد سوم، لاہور، ۱۹۷۷ء

۴۔ علی اصغر چشتی، ابو مظہر: شمیم جالندھر (تذکرۃ اولیائے جالندھر)، لاہور، ۱۹۹۹ء

۵۔ علیم اللہ جالندھری سیّد: تحفۃ الصالحین ترجمہ نزہۃ السالکین، لاہور (س۔ن)

۶۔ لطف اللہ انبالوی جالندھری: ثمرۃ الفواد، دہلی، ۱۹۲۵ء

۷۔ مشتاق احمد انبیٹھوی: انوار العاشقین، لاہور، ۱۹۷۸ء

۸۔ امام بخش جام پوری: حدیقۃ الاسرار فی اخبار الاسرار، لاہور، ۱۳۳۰ھ

۹۔ عبداللہ قادری: اسرار العلیم (در مناقب شاہ علیم اللہ جالندھری)، خطی، عکس مملوکہ آقائی فاروق الحسن چشتی، ملتان۔

۱۶ مارچ ۲۰۱۱ء

برائی دانشنامہ شبہ قارہ، تہران

شیخ الہدیہ چشتی (موکف سیر الاقطاب)

الہدیہ چشتی گیارہویں صدی ہجری کے ایک چشتی سلسلہ کے صوفی اور تذکرہ سیر الاقطاب کے مؤلف کی حیثیت سے معروف ہیں۔

شیخ الہدیہ معروف چشتی صوفی شیخ جلال الدین محمود پانی پتی (ف ۷۶۵ھ / ۱۳۶۳ء) کی اولاد میں سے تھے۔ شیخ الہدیہ بن شیخ عبدالرحیم بن حکیم بینا بن۔۔۔۔ خواجہ عبدالقادر بن شیخ جلال الدین محمود پانی پتی عثمانی (سیر الاقطاب ۱۸۹)

شیخ الہدیہ (Diyah-diya) ہندی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں دیا ہوا، عطاء، بخشش یعنی اللہ تعالٰی کی بخشش۔ (ہندی اُردو لغت)

شیخ الہدیہ شیخ عبدالسلام شاہ اعلٰی (ف ۱۰۳۳ھ / ۱۶۲۴ء) کے خلیفہ تھے۔ جن کا قیام کیرانہ (Kairanah) میں تھا۔ جو پانی پت (Panipat) (مشرقی پنجاب) سے تقریباً بیس میل مشرق میں ایک قصبہ ہے اور ضلع کرنال میں ہے۔

(Ain-i-Akbari, tr. Blochmann 1/544, Imperial gazetteer of India, Vol XIV pp. 286-7)

شیخ الہدیہ چشتی کے سالِ ولادت و وفات کے بارے میں کوئی معلومات نہیں ہیں ان کی کتاب سیر الاقطاب سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۸ء تک بقیدِ حیات اور معروف کار تھے (سیر الاقطاب ۲۵۱) ان کی تحریرات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بادشاہ شاہ جہان (۱۰۳۷ـ۱۰۶۸ھ / ۱۶۲۸ـ۱۶۸۵ء) سے متوسل اور وابستہ تھے ان کا منصب کیا تھا؟ یہ کتب تاریخ سے معلوم نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی درباری وقائع میں ان کا کہیں تذکرہ ملتا ہے۔

(Apparatus of Empire, by Athar Ali)

شیخ الہدیہ نے خود ذکر کیا ہے کہ وہ کتاب سیر الاقطاب کی تسوید سے فارغ ہو کر اس کی تصحیح میں مصروف تھے یعنی ۱۰۳۶-۱۰۵۶ھ / ۱۶۲۶-۱۶۴۶ء تو انہیں شاہ جہاں بادشاہ کے ہمراہ کابل کے سفر پر جانے کا اتفاق ہوا۔ جب شاہی لشکر نے کابل کے قریب چار باغ میں پڑاؤ ڈالا تو اس کتاب کا زیرِ نظر مبیضہ مؤلف کے پاس تھا جسے شاہ جہاں اور دیگر اہل لشکر مؤلف سے مختلف جلسوں میں سنتے اور خوش ہوتے تھے (سیر الاقطاب ف۲۵) اس سفر میں مؤلف کے برادرِ کلاں شیخ فُضیل اور شیخ قاسم بھی ہمراہ تھے۔ (ہمانجا)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ بعض علماء وصوفیہ کو دعا اور مذہبی امور کے سلسلے میں اپنے ہمرکاب رکھتے تھے شیخ الہدیہ بھی اسی حیثیت سے شاہ جہاں کے ہم سفر ہوں گے اور کوئی قابلِ ذکر منصب نہیں تھا۔

شیخ الہدیہ کے دادا شیخ بینا حکیم اکبر کے عہد کے قابلِ ذکر جراح تھے (منتخب التواریخ ۳/ ۱۶۹، آئین اکبری جلد اول انگریزی ترجمہ وتعلیقات بلوخمان ص ۵۴۳) ان کے چچا شیخ حسن مخاطب بہ مقرب خان جہانگیر کے جراح تھے اور گجرات، بہار اور آگرہ کے گورنر بھی رہ چکے تھے۔ جن کا کیرانہ میں ۹۰ سال کی عمر میں ۱۰۵۶ھ / ۱۶۴۶ء کو انتقال ہوا (توزک جہانگیری ترجمہ بیورج ص ۲۷ وبہ بعد مآثر الامراء ۳/ ۳۲۱-۳۲۴، فہرستِ مخطوطاتِ فارسی موزۂ برطانیہ ۳/ ۱۰۸۶)

مقرب خان نے پانی پت اور کیرانہ میں کئی عمارتیں تعمیر کروائیں (آئین اکبری بلوخمان ۱/ ۵۴۴)

حکیم بینا کیرانوی کے دوسرے بیٹے شیخ عبدالرحیم یعنی شیخ الہدیہ چشتی کے والد کی اولاد میں سے نامور عالم ومبلغ مولانا رحمت اللہ کیرانوی (ف ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۱ء) تھے۔ (ایک مجاہد معمار ص ۱۵، آثارِ احمت ۵۶)

شیخ الہدیہ چشتی کی صرف دو تالیفات سیر الاقطاب اور جواہر اعلیٰ کا ہمیں تا حال علم ہے۔

سیر الاقطاب:

یہ کتاب صوفیہ کے چشتی صابری سلسلے کے مشائخ کا تذکرہ ہے۔ بظاہر مؤلف نے صرف اپنے شجرۂ طریقت کے اصحاب کا تذکرہ لکھا ہے لیکن آج اسے صوفیہ کے تذکروں میں اہم مقام حاصل ہے۔ یہ تذکرہ ۱۰۳۶ھ / ۲۷-۱۶۲۶ء کو مؤلف نے مرتب کرنا شروع کیا اور ۱۰۵۶ھ / ۴۷-۱۶۴۶ء میں مکمل کر لیا۔ (سیر الاقطاب ص ۳،

۲۴۹) مؤلف نے کتاب کے اختتام پر اپنے ۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۹ء کے سفر اجمیر کا بھی ذکر کیا ہے جس سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ اس کتاب پر ۱۰۶۹ھ تک نظر ثانی کرتے رہے (ہمانجا ص ۲۵۱)

اس تذکرے میں ۲۷ صوفیہ کے حالات درج کیے گئے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے لے کر اپنے شیخ عبدالسلام شاہ اعلیٰ پانی پتی (ف ۱۰۳۳ھ / ۱۶۲۴ء) تک تمام مشائخ کے حالات قلم بند کیے ہیں۔ ان میں سے جن صوفیہ کے حالات کے سلسلہ میں مؤلف نے خاص اہتمام سے معلومات جمع کی ہیں ان میں شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء، شیخ احمد عبدالحق ردولوی (رک بآں) شیخ بہرام بیڈولوی (Bedowlavi)، شیخ نظام سنامی، شیخ شبلی بن شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء، شیخ عبدالقدوس، شیخ عبدالکبیر اولیاء، شیخ عثمان زندہ پیر، شیخ نظام الدین اولیاء شیخ عبدالسلام شاہ اعلیٰ (ف ۱۰۳۳ھ) کے اسماء قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے موخر الذکر پانچ مشائخ کے حالات کے لیے تو یہ کتاب واحد ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔ بعد کے تمام تذکرہ نویسوں نے ان صوفیہ کے حالات اسی تذکرے سے نقل کیے ہیں۔ اقتباس الانوار جو سیر الاقطاب سے تقریباً ایک صدی بعد تالیف ہوئی، میں شامل اولیاء کے حالات لفظ بلفظ سیر الاقطاب سے ماخوذ ہیں۔

سیر الاقطاب بڑی متداول کتاب رہی ہے اس کے کئی خطی نسخے دنیا کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ بعض نسخوں کی تفصیل سٹوری نے دی ہے۔ (ادبیاتِ فارسی ۱/ ۲/ ۱۰۰۴)

سیر الاقطاب کا فارسی متن ہندوستان سے کئی بار چھپ چکا ہے مطبع نولکشور لکھنو نے ۱۸۷۷ء، ۱۸۸۱ء، ۱۸۸۹ء، ۱۹۱۳ء و بہ بعد اسے شائع کیا۔

محمد علی جویاؔ کا اُردو ترجمہ بھی مطبع نولکشور لکھنو سے ۱۸۸۰ء، ۱۸۸۸ء اور پھر کئی مرتبہ طبع کیا۔ اس کا ملخص اُردو ترجمہ از مصطفائی بیگم حیدر آباد دکن سے اور پھر لاہور ۱۹۷۷ء میں چھپا تھا۔

جواہر اعلیٰ

اس کتاب میں مؤلف نے اپنے شیخ عبدالسلام شاہ اعلی (ف ۱۰۳۳ھ / ۱۶۲۴ء) کے ملفوظات جمع کیے ہیں۔ (سیر الاقطاب ۲۳۴) اور بتایا ہے کہ سیر الاقطاب میں شامل شیخ اعلیٰ کے ملفوظات اسی جواہر اعلیٰ سے منقول

ہیں۔(ہمانجا ۲۳۴۔۲۴۸)۔اس کا ایک خطی نسخہ درگاہِ حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں شہید، دہلی میں کتابخانہ شاہ ابو الخیر مجددی میں ہے(ہندوستان کے کتابخانوں میں مخطوطاتِ تصوف ص ۲۲)

مآخذ

۱۔ الہدیہ چشتی: سیر الاقطاب۔ لکھنو، مطبع نولکشور ۱۹۱۳ء

۲۔ امداد صابری: آثارِ رحمت (حالات مولانا رحمت اللہ کیرانوی)۔ دہلی ۱۹۶۷ء

۳۔ بدایونی: منتخب التواریخ، کلکتہ، ج۳، ۱۸۶۹ء

۴۔ صمصام الدولہ شاہنواز خان: مآثر الامراء اُردو ترجمہ و تحشیہ محمد ایوب قادری۔ لاہور ۱۹۶۹۔۱۹۷۱ء

۵۔ محمد اکرم براسوی: اقتباس الانوار، لاہور، مطبع اسلامیہ ۱۸۹۵ء

۶۔ محمد سلیم: ایک مجاہد معمار۔ کراچی، ۱۹۵۲ء

ہندوستان کے کتابخانوں میں مخطوطاتِ تصوف (شائع کردہ خدا بخش لائبریری، پٹنہ۔ س ن)

7- Athar Ali: Apparatus of Empire, Delhi, 1985.
8- Blochmann: Ain-i-Akbari, Lahore, (rep.) 1975.
9- Imperial Gazetteer of India (rep. ed.) Delhi (N.D)
10- Jahangir: Memoris of Jahangir, tr. Rogers and Beveridge, Lahore (rep.) 1974.
11- Rieu, Ch: Cat. of Persian MSS. in British Museum, London, 1895.
12- Storey, C.A: Persian literature, London, 1972.

۳۰ نومبر ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ اسماعیل چشتی اکبر آبادی

شیخ اسماعیل اکبر آباد (آگرہ) میں سلسلہ چشتیہ کے اکابر صوفیہ میں سے تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں یگانۂ آفاق بھی تھے۔ خلق کثیر نے ان سے ظاہری و باطنی علوم میں فیض پایا۔ سماع و وجد بہت ہی پسند کرتے تھے۔

مظہر الحق اکبر آبادی (ف ۱۱۰۵ھ / ۱۶۹۳ء) نے مخبر الواصلین میں شیخ اسماعیل چشتی اکبر آبادی کا سالِ وفات ۱۰۶۶ھ / ۱۶۵۵ء نظم کیا ہے (ص ۶۱)

مفتی غلام سرور لاہوری نے لکھا ہے کہ ان کا مزار اکبر آباد میں ہے۔ (خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۴۷۷)

مآخذ

۱۔ مظہر الحق اکبر آبادی: مخبر الواصلین، مراد آباد، شمس المطابع ۱۹۰۹ء

۲۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، کانپور ۱۸۷۳ء

۳۔ محمد اختر: تذکرہ اولیاء ہند و پاکستان، لاہور (س ن)

۴۔ محمد سعید، منشی: مرقع اکبر آباد، آگرہ ۱۳۵۰ھ

۵۔ شہابی، انتظام اللہ: مشاہیر اکبر آباد، کراچی ۱۹۸۰ء

۹ مئی ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ ابو محمد فتحی

شیخ ابو محمد فتحی گیارہویں صدی ہجری کے چشتی مشائخ میں سے تھے۔ شیخ ابو محمد فتحی کی سعیِ جمیلہ سے پنجاب میں گیارہویں صدی ہجری میں سلسلۂ چشتیہ کو فروغ ہوا۔ خصوصاً قصور (Qusur) اور قصبہ فیروز پور (Ferozpur) میں ان کے مریدین تھے۔

شیخ ابو محمد ذکرِ جہر بہت ہی شدت سے کرتے تھے۔ قیام شب اور روزے کی حالت میں رہنا ان کا معمول تھا۔ کسی سے نذر و نیاز قبول نہیں کرتے تھے۔ لوگوں کو فسق و فجور میں وقت گذارنے کی بجائے عبادت و ریاضت کی تلقین کرنا ان کا شیوہ تھا۔ (اخبار الاولیاء، خطی برگ ۱۵۳، الف، ب)

شیخ ابو محمد فتحی کے ایک ہی فرزند تھے جن کا نام شیخ قطب تھا۔ وہ بھی اپنے باپ کی طرح ذکر جہر میں نہایت شدت سے کام لیتے تھے۔ ان سے ایسی شطحیات سرزد ہوئیں کہ علماء نے ان کے قتل کا فتویٰ صادر کیا اور وہ قتل کر دیئے گئے۔

(اخبار الاولیاء، برگ ۱۵۳ب، معارج الولایت ب ۴۷۷)

شیخ ابو محمد فتحی کا مسکن صوبہ پنجاب (Panjab) کا مشہور قصبہ فیروز پور (Ferozpur) تھا وہیں انہوں نے عمر کا زیادہ حصہ عبادت و ریاضت میں گذارا آغاز گیارھویں صدی ہجری میں فیروز پور ہی میں انتقال ہوا اور اسی قصبہ کے ایک دیہ چیرہ (Deh Cherah) میں دفن ہوئے۔ (اخبار الاولیاء ۱۵۳ب، اولیائے قصور ۱۷۴)

مآخذ

۱۔ عبدی، عبد اللہ خویشگی قصوری: اخبار الاولیاء (بسال ۱۰۷۷ھ)
خطی نسخہ مملوکہ مولانا محمد طیب ہمدانی، قصور

۲۔ عبدی، عبد اللہ خویشگی قصوری: معارج الولایت (بسال ۱۰۹۶ھ)
خطی نسخہ ذخیرۂ آذر کتابخانہ مرکزی دانشگاہِ پنجاب لاہور نمبر H،۲۵

۳۔ محمد شفیع: اولیائے قصور (تلخیص وترجمہ اُردو اخبار الاولیاء)، لاہور ۱۹۷۲ء

۱۵ اپریل ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ پھوگی افغان عزیز زئی قصوری

شیخ پھوگی عزیز زئی گیارہویں صدی ہجری کے ایک افغان صوفی تھے جن کا تعلق پنجاب کے معروف قصبہ قصور سے ہے۔

شیخ پھوگی ظاہراً کسی شیخ سے بیعت نہیں تھے بلکہ شیخ مودود چشتی (ف ۵۲۷ھ / ۱۱۳۲ء) کے خلیفہ پیر وتو شوریانی قصوری (Watto Shoriani) ملقب بہ پیر کبار کی روحانیت سے اویسی طور پر فیض حاصل کیا تھا۔ (معارج الولایت، خطی، برگ ۵۴۰ ب) گویا اس اعتبار سے شیخ پھوگی کا چشتی سلسلہ سے تعلق ہوا۔

شیخ پھوگی عام طور پر گھوڑوں کی تجارت کرتے تھے اور قصور سے آگرہ تک ان کی فروخت کے سلسلے میں جاتے رہتے تھے۔ (اخبار الاولیاء، خطی برگ ۴۱ ب) شیخ پھوگی کا تعلق پنجاب کے مشہور قصبہ قصور (Qusur) سے تھا۔ جہاں کے افغان اکابر اولیاء میں سے گذرے ہیں۔

شیخ پھوگی کو سماع سے بہت دل چسپی تھی۔ اس سلسلے میں ان کے معاصر علماء وصوفیہ سے مباحث بھی ہوئے تھے۔ (ہمانجا ۴۲۔ب۔ ۴۴۔الف)

عہدِ اکبری (۹۶۳۔ ۱۰۱۴ھ / ۱۵۵۶۔ ۱۶۰۵ء) کا مشہور گویا تان سین Tansen/ Tansain (ف ۹۹۸ھ / ۱۵۸۹ء) جسے مقامی روایات کے مطابق اکبر کی طرف سے قصور میں کچھ جائیداد ملی تھی اور کچھ عرصہ قصور میں بھی مقیم رہا تھا کے ساتھ شیخ پھوگی کے اچھے مراسم تھے، ایک بار شیخ نے اس سے کہا کہ کچھ سناؤ شیخ نے سنا اور وجد میں آکر رقص کرنے لگے۔ اور خطیر رقم بطورِ ہدیہ پیش کی تان سین نے بھی اشرفیوں سے بھرا ہوا طبق شیخ کی خدمت میں بطورِ نذر پیش کیا۔ (اخبار الاولیاء ۴۲۔الف)

شیخ پھوگی کے معاصر صوفیہ سے اچھے تعلقات تھے خاص طور پر شیخ حسن بتکزئی (Batakzai) قصوری جو مشہور صوفی تھے اور ان سے گھوڑوں کی تجارت میں مشورہ کے علاوہ دعا کی بھی درخواست کیا کرتے تھے (اخبار الاولیاء ۱۴۱ب)

تذکروں میں شیخ پھوگی کی محض کرامات ہی درج ہیں لیکن ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مریدین بھی خاصی تعداد میں تھے۔

شیخ پھوگی کا سالِ وفات ان کے ہم وطن اور قریب العہد تذکرہ نویس عبد اللہ عبدی خویشگی قصوری نے نہیں لکھا۔ لیکن مفتی غلام سرور لاہوری نے ایک مفقود الخبر کتاب شجرۂ چشتیہ کے حوالہ سے ان کا سالِ وفات ۱۰۶۹ھ / ۵۸۔۱۶۵۹ء تحریر کیا ہے (خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۴۷۸)

جو عبدی کی درج کردہ حکایات کی روشنی میں کچھ زیادہ قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا کیونکہ مذکورہ حکایت تان سین کی رو سے شیخ کو ان سے ملاقات کے وقت معمر نہیں تو درمیانی عمر یعنی پچاس سال کا ہونا لازم معلوم ہوتا ہے۔ اور تان سین کا سالِ وفات ۹۹۸ھ ہم درج کر چکے ہیں اس اعتبار سے اگر شیخ کا سالِ وفات ۱۰۶۹ھ صحیح مان لیا جائے تو ان کا تان سین کی موت کے بعد اکہتر (۷۱) برس مزید بقید حیات رہنا چاہیے جو بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے مفتی غلام سرور کا نقل کردہ سالِ وفات ۱۰۶۹ھ درست نہیں ہے یقیناً شیخ پھوگی اس سے بہت پہلے انتقال کر گئے ہوں گے۔ شیخ پھوگی کا موطن ومدفن قصور ہے (اخبار الاولیاء)

ایک امر اور قابلِ توجہ ہے کہ شیخ کے ہم وطن اور قریب العہد مؤلف عبد اللہ خویشگی قصوری نے ان کا نام بھوگی (یعنی ب ھ) لکھا ہے (معارج الولایت ۳۷۷ الف۔ ب، اخبار الاولیاء ۱۴۱۔ الف) جبکہ مفتی غلام سرور لاہوری نے اس کے برعکس انہیں پھوگی (پ ھ) لکھا ہے (خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۴۷۸) مفتی صاحب کی محولہ بالا کتاب چونکہ مروج اور مشہور ہے اس لیے متاخرین نے بلا تحقیق ان کا نام پھوگی (پ۔ھ۔گ۔ی) لکھ دیا ہے۔

مآخذ

۱۔ عبدی، عبداللہ خویشگی قصوری: معارج الولایت (۱۰۹۶ھ) خطی نسخہ مخزونہ کتابخانہ مرکزی دانشگاہ پنجاب (ذخیرہ آذر نمبر H-25)

۲۔ ایضاً: اخبار الاولیاء (دراحوال اولیاءِ قصور) بسال ۱۰۷۷ھ۔ خطی نسخہ مملوکہ مولانا سیّد طیّب ہمدانی، قصور

۳۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ، ۱۸۷۳ء

۴۔ محمد اقبال مجددی: احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری، لاہور، ۱۹۷۲ء

۵۔ محمد شفیع لاہوری: اولیاءِ قصور، لاہور، ۱۹۷۲ء

۳۱ جولائی ۱۹۹۸ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ عبد اللہ خویشگی قصوری

عبد اللہ خویشگی قصوری شاہ جہان وعالمگیری عہد کا ایک کثیر التصانیف عالم، شاعر، اور تذکرہ نویس تھا، اس وقت تک اس کی چند تصانیف کا سراغ مل سکا ہے۔ اخبار الاولیاء اور معارج الولایت اس کی اہم ترین کتابیں ہیں۔

عبد اللہ خویشگی افغانوں کی اہم ترین شاخ خویشگی سے تعلق رکھتا تھا۔ قصور میں آباد ہونے والے خویشگی پیرو تو شوریانی متوفی ۵۵۰ھ / ۱۱۵۵ء کی نسل سے تھے (معاج الولایت قلمی، ورق ۵۴۱)۔ اس کا نام عبید اللہ تھا اور وہ عبد اللہ کے عرف سے معروف تھا۔ خواجگان چشت سے نہایت عقیدت کے سبب وہ اپنے نام کے ساتھ غلام معین الدین بھی لکھتا تھا۔ زمانۂ طالب علمی میں استاذ کا قائم مقام ہونے کی وجہ سے "خلیفہ جی" کے لقب سے ملقب تھا۔ (معارج الولایت، اخبار الاولیاء قلمی) دیباچہ۔ اس کا تخلص عبدیؒ تھا (معارج الولایت ورق ۳۸۴) عبدی تخمیناً ۱۰۴۳ھ / ۱۶۳۳ء کو قصور میں پیدا ہوا (احوال و آثارِ عبد اللہ خویشگی قصوری مطبوعہ ص ۲۷) عبدی کا ایک لڑکا محمد معتصم باللہ ۱۰۷۷ھ / ۱۶۶۶ء میں پیدا ہوا (اخبار الاولیاء، ورق ۵۹) اس کے دادا مولانا احمد شوریانی قصوری متوفی ۱۰۳۰ھ / ۱۶۲۰ء جید عالم اور اپنے وقت کے بہت بڑے فقیہ تھے (اخبار الاولیاء ۵۹، معارج الولایت ورق ۳۶۹۔ ا، ب) عبدی نے ابتدائی تعلیم قصور ہی میں حاصل کی۔ اور پھر لاہور میں آکر میاں محمد صادق، میاں محمد سعید اور شیخ نعمت اللہ جیسے اساتذہ سے مروجہ علوم حاصل کیے۔ (اخبار الاولیاء ورق ۱۶۰) ایک سال تک قصور میں درس بھی دیا۔ ۷۔۱۰۶۶ھ / ۱۶۵۶۔ ۱۶۵۵ء (اخبار الاولیاء ۱۶۱) پھر جب معاش کے لیے قصور سے دہلی جا کر نواب دلیر خان کی ملازمت اختیار کرلی اور ۱۰۹۴ھ / ۱۶۸۲ء تک اس کے ساتھ رہا اس دوران میں وہ کئی مشائخ سے ملا اور ان سے علمی وروحانی فیض حاصل کیا مثلاً شیخ فتح اللہ احمد آبادی، شاہ سراج الدین، شیخ عبد الرحمان رفیع احمد آبادی، شیخ پیر محمد لکھنوی متوفی ۱۰۸۵ھ / ۱۶۷۴ء، مولانا خواجہ علی، شیخ محمد رشید جونپوری متوفی ۱۰۸۳ھ / ۱۶۷۳ء، شیخ عبد اللطیف برہانپوری متوفی ۱۰۶۶ھ / ۱۶۵۵ء، شیخ برہان الدین برہانپوری متوفی ۱۰۸۳ھ / ۱۶۷۳ء،

شیخ حبیب جنیری، شاہ دولہ دریائی گجراتی متوفی ۱۰۸۷/ ۱۶۷۶ء، میر سید احمد گیسو دراز کالپوی متوفی ۱۰۸۴ھ/ ۱۶۷۴ء اور شیخ عبدالخالق خویشگی قصوری۔

عبدی کی زندگی ایک طرف درس و تدریس اور تصنیف و تالیف سے عبارت ہے تو دوسری طرف وہ امراء ورؤساء اور ارکانِ دولت کی مصاحبت و ہم نشینی کرتا نظر آتا ہے، ۱۰۶۶ھ / ۱۶۵۵ء میں جب اس نے بحر الفراستہ شرح دیوان حافظ لکھی تو اس کے دیباچہ میں شاہ جہاں کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا۔ ۱۰۶۶ھ / ۱۶۵۵ء تا ۱۰۹۴ھ / ۱۶۸۲ء وہ نواب دلیر خان سے متوسل رہا۔ اسی دوران میں وہ دکن کے محاذ پر دلیر خان سے ہمراہ رہا، مرزا راجہ جے سنگھ کو ۱۶۶۵ء میں عالمگیر نے بیجاپور کی تسخیر کے لیے روانہ کیا تو عبدی بھی مرزا راجہ کے ہمراہ تھا۔ (معارج الولایت ورق ۵۶۷) داؤد خان حسین زئی کی فرمائش پر اس نے جامع الکلمات مکتوباتِ شیخ عبداللطیف برہانپوری مدون کیے حسن خان اور سعید خان خویشگی کی فرمائش پر اس نے مثنوی مولانا روم کی شرح اسرار مثنوی وانوار معنوی کے نام سے تصنیف کی۔

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ عبدی ایک کثیر التصانیف عالم تھا اس کی حسب ذیل ترپن تصانیف کا سراغ مل سکا ہے:

(۱) اخبار الاولیاء ۱۰۷۷ھ قصور کے افغان وغیر افغان مشائخ کا ایک مفصل تذکرہ ہے۔ اس کا چوتھا باب، تحقیق نسب افغاناں بھی بہت اہم ہے، گویا اخبار الاولیاء قصور کی، علمی، ثقافتی اور روحانی تاریخ کا قدیم ترین اور ناگزیر ماخذ ہے۔

عبدی کی دوسری اہم ترین تصنیف معارج الولایت ہے، یہ کتاب ۱۰۹۶ھ / ۱۶۸۵ء میں مکمل ہوئی، یہ ہندوستان کے قدیم اور عبدی کے معاصر مشائخ کا ایک مفصل، ضخیم اور جسیم تذکرہ ہے، اس میں چار سو چھپن مشائخ کے تراجم شامل ہیں، اس کتاب میں عبدی کا انوکھا قابل قدر انداز تحریر ہے کہ اس نے مشائخ کے حالات کے ساتھ ساتھ ان کی تصانیف کے ملخص متون اور بعض کے مکمل متون نقل کر دیئے ہیں جو آج تقریباً ناپید ہیں اس طرح معاج الولایت کی بدولت تقریباً ۳۵ کتب تصوف کے متون ہم تک پہنچے ہیں۔ مفتی غلام سرور لاہوری کی خزینۃ الاصفیاء کا بنیادی ماخذ معارج الولایت ہی ہے، معارج الولایت پنجاب کی روحانی اور ثقافتی تاریخ کا ایک اہم ترین ماخذ ہے، اس کے علاوہ عبدی نے اس میں مجددی تحریک کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور مجدد الف ثانیؒ کے خلاف مخالف و

منفی آراء کو بالالتزام جمع کر دیا ہے۔ جس سے اس وقت کے مذہبی عوامل اور ذہنی پس منظر کو سمجھنے میں خاصی مدد ملتی ہے، یہ کتاب ہنوز طبع نہیں ہوئی۔ اس کے دو خطی نسخے کتب خانہ دانش گاہ پنجاب لاہور میں محفوظ ہیں۔

اس کے علاوہ عبدی کی تصانیف حسب ذیل ہیں؛

(۳) بحر فراسۃ اللافظ فی شرح دیوان حافظ (۴) خلاصۃ البحر قدیم و جدید (۵) جامع البحرین فی زوائد النہرین (۶) خلاصۃ البحر فی التقاط الدُرر (۷) اسرار مثنوی و انوار معنوی (۸) تحقیق المحققین (۹) فوائد العاشقین (۱۰) بہارستانی شرح گلستان (۱۱) تحفۂ دوستان شرح بوستان (۱۲) جامع الکلمات مکتوبات شیخ عبداللطیف برہانپوری بنام یارانِ قصور (۱۳) تلقین المریدین (۱۴) تلقین الطالبین (۱۵) اوراد السادات (۱۶) اوراد النبیؐ (۱۷) مقصود السالکین (۱۸) حصول الوصول (۱۹) جامع الحقائق (۲۰) فوائد الطالبین (۲۱) مظہر الوجود و مظہر الشہود (۲۲) محرقاۃ الرفضۃ (۲۳) محاکمات العلماء فی اختلاف الصوفیہ و الفقہاء (۲۴) راحۃ الاشباح فی شرح نزہۃ الارواح (۲۵) مبینات اشراق اللمعات (۲۶) شرح کلمات وافیات (شرح مخزن الاسلام) (۲۷) شرح حروف عالیات (شرح اکھرودتی ملک محمد جائسی) (۲۸) روائح شرح لوائح (۲۹) فوائد العارفین (۳۰) جامع البحرین شرح دیوان شیخ عبدالقادر جیلانی (۳۱) مخزن الحقائق شرح کنز الدقائق (۳۲) بحر زخار شرح ہدایہ (۳۳) تحفۂ قدریہ شرح تحفہ بدریہ (۳۴) فوائد لاآلی شرح قصیدہ امالی (۳۵) معجز شرح موجز (۳۶) شرح نوبہار (۳۷) اسرار الٰہی (۳۸) مزرعۃ الآخرۃ (۳۹) سلسلۃ الذہب (۴۰) مظہر العجائب (۴۱) مظہر الغرائب (۴۲) کفایت الاسرار (۴۳) کفایت الانوار (۴۴) مہمیز (۴۵) ارشاد الحربی (۴۶) ارشاد العالمین (۴۷) ہدایۃ المضلین (۴۸) بوارق خاطفہ (۴۹) فوائد التکسیر (۵۰) خلاصۂ التکسیر (۵۱) فوائد التکسیر (۵۲) فوائد خوردہ شرح قصیدہ بُردہ (۵۳) دیوانِ عبدی

عبدی کا سال وفات ہنوز معلوم نہیں ہو سکا تاہم ۱۱۰۶ھ / ۱۶۹۴ء میں اس نے تحفۂ دوستان تصنیف کی تھی جس سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ ۱۱۰۶ھ تک بقید حیات تھا۔ بایں ہمہ فضل و کمال جب ہم دیکھتے ہیں کہ عبدی ایک جانبدار تذکرہ نویس تھا ہمیں حیرت ہوتی ہے۔ اس نے اپنے مرتبہ تذکروں میں ہر سلسلۂ سلوک کے مشائخ کے تراجم قلم بند کیے ہیں لیکن مجددی سلوک کے حضرات کو نہ صرف نظر انداز کر دیا ہے۔ بلکہ اس معروف زمانہ اور مجددی تحریک کے خلاف اپنی کتاب معارج الولایت میں تمام منفی و مخالف آراء کو جمع کر دیا ہے۔ اس کی اس جانبداری اور مخالفت کے حسب ذیل اسباب ہماری سمجھ میں آتے ہیں۔

(۱) عبدی کے اجداد چشتی سلسلۂ سلوک سے تعلق رکھتے تھے۔ (۲) اس کی جن صوفیائے کرام سے صحبت رہی ان میں سے اکثر غالی وحدت الوجودی تھے۔ وہ شیخ محمد رشید جونپوریؒ سے خاصا متاثر نظر آتا ہے۔ اور شیخ نے اپنی آخری عمر میں درس وتدریس کا سلسلہ یکسر بند کر کے اپنی بقیہ زندگی حضرت ابن عربیؒ کی تصانیف کے مطالعہ اور ان کی شروح لکھنے کے لیے وقف کردی تھی۔ پیر محمد لکھنوی کی سماع اور وحدت الوجود سے نہایت درجہ رغبت مشہور ہے، شیخ برہالدین برہان پوری شطاری کے نظریات وتوجیہات وحدت الوجود بھی اس پر پوری طرح مسلط نظر آتے ہیں، اس لیے فطری طور پر اور جب عبدی کو حضرت مجد الف ثانی کے مکتوبات میں وحدت الوجود کی مخالفت نظر آئی تو اس نے مجددی تحریک کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا (۳) عبدی اپنے ایک معاصر بزرگ شیخ عبداللطیف برہانپوری سے بھی بہت متاثر نظر آتا ہے شیخ عبداللطیف، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شیخ آدم بنوری سے نسبت رکھنے والے کو ملحد اور زندیق کہتے تھے اور ان کی اقتداء میں نماز ناجائز قرار دیتے تھے (معارج، ۲۴۶ب)

اس بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ عبدی نے اپنے مشائخ سے موروثی اور اکتسابی طور پر نظریہ توحید وجودی پایا تھا۔ مگر مشائخ کے کشفی ووجدانی مسائل میں اختلافات کو ادب سے برداشت کرنے کی توفیق رفیق نہ ہوئی تھی لہٰذا اس نے کشفی مشاہدات کے اختلاف کو "خلاف" کا رنگ دے کر حضرت شیخ مجددؒ کی مخالفت اختیار کی (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو احوال وآثار عبداللہ خویشگی قصوری ۱۴۵ تا ۱۶۵)[1]۔

مآخذ

۱۔ عبدی عبداللہ خویشگی قصوری: اخبار الاولیاء ۱۰۷۷ھ قلمی مکتوبہ ۱۱۱۴ھ مملوکہ مولانا سیّد محمد طیب ہمدانی، قصور

۲۔ وہی مصنف: معارج الولایت ۱۰۹۶ھ قلمی مکتوبہ ۱۱۱۱ھ ذخیرہ آذر، کتب خانہ دانش گاہ پنجاب، لاہور نمبر H-25

[1] عبداللہ خویشگی کے دو فرزندوں بملقب خاطب بہ عمر خان (ف ۱۱۲۲ھ) اور مصطفیٰ کا علم ہے، عمر خان ایک کم منصب تھا اور پشاور میں فوت ہوا، مصطفیٰ خاطب بہ علی شیر خاں کا ایک فرزند علی شیر خان (ف ۱۱۴۴ھ) بھی تھا (تاریخ ہری ۲/ ۹/ ص ۸۰)

۳۔ عبدی: اسرار مثنوی و انوار معنوی (قریباً) ۱۱۰۰ھ قلمی مخزونہ پنجاب پبلک لائبریری، لاہور، نمبر ش ۸۷۱،۵۲/ ش۔ معین

۴۔ عبدی: بہارستان ۱۱۰۵ھ قلمی مملوکہ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، لاہور، نمبر ۳۱۲

۵۔ عبدی: تحفۂ دوستان ۱۱۰۶ھ قلمی مخزونہ کتب خانہ مولوی نبی بخش حلوائی، لاہور۔

۶۔ عبدی: بحر الفراستہ (قبل ۱۰۷۷ھ) قلمی مخزونہ کتب خانہ دانش گاہ پنجاب، لاہور۔

۷۔ عبد الفتاح بن محمد نعمان بدخشی مجددی: مفتاح العارفین (حدود) ۱۰۹۶ھ قلمی، کتب خانہ دانش گاہ، پنجاب، لاہور۔

۸۔ بختاور خان: مرآۃ العالم ۱۰۷۸ھ قلمی، کتب خانہ دانش گاہ پنجاب، لاہور۔ I 56/ PE

۹۔ مشتاق رام گجراتی لالہ: کرامت نامہ ۱۱۳۲ھ قلمی مملوکہ مولانا سیّد شرافت نوشاہی

۱۰۔ محمد عمر بن ابراہیم پشاوری میاں: ظواہر ۱۱۱۲ھ قلمی، کتب خانہ دانش گاہ پنجاب، نمبر ۳۸۸

۱۱۔ محمد شفیع، ڈاکٹر، مولوی: یادداشتہا متعلق بہ تصور قلمی حال بہ ملک احمد ربانی خلف موکف۔

۱۲۔ کاسر المخالفین (بعد از ۱۰۸۸ھ) (در رد حضرت مجدد الف ثانیؒ) قلمی مملوکہ محمد اقبال مجددی

۱۳۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنو ۱۸۷۳ء

۱۵۔ تصدق حسین موسوی: فہرست مخطوطات کتب خانہ آصفیہ، مطبوعہ حیدر آباد۔

۱۶۔ لباب المعارف العلمیہ (فہرست مخطوطات اسلامیہ کالج پشاور)

۱۷ محمد اقبال مجددی: احوال و آثار عبد اللہ خویشگی قصوری، لاہور، ۱۹۷۲ء

۱۷۔ معتمد خان حارثی: تاریخ محمدی مرتبہ امتیاز علی عرشی، علی گڑھ، ۱۹۶۰ء

18- Storey, C.A: Persian literature Vol. I part II London, 1953.

19- Marshall: Mughals in India, London, 1967.

20- Ross and Browne: Cat. Arbaic and Persian MSS. India office, London 1902.

21- Ethe: Cat. Persian MSS. India office, London

22- Metra, K.M. Cat. MSS. Kapurthala Library, Lahore 1921.

23- Abdullah Syed Cat. Arabic and Persian MSS. Panjab University, Lahore, 1948. Vol I Part II

24- Nadir Ahmad. Notes on important Arabic and Persian MSS in Various libraries in India. J. Asiatic Society of Bengal, Vol. xiii 1917. xiv. 1918.

25- Muhammad Shafi: An Afghan Colony at Qusur: Islamic Culture, Hyderabad Deccan, July 1929.

۹؍ فروری ۱۹۷۳ء

اُردو دائرۂ معارف اسلامیہ، لاہور

شیخ محمد اکرم براسوی (مؤلف اقتباس الانوار)

شیخ محمد اکرم براسوی بارھویں صدی ہجری کے ایک صوفی، عالم اور مؤلف تھے۔

شیخ محمد اکرم براسوی امام اعظم ابو حنیفہ کوفی کی اولاد میں سے تھے۔ انہوں نے اپنا پورا شجرہ نسب بھی درج کیا ہے (اقتباس الانوار ۳۴۵) ان کے اجداد میں سے ان کے دادا شیخ الہ بخش بن شیخ اسماعیل ثانی اپنے والد شیخ اسماعیل کے مرید تھے اور ان کا سلسلۂ طریقت امام اعظمؒ سے داخل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ شیخ الہ بخش کو میاں میر لاہوری (ف ۱۰۴۵ھ / ۱۶۳۵ء) سے اجازت و خلافت حاصل تھی۔ انہیں اپنے شیخ کی طرف سے کرنال (Karnal) جانے کا حکم ہوا تو اس کے ایک مضافاتی قصبہ براس (Baras موجودہ مشرقی پنجاب، ہندوستان) میں طرحِ اقامت ڈال دی۔ وہیں دعوت و ارشاد اور تربیتِ مریدین میں مصروف ہو گئے، ان کے ہاں دو فرزند تولد ہوئے دوسرے بیٹے شیخ محمد علی، شیخ محمد اکرم کے والد تھے (اقتباس الانوار ۳۴۵۔۳۴۶)

شیخ محمد علی براسوی نے علماءِ عصر سے تحصیل کی اور شیخ سوندھا سفید دنی (ف ۱۱۲۹ھ / ۱۷۱۷ء) کے مرید و خلیفہ ہوئے (ہمانجا ۳۴۷)

انہی شیخ محمد علی کے فرزند بزرگ شیخ محمد اکرم براسوی تھے۔ (ہمانجا ۳۴۹) ابتدائی تعلیم کے بعد ہی مؤلف اپنے روحانی ماحول کی وجہ سے جلد ہی تصوف و عرفان کی طرف مائل ہو گئے قیاس ہے کہ سب سے پہلے میاں میر لاہوری سے بیعت ہوئے ان سے خلافت بھی ملی۔ اسی طرح مخدوم عبدالرشید، شیخ لقمان (خلیفۂ شیخ نظام الدین تھانیسری) سے بھی بیعت کی۔ (اقتباس الانوار ۳۴۰۔۳۴۱)

شیخ محمد اکرم کے مسکن قصبہ براس میں ایک معروف صوفی بزرگ شیخ سوندھا سفید دنی آئے تو وہ ان کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے، شیخ محمد اکرم کے والد انہی کے مرید و خلیفہ تھے اسی مناسبت سے وہ ان سے منسلک ہو گئے اور ان سے خلافت یاب ہوئے، ان کے مرشد نے انہیں مزید تحصیل علم کا حکم دیا تو وہ سرہند (Sirhind) کے

مدرسہ مجددیہ میں جا کر تکمیل کی غرض سے داخل ہو گئے وہاں ان کے استاد مولوی محمد فرخ مجددی (ف ۱۱۲۰ھ / ۱۷۰۸ء) (نبیرہ حضرت مجدد الف ثانی) تھے۔ تحصیل و تکمیل کے بعد شیخ سوندھانے شیخ محمد اکرم کو براس میں اپنا جانشین مقرر کر کے خلافت سے نوازا اور ۱۱۱۱ھ / ۱۷۰۰ء کو خلافت نامہ لکھ کر دیا (اقتباس الانوار ۳۴۰-۳۴۲)

شیخ محمد اکرم اپنے آبائی مسکن براس میں مریدین کی تعلیم و تربیت میں مصروف ہو گئے۔ انہیں قادریہ، سہروردیہ اور چشتیہ سلاسل میں اجازت مطلقہ حاصل تھی ان کا سلسلۂ طریقت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی وساطت سے واصل ہوتا ہے۔ (ہا نحا ۳۳۹ ۳۴۲)

شیخ محمد اکرم براسوی کا سال وفات معلوم نہیں ہے قیاس ہے کہ وہ ۱۱۱۱ھ کے بعد تک بقید حیات رہے اور طویل عمر پائی ہو گی۔

شیخ محمد اکرم براسوی کی تالیفات سے دو تذکرے اور تین کتب تصوف کا ہمیں تا حال علم ہے۔

جواہر مودودی

یہ کتاب خواجہ مودود چشتی (ف ۵۲۷ھ / ۱۱۳۳ء) کے حالات، مناقب اور کرامات پر مشتمل ہے۔

مقدمہ در ذکر چہار پیر و چہاردہ خانوادہ اصل۔۔۔

جوہر اوّل احوال نبی کریم ﷺ، ائمہ

جوہر دوم احوال خواجہ حسن بصری، خواجہ عبدالواحد، سلطان ابراہیم ادھم۔۔۔

جوہر سوم احوال خواجہ ابواحمد ابدال چشتی۔۔۔۔ خواجہ مودود چشتی۔۔۔

اس کتاب کا ایک خطی نسخہ کتابخانہ گنج بخش اسلام آباد میں ہے (نمبر ۲۵۶۵)

(فہرست نسخہ ہائی خطی کتابخانہ گنج بخش ۴/ ۲۱۰۵)

معرفت النفس:

یہ معارف نفس پر ایک عمدہ رسالہ ہے، جس کا ایک خطی نسخہ ذخیرہ دہلی، کتابخانہ انڈیا آفس لندن میں ہے (نمبر ۱۰۱۳-p-۱-۵-۵)

اقتباس الانوار:

یہ چشتی صابری صوفیہ کا ایک مفصل تذکرہ ہے۔

ابتدا میں متقدمین چشتی صوفیہ کے حالات ہیں۔ یہ کتاب چار اقتباس (ابواب) پر مشتمل ہے۔ اقتباسِ سوم میں مخدوم احمد عبدالحق ردولوی اور دیگر مشائخ کا تذکرہ ہے۔

اقتباسِ چہارم میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی، شیخ جلال تھانیسری، شیخ نظام الدین تھانیسری، شیخ ابوسعید گنگوہی، شیخ محمد صادق گنگوہی، شیخ داور گنگوہی، شیخ سوندھا سفیدونی، شیخ الہ بخش براسوی (جد پدری شیخ محمد اکرم براسوی) اور شیخ محمد علی براسوی (والدِ مؤلف) کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ مؤلف نے آغازِ کتاب میں ان کتب کی فہرست بھی درج کر دی ہے جو مؤلف کے ماخذ رہے ہیں۔ (ص ۳)

اقتباس الانوار فارسی نثر میں ہے، زبان عام فہم استعمال کی ہے، صوفیہ کے طویل القاب بھی لکھے ہیں۔ ایک نقص یہ ہے کہ مؤلف نے صوفیہ کے سنینِ ولادت و وفات درج نہیں کیے یہاں تک کہ اپنے دادا کا سالِ وفات مؤلف کو معلوم نہیں تھا۔ اپنے والد کا سالِ وفات بھی نہیں لکھا۔ مؤلف کی زیادہ توجہ مشائخ کے مناقب اور کرامات پر ہے۔

اقتباس الانوار مطبع اسلامیہ لاہور سے ۱۸۹۵ء میں طبع ہوئی اس کا اُردو ترجمہ واحد بخش سیال نے کیا جو لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔

جواہر ستہ:

یہ کتاب تصوف کے مسائل پر مشتمل ہے۔ جس کے چھ جوہر (ابواب) ہیں۔

جوہر اوّل احتیاج بہ موصل الی اللہ در دو فصل

جوہر دوم طریق وصول بسوی حق در سہ فصل

جوہر سوم در اذکار و اشغال و طرق مراقبت و مشاہدہ در دو فصل

جوہر چہارم در لطائفِ باطنہ

جوہر پنجم در مشاہدات انوار مکاشفات اسرار در دو فصل

جوہر ششم در بیان تجلیات۔۔۔۔

مؤلف نے نشر اللآلی کے نام سے اس کی شرح خود لکھی تھی۔

جواہر ستہ کے خطی نسخے شیخوپورہ اور سرگودھا میں موجود ہیں۔ (فہرست مشترک ۳/ ۱۳۹۵)

نشر اللآلی

یہ جواہر ستہ مذکور کی شرح ہے فارسی نثر میں مؤلف نے اس کے بعض مغلق مقامات کی شرح خود ہی لکھی ہے۔ مؤلف کے بعض احباب اس کی شرح لکھنے کا تقاضا کر رہے تھے۔ اس شرح کا ایک خطی نسخہ ذخیرۂ شیرانی کتابخانہ دانشگاہِ پنجاب، لاہور میں ہے (نمبر ۶۳۰۰)

منہاج السالکین

یہ کتاب سلسلۂ نقشبندیہ کے سلوک پر ہے۔ جو ایک مقدمہ اور تین منہج (ابواب) پر مشتمل ہے۔

مقدمہ در بعضی از مبادیِ سلوک وشرائط آں

منہج اول طریقۂ خاصہ برخی از پیران سلسلۂ خاص خواجہ باقی باللہ (رک باں)

منہج دوم در سلوکِ طریقہ نقشبندیان خاص شیخ آدم بنوری (رک باں)

منہج سوم در سلوک طریقۂ نقشبندیہ خاص شیخ تاج الدین۔۔۔۔

منہاج السالکین کے چار خطی نسخے پاکستان کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔ (فہرست مشترک ۳/ ۲۰۴۴)

شیخ محمد اکرم براسوی کے کئی خلفاء تھے، شاہ محمد فاضل پانی پتی صوفیہ میں شہرت رکھتے تھے ان کے خلیفہ حکیم سکھوا (Sukhwa) تھے یہ اتنے متقی اور عالم تھے کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے وصیت کی تھی کہ میری نمازِ جنازہ حکیم سکھوا پڑھائیں۔ (مجموعہ وصایا اربعہ ۱۵۷، انوار العاشقین ۱۰۵۔۱۰۶)

مآخذ

۱۔ براسوی، محمد اکرم: اقتباس الانوار، لاہور، مطبع اسلامیہ، ۱۸۹۵ء

۲۔ ثناء اللہ پانی پتی، قاضی: وصیت نامہ (مشمولہ مجموعہ وصایا اربعہ مرتبہ محمد ایوب قادری) حیدر آباد، سندھ، ۱۹۶۴ء

۳۔ مشتاق احمد انبیٹھوی: انوار العاشقین، حیدر آباد، دکن، ۱۳۳۲ھ

۴۔ منزوی، احمد: فہرست نسخہ خطی کتابخانہ گنج بخش، اسلام آباد، ۱۹۸۲ء

۵۔ ایضاً: فہرستِ مشترک نسخہ ہائی خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء

۳ مئی ۱۹۹۷ء

برائی دانشنامہ کشبہ قارہ

شاہ ابو المعالی چشتی انبیٹھوی

شیخ ابو المعالی چشتی سلسلہ کی شاخ صابری سے تعلق رکھتے تھے اور اس سلسلے کے معروف مشائخ میں سے تھے۔

شیخ ابو المعالی کے والد سیّد محمد اشرف قصبہ انبیٹھہ (امیٹھی ضلع لکھنو یوپی) میں رہتے تھے۔ شیخ ابو المعالی ابھی خُرد سال ہی تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ ان کی والدہ انہیں شیخ محمد صادق گنگوہی (ف ۱۰۵۸ھ / ۱۶۸۴ء) کی خدمت میں لے گئیں جہاں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ تعلیم کے بعد تکمیل سلوک وغیرہ کے لیے انہوں نے اپنے بیٹے شیخ داؤد کے سپرد کر دیا۔ شیخ داود گنگوہی اپنے والد شیخ محمد صادق مذکور کے جانشین اور مشہور شیخ طریقت تھے (رک حدائق داودی، خطی نسخہ ذخیرہ شیرانی، دانشگاہ پنجاب لاہور)

شاہ ابو المعالی کے اپنے معاصر مشائخ کے ساتھ اچھے روابط تھے چنانچہ ان میں سے شیخ ابو الفتح سرہندی، شیخ سوندھا بہوبری، شیخ بلاقی، شیخ محمد، شاہ محمد شاہ آبادی، محمد یوسف، شیخ عبد القادر سنوری، شاہ نصیر الدین گڈھی وال اور سیّد غریب کیرانوی کے ساتھ نشست و برخاست کے واقعات ملتے ہیں (ثمرۃ الفواد ۳۸)

شاہ ابو المعالی کا ۱۱۱۶ھ / ۱۷۰۴ء میں انتقال ہوا۔ مزار قصبہ مذکور انبیٹھی میں ہے۔ (انوار العارفین ۲۳۱، خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۴۸۶) مشتاق احمد انبیٹھوی نے بغیر کسی حوالے کے ان کا سالِ وفات ۱۱۱۲ھ لکھا ہے (انوار العاشقین ۱۰۹)

- ثمرۃ الفواد میں شاہ ابو المعالی کی اولاد کا بھی ذکر ملتا ہے لیکن خامے الجھاؤ کے ساتھ، ۱۳۳۲ھ تک موصوف کی اولاد میں سے شاہ محمد فخر الدین اور شاہ مسعود احمد ان کی خانقاہ میں سجادہ نشین تھے (انوار العاشقین ۱۰۹)۔

شاہ ابو المعالی چشتی کے خلفاء میں سے سیّد محمد سعید عرف میراں بھیکہ اور شاہ مدار (مدفون انبیٹھی) کے نام ملتے ہیں (ایضاً ۱۱۰)

ان میں اول الذکر میراں بھیکہ کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی جن کی ولادت ۱۰۴۶ھ / ۱۶۳۲ء اور وفات ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء میں ہوئی ان کے بہت سے خلفاء و مریدین تھے۔ موصوف کے ایک خلیفہ لطف اللہ انبالوی نے شاہ ابو المعالی اور میراں بھیکہ کے مناقب میں ایک ضخیم کتاب ثمرۃ الفواد تالیف کی۔

مآخذ

۱۔ محمد سعید بن قطب الدین چشتی سرہندی: سراج العاشقین (تذکرہ مشائخ چشتیہ صابریہ) بسال ۱۰۷۸ھ۔ خطی نسخہ مملوکہ خلیل الرحمٰن داؤدی مرحوم، لاہور

۲۔ عبد الکریم بن رحمۃ اللہ گنگوہی، کچکول و ارشاد المریدین (۱۱۹۲ھ) خطی نسخہ مملوکہ خلیل الرحمٰن داؤدی مرحوم، لاہور

۳۔ محمد اکرم براسوی: اقتباس الانوار، مطبع اسلامیہ لاہور، ۱۹۰۹ء

۴۔ لطف اللہ انبالوی: ثمرۃ الفواد، دہلی ۱۹۲۵ء

۵۔ محمد حسین مراد آبادی: انوار العارفین، مراد آباد، ۱۲۹۰ھ

۶۔ مشتاق احمد انبیٹھوی: عقد اللالی فی مناقب شاہ ابو المعالی، حیدر آباد، دکن ۱۳۲۰ھ

۷۔ ایضاً: انوار العاشقین، حیدر آباد، دکن ۱۳۳۲ھ

۸۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، لکھنو ۱۸۷۳ء

۹۔ عبد الحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۶۔ حیدر آباد دکن ۱۹۵۷ء

۱۰۔ بھیکھ، میران سیّد: گیان لہر (اُردو ترجمہ و شرح بنام نورِ معرفت) از فاروق الحسن چشتی، ملتان ۲۰۱۱ء

۲۶ جنوری ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ کشبہ قارہ

حضرت حافظ محمد جمال ملتانی

بن محمد یوسف بن حافظ عبدالرشید اہل علم و عمل ہونے کے ساتھ ساتھ مجاہدانہ صفات سے بھی متصف تھے۔ مروجہ علوم پر دسترس حاصل کرنے کے بعد مہار میں حضرت نور محمد مہاروی (م ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء) سے بیعت ہوئے اور ملتان پر ارشاد و تبلیغ کے لیے مامور کیے گئے، ملتان اسلامی ہند کی ابتدا سے سہروردیہ سلسلہ کا مرکز رہا ہے، جس بزرگ نے چشتیہ سلسلے کا کام سب سے پہلے ملتان میں شروع کیا، وہ حافظ محمد جمال ملتانی تھے۔

حافظ صاحب ذی علم بزرگ تھے، دقیق سے دقیق مسائل کے نہایت شافی جواب دیتے تھے، مسئلہ وحدت الوجود سے خاص رغبت تھی شیخ محی الدین ابن عربیؒ اور مولانا جامی کی تصانیف پر پورا عبور حاصل تھا۔ علامہ عبدالعزیز: پرھاروی لکھتے ہیں "جب ہمیں کوئی مشکل سے مشکل مسئلہ درپیں ہوتا، گو وہ کسی علم سے متعلق ہو، ہم ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ وہ اس کی ایسی وضاحت کرتے، جس سے بہتر ممکن نہیں" (عبدالعزیز: گلزار جمالیہ، ص ۷)۔ انہوں نے ملتان میں اپنا مدرسہ بھی قائم کیا۔ خواجہ گل محمد احمد پوری (م ۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۴ء) مصنف تکلمہ سیر الاولیاء نے دو سال تک اس مدرسے میں پڑھا تھا (گل محمد: تکملہ سیر الاولیا، ص ۱۳۵) جس زمانے میں وہ ملتان میں تھے، پنجاب پر سکھوں کا تسلط تھا، سکھوں نے کئی بار ملتان پر بھی حملہ کیا، لیکن حافظ صاحب کی زندگی میں وہ ملتان پر قابض نہ ہو سکے۔ (مناقب المحبوبین، ص ۱۲۴) حافظ صاحب عملی جہاد کے لیے بھی لوگوں کو تیار کرتے تھے۔ ان کی شجاعت، ہمت اور استقلال نے مسلمانوں میں نئی روح پھونک دی تھی۔ تیر اندازی میں مہارت تھی اور اس کی باقاعدہ تعلیم دیتے تھے۔ (ایضاً، ص ۱۳۴)

۵۔ جمادی الاول ۱۲۲۶ھ / ۱۸۱۱ء کو وفات پائی۔ کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی، مزار بیرون دولت دروازہ ملتان میں ہے۔ ان کے خلیفہ مولوی خدا بخش خیر پوری سجادہ نشین ہوئے، جنہوں نے توحید پر ایک رسالہ توفیقیہ لکھا تھا(تکملہ سیر الاولیاء، ص ۱۳۵)۔ حافظ صاحب کے اور بھی خلفاء تھے۔ ملفوظات کے مندرجہ ذیل مجموعے ہیں:

۱۔ خصائل الرضیہ مرتبہ عبدالعزیز پرھاروی (اس کا فارسی متن و اُردو ترجمہ آگرہ سے ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۶ء میں شائع ہو چکا ہے) ۲۔ انوار جمالیہ مرتبہ منشی غلام حسن شہید ملتانی (۳) اسرار الکمالیہ جامع، زاہد شاہ منتھنی۔

ماخذ

۱۔ عبدالعزیز پرحاروی: گلزار جمالیہ، مع اُردو ترجمہ خصائل الرضیہ ترجمہ از محمد برخوردار، آگرہ، ۱۳۲۵ھ

۲۔ تذکرہ: اعیان چاچڑان، مصنف نامعلوم، قلمی مملوکہ مولانا عبدالرشید سیالکوٹی، کتابخانہ رشیدیہ، لاہور

۳۔ نجم الدین شیخاوانی: مناقب المحبوبین، لاہور، ۱۳۱۲ھ

۴۔ نظام الملک غازی الدین: مناقب فخریہ، دہلی، ۱۳۱۵ھ

۵۔ گل محمد احمد پوری: تکملہ سیر الاولیاء، دہلی، ۱۳۱۲ھ

۶۔ غلام سرور، مفتی، لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، لکھنو، ۱۸۷۳ء

۷۔ وہی مصنف: حدیقۃ الاولیاء، لکھنو، ۱۹۰۶ء

۸۔ امام الدین: حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار، (س ن)

۹۔ رکن الدین: مقابیس المجالس معروف بہ اشارات فریدی، حصہ دوم، آگرہ، ۱۳۲۱ھ

۱۰۔ خلیق احمد نظامی: تاریخ مشائخ چشت، ج ۴، دہلی، ۱۹۵۳ء

۱۱۔ قیصر محمد الیاس: ذخیر البلاد (احوال خواجہ خدابخش خلیفہ حافظ محمد جمال)، بہاولپور، ۱۹۷۴ء

۱۲۔ نور احمد خاں فریدی: تاریخ ملتان، جلد دوم، ملتان، ۱۹۷۳ء

۲ر جنوری ۱۹۹۸ء

اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور

حضرت حاجی امداد اللہ مُہاجر مکی چشتی فاروقی

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی چودھویں صدی ہجری کے نامور شیخ طریقت اور مولف تھے۔

حاجی امداد اللہ ابنِ حافظ محمد امین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ شیخ شہاب الدین معروف بہ فرخ شاہ کابلی کی وساطت سے ان کا شجرۂ نسب خلیفہ ثانی سے واصل ہوتا ہے۔ (امداد المشتاق ۴، شمائم امدادیہ ۶)

حاجی امداد اللہ کی ولادت ۲۲ صفر ۱۲۳۳ء یکم جنوری ۱۸۱۸ء کو نانوتہ (Nanotah ضلع مظفر نگر) میں ہوئی۔ آپ کا تاریخی نام ظفر احمد ہے جس سے مذکورہ سالِ ولادت بر آمد ہوتا ہے، قرآنِ پاک حفظ کرنے کے بعد ۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء میں درسی کتابوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ لیکن آپ کی تعلیم ادھوری رہ گئی فارسی کی ابتدائی کتب گلستان، بوستان اور زلیخا کے کچھ حصے پڑھے تھے۔ مثنوی مولانا روم کے ساتھ خصوصی شغف تھا۔ (مرقوماتِ امدادیہ ۱۶)

اس کے علاوہ مولانا رحمت علی تھانوی اور مولانا عبد الرحیم نانوتوی سے بھی بعض کتب فقہ کا درس لیا۔ (ہمانجا ۱۲ مقدمہ)

ابتدا میں حاجی امداد اللہ شاہ نصیر الدین دہلوی سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے (امداد المشتاق ۱۰) شاہ نصیر الدین دہلوی شاہ محمد آفاق مجددی (ف ۱۲۵۱ھ / ۱۸۳۵ء) کے خلیفہ شاہ رفیع الدین دہلوی (مترجم قرآن مجید) کے نواسے اور شاہ محمد اسحاق کے داماد تھے۔ (مرقوماتِ امدادیہ ۱۳ج)

اس کے بعد آپ نے میاں جیو نور محمد جھنجھانوی (ف ۱۲۵۹ھ / ۱۸۴۳ء) (Janjanavi) سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت کی جو سید عبد الرحیم ولایتی فاطمی شہید (ف ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) کے خلیفہ تھے جو شاہ عبد الباری

چشتی (ف ۱۲۲۶ھ /۱۸۱۱ء) کے خلیفہ اور مشہور چشتی بزرگ شاہ عبدالہادی (ف ۱۱۹۰ھ /۱۷۷۶ء) کے جانشین تھے (مفتاح الخزائن ۱۲۷، نقش حیات ۲/۱۹)

حاجی امداد اللہ کی زندگی کے ۴۲ سال ہندوستان کے مختلف شہروں میں گذرے اور ۴۲ برس حرمین الشریفین میں بسر کیے۔ قیام ہندوستان کے دوران بہت سے نامور اصحاب نے ان سے باطنی فیض پایا آپ کے اکثر خلفاء ذی علم اور تعلیم و تعلم کے فن سے تعلق رکھتے تھے۔

آپ کو ہندوستان کے مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح اور اخلاقی و روحانی سرمائے کے تحفظ سے بہت دلچسپی تھی۔ قرآن مجید، کتب فقہ اور مثنوی مولانا روم کا درس دائمی طور پر جاری رکھا۔

قیام ہندوستان کے دوران آپ کی زندگی کا اہم ترین واقعہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا ہے۔ جس میں آپ نے جہاد کیا اور امیر المجاہدین کا کردار ادا کیا۔

۱۸۵۷ء میں جب ہندوستان کی برطانوی حکومت کے خلاف عوام صف آرا ہوئے تو کئی مقامات پر علماء و مشائخ نے اسے جہاد کا درجہ دے کر اس میں خود شمولیت کی ان میں سے تھانہ بھون (Thana Bahawan) اور شاملی (Shamili) کے علاقوں میں جو ضلع سہارنپور میں تھے جہاد کی کمان حاجی امداد اللہ اور ان کے خلفاء نے کی تھی اس موقع پر علماء کیرانہ، شاملی، دیوبند گنگوہ اور نانوتہ وغیرہ سے تھانہ بھون پہنچے ایک مجلس شوریٰ منعقد ہوئی جس میں شامل بعض اکابر کے اسماء یہ ہیں۔

حاجی امداد اللہ، حافظ محمد ضامن، مولانا محمد مظہر نانوتوی، مولانا محمد منیر نانوتوی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد احسن نانوتوی اور مولانا شیخ محمد تھانوی۔

حاجی امداد اللہ امیر جہاد منتخب ہوئے۔ انگریزی فوج کے ساتھ مجاہدین کا سخت مقابلہ ہوا، مجاہدین کو غلبہ نصیب ہوا۔ اس کے بعد جنگ کا دوسرا مرکز شاملی کے علاقے میں ہوا یہاں بھی برطانوی فوج کو زبردست جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا لیکن تازہ دم سرکاری فوج پہنچ گئی جس سے مجاہدین کی فتح شکست میں بدل گئی۔ انگریزوں نے قبضہ کرنے کے بعد تھانہ بھون کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ مولانا محمد مظہر نانوتوی، مولوی محمد منیر نانوتوی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی روپوش ہو گئے حاجی امداد اللہ مکہ مکرمہ کی طرف ہجرت کر گئے اور مولوی رشید احمد گنگوہی گرفتار ہو کر جیل میں رہے۔ (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ۱۷۷۔۱۸۴ ملخصاً)

اگرچہ مجاہدین کو اس معرکہ میں ناکامی ہوئی لیکن ہندوستان کے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور ان کے قلب وصدر میں آزادی کے شعور نے جنم لیا جس کا آخری نتیجہ ہندوستان کی ۱۹۴۷ء میں آزادی اور پاکستان کا قیام تھا۔

حاجی امداد اللہ نے بیت اللہ شریف کے صحن میں بیٹھ کر مثنوی مولانا روم کے اس درس کا آغاز کیا جو ہندوستان میں ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ اسی دوران آپ نے اپنے سیکڑوں خلفاء ہندوستان، جزیرہ نمائے عرب، ترکی اور شمالی افریقہ میں روانہ کیے جس سے خانقاہوں میں زندگی کی نئی لہر دوڑ گئی۔

حاجی امداد اللہ کو ہندوستان کے مسلمانوں کی دینی تعلیم کی پس ماندگی کا شدت سے احساس تھا۔ آپ نے اپنے خلفا کو اپنے مکاتیب میں بار بار اس طرف متوجہ فرمایا جس کے نتیجے کے طور پر دارالعلوم دیوبند جیسی عظیم الشان درس گاہ وجود میں آئی جہاں سے لاتعداد ہندوستانی مسلمان عالم بن کر نکلے اور طول وعرض میں اسلامی تعلیم ونشرو اشاعت کا سلسلہ شروع ہو گیا (مرقومات/امدادیہ ص ۸ مقدمہ وبعد Islamic Revival in British India, Deoband, P.76.77)

حاجی امداد اللہ ۸۴ سال کی عمر میں ۱۲ یا ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۱۷ھ / ۱۹،۱۸ / اکتوبر ۱۸۹۹ء کو انتقال کر گئے جنت المعلیٰ مکہ مکرمہ میں دفن کیا گیا (امداد المشتاق ۲۰۵)

حاجی امداد اللہ کے مریدین وخلفا کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے چند اکابر خلفاء کے نام حسب ذیل ہیں:

۱۔ مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا عبدالرحمٰن کاندھلوی، مولانا محمد حسن پانی پتی، مولانا محمد یعقوب نانوتوی، مولوی محمد یوسف تھانوی۔ حکیم ضیاء الدین انصاری، مولانا عبدالسمیع بیدل رام پوری، مولانا فیض الحسن سہارن پوری، صوفی محمد حسین الہ آبادی، مولانا سید عبدالحی (مولف نزہۃ الخواطر) مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا کرامت اللہ خان دہلوی، مولانا احمد حسن محدث امروہوی، مولانا احمد حسن کانپوری، شاہ سلیمان پھلواری، مولانا انوار اللہ فضیلت جنگ (مرقومات امدادیہ ۲۹۔۳۰) مقدمہ) مولانا نور احمد امرتسری (مصحح ومرتب مکتوبات امام ربانی)، پیر مہر علی شاہ گولڑوی (مہر منیر)

حاجی امداد اللہ مہاجر کی کئی کتابوں کے مؤلف تھے جن میں سے چند فارسی میں ہیں۔ باقی اُردو زبان میں

۱۔ حواشی مثنوی مولانا روم (فارسی)

۲۔ ضیاء القلوب (فارسی)

۳۔ وحدت الوجود (فارسی)

۴۔ مکتوبات (فارسی)

۵۔ ارشادِ مرشد (اُردو) ۱۲۹۳ھ

۶۔ ہفت مسئلہ (اُردو)

۷۔ گلزارِ معرفت (اُردو نظم)

۸۔ تحفۃ العشاق (اُردو مثنوی بسالِ ۱۲۸۱ھ)

۹۔ جہادِ اکبر (اُردو مثنوی ۱۲۶۸ھ)

۱۰۔ غذائی روح (اُردو نظم ۱۲۶۴ھ)

۱۱۔ دردِ نامۂ غم (اُردو نظم)

ان میں سے فارسی تالیفات کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

۱۔ حواشی مثنویٔ مولانا روم

مثنوی کا درس ان کی زندگی کے معمولات کا حصہ تھا۔ مکہ مکرمہ میں ۴۲ سال تک اس درس کو جاری رکھا اور ان کے پاس مثنوی کا ایک ایسا نسخہ تھا جس پر آپ نے خود حواشی تحریر کیے تھے۔ یہ عارفانہ حواشی دیگر شروحِ مثنوی سے استفادے سمیت منشی رحمت اللہ رعد نے اپنے مطبع نامی کانپور سے چھ دفاتر میں نہایت دیدہ زیب کتابت وطباعت سے شائع کر دیئے تھے اس کے پہلے تین دفتر محشی حاجی امداد اللہ کے عین حیات طبع ہوئے تھے باقی دفاتر آپ کے وصال کے بعد چھپے۔

شرح کے دوران آپ نے حواشی میں ایسے عارفانہ نکات بیان کیے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اکثر شروحِ مثنوی کا مطالعہ کیا تھا۔ حاجی امداد اللہ کے اس ایڈیشن کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس کے حواشی میں جن شروحِ مثنوی کے اقتباسات دیئے گئے ہیں وہ اکثر ہندوستانی شارحین ہیں۔

مذکورہ مطبع میں اس کی طباعت کا آغاز ۱۳۱۴ھ کو ہوا اور اس کا آخری دفتر ششم ۱۳۲۱ھ میں طبع ہوا گویا آٹھ سال اس کی دیدہ زیب طباعت و تصحیح میں صرف ہوئے۔ (خاتمہ دفتر ششم)

۲۔ ضیاء القلوب

یہ کتاب ۱۲۸۲ھ کو مکہ مکرمہ میں مکمل ہوئی "مرغوبِ دل" اس کا تاریخی نام ہے۔ مولف نے یہ کتاب حافظ محمد یوسف بن حافظ ضامن شہید کی درخواست پر تالیف کی تھی۔ اس کتاب میں سلسلہ چشتیہ صابریہ قدوسیہ کے اذکار، اشغال اور مراقبات وغیرہ عام فہم زبان وبیان میں لکھے گئے ہیں، فارسی نثر کا یہ رسالہ سلوک کے طلبہ میں بہت مقبول اور متداول رہا ہے۔ کلیاتِ امدادیہ میں مع اُردو ترجمہ شامل ہے۔

۳۔ وحدت الوجود

یہ رسالہ فارسی نثر میں ہے اور ۱۲۹۹ھ میں لکھا گیا تھا۔ یہ دراصل آپ کا ایک طویل مکتوب ہے۔ جو بنام مولوی عبدالعزیز کا تحریر کیا گیا۔ سائل نے دریافت کیا تھا کہ آپ وحدت الوجود کے قائل ہیں جبکہ آپ کے خلفا مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد یعقوب نانوتوی اور مولانا احمد حسن کانپوری اس کے قائل نہیں بلکہ اس کے مخالف ہیں۔ حاجی امداد اللہ نے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے نظریہ وحدۃ الوجود کی تشریح کی ہے اور وضاحت کی ہے کہ میرے خلفاء بجا طور پر اس کے درست مفہوم کے قائل ہیں۔

یہ مختصر فارسی رسالہ بھی آپ کے مجموعہ رسائل میں شامل ہے۔

۴۔ مکتوبات

آپ کے فارسی مکتوبات کا ایک مجموعہ المرقومات الامدادیہ کے نام سے مرتب ہوا تھا۔ اسے مولانا وحید الدین رام پوری نے جمع کیا اس مجموعہ میں کل ۶۱ خطوط ہیں۔ ان کے مکتوب الیھم گیارہ ہیں۔ جن میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمد یعقوب نانوتوی، حکیم ضیاء الدین رام پوری، مولانا رشید احمد گنگوہی اور حاجی عابد حسین شامل ہیں۔

اس میں اکثر مکتوبات فارسی میں ہیں جن کا اُردو ترجمہ پروفیسر عبدالحی (جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن) نے کیا تھا۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے ان پر بعض مقامات پر حواشی بھی تحریر کیے تھے۔

یہ مجموعہ امداد المشتاق کے ساتھ ہی ۱۳۴۷ھ میں تھانہ بھون سے شائع ہوا تھا ۱۹۷۹ء کو ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کے مفصل مقدمے کے ساتھ ندوۃ المصنفین دہلی سے دوبارہ طبع ہوا۔

ایک اور مجموعہ مکتوباتِ امدادیہ کے نام سے مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی مرتب کیا تھا۔ رسالہ صد فوائد میں بھی کچھ مکاتیب شامل ہیں۔

ملفوظات

حاجی امداد اللہ کے ملفوظات کا ایک مجموعہ کمالاتِ امدادیہ کے نام سے مولانا اشرف علی تھانوی نے مرتب کرکے ۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۳ء میں شائع کیا۔

ایک اور مجموعہ شمائم امدادیہ ہے۔ یہ فارسی نثر میں ہے اور نفحاتِ مکیہ من آثرِ امدادیہ کے نام سے ہے اس کے اُردو ترجمے پر مولانا تھانوی نے نظر ثانی کی تھی۔

یہ مجموعہ حاجی امداد اللہ کی زندگی میں ہی مرتب ہو کر متداول ہو گیا تھا۔ مولانا تھانوی نے حاجی امداد اللہ کے حالات وملفوظات پر مشتمل ایک کتاب امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق تالیف کی تھی جو ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۵ء میں پہلی بار طبع ہوئی۔ اور کئی بار چھپ چکی ہے۔

حاجی امداد اللہ مہاجر کی شاعر بھی تھے اور امداد تخلص کرتے تھے ان کے فارسی واُردو کلام کا مجموعہ گلزارِ معرفت کے نام چھپ چکا ہے۔ اس مجموعے میں مذکورہ منظوم رسائل کے علاوہ آپ کے ۹۳ فارسی اشعار بھی شامل ہیں۔ (حیاتِ امداد ۱۴۶)

مآخذ

۱۔ ابو الحسن علی ندوی: حیات عبدالحی، دہلی، ندوۃ المصنفین ۱۹۷۰ء

۲۔ اشرف علی تھانوی: امداد المشتاق، تھانہ بھون ۱۹۲۵ء

۳۔ امداد اللہ مہاجر کی: مرقوماتِ امدادیہ، بامقدمہ نثار احمد فاروقی۔ دہلی ۱۹۷۹ء

۴۔ امداد اللہ: کلیاتِ امدادیہ، کراچی (س ن)

۵۔ امداد صابری: سیرت حاجی امداد اللہ اور ان کے خلفاء، دہلی ۱۹۵۱ء

۶۔ انوار الحسن شیر کوٹی: حیاتِ امداد، کراچی ۱۹۶۵ء

۷۔ ایضاً: انوارِ قاسمی، لاہور، ۱۹۶۹ء

۸۔ برکاتی، سید محمود احمد: حیات شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی۔ ۱۹۹۲ء

۹۔ حسین احمد مدنی: نقشِ حیات۔ لاہور ۱۹۸۷ء

۱۰۔ رحمٰن علی: تذکرہ علمای ہند ترجمہ وتعلیقات محمد ایوب قادری، کراچی ۱۹۶۱ء

۱۱۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۸، ۷ حیدر آباد دکن ۱۹۵۹۔ ۱۹۷۰ء

۱۲۔ عزیز الرحمٰن: تذکرہ مشائخ دیو بند، کراچی ۱۹۶۴ء

۱۳۔ عزیز الحسن وعبدالحق: اشرف السوانح، دہلی سہ جلد ۱۳۵۴ھ

۱۴۔ محمد ایوب قادری: جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء، واقعات وشخصیات، کراچی ۱۹۷۶ء

۱۵۔ ایضاً: مولانا محمد احسن نانوتوی، کراچی ۱۹۶۶ء

۱۶۔ محمد ثانی حسنی: حیاتِ خلیل (سوانح مولانا خلیل احمد سہارنپوری)، لکھنو ۱۹۷۶ء

۱۷۔ نثار علی بخاری: مفتاح الخزائن (حالات وملفوظات شاہ عبدالہادی چشتی)، بھوپال ۱۳۴۶ھ ومرتبہ نثار احمد فاروقی، دہلی ۱۹۸۹ء

۱۸۔ نفیس رقم، انور حسین: شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ، لاہور، ۱۹۹۱ء

19- Metcalf, B.D: Islamic Revival in British India: Deoband (1860-1900) Princeton 1982

۱۳ فروری ۱۹۹۷ء

برائ دانشنامہ ادبیات فارسی شبہ قارہ، تہران

شیخ امانت علی چشتی

امانت علی تیرھویں صدی ہجری کے ایک عالم اور سلسلۂ چشتیہ کے صوفی تھے۔

شیخ امانت علی حنفی چشتی امروہوی بن سید حفیظ اللہ بن عزیز اللہ سنبھلی نے مروجہ درسی کتب اپنے مستقر مانک پور (Manikpur) اور دیگر مقامات پر پڑھیں سالِ ولادت معلوم نہیں ہے البتہ ایک روایت کے مطابق آپ کا انتقال ۷۲ سال کی عمر میں ۱۲۸۰ھ کو ہوا (حدیقۃ الاسرار ۱۲۹) جس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ موصوف کا سالِ پیدائش حدود ۱۲۰۲ھ / ۱۷۸۸ء ہوگا (۱۲۸۰- ۷۲= ۱۲۰۲)۔ ابتداً میں شیخ محمد حسین مراد آبادی کی صحبت اختیار کی اور ان سے طریقۂ چشتیہ میں بیعت ہوئے (نزہۃ الخواطر ۷ / ۷۸)

شیخ مراد آبادی کے وصال کے بعد شیخ کامگار خان سے بیعت کی کچھ عرصہ ان کی صحبت میں گذارا تھا کہ ان کا ۱۲۲۹ھ کو انتقال ہوگیا۔ شیخ کامگار خان کے وصال کے بعد دہلی کا سفر کیا۔ اور وہاں کے اساتذہ سے درسی کتب کی تکمیل کی (ہانجا ۷ / ۷۸)

دہلی سے مانک پور واپس چلے گئے اور معروف شیخ طریقت حافظ موسیٰ چشتی مانک پور (ف ۱۲۴۷ھ / ۱۸۳۲ء) کی صحبت اختیار کی ان سے سلسلۂ چشتیہ میں خلافت پائی اور مدت تک ان کی صحبت میں رہ کر امروہہ (Amroha) ضلع مراد آباد یوپی) میں جا کر دعوت و ارشاد کا سلسلہ شروع کیا۔ (نزہۃ الخواطر ۷ / ۸۷، خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۵۱۵) غالباً اسی دوران کشمیر بھی گئے اور شیخ احمد شاہ کشمیری سے فیض پایا۔ (خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۵۱۵)

عرصہ دراز تک درس وتدریس اور دعوت وارشاد میں زندگی بسر کی امروہہ میں ہی ۱۹ ذی قعدہ ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۴ء کو انتقال ہوا (انوار العارفین ۲۰۷، خزینۃ الاصفیاء ۱ / ۵۱۵، نزہۃ الخواطر ۷ / ۷۸ [illegible] الاسرار ۱۲۹) محلہ تل لب سڑک دہلی میں مزار ہے (تاریخ امروہہ ۲ / ۱۹۰)

شیخ امانت علی چشتی سے بیعت ہونے والوں کی بڑی تعداد کے علاوہ کئی اصحاب نے ان سے خلافت بھی حاصل کی تھی چنانچہ بٹالہ (Batalah مشرقی پنجاب کا ایک گاؤں) کے تین اصحاب شیخ عبدالرحیم، شیخ عبدالرحمٰن اور شیخ سمیع اللہ کے اسماء ان کے خلفاء کی حیثیت سے مذکور ہیں (حدیقۃ الاسرار ۱۲۹) شیخ امانت علی چشتی کے تین فرزند تھے، حافظ اسرار الحق، مولوی انوار الحق اور مولوی ابرار الحق جو علم ظاہر و باطن سے آراستہ تھے۔ (تاریخ

سید امانت علی چشتی

- انوار الحق
  - برہان الحق
- اسرار الحق
  - سید احمد
    - شبیہ احمد
  - سعید احمد
    - وحید احمد
    - ضمیر احمد
    - نہال احمد
- ابرار الحق
  - عزیز احمد
    - دختران
  - قطب عالم
    - محبوب احمد
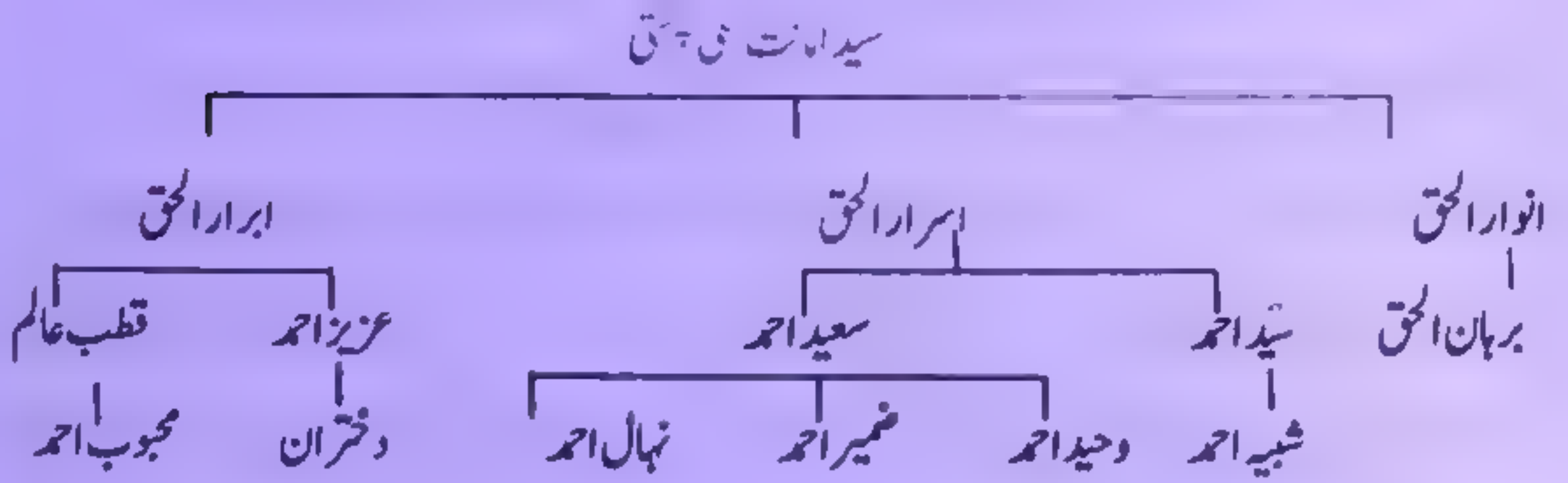
مآخذ

۱۔ امام بخش جام پوری: حدیقۃ الاسرار، ملتان (س ن)

۲۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر۔ ج ۷ حیدر آباد، دکن ۱۹۵۹ء

۳۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء لکھنو ۱۸۷۳ء

۴۔ محمد حسین مراد آبادی: انوار العارفین، لکھنو ۱۸۷۶ء

۵۔ محمود احمد عباسی: تاریخ امروہہ (جلد دوم باسم تذکرہ الکرام)، دہلی، ۱۹۳۲ء

۶۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت، ج ۵ دہلی ۱۹۸۴ء

۹ دسمبر ۱۹۹۶ء

برائی دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ ابوالحسن بن محمد حسن فرید آبادی

ابوالحسن فرید آبادی تیرھویں صدی ہجری کے صوفی، مؤلف اور فارسی شاعر تھے۔ شیخ محمد ابوالحسن متخلص بہ حسن وشیدائی بن محمد حسن فرید آبادی، فرید آباد (Faridabad دہلی کے مضافات میں ایک قصبہ) کے رہنے والے تھے۔ مروجہ علوم کی تحصیل دہلی میں کی اور پھر اکبر آباد (Akbarabad) آگرہ چلے گئے۔ جہاں انگریزوں کے بناکردہ مدرسہ میں ملازمت کرلی (تذکرۃ اللہی ۸۴)۔ حدود ۱۸۲۰۔۱۸۲۵ء کو ولادت ہوئی، دہلی آ کر امام بخش صہبائی (ف ۱۸۵۷ء) سے فارسی پڑھی، پھر دہلی کالج میں داخل ہوئے اور انہیں کی خدمت میں رہ کر تکمیل کی موصوف اس کالج میں وظیفہ یاب متعلم تھے اور پانچ سال وہاں رہے حدود ۱۸۴۶ء کو فارغ ہوئے۔ شپر نگر (۱۸۱۳۔۱۸۹۳ء) کا قرب حاصل رہا اور اس کی سفارش سے آگرہ کالج میں فارسی کے مدرس اوّل ہوئے وہاں انہوں نے عرصہ تک ملازمت کی (قدیم دہلی کالج از چغتائی ۳۵۹)

اکبر آباد میں ہی شیخ ابوالحسن فرید آبادی معروف قادری صوفی سید مظفر علی شاہ اللہی (۱۲۲۷۔۱۲۹۹ھ / ۱۸۱۲۔۱۸۸۲ء) سے بیعت ہوئے، سید مظفر علی امام جعفر صادق کی اولاد میں سے تھے۔ ان کے والد سید منور علی (ف ۱۲۳۵ھ / ۱۸۱۹ء) اور ان کے دادا سید امجد علی (ف ۱۲۳۲ھ / ۱۸۱۷ء) عالم، صوفی اور صاحب دیوان شاعر تھے۔ خود سید مظفر علی کئی اہم کتابوں کے مؤلف اور فارسی گو شاعر تھے۔ (تذکرۃ اللہی ۸۴،۳)

ابوالحسن انصاری قادری چشتی، فرید آبادی شیخ مظفر علی سے دس سال تک منسلک رہے گویا ۱۲۸۹ھ / ۱۸۷۲ء میں ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے (ہمانجا ۱۴، ۸۴، ۱۲۹۹ - ۱۰ = ۱۲۸۹ھ)

اپنے شیخ کی وفات (۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۲ء) کے بعد شیخ ابوالحسن فرید آبادی کسب معاش کے سلسلے میں اودھ (Awadh) چلے گئے جہاں کچھ عرصہ رہے (ہمانجا ۸۴)

تذکرۃ اللّٰہی کی طباعت ۱۸۸۷ سے قبل مولوی ابو الحسن فرید آبادی مطبع نولکشور واقع لکھنؤ سے وابستہ ہو گئے تھے جہاں سے ان کو باقاعدہ وظیفہ (تنخواہ) ملنے لگا۔ (ہمانجا ۸۴) موصوف اس مطبع میں مستقل ملازم ہو گئے تھے (منشی سوانح نولکشور ص ۹۱ حاشیہ)۔

منشی نولکشور جس نے عربی، فارسی اور اُردو میں مسلمانوں کی بہت سی کتب شائع کیں اپنے مطبع میں کئی ایک عالم بحیثیت مصحح ملازم رکھے ہوئے تھے۔ ان میں مولوی ابو الحسن فرید آبادی بھی شامل تھے۔ (ہمانجا ۸۴)

ابو الحسن فرید آبادی فارسی و اُردو میں شعر بھی کہتے تھے حسنؔ تخلص تھا (ہمانجا ۲۷) انہوں نے تذکرۃ اللّٰہی میں جا بجا اپنے اشعار نقل کیے ہیں، تذکرہ کے خاتمے میں طویل نظمیں انہی کی ہیں۔ برطانوی فرمانروا کے ایک جشن تاجپوشی میں شرکت کے لیے اکبر آباد سے دہلی کا سفر کیا تھا اور اس واقعے کو انہوں نے فارسی میں نظم بھی کیا (ہمانجا ۳۳۔ ۳۴)

ابو الحسن حسنؔ کا کلام عوام و خواص میں مقبول تھا۔ ان کے شیخ اور احباب ان کے کلام کے منتظر رہتے تھے۔ سیّد مظفر علی شاہ ان کے کلام کو خواجہ حسن سجزی دہلوی کے کلام کا ہم پلہ خیال کرتے تھے اور انہیں حسن ثانی اسی مناسبت سے لکھتے تھے۔ ان کے کلام میں حافظ شیرازی کا عکس جھلکتا ہے۔ انہوں نے اپنے فارسی کلام کا انتخاب تذکرۃ اللّٰہی کے آخر میں دیا ہے (ص ۹۴۔ ۱۲۲) جس میں حمد، نعت اور مناقب شامل ہیں۔

مولوی ابو الحسن فرید آبادی کی اب تک مندرجہ ذیل تالیفات کا ہمیں علم ہے:

۱۔ انوار التہذیب:

انوار التہذیب فارسی نظم میں ہے۔ مؤلف نے اس کا ایک نسخہ اپنے شیخ مظفر علی شاہ کو گوالیار سے اکبر آباد بھیجا تھا جس پر انہوں نے خوشنودی اور امتنان کا اظہار کرتے ہوئے ان کے اشعار بہت پسند کیے اور کئی اصحاب نے اس کی نقلیں حاصل کیں۔ (مکتوب سیّد مظفر علی مشمولہ تذکرۃ اللّٰہی ۹۳)

۲۔ فوائدِ سعدیہ:

یہ کتاب مخدوم شاہ مینا لکھنوی (ف ۸۷۰ھ / ۱۴۶۵ء) کے حالات، مقامات اور ملفوظات پر مشتمل ہے۔ اس کے جامع شیخ سعد الدین مینائی ہیں اس کتاب کا نام مجمع السلوک ہے جس کا فارسی میں ہی انتخاب محمد ارتضا

علی خان گوپاموی نے کیا۔ اس اہم فارسی انتخاب کا اُردو ترجمہ مولوی ابو الحسن نے کیا تھا جو مطبع نولکشور لکھنو سے ۱۳۰۴ھ میں طبع ہوا۔

۳۔ تذکرۃ اللّٰہی:

ابو الحسن فرید آبادی نے یہ تذکرہ اپنے مرشد شیخ مظفر علی شاہ قادری اکبر آبادی کے حالات، ملفوظات، مکتوبات، مقامات اور کرامات پر تالیف کیا ہے۔ شیخ مظفر علی (ف ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۲ء) قادری سلسلہ کے معروف صوفی اور مؤلف تھے۔ اس تذکرے میں مؤلف نے شیخ مظفر علی کے مریدین وخلفاء کے حالات بھی لکھے ہیں۔ یہ تذکرہ فارسی نثر میں ہے جا بجا اپنے اشعار بھی نقل کیے ہیں۔ اس کی زبان سادہ اور صوفیہ کے عام فہم تذکروں کی روش میں لکھا گیا ہے۔ مطبع نولکشور لکھنو سے ۱۸۸۷ء میں بہ قطع کلاں طبع ہوا تھا۔

۴۔ جواہر غیبی:

یہ کتاب ابو الحسن فرید آبادی کے مرشد شیخ مظفر علی کے مسودات پر مبنی ہے۔ ابھی یہ غیر مرتب تھی کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ شیخ فرید آبادی کے احباب اور مصنف کے مریدین نے تقاضا کیا کہ اسے کتابی شکل میں مدون کر دیا جائے۔ چنانچہ شیخ فرید آبادی نے اسے چھ کنوز (ابواب) پر منقسم کیا۔ ہر نیا باب جوہر کے عنوان سے شروع ہوتا ہے اس لیے اس کا نام جواہر غیبی رکھا گیا تھا۔

مؤلف نے ہر باب میں تصوف کے مسائل ایسے عام فہم انداز میں بیان کیے ہیں کہ متقدمین کی دقیق تحریرات سہل ہو کر رہ گئی ہیں۔ اصطلاحاتِ تصوف کا باب بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے اس میں پاکستان وہند کے صوفیہ کی تصانیف کے بکثرت حوالے دیئے گئے ہیں گویا خصوصیت سے ایسی اصطلاحات بھی درج کی گئی ہیں جو اس خطے میں مستعمل رہی ہیں، یہ کتاب فارسی نثر میں ہے۔ اس سرزمین پر تالیف ہونے والی کتبِ تصوف میں جواہر غیبی ایک ضخیم ترین کتاب ہے جو بڑے سائز کے ۷۸۱ صفحات پر مشتمل ہے۔

یہ کتاب مطبع نولکشور واقع لکھنو سے ۱۳۰۴ھ / ۱۸۷۷ء میں طبع ہو کر شائع ہوئی۔

۵۔ ترجمہ فصوص الحکم: مطبوعہ مطبع نولکشور، لکھنو۔ (سوانح منشی نولکشور ۱۹)

۶۔ ترجمہ عوارف المعارف، مطبوعہ مطبع نولکشور، لکھنو۔ (ایضاً)

۷۔ شرح قصائد وقطعات انوری، ۱۸۵۰ء کو شائع ہوئی۔

۸۔ تحفۃ العراقین از خاقانی مع شرح عبد السلام، مطبوعہ آگرہ، ۱۸۵۵ء

۹۔ تاریخ روس، انگریزی سے فارسی ترجمہ، مطبوعہ مطبع نولکشور ۱۸۸۸ء

۱۰۔ مثنوی تحفہ طہران۔ مطبوعہ ۱۸۹۳ء

۱۱۔ مثنوی جنجر عشق، مطبوعہ دہلی ۱۸۵۲ء

۱۲۔ معیار الشعرا (گلدستہ) ۱۸۴۸۔۱۸۴۹ء مولوی ابوالحسن کی ادارت میں نکلتا رہا۔ (موخر الذکر کتب ۷ تا ۱۲ کا تعارف ڈاکٹر اکرام چغتائی نے کروایا ہے۔ (قدیم دہلی کالج ۳۶۴۔۳۷۷)

۱۳۔ ترجمہ رُشحات مولفہ فخر الدین علی واعظ کاشفی، فارسی سے اُردو ترجمہ مطبوعہ مطبع نولکشور، ۱۸۹۳ء

آخر میں مترجم کے بارے میں لکھا ہے "صاحب حالات سنیہ مالک مقالات عالم علوم ربانی مطرح فیوض یزدانی اسوۃ العلما وحید الزمان جناب مولانا مولوی ابوالحسن صاحب سابق تحصیلدار حال پنشنر عم فیضہ و مد ظلہ ص ۳۱۶، مولوی ابوالحسن فرید آبادی کا سال وفات معلوم نہیں ہے، لیکن اس خاتمہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۸۹۳ء تک بقید حیات تھے۔ سپر نگر کے نام مولوی فرید آبادی کے دو مکاتیب چغتائی صاحب نے دریافت کیے ہیں جو قدیم دہلی کالج ص ۳۷۷۔۳۸۲ میں شامل ہیں۔

مآخذ

۱۔ ابوالحسن فرید آبادی: تذکرۃ الٰہی، لکھنو، مطبع نولکشور ۱۸۸۷ء

۲۔ مشار، خان بابا: فہرست کتابہای چاپی فارسی، تہران

۳۔ مظفر علی شاہ: جواہر غیبی، لکھنو، مطبع نولکشور ۱۸۷۷ھ

۴۔ نورانی، امیر حسن: سوانح منشی نولکشور، پٹنہ، خدا بخش لائبریری، ۱۹۹۵ء

۵۔ صابر، قادر بخش: تذکرہ گلستان سخن مرتبہ خلیل الرحمٰن داؤدی، لاہور، ۱۹۶۶ء

۶۔ چغتائی، محمد اکرام: قدیم دہلی کالج، لاہور، ۲۰۱۲ء

7- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970

۳ جنوری ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

مولوی غلام احمد بریاں

مولوی غلام احمد بریاں چودھویں صدی ہجری کے ایک عالم، صوفی، شاعر اور کتب تصوف کے مترجم تھے۔ مولوی غلام احمد خان بریاں کے والد مولانا غلام محمد خان حنفی چشتی سلیمانی بھی ایک عالم اور صوفی بزرگ تھے۔ موصوف پنجاب کے معروف چشتی شیخ طریقت خواجہ سلیمان تونسوی (ف ۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۰ء) کے مرید تھے وہ ۱۲۵۵ھ کو بمقام تاج سرور (Taj sarwar) خواجہ سلیمان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے حلقۂ مریدین میں شامل ہو گئے، انہیں آغازِ شعور ہی سے صوفیہ سے محبت اور ان کی کتابیں مطالعہ کرنے کا شوق تھا۔ چنانچہ انہوں نے ۱۲۵۵ھ / ۱۸۳۹ء کو ہی ارادہ کر لیا کہ وہ خواجہ سلیمان کے بارے میں ایک کتاب مرتب کریں گے اور اسی سنہ میں اس کا آغاز کر دیا مناقب سلیمانی کے نام سے انہوں نے خواجہ سلیمان تونسوی کے مناقب، احوال اور ملفوظات جمع کیے۔ پھر خواجہ سلیمان کی وفات (۱۲۶۷ھ) کے بعد اس میں ایک خاتمہ کا ۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء کو اضافہ کیا۔ یہ کتاب فارسی نثر میں ہے اور پہلے مطبع احمدی دہلی سے ۱۸۷۱ء کو طبع ہوئی اور پھر ان کے فرزند مولوی غلام احمد بریان نے اپنے مطبع مسلم پریس جھجر سے ۱۸۹۷ء کو شائع کی۔ مولوی غلام محمد سلیمانی نے شیخ فخر الدین زرادی کی مشہور کتاب اصول السماع کا اُردو میں ترجمہ کیا جو مسلم پریس مذکور سے ہی شائع ہوا۔ (اشتہار مشمولہ تحفۂ سبحانی، مناقب سلیمانی ۲۔۸)

مولوی غلام محمد خان کے فرزند مولوی غلام احمد خان بریاں بھی خواجہ سلیمان تونسوی سے بیعت وارادت رکھتے تھے۔ سراج المجالس کے دیباچہ میں اپنے نام کے ساتھ سلیمانی لکھا ہے۔ یہ دونوں باپ بیٹا دہلی کے مضافات میں ایک قصبہ جھجر (Jehjehar) میں رہتے تھے۔

وہاں بریاں کا ایک مطبع مسلم پریس تھا جس میں علوم اسلامیہ خصوصاً تصوف کی کتابیں بڑے اہتمام سے چھپتی تھیں۔ پہلے یہ مطبع جھجر میں قائم کیا گیا پھر اس کی خاص شاخ دہلی میں بھی بنائی گئی جہاں کتابوں کی طباعت کے

علاوہ اسلامی علوم کی کتب فروخت کے لیے ہر وقت موجود رہتی تھیں۔ چنانچہ اس مطبع کی طبع شدہ کتابوں کے اول و آخر میں منسلک اشتہارات سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ مولوی غلام احمد بریاں کتابوں کے نامی گرامی تاجر تھے۔

غلام احمد بریاںؔ شاعر بھی تھے اور بریاں تخلص کرتے تھے ان کے کسی شعری مجموعہ کا تاحال ہمیں علم نہیں ہے اپنی ترجمہ کردہ کتابوں کے آخر میں کتابوں پر قطعاتِ تاریخ بھی لکھے ہیں۔ تحفۂ سبحانی کا قطعہ تاریخ ۴۱ شعروں پر مشتمل ہے۔ اشعار میں روانی ہے۔ لیکن بلند پایہ شعر نہیں ہیں اور نہ ہی خصائص شعری کے اعتبار سے ان کا ناقدانہ جائزہ لیا جاسکتا ہے۔

غلام احمد بریاںؔ نے کئی کتبِ تصوف کا عربی اور فارسی سے اُردو میں ترجمہ کیا دراصل چودھویں صدی ہجری تک پاکستان و ہند میں فارسی و عربی جاننے والے حضرات کی انتہائی کمی ہوگئی تھی اب ضرورت اس امر کی محسوس کی جارہی تھی کہ بنیادی کتبِ عقائدِ اسلامیہ اور معروف کتبِ تصوف وغیرہ کے تراجم اُردو میں شائع کیے جائیں چنانچہ جن حضرات نے یہ ضرورت محسوس کی اور علمی طور پر اس میں حصہ لیا ان میں غلام احمد بریاں کو اولیت حاصل ہے۔ ان کی شائع کردہ ساری کتب کا تعارف طوالت کا باعث ہوگا صرف چند اہم اور مشہور کتابوں کا ذکر کیا جا رہا ہے:

۱۔ تحفۂ سبحانی:

یہ شیخ عبدالقادر گیلانی کے ملفوظات "فتح الربانی" کا عربی سے اُردو میں ترجمہ ہے۔ موصوف نے اسے اپنے مطبع مسلم پریس دہلی سے ۱۳۱۴ھ کو شائع کیا۔ آغاز میں مختلف تذکروں کی بنیاد پر شیخ عبدالقادر گیلانی کے حالات و مناقب بقدر یک جز لکھے ہیں۔

۲۔ سیر الاولیاء:

یہ امیر خورد کرمانی (رک بآں) کی فارسی تصنیف سیر الاولیاء کا اُردو ترجمہ ہے۔ جس میں مشائخ چشت کے حالات مستند ذرائع سے لکھے گئے ہیں۔ یہ ترجمہ بھی بریاںؔ نے اپنے مطبع مسلم پریس دہلی سے شائع کیا۔ پھر لاہور سے محمد اقبال مجددی کے مقدمہ کے ساتھ ۱۹۸۲ء کو عکسی صورت میں چھپا۔

۳۔ کشکولِ کلیمی:

شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کی تالیف ہے اور اسے بریاں نے رواں اُردو میں ترجمہ کر کے اپنے مطبع میں چھاپا پھر کئی مرتبہ مختلف مطابع میں طبع ہوا۔

۴۔ مجموعہ ملفوظات خواجگانِ چشت:

اس مجموعہ میں خواجگانِ چشت کے ان ملفوظات کا ترجمہ شامل ہے جو آج بہ تحقیق ثابت ہو چکے ہیں کہ وہ ان بزرگوں سے منسوب کر دیئے گئے تھے۔ یہ مجموعہ خاصا ضخیم ہے اور مسلم پریس میں ہی ۱۳۱۸ھ کو طبع ہوا تھا۔ فوائد الفواد اور افضل الفواد بھی فارسی سے اُردو میں ترجمے کیے تھے جو کئی بار چھپ چکے ہیں۔

۵۔ سراج المجالس:

یہ خیر المجالس (ملفوظات خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی) جامع حمید شاعر قلندر کا فارسی سے اُردو میں ترجمہ ہے اس کا ترجمہ تو مولوی احمد علی ٹونکی نے کیا تھا لیکن اسے نظر ثانی اور اہتمام کے ساتھ غلام احمد بریاں نے اپنے مطبع سے شائع کیا۔ آغاز میں مختصر سا ابتدائیہ ہے۔

غلام احمد بریاں کے حالات مروجہ تذکروں میں نہیں ملتے ان کا سال وفات بھی بصراحت معلوم نہیں ہے قیاس ہے کہ حدود ۱۹۲۰ء میں فوت ہوئے ہوں گے۔

مآخذ

۱۔ احمد نبی خان: تاریخ جھجر، مطبع احمدی، جھجر، ۱۸۷۷ء

۲۔ امیر خورد: سیر الاولیاء اُردو ترجمہ غلام احمد بریاں (با مقدمہ مفصل محمد اقبال مجددی، لاہور ۱۹۸۲ء)

۳۔ حمید شاعر قلندر: سراج المجالس ترجمہ خیر المجالس۔ دہلی (س ن)

۴۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۸ کراچی ۱۹۷۶ء

۵۔ عبدالقادر گیلانی: تحفۂ سبحانی ترجمہ فتح الربانی غلام احمد بریاں۔ دہلی، ۱۳۱۴ھ

۶۔ غلام محمد خان جھجری: مناقب سلیمانی، دہلی، ۱۸۷۱ء

۷۔ للّٰہی، محمد حسین: خواجہ سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء، لاہور، ۱۹۷۹ء

۸۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت، ج ۵، دہلی، ۱۹۸۰ء

۲۱ نومبر ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

تاجے شاہ مجذوب لاہوری

تاجے شاہ تیرھویں صدی ہجری کے ایک مجذوب ولی اللہ تھے۔

تاجے شاہ کے حالاتِ زندگی ان کی مجذوبیت کے باعث پردۂ اخفا میں ہیں، لاہور کے مقامی تذکروں میں صرف ان کی کرامات ہی درج ہیں۔

تاجے شاہ اکثر لاہور کے نواحی جنگلوں اور ویرانوں میں رہتے تھے، کبھی کبھار شہر بھی آجایا کرتے تھے، اکثر جاذبۂ الٰہی سے مدہوش رہتے اور زبان سے مستانہ کلمات سرزد ہوتے رہتے تھے، کبھی حاضرین کو مافی الضمیر سے بھی مطلع کر دیا کرتے تھے، لاہور کے عوام میں بہت مقبول تھے لوگ ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ پنجاب کی سکھ سلطنت کی بربادی کا حال پہلے ہی بتا دیا تھا۔ ۱۸۳۹ء کو جب مہاراجہ رنجیت سنگھ (۱۷۹۹۔۱۸۳۹ء) کا انتقال ہوا تو تاجے شاہ مجذوب نے بتا دیا کہ پنجاب پر سکھ حکومت کے صرف نو سال باقی رہ گئے ہیں جب اس کے بعد پنجاب پر انگریزوں کی حکومت ہو گی (خزینۃ الاصفیاء ۲/ ۴۴۵، حدیقۃ الاولیاء ۲۳۱) چنانچہ ایسا ہی ہوا رنجیت کے حین حیات انگریزوں کو پنجاب میں قدم رکھنے کی جرأت نہیں ہو سکی اس نے سخت ترین مشکل حالات میں بھی برطانوی فوج کو لاہور سے گذرنے کی اجازت نہیں دی۔ اس کے مرتے ہی سکھ حکومت بڑی تیزی سے زوال کا شکار ہونا شروع ہو گئی بڑے بڑے سکھ سردار آپس میں لڑ کر قتل ہوئے راجہ ہیرا سنگھ، سردار چیت سنگھ، راجہ دھیان سنگھ، راجہ شیر سنگھ اور راجہ سوچیت سنگھ بھی مارے گئے، انگریزوں نے نو سال تک پنجاب کے معاملات اور سیاست کا جائزہ لیا ان کے معاملات میں مداخلت کی یہاں تک کہ ٹھیک نو سال بعد ۱۸۴۹ء کو انگریزوں نے پنجاب کا الحاق کر لیا۔

(بامداد اشاریہ Annexation of the Punjab)۔

خود رنجیت سنگھ تاجے شاہ کا معتقد تھا اور ان کی کرامات سے متاثر تھا اپنے مرض الموت میں تاجے شاہ کو بلا بھیجا اور صحت کے لیے دعا کرنے کو کہا مجذوب نے یہ بات سن کر کہا کہ موت برحق ہے، تو مرنے والا ہے تجھے

جلانے کے لیے چندن (Chandan) کی لکڑیاں لائی جائیں گی، یہ سن کر رنجیت سنگھ مایوس ہوا، جونہی تاجے شاہ قلعہ سے نکلے رنجیت سنگھ فوت ہو گیا(۱۷۹۹۔۱۸۳۹ء) (حدیقۃ الاولیاء ۲۳۳)

لاہور کے کئی بے اولاد لوگوں کو تاجے شاہ کی دعا سے اولاد نصیب ہوئی۔ (ایضاً ۲۳۲) تاجے شاہ مجذوب کا انتقال لاہور میں ۱۲۶۱ھ / ۱۸۴۵ء کو ہوا، مفتی غلام سرور لاہوری نے جو ان کے معاصر تھے قطعہ تاریخ وفات لکھا (خزینۃ الاصفیاء ۲/ ۴۴۵)

تاجے شاہ مجذوب کا مزار لاہور میں چیمبر لین روڈ (Chamberlane) پر پرانی سبزی منڈی کے قریب برلب سڑک واقع ہے جس کے ساتھ ایک خوبصورت مسجد بھی ہے پنجاب کا محکمہ اوقاف اس مزار کی نگرانی کرتا ہے۔ مزار پر کتبہ بھی ہے جس پر وفات کا سال لکھا ہوا ہے۔

مآخذ

۱۔ چشتی، نور احمد: تحقیقاتِ چشتی، لاہور مطبع پیسہ اخبار، ۱۸۶۸ء

۲۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیا، لکھنو، ۱۸۷۳ء

۳۔ ایضاً: حدیقۃ الاولیاء تحقیق و تعلیق، محمد اقبال مجددی، لاہور، ۱۹۷۶ء

۴۔ کلیم، محمد دین: مدینۃ الاولیاء، لاہور، ۱۳۹۶ھ

۵۔ کنھیا لال: تاریخ لاہور، لاہور ۱۸۸۴ء

۶۔ نامی، غلام دستگیر: بزرگانِ لاہور، لاہور ۱۹۶۶ء،

7- Bell, M.E: Annexation of the Punjab, Lahore, 1975.

جولائی ۱۹۹۸ء

برائے دانشنامہ کشبہ قارہ

شیخ غلام حسن شہید ملتانی

خواجہ غلام حسن شہید تیرھویں صدی ہجری / انیسویں صدی عیسوی کے ایک عالم، صوفی، مؤلف اور شاعر تھے۔

خواجہ غلام حسن کے والد منشی جان محمد بن منشی عاقل محمد، راجپوتوں (Rajputs) کی ایک شاخ ملن ہانس (Milan Hans) سے تعلق رکھتے تھے خواجہ جان محمد اور عاقل محمد دونوں ملتان کے اہل علم اور فارسی کے انشاء پرداز تھے اور امرائے سدوزئی (Sudozai) کے ہاں "منشی خانہ" سے وابستہ تھے، جس میں تمام پروانہ جات، خطوط اور فرامین وغیرہ تحریر کیے جاتے تھے۔

ملتان کے حاکم نواب مظفر خان شہید (۱۱۹۲۔ ۱۲۳۳ھ / ۱۷۷۸۔ ۱۸۱۸ء) کے زمانہ میں خواجہ غلام حسن کی تعلیم و تربیت ہوئی اُن کی ولادت ۱۲۰۲ھ / ۱۷۸۲ء کو ملتان میں ہوئی۔ ملتان کے معروف صوفی حافظ محمد جمال ملتانی (ف ۱۲۲۶ھ کے ساتھ خواجہ غلام حسن کے خاندانی مراسم تھے اس لیے موصوف انہیں کم سنی میں ہی اپنے ساتھ اپنے مستقر میں لے گئے وہیں ان کی تعلیم و تربیت و پرورش ہوئی، حافظ محمد جمال کے صدہا مریدین و خلفاء تھے (گلشن ابرار خطی برگ ۲۶۶۔ الف، حدیقۃ الاسرار ۱۳۹)

اس عہد کے رواج کے مطابق تحصیل کے بعد خوش نویسی اور انشاء میں مہارت حاصل کی ملتان کے سکھ ناظمین دیوان ساون مل اور اس کے فرزند دیوان مولراج کے ہاں آپ منشی تھے اسی طرح آپ نواب مظفر خان شہید مذکور کے محکمہ انشاء میں بھی منشی رہے۔ لاہور کے حاکم مہاراجہ رنجیت سنگھ (Maharaja Ranjeet Singh) (۱۷۹۹۔ ۱۸۳۹ء) نے نواب مظفر خان کی شہادت کے بعد ۱۸۱۸ء میں ملتان پر قبضہ کرنے کی کوشش کی، جس میں انگریزوں نے بھی مداخلت کی، شیخ غلام حسن اس وقت کی ضرورت کے مطابق فوجی تربیت بھی حاصل کر چکے تھے، یہ بات عوام و خواص میں مشہور تھی کہ جب تک شیخ غلام حسن زندہ ہیں غیر مسلموں کا ملتان پر تسلط

نہیں ہو سکتا، ایک انگریز نے موقع پر انہیں گولی ماردی (حکم چند: تواریخ ملتان ۸۸) ان حالات میں پورے پنجاب اور ملتان میں مسلمانوں کے لیے معاشرتی بے چینی اپنے انتہائی عروج پر تھی۔

شیخ غلام حسن کو ۲۹ محرم ۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۵ء میں گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔ ان کے فرزندِ اکبر خواجہ غلام یٰسین آپ کے سجادہ نشین بنے۔ حافظ محمد جمال کی تعلیم و تربیتِ روحانی سے خواجہ غلام حسن شہید کی زندگی معرفت سے عبارت ہو کر مخلصین کی اصلاح کا سبب بنی، بہت سے مریدین و خلفاء تھے، نظریۂ وحدت الوجود پر کامل یقین رکھتے تھے ان کی تحریرات سے بھی اس کا عکس جھلکتا ہے۔

خواجہ غلام حسن فارسی، اُردو اور سرائیکی زبانوں میں شعر کہتے تھے فارسی میں ان کا تخلص حسن اور سرائیکی میں گانمن (Ghaniman) تھا۔ ان کی تالیفات تصوّف کے موضوع پر ہیں جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

۱۔ خلاصۃ السلوک (فارسی نثر) اور فوائدِ سلوک و مسائلِ توحید (وحدت الوجود)، خطی مملوکہ جناب خلیل الرحمٰن داودی مرحوم (لاہور) ۲۔ رسالہ موجِ دریا ۳۔ بحر الامواج ۴۔ حسنیہ در اصطلاحاتِ صوفیہ ۵۔ نور الہدیٰ ۶۔ نور الہدایت (منظوم فارسی) ۷۔ کلمات الانصاف ۸۔ رفیق الفقراء ۹۔ انوارِ جمالیہ (حالات حافظ محمد جمال) ملتانی ۱۰۔ انشائے گلزارِ معانی ۱۱۔ دیوانِ حسن، اصل دیوان ملتان پر سکھوں کے حملوں کے دوران تلف ہو گیا بعد میں ان کے ایک مرید نظام الدین رنگریز نے ان کا کلام جمع کیا، ایک اور انتخاب بھی ہے جس میں اُردو، پنجابی اور سرائیکی زبانوں کے اشعار شامل ہیں، اول الذکر نسخہ مرتبہ رنگریز ایک مرتبہ ملتان سے طبع ہوا تھا۔ (پاکستان میں فارسی ادب ۴/ ۲۹۸، ملتان کی ادبی وتہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ ۳۵۲)

خواجہ غلام حسن شہید نے اپنے شیخ حافظ محمد جمال ملتانی کے احوال پر ایک عمدہ رسالہ "انوارِ جمالیہ" کے نام سے لکھا تھا جو فارسی نثر میں ہے اور طبع ہو چکا ہے۔ اس کے چار مختصر حصے ہیں اول میں نعت اور خواجگانِ چشت کے شجرات، دوم میں حافظ محمد جمال کے احوال و ملفوظات، سوم میں حافظ محمد جمال کے خلیفہ خواجہ خدا بخش ملتانی کے حالات اور چہارم میں خواجہ نور محمد مہاروی کی اولاد اور خلفاء کا بیان ہے۔

خواجہ غلام حسن شہید کے مناقب پر ان کے ایک مریدِ خاص خواجہ نظام الدین رنگریز نے ایک رسالہ شمائلِ حسنیہ فارسی میں لکھا تھا، جس کا خطی نسخہ خواجہ غلام حسن کی درگاہ کے کتابخانہ (ملتان) میں ہے۔

خواجہ غلام حسن کی تصانیف زیادہ تر فارسی میں ہیں ان کی زبان عام فہم اور مخلصین وسالکین کے لیے راہِ ہدایت کا کام دیتی ہیں، چشتی سلسلہ کی خانقاہوں میں ان کے فارسی اور سرائیکی دوہڑے قوال باقاعدہ گاتے تھے، ملفوظات نافع السالکین (ص ۱۱۲) میں ایسے اشعار نقل ہوئے ہیں۔

مآخذ

۱۔ امام بخش مہاروی: گلشنِ ابرار، خطی مخزونہ کتابخانہ خانقاہِ خواجہ نور محمد مہاروی

۲۔ ایضاً: مخزنِ چشت، ملخص اُردو ترجمہ افتخار احمد چشتی، فیصل آباد، ۱۹۸۷ء

۳۔ امام بخش جام پوری: حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار، لاہور (س۔ن)

۴۔ حکم چند: تواریخ ملتان، لاہور، ۱۸۸۸ء

۵۔ روبینہ ترین: ملتان کی ادبی وتہذیبی زندگی میں صوفیاء کرام کا حصہ، ملتان، ۱۹۸۹ء

۶۔ ظہور الدین احمد: پاکستان میں فارسی ادب، جلد چہارم، لاہور، ۱۹۸۵ء

۷۔ عمر کمال خان: نواب مظفر خان شہید اور اس کا عہد، ملتان، ۱۹۷۸ء

۸۔ غلام حسن شہید ملتانی: دیوانِ حسن، ملتان، مقبول آرٹ پریس (س ن)

۹۔ ایضاً: خلاصۃ السلوک خطی مملوکہ جناب خلیل الرحمٰن داؤدی، لاہور

۱۰۔ ایضاً: انوارِ جمالیہ (احوال حافظ محمد جمال ملتانی) مطبوعہ لاہور (س ن)

۱۱۔ عبد العزیز پرہاروی: گلزارِ جمالیہ (حالات حافظ محمد جمال ملتانی)، آگرہ، ۱۳۱۵ھ

۱۲۔ محمد حسین للٰہی: حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء، لاہور، ۱۹۷۹ء

۱۳۔ محمد نواب مرزا بیگ: تحفۃ الابرار، دہلی، ۱۳۳۵ھ

۱۴۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت، دہلی ۱۹۸۴ء

۲۱ نومبر ۲۰۰۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی

خواجہ محمد سلیمان تونسوی تیرہویں صدی ہجری کے معروف ترین مشائخ طریقت میں سے تھے۔

خواجہ محمد سلیمان کے والد زکریا بن عبدالوہاب بن عمر خان تھے، افغانوں کی ایک شاخ جعفریہ (جعفر خانی) سے تعلق تھا۔ خواجہ سلیمان کی ولادت ۱۱۸۴ھ / ۱۷۷۰ء کو "گڑگوجی" (Gurgoji) میں ہوئی جو قصبہ تونسہ (Tounsa) سے تیس کوس کے فاصلے پر ہے۔ (نافع السالکین ۱۱) چونکہ آپ افغان تھے اپنے علاقہ میں دوہیلہ کے نام سے پکارے جاتے تھے۔

ابتدائی تعلیم اپنے علاقے میں ملا یوسف جعفر خانی کی خدمت میں رہ کر حاصل کی پھر تونسہ جا کر مزید پڑھا۔ اس زمانے میں خواجہ نور محمد مہاروی نے کوٹ مٹھن (Cout Mithan) میں ایک بڑا مدرسہ بنایا تھا، خواجہ سلیمان کوٹ مٹھن چلے گئے اور وہاں کے مدرسہ سے فارغ التحصیل ہو کر آئے۔ (خاتم سلیمانی ۲۱۔ ۲۲، ۲۶، نافع السالکین ۱۴۳)

ان علاقوں میں شاہ فخر الدین دہلوی (ف ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۴ء) کے خلیفہ خواجہ نور محمد مہاروی (ف ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۱ء) کا بڑا چرچا تھا، چنانچہ زمانۂ طالب علمی میں ہی خواجہ تونسوی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے بیعت کی اور خواجہ مہاروی کے حکم پر پھر تحصیل علم میں لگ گئے، تکمیل کے بعد خواجہ مہاروی نے انہیں روحانی تعلیم کی طرف راغب کیا۔ بیعت کے بعد خواجہ تونسوی بزرگوں کے مزارات کی زیارت کے لیے طویل سفر پر گئے چشتی سلسلے کے سارے ہندوستانی بزرگوں کے مراکز میں حاضر ہوئے خواجہ فخر الدین ان کے دہلی پہنچنے سے صرف دو یوم قبل وصال فرما گئے (۲۷ جمادی الآخر ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۵ء)۔ خواجہ تونسوی واپس اپنے مستقر میں آگئے اور اپنے شیخ سے تصوف کی بنیادی کتابیں پڑھیں۔ (خاتم سلیمانی ۴۲) خواجہ تونسوی ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۴ء کو خواجہ مہاروی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور ان کے وصال ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء تک یعنی کل چھ سال مرشد کی صحبت میں گذارے

(نافع السالکین ۱۴۰) خواجہ مہاروی نے اپنے آخری سالِ حیات میں انہیں خلافت دے کر تونسہ میں قیام کرنے کا حکم دیا۔ آپ پہلے آٹھ سال تو اپنے آبائی گاؤں میں رہے پھر ۱۲۱۴ھ / ۱۷۹۹ء کو تونسہ میں آکر مقیم ہو گئے۔ جو ڈیرہ غازی خان میں دریائے سندھ کے مغربی کنارے سے چھ میل اور نہر سنگھڑ (Sanghar) کے کنارے پر واقع ہے اور شہر ڈیرہ غازی خان سے اڑتالیس میل کے فاصلے پر ہے۔ یہیں خانقاہ کی بنیاد ڈالی اور دعوت و ارشاد میں مصروف ہو گئے۔ (ذکرِ حبیب ۲۸۲) ایک مدرسہ بھی بنایا اور درس و تدریس کا سلسلہ بھی شرع کر دیا۔ اس مدرسہ میں بڑے بڑے علماء تدریس کا فریضہ انجام دیتے تھے استادوں کی تعداد پچاس تھی، ہزارہا طلبہ نے ان سے استفادہ کیا۔ (مقدمہ تونسہ ۱۲) خواجہ تونسوی کا قائم کردہ یہ مدرسہ عرصہ دراز تک جاری رہا ۱۸۴۹ء کے الحاق پنجاب اور اس کے بعد ۱۸۸۲ء تک وہاں عربی فارسی اور دینی علوم کی تمام بنیادی کتب پڑھائی جاتی تھیں

(History of Indigenous Education in Punjab. p.II p.174)

خواجہ تونسوی اپنے اکابر مشائخ چشتیہ کی روایت کے مطابق سلاطین و امراء سے قطع تعلق رکھنے کے خواہش مند تھے لیکن اصحاب ریاست بصد عجز و نیاز حاضر ہوتے تھے ان میں نواب لعل خان حاکم سنگھڑ اور اس کے جانشینوں کے ساتھ خواجہ تونسوی کے تعلقات مسلسل کشیدہ رہے۔ امیر دوست محمد خان (۱۸۴۲۔۱۸۶۳ء) والی کابل نے انگریزوں سے جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا تو اس جہاد میں اس نے خواجہ تونسوی سے کامیابی کے لیے دعا کی درخواست کی۔ (مناقب المحبوبین ۲۱۲)

بہاول خان ثانی (۱۱۸۶۔۱۲۲۴ھ / ۱۷۷۲۔۱۸۰۹ء) خواجہ تونسوی کے مرید تھے۔ نواب صادق خان ثانی (۱۲۲۴۔۱۲۴۱ھ / ۱۸۰۹۔۱۸۲۵ء) بھی عقیدت مندانہ جذبات رکھتا تھا (ہمانجا ۱۹۹)

خواجہ تونسوی کے مریدین لاتعداد تھے ان کی خانقاہ کا چرچا پنجاب کے علاوہ صوبہ ہائے متحدہ، راجپوتانہ سے گذر کر افغانستان، جزیرہ سراندیپ، عدن، بلوچستان اور ترکستان تک ہو چکا تھا۔ (خاتم سلیمانی ۹) ان کے خلفاء ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئے اور رشد و ہدایت کے وہ چراغ روشن کیے کہ ایک بار پھر صوفیہ متقدمین کی خانقاہوں کے نقشے آنکھوں کے سامنے آ گئے۔ ان کی زندگی کا اصل مقصد اسلامی سوسائٹی کی اصلاح تھا۔ وہ صوفیہ اور علماء کی اصلاح چاہتے تھے خواجہ تونسوی علماء کی گمراہی ساری قوم کی گمراہی کے برابر خیال کرتے تھے، ان کی محفل میں اکثر

یہ جملہ "فساد العالم فساد العالم" دہرایا جاتا تھا۔ (نافع السالکین ۲۰) آپ نے ان کی اصلاح کی بھرپور کوشش کی۔ اور انہیں بار بار تنبیہ کرتے رہتے۔

خواجہ سلیمان تونسوی کا وصال ۷ صفر ۱۲۶۷ھ / دسمبر ۱۸۵۰ء کو ہوا۔ تونسہ میں اپنے عبادت خانہ میں دفن کیے گئے۔ آپ کے مزار پر نواب بہاول خان ثالث (۱۲۴۱۔۱۲۶۹ھ / ۱۸۲۵۔۱۸۵۲ء) نے سنگ مرمر کا شاندار مقبرہ بنوایا۔ (خاتم سلیمانی ۱۵۰) اس عہد کے اکابر شعراء نے قطعاتِ تاریخ وفات لکھے۔ (مناقب المحبوبین ۳۱۷۔۳۱۹)

خواجہ تونسوی کے تین فرزند تھے۔

خواجہ گل محمد (ف ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء)، خواجہ درویش محمد اور خواجہ عبداللہ یہ تینوں خواجہ تونسوی کے حین حیات ہی فوت ہو گئے تھے، اس لیے خواجہ تونسوی کی وفات کے بعد ان کے پوتے خواجہ الہ بخش تونسوی (رک باں) سجادہ نشین ہوئے۔

خواجہ سلیمان تونسوی کے خلفاء بھی کثیر تعداد میں تھے اور ہندوستان سے لے کر خراسان تک مصروف کار تھے (تکملہ سیر الاولیاء ۱۳۵) ایک عصری شہادت کے مطابق خواجہ تونسوی نے تقریباً ستر بزرگوں کو خلافت کا منصب دیا۔ (مناقبِ حافظیہ ۱۴) مختلف تذکروں میں ان کے ۶۳ خلفاء کے نام درج ہیں (تاریخ مشائخ چشت ۵ / ۳۸۱۔۳۸۲)

جن میں سے بعض اہم نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا محمد علی مکھڈی (ف ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء) مکھڈ، ضلع کیمبل پور

۲۔ خواجہ شمس الدین سیالوی (ف ۱۳۰۰ھ / ۱۸۶۶ء)، سیال ضلع سرگودھا۔

۳۔ خواجہ فیض بخش للہی (ف ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۶ء)، للہ ضلع جہلم

۴۔ (حافظ سیّد محمد علی خیر آبادی (ف ۱۲۶۶ھ / ۱۸۴۹ء)، خیر آباد

۵۔ حاجی نجم الدین (مؤلف مناقب المحبوبین) شیخاواٹی، راجپوتانہ

۶۔ خواجہ محمد فاضل (ف ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء)، گڑھی افغانان، (راولپنڈی)

(خواجہ سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء ۱۴۷۔۱۴۸)

۷۔ صاحبزادہ غلام نصیر الدین عرف کالے صاحب

۸۔ مولوی امام الدین مؤلف نافع السالکین

خواجہ سلیمان تونسوی کی کوئی تصنیف یادگار نہیں ہے البتہ ان کے بعض خلفاء نے ان کے ملفوظات کے مجموعے مرتب کیے تھے جن میں سے بعض کی تفصیل بیان کی جارہی ہے:

۱۔ ملفوظات شریف:

اس مجموعہ کے جامع (مرتب) مولوی غلام حیدر ہیں۔ اس میں محفلوں کی جو تاریخیں درج ہیں ان میں ۹ شوال ۱۲۵۶، صفر ۱۲۵۶، اور ۱۲۵۹ھ / ۱۸۴۳ء ہیں۔ اس میں ضمناً خواجہ تونسوی کے حالات اور خلفاء کا ذکر بھی ہے۔

اس کا ایک خطی نسخہ آقا خلیل الرحمٰن داؤدی کے کتب واقع لاہور میں ہے۔

۲۔ منتخب المناقب:

اس مجموعہ کے مرتب یار محمد ذوقی بن تاج محمد پاکپتنی ہیں۔ یہ مجموعہ فارسی نثر میں ہے اس کے خطی نسخے کتابخانہ چشتیہ فیصل آباد، کتابخانہ مولانا محمد علی کھڈ (اٹک) میں ہے (فہرست مشترک ۳/ ۲۰۴۳) ایک اور خوش خط نسخہ ڈاکٹر ظفر اقبال استاد شعبہ اُردو کراچی یونیورسٹی کے پاس ہے۔

۳۔ نافع السالکین:

اس کے جامع امام الدین خواجہ تونسوی کے خلیفہ تھے۔ یہ فارسی نثر میں ہے۔ اس مجموعہ میں تاریخ و سنہ وار مجالس کا تذکرہ نہیں ہے صرف آخری تاریخ ۱۲۶۷ھ کی ہے یہی خواجہ تونسوی کا سالِ وصال ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے مرتب اس سنہ تک اس میں اضافہ کرتے رہے۔

اس کے فارسی متن کی دو اشاعتیں ہمارے پیش نظر ہیں:

۱۔ مطبوعہ مطبع ہوپ، ۱۲۸۵ھ ۲۔ مطبوعہ مطبع مرتضوی دہلی، ۱۳۱۰ھ

محمد حسین للٰہی نے اس کا اُردو ترجمہ بھی کیا ہے جو لاہور سے ۱۳۸۵ھ میں شائع ہوا۔

۴۔ مناقبِ سلیمانی:

مولفہ مولوی غلام محمد خان سلیمانی۔ یہ فارسی نثر میں ہے۔ اس کے مرتب ۱۲۵۵ھ کو پہلی بار خواجہ تونسوی سے ملے اور بیعت ہوئے انہوں نے اس میں خواجہ تونسوی کے حالات اور ملفوظات جمع کر دیئے ہیں۔ مطبع احمدی، دہلی سے ۱۸۷۱ء میں شائع ہوئے۔

۵۔ مناقب المحبوبین:

مولفہ خواجہ نجم الدین شیخاواٹی (راجپوتانہ) خواجہ تونسوی کے خلیفہ تھے انہوں نے اس کتاب میں خواجہ نور محمد مہاروی اور خواجہ تونسوی کے حالات لکھے ہیں۔ اس میں خواجہ تونسوی کے صرف ایسے ملفوظات ہیں جن میں سے اکثر خود مؤلف نے براہِ راست خواجہ تونسوی سے سنے، ملفوظات کے مجموعوں میں یہ کتاب سب سے ضخیم ہے۔ فارسی نثر میں ہے مؤلف خود شاعر تھے اس لیے جابجا عمدہ اشعار فارسی بھی نقل کر کے مافی الضمیر کو مؤثر بنایا ہے۔

اس کتاب کا فارسی متن دوبار طبع ہو چکا ہے۔ اول مطبع حسنی ۱۲۸۹ھ دوم مطبع محمدی لاہور ۱۳۱۲ھ اس کا ملخص اُردو ترجمہ افتخار احمد چشتی نے کیا جو لاہور سے ۱۹۷۹ء کو شائع ہوا۔

ملفوظات کے ان مجموعوں کے علاوہ ایک مجموعہ احمد یار پاک پٹنی کا بھی ہے جو اب نایاب ہے اس طرح ایک اور مجموعہ ملفوظات "راحت العاشقین" کے نام سے ہے جس کے جامع مولوی محمد ہیں اس کا ایک قلمی نسخہ کتابخانہ مولانا محمد علی مکھڈ (Makhadd) (اٹک) میں ہے۔ اسی طرح بعض معاصر، قریب العہد اور خاندانی تذکرہ نویسوں نے بھی خواجہ تونسوی کے معارف وملفوظات نقل کیے ہیں۔ ان میں امام بخش مہاروی کا گلشن ابرار اور انہی کا مخزنِ چشت، خاتم سلیمانی، سیرتِ سلیمان مولفہ مولوی صالح محمد اور تذکرۃ المشائخ مولفہ مولا بخش قابل ذکر ہیں۔

مآخذ

۱۔ احمد علی، مولوی: قصر عارفان مرتبہ محمد باقر، مشمولہ اورینٹل کالج میگزین لاہور، ۶۵۔۱۹۶۶ء

۲۔ افتخار احمد چشتی: تذکرہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی، فیصل آباد، ۱۹۸۷ء

۳۔ الہ بخش: خاتم سلیمانی جلد اول لاہور، ۱۳۲۵ھ

۴۔ امام الدین مہاروی: گلشن ابرار، عکس مملوکہ جناب اسد نظامی، ملتان (جہانیاں)

۵۔ ایضاً: مخزنِ چشت، عکس مملوکہ جناب اسد نظامی، ملتان (جہانیاں)

۶۔ امام الدین شاہ اعظمی: نافع السالکین، لاہور ۱۲۸۵ھ

۷۔ صالح محمد: سیرت سلیمان، لاہور، ۱۹۳۵ء

۸۔ غلام محمد سلیمانی: مناقبِ سلیمانی، دہلی، ۱۸۷۱ء

۹۔ فیض اللہ خان قصوری: مقدمہ تونسہ شریف، لاہور ۱۹۲۵ء

۱۰۔ گل محمد احمد پوری: تکملہ سیر الاولیاء، دہلی، ۱۳۱۲ھ

۱۱۔ للہی، محمد حسین: خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء، لاہور، ۱۹۷۹ء

۱۲۔ محمد الدین، ملک: ذکرِ حبیب، پنڈی بہاء الدین، ۱۳۴۲ھ

۱۳۔ منزوی، احمد: فہرستِ مشترک ج ۳، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء

۱۴۔ مولا بخش: تذکرۃ المشائخ، فیروز پور، ۱۳۰۴ھ

۱۵۔ نجم الدین شیخاوائی: مناقب المحبوبین، لاہور، ۱۳۱۲ھ

۱۶۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت ج ۵، دہلی ۱۹۸۴ء

۱۷۔ نور محمد کھڈوی: غذا المحبین وسم المعاندین (ملفوظات خواجہ الہ بخش تونسوی)، خطی نسخہ مملوکہ آقا غلیل الرحمٰن داودی، لاہور۔

18- Leitner, C.W: History of Indigenous Education in Punjab. (rep.) Lahore, 1991.

۷ جولائی ۱۹۹۸ء

۱۲ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ

برائے دانشنامہ کشمیر قارہ

حضرت خواجہ الہ بخش تونسوی

خواجہ الہ بخش تونسوی انیسویں صدی عیسوی کے ایک نامور شیخ طریقت تھے۔

خواجہ سلیمان چشتی تونسوی (رک باں) کے فرزند اکبر خواجہ گل محمد (ف ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء) کے دو صاحبزادے تھے اول خواجہ الہ بخش دوم خواجہ خیر محمد، خواجہ الہ بخش کی ولادت تونسہ (Tounsa) ضلع ڈیرہ غازی خان (Dera Ghazi Khan) میں ذی الحج ۱۲۴۱ھ / ۱۸۲۵ء کو ہوئی اور اپنے دادا خواجہ محمد سلیمان تونسوی کی وفات ۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۰ء کے بعد خانقاہِ تونسہ کے سجادہ نشین ہوئے (مناقب المحبوبین ۳۲۵، ۳۲۷، خاتم سلیمانی میں سالِ ولادت ۱۲۴۲ھ درج ہے جو سہوِ کتابت ہے ۱۵۱)

خواجہ الہ بخش تونسوی تحصیلِ علم کے لیے مولانا محمد امین کی خدمت میں حاضر ہوئے جو خواجہ سلیمان تونسوی کے مرید تھے ابتدائی تعلیم سے لے کر تفسیر و حدیث تک انہی سے پڑھی۔ (خاتم سلیمانی ۱۹۰) خلافت یاب بھی اپنے دادا خواجہ سلیمان تونسوی سے ہوئے۔ پھر چشتی مشائخ کے مزارات کی زیارت کے لیے طویل سفر اختیار کیا۔ ۱۲۷۰ھ / ۱۵۸۳ء کو بہت سے مریدین کے ہمراہ دہلی روانہ ہوئے زیارت کے دوران جب خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے مزار پر پہنچے تو آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر (۱۸۴۹۔۱۸۵۷ء) زیارت کے لیے حاضر ہوا (مناقب المحبوبین ۳۳۔۳۳۴) ۱۲۹۹ھ / ۱۸۸۱ء کو اپنے بعض مریدین کے ہمراہ حج کے لیے حرمین الشریفین گئے (مرآۃ العاشقین ۲۲۵۔۲۲۶) تونسہ میں زائرین کی سہولت کے لیے کئی عمارتیں بنوائیں۔ خواجہ الہ بخش مسلمانوں کے ہر طبقہ کی اصلاح و تربیت کرنا چاہتے تھے۔ طبقۂ علماء کی اصلاح پر زیادہ زور دیتے تھے ان کا خیال تھا کہ علماء کی اصلاح سے مسلم سوسائٹی کا بڑا طبقہ خود بخود صحیح راہ پر آجائے گا۔ (تاریخ مشائخ چشت ۵ / ۴۳۹)

خواجہ الہ بخش مدت العمر روحانی اصلاح و تربیت میں سرگرم عمل رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انیسویں صدی میں چشتیہ سلسلہ کی رونق ان ہی کے دم سے تھی۔

خواجہ الہ بخش تونسوی کا وصال ۲۹ جمادی الاول ۱۳۱۹ھ / ۱۳ ستمبر ۱۹۰۱ء کو ہوا عمر اٹھتر (۷۸) برس تھی تونسہ میں روضہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی میں دفن ہوئے (خاتم سلیمانی ۱۶۴، تاثیر درد ۸، ۱۲)

خواجہ الہ بخش کے تین فرزند تھے خواجہ حافظ محمد موسیٰ، میاں احمد اور خواجہ محمود، ان میں میاں احمد کا آپ کے حین حیات انتقال ہو گیا باقی دونوں بیٹوں نے تحصیل علم کے بعد اپنے والد کی جانشینی اختیار کی اور دونوں سے الگ الگ سلسلے جاری ہوئے ان میں حافظ محمود بڑے عالم تھے عربی، فارسی، اُردو، پشتو اور بلوچی زبانوں پر مہارت تامہ رکھتے تھے۔ مثنوی مولانا روم کا درس خاص انداز سے دیتے تھے۔

خواجہ الہ بخش تونسوی کے بہت سے خلفاء تھے جن میں سے چند قابلِ ذکر اصحاب یہ ہیں:

حافظ محمد موسیٰ، حافظ محمود، شاہ محمد عبدالصمد فخری دہلوی، سیّد احمد شاہ عرف کمبل پوشی دہلوی، امیر احمد بسالوی، میاں حافظ حبیب اللہ عرف حافظ بولا، مولوی احمد خان میروی، مولوی شرف الدین فیروز پوری، غلام حسن خان، مولوی جان محمد۔ (تاریخ مشائخ چشت ۵/ ۴۴۱، خاتم سلیمانی ۱۷۹۔ ۲۴۳) مولانا غلام محی الدین کھڈوی، خواجہ محمد الدین سیالوی، مولانا ناصر الدین للہی (خواجہ سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء ۱۷۲)

خواجہ الہ بخش تونسوی کے مریدین میں سے مولوی غلام احمد بریاں (رک باں) نے تصوف کی خدمت انجام دی اور اس سلسلے کے بزرگوں کے حالات و ملفوظات کی اشاعت میں بہت کوشش کی۔ خواجہ الہ بخش کے مریدین میں سے خواجہ محمد اکبر بصیر پوری (۱۲۷۲۔ ۱۳۳۵ھ / ۱۸۵۲۔ ۱۹۱۶ء)، مولوی عبدالحق خیر آبادی (فرزندِ مولانا فضلِ حق خیر آبادی) مشہور فلسفی تھے اور اواخرِ عمر میں خواجہ تونسوی کے زیر اثر فلسفۂ سے تصوف کی طرف راغب ہو گئے تھے۔ ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء کو انتقال ہوا (تذکرہ کاملانِ رام پور ۱۹۹۔ ۲۰۰) اپنے علمی تبحر کی وجہ سے شہرتِ دوام کے مالک ہیں۔

خواجہ الہ بخش تونسوی کے معاصر سلاطین و امراء عقیدت مندانہ روابط تھے۔ بہادر شاہ ظفر کا ذکر کیا جا چکا ہے اس کے علاوہ نواب محمد بہاول خان ثالث والی بہاول پور (۱۲۴۱۔ ۱۲۶۹ھ / ۱۸۲۵۔ ۱۸۵۲ء) آپ کا معتقد تھا (خاتم سلیمانی ۲/ ۵۰) اور نظام الدین خان آف ریاست ممدوٹ (Mamdot) نے تو باقاعدہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ (ہمانجا ۷۷)

خواجہ الہ بخش تونسوی تصنیف وتالیف کے لیے فراغت نہیں رکھتے تھے بلکہ دعوت وارشاد میں مصروف رہتے تھے البتہ آپ کے ملفوظات کے چند مجموعے مرتب ہوئے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ تنویر القلوب فی لطائف المحبوب: جامع (مرتب) احمد خان بختیار

یہ مجموعہ فارسی نثر میں ہے، اور اس کا خطی نسخہ بخطِ مرتب کتابخانہ درگاہِ خواجہ الہ بخش تونسہ میں ہے۔(خواجہ محمد سلیمان تونسوی اوران کے خلفاء ۱۷۲۔۳۵۷)

۲۔ ملفوظات خواجہ الہ بخش: جامع گل محمد خان

یہ مجموعہ بھی فارسی نثر میں ہے۔اس کا اور تنویر القلوب دونوں مجموعوں کا اُردو ترجمہ خاتم سلیمانی کی جلد دوم (مطبوعہ) میں شامل ہے۔

۳۔ مفید السالکین: جامع شاہ سوار بن مولوی عبدالجلیل ڈہلکو، فارسی نثر میں ہے، خطی مخزونہ خانقاہِ تونسہ۔

۴۔ غذا المحبین وسم المعاندین:

اس مجموعہ کے جامع حافظ نور محمد کھڈوی ہیں۔یہ بھی فارسی نثر میں ہے اور جابجا فارسی، اُردو سرائیکی اشعار بھی نقل کیے گئے ہیں۔

اس مجموعۂ ملفوظات کا آغاز صفر ۱۳۱۴ھ سے ہوتا ہے اور خواجہ الہ بخش تونسوی کے سال وصال ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء پر ختم ہو جاتا ہے۔گویا یہ آخری مجموعہ ہے۔یہ ابھی تک شائع نہیں ہوا اس کے تین خطی نسخے ملتے ہیں۔اول کتابخانۂ خانقاہِ تونسہ دوسرا کتابخانہ دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ، ہری پور ہزارہ پاکستان میں ہے (فہرستِ مشترک ۳/ ۱۷۱۵)

تیسرا نسخہ اس وقت ہمارے پیش نظر ہے جو آقا خلیل الرحمن داؤدی لاہور پاکستان کے پاس ہے۔یہ ضخیم نسخہ بڑے سائز کے ۲۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

مآخذ

۱۔ احمد علی، مولوی: قصرِ عارفان مرتبہ محمد باقر، مشمولہ اورینٹل کالج میگزین لاہور ۶۵۔۱۹۶۶ء

۲۔ الٰہ بخش: خاتم سلیمانی (احوال و ملفوظات خواجہ سلیمان و خواجہ الٰہ بخش تونسوی) لاہور، ۱۳۲۵ھ و بخش دوم باسم سیرۃ المحمود، ملتان، ۱۳۵۰ھ

۳۔ افتخار احمد چشتی: تذکرہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی، فیصل آباد، ۱۹۸۷ء

۴۔ امام الدین (جامع) نافع السالکین، لاہور ۱۲۸۵ھ

۵۔ امیر بخش: انوارِ شمسیہ (حالات و ملفوظات خواجہ شمس الدین سیالوی)، لاہور، ۱۹۱۶ء

۶۔ ثاقب، ابو محمد عبدالغنی: تاثیر درد (قصائدِ مدحیہ و قطعات تاریخ وفات خواجہ الٰہ بخش تونسوی) دہلی مطبع انصاری، ۱۳۱۹ھ

۷۔ شوق، احمد علی: تذکرہ کاملانِ رام پور، پٹنہ، ۱۹۸۶ء

۸۔ للٰہی، محمد حسین: خواجہ سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء، لاہور، ۱۹۷۹ء

۹۔ محمد سعید زنجانی: مرآۃ العاشقین (ملفوظات خواجہ شمس الدین سیالوی)، لاہور، ۱۳۰۳ھ

۱۰۔ منزوی، احمد (مرتب) فہرست مشترک ج۳، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء

۱۱۔ مولا بخش چشتی: تذکرۃ المشائخ، فیروز پور، ۱۳۰۴ھ

۱۲۔ نجم الدین چشتی شیخاوانی: مناقب المحبوبین، لاہور، ۱۳۱۲ھ

۱۳۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت، دہلی ج۵، ۱۹۸۴ء

۱۴۔ نور محمد کھڈوی: غذا المحبین وسم المعاندین۔ خطی نسخہ مملوکہ آقا خلیل الرحمٰن داودی لاہور

۶ جولائی ۱۹۹۸ء

برائے دانش نامہ شبہ قارہ

شیخ تاج محمود بن شیخ احمد علی

شیخ تاج محمود تیرھویں صدی ہجری کے پنجاب کے ایک صوفی عالم تھے۔ خواجہ نور محمد مہاروی چشتی (ف ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء) کے ایک بہت معروف و ممتاز خلیفہ قاضی خواجہ محمد عاقل (ف ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۴ء) تھے ان کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادے میاں قاضی احمد علی (ف ۱۲۳۱ھ / ۱۸۱۵ء) سجادہ نشین ہوئے ان کے دو فرزند تھے میاں خدا بخش اور خواجہ تاج محمود۔

قاضی احمد علی کے بعد میاں خدا بخش مسند نشین ہوئے۔ ان کا مختصر قیام اپنے آبائی قصبہ کوٹ مٹھن (Kort Mithan) میں رہا پھر چاچڑاں (Chacharan) چلے گئے۔ جہاں خانقاہِ چشتیہ کی بنیاد رکھی اور اُسے بڑی شہرت ملی۔ (تکملہ سیر الاولیاء ۱۵۵) ان کا ۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۲ء) کو انتقال ہو گیا (مناقبِ فریدی ۷۸) شیخ غلام فرید چاچڑاں والے انہی کے صاحبزادے تھے جن کا پنجابی و سرائیکی کلام بہت مشہور اور متداول ہے۔

میاں قاضی احمد علی کے دوسرے فرزند میاں قاضی تاج محمود سے بھی سلسلۂ چشتیہ کو پنجاب میں خوب فروغ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات میں بہت سی خوبیاں ودیعت کی تھیں۔ وہ عشقِ خداوندی کا مظہر تھے۔ (تکملہ سیر الاولیاء ۱۵۵) زہد و تقویٰ اور اتباعِ شرع شریف میں بہت معروف تھے (مناقب فریدی ۶۸)

میاں قاضی محمود سماع کے بہت دلدادہ تھے۔ اپنے بھائی خواجہ خدا بخش کی اولاد سے تعلق خاطر تھا۔ خواجہ غلام فرید چاچڑاں والے کی رسم بسم اللہ آپ ہی سے ادا کروائی گئی۔ (ہمانجا ۷۰)

میاں تاج محمود کے پانچ فرزند تھے۔

۱۔ خواجہ محمد شریف
۲۔ خواجہ گل محمد
۳۔ خواجہ خیر محمد
۴۔ خواجہ شیر محمد
۵۔ خواجہ غوث بخش

ان پانچوں صاحبزادوں نے سلسلۂ چشتیہ کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا، یہاں غوث بخش کے ایک بیٹے میاں ہوت تھے جن کے فرزند میاں عبداللہ سے بھی بہت سے اصحابِ باطن وابستہ تھے۔

قاضی تاج محمود کی اولاد نے علاقہ شدانی (Shadani) کو اپنا مستقر قرار دیا، اور وہیں دعوت وارشاد، درس وتدریس اور تبلیغِ دین میں اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔

میاں تاج محمود کے خلفاء میں سے حسب ذیل مشہور تھے:

میاں فضل علی، میاں محمد، مولوی محمد حامد، مولوی چندودہ (Chandodh) نے بھی اپنے اپنے آبائی قصبات میں جا کر خانقاہیں قائم کیں اور تبلیغ وارشاد کا آبائی سلسلہ جاری کیا۔

(مناقب المحبوبین ۹۴، تکملہ سیر الاولیاء ۱۵۶، خاتم سلمانی ۱۶۳ مناقب فریدی ۸۹، ۹۲، ۹۴ وبہ بعد)

تاج المثنوی نام کی ایک فصیح عربی مثنوی خواجہ نور محمد مہاروی کے مناقب میں ہے، جس میں شاعر کا تخلص "تاج الدین" درج ہوا ہے ممکن ہے یہ بھی تاج محمود ہوں، اس کا ایک خطی نسخہ جناب خلیل الرحمٰن داؤدی مرحوم کے پاس تھا۔

مآخذ

۱۔ احمد اختر، مرزا: مناقب فریدی، دہلی ۱۳۱۴ھ

۲۔ الٰہ بخش بلوچ: خاتم سلیمانی، لاہور ۱۳۲۵ھ

۳۔ شہاب، مسعود حسن: اولیاء بہاول پور، بہاولپور، ۱۹۷۶ء

۴۔ گل محمد احمد پوری: تکملہ سیر الاولیاء، دہلی، ۱۳۱۴ھ

۵۔ محمد حسین للّٰہی: خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء، لاہور، ۱۹۷۹ء

۶۔ نجم الدین شیخاوانی: مناقب المحبوبین، لاہور، ۱۳۱۲ھ

۷۔ نظامی، خلیق احمد، تاریخ مشائخ چشت ج ۵۔ دہلی، ۱۹۸۴ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی

خواجہ شمس الدین سیالوی تیرھویں صدی ہجری / انیسویں صدی عیسوی کے اکابر مشائخ میں سے تھے۔ جن سے دورِ آخر میں سلسلۂ چشتیہ کو رونق ملی اور اس کی نشر و اشاعت کا سلسلہ جاری رہا۔

خواجہ شمس الدین بن میاں محمد یار ۱۲۱۴ھ / ۱۷۹۹ء کو موضع سیال (ضلع سرگودھا پنجاب، پاکستان) میں متولد ہوئے، ان کا نسب اس علاقہ کے ایک بزرگ صوفی شیر کرم علیٰ سے ملتا ہے۔(امیر بخش: انوارِ شمسیہ ص ۲۰۔۲۱)

خواجہ شمس الدین نے ابتدائی تعلیم اپنے ماموں میاں احمد الدین سے حاصل کی اور پھر ایک چشتی بزرگ مولانا محمد علی مکھڈوی (۱۱۶۴۔۱۲۵۳ھ / ۱۷۵۰۔۱۸۳۲ء) کی خدمت میں موضع مکھڈ (Makhad) جاکر مزید تحصیل کا آغاز کیا۔ (ایضاً ۲۲) پھر کابل جاکر حافظ محمد احسن معروف بہ حافظ دراز (ف ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۶ء) کی خدمت میں فقہ و حدیث پڑھی اور ان سے سند حاصل کی۔ (ایضاً ۲۴)

فراغت کے بعد خواجہ شمس الدین اپنے استاد مولانا محمد علی مکھڈوی کے ہمراہ تونسہ (Tounsa) گئے جہاں آپ اس وقت کے مشہور چشتی بزرگ خواجہ محمد سلیمان تونسوی (ف ۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۰ء) سے بیعت ہو گئے، انہوں نے خواجہ تونسوی سے کتبِ تصوف کا درس بھی لیا اور شدید ریاضتیں کیں، خواجہ نے ۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء کو انہیں خلافت سے سرفراز فرماکر سیال جو ان کا آبائی مستقر تھا قیام کا حکم دیا (ایضاً ۴۰)

۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۲ء کو آپ نے سیال میں ایک بہت بڑی درسگاہ کی بنیاد رکھی جس میں اس وقت کے اکابر علماء درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے تھے اور آپ خود اس کی سرپرستی کرتے تھے۔ (خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء ۲۰۳، ۳۰۰ و بہ بعد) خواجہ شمس الدین کی دعوت و ارشاد کا شہرہ سارے پاکستان و ہند میں تھا ہر طرف سے اہلِ دل نے حاضر ہو کر بیعت کی اور بہت سے اصحاب کو سلسلۂ چشتیہ کی خلافت سے بھی نوازا گیا۔

خلیق احمد نظامی نے ۳۵ خلفاء کی فہرست مختلف تذکروں سے مرتب کی ہے۔ (تاریخ مشائخ چشت ۵/ ۴۲۱۔ ۴۲۳) جن میں سے دو اصحاب یعنی شیخ غلام حیدر (ف ۱۳۲۶/ ۱۹۰۸ء) نے جلال پور میں خانقاہِ چشتیہ کی بنیاد رکھی اور ان سے بہت سے اصحاب نے فیضِ باطنی پایا۔ دوسرے پیر مہر علی شاہ (ف ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء) نے گولڑہ (ضلع راولپنڈی، پنجاب پاکستان) میں ایک ایسی خانقاہ بنائی جس سے نہ صرف پنجاب بلکہ پورے ہندوستان میں سلسلہ کو فروغ ہوا۔

خواجہ شمس الدین سیالوی نے ۲۴ صفر ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۲ء کو وصال فرمایا۔ (ایضاً ۸۱۔ ۸۴) (مرآۃ العاشقین ۲۳۳)

خواجہ شمس الدین سیالوی کثرت کار اور دعوت و ارشاد میں مصروفیت کے باعث تصنیف و تالیف کا کام نہیں کر سکے۔ البتہ آپ کے ملفوظات سیّد محمد سعید بن سیّد حیدر شاہ حسینی زنجانی حنفی پھڑتھوی (Phirthawi) نے مرآۃ العاشقین کے نام سے مرتب کیے جو فارسی نثر میں ہیں اور مطبع مصطفائی لاہور سے ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۵ء کو طبع ہوئے، یہ ملفوظات موضوعاتی اعتبار سے عنوانات قائم کر کے ان کے تحت شیخ کے سخنان جمع کر دیئے گئے ہیں، ہر عنوان کو مرآۃ کا نام دیا ہے کل چالیس مرآۃ ہیں، ان کا آغاز شانزدہم جمادی الثانی ۱۲۸۷ھ سے ہوتا ہے اور آخری یعنی مرآۃ چہلم ہژدہم صفر ۱۳۰۰ھ کے فرمودات پر مشتمل ہے اسی ماہ میں خواجہ سیالوی کا وصال ہوا تھا یعنی ۲۴ صفر کو گویا ماہِ وصال تک کے سخنان جمع کر دیئے گئے ہیں۔

آپ کے خلفاء نے بھی ملفوظات نویسی کی روش کو قائم رکھا آپ کے نامور خلیفہ سیّد غلام حیدر جلال پوری مذکور کے ملفوظات فارسی نثر میں نور عالم پس پوری جہلمی نے نفحات المحبوب فی احیاء القلوب کے نام سے جمع کیے جو ۱۷ ربیع الثانی ۱۲۹۶ تا ۱۳۲۶ھ کے سخنان پر مشتمل ہیں۔ یہ مجموعہ لاہور سے ۱۳۲۷ھ کو طبع ہوا۔ اور ڈاکٹر عبدالغنی نے ملفوظات حیدری کے نام سے ان کا اُردو ترجمہ لاہور سے ۱۴۰۲ھ کو شائع کروایا۔ آپ کے ملفوظات و حالات کا دوسرا مجموعہ ذکرِ حبیب کے نام سے ملک محمد الدین نے مرتب کیا اور پنڈی بہاء الدین سے ۱۹۲۳ء کو طبع ہوا (یہ بزبان اُردو ہے)۔ اسی طرح آپ کے دوسرے معروف خلیفہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے نہ صرف ملفوظات کے کئی مجموعے مرتب ہوئے بلکہ ان کی کئی اہم تصانیف بھی شہرت رکھتی ہیں۔

مآخذ

۱۔ امام بخش جامپوری: حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار، لاہور، (س ن)

۲۔ امیر بخش، منشی: انوار شمسیہ باسم تاریخی خطبہ چشتیہ ۱۳۳۵ھ، لاہور ۱۹۱۶ء

۳۔ محمد حسین للٰہی: خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء لاہور، ۱۹۷۹ء

۴۔ محمد الدین، ملک: ذکرِ حبیب (ملفوظات و حالات شاہ غلام حیدر جلال پوری)، پنڈی بہاء الدین ۱۹۲۳ء

۵۔ محمد سعید زنجانی، سیّد: مرآۃ العاشقین (ملفوظات خواجہ شمس الدین سیالوی) لاہور ۱۳۰۳ھ

۶۔ محمد نواب مرزا بیگ: تحفۃ الابرار (احوال مشائخ چشتیہ) دہلی، ۱۳۳۵ھ

۷۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت (جلد پنجم) دہلی ۱۹۸۴ء

۸۔ نور عالم پس پوری: نفحات المحبوب فی احیاء القلوب، لاہور ۱۳۲۷ھ

۹۔ ایضاً: ملفوظات حیدری اُردو ترجمہ از عبد الغنی، لاہور ۱۴۰۴ھ

۲۱ نومبر ۲۰۰۷ء

بوقت نصف شب

برائے دانشنامہ کشمیر قارہ

حضرت خواجہ محمد الدین سیالوی

خواجہ محمد الدین سیالوی (۱۲۵۳۔ ۱۳۲۷ھ / ۱۸۳۷۔ ۱۹۰۹ء) پنجاب کے مشہور چشتی شیخ طریقت خواجہ شمس الدین سیالوی (۱۲۱۴۔ ۱۳۰۰ھ / ۱۷۹۹۔ ۱۸۸۲ء) کے فرزندِ اکبر و جانشین تھے، ان کو خواجہ محمد سلیمان تونسوی (۱۱۸۴۔ ۱۲۶۷ھ / ۱۷۷۰۔ ۱۸۵۰ء) سے خلافت حاصل تھی، دورِ آخر میں ان حضرات نے سلسلۂ چشتیہ کی اشاعت میں بنیادی کردار ادا کیا (مرآۃ العاشقین، انوارِ شمسیہ در احوال و خدماتِ روحانی خواجہ شمس الدین سیالوی)

خواجہ محمد الدین، اپنے والدِ گرامی کے وصال کے بعد تونسہ حاضر ہوئے تو خواجہ الہ بخش تونسوی (۱۲۴۱۔ ۱۳۱۹ھ / ۱۸۲۵۔ ۱۹۰۱ء) نے خود خرقۂ خلافت سے نوازا (انوارِ شمسیہ ۸۸) اور اَن گنت اصحاب نے ان سے روحانی فیض حاصل کیا، درویشوں اور خادموں کی سہولت کے لیے بہت سے اقدامات کیے، خواجہ محمد الدین کے چار فرزند اور ایک بیٹی تھی۔ خواجہ محمد امین (ف ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۴ء)، خواجہ ضیاء الدین سیالوی (ف ۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۹ء)، خواجہ محمد عبداللہ، خواجہ سعداللہ۔

خواجہ ضیاء الدین کے فرزند خواجہ قمر الدین سیالوی (شاگرد علامہ معین الدین اجمیری (ف ۱۳۵۹ھ / ۱۹۴۰ء) اور علامہ فضل حق خیر آبادی (ف ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء) تحریکِ آزادی میں بھرپور حصہ لیا اور علامہ شبیر احمد عثمانی (ف ۱۳۶۹ھ / ۱۹۴۹ء) نے آپ کو شیخ الاسلام کا خطاب دیا۔ (خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء ۲۰۹)

دورِ آخر میں ان سیالوی حضرات نے نہ صرف روحانی بلکہ علمی و سیاسی طور پر بھی پاکستان کی عزت و وقار میں اضافہ کیا۔

خواجہ محمد الدین سیالوی اور ان کے فرزندان گرامی و خلفاء نے پاکستان کے طول و عرض میں دینی مدرسے قائم کیے اور علمی و روحانی طبیب کی حیثیت سے قابل قدر خدمات انجام دیں، ان کے زمانہ میں سیال (ضلع جھنگ) کی درسگاہ سارے ہندوستان کی توجہ کا مرکز بن گئی اکابر علماء کو بیش قرار تنخواہیں دے کر یہاں درس و تدریس کی دعوت دی اور یہاں سے ہزار ہا تشنگانِ علم و معرفت نے سیراب ہو کر ملک کے دور دراز علاقوں میں جاکر علمی و روحانی خدمات انجام دیں۔ دہلی کے بین الاقوامی مدرسہ رحیمیہ کے بعد درس کا اعلیٰ ترین انتظام انہی حضرات کے ہاں تھا۔

خواجہ محمد الدین سیالوی کے سوانح و ملفوظات غلام دستگیر بیخود جالندھری نے محبوبِ سیال اور برکاتِ سیال کے نام جمع کیے جو طبع ہو چکے ہیں۔

مآخذ

۱۔ اختر راہی: تذکرہ علمائے پنجاب، لاہور ۱۹۹۸ء

۲۔ امیر بخش سیالوی: انوارِ شمسیہ، لاہور، ۱۹۱۶ء

۳۔ شرف، عبدالحکیم قادری: تذکرہ اکابر اہل سنت، لاہور، ۱۹۷۶ء

۴۔ محمد حسین للّٰہی: خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء، لاہور، ۱۹۷۹ء

۵۔ محمد سعید، سیّد: مرآۃ العاشقین (ملفوظات خواجہ شمس الدین سیالوی)، لاہور، ۱۳۰۳ھ

۶۔ مولا بخش چشتی: تذکرۃ المشائخ، فیروز پور، مطبع صدیقی، ۱۳۰۴ھ

۷۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت، جلد پنجم، دہلی، ۱۹۸۴ء

۱۷ مارچ ۲۰۱۱ء

برا۲۴ دانشنامہ شبہ قارہ

خواجہ سدید الدین تونسوی

حافظ سدید الدین تونسوی بیسویں صدی عیسوی کے مشہور شیخ طریقت اور پنجاب اسمبلی پاکستان کے رکن تھے۔

آپ ضلع ڈیرہ غازی خان (Dera Ghazi Khan) کے مشہور قصبہ (Tounsa) تونسہ کے چشتی مشائخ کے خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ سلسلۂ چشتیہ کی اس مشہور شاخ کے موسس خواجہ محمد سلیمان تونسوی (رک باں) تھے۔ ان کے سجادہ نشین خواجہ الہ بخش تونسوی (رک باں) تھے۔ ان کے فرزند اکبر خواجہ حافظ محمد موسیٰ (۱۲۶۹۔ ۱۳۲۳ھ / ۱۸۵۲۔ ۱۹۰۶ء) ایک ذی علم بزرگ تھے ان کے بڑے صاحبزادے خواجہ حامد (ف ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء) تھے جن کے عہد میں خانقاہِ تونسہ میں بعض خوشگوار تبدیلیاں ہوئیں۔ ان کے تین بیٹے تھے حافظ سید الدین، خواجہ خان محمد اور خواجہ محمد یوسف (مقدمہ تونسہ شریف ص ۸، سوانح خواجہ محمد موسیٰ تونسوی ص ۴)۔

خواجہ حامد کے بعد ان کے بڑے لڑکے حافظ سید الدین جانشین ہوئے۔ (خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء ص ۱۷۳۔ ۱۷۴)

حافظ سید الدین کی ولادت ۸۔ رمضان ۱۳۲۷ھ / ۲۳ ستمبر ۱۹۰۹ء کو ہوئی۔ اپنے والد گرامی سے تربیت پائی اور اُس کے عہد کے علماء سے تحصیل کی۔ اپنے والد سے خلافت یاب ہوئے۔ قرآنِ مجید کے حافظ تھے اور رمضان المبارک میں قرآن پاک سناتے تھے۔ فارسی میں شعر بھی کہتے تھے اور "سدید الدین" ہی تخلص کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ (مناقب المحبوبین، تتمہ ۲۳۸) خلیق احمد نظامی مرحوم کی تاریخ مشائخ چشت میں غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کیا اور ان کی ہمت افزائی کرتے رہے۔ (تاریخ مشائخ چشت ۵ / ۴۴۰)

آپ اپنے والد خواجہ محمد حامد کے وصال ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء کے بعد سجادۂ خلافت پر بیٹھے۔ اس خاندان کے اکابر دستار بندی کی رسم میں شریک ہوئے۔ اپنے اجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے روحانی تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ملک و ملت کی فلاح و بہبود کے کاموں میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ قیام پاکستان کی تحریک میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ قیام پاکستان کے بعد اس کی تعمیر و ترقی کے لیے بھی اپنے مریدین سمیت کار ہائے نمایاں انجام دیئے۔ جہادِ کشمیر میں شرکت کے لیے اپنے مریدوں کو ترغیب دی۔ اور ہزار متوسلین کے ساتھ خود اس جہاد میں شریک ہوئے لیکن حکومت پاکستان نے ہندوستان کے بارڈر تک جانے کی اجازت نہ دی۔ خواجہ سدید الدین ایک مدت تک پنجاب اسمبلی کے رکن بھی رہے۔ (مناقب المحبوبین، تتمہ ۲۳۸)

آپ ۱۳ شوال ۱۳۷۹ھ / ۱۱ اپریل ۱۹۶۰ء کو بیمار ہوئے اور اسی حالت میں انتقال ہوا۔ تونسہ میں خانقاہِ خواجہ الہ بخش میں دفن کیا گیا۔ (ہمانجا۲۳۹) آپ کی نرینہ اولاد نہیں تھی آپ کے برادر خُرد خواجہ خان محمد سجادہ نشین ہوئے۔

آپ کی تصانیف اور علمی کارنامے کم اور روحانی، سماجی اور ملکی خدمات زیادہ ہیں ۲۹ سال تک خانقاہِ تونسہ کو زینت بخشی دعوت وارشاد، فلاح و بہبود اور قومی و ملکی کاموں میں سرگرم عمل رہتے۔

فارسی نثر میں آپ کے ملفوظات کا ایک مجموعہ مرتب ہوا تھا۔ جس میں ۱۳۷۵۔۱۳۷۹ھ تک مجالس میں ہونے والی گفتگو قلم بند کی گئی ہے۔ یہ مجموعہ آپ کے ایک افغان مرید عبدالستار بن حاجی مقترب (قوم خرولی، احمد خیل) نے مرتب کیا جو غزنی (افغانستان) کے قصبہ قرہ باغ (Qarah Bagh) کے رہنے والے تھے یہ صرف پانچ سال کے ملفوظات ہیں۔ جس سال یہ مکمل ہوئے اُسی سال خواجہ سدید الدین کا وصال ہو گیا تھا یعنی ۱۳۷۹ھ / ۱۹۶۰ء

اس مجموعۂ ملفوظات کا ایک خطی نسخہ "ملفوظات خواجہ سدید الدین" کے نام سے کتابخانہ درگاہِ تونسہ میں موجود ہے (فہرست مشترک ۳/ ۲۰۲۸)

مآخذ

۱۔ چشتی، افتخار احمد: مناقب المحبوبین تتمہ شامل بطور خاتمہ کتاب، لاہور، ۱۹۷۹ء

۲۔ رحیم بخش: سوانح خواجہ محمد موسیٰ تونسوی، ملتان ۱۳۸۱ھ

۳۔ قصوری، فیض اللہ خان: مقدمہ تونسہ شریف، لاہور ۱۹۲۷ء

۴۔ للّہی، محمد حسین: خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء، لاہور، ۱۹۷۹ء

۵۔ منزوی، احمد (مرتب) فہرستِ مشترک نسخہ ہائے خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد ۱۳۸۴ھ

۶۔ نظامی، خلیق احمد: تاریخ مشائخ چشت ج ۵۔ دہلی ۱۹۸۴ء

۶ جولائی ۱۹۹۸ء

برائے دانشنامہ کشمیر قارہ

سلسلۂ قادریہ

حضرت شیخ ابو اسحٰق قادری لاہوری

حضرت شیخ ابو اسحٰق لاہوری دسویں صدی ہجری کے علماء ومشائخ میں سے تھے، پنجاب میں ان سے سلسلہ قادریہ کو فروغ ہوا۔

حضرت شیخ ابو اسحٰق بن حسین قادری کے اجداد کا تعلق بخارا سے تھا اور ساداتِ بخارا میں ان کا خانوادہ معروف تھا (تحقیقاتِ چشتی ۹۴)۔

شیخ ابو اسحٰق قادری سلسلہ کے مشہور شیخ طریقت شیخ داؤد کرمانی شیر گڑھی (Sher garhi) (ف ۹۸۲ھ / ۱۵۷۴ء) کے مرید و خلیفہ تھے (منتخب التواریخ ۳/ ۴۸) موصوف اپنے شیخ کی اتباع میں لاثانی تھے، شیخ داؤد کرمانی کے خلیفہ شاہ ابو المعالی جب اپنے شیخ سے اجازت لے کر عازم لاہور ہوئے تو شیخ ابو اسحٰق نے بھی جو کہ شاہ ابو المعالی سے خصوصی محبت ویگانگت رکھتے تھے لاہور جانے کی اجازت لی (ہمانجا ۳/ ۴۸۔ ۴۹) لاہور میں شیخ ابو اسحٰق کے ایک ہم قوم پیر عزیز مہزنگ (بعد میں مزنگ مشہور ہوا) رہتے تھے انہی کے پاس آپ نے قیام کیا (خزینۃ الاصفیاء ۱/ ۱۳۲۔ ۱۳۳) یہیں درس وتدریس کا سلسلہ بھی شروع کر دیا، صدہا اصحاب نے ان سے تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی (حدیقۃ الاولیاء ۳۸) ان کی خانقاہ تعلیم وتعلم میں شہرت کے باعث مدرسہ اسحاقیہ کہلاتی تھی (رضا لائبریری میں تصوف کے دو اہم مخطوطات ۲۵۶) درس وتدریس کے ساتھ دعوت وارشاد کا مشغلہ بھی خوب تھا، صدہا افراد ان سے بیعت ہوئے (خزینۃ الاصفیاء ۱/ ۱۳۳) اہل لاہور ان کے کشف ومشاہدہ پر اعتقاد رکھتے تھے (طبقاتِ اکبری ۲/ ۴۷۶)۔

شیخ ابو اسحٰق لاہوری کا قیام لاہور کے مضافاتی محلہ پیر عزیز مہزنگ میں تھا وہیں درس وتدریس کے لیے مدرسہ اور خانقاہ بنائی تھی، وہیں ۹۷۴ھ / ۱۵۶۶ء میں وصال ہوا (ناطقہ، ترقیمہ کاتب ورق ۱۰۸) وفات کے بعد اسی محلہ مزنگ (Mazang) میں دفن ہوئے (خزینۃ الاصفیاء ۱/ ۱۳۳، تاریخ لاہور ۲۸۶، تحقیقات چشتی ۹۵) لیکن

مقامی تذکرہ نویسوں نے ان کا سالِ وفات ۹۵۸ھ لکھا ہے (خزینۃ الاصفیاء ۱/ ۱۳۳، حدیقۃ الاولیاء ۳۸، تاریخ لاہور ۲۸۶)، جب کہ شیخ ابو اسحٰق کا ایک رسالہ سلوک ناطقہ کے نام سے رضا لائبریری رام پور میں ہے جس کا کاتب موکف کا عقیدت مند ہے اس میں مذکورہ بالا سال وفات ۹۷۴ھ درج ہے، یہی سنہ رسالہ کا سال کتابت بھی ہے (رضا لائبریری میں تصوف کے دو اہم مخطوطات ۲۵۶) یہی سنہ معاصر اور صحیح تصور کیا جانا چاہیے جب کہ مقامی تذکرہ نویس اس سے بہت متاخر ہیں۔ البتہ عبد الصمد نے ان کا سال وفات ۹۸۴ھ درج کیا ہے (اخبار الاصفیاء، برگ ۲۰۱ ب) جو مذکورہ ترقیمہ کے مقابلہ میں اہمیت نہیں رکھتا۔

(رسالہ) ناطقہ:

شیخ ابو اسحٰق قادری کا ایک رسالہ در علم سلوک معروف بہ ناطقہ کا ایک خطی نسخہ رضا لائبریری، رام پور میں ہے (نمبر فارسی ۹۱۸ سلوک) جس کا سالِ کتابت ۹۷۴ھ ہے اور یہی موکف کا سال وفات بھی ہے اس کے ترقیمہ میں بتایا گیا ہے۔

علم تصوف کا یہ رسالہ ۲۲۔ ابواب پر مشتمل ہے ہر باب کو نطق کا نام دیا گیا ہے:

۱: توبہ ۲: خوف ۳: رجا ۴: دنیا ۵: فقر و نامرادی، ۶: طلب طالب و شوق غالب ۷: گرسنگی ۸: بیداریٔ شب ۹: خاموشی و فوائد ۱۰: خلوت ۱۱: نوم ۱۲: ضرورتِ مرشد ۱۳: پیر بمزلہ طبیب ۱۴: عشق ۱۵: سامع ۱۶: مشاہدہ ۱۷: رویت ۱۸: نور ۱۹: نفس ۲۰: روح ۲۱: معرفت ۲۲: توحید۔

ان ابواب میں موکف نے تصوف کی علمی و عملی ریاضات، اخلاق و آداب، احوال و مقاماتِ سلوک سے متعلق ضروری باتوں کا احاطہ کیا ہے، کئی مقامات پر اپنے اور دیگر شعراء کے اشعار بھی نقل کیے ہیں، گویا موکف شاعر بھی تھے، لمعات، کیمیائے سعادت، مجموعہ مجالس، رسالہ مکیہ، نزہۃ الارواح تفسیر مدارک، تفسیر زاہدی، مقصد اقصیٰ، عوارف المعارف اور لوائح جامی وغیرہ کے حوالے بھی ملتے ہیں، اس رسالے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ موکف خود سماع نہیں سنتے تھے لیکن وہ اس کے جواز کے قائل تھے۔ (رضا لائبریری میں تصوف کے دو اہم مخطوطات ۲۵۶۔۲۵۷)۔

تمام مذکورہ تذکرہ نویس شیخ ابو اسحٰق لاہوری کے اس رسالے کے وجود سے بے خبر تھے، شیخ ابو اسحٰق قادری لاہوری اپنے مرشد شیخ داؤد کرمانی شیر گڑھی سے اجازت لے کر شیر گڑھ (Sher garh) سے لاہور آگئے تھے (منتخب التواریخ ۴۸/۳) لاہور میں ان کے ایک اہم قوم پیر شیخ عزیز مزنگ (مہزنگ) پہلے ہی مقیم تھے جن کے پاس آکر شیخ ابو اسحٰق نے قیام کیا (خزینۃ الاصفیا ا/) یہ علاقہ انہی کا آباد کیا ہوا انہی کے نام سے محلہ پیر عزیز مہزنگ (مزنگ) سے مشہور ہوا جو اس وقت (دسویں صدی ہجری) لاہور کی حدود سے باہر ایک موضع کی حیثیت رکھتا تھا (تحقیقاتِ چشتی ۹۵) شیخ ابو اسحٰق نے یہاں بجانبِ مشرق ایک حویلی تعمیر کروائی اور عرصہ تک یہاں قیام کیا جس کی وجہ سے اس محلّے کا نام محلہ شاہ ابو اسحٰق مہزنگ (مزنگ) کہلاتا تھا (مآثر لاہور از فوق ۱۹۶، ۲۲۲) وفات کے بعد شیخ ابو اسحٰق اپنے اسی محلّے میں دفن ہوئے ان کی آرام گاہ اس وقت ٹمپل روڈ (Temple Road) مزنگ (Mazang) لاہور پر واقع ہے، مزار کے قریب سکھوں کا گردوارہ چھٹی بادشاہی (Chhatti Badishahi) بھی ہے۔

مقبرہ کی ساخت چہار گوشہ ہے۔ رنگ سفید ہے، آمد و رفت کے لیے جنوبی طرف کا دروازہ استعمال ہوتا ہے، مزار دو سیڑھیاں چڑھ کر چبوترے پر واقع ہے، مزار کے اندر قبر کے گرد لکڑی کا ایک جالی دار چار فٹ اونچا چوکھٹا بھی تھا مزار کے اوپر گنبد بھی ہے چھت سے فرش تک چاروں طرف چونے پر سورۃ الملک بخط منوط تحریر ہے آرام گاہ کے اندر گچ کا کام منوطی (Raised Atabic characters) ہے جو نہایت مہارت اور نفاست سے کیا گیا ہے، مزار کے ساتھ ساڑھے سات بیگھ (تین ہزار پچیس گز مربع زمین ایک بیگھ ہوتی ہے) زمین وقف تھی جس پر کاشت کاری ہوتی تھی اور اس کی آمدنی مجاوروں کے تصرف میں تھی (تحقیقاتِ چشتی ۹۳-۹۵) شیخ ابو اسحٰق کا یہ مزار ان کے ایک مرید عبد اللہ بن عبد القادر نے بنوایا تھا جو لکھنو کا رہنے والا ایک تاجر تھا (ہمانجا ۹۵) شاہ ابو اسحٰق قادری کا وصال ۹۷۴ھ / ۱۵۶۷ء کو ہوا (ترقیمہ رسالہ ناطقہ خطی) گویا یہ مزار اکبر بادشاہ کے عہد میں تعمیر ہوا۔

مزار پر قدیم ترین کتبہ ۱۸۹۲ء تک موجود تھا جسے سید محمد لطیف نے اس طرح پڑھا تھا:

حضرت شیخ شاہ ابو اسحق	بود چوں از خدا خدا طلبش
سوی حق رفت از سر تحقیق	کہ ہمیں وعدہ بود از ازلش
جست تاریخ فوت او برہان	یافت سلطان عارفان لقبش

اس کتبے کے ایک کونے میں سنہ ۹۵۸ھ تحریر ہے (Lahore, its History... p.197) گو یہ سنہ غلط ہے ۱۸۶۴ء میں مولوی نور احمد چشتی یہ کتبہ پورا نہیں پڑھ سکے تھے اور اس کا فقط پہلا شعر ہی ان سے پڑھا گیا تھا (تحقیقات چشتی ۹۴۔۹۵) ۱۸۹۲ء تک مزار سے ملحق بطرف مغرب ایک بڑی مسجد بھی تھی Lahore, p.197، تاریخ لاہور ۲۸۶)

قیاس ہے کہ اسی مسجد میں شیخ ابو اسحٰق کا مدرسہ بھی ہو گا، جس کی بہت شہرت تھی اسے مدرسہ اسحاقیہ کہا جاتا تھا (رضا لائبریری کے دو اہم مخطوطات۔۔۔ ص ۲۵۶)

اس مسجد کی پشت پر شیخ ابو اسحٰق کے تین فرزندوں محمد حسین، ملک حسین اور یار حسین کا مقبرہ بھی ہے، یہ مزار اس خانوادے کے مریدین نے بنوایا تھا اس کے اندر آیاتِ قرآنی بہت مہارت سے کتابت و کندہ کی گئی تھیں۔ اس مزار کے حدود میں بہت سی دیگر قبور بھی تھیں (تاریخ لاہور ۲۸۶، تحقیقات چشتی ۹۴۔۹۵) یہاں برطانوی عہد میں ایک سرکاری مدرسہ بھی تعمیر کیا گیا تھا جس میں میاں فرید الدین سرکاری معلم تھے (تحقیقاتِ چشتی ۹۵) اس سے قیاس ہوتا ہے کہ برطانوی عہد تک یہ عظیم الشان درس گاہ ختم ہو چکی تھی اور اس کی جگہ ایک خام مدرسہ بنایا گیا تھا۔

مزار کی یہ کیفیت ۱۸۶۲ء، ۱۸۸۴ء اور ۱۸۹۲ء تک کی ہے قیامِ پاکستان سے پہلے ہی ۱۹۴۴ء تک اس کی صورت بالکل بدل گئی تھی نہ وہاں بزرگوں کی بہت سی قبور تھیں نہ مزار و مسجد کی وہ وسعت بلکہ آرام گاہ کے دروازے سے متصل صرف تین قبریں باقی رہ گئی تھیں اور نہ ہی اس سے ملحقہ ساڑھے سات بیگھے زمین باقی تھی (مآثر لاہور از فوق ۲۳۔۲۲۲) بلکہ اس وقت آرام گاہ کے گرد رہائشی مکانات اور مارکیٹ بن چکی ہے صرف آرام گاہِ شاہ ابو اسحٰق اور مختصر سی مسجد باقی ہے۔

مآخذ

۱۔ ابو المعالی لاہوری: ہشت محفل (ملفوظات شاہ ابو المعالی) جامع محمد باقر مرتبہ ظہور الدین احمد، لاہور ۱۹۸۰ء

۲۔ بدایونی، عبد القادر: منتخب التواریخ، کلکتہ، ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۶۹ء

۳۔ داراشکوہ: سفینۃ الاولیاء۔ لکھنو ۱۸۷۸ء

۴۔ شفاء، حکیم محمد حسین خان: رضا لائبریری رام پور میں تصوف کے دو اہم مخطوطات۔ مقالہ مشمولہ تصوف برصغیر میں۔ پٹنہ، خدابخش لائبریری ۱۹۹۲ء

۵۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۴۔ حیدر آباد۔ دکن ۱۹۵۴ء

۶۔ عبدالصمد: اخبار الاصفیا خطی نسخہ مخزونہ انڈیا آفس لائبریری، لندن نمبر per. Ethe 641

۷۔ عبدالباقی: مقامات داؤدی خطی نسخہ مملوکہ: پیر عبداللہ جان، پشاور

۸۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء۔ لکھنو ۱۸۷۳ء

۹۔ غلام سرور لاہوری: حدیقۃ الاولیاء تحقیق و تعلیق محمد اقبال مجددی۔ لاہور ۱۹۷۶ء

۱۰۔ فوق، محمد دین: مآثر لاہور، مشمولہ نقوش، لاہور نمبر، فروری ۱۹۶۲ء

۱۱۔ کنہیا لال: تاریخ لاہور، لاہور ۱۸۸۴ء

۱۲۔ محمد اسلم: حضرت شاہ ابو اسحٰق قادری کی ایک نادر تصنیف مقالہ مشمولہ اورینٹل کالج میگزین لاہور (شمارہ ۲۳۸۔۲۳۹، ۱۹۸۲ء

۱۳۔ نظام الدین احمد ہروی: طبقاتِ اکبری، کلکتہ ۱۹۳۱ء

۱۴۔ نور احمد چشتی: تحقیقاتِ چشتی، لاہور، طبع پیسہ اخبار۔

۱۶ اکتوبر ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ۔ تہران

شاہ حسین لاہوری

پنجاب کے نامور ولی اور پنجابی کے معروف شاعر ۹۴۵ھ / ۳۹۔۱۵۳۸ء کو لاہور میں پیدا ہوئے (پیر محمد: حقیقت الفقراء، ص ۲۷)۔ ان کے خاندان کے ایک فرد کلسرائے فیروز شاہ تغلق کے عہد (۷۵۲۔۷۹۰ھ / ۱۳۵۱۔۱۳۸۸ء) میں مسلمان ہوئے، شاہ حسین کے والد عثمان ڈھڈہ کے عرف سے مشہور تھے (عبداللہ خویشگی قصوری: معارج الولایت، قلمی ورق ۵۱۹۔ الف۔ ۹۵۵ھ / ۱۵۴۸ء میں بعمر دس سال شاہ حسین، حافظ ابو بکر کی خدمت میں قرآن کریم پڑھنے کے لیے حاضر ہوئے (پیر محمد: حقیقت الفقراء، ص ۴۷) اسی سال شیخ بہلول (م ۹۸۳ھ / ۱۵۷۵ء) سے بیعت ہوئے، مروجہ علوم کی تحصیل کے لیے وہ شیخ سعد اللہ (م ۹۹۹ھ / ۱۵۹۰ء) لاہوری کی خدمت میں پہنچے (ایضاً ۵۷) شاہ حسین ملامتیہ طریقہ سے تعلق رکھتے تھے، داراشکوہ نے انہیں اہل ملامت کا استاد لکھا ہے (داراشکوہ: حسنات العارفین اُردو ترجمہ، ص ۳۶)۔ شاہ حسین ابتدائی چھبیس (۲۶) برس کی عمر تک متبع شرع صوفی تھے (نور احمد چشتی: تحقیقاتِ چشتی، ص ۳۹)، اپنے استاد شیخ سعد اللہ سے تفسیر پڑھ رہے تھے کہ جب استاد نے آیت وما الحیوۃ الدنیا الا لعب ولھو (۶: ۳۲) کے معنی بیان کیے تو شاہ حسین سمجھے کہ دنیا محض لعب ولہو کا نام ہے، استاد سے کہا کہ مجھے حال درکار ہے، قال نہیں اس کے بعد انہوں نے ملامتی طریقہ اختیار کیا (پیر محمد: حقیقت الفقراء، ص ۵۷۔۶۴)۔ خیال ہے کہ شاہ حسین اپنے استاد شیخ سعد اللہ کے نظریات سے ضرور متاثر ہوئے ہوں گے، جو ملامتی طریقہ رکھتے تھے۔ معاصر مؤرخ نظام الدین احمد نے ان کے بارے میں لکھا ہے "بروش ملامتیہ سلوک می نمود" (طبقات اکبری، ص ۳۹۱) ان کے مرشد شیخ بہلول کو علم ہوا تو وہ اپنے شہر سے محض شاہ حسین کو تنبیہ کرنے کے لیے لاہور تشریف لائے۔ (حقیقت الفقراء، ص ۶۵)

اب شاہ حسین آلاتِ موسیقی کے ساتھ بازاروں میں نظر آنے لگے، شیخ الاسلام عبد اللہ سلطانپوری نے انہیں اس حالت میں سزا دینی چاہی لیکن ان کے دلائل سے متاثر ہو کر انہیں چھوڑ دیا (دارا شکوہ: حسنات العارفین، ص ۴۶)

بعض ذی علم حضرات شاہ حسین سے ملتے رہتے تھے۔ چنانچہ شیخ طیب سرہندی اور ملا عبد الحکیم سیالکوٹی کی زبانی دارا شکوہ نے شاہ حسین کی آزاد مشربی کے اقوال نقل کیے ہیں (دارا شکوہ: حسنات العارفین، ص ۴۷)۔ عبد الرحیم خان خانان تسخیر ٹھٹھہ کے لیے روانہ ہونے سے پیشتر دعا کے لیے شاہ حسین کی خدمت میں آیا تھا (پیر محمد: حقیقت الفقراء، ص ۱۲۳ تا ۱۲۷)۔ ان کے علاوہ ملا اسمٰعیل عرب صدر مدرس مدرسہ ہمایونی دہلی کا نام بھی ملتا ہے۔

شاہ حسین کے سولہ خلفاء مشہور ہیں، ان میں سے چار کا خطاب "غریب"، چار کا "دیوان"، چار کا "خاکی" اور چار کا "بلاول" تھا۔ دیوانوں میں پہلے دیوان ان کے محبوب مرید و جانشین میاں مادھو تھے جو برہمن زاد تھے، لیکن ان کے زیر اثر پرورش پانے کی وجہ سے اسلام قبول کر لیا تھا (پیر محمد: حقیقت الفقراء، ۸۲)۔ مادھو نے ۲۲ ذی الحج ۱۰۵۶ھ / ۱۶۴۶ء میں انتقال کیا (ایضاً ۶۵)۔ شاہ حسین کو مادھو سے بہت انس تھا، مرشد اور مرید کی محبت کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج عوام الناس ان کا اصل نام تک بھول گئے اور وہ شاہ حسین کی بجائے مادھو لال حسین کے عرف سے مشہور ہوئے۔

شاہ حسین کی آزاد مشربی کی داستانیں ایک غیر محتاط مصنف پیر محمد کی کتاب حقیقت الفقراء کے ذریعہ عام ہوئیں، اس کے مطالعہ سے شاہ حسین ایک غیر مشروع مجذوب نظر آتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی زندگی کے تین دور تھے، طالب علمی کا زمانہ، غیر مشروع، اس سے توبہ کر کے دوبارہ صوم و صلوٰۃ کی پابندی (عبد اللہ خویشگی قصوری: معارج الولایت، قلمی ورق۔ ۵۱۹ ب)۔ اسی مصنف نے غایت درجہ پابندِ شریعت بزرگ اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت شیخ محمد طاہر لاہوری (م ۱۰۴۰ھ / ۱۶۳۰ء) کا شاہ حسین کے بارے میں ایک قول نقل کیا ہے کہ اگر علمائے ظاہر کے طعنوں کا خدشہ نہ ہوتا تو میں اکثر شیخ حسین کے مزار پر جا کر استمداد کرتا (اخبار الاولیاء قلمی ورق ۱۵۴۔ب)۔ یہ قول اس بات کا بین ثبوت ہے کہ شاہ حسین ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھے اور ان کی ولایت مسلمہ تھی، شاہ حسین کے سالِ وفات میں اختلاف ہے۔ اکثر مقامی تذکروں میں ان کا

سال وفات ۱۰۰۸ھ / ۱۵۹۹ء لکھا ہے، حقیقت الفقراء کے چند سال بعد مفتاح العارفین تالیف ہوئی جس میں ان کا سالِ وفات ۱۰۱۳ھ / ۱۶۰۴ء درج کیا گیا ہے (عبد الفتاح: مفتاح العارفین، قلمی ورق ۲۲۹۔ا)، لیکن معاصر مؤرخ عبدالقادر بدایونی نے وضاحت کی ہے کہ نجات الرشید کی تصنیف ۹۹۹ھ / ۱۵۹۰ء کے دوران مجھے لاہور میں معلوم ہوا کہ شاہ حسین نغمہ سے بے خود ہو کر مکان کی چھت سے گرے اور فوت ہو گئے (نجات الرشید، ص ۳۲۰)۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ شاہ حسین حدود ۹۹۹ھ / ۱۵۹۰ء میں فوت ہوئے۔

ابتداء میں شاہ حسین کا مزار شاہدرہ میں بنایا گیا، مگر جب دریائے راوی نے اپنا رخ بدلا تو ان کا تابوت وہاں سے نکلوا کر موجودہ باغبانپورہ لاہور میں دفن کیا گیا (پیر محمد، حقیقت الفقراء، ۱۶۱۔ ۱۶۲)، سالانہ عرس مارچ کے آخری ہفتہ میں ہوتا ہے۔

پنجابی کافیوں کے علاوہ شاہ حسین کا ایک فارسی میں نثری رسالہ تہنیت بھی دریافت ہو چکا ہے، اس میں انہوں نے تصوف کے مسائل سہل طریقہ سے پیش کیے ہیں، راقم کی تصحیح و تعلیق کے ساتھ اس کا مکمل متن مجلہ معارف، اعظم گڑھ اگست ۱۹۷۰ء اور رسالہ صحیفہ لاہور جولائی ۱۹۷۲ء میں شائع ہو چکا ہے۔

مآخذ

۱۔ شاہ حسین: صحیح تے مکمل کافیاں شاہ حسین، مرتبہ چودھری محمد افضل، لاہور ۱۹۶۷ء

۲۔ وہی مصنف: تہنیت، مرتبہ محمد اقبال مجددی، رسالہ صحیفہ لاہور، جولائی ۱۹۷۲ء

۳۔ عبدالقادر بدایونی: نجات الرشید، ۹۹۹ھ مرتبہ ڈاکٹر سیّد معین الحق، لاہور ۱۹۷۲ء

۴۔ وہی مصنف: منتخب التواریخ، لکھنؤ ۱۸۶۸ء

۵۔ نظام الدین احمد: طبقاتِ اکبری، لکھنؤ، ۱۸۸۵ء

۶۔ داراشکوہ: حسنات العارفین، ۱۰۶۲ھ، قلمی مخزونہ، کتاب خانہ دانش گاہ پنجاب نمبر P iv 5 اُردو ترجمہ محمد عمر خان، لاہور سال طباعت ندارد

۷۔ محمد صالح کنبوہ: عمل صالح، جلد دوم، لاہور ۱۹۶۷ء

۸۔ پیر محمد: حقیقت الفقراء، ۱۰۷۱ھ، لاہور ۱۹۶۵ء، اُردو ترجمہ از سعید احمد، لاہور ۱۹۲۳ء

۹۔ عبدالفتاح بدخشی: مفتاح العارفین، ۱۰۷۸ھ، قلمی ذخیرہ شیرانی، کتاب خانہ دانش گاہ پنجاب، نمبر

۱۶۱۳/ ۴۲۶۳

۱۰۔ عبداللہ خویشگی قصوری: اخبار الاولیاء، ۱۰۷۷ھ قلمی مملوکہ مولانا سیّد محمد طیب شاہ ہمدانی، قصور

۱۱۔ وہی مصنف: معارج الولایت ۱۰۹۶ھ، قلمی ذخیرۂ آذر، کتاب خانہ دانش گاہ پنجاب، نمبر H ۲۵

۱۲۔ وڈیرہ، گنیش داس: چار باغ پنجاب، مرتبہ کرپال سنگھ، امرتسر ۱۹۶۵ء

۱۳۔ علی الدین، مفتی، لاہوری: عبرت نامہ، لاہور، ۱۹۶۱ء

۱۴۔ تاج الدین، مفتی: تاریخ پنجاب، مرتبہ محمد شفیع لاہوری، اورینٹل کالج میگزین نومبر، ۱۹۴۳ء

۱۵۔ غلام سرور، مفتی، لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، لکھنؤ، ۱۸۷۳ء

۱۶۔ وہی مصنف، حدیقۃ الاولیاء، لاہور، المعارف ۲۰۰۰ء

۱۷۔ نور احمد چشتی: تحقیقاتِ چشتی، لاہور، پیسہ اخبار ایڈیشن

۱۸۔ کنھیالال، تاریخ لاہور، لاہور ۱۸۸۴ء

۱۹۔ سوہن لال سوری: عمدۃ التواریخ، دفتر دوم، لاہور ۱۸۸۸ء

۲۰۔ قدرت اللہ ابن عبداللہ مہرکن: یادداشت عرس بزرگان لاہور، اورینٹل کالج میگزین ضمیمہ، فروری ۱۹۴۷ء

۲۱۔ فوق، محمد دین: شالامار باغ لاہور کی سیر، لاہور ۱۹۳۰ء

۲۲۔ دیوانہ، موہن سنگھ: حالات وکافیاں شاہ حسین، لاہور ۱۹۴۳ء

۲۳۔ پنجابی ادب، شاہ حسین نمبر، مجلس شاہ حسین، اپریل ۱۹۷۲ء

۲۴۔ شریف کنجاہی: مثنوی گلزارِ محبت، مجلہ فنون لاہور، ستمبر واکتوبر، ۱۹۷۳ء

۲۵۔ محمد لطیف، سیّد: Lahore، لاہور، ۱۸۹۸ء

۲۶۔ لاجونتی رام کرشن: Punjabi Sufi Poets، آکسفورڈ ۱۹۳۸ء

۲۷۔ نامی، غلام دستگیر: بزرگانِ لاہور، لاہور ۱۹۶۶ء

۲۸۔ عبدالغفور قریشی: پنجابی ادب دی کہانی، لاہور

۶/ اکتوبر ۱۹۹۶ء

اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور

شاہ حسین لاہوری کا رسالہ "تہنیت"

شاہ حسین بن شیخ عثمان لاہوری ۹۴۵ھ لاہور میں پیدا ہوئے۔ سال ولادت "صبح صادق بر اوج فقر" سے بر آمد ہوتا ہے۔

دس سال کی عمر میں شیخ ابا بکر "حافظ لاہور" کی خدمت میں قرآن کریم پڑھنے کے لیے گئے

... میں ہے:

بود کوچک حسین آن ہنگام عمر دہ سالہ داشت آن ایام
بود بوبکر حافظ استادش کہ ز قرآن سبق ہمی دادش

گویا ۹۵۵ھ (سال پیدائش ۹۴۵ + ۱۰ سال عمر) میں قرآن کریم پڑھا اور ۹۵۵ھ ہی میں شیخ بہلول سے بیعت ہوئے۔ شاہ حسین کے والد شیخ عثمان پنجاب میں "ڈھڈہ" کے عرف سے معروف تھے۔

... الولایت میں ہے:

"در عرف ڈھڈہ بود و ڈھڈہ صنفی از جولاہگان است"

حقیقت الفقراء کا مصنف ایک غالی وحدت الوجودی تھا، اس نے "جولاہ" کو "الہ" بنانے کی ناکام کوشش کی ہے۔

محمد ...: حقیقت الفقراء، قلمی ورق ۲۰، الف ... ذخیرہ شیرانی، کتاب خانہ دانش گاہ پنجاب لاہور

شیخ بہلول دریائی حوالی ...

مہدی عبداللہ خویشگی قصوری: معارج الولایت، قلمی ورق ۱۰ ... ذخیرہ آذر، کتاب خانہ دانش گاہ پنجاب لاہور

محمد ...: حقیقت الفقراء قلمی ورق ... ب

شاہ حسین کی رند مشربی کے قصے تمام تذکرہ نویسوں نے مزے لے لے کر بیان کیے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ شاہ حسین نے آخر عمر میں خلاف شرع

اس قول سے حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں:

۱۔ ۱۰۴۰ھ (سالِ وفات حضرت شیخ محمد طاہر لاہوریؒ) سے قبل شاہ حسین کی رند مشربی کے قصے عام تھے۔

۲۔ غایت درجہ پابند شریعت نقش بندی مجددی عالم و صوفی شیخ محمد طاہرؒ کا اظہار ارادت ہمارے اس خیال کو مزید تقویت دے رہا ہے کہ شاہ حسین نے آخری عمر میں غیر مشروعہ افعال سے توبہ کر لی تھی۔

۳۔ شیخ محمد طاہر لاہوریؒ کی مزار شاہ حسین پر حاضری اور استمداد کی آرزو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ شاہ حسین ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھے اور ان کی ولایت مسلمہ تھی۔

معارج الولولایت (تالیف ۱۰۹۶ھ):

معارج الولایت عبداللہ خویشگی قصوری کی تصنیف ہے۔ شاہ حسین کے بارے میں اسی مصنف کا ایک قول ہم اخبار الاولیاء کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں، معارج میں اس نے شاہ حسین کے بارے میں ایک اور اہم بات یہ کہی ہے کہ شاہ حسین نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں تمام "امور نامشروعہ" سے توبہ کر لی تھی نیز شاہ حسین کا شمار سہروردی سلسلے کے صوفیہ میں کیا ہے[1]۔

مفتاح العارفین (حدود ۱۰۷۸ھ):

مفتاح العارفین، عبدالفتاح بن محمد نعمان بدخشی مرید حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ کی تالیف ہے[2]۔ اس کے مصنف نے بھی شاہ حسین سے منسوب مذکورہ حکایات پر اکتفا کیا ہے لیکن شاہ حسین اور مادھو کے معاشقے کی داستان کو نظر انداز کر دیا ہے۔

---

۱ عبداللہ خویشگی قصوری: معارج الولایت، قلمی ورق ۱۹۱ھ

۲ مفتاح العارفین کے مفصل تعارف کے لیے ملاحظہ ہو راقم الحروف کا مقالہ "لاہور کے چند غیر معروف صوفیہ" مشمولہ "المعارف" لاہور، اپریل ۱۹۷۰ء

خزینۃ الاصفیاء (۱۲۸۱ھ):

اس کتاب کے مؤلف مفتی غلام سرور لاہوری کا بھی حقیقت الفقراء ہی ماخذ ہے۔ ہاں شاہ حسین کے شیوخ شاہ لطیف بری اور شیخ بہلول دریائی کے متعلق لکھا ہے:

"صاحب معارج الولایت شیخ بہلول و شاہ لطیف را از مشائخ سہروردیہ شمار نمودہ است"[1]۔

مگر ان دونوں بزرگوں کا ترجمہ معارج الولایت کے پیش نظر خطی نسخے میں نہیں ہے، دیگر متاخر مورخین لاہور نے بھی حقیقت الفقراء میں مندرج حکایات کے اعادہ اور نقل پر اکتفا کیا ہے۔

شاہ حسین لاہوری کی تصانیف میں سے اب تک صرف کافیاں ہی منظر عام پر آئی ہیں اور مفتاح العارفین کے مصنف نے ان کافیوں کا ذکر بھی کیا ہے[2]۔

کافیوں کے قدیم و جدید ایڈیشن بھی تحریف سے خالی نہیں ہیں۔

خوش قسمتی سے شاہ حسین کا ایک تصوف کا رسالہ "تہنیت" دستیاب ہو گیا ہے۔ یہ رسالہ تصوف کے عمومی مسائل سے متعلق ہے اور سات فصول پر مشتمل ہے۔

رسالہ "تہنیت" کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ حسین واقعی حافظ قرآن، ذی علم اور راسخ العقیدہ مسلمان تھے، تذکرہ نویسوں نے جن فرضی حکایات کو ان کی طرف منسوب کیا ہے، وہ محض تذکرہ نگاروں کی ذہنی اختراع ہیں۔

رسالہ تہنیت کا مکمل فارسی متن محققین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس رسالے کے اب تک صرف دو خطی نسخے دستیاب ہوئے ہیں۔

۱۔ خطی نسخہ مخزونہ کتب خانہ پیر حیاتیان والا نوشاہی، رسول نگر، سال کتابت ندارد قدیم الخط۔

---

1. غلام سرور، مفتی، لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، جلد اول، ص ۳۶۱۔
2. صاحب مفتاح العارفین نے شاہ حسین کے یہ اشعار [illegible] نقل کیے ہیں۔
مخفی پرسید تو کیستی؟ گفت مسلمان بندہ کافر نہ ہم [illegible] چنانکہ در زبان ہندی میگفت شعر۔
(فقیر حسین [illegible])

۲۔ دوسرا خطی نسخہ مملوکہ مولانا سیّد شرافت نوشاہی مدظلہ، ساکن ساہن پال، گجرات، مکتوبہ ۱۳۴۷ھ بخط مولانا شرافت صفحات ۵ سطور فی صفحہ ۲۲۔ یہ نسخہ مذکورہ خطی نسخہ رسول نگر کی نقل ہے۔

اس رسالے کے حواشی میں آیات مبارکہ کا استخراج ایک خط عرضی کے ذریعہ کیا گیا ہے یعنی خط کے اوپر سورۃ کا نمبر اور نیچے آیت نمبر (سورۃ نمبر / آیت نمبر)۔

رسالہ تہنیت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ الذی ارسل رسولہ بالھدٰی والصلوٰۃ علیٰ محمدن المجتبیٰ و علی آلہ کہ درشان ایشان ''قل لا اسئالکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ''[1] رسیدہ و اصحابہ کہ ''تخلقوا باخلاق اللہ'' بکمال رسیدہ (و) ورزیدہ و سائر تابعین اجمعین بعد آن میگوید۔ حسین لاھوری کہ بخاطر رسید کہ چند فواید درہفت فصل جمع کنیم تا دوستان خدا برنگ سھولت مطالعہ فرمایند و این را مسمیٰ (بہ) ''تھنیۃ'' کردم تاھمہ کس را مبارک گردد۔

فصل اوّل در ترک اقربا و دوستی ایشان:

بدانکہ طالب را باید کہ از اقرباء خود تارک باشد بریں معنی کہ اگر ایشان غیر از محبّت و وداد مبتلا سازند و تلقین ترک نمایند و باعث بغیریت باشند و آغشتہ بہ نجاست غیر سازند و یقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل[2] پس ازیں سبب اور را لازم ست کہ از انباز خود ترک گیرد و اطاعت ایشان نہ پذیرد۔ قولہ تعالیٰ و ان جاھداک علی ان تشرک بی ما لیس لک بہ علم فلا تطعھما[3] و اگر درپے مزاحتم باشند پس مبتدی را باید کہ ایشان را

۱ قرآن مجید: ۴۲/۲۳

۲ ایضاً: ۲/۲۷

۳ ایضاً: ۳۱/۱۵

مانع آید بلکہ مدعی باشد قولہ تعالیٰ اف لکم و لما تعبدون من دون اللہ[1] الخ و علیٰ ہٰذا القیاس و غیرہم و جای دیگر گفتہ و اذ قال ابراہیم لابیہ آزر اتتخذ اصناماً الھۃ انی ارالک و قومک فی ضلال مبین[2] و اگر ایشان ساعی باشند کہ در مکتبِ عشق قیام نمایند پس در خدمت ایشان باشد و از اطاعت ابا نیارد قولہ تعالیٰ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ ورسولہ ان کنتم تؤمنون باللہ و الیوم الآخر ذلک خیر و احسن تاویلا[3] و نیز جاے دیگر گفتہ قولہ تعالیٰ و قضی ربک آلا تعبدوا الا ایاہ و بالوالدین احسانا[4] کہ نتیجہ بیابد و نہال عمر او ثمرہ بر خورداری بارور گردد۔

فصل دوم در طلب مال و ترک آن:

بدانکہ طالب را یکبارگی ترک از مال خوب نیست ازیں جہت کہ این ربّ خود را بنام یا عزیز یاد نمودہ پس دوستی برو ثواب ست بقدر ما یحتاج اما نہ چندان کہ مبتدی را از راہ باز دارد، و تابستہ گرداند ہمچو مگس و دیگر حوائج بسیار برو مترتب ست و بمنزلہ میانجی ست و ترک بریں صورت گیرد کہ سود و زیان او یکسان دارند قولہ تعالیٰ لکیلا تاسوا علی مافاتکم ولا تفرحوا بما اتکم[5] و بقدریکہ احتیاج بقوت باشد بہ بازو و حاصل کند قولہ تعالیٰ و من رحمتہ جعل لکم الیل و النہار لتسکنوا فیہ و لبتغوا من فضلہ[6] و جای دیگر گفتہ وابتغوا من فضل اللہ[7] تا آبروی او لایزال باشد و اگر میسر تواند کرد بسبب ذکر

---

۱ ایضاً: ۲۱/ ۶۷

۲ ایضاً: ۶/ ۷۴

۳ ایضاً: ۴/ ۵۹

۴ ایضاً: ۱۷/ ۲۳

۵ ایضاً: ۵۷/ ۲۳

۶ ایضاً: ۲۸/ ۷۳

۷ ایضاً: ۶۲: ۱۰

فقر و فاقه پیش گیرد و چیزی بطلبد از مردم برنگ استغنا. نه بالحاح قوله تعالیٰ لا یسئلون الناس الحافاً[1] چون توشه فقیر بر کمریست، پس آن ہادی را طلب چرا کہ بے این نمی شود واللہ الہادی

فصل سوم در گرفتن ہادی۔

بدانکه طالب را باید که طلب ہادی کند چون در قرآن مذکور است یاایها الذین امنوا اتقوا اللہ و ابتغوا الیه الوسیلة[2] و جاے دیگر نیز مذکور است فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون[3] و ہادی یافته نمی شود مگر بطلب راسخ پس مبتدی را باید که ہیچ احدے را ازی خدای یا دبد اعتقاد نباشد دامِ محبّت نهد چنانکه صیاد دام می نهد باشد که یک روز ہما بدام افتد:

خورش ده بکنجشک و کبک و حمام

که یکروزت افتد ہماے بدام

و ہر ہر که اعتقاد او درست آید ہمون را مقتدئ سازد چونکه دل منبع آلهی ست و امکان نیست که درو وسوسه شیطانی راه یابد چونکه روش درویش دوستی خداست و رسوم آداب یاد گیرد چنانکه ہادئ خود را بنام نخواند و درخدمت او قیام نماید و خود را بدو قیاس نکند چونکه او دریاست و این حقیر، پس حقیر را به دریا چه و خود را یشدو قیاس نکند چونکه او دریاست و ابن حقیر. پس حقیر راب دریا چه مناسبت ست جائیکه دریاست، و این حقیر کتب و انواع آداب از رسائل بزرگان چنانکه مکیه[4] و غیرہ مطالعه کند

---

۱ ایضاً: ۲/ ۲۷۳

۲ ایضاً: ۵/ ۳۵

۳ ایضاً: ۲۱/ ۷

۴ رسالہ مکیہ شیخ قطب الدین دمشقی (حوالی ۷۸۰ھ) کی تصنیف ہے اور رسائل تصوف پر منفرد رسالہ تسلیم کیا گیا ہے۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری اور دیگر اکابر مشائخ نے اس رسالے کے فارسی میں ترجمے کیے تھے۔ (اکرام حب قادری: مخدوم جہانیاں جہاں گشت، ص ۵۹)

و در عمل آرد که نتیجه کلی ست و از بدعیان محبّت آن عزیز بگسلاند که بکار او خواهد آمد هو الطالب۔

فصل چهارم در بیانِ فوائد:

بدانکه اگر طالب مطلوب را یافت که او در راهبری سرکارست پس حاجت تقاضا نماند که ازو چیزی پرسد یا در رنگ اعتراض پیش آید چونکه این بے نصیبی ست چنانکه قصه مهتر خضر و موسیٰ علیہ السلام ——— و اگر مطلوب را یافت که او بلباس درویشی ملبوس ست و از علم ہدایت عاری اور ا ہمیں حجت کافی ست. اگر چه اراده اور ا حاصل نخواهد بود تا ودود واہب العطیه والجود بصورت المطلوب فرشته پیدا کند از محبّت او تاہم او رہبری کند واگر این طالب فنون راه و روش بزرگان از کتب مطالعه کند ویا از کسے آموزد مطلوب رامنع نکند و ازین جهت برسم و راه حواله شود که جمع غیر تفرقه قرار نگیرد که مقصود رخت بمنزل رسانیدن ست و هو البلیغ

فصل پنجم

بدانکه مرشد طالب را باطوار و افعال او ملاحظه نماید و جامهٔ دل آن را از نجاست غیریت پک ساز د چنانکه اگر کافر باشد او را شریعت و قواعد اسلام آموزد و اگر فاسق باشد بآب تعریه مطهر کند از دوازده کبائر باز آرد اکتفا بگریه تملق و تخلق او نکند چنانکه آورده اند کثرة التواضع علامة النفاق و از جهت او معلوم نکند و چون لطیفه حاصل آید یکایک آن طالب را شاغل بذکر جلی بکند نخستین از جام محبّت محبان خاص جرعه بخشاند که منظور گرد د. چون او بخدمت پسندیده شود اورا بکلمهٔ طیب مشغول سازد قوله تعالیٰ الیه یصعد الکلم الطیب و العمل الصالح یرفعه[1] تا آئینه او انجلا

---

[1] قرآن مجید: ۳۵/ ۱۰

گردد و قرار گیرد قوله تعالیٰ الا بذکر الله تطمئن القلوب[1] و بعد ازان اشارت بخفی کند
نتیجه فاذکرونی اذکرکم[2] باومتاوصل گردد و شورش عشق در جان او شعله گیرد
تعالیٰ یحبهم و یحبونه[3] که از آتشِ سوزان استخوان او چون ہیزم و دل پر آب کباب شو
گاه که طالب این منزل طی کرد و لوح عشق در مکتب محبّت قیام نماید و هو المحب

فصل ششم و ہفتم:

وجود انسان بطریق زمین صالح ست و عشق مانند تخم درخت میوه دار
چون آن تخم در زمین رسته گردد و بآبِ محبّت پرورش یابد و موادِ محبّت پیدا
آخر الامر آن تخم درخت میوه دار بارور گردد و آن سه مراتب ست: مرتبه اوّل آخ
منشا او نیت ست که الاعمال بالنیات و منشا نیت خطره وسوسه واصل ہرشے وسوسه
و چون شے موسوس قرار گیرد و خطره گردد چون قرار گیرد نیت حاصل آید چون
ترقی در خطره کند آخات آید و آخات آنست که ہر یک را برادر شفیق داند اندر دی
انما المؤمنون اخوة[4] و نیز مذکورست فاخوالکم فی الدین[5] و رنج و راحت او بر خود
داند و در وقت حاجت حاجت او را بر حاجتِ خود مقدم دارد و لباسِ دوستی دو
محبوب را پوشیده در محبّت قیام نماید و مرتبۂ محبّت آنست که محبوب را بمتعلق
دوست دارد و شیوه و داد ایشان بجا آرد که کلب الحبیب حبیب مصرعه:

ہوا خواہانِ کویش را چو جانِ خویشتن دارم

---

۱ پیا ۱۳/ ۲۸
۲ پیا ۲/ ۱۵۲
۳ ایضاً ۵۴
۴ ایضاً ۴۹ ۱۰
۵ پیا ۹/ ۱۱

تا آنکه غربت بمعنان او بگردد بعد ازان خلت حاصل آید و خلت آنست که دیگرے را جز دوست در دل جاندهد چنانکه فرموده اند لوکنت متخذا خلیلا لاتخذت ابابکرا خلیلا و لکنه اخی و صاحبی و قد اتخذ الله صاحبکم خلیلاً[1] و چون عقده یگانگو راسخ گشت و وصول یافت بعده باید دانست که هر که در رباط دنیا به زاویهٔ خیال پانهاده هر یک را ندائ عشق شامل گشته پس احدی از خلل عشق خالی نیست هر که باشد عارف آخر الامر بچیزیکه خلت داشته باشد بهمون شئ محو گردد چنانکه (شیخ)فرموده اند الناس علی دین خلیله حکایت نیز گفته و در سکرات موت وصیت کرد که بعد از وفات در کوزه دنانیر در قبرِ من دفن کنند چون زر بسیار بود و صیتش بجا آوردند پس از چند مدت پسرانِ او مفلس شدند خواستند که آن مبلغ را از قبرش بر آرند رفته قبرش ر کافتند و آن مال پدر را ندیدند حیران بودند چه بینند که همه دینار ها تمثیل ملک ماهی[2] بوجو د او چسپیده. خواستند که از وجودش جدا سازند چنانکه سعی بلیغ نمودند جد نشد از بس حرص چنان مصلحت دیدند که آن شخص را بسوزند و زر او را از و حاصل کنند۔ چون سوختند ملاحظه نمودند که تمام زر گشته همه را متصرف شدند. او چور بهمون ذات بود رخت همان ذات شد۔ بعد ازان جانبِ من سعی نماید بدانکه من عبارت ا آنست که از ازل تابه ابد خبر نداشته باشد بهر نامی که منسوب کنند نامیده شود. و گنا این سر معلوم نه خواهی کرد مگر وقتیکه مردود باشی یا مستغرق یا بهمین معاملا مخلوق یا محدوث والله اعلم بالصواب۔

باتمام رسید نسخهٔ متبرکه رساله تهنیت مصنفه قدوة الواصلین حضرت شیخ حسین قادری لاهوری بدستخط فقیر شریف احمد عفی عنه قادری نوشاہی متوطن

---

۱ مشکوۃ ص ۵۵۵ بحوالہ صحیح مسلم

۲ راقم کے نزدیک "ملک ماہی" یعنی مگرمچھ ماہی اصح ترین ہے۔ لیکن "مثل ماہی" بھی ہو سکتا ہے

ساہنپال شریف ضلع گجرات بتاریخ بیست و ہفتم شعبان المبارک ۱۳۷۴ یک ہزار و سہ صد و چہل و ہفت ہجری المقدس۔

مآخذ

مخطوطات فارسی:

۱: محمد پیر: حقیقت الفقرا ۱۰۷۱ھ، ذخیرۂ شیرانی، مخزونہ کتب خانہ دانش گاہ پنجاب، لاہور

۲۔ عبدی عبداللہ خویشگی قصوری: اخبار الاولیا ۱۰۷۷ھ، مکتوبہ ۱۱۱۴ھ، مملوکہ مولانا سید محمد طیب شاہ ہمدانی، قصور

۳۔ عبدی: معارج الولایت ۱۰۹۶ھ، مکتوبہ ۱۱۱۱ھ، ذخیرۂ آذر، مخزونہ کتب خانہ دانش گاہِ پنجاب، نمبر H 25

۴۔ عبدالفتاح بن محمد نعمان بدخشی: مفتاح العارفین ۱۰۹۶ھ مکتوبہ، ۱۳۰۱ھ، ذخیرہ شیرانی، مخزونہ کتب خانہ دانش گاہِ پنجاب، لاہور۔

۵۔ شاہ حسین لاہوری: تہنیت (۱) مخزونہ کتب خانہ پیر حیاتیاں والا نوشاہی، رسولنگر، پنجاب، پاکستان سال کتابت ندارد، قدیم الخط (۲) مملوکہ مولانا سیّد شرافت نوشاہی، ساکن ساہن پال، گجرات، بخط مولانا شرافت۔

مطبوعات:

۶۔ محمد پیر: حقیقت الفقراء (فارسی)، مطبوعہ مجلس شاہ حسین، لاہور

۷۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیا، (فارسی) مطبوعہ مطبع ثمر ہند، لکھنؤ ۱۸۷۳ء

۸۔ محمد اقبال مجددی (راقم الحروف): احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری، مطبوعہ محمد شمس الدین، تاجر کتب، زیر مسلم مسجد، چوک انار کلی، لاہور ۱۹۷۲ء

۹۔ داراشکوہ: حسنات العارفین اُردو ترجمہ مطبوعہ لاہور۔ (س۔ن)

۱۰: کنھیالال: تاریخ لاہور، لاہور، ۱۸۸۴ء

۱۱: عبدالقادر بدایونی: نجات الرشید، لاہور، ۱۹۷۲ء، ص ۳۲۰

مجلس شاہ حسین، لاہور نے کافیاں شاہ حسین کے ساتھ بطور ضمیمہ یہ مرتبہ رسالہ تہنیت طبع کر دیا ہے، لیکن چونکہ ہمارے مقدمہ سے اسلام کی حمایت ہوتی ہے، اس لیے انہوں نے اسے خارج کر دیا، جو علمی دیانت و امانت کے خلاف ہے۔

(صحیفہ، لاہور، جولائی ۱۹۷۲ء)

شیخ محمد ملتانی ثم بیدری

شیخ محمد ملتانی ثم بیدری عالم اور معروف شیخ طریقت تھے۔ ان کا نام شیخ محمد، ابوالفتح کنیت اور شمس الدین لقب تھا (معدن الجواہر، خطی برگ ۵ الف، مخزن الکرامات ۱۲، معارف القدر ۲ / ۳۱۸)

تذکرہ نویسوں نے انہیں سلطان معزالدین محمد بن سالم ملقب بہ شہاب الدین غوری (۵۶۹۔ ۶۰۲ھ ۱۱۷۳۔ ۱۲۰۳ء) کی اولاد میں سے بتایا ہے، بدیں طور:

مخدوم شیخ محمد بن مخدوم ابراہیم بن شیخ فتح اللہ بن شیخ ابوبکر بن شیخ فخرالدین بن شیخ بدرالدین بن اسپیلار بدرالدین بن اسپیلار فخرالدین بن اسپیلار شاہ مینا بن امیر شاہ الغوری بن سلطان شہاب الدین الغوری الغزنوی الدہلوی (معدن ۳ ب، مخزن ۹، ۲۸۹، معارف القدر ۲ / ۳۱۸)

لیکن اس معاملے میں تذکرہ نویسوں نے تحقیق نہیں کی کیوں کہ سلطان شہاب الدین غوری کی نرینہ اولاد تھی ہی نہیں بلکہ صرف ایک دختر تھی (غوریان ۲۳۱) ممکن ہے مخدوم شیخ محمد، سلطان شہاب الدین غوری کی دختر کی اولاد میں سے ہوں۔ مخدوم ابراہیم نے اپنے نسب کے ساتھ اپنی نسبت "الربیعی الاسماعیلی" لکھی ہے (معدن، مخزن ۹، معارف ۲ / ۳۱۸) یعنی ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان۔۔۔۔ نسل حضرت اسماعیل علیہ السلام و سید الانبیاء مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (جمہرۃ انساب العرب ۹۔ ۱۰)

سلطان کی موت کے بعد امیر شاہ غوری پہلے فرد ہیں جو وارد ہندوستان ہوئے اور پھر ملتان آکر آباد ہو گئے (مخزن ۲۵۷) ان کی اولاد مدت بعد ملتان سے بیدر گئی ان میں سے شیخ فتح اللہ اپنے فرزند شیخ ابراہیم کے ہمراہ بیدر چلے گئے اور وہیں آباد ہو گئے (ایضاً ۲۵۸)

مخدوم شیخ محمد کے والد مخدوم ابراہیم بیدری (ت ۸۶۸ھ / ۱۴۶۳ء) ایک ذی علم بزرگ تھے، انہوں نے معارف العلوم کے موضوع پر ایک کتاب تالیف کی اور سلطان علاء الدین احمد ثانی بہمنی (۸۴۰۔۸۶۳ء / ۱۴۳۶۔۱۴۵۸ء) کے نام معنون کر کے اس کا نام "علائی" رکھا (معدن ۱۱۳ب، مخزن ۲۶۱۔۲۶۲، معارف القدر ۲/ ۳۱۹، شروانی: The Behmanis ص ۱۵۶)

مخدوم شیخ محمد کی ولادت بیدر (من بلادِ دکن) میں ۸۶۲ھ / ۱۴۵۷ء کو ہوئی (معدن ۶۳ الف، ۷ب، مخزن ۱۳۰۔۱۴۲، معارف القدر ۲/ ۳۵۵۔۳۵۶)

شیخ جلال محمد قادری برہانپوری (ت ۹۲۸ھ / ۱۵۲۲ء) خلیفہ شیخ بہاء الدین تمیمی انصاری سنانی نے ایک روحانی اشارے پر مخدوم شیخ محمد کو اپنے حلقۂ قادریہ میں داخل کر کے خلافت سے سرفراز کیا۔ (گلزارِ ابرار خطی ورق ۱۴۴ الف، معدن ۶ب، محبوب ۱/ ۲۲۸، معارف القدر ۲/ ۳۳۰ مخزن ۱۶)

مخدوم شیخ محمد نے ایک ایرانی عالم ملا خانان کے خواجہ بندہ نواز سیّد محمد گیسو دراز حسینی (ت ۸۲۵ھ / ۱۴۲۲ء) کی کتاب اسمار الاسرار پر اعتراضات کے جواب میں پورا رسالہ تالیف کیا تھا (معدن ۵۷ب۔۵۸ب، مخزن ۱۱۸۔۱۱۹، محبوب ۱/ ۴۲۴)

مخدوم شیخ محمد کی خانقاہ تعلیم و تربیت کا عظیم سرچشمہ تھی اور انہوں نے تقریباً نصف صدی دعوت و عزیمت اور تلقین وارشاد میں گذار کر ۹۳۵ھ / ۱۵۲۶ء کو بعمر ۷۳ سال بیدر میں انتقال کیا (معدن ۶۳ الف۔۷۰ ب، مخزن ۱۳۰۔۱۴۲، معارف القدر ۲/ ۳۵۵۔۳۵۶) ان کا مزار محمد آباد بیدر بیرون قلعہ بیدر آبادی شہر میں واقع ہے، آپ "ملتانی بادشاہ" کے نام سے وہاں مشہور ہیں۔ (دیباچہ مترجم بر مخزن الکرامات ص ۲۹۱۳۔۲۹۳ و سرورق) کتاب The Bahmani Sufis ص ۹۰، میں ان کے مزار کی ایک قدیم تصویر میں بھی شامل ہے۔

مخدوم شیخ محمد کے پانچ بیٹے تھے اول شیخ ابراہیم مخدوم جی (ت ۹۷۰ھ / ۱۵۸۲ء)، دوم حافظ قاری شیخ اسماعیل (ت ۹۸۵ھ / ۱۵۷۸ء) دکن کے عماد شاہی سلاطین ان سے بڑے متاثر تھے ان سے برار آنے کے لیے کہا تو وہ بیدر سے برار چلے گئے وہاں پاتھری کے علاقے میں ان کی خانقاہ موجود ہے (معارف ۲/ ۳۵۸) مخدوم کے تیسرے فرزند شیخ اسحٰق (ت ۸۸۷ھ / ۱۴۸۲ء) اپنے والد کے حین حیات ہی فوت ہو گئے تھے، چوتھے بیٹے شیخ بدر الدین کو قطب شاہی سلاطین نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور سلطان ابراہیم قطب شاہ (۱۵۵۰ھ۔۱۵۸۰ء) نے

انہیں گولکنڈہ آنے کی دعوت دی (مخزن ۲۲۰، ۲۰۱ بہ بعد، معدن ۹۲ الف) اور پانچویں فرزند شیخ فخر الدین قادری تھے۔ یہ پانچوں کے پانچ ہی صاحبِ ارشاد و پرکار شخصیتوں کے مالک تھے وصیت کے مطابق فرزندِ بزرگ شیخ ابراہیم مخدوم جی آپ کے پہلے جانشین بنے (معدن ۷۶ الف)

مخدوم شیخ محمد کی بزرگی کا شہرہ مشرق، خراسان اور نواحی قندھار تک جا پہنچا اور ان علاقوں کے اہلِ دل نے بیدر جا کر آستانہ میں رہ کر فیض پایا (گلزار ابرار ۸۷ الف ب، اذکارِ ابرار ۱۲۹)

آپ کے حسبِ ذیل خلفاء کے نام ملتے ہیں:

سیّد یتیم اللہ بن سیّد جمال محمد قادری، سیّد حیدر مشہدی، شیخ عبد الکریم بن شیخ جلال قادری، شیخ عبد اللہ عرب، شیخ نظام ہتنوری، شیخ عبد اللہ الجپوری، شیخ جنید جونپوری، شیخ بڑہ ناگوری، میاں راجی محمد گجراتی، شیخ یوسف بن احمد بیجاپوری، شیخ بڑہ اودگیری، میاں علاء الدین بن شیخ شرف الدین، سلطان شاہ نابینا، شیخ گھوڑو ساکن کارنجہ، میاں نجو ساکن نکواڑہ، میاں حسان کوہیری (معدن ۶۷ ب، مخزن ۱۴۰۔ ۱۴۱) میاں خدا بخش، میرزا موسیٰ، شیخ احمد، قاضی محمد محتسب اور میاں حسین نبیرۂ صدر جہاں (معارف القدر ۲ / ۳۵۸)

مآخذ

۱۔ غوثی، محمد غوثی مانڈوی: گلزارِ ابرار، خطی نسخہ جون رائے لینڈ لائبریری، مانچسٹر، انگلینڈ نمبر ۱۸۵ (مخطوطاتِ فارسی)

۲۔ ایضاً: اذکارِ ابرار اُردو ترجمہ گلزارِ ابرار از فضل احمد جیوری، لاہور ۱۳۹۵ھ

۳۔ عبد القادر: معدن الجواہر، خطی مخزونہ کتابخانہ سید شرافت نوشاہی مرحوم، لاہور

۴۔ ایضاً: مخزن الکرامات اُردو ترجمہ معدن الجواہر از محمد کریم الدین، حیدر آباد، دکن، مطبع رحمانی ۱۳۲۰ھ

۵۔ سلامت علی خان: معارف القدر، اورنگ آباد، مطبع خبیر ۱۳۰۴ھ

۶۔ عتیق اللہ پژواک: غوریان، کابل، انجمن تاریخ افغانستان ۱۳۴۵ش

۷۔ ابنِ حزم اندلسی، ابی محمد علی: جمہرۃ انساب العرب، قاہرہ، دار المعارف ۱۹۸۲ء

۸۔ ملکاپوری، عبد الجبار: محبوب المنن تذکرہ اولیاءِ دکن ۲ جلد حیدر آباد دکن ۱۳۳۲ھ

۹۔ گیسو دراز، سید محمد حسینی: اسمار الاسرار طبع عطا حسین، حیدر آباد، دکن، اعظم اسٹیم پریس ۱۳۵۰ھ

10- Siddiqi, Muhammad Suleman: The Bahmani Sufis, Delhi, Idarah-i-Adbiyat-i-Dilhi, Dehli 1989.

11- Sharwani, H.K: The Bahmanis of the Deccan, Delhi, Munshi Ram Manuharlal.

فروری ۱۹۹۱ء

برائے دانشنامہ جہان اسلام، تہران

شیخ شاہ سکندر قادری کیتھلی

شاہ سکندر کیتھلی قادری دسویں صدی ہجری / سولہویں صدی عیسوی کے ایک معروف شیخ طریقت اور ...م تھے۔

شاہ سکندر بن شاہ عماد الدین بن شاہ کمال نجیب الطرفین سیّد اور حضرت شیخ عبد القادر گیلانی غوث اعظم ... اولاد میں سے تھے، شاہ سکندر کے دادا شاہ کمال (۸۹۵۔۹۸۱ھ / ۱۴۸۹۔۱۵۷۳ء) ایک صاحب علم بزرگ تھے ...ہوں نے شاہ فضیل قادری بغدادی سے ارادت و خلافت حاصل کی تھی انہی کے حکم پر شاہ کمال ہندوستان تشریف ...ئے اور ٹھٹھہ (Thatha) سندھ میں قیام فرمایا، حدود ۹۲۶ھ / ۱۵۲۱ء کو آپ یہاں کچھ عرصہ قیام کے بعد مشرقی ...جاب (ہندوستان) کے ضلع کرنال کی ایک تحصیل کیتھل (Kethal) منتقل ہو گئے اور وہیں قیام کرنے کا فیصلہ کر ...، یہاں قبول عام حاصل ہوا، حضرت مجدد الف ثانی کے والدِ گرامی مخدوم عبد الاحد (ف ۱۰۰۷ھ / ۱۵۹۹ء) بھی ...نہی سے منسلک تھے۔ (زبدۃ المقامات ۱۰۸، حضرات القدس ۲/ ۲۹، بزرگانِ کیتھل ۸۳۔۸۴، الکمال ۱۴۳۔ ...۱۴)

شاہ سکندر کے والد شاہ عماد الدین (ف ۹۸۶ھ / ۱۵۷۸ء) صاحب علم اور اپنے والد شاہ کمال کے ...بیت یافتہ خلیفہ تھے۔

شاہ سکندر کی ولادت قصبہ کیتھل میں ۹۶۳ھ / ۱۵۵۶ء کو ہوئی، دادا نے ان کا نام شاہ سکندر رکھا، آپ کی ...الدہ سیدہ نصیبہ (دختر سیّد علی اکبر ترمذی) تھیں، دادا نے تعلیم و تربیت کی (بزرگانِ کیتھل ۸۵۔۸۶)

شاہ سکندر اپنے وقت کے عالم اجل اور واعظ تھے اپنے جد اعلیٰ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ کی ...طرح ہفتے میں تین مرتبہ وعظ کرتے تھے، حضرت مجدد الف ثانی جیسے بزرگ بھی ان کی باطنی صلاحیتوں کے معترف ... تھے (زبدۃ المقامات ۱۰۸، حضرات القدس ۲/ ۱۰۲)

ملا محمد طاہر لاہوری (ف ۱۰۴۰ھ / ۱۶۳۰ء) خلیفۂ حضرت مجدد الف ثانی نے بھی شاہ سکندر سے سلسلۂ قادریہ میں فیض حاصل کیا تھا (قصر عارفان ۴۹۶۔۴۹۷) معروف عالم علامی ملا عبدالحکیم سیالکوٹی (ف ۱۰۶۷ھ / ۱۶۵۷ء) شاہ سکندر کی خدمت میں آتے رہتے تھے۔ (گلزارِ خوارق بحوالہ تذکرہ شاہ سکندر کیتھلی ۱۵۱)

شاہ سکندر کا وصال ۱۰۲۳ھ / ۱۶۱۴ء کو ہوا (زبدۃ المقامات ۱۰۸) سالِ وفات میں اختلاف ہے، معاصر ماخذ زبدۃ المقامات میں ۱۰۲۳ھ کے ساتھ حدود لکھا گیا ہے، مقامی اور خاندانی روایت کے مطابق آپ کا وصال ۱۰ جمادی الاول ۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء کو ہوا (بزرگانِ کیتھل، ۸۵، تذکرہ شاہ سکندر ۱۳۰۔۱۳۲) آپ کا احاطۂ مزار آپ کے والد اور دادا سے جدا بنایا گیا، شاہ سکندر کے فیض یافتگان کی بھی تعداد بہت زیادہ ہے، سلسلۂ قادریہ میں حضرت مجدد الف ثانی نے بھی انہی سے روحانی فیض پایا (زبدۃ المقامات ۱۰۸)

شاہ سکندر کے دو فرزند تھے اول شاہ گدار حسن عباس (ف ۱۰۳۱ھ / ۱۶۲۱ء)، دوسرے صاحبزادے شاہ محب اللہ الیاس زُہدی (ف ۱۰۸۶ھ / ۱۶۷۵ء) جن کی اولاد سے تاحال یہ سلسلۂ روحانی جاری ہے، آپ کی اولاد کیتھل سے ہجرت کر کے پاکستان آگئی تو یہ مزارات اب غیر مسلم لوگوں کے تصرف میں ہیں وہی ان حضرات کے عرس کرتے ہیں، پاکستان میں اس خانوادہ کے نمائندے سید مقبول محی الدین گیلانی ہیں، جن کا آستانہ ڈیرہ غازی خان (پنجاب) میں ہے۔

مآخذ

۱۔ بدر الدین سرہندی: حضرات القدس، جلد دوم مرتبہ محبوب الٰہی، لاہور، ۱۹۷۱ء

۲۔ خورشید حسین بخاری: تذکرہ حضرت شاہ سکندر کیتھلی، لاہور، ۱۹۷۶ء

۳۔ ایضاً: الکمال (سوانح شاہ کمال قادری کیتھلی)، لاہور، ۱۹۷۶ء

۴۔ مائل، محمود علی: دربارِ قادری، لاہور (س ن)

۵۔ محمد شاکر قریشی: تذکرۃ الانساب (ملخص اُردو ترجمہ بزرگانِ کیتھل) از سیّد مقبول محی الدین گیلانی، ڈیرہ غازی خان، ۲۰۰۶ء

۶۔ محمود الحسن گیلانی: مجددین سلسلہ قادریہ، لاہور ۱۹۹۹ء

۷۔ محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات، لکھنو، ۱۳۰۷ھ

۸۔ مظفر احمد قادری: ضیاء باطنی ہے کیتھلی سرکار، ۲۰۰۵ء

۱۵ اکتوبر ۲۰۰۷ء

برائے دانشنامہ نشیہ قارہ

شاہ ابو المعالی قادری کرمانی لاہوری غربتی

(آرام گاہ)

شاہ ابو المعالی قادری لاہوری کی آرامگاہ اس وقت شاہ ابو المعالی سٹریٹ گوالمنڈی لاہور (Shah Abul Muali Street, Gawalmandi, Lahore) میں ہے۔

شاہ ابو المعالی نے اپنی وفات ۱۰۲۴ھ / ۱۶۱۵ء سے پہلے ہی اپنے مزار کی تعمیر شروع کروادی تھی آپ نے اپنا روضہ شیخ عبد القادر جیلانی غوث اعظمؒ کے مزار کی طرز پر بنوایا تھا۔ ابھی زیر تعمیر تھا کہ شاہ ابو المعالی کا وصال ہو گیا (تحقیقاتِ چشتی ۱۰۲) اس کی تکمیل اور گنبد کی تعمیر آپ کے فرزندِ کلاں محمد باقر نے کروائی (ہمانجا ۱۰۳، Lahore. P 203)

گنبد کی ساخت ہشت پہلو ہے۔ یہ سفید گنبد منقش بھی ہے۔ روضے کا دروازہ لکڑی کا ہے۔ قبر کے گرد چوکھندی بھی لکڑی کی منقش ہے۔ آرامگاہ کے آٹھ دروازے کشادہ، چار بند اور سات میں توکٹہرے بھی بنے ہوئے ہیں۔ قبر خشتی چبوترے پر واقع ہے جو سطح زمین سے ڈیڑھ فٹ اونچا ہے۔ اس چبوترے پر چار قبریں ہیں اول شاہ ابو المعالی، دوم شاہ محمد باقر (فرزندِ کلاں شاہ ابو المعالی)، سوم شاہ محمد رضا بن شاہ محمد فاضل اور چہارم حاجی محمد فاضل نواسہ شاہ ابو المعالی۔

مقبرے کے مغرب میں ایک مسجد ہے جسے شاہ ابو المعالی نے خود تعمیر کروایا تھا۔ جس کی تجدید تعمیر سکھوں کے عہد میں غوثی خان (توپخانہ دار) نے کروائی۔ اس پر تین گنبد مدور مقطع ہیں۔ (تاریخ لاہور ۲۸۷، تحقیقاتِ چشتی ۱۰۳، عمدۃ التواریخ ۲/ ۲۲۵)

مزار کے ساتھ کئی مکانات اور دالان بھی بنے ہوئے ہیں جہاں شاہ ابو المعالی کی اولاد کے افراد بیٹھتے تھے۔ (ہمانجا ۲۸۷) یہ مقبرہ باہر سے دو منزلہ اور اندر سے ایک منزلہ ہے۔ جس کا زینہ مغرب کی طرف بنا ہوا ہے (ہمانجا، تحقیقاتِ چشتی ۱۰۳)

شاہان مغلیہ کی طرف سے اس روضے کے ساتھ دو چاہ مع اراضی ایک موضع سیالاں تحصیل چونیاں (Sayalan, Tehseal Chunian) اور دوسرا موضع خان ضلع شیخوپورہ میں بطور معافی واگذار تھے (آثار لاہور ۲۵۳) مہاراجہ رنجیت سنگھ کئی مرتبہ شاہ ابو المعالی کے مزار پر حاضر ہوا تھا۔ (عمدۃ التواریخ ۲/ ۲۲۵) اس مزار کے گردونواح میں بہت بڑا قبرستان تھا، یہیں زین خان کے محلات تھے۔ اور یہ علاقہ میدان زین خان کہلاتا تھا، پھر آہستہ آہستہ قبریں منہدم کر کے لوگوں نے مکانات بنا لیے (آثار لاہور ۲۵۵) آرامگاہ کے احاطہ میں بہت سی قبور ہیں جو اس خانوادے کے افراد کی ہیں۔ ایک مزار شاہ محمد صوفی مرید شاہ ابو المعالی، ایک قبر محمد شاہ قادری دوسری شاہ حسن حقی قادری برہانپوری کی بھی ہے۔ مشرق کی طرف شاہ ابو المعالی کی زوجہ اور دیگر خواتین کی قبریں بھی ہیں۔ اسی احاطہ میں نواب سرفراز خان اور نواب ذوالفقار خان، ایوب شاہ (بادشاہِ افغانستان) وغیرہ کی قبور بھی قابل ذکر ہیں۔

شاہ ابو المعالی کی اولاد شاہ ابو المعالی کا عرس بڑے اہتمام سے کرواتی ہے لیکن یہ عرس کئی تاریخوں میں متعدد مرتبہ ہوتا ہے۔

یہ آرامگاہ اس وقت محکمہ اوقاف کی تحویل میں ہے۔ محکمہ نے ہی سڑک کی طرف دکانیں بنا دی ہیں۔

مزار پر کوئی قدیم کتبہ موجود نہیں ہے۔

ماٰخذ

۱۔ جوادی، سیّد کمال حاج: میراث جاویدان۔ اسلام آباد ۱۳۷۰ھ

۲۔ چغتائی، محمد عبد اللہ: تاریخ اماکن لاہور۔ لاہور ۱۹۸۱ء

۳۔ داراشکوہ: سفینۃ الاولیاء۔ لکھنو، مطبع نولکشور ۱۹۰۰ء

۴۔ سوہن لال: عمدۃ التواریخ۔ لاہور ۱۸۸۸ء

۵۔ فوق، محمد الدین: مآثر لاہور، مشمولہ نقوش لاہور نمبر۔ فروری ۱۹۶۲ء

۶۔ کنھیا لال: تاریخ لاہور، لاہور ۱۸۸۴ء

۷۔ نور احمد چشتی: تحقیقاتِ چشتی، لاہور، لاہور مطبع پیسہ اخبار

8- Muhammad Latif: Lahore, its History, Architectural remains..... Lahore, 1892.

9- Epigraphia Indo-Moslemica (1907-12), Delhi, 1987.

10- Lahore District Gazetteer, Lahore, 1916.

۱۷ / اکتوبر ۱۹۹۶ء

برائے دائرۃ المعارف قادریہ

بی بی جمال خاتون

بی بی جمال خاتون، مشہور شیخ طریقت حضرت میاں میر لاہوری (۹۵۷۔۱۰۴۵ھ / ۱۵۵۰۔۱۶۳۵ء) کی حقیقی بہن، عابدہ وزاہدہ خاتون تھیں۔

بی بی جمال کے والد قاضی سائیں دِتا بن قاضی قلندر فاروقی اور ان کی والدہ بی بی فاطمہ بھی ولیہ عصر تھیں، انہیں اپنی والدہ سے ولایت کی بشارت بھی ملی تھی (سکینۃ الاولیاء ۲۶۔۲۷)

بی بی جمال خاتون کے بھائی میاں میر لاہوری ایک عالم، صوفی اور شاہ جہانی عہد (۱۰۳۷۔۱۰۶۸ھ / ۲۸۔۱۶۵۸ء) کے نامور شیخ طریقت تھے، سلاطین، شہزادگان اور امراء ان سے بہت عقیدت رکھتے تھے، خصوصاً داراشکوہ (ف ۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۹ء) بن شاہ جہان کو ان سے خاص عقیدت تھی اس نے میاں میر کے مناقب پر سکینۃ الاولیاء کے نام سے ایک مستقل کتاب تالیف کی تھی جس میں ان کی بہن یعنی جمال خاتون کے مناقب بھی بیان کیے ہیں۔

اوائل حال میں بی بی جمال خاتون نے اپنے والدین سے ذکر کی تعلیم حاصل کی، پھر میاں میر نے اپنے بھائی قاضی طاہر کو ان کی تربیت کے لیے مقرر کیا، بی بی جمال کی شادی ایک بزرگ زادے سے کر دی گئی لیکن صرف دس سال کی مدت میں ہی ان پر جذبہ الٰہیہ کا اس قدر غلبہ ہوا کہ ترکِ علائق کر کے ان سے علیحدہ ہو گئیں۔ اور اپنے شب وروز عبادت وریاضت میں گذارنے لگیں ان پر ترک وتجرید کا اس قدر استغراق ہو گیا تھا کہ جب میاں میر اپنے اصلی مستقر یعنی سیوستان (سندھ) گئے تو وہ ان سے ملنے کے لیے بھی نہ گئیں اور نہ ہی میاں میر نے ان سے ملنے کی کوشش کی موصوف اپنی بہن کی باطنی استعداد کی بہت تعریف کرتے تھے (سکینۃ الاولیاء ۱۲۹)

بی بی جمال خاتون روحانیت میں مرتبۂ اکمال و تکمیل حاصل کر چکی تھیں، داراشکوہ نے ان کی باطنی استعداد کے کئی واقعات اپنی کتابوں میں لکھے ہیں کہ وہ ترک و تجرید میں رابعۂ عصر ہو گئی تھیں (سفینۃ الاولیاء ۲۱۵۔ ۲۱۶، سکینۃ الاولیاء ۱۳۰۔ ۱۳۱)

وہ تمام عمر اپنے موطن سیوستان (Sewistan) میں ہی رہیں اور اس سے باہر قدم نہ نکالا (سکینۃ الاولیاء ۱۳۱)

بی بی جمال خاتون کا انتقال ۲۷ ربیع الاول ۱۰۵۷ھ / ۱۶۴۷ء کو ہوا ان کی عمر اس وقت ساٹھ سال سے متجاوز تھی (سکینۃ الاولیاء ۱۳۱)

اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ان کی ولادت حدود ۹۸۵ھ / ۱۵۷۷ء کو ہوئی (۱۰۵۷۔ ۶۲ھ)

مآخذ

۱۔ داراشکوہ: سفینۃ الاولیاء، لکھنو، مطبع نولکشور، ۱۹۰۰ء

۲۔ ایضاً: سکینۃ الاولیاء مرتبہ تاراچند و محمد رضا جلالی نائینی، تہران، ۱۹۶۵ء

۳۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنو، مطبع ثمر ہند، ۱۸۷۳ء

۴۔ ایضاً: حدیقۃ الاولیاء تحقیق و تعلیق، محمد اقبال مجددی، لاہور، ۱۹۷۶ء

۵۔ وفائی، دین محمد: تذکرہ مشاہیر سندھ، حیدر آباد، سندھ ۱۹۸۱ء

۱۸ مارچ ۲۰۰۳ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

مُلّا شاہ بدخشی قادری لاہوری

ملا شاہ بدخشی کا لاہور میں ۱۵ صفر ۱۰۷۲ھ / ۱۶۶۱ء کو انتقال ہوا[1] اور اپنے مرشد حضرت میاں میر کے مزار کے جوار میں الگ روضے میں دفن ہوئے۔

ملا شاہ بدخشی کے افکار میں خاصا تنوع، تضاد اور آزاد مشربی کا غلبہ تھا۔ جس کا اظہار انہوں نے خود اپنے رسائل میں بھی کیا ہے اس کے علاوہ دارا شکوہ نے اپنی تالیفات میں اور شہزادی جہاں آرا نے رسالہ صاحبیہ میں بھی ان کے افکار پر بحث کی ہے ایک اور معاصر سوانح نویس توکل بیگ کولابی نے بھی سال بہ سال ان کی زندگی کے وقائع وحوادث کو "نسخہ احوال شاہی" کے تاریخی نام سے ۱۰۷۷ھ / ۱۶۶۶ء میں قلم بند کیا ہے۔ ان مؤلفین نے ملا شاہ کو ان افکار کے باعث انہیں علمائے حق کی طرف سے جس سخت مخالفت کو برداشت کرنا پڑا اس کی تفصیلات بھی دی ہیں۔

ملا شاہ نے قرآن پاک کی بعض سورتوں کی تفسیر کی بھی کی ہے۔ تفسیر میں بھی ان پر تصوف کا خاص رنگ غالب ہے۔ ملا شاہ ایک شاعر بھی تھے انہوں نے اس فن میں اساتذہ متقدمین کی تقلید نہیں کی بلکہ آزاد روی سے مشق سخن کی ہے ان کے کلام میں اکثر اوزان وقوافی کے سقم پائے جاتے ہیں اور تعقیداتِ لفظی کی مثالیں بھی ملتی ہیں[2]۔

ملا شاہ بدخشی کی تالیفات حسب ذیل ہیں:

---

1. نسخہ احوال شاہی، ورق ۵۔ الف، عمل صالح ۳/ ۲۸۶ (فارسی کے حاشیہ)
2. ظہور الدین احمد: پاکستان میں فارسی ادب ۲/ ۱۳۹

دبستان مذاہب کے معاصر مؤلف نے ملا شاہ کے افکار کو ایک ہمہ اوستی فرقے کی صورت میں لکھا ہے (دبستان ۱/ ۱۵۵، ۱۵۹، ۱۶۱) نیز ایک اور معاصر مؤلف شاعر مرزا ... کشمیری نے بھی ان کے خیالات پر تنقید کی ہے (...)

۱۔ رسالۂ مرشد:

اس رسالے میں تصوف و سلوک کے متعلق بنیادی نظریات بیان کیے گئے ہیں۔ مؤلف پر وحدت الوجود کا رنگ غالب ہے۔

۲۔ رسالہ شاھیہ:

اس رسالے کا نام شاہ جہان، داراشکوہ اور شہزادی جہان آرا اور اپنے نام کی مناسبت سے شاھیہ رکھا ہے۔ چنانچہ آغاز میں ان اصحاب کے نام بھی لائے ہیں۔ یہ مثنوی کی صورت میں ہے اس کا موضوع بھی تصوف ہے توحید، کثرت و وحدت، تنزیہ و تشبیہ، جلال و جمال وغیرہ خدا کی صفات بیان کی ہیں۔ علم کے مختلف درجات بیان کیے ہیں۔

۳۔ رسالہ ولولہ:

اس کا کوئی مستقل موضوع نہیں ہے یہ بھی مختصر مثنوی ہے۔ جس میں مختلف عنوانات کے تحت اپنے اشعار یکجا کر دیے ہیں۔

۴۔ رسالۂ ہوش:

یہ مثنوی تمام تر ایسے اشعار پر مشتمل ہے جو تاثیر ہوش کے قیام اور پرورش و تربیت میں معاون ہو سکتے ہیں۔ ایسے خیالات کا بھی اظہار کیا ہے جس سے روحانی تربیت میں بھی مدد ملتی ہے۔

۵۔ رسالۂ نسبت:

اس میں بہت سے عنوانات ہیں سب سے اہم وہ حصہ ہے جس میں اپنے حالات بیان کیے ہیں۔ اس میں جابجا ملا شاہ کے کمالاتِ معنوی کا ذکر موجود ہے۔

۶۔ رسالہ حمد و نعت:

یہ مختصر مثنوی حمد و نعت کے موضوع پر ہے۔

۱۔ مثنویات ملا شاہ، نسخہ دانشگاہ پنجاب لاہور، نمبر ۱۵۸/۲۱۷۱

۷۔ تعریفاتِ خانہ وباغات ومنازل کشمیر:

نام سے موضوع واضح ہے۔ اس میں کشمیر کے ایسے مقامات کی تعریف ہے جہاں ملاشاہ کو رہنے کا اتفاق ہوا تھا۔

۸۔ رباعیاتِ ملاشاہ:

پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں شمارہ API VI 09 کے تحت رباعیات کا الگ مجموعہ ہے۔ ان رباعیات کے بہت سے عنوانات ہیں لیکن زیادہ غالب امر تصوف وعرفان کا ہے۔

۹۔ مکتوباتِ ملاشاہ:

اس کا خطی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور (شمارہ APC IV 3) میں موجود ہے۔ اس مجموعے میں ایک کے سوا باقی تمام تر مکتوبات داراشکوہ کے نام ہیں۔ جن میں اُسے بہت سے القاب سے نوازا گیا ہے۔ اس سے شہزادے اور ملاشاہ کے درمیان تعلقات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

۱۰۔ تفسیر شاہی:

یہ ملاشاہ کی نوشتہ قرآن پاک کی تفسیر ہے۔ یہ دراصل کلیات ملاشاہ کی جلد اول ہے۔ اس کا نسخہ کتابخانہ دانشگاہِ پنجاب لاہور میں موجود ہے اس کے علاوہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ ہند میں بھی موجود ہے اس کا سال تکمیل ۱۰۵۷ھ ہے[1]۔ اس کا ایک ناقص نسخہ لاہور میں آقاجی معین الدین کی لائبریری میں بھی موجود ہے۔

مآخذ

۱۔ توکل بیگ کولابی: نسخہ احوال شاہی (۱۰۷۷ھ) خطی نسخہ موزہ برطانیہ، لندن نمبر ۱۳۰ (ذیل فارسی)

۲۔ محمد مراد ٹنگ کشمیری: تحفۃ الفقراء، خطی نسخہ ریسرچ انسٹیٹیوٹ جموں وکشمیر، بھارت

۳۔ داراشکوہ: سکینۃ الاولیاء طبع تاراچند وجلالی نائینی، تہران، علمی ۱۳۴۴خ

۱ تفسیر پر تفصیلی مباحث کے لیے دیکھیے:

محمد اسماعیل: "ملاشاہ تفسیر قرآن اور عربی کلام" مقالہ مشمولہ جرنل خدا بخش لائبریری شمارہ ۲۴

۴۔ ایضاً: سفینۃ الاولیاء، کانپور، نولکشور ۱۹۰۰ء

۵۔ ایضاً: حسنات العارفین طبع مخدوم رہین، تہران ۱۳۵۲ خ

۶۔ ایضاً: مجمع البحرین طبع محفوظ الحق۔ کلکتہ ۱۹۲۹ء

۷۔ ایضاً: جوگ بشسٹ طبع امیر حسن عابدی، علی گڑھ ۱۹۶۸ء

۸۔ ایضاً: سرّ اکبر (ترجمۂ اوپانیشاد) طبع تاراچند و جلالی نائینی۔ تہران ۱۹۶۱ء

۹۔ ملاشاہ بدخشی: کلیاتِ خطی نسخہ کتابخانہ دانشگاہ پنجاب لاہور نمبر ۸۷ / SPI VI

۱۰۔ ایضاً: مثنوی رسالہ نسبت مقالہ برای حصولِ درجہ دکتری، نوشتہ زمرد ملک دانشگاہِ پنجاب لاہور، نمبر T/PiVI-20

۱۱۔ محمد اسماعیل شاہ: "ملاشاہ، تفسیر قرآن اور عربی کلام" مقالہ مشمولہ جرنل خدا بخش لائبریری پٹنہ، بہار شمارہ ۲۴

۱۲۔ محمد یمین لاہوری: ملاشاہ بدخشی، مقالہ مشمولہ تاثیر معنوی در ایران و پاکستان، لاہور

۱۳۔ جہاں آرا بیگم: رسالہ صاحبیہ تحقیق و ترجمہ محمد اسلم، مشمولہ جرنل ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان لاہور، ج XVII شمارہ ۱ (۱۹۸۰ء) ج XVI ش ۴ (۱۹۷۹ء)

۱۴۔ ظہور الدین احمد: پاکستان میں فارسی ادب جلد دوم، لاہور ۱۹۷۴ء

۱۵۔ عبد الحمید لاہوری: بادشاہ نامہ، کلکتہ ۱۸۶۷ء

۱۶۔ محمد صالح کنبوہ لاہوری: شاہ جہان نامہ۔ لاہور ۱۹۶۷ء۔ ۱۹۷۲ء

۱۷۔ کیخسرو اسفندیار: دبستانِ مذاہب طبع رحیم رضازادہ ملک، تہران، طہوری ۱۳۶۲ خ

۱۸۔ بختاور خان: مرآۃ العالم طبع ساجدہ علوی۔ لاہور

19- Bilgrami, F.Z: Nuskha-i-Ahwal-i-Shahi J.P.U. Historical Society Vol. xxii, No. 2 (1985)

20- Hesrat, B.J Dara Shikuh, Delhi 1982.

۲۶ جون ۱۹۹۲ء

برائے دانشنامۂ جہان اسلام، تہران

صوفی توکّل بیگ

توکل بیگ کولابی گیارہویں صدی ہجری کے ایک صوفی، شاعر اور تذکرہ نویس تھے۔

توکل بیگ کے حالاتِ زندگی مروجہ کتب تاریخ اور تذکروں میں نہیں ملتے انہوں نے اپنی کتاب "نسخۂ احوالِ شاہی" میں اپنے بارے میں جو اشارات قلم بند کیے ہیں ان کی بنیاد پر کچھ لکھا جا رہا ہے۔

توکل بیگ نسلاً ترک تھے اور ان کے اجداد بدخشاں کے معروف قصبہ کولاب سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد ایک سپاہی اور کشمیر کے گورنر اعتقاد خان (۱۰۳۳۔۱۰۴۳ھ / ۱۶۲۳۔۱۶۳۴ء) کی فوج میں ملازم تھے۔ توکل بیگ بھی اس کی فوج میں تھے۔ توکل بیگ کے والدین ملاشاہ بدخشی (ف ۱۰۷۲ھ / ۱۶۶۱ء) کے مرید تھے۔ ملاشاہ کی سفارش پر شہزادی جہان آرا نے توکل بیگ کی والدہ کے لیے دو روپے یومیہ مقرر کر دیا تھا۔ (نسخۂ احوالِ شاہی ۶۹ ب)

توکل بیگ ۱۰۳۸ھ / ۱۶۲۸ء کو پہلی مرتبہ ملاشاہ بدخشی سے ملے اور ان کے ایک خلیفہ ملا سعید کی خدمت میں تعلیم حاصل کرنے لگے کشمیر میں کافیہ تک ان سے پڑھا (ہمانجا ۲۰ الف، ب) وہ سولہ سال کی عمر میں سلسلۂ قادریہ میں ملاشاہ سے بیعت ہوئے یہ ۱۰۴۱ھ / ۱۶۳۱ء کا زمانہ تھا۔

۱۰۴۳ھ / ۱۶۳۳ء کو جب اعتقاد خان کا تبادلہ کشمیر سے دہلی ہو گیا (مآثر الامراء ۱/ ۱۸۴ تاریخ کشمیر حسن ۲/ ۴۸۷، ۴۹۷) تو توکل بیگ کے خاندان کے افراد بھی دہلی منتقل ہو گئے لیکن توکل بیگ نے دہلی جانے سے انکار کر دیا اور اپنے مرشد ملاشاہ کی صحبت میں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ تقریباً چالیس سال تک ملاشاہ سے منسلک رہے جن میں ملازمت کے لیے چند سالوں کے وقفے بھی شامل ہیں۔ توکل بیگ ملاشاہ سے بیعت (۱۶۳۱ء) کے بعد مزید دو سال تک اپنے مرشد کی خدمت میں رہے پھر اپنے والد کے خط بنام ملاشاہ کی بنا پر وہ شہزادہ شجاع گورنر بنگال کی ملازمت میں چلے گئے جہاں دس سال تک وہ خدمات انجام دیتے رہے۔ آخر انہوں نے ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۴ء میں اس

ملازمت سے استعفادے دیا۔ اور پھر کامل ایک سال تک کشمیر میں ملاشاہ کی خدمت میں رہے جہاں اوراد و اشغال کے لیے انہیں ایک حجرہ دیا گیا۔ وہاں سے انہیں یہ کہتے ہوئے رخصت کر دیا کہ تم ایک سپاہی کے بیٹے ہو تمہارا پیشہ سپاہ گری ہے۔ ملاشاہ نے توکل بیگ کو ایک سفارشی رقعہ بنام داراشکوہ دیا جس پر دارا نے انہیں دو صدی کا منصب دے کر اپنی ملازمت میں لے لیا (نسخہ احوالِ شاہی ۶۹ ب)

داراشکوہ نے توکل بیگ کے ذریعے اپنے متعدد پیغامات ملاشاہ کے نام بھیجے کئی مرتبہ توکل بیگ کو دارا کی سرکار سے رخصت ہی صرف اس شرط پر ملی کہ وہ ملاشاہ کو کشمیر سے لاہور لائے گا۔ (ہمانجا ۱۷۔ الف)

توکل بیگ نے ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء کو ملاشاہ کی راہنمائی میں ملاشاہ کے کلیات کی تصحیح و تقابل کا کام ایک سال میں انجام دیا اور تقریباً پچاس ہزار ابیات کی تصحیح کی۔ (ہمانجا ۶۹۔ الف)

معلوم ہوتا ہے کہ توکل بیگ داراشکوہ کی شکست بدست اورنگزیب ۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۷ء تک اس سے منسلک رہے۔ اورنگزیب عالمگیر کے عہد میں توکل بیگ کو بہت قلیل منصب ملا اور اس کی تقرری کانگڑہ (Kangreh) میں رہی (ہمانجا ۱۔ الف۔ ۲ ب)

توکل بیگ فارسی میں شعر بھی کہتے تھے اپنی کئی منظومات نسخہ احوالِ شاہی میں نقل کی ہیں۔ جن میں "توکل" بطور تخلص استعمال کیا ہے (نسخہ احوالِ شاہی ۶۹۔ الف، ۷۱۔ الف و بہ بعد)

توکل بیگ کے زیادہ تر اشعار کا تعلق اولیاء کے مناقب سے ہے اگر گیارہویں صدی ہجری کے شعراء کے صوفیانہ مناقب جمع کیے جائیں تو توکل کا کلام ان میں منفرد نظر آئے گا۔ توکل بیگ کو شعر فہمی کا خوب درک تھا جبھی تو ملاشاہ نے اپنی منظومات کی تصحیح و تقابل کا کام ان کے سپرد کیا تھا۔ (ہمانجا ۶۹۔ الف)

توکل بیگ جیسا کہ ہم نے لکھا ہے کولاب (بدخشان) کے رہنے والے تھے تعجب ہے کہ موزہ برطانیہ کے فہرست ساز ریو (Rieu) نے اسے کولائی کیسے پڑھ لیا (فہرست مخطوطاتِ فارسی، ضمیمہ ۹۶/ ۱۳۰) جبکہ نسخہ میں واضح طور پر کولابی نسبت درج ہے۔ کولال نام کا کوئی علاقہ کتب جغرافیہ میں مذکور نہیں ہے۔

توکل بیگ بن تولک بیگ کی اب تک صرف دو کتابیں دریافت ہوئی ہیں اول تاریخ دلگشای شمشیر خانی اور دوم نسخہ احوالِ شاہی۔

ا۔ تاریخ شمشیر خانی

شاہ نامہ فردوسی کی فارسی نثر میں تلخیص ہے۔ جو انہوں نے غزنی میں اپنی تعیناتی بحیثیت وقائع نویس وہاں کے حاکم شمشیر خان ترین (۱۰۶۳۔۱۰۶۹ھ) کے حکم پر ۱۰۶۳ھ کو تالیف کی، اس کتاب کے کئی خطی نسخے ایران و پاکستان کے کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں، اس کا فارسی متن ڈاکٹر طاہرہ پروین اکرم نے مرتب کیا، جو مرکز تحقیقاتِ فارسی، اسلام آباد سے ۲۰۰۵ء کو شائع ہوا۔

۲۔ نسخہ احوالِ شاہی:

یہ توکل بیگ کولابی کی تالیف ہے جو فارسی نثر میں ہے جابجا اس میں فارسی اشعار بھی نقل ہوئے ہیں۔ اس کتاب کا موضوع ملا شاہ بدخشی (۹۹۲۔۱۰۷۲ھ / ۱۵۴۸۔۱۶۶۱ء) کے حالات، مکتوبات، ملفوظات اور افکار کا بیان ہے۔ "نسخہ احوالِ شاہی" اس کتاب کا تاریخی نام ہے جس سے اس کا سالِ تالیف ۱۰۷۷ھ برآمد ہوتا ہے۔

موکف نے ہر مقام پر ملا شاہ بدخشی کا نام لکھنے کی بجائے ان کی لقب "حضرت شاہ اولیا" استعمال کیا ہے۔ موکف نے وضاحت کی ہے کہ اس نے اس میں صرف وہی کچھ لکھا ہے جو اس نے براہِ راست ملا شاہ کی زبان سے سنایا اپنی حاضری کے دورانِ بچشم خود دیکھا۔ البتہ موکف کے پیش نظر شہزادہ دارا شکوہ کی تالیف سکینۃ الاولیاء بھی تھی (نسخہ احوالِ شاہی ۴۰ب) اور ملا شاہ کے حالات پر شہزادی جہان آراء کا رسالہ صاحبیہ سے بھی موکف نے استفادہ کرنے کا ذکر کیا ہے (ہمانجا ۱۴ب)۔

مولف ۱۰۳۸ھ / ۱۶۲۸ء کو ملا شاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے منسلک ہو گئے اور ان کے وصال ۱۰۷۲ھ تک ۳۵ سال مرشد کی خدمت میں رہے سوائے ان چند برسوں کے جن میں مؤلف مختلف ملازمتوں پر فائز رہے تھے۔ اس دوران جو کچھ انہوں نے اپنے مرشد کی زبانی سنا اُسے ملا شاہ کے میاں میر لاہوری (ف ۱۰۴۵ھ / ۱۶۳۵ء) سے خلافت یاب ہونے کے سال (۱۰۳۸ھ) کو سالِ اول قرار دے کر ہر برس کے واقعات سنین کے اعتبار سے لکھتے چلے گئے۔ (ہمانجا ۱۱۔الف)

اس کتاب میں ملا شاہ بدخشی کے ذاتی حالات، ان کی مذہبی زندگی، روحانی انہماک، اعمال و اشغال کی مشق، حبس دم، مراقبہ اور مکاشفات بیان ہوئے ہیں۔ ملا شاہ بدخشی کے مکاتیب اور ان کے اشعار کی تشریحات کے

دوران ثبوت کے طور پر نقل کیے ہیں۔ ملا شاہ کی گفتگو اور کلام کا موضوع وحدت الوجود، فنا و بقاء، کفر و ایمان، شریعت وطریقت ہے۔ یہ کتاب ملا شاہ کو صرف ایک صوفی کی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ شاعر کے طور پر بھی متعارف کرواتی ہے۔

اس میں ملا شاہ کے معاصر علماء و صوفیہ کے ساتھ تعلقات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ملا شاہ کے نزدیک ایک طالب کا مرید ہونے کے لیے مسلمان ہونا بھی لازم نہیں ہے بنوالی داس ولی کی بیعت کے واقعہ کی اشارہ بھی کیا ہے۔

اس تذکرے میں گیارہویں صدی ہجری کی معاصر سیاست، معاشرت اور کلچر کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں۔ مختلف سیاسی واقعات کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے ۱۰۵۱ھ / ۱۶۴۱ء کو شاہ عباس صفوی کے قندھار پر حملے ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۹ھ / ۱۶۴۵۔ ۱۶۴۹ء تک بلخ، بدخشان اور قندھار پر مغلوں کے حملوں کے اشارات بھی ملتے ہیں۔ جن کی تصدیق معاصر کتبِ تاریخ سے بآسانی ہو جاتی ہے۔

اس تذکرے میں عوام کی غربت اور بے حالی کا بھی جابجا ذکر ملتا ہے۔ جو اس عہد کی معاشی تاریخ مرتب کرنے والوں کے لیے مفید ہو سکتا ہے۔ اس کتاب میں کشمیر اور لاہور کے علمی مرکز کی حیثیت اختیار کرنے کے ثبوت بھی ملتے ہیں کہ ان علاقوں میں مساجد، درگاہیں اور درس گاہیں کس سرعت کے ساتھ ترویج دین میں مصروف تھیں۔

نسخۂ احوالِ شاہی میں ملا شاہ بدخشی کے سلاطین و امراء، شہزادے، شہزادیوں اور دیگر بااثر شخصیات کے ساتھ روابط کی تفصیلات بھی ملتی ہیں۔ کشمیر اور لاہور میں ملا شاہ اور شاہ جہان کے مابین مراسلت اور مجالس کا تذکرہ بھی ملتا ہے (ہمانجا ۳۶۔ الف، ب ۳۷، الف، ۳۸، الف، ۴۲۔ ۵۰ الف ب، ۵۲ ب) اس میں شاہ جہان کے خطوط کے متن بھی نقل ہوئے ہیں (ہمانجا ۵۵۔ الف ب، ۹۲۔ الف، ۷۱۔ الف۔ ۷۳ ب، و بہ بعد)

اس تذکرے میں عہدِ شاہ جہان و اورنگزیب کے امراء مقرب خان، علی مردان خان، ابوالفتح قابل خان اور سعد اللہ خان کی ملا شاہ سے عقیدت کا برابر تذکرہ کیا گیا ہے۔ نسخۂ احوالِ شاہی کا تذکرہ نویسی کے فن میں بلند مقام ہے۔ برصغیر میں تالیف ہونے والے تذکروں میں اسے اس اعتبار سے امتیازی حیثیت حاصل ہے کہ اس میں ملا شاہ

کے حالات و واقعات کو سنین کے تحت لکھا گیا ہے۔ جبکہ دیگر تذکرے محض کرامات کے مجموعے بن کر رہ گئے ہیں۔ یہ صرف ایک مفرد تذکرہ ہی نہیں ہے بلکہ اس عہد کی سیاسی اور سماجی تاریخ کے اہم نکات کا بھی حامل ہے۔

نسخہ احوالِ شاہی کا فارسی متن تاحال شائع نہیں ہوا ہے، اب تک اس کے مندرجہ ذیل خطی نسخے ہمارے علم میں ہیں:

۱۔ موزہ برطانیہ، لندن (فارسی نمبر ۱۳۰۔ فہرست مخطوطاتِ فارسی، ضمیمہ ص ۹۶)

مقالہ حاضر میں تمام تر حوالے اسی نسخہ لندن کے مطابق ہیں۔

۲۔ اورینٹل مینوسکرپٹ لائبریری، حیدر آباد، دکن (نمبر تصوف ۳۴۹)

(بحوالہ مقالہ فاطمہ بلگرامی مشمولہ [J.P.U.H.S.Vol.23, 1985])

M.A.de Kremer نے فرانسیسی زبان میں اس کا خلاصہ J.Asiatique Vo. Xiii 1869 کو بعنوان:

Molla-Shah et le spiritualisme oriental شائع کیا۔ (سٹوری: ادبیاتِ فارسی ج ۱ بخش ۲ ص ۱۰۰۹)

مآخذ

۱۔ توکل بیگ کولابی: تاریخ دلکشای شمشیر خانی مرتبہ طاہرہ پروین اکرم، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء

۲۔ توکل بیگ کولابی: نسخۂ احوالِ شاہی۔ خطی نسخہ مخزونہ کتابخانۂ موزۂ برطانیہ لندن (فارسی نمبر ۱۳۰) مائیکروفلم در کتابخانۂ دولتی پاکستان۔ اسلام آباد

۳۔ جہان آرا شہزادی: رسالہ صاحبیہ (در حالاتِ ملا شاہ بدخشی) مرتبہ محمد اسلم۔ مشمولہ جرنل ریسرچ سوسائٹی۔ ج ۱۵ (۱۹۷۹ء)

۴۔ حسن، پیر غلام حسن کھویہامی: تاریخ حسن، سری نگر ۱۹۵۴ء

۵۔ زمرد ناہید: مثنوی رسالہ نسبت تالیف ملا شاہ بدخشی غیر مطبوعہ مقالہ برائے درجہ پی ایچ ڈی (ادبیاتِ فارسی بسال ۱۹۸۴ء)

مخزونہ کتابخانہ مرکزی دانشگاہ پنجاب لاہور۔ نمبر T/Pi-VI-20

۶۔ شاہ نواز خان، صمصام الدولہ مآثر الامراء ترجمہ و تحقیق محمد ایوب قادری۔ لاہور، ۱۹۶۸ء

۷۔ ظہور الدین احمد: پاکستان میں فارسی ادب، لاہور، ۱۹۷۴ء

۸۔ منزوی، احمد: فہرستوارہ کتابہای فارسی۔ تہران، ۱۳۷۵ش

۹۔ نور الحسن انصاری: فارسی ادب بعہد اورنگزیب۔ دہلی، ۱۹۶۹ء

10- Fatima Zehra Bilgrami: Nuskha-i-Ahwal-i-Shahi. Journal, Punjab University Historical Society, Lahore, Vol.Xxiii, Jan-Sep. 1985.

11- Rieu: Supplement to the Cat. Of Persian Manuscripts in British Museum, London, 1895.

12- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970.

13- Muhammad Usman: Life and Teachings of Mulla Sh. (M.A. Theses, 1963), Punjab University, Lahore.

یکم جولائی ۱۹۹۸ء

برائی دانشنامہ شبہ قارہ

شاہ بلاول لاہوری

شاہ بلاول قادری لاہوری گیارہویں صدی ہجری کے نامور صوفی اور مدرس تھے۔

سید شاہ بلاول بن عثمان بن عیسیٰ قادری، کا تعلق نیکورہ (Nikorah) خاندان سے تھا جو عرف عام میں کارہ (Karah) کہلاتا تھا (حالات حضرت شاہ بلاول ص ۵) شاہ بلاول کے اجداد ہمایوں بادشاہ کے ساتھ ہرات سے ہندوستان آئے، بادشاہ نے قصبہ شیخوپورہ (Shykhopurah) ان کو بطور جاگیر میں دیا۔ اور یہ خاندان وہیں آباد ہو گیا۔ یہیں شاہ بلاول کی ولادت ہوئی۔ (حدیقۃ الاولیاء ۵۰، تاریخ شیخوپورہ ۳۰۲۔۳۰۵) وفات کے وقت عمر ستر سال تھی اس حساب سے ان کی ولادت ۹۷۶ھ / ۱۵۶۸ء کو ہوئی (خزینۃ الاصفیاء ۱/ ۱۶۳)

شاہ بلاول کی تعلیم و تربیت لاہور کے معروف عالم شیخ فتح محمد کی خدمت میں ہوئی (ہمانجا ۱/ ۱۶۱) شیخ شمس الدین قادری لاہوری (ف ۱۰۲۱ھ) سے بیعت ہوئے جو شیخ ابو اسحاق قادری لاہوری (رک باں) کے خلیفہ تھے اور وہ شیخ داؤد کرمانی شیر گڑھی (Shergarhi) کے خلیفہ تھے۔ (حالاتِ شاہ بلاول ۶،۵)

شاہ بلاول نے اپنی خانقاہ کے سامنے ایک شاندار مسجد بنوائی تھی ان کے ساتھ ایک خوبصورت باغیچہ بھی تھا، یہ شہر لاہور سے مشرق کی طرف دریائے راوی کے بالمقابل ایک بلند ٹیلے پر واقع تھی (ہمانجا ص ۴)

شاہ بلاول کی خانقاہ مریدوں کی تربیت کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کے لیے بھی مشہور تھی بکثرت قاری اور طلبہ حوض کے گرد بیٹھ کر تلاوت کیا کرتے تھے (حالات شاہ بلاول ۲، ۴) ان کی خانقاہ جہاں علماء و طلبہ کا مرجع تھی وہاں سلاطین و امراء بھی بکثرت حاضر ہوا کرتے تھے۔ آپ کی خانقاہ مسافر نوازی کے لیے بھی بہت مشہور تھی۔ (ہمانجا ۶،۵)

شاہ جہان بادشاہ ۱۰۴۳ھ / ۱۶۳۳ء کو شاہ بلاول کی ملاقات کے لیے خانقاہ میں آیا تو دس ہزار روپے مجاوروں اور خانقاہ نشینوں کے لیے دیئے (عمل صالح ۲/ ۶۱) اس سے قبل تخت نشینی کے فوراً بعد جب شاہ جہاں

۱۰۳۸ھ / ۱۶۲۸ء کو لاہور آیا اور یہاں کے علماء وصوفیہ سے ملا تو شاہ بلاول نے ملاقات کی اجازت نہیں دی وہ بلا اجازت ہی ملنے کے لیے چلا آیا۔ (حالات شاہ بلاول ۱۲، پادشاہ نامہ ۲۲/۲/۳۶۳)

حاجت مندوں کے لیے آپ بکثرت خطوط امراء کے نام لکھتے تھے۔ جن میں ان کی جائز ضرورتیں پوری کرنے کی سفارش ہوتی تھی۔ اسی قسم کا ایک رقعہ آصف خان کے نام بھی لکھا تھا (حالات شاہ بلاول ۳، ۱۲ وبہ بعد) شاہ جہاں متعدد مرتبہ لاہور میں شاہ بلاول سے ملا تھا۔ ایک ملاقات میں اس نے اپنے فرزند داراشکوہ کے لیے دعا کی درخواست کی تھی (ہمانجا ۱۳) شاہ بلاول میاں میر لاہوری (ف ۱۰۴۵ھ / ۱۶۳۵ء) کے کمالاتِ روحانی کے معترف تھے (سکینۃ الاولیاء ۵۰ حالاتِ شاہ بلاول ص ۱۴) شیخ بلاول اعلیٰ اخلاق کے مالک، نہایت مہذب اور خوش گفتار تھے۔ ان کے مواعظ بہت اثر انگیز ہوتے تھے۔ (عمل صالح ۳/ ۲۸۱)

لاہور میں شاہ بلاول کی خانقاہ اور باغ دراصل مسافروں اور حاجتمندوں کی پناہ گاہ تھی۔ باغ نہایت خوبصورت اور پر فزا تھا (تحقیقاتِ چشتی ۲۱۰)

شاہ بلاول کا وصال ۲۸ شعبان ۱۰۴۶ھ / ۱۶۳۶ء کو ہوا (عمل صالح ۳/ ۲۸۱، سفینۃ الاولیاء ۱۹۸، خزینۃ الاصفیاء ۱/ ۱۶۳)

لاہور میں اپنی خانقاہ میں دفن کیے گئے اس وقت مزار قبرستان نزد حاجی یحییٰ کالونی، باغ راجہ دینا ناتھ، سلطان پورہ روڈ پر واقع ہے۔

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی (ف ۱۰۶۸ھ / ۱۶۶۸ء) نے غنیۃ الطالبین تصنیف شیخ عبدالقادر گیلانی ملقب بہ غوث اعظم کا عربی سے فارسی زبان میں بحسبِ ارشاد شاہ بلاول قادری لاہوری ترجمہ کیا تھا (خزینۃ الاصفیاء ۲/ ۳۵۱)

محبوب الواصلین:

شاہ بلاول لاہوری کے ملفوظات ومناقب پر ایک قریب العہد کتاب محبوب الواصلین کے چند اقتباسات مفتی غلام سرور لاہوری نے دیئے ہیں (خزینۃ الاصفیاء ۱/ ۱۶۳۔ ۱۶۱) اس کتاب کے فارسی متن کے کسی نسخے کا ہمیں تا حال علم نہیں ہے، ہمارا قیاس ہے کہ ملک فضل الدین نے لاہور سے حالات حضرت شاہ بلاول لاہوری کے نام سے جس رسالے کا اُردو ترجمہ شائع کیا تھا وہ یہی محبوب الواصلین ہے۔ یہ کتاب شاہ بلاول کے پوتے عبدالغنی بن

شیخ محمد حیات بن شاہ بلاول کے حین حیات تالیف ہوئی تھی اور مؤلف نے شاہ عبد الغنی سے کئی روایات نقل کی ہیں۔
اس کتاب کے مؤلف کا نام ترجمہ میں موجود نہیں ہے۔

مآخذ

۱۔ چشتی، نور احمد: تحقیقاتِ چشتی، لاہور، مطبع پیسہ اخبار، ۱۸۶۵ء

۲۔ دارا شکوہ: سفینۃ الاولیاء، لکھنو، ۱۹۰۰ء

۳۔ دارا شکوہ: سکینۃ الاولیاء مرتبہ تاراچند و جلالی نائینی، تہران، ۱۹۶۵ء

۴۔ عبد الحمید لاہوری: پادشاہ نامہ، کلکتہ، ۱۸۶۸ء

۵۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، کانپور، ۱۸۷۳ء

۶۔ ایضاً: حدیقۃ الاولیاء تحقیق و تعلیق محمد اقبال مجددی، لاہوری، ۱۹۷۶ء

۷۔ قزوینی، محمد امین: بادشاہ نامہ (بخش مربوط بہ تراجم اعیان) مرتبہ محمدّ سلیم اختر مشمولہ رسالہ اُردو، کراچی، ش اج ۵۵، ۱۹۷۹ء

۸۔ مقصود ناصر: تاریخ شیخوپورہ، لاہور، ۱۹۶۳ء

۹۔ محمد صالح کنبوہ لاہوری: عمل صالح مرتبہ غلام یزدانی و وحید قریشی، لاہور، ۱۹۶۷ء

۱۰۔ نامعلوم الاسم: حالات حضرت شاہ بلاول لاہور، ناشر ملک فضل الدین لاہور، س۔ن

۱۲ مئی ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ کشبہ قارہ

شیخ ابو محمد قادری لاہوری

شیخ ابو محمد قادری لاہوری، لاہور کے نامور عالم و شیخ طریقت محمد طاہر بندگی لاہوری کے خلیفہ و جانشین تھے۔

شیخ ابو محمد قادری ابتداء میں عملیات اور تسخیرِ جنات کے فن کے ماہر کی حیثیت سے مشہور تھے۔ جب شیخ محمد طاہر لاہوری خلیفہ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کی لاہور میں شہرت ہوئی تو ان کی خدمت میں پہنچے۔ شیخ محمد طاہر بندگی لاہوری متوفی ۱۰۴۰ھ / ۱۶۳۰ء حضرت مجدد الف ثانی کے حینِ حیات شاہ سکندر کیتھلی سرہند تشریف لائے تو قصیدہ بُردہ کے بعض مقامات سمجھنے کے لیے شیخ محمد طاہر لاہوری کو جو ان دنوں سرہند میں تھے اپنے ساتھ اپنے گاؤں کیتھل لے گئے، شاہ سکندر شیخ محمد طاہر سے اتنے متاثر اور خوش ہوئے کہ انہیں نسبتِ قادریہ کی بشارت اور خلافت دے کر رخصت کیا اور ساتھ ہی "بندگی" کا لقب بھی دیا (شرائفِ غوثیہ۔ خطی برگ ۱۴۵ب، زبدۃ المقامات ص ۳۴۰، حضرات القدس ۲/ ۳۱۹، خلاصۃ المعارف، خطی ۲/ ۲۵۹ب)

شیخ محمد طاہر لاہوری کے وصال (۱۰۴۰ھ) کے بعد شیخ ابو محمد لاہوری سجادہ نشین ہوئے (تحقیقاتِ چشتی ۱۶۶، شرائفِ غوثیہ ۱۴۵ب) اور شیخ محمد طاہر کے وصال کے دس سال بعد ان کی وفات ہوئی (تحقیقاتِ چشتی ۱۶۶) یعنی حدود، ۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۶ء ان کا مزار شیخ محمد طاہر کے مزار واقع میانی صاحب لاہور کے قریب ہی ایک جداگانہ چبوترے پر بنایا گیا (ایضاً) شیخ محمد طاہر کے مزار کی تعمیر بھی شیخ ابو محمد قادری لاہوری نے کروائی تھی (ایضاً) شیخ ابو محمد لاہوری کا شجرۂ طریقت اس طرح سے واصل ہوتا ہے۔ شیخ ابو محمد قادری مرید و خلیفہ شیخ محمد طاہر لاہوری وہو مرید و خلیفہ شاہ سکندر کیتھلی وہو خلیفہ شاہ کمال کیتھلی۔ شاہ فضیل، سید گدار حسن ثانی، سید شمس الدین عارف۔ سید عقیل، سید بہاء الدین، سید عبد الوہاب، شرف الدین قتال، سید عبد الرزاق، شیخ عبد القادر جیلانی (خزینۃ الاصفیاء ۱/ ۲۶۶، شرائف غوثیہ، خطی برگ ۲۲۰ب)

شیخ ابو محمد قادری لاہوری کے خلفاء میں سے شیخ محمد افضل کلانوری لاہوری مشہور ہوئے ہیں جن سے بٹالے کے معروف قادری بزرگ شیخ محمد فاضل قادری بٹالوی (ف ۱۱۵۱ھ / ۱۷۳۸ء) نے اخذِ فیض کیا جن کے دامنِ تربیت سے لاتعداد افراد نے وابستہ ہو کر فیض پایا اور ان کے بہت سے خلفاء ہوئے ہیں قادری فاضلی سلسلہ انہی سے جاری ہوا (شرائفِ غوثیہ برگ ۱۴۶۔ ۱۵۳) محمد بن غلام غوث نے لکھا ہے کہ شیخ محمد طاہر کے وصال کے بعد جب شیخ ابو محمد لاہوری جانشین ہوئے تو کثیر تعداد میں لوگوں نے ان سے باطنی استفادہ کیا (شرائفِ غوثیہ ۱۴۶۔ الف)

مآخذ

۱۔ محمد ہاشم کشمی بدخشی: زبدۃ المقامات، لکھنو، ۱۳۰۷ھ

۲۔ بدر الدین سرہندی: حضرات القدس مرتبہ محبوب الٰہی۔ لاہور ۱۹۷۱ء

۳۔ آدم بنوری، شیخ: خلاصۃ المعارف۔ خطی مملوکہ پیر ابو الخیر عبد اللہ جان، پشاور

۴۔ محمد امین بدخشی: نتائج الحرمین، خطی نسخہ کتابخانہ انڈیا آفس۔ لندن نمبر ۶۵۲۔Ethe

۵۔ محمد بن غلام غوث: شرائفِ غوثیہ۔ خطی موزۂ ملی پاکستان، کراچی نمبر ۵۶۔ ۱۹۶۲ N.M

۶۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء لکھنو ۱۸۷۳ء

۷۔ نور احمد چشتی: تحقیقاتِ چشتی، لاہور ۱۸۶۵ء

۱۳ فروری ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ سیّد بدر الدین گیلانی

سیّد بدر الدین گیلانی بارہویں صدی ہجری کے ایک صوفی بزرگ تھے۔

شیخ سید بدر الدین بن سید علی بن حاجی محمد ہاشم گیلانی سادات میں سے تھے۔ سادات کے اس خانوادے کا تعلق پنجاب کے معروف علاقہ اوچ (Uch) سے تھا۔

سیّد بدر الدین ایک متبحر عالم تھے۔ لاہور میں درس و تدریس کے علاوہ وعظ بھی کہتے تھے۔ ان کا خطبہ بہت علمی اور دینی مسائل سے پُر ہوتا تھا۔ (خزینۃ الاصفیاء ا/ ۱۹۵)

شیخ بدر الدین بہت بارعب شخصیت کے مالک تھے عام لوگوں کو ان سے گفتگو کی تاب نہیں تھی بہت آزاد منش اور قلندرانہ وضع رکھتے تھے۔ بہت بے باکانہ بات کرتے تھے۔ (خزینۃ الاصفیاء ا/ ۱۹۵، نزہۃ الخواطر ۶/ ۴۴)

شیخ بدر الدین نہایت متوکلانہ زندگی بسر کرتے تھے سلاطین و امراء کے ساتھ میل جول اور تعلق داری ہرگز پسند نہیں تھی۔ ابو الفتح معز الدین محمد جہاندار شاہ (۱۱۲۴ـ۱۱۲۵ھ / ۱۲ـ۱۷ـ۱۳ـ۱۷ء) اپنے قیام لاہور کے زمانے میں شیخ بدر الدین گیلانی سے ملاقات کے لیے آیا تو ایک لاکھ روپے نقد اور چند قطعہ اراضی جاگیر اور مدد معاش کے طور پر پیش کی۔ جسے انہوں نے ہرگز قبول نہ کیا (ہمانجا، بزرگانِ لاہور ۶۸)

شیخ بدر الدین گیلانی کے سالِ وفات میں تذکرہ نویسوں کا اختلاف ہے۔ علی اصغر گیلانی نے ۱۱۳۰ھ اور دیگر مؤلفین نے ۱۱۳۶ھ درج کیا ہے۔ (خزینۃ الاصفیاء ا/ ۱۹۵)

لیکن اول الذکر سنہ ۱۱۳۰ھ / ۱۷۱۸ء اس خاندان کے ایک اہم تذکرہ نگار علی اصغر گیلانی کے مطابق ہے جسے خاندانی دستاویز کے مطابق ترجیح دی جاسکتی ہے۔

مآخذ

۱۔ اختر، مرزا محمد: تذکرہ اولیاء پاکستان وہند۔ لاہور (س ن)

۲۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر، حیدر آباد دکن ۱۹۵۷ء

۳۔ علی اصغر گیلانی: شجرۃ الانوار، خطی، مخزونہ کتابخانہ مرکزی دانشگاہ پنجاب لاہور

۴۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، کانپور، ۱۸۷۳ء

۵۔ ایضاً: حدیقۃ الاولیاء (تذکرہ صوفیۂ پنجاب) تحقیق وتحشیہ محمد اقبال مجددی، لاہور، ۱۹۷۶ء

۶۔ فوق، محمد الدین: تذکرۃ العلماء والمشائخ، لاہور، ۱۹۲۰ء

۷۔ کلیم، محمد دین: مدینۃ الاولیاء، لاہور، ۱۳۹۶ھ

۸۔ طاہر حسین قادری گیلانی: لمحات کرم، منگانی ضلع جھنگ، ۲۰۰۶ء

۱۱/ اکتوبر ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شاہ لطیف بری قادری

شاہ لطیف بری بارہویں صدی ہجری کے ایک معروف صوفی تھے۔

شاہ لطیف عوام میں "بری امام" کے لقب سے معروف ہیں۔ ان کا اصل نام شاہ عبداللطیف تھا(خوارق العادات ۳۶۔۴۳)

بری امام کا قیام راولپنڈی(Rawalpindi) کے حدود میں پوٹھوار(پوٹھوہار) (Pothohar) میں تھا۔ (ہمانجا) آپ قادری سلسلۂ سلوک سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے مشائخ کے بارے میں صحیح روایات نہیں ملتی ہیں ایک حکایت کے مطابق ان کے شیخ حیات المیر زندہ پیر تھے جو شیخ عبدالقادر جیلانی معروف بہ غوث اعظم کے پوتے تھے (حدیقۃ الاولیاء ۴۳) ان کے بارے میں روایت ہے کہ وہ حیات جاودانی کے مالک ہیں اور اب تک بقید حیات ہیں۔(ہمانجا)

قدیم معاصر روایات سے حیات المیر نامؔ کے ان صفات کے حامل کسی قادری بزرگ کا ذکر تذکروں میں نہیں ملتا۔ البتہ شاہ ابو المعالی قادری غربتی لاہوری (رک بآں) نے شیخ عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر گیلانی کے فرزندوں میں سے شیخ جمال اللہ نام کے ایک بیٹے کا تذکرہ کیا ہے کہ ان کی طویل عمر ہے اور تا دم تالیف (حدود ۱۰۲۰ھ / ۱۶۱۱ء) وہ بقید حیات ہیں (تحفۃ القادریہ ص۹۵۔۹۶) ممکن ہے انہی کو حیات المیر کہا جاتا ہو۔

اکابر صوفیہ نے شاہ لطیف بری سے ملاقات کی تھی اور ان کی روحانیت کے قائل تھے۔ شاہ جمال اللہ کا عرف حیات المیر احمد علی استر آبادی نے بھی لکھا ہے۔(تذکرہ مقیمی، برگ ۲۰ب) لیکن قدیم مآخذ سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔

شاہ لطیف بری سے ملاقات کرنے والوں نے بھی ان کی بزرگی کا تذکرہ کیا ہے۔ عوام و خواص میں ان کی کرامات بہت مشہور ہیں۔ معروف صوفی اور عالم سید حسن پشاوری (ف ۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۴ء) جو شیخ عبدلقادر جیلانی کی

اولاد میں سے تھے اپنے سفر کے دوران پوٹھوار میں شاہ لطیف بری سے حددود ۱۰۷۷ھ / ۱۶۶۶ء کو ملے تھے۔ اور ایک دو روز تک ان کی صحبت میں رہ کر رخصت ہوئے، موصوف نے شاہ لطیف کو ایک صاحب نظر مجذوب بتایا ہے۔ (خوارق العادات ۳۶، ۷۳)

شیخ حسن پشاوری مذکور کے صاحبزادے شاہ محمد غوث لاہوری جو ایک بڑے عالم، محدث اور صوفی بزرگ تھے۔ ۱۱۱۶ھ / ۱۷۰۵ء کو شاہ لطیف کی ملاقات وزیارت کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ اور کئی بار ان سے ملے تھے ان کی پاکیزہ صحبت کی تعریف کی ہے اور ان کی کرامات کا بھی مشاہدہ کیا تھا۔ (رسالہ در کسبِ سلوک ص ۴۱)

شاہ لطیف بری کا سالِ وفات مفتی غلام سرور لاہوری نے بغیر کسی حوالے کے ۹۶۴ھ / ۱۵۵۷ء درج کیا ہے (حدیقۃ الاولیاء ۳۳) جو بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ سجادہ نشینوں کے پاس جو یادداشتیں ہیں ان میں شاہ لطیف کا سال وصال ۱۱۱۷ھ / ۱۷۰۶ء لکھا ہوا ہے (شاہ لطیف بری مؤلفہ منظور الحق صدیقی ص ۷۰) جو قرائن کے عین مطابق ہے۔ مندرجہ بالا شواہد بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ سیّد حسن پشاوری نے ۱۰۷۷ھ کو شاہ لطیف سے ملاقات کی اور اسی طرح ان کے فرزند شاہ محمد غوث لاہوری نے اپنے والد کے وصال کے ایک سال بعد ۱۱۱۶ھ / ۱۷۰۵ء کو ان سے ملاقات کی تھی جو بری امام کے مذکورہ سنین میں بقید حیات ہونے کے شاہدِ عادل ہیں مذکورہ شہادت خود شاہ محمد غوث لاہوری کے سفر نامہ سے ماخوذ ہے۔

رہی یہ بات کہ شاہ لطیف بری شیخ عبدالقادر گیلانی (ف ۵۶۱ھ) کے پوتے "حیات المیر زندہ پیر" سے کیسے ملے تھے؟ اگر ان کی عمر طویل کو غیر عادی تصور کر لیا جائے تو بظاہر یہ ممکن ہے۔ بعض دیگر اصحاب بھی جو شاہ لطیف بری کے قریب العہد اور قادری سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ حیات المیر سے ملاقات کرنے کے دعوٰی دار ہیں چنانچہ صوفیۂ حجرہ شاہ مقیم نے تو شیخ جمال اللہ مذکور ہی کا عرف حیات المیر لکھ کر ان سے اتصال کا تذکرہ کیا (تذکرہ مقیمی ص ۲۰) شاہ لطیف بری کے لقب یا عرف "بری امام" کی وجہ تسمیہ بھی تذکرہ نویسوں نے بیان نہیں کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی وفات کے بعد ان کے معتقدین نے ان کے تقدس کے باعث انہیں بری امام کا لقب دیا ہوگا کیوں کہ ان کے معاصرین نے ان کے نام کے ساتھ "بری" کا لفظ نہیں لکھا، سیّد حسن پشاوری اور شاہ محمد غوث لاہوری نے ان کا نام شاہ عبداللطیف مجذوب اور شاہ لطیف مجذوب لکھنے پر اکتفا کی ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ لقب ان کے فوت ہونے کے بعد دیا گیا۔

شاہ لطیف بری کی کسی تحریر، تالیف، مکتوبات یا ملفوظات کے کسی مجموعے کا ہمیں تا حال علم نہیں ہے۔

مآخذ

۱۔ احمد علی استر آبادی: تذکرۂ مقیمی (احوال مشائخ حجرہ شاہ مقیم) بسال ۱۱۷۲ھ۔ خطی، مخزونہ کتابخانہ گنج بخش، مرکزِ تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد

۲۔ ام سلمٰی گیلانی: محدث کبیر شاہ محمد غوث کی دینی وعلمی خدمات۔ پشاور، ۱۹۹۰ء

۳۔ صدیقی، منظور الحق: شاہ لطیف بری، لاہور ۱۹۷۰ء

۴۔ غریبی، شاہ ابو المعالی لاہوری: تحفۃ القادریہ، سیالکوٹ، ۱۳۱۰ھ

۵۔ غلام سرور لاہوری: حدیقۃ الاولیاء، تحقیق و تعلیق محمد اقبال مجددی۔ لاہور، ۱۹۷۶ء

۶۔ غلام کشمیری، میر: خوارق العادات (تذکرہ سید حسن پشاوری) بسال ۱۱۸۹ھ، پشاور، ۱۹۸۳ء

۷۔ گل حسن: تذکرۂ غوثیہ، لاہور (س ن)

۸۔ محمد غوث لاہوری، شاہ: رسالہ در کسبِ سلوک و بیانِ معرفت۔ پشاور ۱۲۸۳ھ

۹۔ محمد قاسم راجوروی: حیات بری امام، راولپنڈی (س ن)

۱۰۔ مقیم، محکم الدین مجروی: ذر العجائب، اُردو ترجمہ، لاہور ۱۹۷۱ء

۱۶ نومبر ۱۹۹۷ء

برائ دانشنامہ شبہ قارہ

حضرت سیّد حسن قادری پشاوریؒ

پاک وہند میں تصوف کے تقریباً تمام سلاسل کے اثرات پائے جاتے ہیں لیکن یہاں کے مزاج وطبائع نے جن سلسلوں کو زیادہ قبول کیا ان میں سلسلہ چشتیہ، قادریہ اور نقشبندیہ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

پاک وہند کے صوفیہ کا جو تصنیفی سرمایہ ہم تک پہنچا ہے وہ دیگر ممالک کے مقابلہ میں بہت کم ہے خصوصاً یہاں کے سلسلہ قادریہ کی تاریخ انتہائی تشنہ رہ گئی ہے۔ ہمارے خیال کے مطابق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (ف ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء) نے اخبار الاخیار جیسی معرکہ آراء کتاب لکھ کر پاک وہند کی تاریخ تصوف میں جس فکر، تجسس اور تحقیق کی طرح ڈالی تھی اُسے اپنانے کی اب تک کوئی واضح مثال قائم نہیں ہو سکی، یہی وجہ ہے کہ یہاں کے صوفیہ کے اکثر تذکرے رطب ویابس کے مجموعے معلوم ہوتے ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ سائینٹفک اصولوں کے مطابق پاکستان میں مروجہ تمام روحانی سلاسل پر تحقیقی کام کیا جائے ہمیں اس وقت صرف سلسلہ عالیہ قادریہ کے بارے میں مختصر طور پر کچھ لکھنا ہے۔

پاکستان میں سلسلہ قادریہ کے جو قدیم ترین بزرگ تشریف لائے وہ حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ (بانی سلسلہ ہٰذا) کے خلیفہ حضرت سیّد عون قطب شاہ علوی عباسی بغدادی ابن یعلیٰ قاسم بن حمزہ ثانی بن طیار بن قاسم بن علی بن جعفر بن حمزۃ الاکبر بن حسین بن عبداللہ مدنی بن عباس علمدار بن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں سیّد عون قطب کی ولادت ۴۱۹ھ و وفات ۵۵۶ھ میں ہوئی، آپ نے پنجاب میں کوہستان نمک میں

قیام فرمایا، بہت سے اہل ہند مشرف بہ بیعت ہوئے[1]۔ آپ وفات سے پہلے واپس بغداد چلے گئے تھے ان کی اولاد یہیں رہی، صاحب مرآۃ سکندری نے آپ کے ورود ہند کا ذکر کیا ہے[2]۔

پاکستان میں علم قادریت بلند کرنے والے دوسرے قادری بزرگ حضرت سیّد احمد المشہور بہ سخی سرور سلطان قدس سرہٗ ہیں آپ نے بغداد جا کر حضرت غوث الاعظمؓ سے فیض حاصل کیا ان کی وفات ۵۷۷ھ / ۱۱۸۱ء میں ہوئی۔

اس کے بعد اس سلسلہ کی جس شاخ کو پاکستان میں بہت زیادہ شہرت ملی ہے وہ اوچ شریف کا خانوادہ ہے۔ اس خانوادہ میں حضرت سیّد محمد بن محمد شمس الدین گیلانی (ف ۹۲۳ھ / ۱۵۱۷ء) سب سے پہلے اوچ میں آ کر مقیم ہوئے اس خانوادہ میں میر سیّد شاہ فیروز، میر عبدالقادر ثانی، سیّد محمود حضوری لاہوری، میراں سیّد مبارک حقانی اور سیّد محمد غوث بالا پیر نے بہت شہرت حاصل کی۔

ان کے علاوہ حضرت میاں میر لاہوری، شاہ ابو المعالی لاہوری اور حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش (ف ۱۰۶۴ھ / ۱۶۵۰ء) نے بھی یہاں اسلام اور اس سلسلہ کی اشاعت میں نمایاں کارنامے انجام دیئے۔

حضرت غوث الاعظم کی اولاد میں سے پاکستان میں حضرت سیّد عبداللہ صحابی ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ (ف حدود ۱۰۶۰ھ / ۱۶۵۰ء) کے خانوادہ کی اشاعتِ اسلام اور ترویج طریقہ کے باب میں اہم خدمات ہیں۔

حضرت صحابی ٹھٹھوی، بغداد سے بغرضِ سیاحت سندھ میں آئے تو وہاں کے لوگ آپ کے گرویدہ ہو گئے اور یہیں رہنے پر اصرار کیا چنانچہ آپ نے سندھ میں ہی قیام کیا، یہیں ایک صحیح النسب خاندان سادات میں شادی کی جس سے دو فرزند تولد ہوئے ایک حضرت سیّد حسن دوسرے سیّد محمد فاضل۔

ان میں سے حضرت سیّد محمد فاضل تو خانیار کشمیر میں مقیم ہو کر سلسلۂ رشد وہدایت میں مصروف ہو گئے، دوسرے حضرت سیّد حسن قادری رحمۃ اللہ علیہ پشاور تشریف لے گئے حضرت سیّد حسن رحمۃ اللہ علیہ کے تفصیلی حالات، کارنامے اور کرامات ومناقب کی تفصیل کتاب خوارق العادات میں درج ہے۔

---

1 زادالفواد بحوالہ سیرت قلمی۔ مطبوعہ باب الاعوان ص ۵۲

2 مرآۃ سکندری مطبوعہ ص ۲۹۷

حضرت سیّد حسن رحمۃ اللہ علیہ کے دو فرزندوں میں سے حضرت سیّد شاہ محمد غوث لاہوریؒ کو بہت شہرت اور نیک نامی حاصل ہوئی، آپ ایک بلند پایہ عالمِ دین، شیخ طریقت، متعدد عربی اور فارسی کتابوں کے مصنف اور بخاری شریف کی نہایت ہی بسیط شرح کے مؤلف تھے۔

کتاب خوارق العادات میں حضرت شاہ محمد غوثؒ کی زبانی بہت سی روایات درج ہیں۔

مصنف کتابِ ہذا

اس کتاب (خوارق العادات) کے مصنف میر غلام بن سیّد محمد عابد بن سیّد شاہ محمد غوث لاہوری ابن حضرت سیّد حسن پشاوری[1] ہیں۔ گویا صاحب سوانح حضرت سیّد حسن صاحبؒ کے پڑپوتے تھے۔

ان کا نام سیّد محی الدین اور عرف سیّد غلام شاہ تھا اپنے والد کے دوسرے فرزند تھے، حضرت سیّد محمد عابد خانیاری (ف ۱۱۹۳ھ) مصنف کے والد اور کتابِ خوارق العادات کی بعض روایات کے راوی ہیں، ان کی تعلیم و تربیت ان کے دادا حضرت سیّد شاہ محمد غوث لاہوری نے کی تھی خلافت بھی انہی سے ملی تھی ان کا خلافت نامہ آغا سیّد شریف حسین صاحب سجادہ نشین حضرت شاہ محمد غوثؒ کے پاس محفوظ ہے جو حضرت شاہ محمد غوث لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دستِ مبارک سے لکھ کر دیا تھا۔

مصنف کی تمام عمر درسِ حدیث، رشد وہدایت طالبانِ خدا اور ترویج طریقہ میں صرف ہوئی[3]۔ کتاب (خوارق العادات) کے علاوہ انہوں نے اپنے دادا حضرت شاہ محمد غوث لاہوریؒ کی تصنیف رسالہ کسب سلوک کا عربی زبان میں ایک مختصر تعارف بھی لکھا ہے جس میں حضرت شاہ محمد غوثؒ کے مختصر حالات درج ہیں یہ دیباچہ اس نسخہ میں شامل ہے جو جناب فوزی آغا صاحب کے ہاں پشاور میں محفوظ ہے۔

---

۱ محدث کبیر حضرت سیّد شاہ محمد غوثؒ بن حضرت سیّد حسن ابو البرکات بن سیّد عبد اللہ معروف صحابی بن سیّد محمود بن سیّد عبد القادر بن سیّد عبد الباسط بن سیّد حسین بن سیّد احمد بن سیّد شرف الدین قاسم بن سیّد بدر الدین بن سیّد علاء الدین علی بن سیّد شمس الدین بن سیّد شرف الدین احمد یحییٰ بن سیّد شہاب الدین احمد بن سیّد ابو صالح نصر بن عبد الرزاق بن حضرت شیخ المشائخ سیّد عبد القادر جیلانیؒ

۲ خوارق العادات ورق ۲۔۱

۳ تذکرہ سلاسل قادریہ حسنیہ از امیر شاہ قادری، مطبوعہ ۱۹۷۲ء، ص ۱۰۵

ان کے علاوہ اُن کا ایک دیوان بھی ہے جس میں حضرت غوث الثقلین ؓ کی مدح میں قصائد اور اپنے والد (سیّد محمد عابد) کی تاریخ وفات کا قطعہ شامل ہے، یہ دیوان حضرت سیّد محمد امیر شاہ صاحب قادری مرحوم ساکن یکہ توت پشاور کے پاس محفوظ ہے۔

خوارق العادات

اس کتاب میں حضرت سیّد حسن پشاوری ۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۳ء بن حضرت سیّد عبداللہ صحابی ٹھٹھوی کے حالات، مناقب اور کرامات درج ہیں، مصنف نے ہر روایت کے اندراج میں سند کا خاص اہتمام کیا ہے، اپنے خاندان کی روایات کے سلسلہ میں غیر معروف یا غیر ثقہ لوگوں کی روایات شامل کتاب نہیں کی ہیں، بلکہ اپنے والد حضرت سیّد محمد عابد اور دادا حضرت شاہ محمد غوث لاہوریؒ اور چچا سیّد محمد شاکر سے جو حکایات سنیں، انہیں من و عن نقل کر دیا ہے، ہمارے خیال میں سند کا یہ اہتمام مصنف کے علم حدیث کے مدرس ہونے کی وجہ سے ہے۔ فرماتے ہیں:

> درین نسخہ کہ مسمی است بہ خوارق العادات بعض کرامات و خوارق عادات جناب حضرت سیّد حسن علیہ الرحمۃ کہ از جد و پدر خود شنیدہ ام...... آنچہ متواتر و متوالی بایں عاصی رسید...... درین نسخہ ضبط نمودم[1]۔

> اگرچہ یہ کتاب محض کرامات پر مشتمل ہے لیکن بالاستیعاب مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بعض ایسے واقعات کا بھی اندراج ہو گیا ہے جن سے صاحب سوانح کی زندگی کے کئی گوشے اجاگر ہو جاتے ہیں مثلاً اُن کے اپنے معاصر امراء اور صاحب اقتداء حضرات سے تعلقات کی نوعیت، اُن کا استغناء، توکل اور قناعت کے واقعات وغیرہ۔

کتاب کا سال تصنیف آخری ورق پر ۱۱۸۹ھ بتایا گیا ہے گویا حضرت سیّد حسن پشاوری (صاحب سوانح ہٰذا) کی وفات سے چوہتر سال بعد تصنیف ہوئی، قارئین کرام کو شاید اس امر پر اعتراض ہو کہ حضرت سیّد حسن صاحب کا سالِ وفات کتاب کے خاتمہ کی عبارت کے بعد لکھا گیا ہے، اس لیے یہ سنہ وفات ۱۱۱۵ھ الحاقی ہے لیکن ایسا خیال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اس کتاب میں ضبط سنین کا مطلق خیال نہیں کیا گیا ممکن ہے مصنف کو حضرت سیّد

---

۱ خوارق العادات ورق ۲ ب س ۱

حسن کا سالِ وفات کتاب مکمل کرنے کے بعد ملا ہو اور انہوں نے اسے آخر میں لکھ دیا ہو ویسے یہ سنہ وفات بالکل درست ہے، اس لیے کہ یہی سنہ حضرت شاہ محمد غوث صاحب لاہوریؒ نے بھی لکھا ہے[1]۔

خطی نسخہ:

کتاب خوارق العادات کا اس وقت تک یہی ایک خطی نسخہ ہمارے علم میں ہے، جو اس سے پہلے طبع نہیں ہوا ہے، یہ خطی نسخہ اس خاندان کے بزرگ حضرت مولانا سیّد محمد امیر شاہ قادری مرحوم، ساکن یکہ توت، پشاور کے پاس محفوظ ہے، اس کتاب کا فارسی متن اسی نسخہ سے منقول ہے۔

کتاب کے خاتمہ کی عبارت یوں ہے "تمت ہٰذہ النسخۃ الشریفۃ من تحریر و التصنیف فی ۱۱۸۹ھ" جس سے یہ گمان گذرتا ہے کہ یہ مصنف کا خود نوشت خطی نسخہ ہو گا لیکن متن کے مطالعہ سے ایسی بہت سی کتابت کی غلطیاں معلوم ہوئی ہیں جو عموماً عالم مصنف سے سرزد نہیں ہوتیں، معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ناقل نے مصنف کا ترقیمہ بھی ساتھ ہی نقل کر لیا اور اپنا ترقیمہ لکھنا بھول گیا تاہم خط اور کاغذ پرانا ہے جسے مصنف کا قریب العہد نسخہ کہہ سکتے ہیں۔ مولانا محمد امیر شاہ قادری مرحوم نے اس کا فارسی متن بھی شائع کر دیا تھا۔

اُردو ترجمہ

اس کتاب کا اُردو ترجمہ معروف عالم دین حضرت مولانا ابو الحسنات سید محمد احمد قادری مرحوم و مغفور خطیب جامع مسجد وزیر خان، لاہور نے کیا ہے، یہ ترجمہ ۲۶ محرم ۱۳۶۹ھ / ۱۸ نومبر ۱۹۴۹ء بروز جمعہ مکمل ہوا، ترجمہ کے ترقیمہ مترجم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دن پنجاب کے گورنر عبد الرب نشتر مرحوم نے اڑھائی بجے دوپہر کو شاہی قلعہ لاہور (قلعہ عالمگیری) کا دروازہ کھولنے کی رسم اپنے ہاتھ سے ادا کی تھی۔

اس کا اُردو ترجمہ مذکورہ خطی نسخہ سے نہیں کیا گیا بلکہ یہ دوسرے نسخہ سے کیا گیا ہے جو حضرت آغا تجمل حسین بن حضرت آغا سید سکندر شاہ صاحب حسینی قادری چشتی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا سال کتابت ۱۲۳۹ھ تھا[2]۔

---

۱ رسالہ در کسب سلوک فارسی، مطبوعہ پشاور ۱۲۸۳ھ ص ۳۰

۲ تفصیل کے لیے دیکھیے ترجمہ کا خاتمہ مترجم

کتاب خوارق العادات پر ایک نظر

مصنف کے آباؤ اجداد کے بغداد سے ہندوستان میں آکر آباد ہونے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت سیّد عبداللہ بغداد سے بغرضِ سیاحت سندھ میں آئے تو وہاں کے لوگ آپ کے گرویدہ ہو گئے اور مصر ہوئے کہ وہ یہاں سے نہ جائیں اور سندھ ہی میں ایک صحیح النسب خاندان میں آپ کا عقد ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں دو فرزند عطا کیے، سید حسن اور سیّد محمد فاضل، سیّد حسنؒ بڑے تھے اور سیّد محمد فاضل ابھی چھوٹے ہی تھے کہ والد حضرت سیّد عبداللہ کا انتقال ہو گیا۔ (۳ب) حضرت سیّد حسن نے والد کی وفات کے بعد سات سال تک چلّہ کیا (۵۔ا) پھر وطن چلے گئے وہاں سے بلادِ ہندوستان کے سفر کا عزم کیا اور اپنے بھائی سیّد محمد فاضل کی باطنی تربیت خود کی۔ (۵ب)

اس سفر کے دوران حضرت سیّد حسنؒ ہندوستان کے ایک ایسے گاؤں میں پہنچ گئے جہاں بُت پرستی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ (۵ب) وہاں کے راجہ کو خبر ہوئی کہ دو مسلمان اس گاؤں میں آگئے ہیں، راجہ نے اپنے جادوگروں کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا بہت سخت مقابلہ ہوا، آخر فتح ان کو ہوئی۔ (۶۔۷)

وہاں سے دہلی ہوتے ہوئے بحکم حضرت غوث الاعظمؓ، پشاور میں مقیم ہوئے۔ (۷ب)، راستے میں اپنے معاصر اولیائے کرام کی زیارت کا شرف حاصل کیا، لاہور میں حضرت میاں میر، گجرات میں شاہ دولہ، پوٹھوہار میں سیّد شاہ لطیف مجذوب (شاہ لطیف بری) سے ملے۔ (۸۔ا) وہاں سے پشاور پہنچے تو افغانوں کی کثیر تعداد حلقہ بگوش ہوئی، پشاور میں بیرونِ شہر آپ کا پہلا قیام ایک باغ میں ہوا جسے سلطان پور کہتے تھے (۸۔ب) ایک افغان سردار مُصر ہوا کہ میری دُختر کو اپنے عقد میں لے لیں (۹۔ا) چنانچہ حضرت سیّد حسن نے اسے قبولیت بخشتے ہوئے عقد مسنونہ کر لیا، اس خاتون کے بطن سے حضرت زین العابدینؒ تولد ہوئے۔ (۹۔ب)

پھر حضرت غوث الاعظمؒ نے خواب میں ارشاد فرمایا کہ قصبہ کُنڑ میں حضرت سیّد علی ترمذی کی اولاد موجود ہے ان کے ہاں بھی رشتہ کرو چنانچہ وہاں سے معلوم کروایا تو وہاں دو صاحبزادے سیّد غیاث اور سیّد عیسیٰ فرزندانِ سیّد جمال نبیرہ سیّد علی ترمذی معروف بہ پیر بابا موجود تھے ان سے ان کی ہمشیرہ سے عقد کی بات کی تو استخارہ کے بعد رضامندی حاصل ہوئی۔ (۱۰۔ا)

اس صالحہ کے بطن سے دو فرزند تولد ہوئے، ایک حضرت سیّد محمد غوث دوسرے حضرت میر سیّد علی۔(۱۰۔ب)

کابل کا ناظم نواب امیر خان حضرت سیّد حسن کا بہت معتقد تھا اور ان کی خدمت میں تحائف بھیجا کرتا تھا۔(۱۰۔ب تا ۱۲۔ا)

موجودہ مظفر آباد کی آبادی اور وجہ تسمیہ کے بارے میں اس کتاب کی معلومات خاصی قابل توجہ ہیں لکھا ہے:

جب حضرت سیّد حسنؒ نے مع اپنے برادرِ خُرد سیّد محمد فاضل نے کشمیر اور وہاں کے مشائخ کی زیارت کے لیے سفر کیا۔ جب دمتوڑ کی حدود پکلی میں پہنچے تو وہاں مظفر نام ایک شخص بصد التجاء انہیں اپنے گھر لے گیا، مہمانداری کے بعد حضرت نے اُسے اپنی دستار عنایت کی تو اس نے عرض کی کہ میں سلاطین دمتوڑ اور پکلی کے ہاتھوں مغلوب ہوں آپ نے خوش ہو کر اُسے دعا دی اور کامیابی کی بشارت بھی چنانچہ وہ بہت جلد فتحیاب ہوا، کوہستان کا سارا علاقہ اس کے قبضے میں آگیا، اس نے اس دریا کو عبور کر کے ایک شہر کی بنیاد رکھی اور اس کا نام مظفر آباد تجویز کیا، اس طرح وہ مظفر خان کے نام سے حد کشمیر تک حاکم رہا۔(۱۴۔ب، ۱۵۔ا)

پھر مزید لکھا ہے کہ اَسی ۸۰ سال اس کی آباد کو ہو گئے ہیں، مظفر خان کی اولاد اب تک وہاں متصرف ہے۔(ایضاً)

پیش نظر کتاب کا سال تصنیف ۱۱۸۹ھ ہے۔(ورق ۳۰ ب) اگر اس سنہ سے اسی (۸۰) سال منہا کیے جائیں تو مظفر آباد کی آبادی اور حضرت سیّد حسن صاحبؒ کا ورودِ کشمیر کا سنہ حدود ۱۱۰۹ھ متعین ہو جاتا ہے۔

جب آپ کشمیر کے محلہ عید گاہ میں پہنچے تو ایک منصب دار کے ہاں پانچ چھ ماہ تک قیام کیا تا کہ برسات کا موسم گذر جائے، فقراء ومساکین پر خرچ کرنے کے لیے انہوں نے کچھ رقم قرض لی۔(۱۵۔ب)

کشمیر سے رُخصت کے وقت لوگ مصر ہوئے کہ آپ یہیں قیام کریں لیکن آپ نے اُسے رضائے الٰہی پر چھوڑا اور اپنے بھائی حضرت سیّد محمد فاضل کو وہاں اپنا نائب مقرر کر کے خلافت دی۔(۱۷۔ا،ب)

جب حضرت سیّد حسنؒ کابل کی سیر کے لیے گئے تو اس وقت پشاور کا نواب ناصر خان تھا(۱۸۔ا)۔

حضرت سیّد حسن نواب امیر خان کی درخواست پر ایک مرتبہ ان کے ساتھ شکار کے لیے بھی گئے تھے،(۱۹۔ب۔

۲۰۔ب) اس روایت کو حضرت شاہ محمد غوث لاہوریؒ کے مریدین حاجی محمد صدیق اور حافظ محمد اعظم نے بیان کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں بزرگ بھی ان کے حلقہ بگوش تھے۔ (۱۹۔ب)۔ اس کتاب سے یہ بھی مترشح ہوا ہے کہ صاحب سوانح حضرت سیّد حسن صاحبؒ کے زمانہ حیات (۱۱۱۵ھ/۱۷۰۳ء) میں پشاور سے غزنین تک یہ افواہ پھیلائی گئی تھی کہ بادشاہ ہندوستان اورنگزیب عالمگیر کا انتقال ہو گیا ہے۔ جس سے نواب امیر خان بہت مضطرب ہوا، اس نے حضرت کی طرف رجوع کیا تو حضرت نے کشف کے ذریعہ اورنگزیب کی سلامتی کی خوشخبری اُسے دی۔ (۲۱۔ا،ب)

حضرت سیّد صاحب کے زمانے میں (جب کہ نواب امیر خان کی عملداری تھی) کابل اور اطرافِ کابل میں شدید وباء و قحط پڑا، بہت جانیں تلف ہوئیں۔

ایک یہ روایت بھی درج ہے جس سے سلاطینِ مغلیہ کے مشائخ سے روابط پر مزید روشنی پڑتی ہے لکھا ہے کہ نواب امیر خان نے اورنگزیب عالمگیر سے حضرت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے چند لاکھ درہم کی سندلی اور اسے حضرت کی خدمت میں بطور معیشت پیش کیا، حضرت نے اسے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اس نے بہت اصرار کیا لیکن آپ نے فرمایا کہ میں اسبابِ دنیا سے مایوس ہو چکا ہوں، ناچار امیر خان نے اسے واپس لے لیا[1]۔

اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پشاور و کابل کے ناظم نواب امیر خان کو حضرت سیّد حسنؒ سے بڑی عقیدت تھی جس کے واقعات اختصار کے ساتھ لکھے جا چکے ہیں، نواب امیر خان، خلیل اللہ خان یزدی کا لڑکا ہے اس کی والدہ حمیدہ بانو بیگم، سیف خان کی بیٹی اور یمین الدولہ آصف خان کی نواسی تھی اور اورنگزیب عالمگیر کے عہد میں وہ مختلف مناصب پر فائز رہا وہ بیسویں جلوس عالمگیری یعنی ۴ محرم ۱۰۸۸ھ ۲۱ فروری ۱۶۷۷ء میں پشاور (کابل) کا ناظم مقرر ہوا، افغانوں کی شدید بغاوتوں کو فرو کرنے کے بعد بائیس سال تک ناظم رہا، ۲۷ شوال ۱۱۰۹ھ ۲۷ اپریل ۱۶۹۸ء کو اس کا انتقال ہوا۔

---

۱ (نوٹ) مخدومی حضرت سیّد امیر شاہ قادری الاولاد حضرت سیّد حسنؒ بیان کرتے ہیں کہ اورنگزیب کا ایک فرمان درباره جاگیر و مدد معاش برائے خاندان حضرت سیّد حسنؒ ہمارے پاس موجود تھا جو انہوں نے نیشنل میوزیم کراچی کے ڈائریکٹر کو دے دیا تھا وہ بیان کرتے ہیں کہ اورنگزیب نے یہ فرمان پھر حضرت کی خدمت میں بھیجا ہو گا، فرمان کو دلی سے پشاور تک آتے جاتے کم از کم پانچ سال لگے اس دوران حضرت سیّد حسنؒ کا انتقال ہو گیا اور پھر نواب امیر خان بھی ۱۱۰۹ھ / ۱۶۹۸ء میں انتقال کر گئے تو آپ کے اخلاف نے اسے اپنے پاس رکھ لیا۔

وہ مذہب شیعہ رکھتا تھا۔ چنانچہ اس کے شیعہ ہونے کی شکایت پیش نظر کتاب میں بھی درج ہے۔ ایران کے فضلاء کو بہت رقم بطور مدد معاش بھیجتا تھا۔

حضرت سیّد حسنؒ کی وفات ۲۱ ذیقعدہ ۱۱۱۵ھ کو ہوئی۔ (۳۰۔ب)

اس کتاب سے حضرت سیّد عبد اللہ ٹھٹھوی مشہور بہ صحابیؒ کے سالِ وصال کا تعین بھی ہو جاتا ہے لکھا ہے "کہ میں نے اپنے والد سیّد عبد اللہ کی وفات کے بعد جزائر دریائے شور سات سال تک چلہ کشی کی (۵۔ا) اس مدت کے پورا ہونے کے بعد طویل سفر کے بعد ہم دہلی پہنچے تو اس وقت اورنگزیب کی سلطنت کا ابتدائی زمانہ تھا"۔

اورنگزیب عالمگیر ۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۸ء میں تخت نشین ہوا اگر اس سنہ میں سے مدت چلہ سات سال اور مدت سفر کم و بیش ایک سال منہا کر دی جائے تو حضرت سیّد عبد اللہ صحابی ٹھٹھوی کا سال وفات حدود ۱۰۶۰ھ بر آمد ہو جاتا ہے۔

۱۵ جون ۱۹۷۷ء

خوارق العادات، مقدمہ

---

۱ خوارق العادات ورق ۱۰ ب

۲ صمصام الدولہ شاہنواز خان: مآثر الامراء ترجمہ محمد ایوب قادری، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۸ء جلد اول ص ۲۷۵۔۲۷۶

حضرت شاہ محمد غوث قادری لاہوریؒ

لاہور کے ایک مشہور عالم اور شیخ طریقت، متعدد عربی و فارسی کتابوں کے مصنف اور بخاری شریف کی نہایت ہی بسیط شرح کے مؤلف۔

حضرت شاہ محمد غوث بن سیّد حسن پشاوری بن عبداللہ معروف بہ صحابی ٹھٹھوی بن محمود بن عبدالقادر بن عبدالباسط بن حسین بن احمد بن شرف الدین قاسم بن شرف الدین یحیٰی بن بدر الدین حسن بن علاء الدین علی بن شمس الدین محمد بن شرف الدین یحیٰی بن شہاب الدین احمد بن ابو صالح نصر بن عبدالرزاق بن حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، پشاور میں ۱۰۸۴ھ / ۱۶۷۳ء کو ولادت ہوئی۔ (محمد امیر شاہ: تذکرہ مشائخ قادریہ حسنیہ ص ۷۷)۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید پڑھ لیا اور اپنے والد کے زیر سایہ اٹھارہ سال کی عمر میں مروجہ علوم کی تحصیل سے فارغ ہوئے (شاہ محمد غوث: رسالہ در کسب سلوک و بیانِ طریقت و حقیقت، پشاور ۱۲۸۳ھ ص ۳۵) اور اپنے والد سے ہی طریقہ قادریہ میں بیعت ہوئے (ایضاً ص ۳۷) اپنے والد کی وفات ۲۱ ذی قعد ۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۳ء کے بعد مزید علم ظاہری و باطنی حاصل کرنے کے لیے تقریباً سارے پاک وہند کا سفر کیا اور حافظ عبدالغفور نقشبندی کشمیری پشاوری، حضرت شیخ یحیٰی اٹکی، میاں نور محمد در نواح اٹک، شاہ ربانہ مجذوب، شاہ محمد فاضل اٹکی، اخوند ملا محمد نعیم ساکن پرگنہ محمود کامہ جلال آباد کابل سے تلویح و توضیح پڑھی، مفتی شاہ حسین شافعی کبروی پکھلی، شاہ چراغ ساکن پوٹھوہار، شاہ لطیف بری راولپنڈی، شیخ پیر محمد سچیار نوشاہی نوشہرہ (متصل گجرات) رسالہ کسب سلوک، تحائفِ قدسیہ قلمی، مرآۃ الغفوریہ قلمی ورق ۱۰۶)، میاں محمد جعفر کنجاہی اور لاہور میں شیخ حامد قاری، میاں جان محمد ساکن پرویز آباد، میاں جان محمد ساکن قصاب پورہ، میاں نور محمد مدقق، شیخ عبدالنبی، حاجی محمد سعید، حاجی یار بیگ، مولوی عبدالہادی، میاں برادر نابینا، نواح سرہند میں سیّد میراں بھیکہ چشتی، سرہند میں حضراتِ مجددیہ شیخ صبغتہ اللہ، حضرت عبدالاحد وحدت معروف بہ میاں گل انہوں نے اپنی تصنیف خزائن النبوۃ عنایت کی اور علامہ محمد فرخ

مجددی سے ملاقات کے بعد شاہ جہان آباد تشریف لے گئے جہاں شیخ محمد چشتی اور شیخ کلیم اللہ چشتی سے ملاقات کی شاہ کلیم اللہ نے اپنی تصنیف تقیمات (کشکولِ کلیمی) عنایت کی، یہیں میر سیّد یداللہ از اولاد سیّد محمد گیسو دراز سے بھی ملے اور اکبر آباد میں شاہ مشتاق مجذوب سے ملے، گجرات کے قصبہ ساہن پال میں شاہ عصمت اللہ نوشاہی نبیرۂ حضرت نوشہ گنج بخش کے پاس حصولِ فیض کے لیے بارہ سال تک جاتے رہے، (رسالہ کسب سلوک، محمد حیات: تذکرہ نوشاہی، قلمی ص ۲۱۶) شیام چوراسی (قریب لاہور) میں شیخ عبدالنبی سے بھی ملاقات کی، پشاور میں شیخ سرور اور میاں شیخ احمد لنڈی قریب پشاور سے بھی حظ وافر حاصل ہوا (رسالہ کسب سلوک ۴۰۔۴۵) تبلیغ دین کے سلسلہ میں آپ کشمیر بھی جاتے رہتے تھے (محمد امیر شاہ: تذکرہ مشائخ قادریہ حسنیہ ۹۱) آپ نے اپنی ساری زندگی تبلیغ دین میں صرف کی تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ طلبہ کی تربیت بھی کرتے تھے اور صدہا اصحاب کو ظاہری و باطنی علوم سے بہرہ ور کیا، آپ کو شاہان و امراء کی صحبت سے کمال نفرت تھی، اورنگ زیب عالمگیر نے آپ کے والد حضرت سیّد حسن پشاوری کو خانقاہ کے لیے پشاور میں وسیع قطعہ زمین نذر کرنا چاہا لیکن انہوں نے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور نگزیب نے زمین کا فرمان دوبارہ ۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۳ء میں پشاور بھیجا تو ان کا انتقال ہو چکا تھا مجبوراً اخلاف نے قبول کر لیا، یہ فرمان آج بھی کراچی کے عجائب گھر میں محفوظ ہے۔

جب نادر شاہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو اس نے آپ کی بزرگی سے متاثر ہو کر خواہش کی کہ حضرت کی دائمی صحبت میسر آجائے لیکن آپ نے اسے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا، نادر شاہ فتح حاصل کرنے کے بعد مخلصانہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا (غلام سرور، مفتی: خزینۃ الاصفیاء ۱/ ۲۰۰۔۲۰۱) ایک صدری روایت ہے کہ آپ کی زوجہ محترمہ احمد شاہ ابدالی کی صاحبزادی تھی (از افادات مولانا سیّد محمد امیر شاہ مدظلہ)

آپ نے لاہور میں قرآن و حدیث کا باقاعدہ درس جاری کیا، آپ کے مدرسہ میں پنجاب، سرحد، کابل اور غزنی کے طلبہ علم حاصل کرتے تھے۔ (محمد امیر شاہ: تذکرہ مشائخ قادریہ حسنیہ ۹۲) آپ کے چار فرزند تھے یعنی میر سیّد محمد عابد، میر سیّد شاکر، میر باقر، میر شاہ میر مظفر آبادی اور یہ چاروں آپ کے خلفاء بھی تھے، ان کے علاوہ حافظ محمد سعید، حافظ محمد صدیق، شیخ محمد غوث، شیخ وجیہ الدین معروف بہ پیر زہدی لاہوری اور آپ کے پوتے میر غلام کشمیری مصنف خوارق العادات بھی آپ کے خلفاء میں سے تھے۔ حضرت شاہ محمد غوثؒ نے ۱۷ ربیع الاول ۱۱۵۲ھ / ۱۷۳۹ء میں انتقال کیا (غلام کشمیری: ترجمۃ الشاہ محمد غوث مشمولہ رسالہ کسب سلوک، قلمی) پیام شاہ

جہانپوری کو آپ کے سالِ وفات کے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے، میر غلام کشمیری نے واضح طور پر آپ کا سالِ وفات ۱۱۵۲ھ لکھا ہے[1]۔ آپ کی اولاد تا حال یکہ توت پشاور، آزاد کشمیر، مقبوضہ کشمیر اور لاہور میں موجود ہے۔ آپ کا عرس ۱۷ ربیع الاول کو نہایت اہتمام سے ہوتا ہے۔ خانقاہ کا انتظام محکمہ اوقاف نے سنبھال رکھا ہے، آپ کی اولاد کے حالات پر ایک مستقل کتاب تذکرہ مشائخ قادریہ حسنیہ مولفہ محمد امیر شاہ قادری شائع ہو چکی ہے ان میں اس وقت مولانا محمد امیر شاہ قادری نہایت ذی علم بزرگ ہیں شرح شمائل ترمذی اور تذکرہ علماء ومشائخ سرحد دوان کی تالیفات میں سے قابل ذکر ہیں۔

حضرت شاہ محمد غوثؒ نہایت بلند پایہ اور دقیق کتابوں کے مصنف تھے اب تک فقط ان کتابوں کا سراغ مل سکا ہے:

۱۔ **شرحِ غوثیہ**، ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۸ء میں تصنیف کی، یہ بخاری شریف کے پہلے تین پاروں کی شرح ہے جو بڑی تقطیع کے ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے، مولانا محمد یوسف بنوڑی مدظلہ کا خیال ہے کہ یہ شرح اپنی نظیر آپ ہے (تذکرہ مشائخ قادریہ حسنیہ ص ۹۴) اس کے خطی نسخے فوزی آغاز۔ پشاور (بخطِ مصنف)، پشاور یونیورسٹی نمبر ۴۲، مصنف کے ایک اور خود نوشت نسخے کا روٹوگراف مولانا محمد امیر شاہ قادری کے پاس پشاور میں محفوظ ہے، اب حضرت سیّد امیر شاہ قادری مرحوم نے تینوں جلدیں شائع کر دی ہیں۔

۲۔ **رسالہ در کسب سلوک و بیانِ معرفت و حقیقت** (فارسی نثر)۔ یہ رسالہ طالبانِ راہِ طریقت کی راہنمائی کے لیے لکھا گیا ہے اور اس موضوع پر اپنے اختصار کے باوجود نہایت جامع رسالہ ہے۔ فوزی آغا صاحب پشاور کے ہاں مصنف کا خود نوشت خطی نسخہ موجود ہے اس پر میر غلام کشمیری بن سیّد محمد عابد بن شاہ محمد غوثؒ نے عربی میں ایک مقدمہ لکھا ہے جس میں شاہ محمد غوثؒ کے حالات درج ہیں، اس کی متعدد نقلیں راقم کی نظر سے گذری ہیں، اس کا فارسی متن ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۶ء میں پشاور سے شائع ہوا تھا، اسرار الطریقت کے نام سے ایک محرف اور غلط اُردو ترجمہ لاہور سے کئی مرتبہ چھپ چکا ہے۔

---

[1] حضرت شاہ محمد غوث کے سالِ وصال میں اختلاف ہے، آپ کی اولاد پہلے مذکورہ سنہ پر اتفاق رکھتی تھی لیکن مولانا محمد امیر شاہ مرحوم کی صاحبزادی ام سلمیٰ گیلانی کے پی ایچ ڈی مقالہ شاہ محمد غوث، دینی و علمی خدمات میں نئی تحقیق پیش کی ہے کہ صحیح سالِ وفات ۱۱۷۳ھ / ۱۷۵۹ء ہے (مقالہ ص ۱۰۱)

۳۔ رسالہ ذکر جہر (عربی وفارسی نثر) اس رسالہ میں آیات واحادیث اور اقوالِ علماء سے ذکرِ جہر کا جواز پیش کیا گیا ہے اس کا قلمی نسخہ مولانا محمد امیر شاہ قادری کے پاس ہے۔

۴۔ شرح خمریہ قصیدہ غوثیہ (فارسی نثر)۔ قصیدہ کی عام فہم اور صوفیانہ شرح ہے یہ رسالہ پیر عبدالغفار شاہ مرحوم نے ۱۹۱۰ء میں لاہور سے شائع کر دیا تھا۔

۵۔ اسرار التوحید (عربی)۔ اس کے بارے میں خود فرماتے ہیں کہ فصوص الحکم کے مطالعہ کے دوران مجھے کچھ اشکال پیدا ہوئے تو باطنی طور پر ان کا حل مصنف نے بتایا (رسالہ کسب سلوک ص ۴۶)

اس موضوع پر عربی وفارسی میں متعدد رسائل لکھے تھے اس رسالہ کا اُردو ترجمہ ڈاکٹر ام سلمیٰ گیلانی کے مقالہ میں شامل ہے۔

۶۔ رسالہ توحید۔ اس کے ایک بخطِ مصنف، نسخۂ فوٹو گراف مجھے مولانا محمد امیر شاہ صاحب کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔

۷۔ رسالہ وحدت الوجود (فارسی نثر) اس رسالہ کا روٹو گراف مولانا محمد امیر شاہ قادری کے پاس دیکھا تھا، جو مصنف کے خود نوشت خطی نسخے کا عکس ہے۔

۸۔ رسالہ مناجات (عربی نثر) اس رسالہ میں نہایت ہی الحاح وزاری کے ساتھ دعائیں تحریر کی گئی ہیں۔ ان دعاؤں میں آپ کی پوری زندگی کی جھلکیاں نظر آتی ہیں، قلمی بخطِ مصنف مملوکہ مولانا محمد امیر شاہ قادری، پشاور، عکس نسخہ خطی مشمولہ مقالہ ڈاکٹر ام سلمیٰ گیلانی مع اُردو ترجمہ۔

۹۔ رسالۂ اصولِ حدیث (عربی) اس موضوع پر یہ نہایت ہی جامع رسالہ ہے، شروع سے ہی دینی مدارس کے نصاب میں شامل ہے، اُردو ترجمہ کے ساتھ پشاور سے شائع ہو چکا ہے۔

مآخذ

۱۔ شاہ محمد غوث لاہوری: رسالہ در کسب سلوک وبیان معرفت وحقیقت فارسی، پشاور ۱۲۸۳ھ

۲۔ وہی مصنف: شرحِ غوثیہ روٹوگراف (بخطِ مصنف) مملوکہ مولانا محمد امیر شاہ قادری، یکہ توت، پشاور

۳۔ وہی مصنف: رسالہ وحدت الوجود قلمی بخطِ مصنف روٹوگراف مملوکہ مولانا سیّد محمد امیر شاہ۔

۴۔ وہی مصنف: رسالہ مناجات قلمی بخطِ مصنف مملوکہ مولانا محمد امیر شاہ قادری۔

۵۔ غلام کشمیری، میر بن سیّد محمد عابد بن شاہ محمد غوث: خوارق العادات (حالات سیّد حسن پشاوری بزبان شاہ محمد غوث لاہوری) ۱۱۸۹ھ قلمی مملوکہ مولانا محمد امیر شاہ

۶۔ وہی مصنف: ترجمہ شاہ محمد غوث بر خطی نسخہ مصنف رسالہ کسب سلوک مملوکہ فوزی آغا، پشاور

۷۔ محمد حیات نوشاہی: تذکرہ نوشاہی ۱۱۴۶ھ قلمی، مخزونہ کتب خانہ دانش گاہ پنجاب لاہور

۸۔ پیر کمال لاہوری: تحائفِ قدسیہ ۱۱۸۶ھ قلمی مملوکہ مولانا سیّد شرافت نوشاہی، گجرات

۹۔ امام بخش نوشاہی لاہوری: مراۃ الغفوریہ ۱۱۹۰ھ روٹوگراف مملوکہ سیّد شرافت نوشاہی۔

۱۰۔ محمد امیر شاہ قادری: تذکرہ علماء ومشائخ سرحد۔ پشاور ۲ جلد، ۱۹۷۲ء

۱۱۔ وہی مصنف: تذکرہ مشائخ قادریہ حسنیہ، پشاور ۱۹۷۲ء

۱۳۔ شرافت نوشاہی: شریف التواریخ جلد سوم حصہ سوم قلمی مملوکہ مصنف مدظلہ

۱۴۔ پیام شاہ جہانپوری: تذکرہ شاہ محمد غوث، لاہور

۱۵۔ نامی، غلام دستگیر: سوانح حیات حضرت شاہ محمد غوث لاہوری، لاہور ۱۹۵۹ء

۱۶۔ محمد صالح کنجاہی: سلسلۃ الاولیاء / ۱۲۶۷ھ قلمی بخط مصنف مملوکہ قریشی احمد حسین احمد، گجرات

۱۷۔ محمد امیر شاہ قادری: تذکرہ شاہ عبداللہ ٹھٹھوی، پشاور ۱۹۷۱ء

۱۸۔ ام سلمٰی گیلانی: محدث کبیر حضرت شاہ محمد غوث پشاوری ثم لاہوری کی علمی ودینی خدمات، پشاور، ۱۹۹۰ء

یکم اگست ۱۹۷۵ء

اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور

شیخ فضلی قادری لاہوری اور ان کی کتاب عین التصوف

پنجاب کے علماء ومشائخ کے حالات پر اب تک کوئی قیمتی کتاب منظر عام پر نہیں آئی ہے، عمومی تذکرہ نویسوں نے اس خطے کو بڑی حد تک نظر انداز کر دیا ہے، پنجاب کے ہر قصبہ سے عربی، فارسی، اُردو اور پنجابی کے مصنفین وشعراء کے شاہکار جستجو سے مل سکتے ہیں، اس وقت پنجاب کے علماء ومشائخ کے ایک ایسے نادر تذکرے سے روشناس کروایا جارہا ہے جس سے زمانہ حال کے محققین نے استفادہ نہیں کیا۔

اس کتاب کا نام عین التصوف ہے۔ اس کا ابتدائی حصہ تصوف کے عمومی مسائل پر مشتمل ہے اور آخری حصہ مصنف کے آباء واجداد، اساتذہ اور ہم مشرب احباب کے حالات سے بھرپور ہے۔

یہ کتاب اب تک شائع نہیں ہوئی اور بصورت مخطوطہ اس کا نسخہ جناب عبد الرشید سیالکوٹی مالک کتب خانہ رشیدیہ، اُردو بازار، لاہور کے پاس ہے، چونکہ مخطوطہ ناقص الاول ہے اس لیے مصنف کا پورا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ ایک دو مقامات پر مصنف نے اپنے اشعار نقل کرتے ہوئے اپنا تخلص فضلی بتایا ہے۔[1] اپنے والد کا نام سیّد مصطفیٰ بن سیّد عبد الرزاق معروف بہ شاہ چراغ لاہوری بن سیّد عبد الوہاب بن سیّد عبد القادر ثالث بن سیّد محمد غوث بالا پیرا اوچی بن سیّد زین العابدین رحمۃ اللہ علیہم لکھا ہے۔[2] گویا مصنف کا تعلق اوچ کے سادات سے ہے چونکہ مصنف کے حالات مطبوعہ اور متعارف تذکروں میں نہیں ملتے اس لیے ہم نے ساداتِ اوچ کے تذکرے دیکھے تو سیّد علی اصغر گیلانی کے شجرہ الانوار میں سیّد مصطفیٰ کی نرینہ اولاد میں سے صرف سیّد مجتبیٰ کا نام ملا اور پھر سیّد مجتبیٰ کے دو لڑکوں سیّد عبد القادر اور سیّد ابو نصر فضل الدین کا ذکر کیا گیا ہے، خیال ہوا کہ غالباً انہی فضل الدین نے اپنے نام کی مناسبت سے فضلی تخلص کیا ہوگا۔

۱۔ عین التصوف، قلمی ورق ۹ الف

۲۔ ایضاً ورق ۱۰۵ الف

فضل الدین کے بارے میں اس شجرہ میں بتایا گیا ہے:

سید ابو نصر فضل الدین (صاحب سجادہ) متوفی ۱۲ جمادی الثانی ۱۱۲۸ھ، زوجہ اش بی بی جمنی دختر سید اسمٰعیل بن شاہ چراغ لاہوری مذکور، زوجہ ثانیہ عصمت خاتون بنت نصر اللہ، سیّد فضل الدین، در ہنگامہ سکھاں در عہدِ فرخ سیر شہادت یافت، نعش ایشاں میداشتند[1]

سیّد فضل الدین کے ایک بیٹے پیر بخش اور بیٹی بی بی سخاوت معروف بہ سعادت النسا کا ذکر اسی شجرۃ الانوار میں کیا گیا ہے نیز لکھا ہے کہ پیر بخش لاولد تھے۔[2]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صاحب شجرۃ الانوار کو سیّد مصطفیٰ کے صرف ایک ہی صاحبزادے سیّد مجتبیٰ کا علم ہو سکا ہے یا عین التصوف کے کاتب نے قصداً سیّد فضل الدین کو براہِ راست سیّد مصطفیٰ کا بیٹا لکھ دیا ہے لیکن یہ قیاس آرائی بھی درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ مصنف اپنے والد کے حالات کا عینی شاہد ہے نیز خود مصنف نے اپنے کسی بھائی مثلاً سیّد مجتبیٰ کا ذکر نہیں کیا۔

کتاب کے اندرونی شواہد سے مصنف کی زندگی کا یہ خاکہ تیار ہوا ہے مصنف کا تعلق اوچ کے اس خانوادے سے تھا جو اوچ سے ہجرت کر کے لاہور آ گیا تھا شعر بھی کہتے تھے فضلی تخلص کرتے تھے، اپنے اشعار کتاب میں نقل کیے ہیں۔[3] والد کی وفات (۱۰۶۵ھ) کے وقت کم سن تھے۔ اس لیے عم بزرگوار سیّد محمود (ف ۱۰۸۶ھ / ۱۶۷۵) نے ان کی تربیت کی، لکھتے ہیں:

"بعد از انتقال قبلہ گاہی تربیتِ بندہ ایشان فرمودند و سجادہ نشینی دادہ اند"[4]۔

لیکن مصنف کی روحانی تشنگی اس کے باوجود باقی رہتی ہے اور ان کے اجداد کے عرسوں کے موقع پر ایک بزرگ شخصیت حضرت شاہ محمد فاضل سے ان کی ملاقات ہوتی ہے۔ ان دنوں مصنف کی عمر تیرہ چودہ سال کی تھی یہ

---

۱ علی اصغر گیلانی: شجرۃ الانوار، قلمی مخزونہ کتب خانہ دانش گاہ پنجاب، لاہور،

قلمی مملوکہ مصنف، ورق ۵۳ ب ۵۵ الف، حدائق الانوار (سفرنامہ اوچ سید شرافت نوشاہی) لاہور ۱۹۳۸ء

۲ علی اصغر، ورق ۵۵ الف

۳ فضلی: عین التصوف، ورق ۹

۴ ایضاً ورق ۱۰۸ ب

ملاقات مسلسل ہوتی رہی آخر مصنف ان سے بیعت ہو جاتے ہیں۔[1]

شاہ محمد فاضل لاہوری (متوفی ۱۰۹۹ھ) کے علاوہ مصنف نے ملا فتوحی لاہوری سے بھی اسماعظام کے پڑھنے کی اجازت لی تھی، لکھا ہے:

"بندہ را اجازت خواندن اسماعظام از ملا صاحب است"[2]

ان کے علاوہ پنجاب کے دیگر مشائخ سے بھی مصنف کے گہرے روابط کا پتا چلتا ہے، ان مشائخ کے حالات تو اس تذکرے کے علمی فوائد کے تحت آئیں گے لیکن ان کے اسمائے گرامی ملاحظہ ہوں"۔

میاں شاہ عبدالصبور، میاں عبدالرشید، شاہ بازید افغان، صوفی دوست، شیخ یحیٰی بن شیخ عبدالکریم لاہوری شاہ دولا گجراتی، شیخ ضیاء الدین خادم درگاہ حضرت داتا گنج بخش لاہوری اور میر احمد شہید۔

کتاب پر ایک نظر

کتاب کا ابتدائی حصہ تصوف کے عمومی مسائل پر مشتمل ہے اور آخری حصہ مصنف کے آباواجداد اور احباب کے حالات پر مبنی ہے، اس کتاب کی اہمیت ان نکات سے بخوبی واضح ہو سکتی ہے:

۱: کتاب کے تذکرے کا حصہ مصنف کے ذاتی مشاہدات اور عینی شاہد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے اسے منفرد ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔

۲۔ مصنف کو ایک حد تک تذکرہ نویسی کا شعور تھا جو اسے دیگر معاصر تذکرہ نویسوں سے ممتاز کر دیتا ہے اور وہ یہ کہ حالات کے اندراج کے ساتھ ساتھ صاحبِ ترجمہ کی تاریخ و سالِ وفات کا اہتمام اور اگر ان میں سے کوئی مصنف تھا تو اس کی تصانیف کے اقتباسات اور اگر کسی کی تصنیف کا علم نہیں ہو سکا تو اس کی غزلیات ہی نقل کر دی ہیں، اس طرح پنجاب کی کئی غیر معروف شخصیات کے سنین وفات پہلی مرتبہ اس تذکرے کے ذریعے منظر عام پر آرہے ہیں۔

---

۱ ایضاً ۱۳ب

۲ ایضاً ۱۳۰ب

کتاب کا سال تصنیف

نسخہ کے ناقص الاول ہونے کی وجہ سے اس کا صحیح سالِ تصنیف معلوم نہیں ہو سکا، ہم نے اس مقالہ میں مصنف کے احباب کے حالات کے دوران سنین ۱۱۰۴ھ، ۱۱۰۶ھ اور ۱۱۱۲ھ نقل کیے ہیں۔ ایک مقام پر مصنف نے عالم مکاشفہ میں سیّد محمد غوثؒ سے اپنی بیعت کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ بیعت ۱۱۲۰ھ کا واقعہ ہے۔[1]

گویا ۱۱۲۰ھ موخر ترین سنہ ہے جو کتاب میں مذکور ہوا ہے اس لیے ہمارے نزدیک یہ کتاب حدود ۱۱۲۰ھ / ۱۷۰۹ء میں تالیف ہوئی ہے، کتاب کے آخر میں کاتب نے ۱۲۳۱ھ سال کتابت دیا ہے۔ لیکن اسے سنہ تسوید لکھ دیا ہے جو غلط ہے۔

یہ کتاب ۱۳۳ اوراق پر مشتمل ہے، سہوہائے کتابت اس کثرت سے ہیں کہ دیگر نسخوں کی دریافت کے بغیر تصحیح ممکن نہیں، اس وقت تک ہمیں اس کے کسی دوسرے نسخے کے وجود کا علم نہیں ہے۔

مصنف نے اپنے اجداد میں سے حضرت سیّد محمد غوث اوچیؒ (ف ۹۲۳ھ) کے حالات حضرت شیخ عبدالحق محدثؒ کی کتاب اخبار الاخیار سے نقل کیے ہیں لیکن بعض نکات ایسے بھی ہیں جو اخبار الاخیار میں نہیں ہیں مثلاً

حضرت شیخ نے گویند حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی باستماع خبر فضائل او بجانب او اشعاری فرستادند[2]

فضلی نے لکھا ہے:

فیما بین مولوی جامی وایشان مکاتبات شوقیہ بود[3]

حضرت شیخ نے سیّد محمد اوچیؒ کا سال وفات نہیں لکھا لیکن فضلی نے ۲۷ رجب ۹۲۳ھ سالِ وصال بتایا ہے۔[4]

---

۱ ایضاً ۱۰۳۔الف

۲ عبدالحق، شیخ: اخبار الاخیار، میرٹھ، ۱۲۷۷ھ ص ۱۹۰

۳ فضلی: ثمین الصنوف ۹۹۔الف

۴ ایضاً ورق ۱۰۰ب

نیز سیّد عبدالقادر ثانی بن سیّد محمد غوث مذکور، سیّد زین العابدین بن شیخ عبدالقادر (ف ۹۳۸ھ) سیّد محمد غوث بن زین العابدین مذکور (ف ۹۵۹ھ) حاجی عبدالقادر ثالث اور سیّد عبدالوہاب بن حاجی بن عبدالقادر کے بارے میں لکھا ہے:

حقیقتِ عمر وفاتِ ایشان معلوم نشد[1]

سیّد عبدالرزاق معروف بہ شاہ چراغ لاہوری کا سنہ و سالِ وفات ۲۲ ذی قعد ۱۰۶۸ھ لکھا ہے[2]۔

مصنف نے اپنے والد سیّد مصطفیٰ بن شاہ چراغ لاہوری کے بارے میں چند اہم نکات تحریر کیے ہیں:

مسجد جامع کلان در روضہ اجداد خود بہ تکلف بسیار بمقابلہ اجورہ مبلغ چہل ہزار روپیہ یک دفعہ بنا کردند[3]

نیز لکھا ہے کہ سیّد مرتضیٰ خان نے ایک مرتبہ اسی ہزار روپے بطور نذر پیش کیے اور درخواست کی کہ اگر مجھے آپ کی دعا سے پنج ہزاری منصب مل جائے تو ایک لاکھ روپے پیش کروں گا لیکن آپ نے یہ نذر قبول نہیں کی۔[4]

کمال خان لنگا کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ بھی آپ کا مرید تھا[5]۔

سیّد محمود عم بزرگوار مصنف

برادر حقیقی و مرید والد کاتب حروف۔۔۔۔ رحلت فرمودند روز چہار شنبہ وقت استوا جمادی الاول سنہ یک ہزار ہشتاد و شش مرید والد کاتب الحروف کہ برادر حقیقی ایشان بود بعد از انتقال قبلہ گاہی تربیت بندۂ ایشان فرمودند و سجادہ نشینی دادہ اند۔[6]

---

۱ ایضاً ۱۰۴ب

۲ ایضاً ۱۰۵الف

۳ ایضاً ۱۰۵ب

۴ یمن التصوف ۱۰۷الف

۵ ایضاً ۱۰۷الف

مصنف نے اپنے والد سیّد مصطفیٰ کا سالِ وفات ۱۰۶۵ھ لکھا ہے (۱۰۶ب) لیکن سیّد علی اصغر گیلانی نے ۱۰۸۰ھ تحریر کیا ہے۔ (شجرۃ الانوار، ورق ۵۴ب)

۶ یمن التصوف ۱۰۸ب

مصنف نے اپنے اجداد کے علاوہ جن احباب کے حالات لکھے ہیں ان میں سے چند اہم نکات کا تجزیہ کیا جا رہا ہے۔

شاہ یتیم اللہ ابو الاسرار

در عمر ہفت سالگی از وطن ۔۔۔ ہجرت نمودہ در کوہ ہائے کشمیر و تبت در طلب حق جل و علا آمدہ اند[1]

پھر بغداد سے حکماً پنجاب آئے اور لاہور پہنچ کر محلہ وچھو والی میں قیام کیا۔

حضرتِ ایشان ۔۔۔ از انجا بہ لاہور قدوم ارزانی فرمودند در محلہ وچھو والی کہ از جملہ محلہ ہای آن شہر است در یک مسجدی کہ از بنا محمد مقیم مشہور است[2]

یہیں شاہ محمد فاضل لاہوری سے ان کی ملاقات ہوئی دنیا میں رویت باری تعالیٰ کا مسئلہ زیر بحث رہا، شاہ ابو الاسرار دنیا میں رویت کے قائل تھے اور شاہ محمد فاضل آخرت میں رویت کے قائل تھے، شاہ ابو الاسرار اور علمائے لاہور کے درمیان اس موضوع پر تحریری مباحثہ بھی ہوا۔

شاہ محمد فاضل نے اس مباحثہ اور شاہ ابو الاسرار کے دیگر کلمات معارف اپنی کتاب وصالیہ میں تفصیل سے لکھے ہیں۔[3]

شاہ ابو الاسرار کے پنجاب میں یہ چار خاص مرید تھے شاہ محمد فاضل، حافظ محمد صادق، ملا امام الدین اور میاں نور محمد۔

اب ان چاروں حضرات کے مختصر حالات ملاحظہ کریں۔

---

1. عین التصوف ورق ۱۰۹۔الف
2. ایضاً ورق ۱۰۹ب (ان مباحث کی تفصیل تحفۃ السالکین میں درج ہے کہ وہ علماء جو سفر و حضر میں اور گجرات کے ساتھ رہتے تھے، انہوں نے حاجی بہادر کوہاٹی کے ساتھ رویت باری تعالیٰ کے بارے میں بحث کی۔)
3. ایضاً ورق ۱۱۲۔ب

شیخ محمد فاضل بن شیخ عبد الفتاح لاہوری

مولد شریف ایشاں در دیہہ رسول پور متصل فرید آباد حدِ صد گھرہ کہ در راہِ ملتان می آید مقرر است و والدِ ایشان شیخ عبد الفتاح نام ولی مردِ خضر پیکر (است)۔۔۔۔ در ظاہر ہشم زمینداری و ریاست پرگنہ مذکور۔۔۔ ابتدا در مدتِ عمر پانزدہ سال در لاہور برائے کسبِ علوم دینی آمدہ پیش سید ولی کہ صاحبِ کمال بود و در شہر لاہور شہرت بسیار داشت و مسجد سیّد مشار الیہ برلبِ دریائے راوی برراج گھاٹ واقع است۔۔۔

"چند مدت در قریہ چک بلوچاں کہ متصل پرگنہ ناظر است اقامت داشتند و چند مدت در صد گہرہ بودند بعدہ بموجب تقاضای سخت پدرِ بزرگوارِ خود تزویج کردند لیکن اولاد نشد و چند کتاب تصنیف ہم دارند مسمی بہ مصالیہ و راحت الواصلین و بے اختیار نامہ و مثبت الرویۃ"[1]

شاہ محمد فاضل، مصنف کے والدہ کے مرضِ موت میں عیادت کے لیے صد گہرہ گئے تھے۔[2]

شاہ محمد فاضل کا انتقال ۲ محرم ۱۰۹۹ھ کو ہوا، پہلے آپ کو آپ کے مسکن متصل دریائے راوی میں دفن کیا گیا لیکن دو اڑھائی سال کے بعد دریا میں طغیانی کے خدشہ سے ان کی نعش وہاں سے لاکر لاہور شہر بیرون دروازہ راج پورہ میں دفن کیا گیا:[3]

وصال ایشان شب جمعہ آخر وقت مغرب دوم ماہ محرم الحرام سنہ یک ہزار و نود و نہ۔۔۔ بعد از رحلت دو نیم سال جای مقبرہ متبرکہ کہ متصل دریائے راوی در دیہہ مسکنت شان بود چون آب دریا طغیان کرد چنانچہ خوف غرق قبر متصور شد ازیں سبب از انجا تابوتِ مبارک شان بر آوردہ در لاہور بیرون دروازہ راج پورہ کہ روی او طرف شمال است مقبرہ نمودہ شد"۔[4]

---

۱ ایضاً ورق ۱۱۳۔الف

۲ ایضاً ۱۱۵ب

۳ ایضاً ۱۱۸ب

۴ ایضاً ورق ۱۱۹۔الف

حافظ محمد صادق

اپنے پرگنہ کے قاضی اور تحفۃ الصادقین کے مصنف تھے، لکھا ہے: مولد شریف ایشان میکہ بہقان کہ متصل صد گہرہ است ازانجا بعد ہوشیاری برائے طلب علم دینی در فرید آباد تشریف آوردہ کسب علم ظاہری نمودہ۔۔۔ بدرجہ کہ ہمہ عالمان آن دیار امور فتوی شرعی آن دیار ایشان تفویض نمودند۔۔۔ بعد ازاں بخدمت بندگی حضرت شاہ ابوالاسرار (یتیم اللہ مذکور) توصل نمودند۔۔۔ تمام عمر در تلاوت و تنہای صرف نمودند و اکثر ہر روز ختم کلام مجید میکردند و عمر شریف ایشان ظاہر تا بہ چہل سال رسید۔۔۔

ان کو قضائے حاجت کے دوران سیاہ سانپ نے ڈس لیا جس سے اس ان کی وفات ہوگئی۔

وصال نمودند در سنہ یک ہزار (و) ہشتاد و شہر صفر تاریخ بیست و پنجم آخر شب یک شنبہ رحمۃ اللہ علیہ و قبر شریف ایشان در مقام العاشقین متصل فرید آباد کہ جائے سکونت ایشان بود ہست جائے پر فیض زیارت گاہ است۔[1]

ایشان چند کتب تصنیف است ازان جملہ کتاب تحفۃ الصادقین کتاب عالی مضمون است۔[2]

فارسی میں شعر بھی کہتے تھے صادق تخلص کرتے تھے۔[3]

ملا امام الدین

پنجابی میں بہت سوز انگیز شعر کہتے تھے، شاہ ابوالاسرار مذکور کے مرید تھے، ان کا والد ہندو تھا اور سرکشی کے باعث قید ہوا اور شاہ جہان آباد میں ہی بحالتِ قید مر گیا، ملا امام الدین لاہور چلے آئے یہاں آکر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

باشوق خیالہائے پنجابی می ساختند و بہ قوالان آموختہ می شنیدند و جان گذاری میکردند۔۔۔ اکثر خیالہای ملا امام الدین بزبان پنجابی مشہور است کہ از شورش احوال می بستند سرود میکردند در قص می فرمودند و مردمان بہر طرف در دکھن و پورب و سندھ ہا ہائے ایشان می خواندند و کلام سوز انگیز است ہر کہ می شنود آہ و فریاد پر دردمی

---

1. ایضاً ورق ۱۲۰ ب
2. ایضاً
3. اشعار کے لیے ملاحظہ ہو ورق ۱۲۱ الف ۔ ۱۲۲ الف

سرزند و یک کتاب در زبانِ ہندی ساختہ اند نام آن "درپن سادہان" یعنی آینہ راستان کلام سکر آمیز و نکتہ درد انگیز دراں تحریر یافتہ و کاتب حروف (مصنف) بعضی بپہ ہائے ایشان بزبانِ فارسی تغیر دادہ می نویسد۔[1]

ان کا کلام حدِ حصر سے زیادہ تھا۔[2]

ابیات کے فارسی ترجمہ کے مطابق ان کا تخلص امام الدین تھا۔

ان کی سکونت قصبہ رینکی میں تھی وہاں کے کسانوں سے عداوت کی وجہ سے لاہور آ گئے تھے ۱۱۰۴ھ میں انتقال کیا، قبر کلانور میں ہے۔

"در سن یک ہزار و یک صد و چہار داعی حق را لبیک فرمودند، قبر شریف ایشان "پرگنہ کلانور واقع است"۔[3]

میاں نور محمد

شاہ ابوالاسرار کے چوتھے مرید تھے، ان کی ولادت لاہور میں ہوئی اور سکونت اندرون موچی دروازہ لاہور میں تھی، ذی علم بزرگ تھے، ان کی قبر دریائے راوی کے کنارے دیہ سہنالبیان (جوار صد گہرہ) کے متصل تھی، انہوں نے کوئی تصنیف یادگار نہیں چھوڑی۔[4]

اب پنجاب کے بعض ایسے حضرات کا ذکر کیا جاتا ہے جو مصنف کے ہم مشرب تھے اور جن کی صحبت سے مصنف کو فوائد حاصل ہوئے۔

بندگی شاہ عبد الصبور

ان کی ولادت قصبہ جھجھر میں ہوئی یہ سات سال کے تھے والد انتقال کر گئے، اپنے عم بزرگوار کے ہمراہ اکبر آباد جا کر نزہتہ الارواح کے چند اجزا پڑھے جس سے طلب کی آرزو پیدا ہوئی، مرضِ شکم میں ۱۱۱۲ھ کو انتقال کیا

---

۱ ابیات کے ترجمہ کے لیے ملاحظہ ہو عین التصوف ورق ۱۲۲ ب تا ۱۲۳ الف

۲ ایضاً

۳ ایضاً ورق ۱۲۳ ب

۴ ایضاً ۱۲۴ الف

برہان پور میں دفن ہوئے لیکن ان کے مریدین ان کا تابوت نکال کر جھجھر لے گئے، جہاں ان کے حجرہ میں انہیں دفن کر دیا، لاہور میں ان کے کئی مرید تھے۔ شاہ عبدالصبور شاعر بھی تھے مصنف نے ان کی چار غزلیں نقل کی ہیں۔[1]

میاں عبدالرشید

مؤلف سے گہرے روابط تھے لاہور میں سکونت پذیر تھے اور شاہ محمد فاضل لاہوری کے احاطہ میں دفن ہیں لکھا ہے:

مولدِ ایشان قریہ فتاچنبر متصل حجرۂ شاہ محمد مقیم در صغر سن از وطن بر آمدہ در لاہور رسیدہ ازانجا باہم خود اکبر آباد رفتہ آنجا با شاہ عبدالجلیل بغدادی بیعت نمودہ ترک دنیا نمودہ۔۔۔ ازان بعد در لاہور ساکن اندر در باغ میر شریف۔ عمر طویل یافتہ تا بہ شتاد بیش یا کم در مدت بے وضو گاہی نماندہ۔۔۔ از غلبہ مستی ابیات فارسی وکلام مجید وغیرہ اکثر اوقات می خواندند۔۔۔ باکاتب حروف شفقت بسیار دارند گاہ گاہی از راہ بندہ نوازی بہ فقیر خانہ تشریف می فرمانید۔۔۔ قبر ایشان در مقبرہ متبرکہ حضرت ارشاد پناہی (شاہ محمد فاضل لاہوری) است بتاریخ ہفت یا دہم یا یازدہم بہر تقدیر ہفتہ دوم ماہ شعبان رحلت ایشان است۔[2]

ملا فتوحی

مصنف کے ہمسایہ، استاد اور مصنف کے اجداد کے اجازت یافتہ تھے ان کی قبر بھی شاہ محمد فاضل لاہوری کے احاطہ میں ہے، لکھا ہے:

مردی باکمال است علم تکسیر وعلم دعوت بوجہ احسن میسر اند، ہمسایہ کاتب حروف است۔۔۔ وایشان اجازت ذکر نفی واثبات از قبلہ گاہی علیہ الرحمۃ (سیّد مصطفیٰ لاہوری) (است) دریں صورت بیک واسطہ مشغول بذکر مذکور۔۔۔ وملا مشار الیہ علم تکسیر ودعوت از سیّد حامد مرحوم برادرِ حقیقی جد بندہ سیّد عبدالرزاق مشہور شاہ

---

1 ایضاً ۱۲۶۔ب

2 ایضاً ۱۲۸ب ۱۳۰۔الف

3 ایضاً ۱۳۰۔

چراغ لاہوری حاصل نمودہ و بندہ را اجازتِ خواندن اسماءِ عظام از ملا صاحب است۔۔۔ و در علم رمل نیز دخل دارند' در لاہور قحطِ عظیم واقع شدہ کہ ہزار ہزار عالم بہ سبب فاقہ بعالم فنا رخت بربستہ۔۔۔ کہ ناگاہ شب یازدہم ماہ ربیع الآخر پیمانہ عمر را آخر کردہ بجوارِ رحمت حق پیوستند قبر ایشان نیز در مقبرہ حضرت ارشاد پناہی (شاہ محمد فاضل مذکور) است۔[1]

شاہ بازید افغان

مجذوب سالک تھے۔ ایک دن مصنف کے گھر گئے اور کہا:

اللہ اسم ذات است و دیگر اسم صفات اللہ اللہ گفتہ باشد

ان دنوں مصنف کم سن تھے، ان کی قبر شاہ جہان آباد میں ہے جو بازار اسپان کے متصل پر فیض زیارت گاہ ہے۔[2]

صوفی دوست

مصنف سے قریبی تعلقات تھے سماع ساتھ ساتھ سنتے تھے، لاہور میں مدفون ہیں، شیخ نظام الدین تھانیسری سے بیعت، لکھتے ہیں:

مرید شیخ نظام الدین تھانیسری است اوّل تاجر بود در بلخ با شیخ مذکور صحبت داشت۔۔۔ عمر طویل یافتہ تا ہشتاد کم زیادہ لاہور وطن شان بود۔۔۔ قبر ایشان در لاہور است اندرون مندوی شہر یار۔۔۔ باکاتب حروف بسیار شفقت داشتند چنانچہ وقتِ سماع فقیر را می طلبیدند و خود رقص میکردند و در عین حال با فقیر مصافحہ می فرمودند۔۔۔[3]

---

۱ ایضاً، ۱۳۰ب

۲ ایضاً، ۱۳۱۔الف

۳ ایضاً ورق ۱۳۱۔الف۔ب

۴ ایضاً ورق ۱۳۱ب

شیخ یحییٰ بن شیخ عبد الکریم لاہوری

نوے سال کی عمر پائی، شاہ محمد فاضل نے تفسیر حسینی انہیں سے پڑھی تھی اور مصنف پر بہت مہربان تھے لکھا ہے:

عمر دراز یافتہ تا سنہ نود رسیدہ باشد مردی است پیر کمال و صاحب صورت صفوت بر جبین او لائح و حضرت ارشاد پناہی (شاہ محمد فاضل مذکور) تفسیر حسینی را پیش شیخ تکرار فرمودند با کاتب حروف بسیار شفقت دارند۔۔۔

۱۱۰۶ھ میں وفات پائی۔

وفاتِ ایشان روز سہ شنبہ یازدہم جمادی الآخر سنہ یک ہزار و یک صد و شش[1]

مشہور چشتی شیخ طریقت اور مصنف شیخ عبد الکریم لاہوری کے صاحبزادے تھے۔

شاہ دولہ گجراتی

معمر بودند تا صد رسیدہ است۔۔۔ دست شفقت بر سر فقیر مالیدہ بودند و شیرینی عنایت کردند قبلہ گاہی را تنہا بہ حجرہ خود بردہ چیزی کلمہ کلام فرمودند معلوم نہ شد الآں در قصبہ گجرات خُرد (است)[2]

شیخ ضیاء الدین

درگاہ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری لاہوریؒ کے خادم تھے مصنف کے ساتھ بہت دوستی تھی ایک سو بیس سال عمر پائی:

رحلت فرمودند بتاریخ بیست و یکم ماہ ذی قعد روز سہ شنبہ سعادت غسل و جنازہ و در قبر داخل کردن باین احقر میسر آمدہ و قناعت بدرجہ داشتند کہ یک جامہ مدت چہل سال گذرانیدہ بود۔

کتاب کے آخر میں دو شہدا کا ذکر ہے اوّل میر احمد شہید جو تیس سال کی عمر میں ۱۰۹۴ھ میں شہید ہوئے تھے۔[3]

---

۱ ایضاً ۳۳۲۔الف۔ب

۲ ۳۳۳۔الف

۳ ایضاً ۳۳۳۔الف

دوسرے دلدار بیگ شہید، جو مصنف کے مرشد شاہ محمد فاضل کے مخلص تھے، گجرات شاہ دولہ میں مقیم تھے، شہادت کے بعد ان کی نعش ان کے مقامِ ولادت صد گھرہ میں لاکر دفن کی گئی، مصنف کے ساتھ زندگی کا زیادہ حصہ گذارا تھا، تیس کی عمر میں شہادت پائی اور سال شہادت ۱۰۹۴ھ ہے۔

فکر و نظر، اسلام آباد

ج ۱۵، ش ۳، ستمبر ۱۹۷۷ء

شیخ سیّد پیر محمد گجراتی

حضرت سید پیر محمد گجراتی بارہویں صدی ہجری کے ایک نامور صوفی، مولف، شاعر اور ایک عظیم کتب خانہ کے مالک تھے۔

حضرت شیخ پیر محمد کے والد سید امین الدین تھے جن کے اجداد میں سے میراں شمس الشیخ مدینہ منورہ سے آکر بیجاپور (Bijapur) میں مقیم ہو گئے وہیں ۱۵ شعبان ۱۱۰۰ھ / ۱۶۸۹ء کو سید پیر محمد کی ولادت ہوئی والد ان کی پیدائش سے چند ماہ قبل فوت ہو گئے اور والدہ ان کی ولادت کے بعد انتقال کر گئیں اس طرح ان کی کفالت اور تعلیم وتربیت ان کے چچا سیّد عبدالرحمٰن عرف سیّد علی قادری بیجاپوری (ف ۱۱۱۹ھ / ۱۶۰۸ء) نے کی جنہیں اپنے والد سیّد محمد مدرس (ف ۱۰۸۶ھ / ۱۶۷۵ء) سے اجازت وخلافت حاصل تھی اور اپنے اجداد کی خانقاہ میں سجادہ نشین تھے (Sufis of Bijapur, p. 205 وبہ بعد) سیّد محمد مدرس خلیفہ تھے شیخ عبدالعظیم مکی کے اور وہ خلیفہ تھے سید صبغۃ اللہ کے اور وہ اجازت یافتہ تھے شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی کے، جو شاہ محمد غوث شطاری گوالیاری کے خلیفہ تھے (نور الشیوخ ۱۳۔۱۴)

شیخ پیر محمد گجراتی غیر معمولی طور پر ذہین وطباع تھے انہوں نے صرف سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا، نو سال کی عمر تک کئی درسی کتب مکہ مکرمہ جا کر اساتذہ سے پڑھ لیں، گیارہ سال کی عمر میں حج کیا اور ۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۴ء کو مدینہ منورہ حاضر ہوئے، وہاں بھی تحصیل میں معروف رہے اور پھر اپنے چچا سیّد عبدالرحمٰن مذکور کے حکم پر واپس ہندوستان آئے طویل سیاحت کے بعد ۱۱۲۳ھ / ۱۷۱۲ء کو گجرات میں آکر اس کے معروف خطے احمد آباد میں مقیم ہو گئے (مرآۃ احمدی، خاتمہ ۱۰۴) انہیں اپنے چچا سے صوفیہ کے تمام مروجہ سلاسل میں اجازت حاصل تھی (نور الشیوخ ۱۳۔۸۳)

شیخ پیر محمد اپنی زندگی کے چالیس سال تک احمد آباد میں رہے اور دعوت وارشاد کا سلسلہ جاری رکھا وہیں اپنی خانقاہ کی بنیاد ڈالی جہاں سے بے شمار اصحاب نے روحانی فیض حاصل کیا۔

شیخ پیر محمد فارسی اور اُردو کے شاعر تھے ان کی زیادہ تر تصانیف فارسی اور قدیم اُردو (ہندی) میں ہیں، جو نظم کی صورت میں لکھی ہیں۔ فارسی میں ان کے مکاتیب کا ایک مجموعہ بھی ہے جس میں کل ۱۹ خطوط ہیں جو انہوں نے اپنے مریدین کو لکھے تھے۔ ان کی چار نظمیں یعنی پیر نامہ، پیر گنج، خلعت شریف اور خلعتِ دُرر ۱۱۳۹ھ / ۱۷۲۶ء کو لکھی گئیں جو ایک طالب، مرید اور پیر کی راہنمائی کے لیے تالیف کی تھیں۔

۱۱۴۰ھ / ۱۷۲۷ء کو پیر محمد گجراتی نے فارسی نظم میں نور الشیوخ لکھی جو صوفیہ کے مروجہ تمام سلاسل کے اتصال اور ان کے سلسلہ وار اصحاب ومشائخ کے اسماء پر مشتمل ہے۔ اس کی زبان رواں اور عام فہم ہے، یہ کتاب درگاہ ٹرسٹ پیر محمد شاہ احمد آباد سے ۱۹۷۷ء کو طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے جس میں اشعار کا اُردو ترجمہ بھی ہے۔

شیخ پیر محمد گجراتی ۱۱۴۱ھ تا ۱۱۴۵ھ / ۱۷۲۸۔ ۱۷۳۲ء سُکر کی حالت میں رہے۔ جب کہ غلبہ فرو ہوا تو اپنے مکاشفات تحریر کیے یہ کتاب مکاشفاتِ اقدس کے نام سے ہے اس میں اقدس اور شہید تخلص لکھا ہے۔ اس کتاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان پر وحدت الوجود کا کتنا غلبہ تھا۔

(Growth of Indo-Persian literature in Gujrat, p. 81)

۱۱۴۶ھ / ۱۷۳۳ء کو شیخ پیر محمد نے اُردو میں تصوف کی ایک منظوم کتاب عشق اللہ کے نام سے لکھی جس میں ۴۸۰ شعر ہیں، یہ کتاب موٴلف کے ظاہری وباطنی علوم پر کامل دسترس کی آئینہ دار ہے، اس میں سلوک کے اہم مسائل جن کا سالک کے لیے جاننا لازم ہے عام فہم طریقے سے بیان کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب درگاہ پیر محمد ٹرسٹ، احمد آباد گجرات سے ۱۹۷۷ء کو چھپ چکی ہے ان کے علاوہ اور بھی کئی کتابیں ان کی تالیف ہیں جو شائع نہیں ہوئیں (تاریخ اولیاء گجرات ۱۱۹ حاشیہ) شیخ پیر محمد کا ۲۷ جمادی الاول ۱۱۶۳ھ / ۱۷۵۰ء کو وصال ہوا۔ اندرون شہر احمد آباد (گجرات) متصل حویلی صلاح الدین خان دفن کیے گئے مریدین نے قبر پر گنبد، مسجد اور باغیچہ بنوایا (مرآۃ احمدی، خاتمہ ۱۰۴۔۱۰۵)

درگاہ:

شیخ پیر محمد گجراتی ۱۱۲۳ تا ۱۱۶۳ھ چالیس سال احمد آباد میں رہے اور اس دوران دعوت وعزیمت کے کام میں لگے رہے گجرات سے بہت سے طالب سلوک حاضر ہو کر فیض یاب ہوتے رہے جن میں قوم بوہرہ (Bohrah) کے لوگ بکثرت آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے تھے (ہمانجا ۱۰۴)

آپ چونکہ والد کی جانب سے حضرت غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی اور والدہ کی طرف سے خواجہ سید محمد گیسو دراز کی اولاد میں سے تھے گویا نجیب الطرفین سیّد تھے جو آپ کی عظمت خاندان وسلوک پر شاہد ہے اس بنیاد پر بھی ہندوستان کے دور دراز علاقوں کے لوگ ان کے مرید ہوئے، انہوں نے گجرات کے سُنی بوہروں میں تبلیغ کا کام بھی کیا اور ان کے عقائد سنوارنے پر خاص توجہ دی۔ (تذکرۂ اقدس ۴۱۔ ۴۳ وبعد)

آج کل آپ کے شاندار مزار سے ملحق ایک پر شکوہ مسجد، ایک خوشنما مدرسہ، خانقاہ اور کتابخانہ کی عمارت بھی ہے۔ درگاہ کی دیکھ بھال کے لیے ایک فعال کمیٹی موجود ہے۔ درگاہ کا ایک ٹرسٹ بھی ہے یہ نہ صرف خانقاہ کی نگرانی کرتا ہے بلکہ کتابوں کی نشر واشاعت کا سلسلہ بھی جاری ہے اب تک اس درگاہ کی طرف سے کئی اہم کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

اس وقت یہ درگاہ پیر محمد شاہ روڈ، پانکورناکہ، احمد آباد

(Pir Muhammad Shah Road, Pankorenaka, Ahmadabad) میں واقع ہے۔

(وضاحتی فہرست کتب خانہ درگاہ پیر محمد ۴/ ۱۔۲)

کتابخانہ

شیخ پیر محمد شاہ کو کتابوں کے مطالعہ اور نادر قلمی نسخوں کو جمع کرنے کا بہت شوق تھا، جو کتابیں ان کے مطالعہ میں رہتی تھیں وہ انہیں حفظ ہو چکی تھیں، ان کے وصال کے بعد ان اہم مخطوطات کو ایک کمرہ میں محفوظ کر دیا گیا، آپ کے مریدین کو بھی مطالعہ وجمع کتب کا ذوق تھا جس کے نتیجے کے طور پر شیخ کی وفات ۱۱۶۳ھ کے بعد بھی اس میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا (تذکرۂ اقدس ۴۸۔۵۱)

گجرات میں علماء کے بہت سے کتب خانے تھے جو پہلے تو خود ان کے ورثا کی نااہلی کے باعث برباد ہوئے ان میں سے کئی اہم کتابیں پیر محمد کے کتب خانہ احمد آباد کے لیے ان کے مریدین نے خرید لیں، پھر مرہٹہ (Marhata) گردی میں تباہ ہوئیں۔ لیکن شیخ پیر محمد کی درگاہ کا کتب خانہ نہ صرف محفوظ رہا بلکہ اس میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا (گجرات کے مشاہیر علماء ۱۳۰۔۱۳۱، گجرات کی تمدنی تاریخ ۲۱۸۔۲۵۰)

اس کتابخانے کو محفوظ کرنے اور ترتیب دینے میں مولانا ابو ظفر ندوی مرحوم نے اہم کردار ادا کیا۔ آج اس کتب خانے میں تقریباً تین ہزار مخطوطات اور چھ ہزار مطبوعات ہیں (وضاحتی فہرست کتابخانہ درگاہ پیر محمد ۱/ ۲۔۳)

عربی، فارسی اور قدیم اُردو کے بیش بہا مخطوطات یہاں محفوظ ہیں۔ ان میں قرآن، تجوید، تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، تصوف، فلسفہ، منطق، صرف ونحو، تاریخ، ادب، عروض اور دیگر فنون پر مشاہیر علماء کی تصانیف محفوظ ہیں۔ مخطوطات کے علاوہ یہاں بہت سی دستاویزات بھی موجود ہیں۔ جو برصغیر کی تاریخ ومذہب سے متعلق ہیں۔ دنیا بھر سے اہل علم ان مخطوطات سے استفادہ کے لیے یہاں آتے ہیں۔ یہاں کے مخطوطات کئی اعتبار سے اہم ہیں کتابت کی قدامت کے لحاظ سے خطِ کوفی، نسخ، نستعلیق وغیرہ میں کتابت شدہ سات آٹھ سو سال قدیم مخطوطات بھی محفوظ ہیں۔ ان خطی نسخوں میں چند ایسے بھی ہیں جو مصنفین کے خود نوشت ہیں۔ اس کتابخانے میں گجرات کے نامور علماء کی تصانیف اور بعض پر ان کے ہاتھ سے لکھے ہوئے حواشی بھی ہیں۔ ایسے بہت سے قلمی نسخے یہاں ہیں جن پر مشاہیر علماء کی مہریں ثبت ہیں۔ فہرست سازی کا کام جاری ہے اور تین ہزار مخطوطات میں سے عربی، فارسی اور اُردو کے ۱۳۰۰ خطی نسخوں کی وضاحتی فہرست چھ جلدوں میں درگاہ ٹرسٹ کی جانب سے ۱۹۹۲ تا ۱۹۹۴ء شائع ہو چکی ہے، باقی مخطوطات کی فہرست نگاری کا کام جاری ہے (وضاحتی فہرست ۱/ ۴۔۶) ان مخطوطات میں عرب وایران کے مشاہیر اہل علم کے نادر مخطوطات محفوظ ہیں جو محققین کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔

مآخذ

۱۔ ابو ظفر ندوی: تذکرۂ اقدس (سوانح پیر محمد شاہ احمد آبادی)، اعظم گڑھ، ۱۹۳۴ء

۲۔ ایضاً: گجرات کی تمدنی تاریخ (مسلمانوں کے عہد میں) اعظم گڑھ، ۱۹۶۲ء

۳۔ پیر محمد شاہ: نور الشیوخ، احمد آباد، پیر محمد شاہ درگاہ ٹرسٹ، ۱۹۷۷ء

۴۔ ایضاً: عشق اللہ، احمد آباد، درگاہ ٹرسٹ، ۱۹۷۷ء

۵۔ عبدالحی حسنی: یاد ایام (گجرات کی علمی تاریخ)، لکھنو، ۱۹۸۳ء

۶۔ ایضاً: نزہۃ الخواطر، جلد ۶، حیدر آباد دکن، ۱۹۵۷ء

۷۔ علی محمد خان، مرزا محمد حسن: خاتمہ مرآۃ احمدی مرتبہ نواب علی، بڑودھا، ۱۹۳۰ء

۸۔ ایضاً: تاریخ اولیاء گجرات (اُردو ترجمہ خاتمہ مرآۃ احمدی) مترجم ابو ظفر ندوی، گجرات اُردو اکیڈمی، ۱۹۹۳ء

۹۔ محمد زبیر قریشی: گجرات کے مشاہیر علماء، گجرات، اُردو ساہیتیہ اکیڈمی، ۱۹۹۶ء

۱۰۔ ملکاپوری، عبدالجبار: محبوب المنن تذکرہ اولیاء دکن، حیدر آباد، دکن ۱۳۳۲ھ

۱۱۔ وضاحتی فہرست کتب خانہ پیر محمد شاہ۔ گجرات کے مخطوطات عربی، فارسی، اُردو، احمد آباد، درگاہ پیر محمد ٹرسٹ، ۴ جلد ۱۹۹۲۔۱۹۹۴ء

12- Eaton, R.M: Sufis of Bijapur, Princeton, University Press, 1978.

13- Siddiqui, Anwarjahan: Pir Muhammad Shah and his works (article in Grwoth of Indo-Persian literature in Gujrat) Baroda, 1985.

۱۳ جولائی ۱۹۹۸ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ، تہران

شیخ سیّد جمال الدین اندرابی

شیخ جمال الدین اندرابی تیر ہویں صدی ہجری کے صوفیہ میں سے تھے ان کا تعلق خطہ کشمیر تھا۔

شیخ جمال الدین کے والد میر سیّد کمال الدین اندرابی (ف ۱۲۳۸ھ / ۱۸۲۳ء) بھی ایک باکمال صوفی اور قادری سلسلہ کے مشہور بزرگ حاجی عتیق اللہ (ف ۱۱۵۹ھ / ۱۷۴۶ء) کے فرزند تھے جو ۱۱۵۹ھ / ۱۷۴۶ء کے کشمیر کے بلوۂ عام کے بانی ہونے کی تہمت میں افراسیاب بیگ خان حاکم کشمیر کے ہاتھوں شہید ہوئے (تاریخ حسن ۲ / ۶۱۹)

شیخ جمال الدین کے دادا حاجی عتیق اللہ قادری ملکی سیاست میں عمل دخل رکھنے کے باوجود صوفی مشرب، بزرگ تھے (اسرار الاخیار ۳ / ۷۹) ان کے دادا میر افضل اندرابی (ف ۱۱۱۳ھ) بھی قادری سلسلہ کے صوفیہ میں سے تھے (ایضاً ۷۲)

میر سیّد جمال الدین اندرابی شاہ حفیظ اللہ نوری کے خلیفہ تھے، نوے سال تک مسلسل دعوت وارشاد کا سلسلہ جاری رکھا اور لحہ بھر کے لیے اس میں توقف نہ کیا۔ (ایضاً ۹۲)

میر سیّد جمال الدین اندرابی کا پورا خانوادہ علماء وصوفیہ میں سے تھا، ہزارہا افراد نے ان سے فیض پایا، کشمیر کے اہل دل حضرات اس خاندان کے دل وجان سے شیدا تھے۔ (ایضاً ۷۲، ۷۹، ۹۱، ۹۲)

میر سیّد جمال الدین اندرابی نے طویل عمر پائی اور ۵ شعبان ۱۲۷۱ھ / ۱۸۵۵ء کو فوت ہوئے (اسرار الاخیار ۳ / ۹۳، تحائف الابرار ۷۹)

مآخذ

۱۔ بہاء الدین متو کشمیری: سلطانی (مناقب اولیائے کشمیر)، لاہور ۱۳۵۰ھ

۲۔ شعری، ابو محمد حسن: تحفہ اشرفیہ (حالات شیخ محمد اشرف فتح کدلی)، لاہور، ۱۳۵۲ھ

۳۔ غلام حسن کھو یہامی: تاریخ حسن مرتبہ حسن شاہ، سری نگر، ۱۹۵۴ء

۴۔ ایضاً: اسرار الاخیار (تاریخ حسن کا تیسرا حصہ احوال اولیائے کشمیر)، سری نگر، ۱۹۶۰ء

۵۔ محمد اعظم دیدہ مری: تاریخ کشمیر، سری نگر، ۱۳۵۵ھ

۶۔ مسکین، محی الدین: تحائف الابرار، امرتسر، ۱۳۲۱ھ

برائی دانشنامہ شبہ قارہ

۱۰ نومبر ۲۰۰۴ء

مولانا ابوالحیات قادری پھلواروی

مولانا ابوالحیات تیرہویں صدی ہجری کے مشہور عالم دین اور صوفی تھے۔

شیخ ابوالحیات حضرت جعفر طیار ابن ابی طالب کی اولاد میں سے تھے، ان کے تمام اجداد اکابر علماء ومشائخ میں سے تھے چند نام یہ ہیں۔ شیخ ابوالحیات بن شیخ نعمت اللہ (ف ۱۲۴۷ھ / ۱۸۳۱ء) بن شیخ مجیب اللہ (ف ۱۱۹۱ھ / ۱۷۷۷ء) بن ظہور اللہ جعفری پھلواروی ـــ ان کے اجداد میں سے امیر عطاء اللہ سب سے پہلے پھلواری میں جا کر آباد ہوئے۔ پھلواری (Phulwari) صوبہ بہار میں پٹنہ (Patna) کے مضافات میں ایک مشہور قصبہ ہے۔

شیخ ابوالحیات اسی قصبہ میں ذی قعدہ ۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۱ء کو پیدا ہوئے (نزہۃ الخواطر ۷ / ۱۳) ان کے والد شیخ نعمت اللہ اپنے عہد کے نامور عالم وصوفی بزرگ تھے۔ (ہمانجا ۷ / ۵۰۶)، شیخ ابوالحیات نے مروجہ علوم کی تکمیل مولانا احمدی بن وحید الحق پھلواروی (۱۱۷۶۔ ۱۲۵۲ھ / ۱۷۶۲۔ ۱۸۳۶ء) کی خدمت میں رہ کر کی جو ایک عالم تبحر اور علوم عقلیہ کے ماہر استاذ تھے (ہمانجا ۷ / ۴۹، ۱۳)

اس خانوادے کے افراد مشہور قادری صوفی شاہ قیس قادری ساڈھوری (Sadhwari) سے روحانی تعلق رکھتے تھے (محی الملت والدین ص ۵) شیخ ابوالحیات نے بھی قادری سلسلۂ سلوک کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی (نزہۃ الخواطر ۷ / ۱۳) ان کے استاد شیخ احمدی بھی اسی روحانی سلسلہ کے ایک عالم صوفی تھے جن کی صحبت سے انہوں نے باطنی استفادہ بھی کیا۔ (محی الملت والدین ۵)

شیخ ابوالحیات کا انتقال پھلواری ہی میں رمضان ۱۲۷۶ھ / ۱۸۶۰ء کو ہوا (نزہۃ الخواطر ۷ / ۱۳) ان کے فرزند شیخ یحیٰی پھلواری ان کے علم ومعرفت کے وارث ہوئے (ہمانجا)

شیخ ابوالحیات کی تالیفات میں سے تذکرۃ الکرام اہم ترین کتاب ہے جو پھلواری خصوصاً اپنے خانوادے کے حالات اور علمی کمالات پر مشتمل ہے۔ یہ ضخیم تذکرہ فارسی نثر میں ہے۔ زبان سادہ اور بیان عام فہم ہے۔

تذکرۃ الکرام بہار کے ۴۵ علماء ومشائخ کا تذکرہ ہے۔ جن میں سے زیادہ کا تعلق اٹھارہویں اور انیسویں صدی عیسوی سے ہے۔ اس اعتبار سے یہ تذکرہ نہایت اہم ہے کہ اس میں مؤلف کے معاصرین کے حالات ہیں۔ مؤلف اس میں درج اکثر روایات کے خود امین ہیں۔ اس کا آغاز شیخ محمد وارث رسول نما بنارسی (۱۰۸۴۔۱۱۶۶ھ / ۱۶۷۳۔۱۷۵۳ء) کے حالات وکمالات سے ہوتا ہے اور آخری جس شخصیت کے حالات اس میں درج ہیں وہ ہیں شیخ برہان الدین (ف ۱۱۰۷ھ / ۱۶۹۶ء) ہیں۔

اس کتاب کے خطی نسخے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ اور خدا بخش لائبریری پٹنہ، بہار میں پائے جاتے ہیں (سٹوری: ادبیاتِ فارسی ۱/ ۲/ ۱۰۴۰)

اس تذکرے کا مکمل فارسی متن لکھنو سے ۱۸۸۰ء کو طبع ہوا تھا۔ اس تذکرے میں علماء وصوفیہ کے حالات کے ضمن میں برطانوی عہد کے ہندوستان کے بارے میں دلچسپ معاشرتی نکات بھی ملتے ہیں۔ جن میں سے چند نکات حسب ذیل ہیں:

بنارس کے عیسائیوں نے درخواست دی کہ ہم تین کروڑ روپیہ دینے کے لیے تیار ہیں کہ بنارس سے مسلمانوں کو نکال دیا جائے (تذکرۃ الکرام ص ۲۹۳)

انگریزوں کی زیادتیوں سے تنگ آکر شاہ نعمت اللہ قادری پھلواروی (ف ۱۲۴۷ھ / ۱۸۳۲ء) نے کہا کہ ان کافروں کے تسلط سے دل جس تکلیف میں مبتلا ہے اس کا بیان الفاظ میں ناممکن ہے (ہمانجا ۲۹۴)

مغل حکومت کے زوال کے بعد جہاں دوسرے قصبے غیر مسلم افواج کے ہاتھوں تباہ وبرباد ہوئے تھے ان میں قصبہ پھلواری بھی شامل ہے (ہمانجا ۲۲۶) خانقاہِ پھلواری کے بزرگ انگریزوں سے سخت نفرت کرتے تھے اور ان کا خانقاہ میں داخلہ بند تھا۔ ہفتے میں کئی مرتبہ فاقہ کشی کے باوجود انہوں نے کبھی انگریزوں سے مالی امداد قبول نہیں کی (ہمانجا ۳۱۹، ۵۲۹)

خانقاہ پھلواری نے اکابر علماء پیدا کیے۔ شیخ جنید ثانی پھلواروی کے ذکر میں لکھا ہے اس خاندان کے تیس چالیس افراد عالم پھلواری میں مصروفِ کار ہیں۔ (ہمانجا ۱۳۵)

مآخذ

- اطہر شیر: عربی، فارسی اور علوم اسلامیہ میں بہار کا حصہ، پٹنہ ۱۹۸۳ء
۱۔ ابوالحیات قادری پھلواروی: تذکرۃ الکرام، لکھنو ۱۸۸۰ء
۲۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۶، ۷ حیدر آباد دکن ۱۹۵۹ء
۳۔ عون احمد قادری: محی الملت والدین (سوانح شاہ محمد محی الدین قادری پھلواروی) پھلواروی ۱۹۸۳ء
4- Storey, C.A: Persian literature, London, 1970.

۲۴ جنوری ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

مخدوم حامد محمد شمس الدین اوچی گیلانی

مخدوم حامد محمد شمس الدین چودھویں صدی ہجری کے قادری صوفی، مؤلف اور شاعر تھے۔ مخدوم حامد محمد، شیخ عبدالقادر گیلانی ملقب بہ غوث اعظم (ف ۵۶۱ھ / ۱۱۶۶ء) کی اولاد میں سے تھے۔

اس خانوادے کے پہلے فرد مخدوم سیّد ابو عبداللہ محمد غوث متخلص بہ قادری صاحب دیوانِ فارسی شاعر ہیں جو بغداد سے آکر اوچ میں سکونت پذیر ہوئے اور یہیں فوت ہو کر دفن بھی کیے گئے۔ اوچ شہر میں ان حضرات کے سجادہ نشینوں کا طویل سلسلہ تھا۔

سیّد محمد شاہ معروف بہ شیخ حامد محمد شمس الدین سادس اٹھارھویں سجادہ نشین تھے۔ ان کے والد سیّد حامد محمد گنج بخش خامس (۱۲۲۷۔۱۲۸۴ھ / ۱۸۱۲۔۱۸۶۷ء) بن سیّد علی عباس معروف بہ مخدوم حامد محمد شمس الدین خامس (ف ۱۲۳۱ھ / ۱۸۱۶ء) بن سیّد حسن بخش ملقب بہ شیخ حامد محمد گنج بخش رابع مشہور بہ جنگاور (Jangawar) (ف ۱۲۲۱ھ / ۱۸۰۶ء) بن مخدوم حامد محمد گنج بخش ثالث بانی قلعہ اوچ (شہید ۱۱۹۷ھ / ۱۷۸۳ء) بن مخدوم عبدالقادر خامس شہید (ف ۱۱۶۳ھ / ۱۷۵۰ء) بن ــــــ (شریف التواریخ ۱/ ۷ــ۸۳ــ۸۴۳)

مخدوم حامد محمد شمس الدین سادس صاحب علم، مؤلف اور شاعر تھے، ان کا تخلص سیّد محمد تھا۔ تصنیف و تالیف سے خصوصی لگاؤ تھا۔

ان کی زوجۂ محترمہ شیخ موسیٰ پاک شہید گیلانی کی اولاد میں سے تھیں۔ ان کے چار بیٹے تھے۔ سیّد حسن بخش (سجادہ نشین)، سیّد مراد شاہ، سیّد جیون شاہ، ولایت شاہ۔

مخدوم حامد محمد شمس الدین کا انتقال ۱۳۰۳ھ / ۸۵ــ۱۸۸۶ء کو ہوا اور مقبرۂ قادریہ اوچ میں دفن ہوئے (ہمانجا ۸۴۵)

مخدوم حامد محمد شمس الدین سادس کی ۲۴ تصانیف کتابخانہ قادریہ مخادیم گیلانیہ اوچ میں محفوظ ہیں۔ جن کے اسماء حسب ذیل ہیں:

فارسی رسائل:

۱۔ ہندنامہ
۲۔ رسالہ مراقب
۳۔ اسرارِ قادری
۴۔ تحفۃ العرفان (فارسی نظم)
۵۔ چندپند
۶۔ تزکیۃ الانفاس
۷۔ لطائفِ قادری
۸۔ زبدۃ الاخلاق

انہوں نے شاہ امجد عرف شاہ مدن کے رسائل تصوف کا فارسی سے اُردو میں ترجمہ بھی کیا تھا۔

اُردو رسائل:

۹۔ زبدۃ السلوک ترجمہ تحفۃ الملوک
۱۰۔ میراث العاشقین
۱۱۔ نزہۃ العاشقین
۱۲۔ ترجمۃ الصلوۃ
۱۳۔ چراغ عابدین ترجمہ منہاج العارفین
۱۴۔ اسرار العاق ترجمہ بی سرنامہ
۱۶۔ مراۃ الجمال
۱۷۔ مظہر الصفات ترجمہ رسالہ شاہ بو علی قلندر پانی پتی
۱۸۔ رسالہ موحدین ترجمہ رسالہ خواجہ عبداللہ انصاری
۱۹۔ جامع المواعظ
۲۰۔ مواعظ الحسنیٰ
۲۱۔ آثار القادریہ
۲۲۔ اسرار الشہود ترجمہ رسالہ شیخ عطار
۲۳۔ مفادِ گیلانیہ
۲۴۔ نہال الانوار کا لشجر الاطہر
۲۵۔ پنج گنج عشق

موخر الذکر کتاب میں تشریح عمل صالح، خیرات، پند نامہ، وصیت نامہ مصطفوی بجنابِ مرتضوی۔ (شریف التواریخ ۱/ ۸۴۴۔۸۴۵) درج ہیں۔

مآخذ

۱۔ احمد اختر اوچی: تاریخ اوچ، سررشتہ تالیفات ریاست بہاول پور (س۔ن)

۲۔ حفیظ، محمد حفیظ الرحمٰن بہاولپوری: تاریخ اوچ، دہلی ۱۳۳۳ھ

۳۔ شرافت، شریف احمد نوشاہی: شریف التواریخ جلد اول، ساہن پال، گجرات ۱۹۷۹ء

۱۵ جنوری ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

سلسلہ نوشاہیہ کے مشائخ وچند مولفین

پاک وہند میں صوفیائے کرام کے جو سلاسل مروج ہیں، ان میں سے ایک سلسلہ "نوشاہی" بھی ہے، جو قادری خاندان کی ایک اہم اور مشہور شاخ ہے، یہ سلسلہ آج بھی پنجاب، بیرونِ پنجاب اور پاکستان کے قریبی ممالک میں ترقی پذیر ہے، اس سلسلہ کے بانی شیخ الاسلام حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش ابن حاجی علاء الدین حسین غازی علویؒ تھے، اسی نسبت سے آپ کے پیر وکار "نوشاہی" کہلاتے ہیں۔(روضۃ الزکیہ قلمی) آپ قادری سلسلہ میں حضرت شاہ سلیمان نوری بھلوالی متوفی ۱۰۱۲ھ / ۱۶۰۴ء کے مرید وخلیفہ اکبر تھے۔

آپ کی ولادت یکم رمضان ۹۵۹ھ / ۲۱ اگست ۱۵۵۲ء میں بمقام گھوگانوالی ضلع گجرات پنجاب میں ہوئی (مناقباتِ نوشاہیہ قلمی) آپ نے ظاہری تعلیم مدرسہ جاگو تارڑان ضلع گجرات میں مولانا حافظ قائم الدین قاری اور مولانا حافظ بُڈھا قاری سے حاصل کی (روضۃ الزکیہ، تحقیقاتِ چشتی) چند ماہ میں قرآن مجید حفظ کر لیا(خزینۃ الاصفیاء) اور علومِ معقول و منقول میں سند حاصل کی (تذکرہ نوشاہی، قلمی) آپ کی شادی موضع نوشہرہ تارڑاں ضلع گجرات میں ہوئی اور وہیں آپ نے سکونت بھی اختیار فرمائی (الاعجاز، قلمی) اکبری عہد میں اس گاؤں کی آباد کاری ساہن پال کے نام سے ہوئی اور یہی گاؤں آپ کا دارالارشاد قرار پایا(تاریخ ساہن پال، قلمی)

حضرت حاجی محمد نوشہؒ نے تمام عمر اسلام کی تبلیغ کی اور پنجاب کے علاوہ مصر بھی گئے، وہاں شیخ علقادیؒ سے ملاقات کی(چہار بہار قلمی)۔ سات مرتبہ حج وزیارت کے شرف سے مشرف ہوئے(ہفتاد اولیاء)

سندھ کا سفر بھی کیا وہاں میاں جام ماچھی سلطان کو فیضیاب کیا(تشریف الفقراء، قلمی) لاہور میں شیخ عبدالوہاب متقیؒ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا(تذکرہ نوشاہی، قلمی، ثواقب المناقب، قلمی) سیالکوٹ میں مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کو مستفیض کیا(تحائف قدسیہ قلمی) آپ کے خلفاء میں سے میاں لال اڈیرا نے سندھ میں (تشریف الفقراء، قلمی) خواجہ فضیل کابلی نے افغانستان میں، سید شاہ محمد نے قندھار میں، حافظ طاہر نے کشمیر میں

اور شیخ نور محمد نے مرکزی ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ کی (رسالہ الاعجاز، قلمی، تذکرہ نوشاہی، قلمی، تحائف قدسیہ) حضرت نوشہؒ اور آپ کے خلفاء کی سعی سے تقریباً دو ۲ لاکھ کفار نے اسلام قبول کیا۔(خطبات گارساں دتاسی)

آپ کی یہ تبلیغی مساعی اکبری دورِ الحاد و گمراہی میں باطل کے خلاف جہاد سے کم درجہ نہیں رکھتی۔ شاہ جہاں آپ کا معتقد تھا (تذکرہ نوشاہی، کنز الرحمت) اس کو قندھار کی فتح آپ کی دعا سے حاصل ہوئی (تذکرہ نوشاہی۔ تحائف قدسیہ) چنانچہ اس نے درگاہ کے مصارف کے لیے دو گاؤں موضع ٹھٹھہ عثمان اور بادشاہ پور فتاجن کا خراج دو ہزار اکہتر روپیہ سالانہ تھا بطور جاگر دیئے تھے۔(فرامین شاہانِ مغلیہ، قلمی)

حضرت نوشہؒ پنجاب کے سب سے پہلے اُردو اور پنجابی کے صاحبِ دیوان شاعر ہیں، حضرت نوشہؒ، نہایت دقیق اور بلند پایہ کتابوں کے مصنف بھی ہیں آپ کی اب تک حسب ذیل تصانیف دریافت ہوئی ہیں:

۱۔ معارف تصوف، فارسی منظوم، مطبوعہ مجلہ بصائر اپریل تا اکتوبر ۱۹۷۰ء کراچی۔

۲۔ کلیاتِ نوشہ اردو نظم مشتمل بر ۷۵ رسائل تقریباً دو ۲ ہزار تین سو اشعار، مطبوعہ دارالمورخین، لاہور ۱۹۷۳ء

۳۔ کلیات نوشہ پنجابی نظم مرتبہ سیّد شرافت نوشاہی مشتمل بر ۱۲۶ رسائل چار ہزار اشعار، قلمی مملوکہ مرتب

۴۔ گنج الاسرار، اُردو منظوم، مطبوعہ لاہور ۱۳۸۳ھ

۵۔ مواعظِ نوشہ پیر مرتبہ سیّد شرافت نوشاہی، پنجابی نثر، مطبوعہ لاہور ۱۳۸۸ھ

ان کے علاوہ حضرت نوشہؒ کے ملفوظات کے مجموعے حسب ذیل ہیں:

۱۔ چہار بہار، فارسی، جامع شیخ محمد ہاشم نوشاہی تھرپالوی بسال ۱۲۰۹ھ / ۱۷۹۴ء، قلمی

۲۔ ذخائر الجواہر معروف بہ ارشاداتِ نوشاہیہ اُردو مرتبہ سیّد شرافت نوشاہی، قلمی مملوکہ مرتب

۳۔ کلماتِ طیبات معروف بہ ملفوظاتِ نوشاہیہ، فارسی، مرتبہ سیّد شرافت نوشاہی قلمی مملوکہ مرتب

۴۔ جواہر متون معروف بہ اسرار و معارف مرتبہ سیّد شرافت نوشاہی مطبوعہ

۵۔ لطائف الارشادات مرتبہ سیّد شرافت نوشاہی۔

حضرت حاجی محمد نوشہؒ کی وفات بعمر ۱۰۵ سال قمری ۸ ربیع الاول ۱۰۶۴ھ / ۱۷ جنوری ۱۶۵۴ء عہد شاہ جہان میں ہوئی، آپ کا مزار ساہن پال شریف، ضلع گجرات، پنجاب میں دریائے چناب کے شمالی کنارے پر واقع ہے (تذکرہ نوشاہی، کنز الرحمت)

آپ کے دو صاحبزادے تھے اول حضرت سید حافظ محمد برخوردار بحر العشق مصنف جوامع الاسرار جو آپ کے سجادہ نشین و خلیفۂ اعظم تھے، نواب سعد اللہ خان نے آپ کو شاہ جہاں کے دربار میں منصب دلانا چاہا لیکن آپ نے قبول نہیں کیا، آپ مولانا عبد اللہ لاہوری اور مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی کے شاگرد تھے، خطِ نسخ و نستعلیق کے ماہر خطاط اور پنجابی کے بہترین شاعر تھے، حافظ برخوردارؒ نے ۱۵ ذیقعدہ ۱۰۹۳ھ / ۵ نومبر ۱۶۸۲ء کو انتقال کیا۔ (لطائف گل شاہی، قلمی، بیاضِ قادری، قلمی) آپ کا مزار حضرت نوشہ کے روضہ سے متصل جانب مشرق ہے۔

دوسرے فرزند سید محمد ہاشم متوفی ۱۰۹۲ھ / ۱۶۸۱ء بھی کامل بزرگ تھے آپ کا مزار لاہور میں ہے (تحفۃ الابرار، نزہۃ الخواطر)

حضرت نوشہؒ کی اولاد میں سے اس وقت مولانا سید شرافت نوشاہی مدظلہ سجادہ نشین ہیں، آپ ایک سو ستتر ۱۷۷ کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں سے اکثر سلسلہ نوشاہیہ کی تاریخ پر مبنی ہیں، ان میں شریف التواریخ سات ہزار صفحات کی ایک ضخیم و جسیم کتاب سلسلہ نوشاہی کے رجال کے تراجم پر مشتمل ہے، جو دنیائے تاریخ میں ایک ایسا کارنامہ ہے جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ (احوال و آثار سید شرافت نوشاہی، مطبوعہ)

سلسلہ نوشاہیہ نے بڑے بڑے عظیم علماء، مشائخ، شعراء، ادبا اور مورخین پیدا کیے ہیں۔ مثلاً

۱۔ مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی متوفی ۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۷ء

۲۔ قاضی رضی الدین کنجاہی، مصنف تذکرہ

۳۔ شیخ عبد الرحمان پاک بھڑی والا متوفی ۱۱۱۱ھ / ۱۷۰۳ء

۴۔ شیخ پیر محمد سچیار نوشہروی متوفی ۱۱۲۰ھ / ۱۷۰۸ء آٹھ ہزار احادیث کے حافظ تھے (خزینۃ الفقراء، قلمی)

۵۔ مولانا محمد اکرم غنیمت کنجاہی متوفی ۱۱۲۵ / ۱۷۱۳ء مصنف مثنوی نیرنگ عشق و رقعات

۶۔ مولانا سید حافظ جمال اللہ فقیہہ اعظم متوفی ۱۱۴۲ھ / ۱۷۲۹ء، مصنف حقائق الآثار

۷۔ مولانا سید حافظ نور اللہ برخورداری مفتی رسول نگر متوفی ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۴ء، مصنف فتاویٰ نوشاہیہ۔

۸۔ احمد یار مرالوی متوفی ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۴ء پنجابی شاعر، مصنف روضۃ الاحباب وغیرہ

۹۔ مولانا سید حافظ گل احمد نوشاہ ثانی متوفی ۱۲۸۶ھ / ۱۸۷۰ء مصنف ثمرات الافکار، وسائط العلوم

۱۰۔ مولانا غلام قادر شائق رسول نگری متوفی ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء مصنف بیاض شائق

۱۱۔ مولانا محمد اعظم میر ووالی متوفی ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۶ء مصنف بے مثل بشر و شرح قصیدہ نعمان

مآخذ

۱۔ احمد بیگ لاہوری مرزا: رسالہ ۱۱۰۷ھ قلمی مملوکہ سید شرافت نوشاہی، ساہن پال، ضلع گجرات

۲۔ قاضی رضی الدین کنجاہی: تحفہ رضویہ ۱۱۰۷ھ قلمی مشمولہ رسالہ مذکورہ

۳۔ محمد ماہ صداقت کنجاہی: ثواقب المناقب ۱۱۲۶ھ مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی مشمولہ اورینٹل کالج میگزین لاہور

۴۔ محمد حیات ربانی، حافظ: تذکرہ نوشاہی ۱۱۴۶ھ، قلمی مخزونہ کتب خانہ دانش گاہ پنجاب، لاہور نمبر ۶۱۸۸

۵۔ فرامین شاہانِ مغلیہ ۱۱۴۸ھ، قلمی مملوکہ سید شرافت نوشاہی

۶۔ گل محمد برخورداری، سید: لطائف گل شاہی ۱۱۳۰۔ ۱۱۷۰ قلمی مملوکہ سید شرافت نوشاہی

۷۔ کمال الدین محمد احسان: روضۃ القیومیہ ۱۱۶۴ھ، اُردو ترجمہ مطبوعہ لاہور

۸۔ پیر کمال لاہوری: تحائف قدسیہ ۱۱۸۶ھ قلمی مملوکہ سید شرافت نوشاہی

۹۔ امام بخش جالندھری: مرآۃ الغفوری قلمی مملوکہ شیخ فضل حسین، موضع بھلوال، ضلع سرگودھا

۱۰۔ محمد ہاشم شاہ تھرپالوی: چہار بہار ۱۲۰۹ھ قلمی مملوکہ سید شرافت نوشاہی

۱۱۔ محمد اشرف منچری: کنز الرحمت ۱۲۲۰ھ مطبوعہ لاہور ۱۹۱۱ء

۱۲۔ غلام علی مجددی شاہ: مکاتیب شریفہ، مطبوعہ لاہور

۱۳۔ فقیر غلام محی الدین بخاری لاہوری م ۱۲۴۱ھ تشریف الفقراء قلمی مخزونہ فقیر خانہ، لاہور

۱۴۔ ایضاً: کشکولِ نوشاہیہ قلمی مملوکہ سید شرافت نوشاہی

۱۵۔ علی الدین مفتی لاہوری: عبرت نامہ ۱۲۷۰ھ، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۱ء

۱۶۔ الٰہی بخش برخورداری، حافظ ۱۲۵۳ء: روضۃ الزکیہ، قلمی مملوکہ سیّد شرافت نوشاہی

۱۷۔ محمد ابراہیم جالندھری: کلید گنج الاسرار ۱۲۷۴ھ قلمی مملوکہ فضل حسین موضع بجلوال، سرگودھا

۱۸۔ نور احمد چشتی: تحقیقات چشتی ۱۸۶۲ء مطبوعہ لاہور

۱۹۔ غلام سرور، مفتی، لاہوری: خزینۃ الاصفیاء ۱۲۸۰ھ مطبوعہ ثمر ہند پریس، لکھنو ۱۸۷۳ء

۲۰۔ ایضاً: حدیقۃ الاولیاء مطبوعہ منشی نولکشور، لکھنو

۲۱۔ ایضاً: گنجینۂ سروری، مطبع نولکشور، لکھنو

۲۲۔ احمد علی: قصر عارفان ۱۲۹۱ھ، مطبوعہ لاہور

۲۳۔ عمر بخش رسول نگری م ۱۳۱۱ھ: مناقبات نوشاہیہ، قلمی مملوکہ سیّد فرحان علی نوشاہی بمقام اگرویہ، ضلع گجرات

۲۴۔ غلام مصطفےٰ نوشاہی سیّد: فیض محمد نوشاہی ۱۳۴۵۔ ۱۳۸۴ھ۔ دس ۱۰ جلدیں قلمی مملوکہ سیّد شرافت نوشاہی

۲۵۔ شرافت نوشاہی: شریف التواریخ ۳ جلد ۱۳۵۵ھ قلمی مملوکہ مصنف یعنی سیّد شرافت نوشاہی

۲۶۔ ایضاً: تاریخ ساہن پال ۱۳۹۲ھ قلمی مملوکہ سیّد شرفت نوشاہی مصنف

۲۷۔ ایضاً: انوارِ نوشاہیہ مطبوعہ لاہور

۲۸۔ ایضاً: اذکارِ نوشاہیہ مطبوعہ لاہور ۱۹۶۴ء

۲۹۔ ایضاً: ذکر نوشاہی مطبوعہ لاہور ۱۹۶۵ء

۳۰۔ ایضاً: مواعظ نوشہ پیر مطبوعہ لاہور ۱۳۸۸ھ

۳۱۔ ایضاً: مقدمہ گنج الاسرار مطبوعہ لاہور ۱۳۸۴ھ

۳۲۔ نور الدین گنجوی، حافظ: خزینۃ الفقراء، قلمی مملوکہ سیّد شرافت نوشاہی

۳۳۔ آفتاب بیگ مرزا: تحفۃ الابرار، مطبوعہ دہلی ۱۳۲۳ھ

۳۴۔ امام بخش جام پوری: حدیقۃ الاسرار فی اخبار الابرار، (س۔ن)

۳۵۔ احمد اختر مرزا کیرانوی: تذکرہ اولیائے ہند، (س۔ن)

۳۶۔ نیاز علی خان: گلشن مشاہیر، مطبوعہ ۱۳۰۹ھ

۳۷۔ شریف احمد مراد سہروردی: ہفتاد اولیاء، (س۔ن)

۳۸۔ محمود خان شیرانی، حافظ: پنجاب میں اُردو مطبوعہ لاہور (س۔ن)

۳۹۔ محمد ابراہیم خان اعوان: نور نہال قادری، مطبوعہ ۱۹۱۰ء

۴۰۔ مقبول محمد جلالوی: سبیل سلسبیل، مطبوعہ ۱۳۴۲ھ

۴۱۔ محمد دین دہبڑوی: باغ اولیائے ہند (پنجابی) مطبوعہ لاہور

۴۲۔ معظم بیگ مرزا: گلزار نوشاہی، مطبوعہ (س۔ن)

۴۳۔ نامی، غلام دستگیر: سوانح شاہ محمد غوث لاہوری، مطبوعہ لاہور

۴۴۔ گارساں دتاسی: خطبات، مطبوعہ انجمن ترقی اردو۔ حیدر آباد دکن ۱۹۳۵ء

۴۵۔ عبدالحی حسنی علامہ: نزہۃ الخواطر (عربی) جلد سادس، مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۹۵۷ء

۴۶۔ محمد اقبال مجددی: احوال و آثار سیّد شرافت نوشاہی، مطبوعہ دار المورخین، لاہور ۱۹۷۱ء

۴۷۔ قریشی، احمد حسین احمد: "فرامین شاہانِ مغلیہ متعلق بہ خاندانِ نوشاہیہ" مشمولہ مجلہ ادارہ تحقیقات پاکستان، جولائی ۱۹۶۶ء

نوٹ: سلسلہ نوشاہیہ پر اس مقالہ کے لکھنے (۱۹۷۳ء) کے بعد کئی تحقیقی کتابیں اور مقالات شائع ہوئے ان سب کا احاطہ اس مختصر مقالہ میں ممکن نہیں ہے۔

۹ فروری ۱۹۷۳ء

اُردو دائرۂ معارف اسلامیہ، لاہور

حضرت سیّد شرافت نوشاہی اور ان کی کتاب شریف التواریخ

عالم اسلام میں صوفیہ کے جو تذکرے تصنیف ہوئے ان میں سے ابتدائی تذکروں کی حیثیت صوفیہ کے مناقب، ان کی تعلیمات اکابر کی نصیحت آموز حکایات کے مجموعوں کی سی ہے، چنانچہ اگر ہم ان ابتدائی تذکروں کا ایک سرسری جائزہ لیں تو صوفیہ کے تذکروں کی ترتیب میں بہت نمایاں فرق نظر آئے گا، ابتدائی تذکرے یہ ہیں:

۱: تاریخ مشائخ از محمد بن علی حکیم ترمذی (ف ۲۵۵ھ)

۲: کتاب طبقات النساک از ابوسعید احمد بن محمد غزی ابن الاعرابی (ف ۳۴۱ھ)

۳: کتاب اخبار الصوفیہ والزہاد از ابو بکر محمد بن داؤد بن سلیمان (ف ۳۴۲ھ)

۴۔ اللمع از محمد بن احمد بن ابراہیم مشہور بہ بو بکر مفید جرجرائی (ف ۳۶۴ھ)

۵: کتاب اسمائے مشائخ فارس از ابو عبد اللہ محمد بن خفیف (ف ۳۷۱ھ)

۶: معجم الشیوخ از ابو اسحاق ابراہیم بن احمد بن داؤد مستملی بلخی (ف ۳۷۶ھ)

۷: طبقات الصوفیہ از ابو العباس احمد بن زکریازاہد نسوی خراسانی (ف ۳۹۶ھ)

۸: تاریخ بو بکر محمد بن عبد اللہ رازی (استاد سلمی) (ف حدود ۴۰۰ھ)

۹: حلیۃ الاولیا از ابو نعیم (ف ۴۳۰ھ)

۱۰: طبقات الصوفیہ از ابو عبد الرحمٰن سلمی (ف)

۱۱: طبقات الصوفیہ از عبد اللہ انصاری ہرویؒ (ف ۴۸۱ھ)

۱۲: کشف المحجوب از علی بن عثمان ہجویری ملقب بہ حضرت داتا گنج بخش لاہوری (ف حدود ۵۰۰ھ)

۱۳: التصفیہ فی احوال المتصوفہ از قطب الدین ابو مظفر منصور بن اردشیر العبادی (ولادت ۴۹۱ھ)

مسلمانوں کے فنون میں ایک اہم فن تذکرہ نویسی ہے، ہمارے نزدیک اسے تاریخ کی ایک شاخ قرار دینا درست نہیں ہے کیونکہ حضرت رسولِ خدا ﷺ کی سیرت پاک کی تدوین و تالیف کا آغاز پہلی صدی ہجری میں ہو گیا تھا اور اسلامی تاریخ نویسی کا آغاز تیسری صدی ہجری میں ہوا، گویا تذکرہ نویسی یا سوانح نگاری کو تاریخ نویسی پر تقدم زمانی حاصل ہے لیکن تاریخ نویسی کے فن اور مورخین کو بہت جلد اہل ثروت کا سہارا مل گیا اور اس نے اتنی ترقی کہ عہد حاضر کے مورخین نے تذکرہ نویسی کو علم تاریخ کی ایک شاخ ہی قرار دے دیا، حضرت رسولِ خدا ﷺ کی سیرت کے بعد سوانح نگاری حدیث کے راویوں کے حالات جاننے کا ذریعہ بنی رہی اس طرح علم اسماء الرجال کے فن کی مستقل طور پر بنیاد رکھ دی گئی۔

پھر صحابہ کرام، تابعین، حفاظ اور صالحین کے حالات پر مستقل کتابیں لکھی جانے لگیں، اس طرح سوانح نگاری کا فن بتدریج لیکن سبک رفتاری کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔

چونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بعد صوفیہ کی عملی زندگی عوام کے لیے رہنمائی کا ذریعہ ہو سکتی تھی اس لیے اب سوانح نگاری کا مدار یہی شخصیات بننے لگیں۔

صوفیہ کے سوانح نگاری کا آغاز ہماری دانست کے مطابق اس طرح ہوا کہ ابتدا میں ان کی تعلیمات و اقوال کو عام کرنے کے لیے انہیں یکجا کیا جانے لگا، پھر ان اقوال کی تشریح و توضیح کے لیے رسائل مرتب ہونا شروع ہوئے، پھر صاحب اقوال کے حالات و کمالات اور نام و نسب کے بارے میں بھی ان پر اضافے ہونے لگے۔ اس طرح صوفیہ کے تذکرے وجود میں آئے، ابتدا میں یہ تذکرے نہایت سادہ نوعیت کے تھے اور ان کا مقصدِ وحید ان کی تعلیمات کو اجاگر کرنا ہوتا تھا۔

پھر علاقائی تقاضوں اور وہاں کے باشندوں کے مزاج کے مطابق ان تذکروں میں ابواب و فصول کا اضافہ ہوتا رہا، ہم اس وقت صرف پاکستان و ہند میں تصنیف ہونے والے صوفیہ کے تذکروں پر بحث کریں گے۔

پاک و ہند میں وجود میں آنے والے ابتدائی تذکرے بڑی حد تک ان تذکروں کا پرتو ہیں جن کی فہرست ہم نے شروع میں دی ہے، یعنی عرب و عجم خصوصاً ماوراء النہر میں جو تذکرے لکھے گئے، پاکستان و ہند کی تذکرہ نویسی پر اس کے گہرے اثرات ہیں یہاں تصنیف ہونے والے صوفیہ کے تذکروں میں حسب ذیل خصائص پائے جاتے ہیں:

۱۔ حالاتِ زندگی سے زیادہ ان کے مناقب احاطہ تحریر میں لائے گئے۔

۲۔ ابتدا میں جو صوفیہ یہاں آئے ان کا مقصدِ حیات تبلیغ دین تھا، ان کے راستے میں رکاوٹ بننے والے یہاں کے غیر مسلم مذہبی رہنما شعبدہ باز، جادوگر اور کاہن تھے جو اپنے کرتبوں سے یہاں کے سادہ لوح عوام کو اپنے جال میں پھنساتے تھے، ان کے مقابلے میں صوفیہ کرام توکل ورضا کے پیکر تھے۔ جب یہ لوگ ان کے آڑے آئے تو ان مسلمان صوفیہ کرام کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے کرامت کے اظہار کی قوت مرحمت فرمائی یعنی انہیں اظہارِ کرامت کے وصف سے نوازا اور بہت سے عوام صوفیہ کرام کی محض کرامات سے متاثر ہو کر ہی راہِ راست پر آگئے۔

۳۔ پھر یہ کرامات صوفیہ کے تذکروں میں تحریر کی جانے لگیں اور آہستہ آہستہ صوفیہ کے تذکرے محض کرامات کا مجموعہ ہی بن کر رہ گئے، بعض تذکرے تو اوّل سے آخر تک صوفیہ کی کرامات سے مملو ہیں۔

۴۔ اس طرح تذکروں کا مقصدِ تصنیف بڑی حد تک مجروح ہوا یہاں تک کہ ایک ایسا دور آیا کہ صوفیہ کے ذاتی حالات اور تعلیمات بالکل پس منظر میں چلی گئیں اور ان کی خرقِ عادات کے قصے مزے لے لے کر بیان کیے جانے لگے۔

۵۔ بہت سے غیر محتاط، کم علم اور عقیدت کیش مریدین نے اپنے مشائخ کے اس قسم کے تذکرے مرتب کیے اور ان میں غیر ثقہ باتوں کو ان سے منسوب کر دیا کہ اگر انہیں واقعی صاحب سوانح سے کوئی نسبت دی جائے تو ان کا اسلام مشکوک ہو جاتا ہے۔

۶۔ ایک اور اہم نکتہ یہاں کی تذکرہ نویسی کے بارے میں یہ ہے کہ یہاں تذکرہ نویسی کا فن باقاعدہ عرب محدثین وماہرین رجال حدیث کے ذریعے متعارف نہیں ہوا یہی وجہ ہے کہ عربی تذکروں میں جس احتیاط، جرح و تعدیل اور اسناد واصل کا خیال رکھا گیا ہے وہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے سوا کسی ہندی تذکرہ نویس کے ہاں نہیں ملتا، اس کے برعکس جن ہندوستانی مسلمانوں کے تذکرے خود ہندوستانی مصنفین نے عرب میں عرصہ تک رہ کر لکھے ہیں ان میں احتیاط کی تمام مذکورہ خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً نتائج الحرمین (درحالات حضرت شیخ آدم بنوڑیؒ (ف ۱۰۵۳ھ)۔

۷۔ حضرت شیخ عبدالحق دہلوی (ف ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء) چونکہ محدث اور نہایت محتاط مصنف تھے اس لیے انہوں نے صوفیہ کا تذکرہ اخبار الاخیار لکھ کر پاکستان وہند کے تذکرہ نویسوں کے لیے ایک مثال قائم کر دی گویا یہاں کے صوفیہ کی تذکرہ نویسی میں ایک نئے یعنی انتقادِ روایات کا رواج پڑ گیا گو اس کی پیروی بہت کم مصنفین نے کی تاہم اس باب میں جدید سائنٹیفک تحقیقات کی خشتِ اوّل حضرت شیخ محدث نے ہی رکھی۔

۸۔ حضرت شیخ محدث نے اخبار الاخیار (۹۹۹ھ / ۱۵۹۰ء) لکھ کر تذکرہ نویسی کے فن میں جس انقلاب، تبدل، تجدد اور تحقیق کی طرح ڈالی تھی اس کی پیروی کرنے والوں کی تعداد بہت کم ہے۔

۹۔ رہیں سیاسی کتب تاریخ، تو وہ سماجی زندگی کے آثار اور علماء وصوفیہ کے حالات سے (بجز چند) خالی ہیں، دراصل تذکرہ نویسوں نے تذکرہ نویسی کے فن کو بلاوجہ نہیں اپنایا اور یہ خیال بھی خام ہے کہ صوفیہ نے اپنی مدح سرائی کے لیے اپنے حالات پر تذکرے لکھوائے بلکہ تذکرہ نویس شعوری طور پر سیاسی کتب تاریخ کی اس ناانصافی کو محسوس کر چکے تھے، کئی تذکرہ نگاروں نے واضح الفاظ میں اس کی شکایت بھی کی ہے مثلاً "محمد غوثی شطاری کی گلزار ابرار (۱۰۲۳ھ) میں قاضی منہاج سراج کی طبقاتِ ناصری میں اس وقت کے علمی اور مذہبی حالات سے کلیۃً اجتناب کرنے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا ہے"۔[1]

۱۰۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے پہلے عموماً ایسے تذکرے وجود میں آئے جن میں ہر قسم کی روایات کو محفوظ کرنے کے خیال سے جمع کر دیا گیا، حضرت شیخ محدث کی اخبار الاخیار کے بعد تذکرہ نویسوں میں روایت کو پرکھنے کا قدرے شعور ہوا، دریافت شدہ تذکروں میں یہ شعور خاصی سست رفتاری کے ساتھ ارتقاء کی منازل طے کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

شیخ محدث کے بعد صوفیہ کے جو عمومی تذکرے لکھے گئے ہیں یعنی گلزار ابرار، کلمات الصادقین، ثمرات القدس، مجمع الاولیاء، سفینۃ الاولیاء، معارج الولایت، ریاض الاولیاء، مآثر الکرام اور خزینۃ الاصفیاء

ان تذکروں کی انفرادی خوبیوں سے قطع نظر ان میں صحتِ روایت، اصولِ درایت، اور شیخ محدث کے طریقۂ کار کی نہ تو تقلید ہی ملتی ہے اور نہ ہی ان کی فکر کو آگے بڑھانے کی سعی کا احساس ہوتا ہے۔

---

۱ نظامی، خلیق احمد: سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، دہلی ۱۹۵۸ء، ص ۱۰۲

۱۱۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (ف ۱۱۷۶ھ) نے رسالہ "الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" لکھ کر پاکستان و ہند کی تذکرہ نویسی میں مزید احتیاط، غور و فکر اور صحتِ روایت کی مثال قائم کی جس سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مکتبِ فکر کو عملی صورت میں استعمال کیا گیا۔

۱۲۔ آزاد بلگرامی کی مآثر الکرام میں بھی تنقید روایت، صحتِ اندراج اور اسناد کا اہتمام کیا گیا ہے اسی طرح مفتی غلام سرور لاہوری (ف ۱۳۰۷ھ) نے کئی متضاد روایات نقل کرنے کے بعد ان میں سے مرجح روایت کی صحت کے بارے میں دلائل دینے کا اہتمام کیا ہے پھر خصوصیت سے صوفیہ کے سنین ولادت و وفات کی دریافت نے بعد کے تذکرہ نویسوں کو نئی نئی راہیں نکالنے کے لیے دعوتِ فکر دی۔

صوفیہ کے جدید تذکرے

جدید تذکروں سے مراد صوفیہ کے وہ تذکرے ہیں جنہیں اسلامی اصولِ رجال، روایت و درایت کے ساتھ ساتھ جدید سائنٹفک اصولوں کے مطابق تصنیف کیا گیا ہو، ہماری تحقیق کے مطابق پاکستان وہند میں جدید تذکرہ نگاری کا آغاز اس وقت ہوا جب مستشرقین یورپ نے صوفیہ کی تصانیف کے متون ایڈٹ کر کے ان پر تنقیدی حواشی و مقدمات کے اضافے کیے جب یہ ایڈیشن یہاں پہنچے تو یہاں کے مصنفین کو روایتی تذکرہ نویسی کی روش سے ہٹ کر جدید طرز اپنانے کا خیال ہوا۔

مولانا شبلیؔ و حالیؔ کے سوانحی ادب نے مزید غور و فکر کی دعوت دی، اُردو کے مشہور رسالہ معارف، دارالمصنفین، اعظم گڑھ (اجراء ۱۹۱۶ء) میں صوفیہ کرام پر تحقیقی مقالات نے اس کام کو زیادہ تقویت دے کر تصنیف و تالیف کے لیے میدان ہموار کیا۔

سید مقبول احمد صمدنی کی حیاتِ جلیل (مطبوعہ ۱۹۲۹ء) حکیم سید شمس اللہ قادری کے صوفیہ پر مقالات اور رسالہ اسلامک کلچر، حیدر آباد دکن، میں پاکستان وہند کے صوفیہ پر مختلف اہل قلم کے گراں بہا تحقیقی مقالات نے ایک ایسی فضا پیدا کر دی جس نے صوفیہ کی تصانیف کی نہ صرف اہمیت واضح کر دی بلکہ ان پر تحقیقی کام کے لیے بھی اہل علم کو سوچنے پر مجبور کر دیا۔

ان حالات میں جن مصنفین نے اس میدان میں نمایاں کام کیا ان میں جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب تاریخ مشائخ چشت، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ فرید الدین گنج شکر (سوانح بزبان انگریزی) اور ترتیب و تحقیق خیر المجالس وغیرہ نے اپنے کام کا مدار صوفیہ کرام کے احوال و آثار کی دریافت اور جدید طریقہ کار کے مطابق ان کی ترتیب و تہذیب کی، ان کے بعد ہمارے ملک کے نامور محقق جناب پروفیسر محمد ایوب قادری نے تذکرہ علماء ہند کا جدید ترجمہ، تعلیقات اور مقدمات کے ساتھ اشاعت کی جس سے متاثر ہو کر اہل علم حضرات نے اپنے کام کے دھارے اس طرف موڑ لیے۔

تذکروں کی اقسام

صوفیہ کرام کے تذکرے کئی قسم کے ہیں ان میں عمومی تذکرے وہ ہیں جو سارے عالم اسلام کے صوفیہ کے احوال و مقامات کے بارے میں لکھے گئے ہیں پھر ان کی بھی کئی اقسام ہو گئیں یعنی ایک ملک کے تمام سلاسل کے صوفیہ کے حالات پر عمومی تذکرے وجود میں آنے لگے۔

تذکروں کی دوسری قسم خصوصی تذکرے ہیں یعنی صرف ایک سلسلۂ سلوک کے مشائخ ان میں بھی سلاسل کی شاخوں کے مطابق الگ الگ تذکرے مرتب ہوئے ہیں مثلاً چشتی سلسلہ میں شاخِ فریدیہ، نظامیہ اور صابریہ وغیرہ۔

بعد کو تذکرہ نویسوں نے صرف اپنے سلسلہ سلوک کے مشائخ کے حالات تحریر کرنے پر اکتفا کی۔

تذکرہ کی تیسری قسم مفرد تذکرے ہیں ان میں ایسے تذکرے شامل ہیں جو فردِ واحد کے احوال و آثار و افکار و مناقب پر مشتمل ہوتے ہیں یعنی اگر کسی سلسلۂ سلوک کا راہنما ایسی جالب و جاذب شخصیت کا مالک ہے تو اس کے لیے مفرد تذکرہ تحریر کیا گیا اس کا اطلاق غالباً ہر سلسلہ پر ہو سکتا ہے۔

تذکرہ نگاری کے قواعد و ضوابط

تذکرہ نگاری کے اصول و ضوابط پر اب تک کوئی مستقل کتاب وجود میں نہیں آئی اور نہ تذکرہ نویسوں نے اپنے تذکروں میں اس موضوع پر بحث کی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ گروہ اس فکر سے بے بہرہ تھا، چند محدثین تذکرہ نگاروں کو چھوڑ کر جنہوں نے علم الرجال میں جرح و تعدیل سے استفادہ کیا ہے باقی تمام تذکرہ نویس تنقید روایات

اور سندِ واصل کے اصول کو فراموش کر کے تذکرے مرتب کرتے رہے، اس لیے ان کے ہاں اس فن کے قواعدِ ضوابط کی تلاش بے سود ہو گی۔

البتہ تذکرہ نگاروں کے احوال و آثار پر چند کتابیں ضرور لکھی گئی ہیں[1]۔ جن میں اس فن کے اصول و ضوابط پر توجہ نہیں دی گئی، پہلی کوشش میں جو کچھ ان تذکرہ نویسوں کے ذہن میں آیا انھوں نے اسے تنقیدی افکار کے بغیر ہی صفحۂ قرطاس پر نقش کر دیا۔ صوفیہ کے تذکرے ایک دوسرے کی بے ہنگم تقلید کے باعث شدید تنقیدات کی زد میں آ گئے۔

پنجاب میں تذکرہ نویسی

چونکہ کتابِ حاضر کا تعلق خطۂ پنجاب سے ہے، اس لیے ہمیں اس مقدمہ میں صرف پنجاب کے صوفیہ کے تذکروں کے بارے میں چند نکاتِ پیش کرنا ہیں:

تذکرہ نگاری کے اعتبار سے پنجاب نہایت ہی محروم القسمت خطہ ہے، یہاں کا علمی سرمایہ حملہ آوروں اور مسلم دشمن حکومتوں کے ہاتھوں تباہ ہو چکا ہے، جو بچ رہا تھا خود مسلمانوں کی بے حسی کی وجہ سے دیمک کی نذر ہو کر تاریک کنوؤں اور دریا کی موجوں میں سمو چکا ہے، باقی مآخذ اس قدر کم تعداد میں ہیں کہ اگر سنینِ تصنیف کے اعتبار سے ان کی فہرست مرتب کی جائے تو ایسے خلا نظر آتے ہیں جنہیں پر کرنا ناممکن ہے۔

پنجاب میں تذکرہ نگاری کی ابھی تک کوئی باقاعدہ اور تحقیقی تاریخ نہیں لکھی گئی، اس موضوع پر کام کرنے والوں نے فقط رسمی ابواب کے تحت چند باتیں بنا کر ٹال دیا ہے، اس سلسلہ میں صوفیہ کے تذکروں کو اہمیت دینا یا انہیں مآخذ کی حیثیت سے استعمال کرنا تو درکنار انہیں چھو کر بھی نہیں دیکھا گیا۔

---

[1] بزرگ تہرانی: مصفی المقال فی مصنفی علم الرجال، ایران ۱۹۵۹ء

علی رضا نقوی: تذکرہ نویسی فارسی در ہند و پاکستان، تہران

احمد گلچین معانی: تاریخ تذکرہ ہای فارسی، تہران

فرمان فتح پوری: اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، لاہور ۱۹۷۲ء

عبداللہ، سید: اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، لاہور

حنیف نقوی: اردو شعراء کے تذکرے، لکھنؤ

ضرورت اس امر کی ہے کہ پنجاب کی سیاسی، ثقافتی اور روحانی تاریخ میں جو خلا پائے جاتے ہیں انہیں پُر کرنے کی حتی المقدور کوشش کی جائے۔

ذیل میں ہم پنجاب کے صوفیہ کے چند بنیادی تذکروں کی فہرست دے رہے ہیں جن کی بنیاد پر مذکورہ کام کو آگے بڑھایا جاسکتا ہے۔

شریف التواریخ

قادریہ سلسلۂ طریقت کی ایک مشہور شاخ ہے سلسلۂ نوشاہیہ، جس کے بانی حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش قادری (ف ۱۰۶۴ھ / ۱۶۵۴ء) تھے یہ سلسلہ زیادہ تر پنجاب میں رائج ہوا، پیش نظر کتاب اسی طریقۂ تصوف کی ایک تاریخ ہے۔

ضخیم و جسیم شریف التواریخ جس کی تین جلدیں اور آٹھ ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہیں، پنجاب کی تاریخ تصوف کے لیے سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے یقیناً سلاسل تصوف میں سے کسی سلسلہ کا اتنا بڑا اور جامع تذکرہ آج تک مرتب نہیں ہوا جتنا شریف التواریخ ہے۔

مجھے شریف التواریخ کو ۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۴ء سے اب تک کئی مرتبہ دیکھنے، اس کے مختلف حصص پڑھنے اور مطلوبہ مواد کی نقل و اقتباس کا موقع ملا ہے نیز اس کتاب کی تیسری جلد (۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء تا ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء) راقم کی موجودگی میں تالیف کے مراحل طے کرتی رہی ہے، مجھے مولف کو اس کے لیے مواد جمع کرتے اور مسودہ کو بیضہ کی صورت دیتے ہوئے متعدد بار مشاہدے کا موقع ملا ہے۔

اس کتاب کی تالیف کے عمل کے عینی شاہد کی حیثیت سے مجھے چند اہم نکات پیش کرنا ہیں:

۱: جب ہم اس کتاب کا بلحاظِ توقیت (Chronology) مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ جلد اوّل دوسری دونوں جلدوں سے طریقۂ تحقیق و تصنیف، استدلال، استخراجِ نتائج،، وقائع کے تقابل اور اصولِ نقد و نظر کے اعتبار سے مختلف ہے۔

۲: صوفیہ کے تذکروں میں ایک خامی یہ پائی جاتی ہے کہ وہ سنین (ولادت، وفات، اہم حوادث) سے خالی ہوتے ہیں۔ لیکن شریف التواریخ کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ مؤلف کو تذکروں کے اس خلا کا خاصہ

احساس ہے انہوں نے نہ صرف غیر محقق سنین کی تصحیح اور حک و اصلاح کی کوشش کی ہے بلکہ قدیم مصنفین کو اندراجِ سنین میں جن وجوہ کی بنا پر اشتباہات پیدا ہوئے ان کی بھی نشان دہی کی ہے نیز موکف نے متقدمین کے جو سنین خود متعین کیے ہیں ان کے لیے محکم دلائل بھی پیش کیے ہیں۔

گویا صحتِ سنین کے لیے اس کتاب کا تذکروں میں منفرد مقام ہے۔

۳: صوفیہ کے بعض تذکرے اس لیے اہم ہیں کہ ان میں صوفیہ کے احوال و آثار محفوظ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کئی صوفیہ کے رسائل آج ہم تک صرف اس لیے پہنچے ہیں کہ ان کو کسی نہ کسی تذکرہ نگار نے بعینہٖ اپنے تذکرے کا جزو بنالیا ہے یا ان کے بعض کلمات ان کی تصانیف سے نقل کر دیئے ہیں، جن کی وجہ سے ان کے افکار سے ہم آگاہ ہوئے، ان میں معارج الولایت (۱۰۹۶ھ) کا نام سر فہرست ہے جو اپنے اندر صوفیہ کے رسائل کے متون سمیٹے ہوئے ہے، یہی حال پیش نظر کتاب شریف التواریخ کا ہے اگر صاحب ترجمہ کا ایک مکتوب ہی ملا ہے تو وہ بھی نقل کر کے اس کتاب میں محفوظ کر لیا گیا ہے اگر ایسے آثار کی فہرست مرتب کی جائے جو محض شریف التواریخ کی بدولت ہم تک پہنچے ہیں یا آج تک محفوظ ہیں تو یہ خاصا طویل کام ہو جائے گا۔

۴: ایک اور اہم بات یہ ہے کہ اس کتاب کے موکف خود خطاط ہیں اور انہوں نے اپنی اس تالیف کی جس حسن و خوبی کے ساتھ کتابت کی ہے اس دور میں اس کی مثال ملنا دشوار ہے، یہی وجہ ہے کہ اسے کاتبوں کے حوالے کرنے کی بجائے اسی خود نوشت نسخہ موکف کا عکس شائع کیا جا رہا ہے۔

۵: شاید قارئین کو اس کتاب کی زبان پر اعتراض ہو کہ ادبی و لسانی اعتبار سے اس میں نقائص پائے جاتے ہیں لیکن ہم اس باب میں صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ موکف نے اس کتاب میں زیادہ توجہ واقعات و سنین کی صحت پر دی ہے، اسے آب حیات یا شعر العجم کی طرح خواہ مخواہ دلچسپ بنانے کے شوق میں لسانی قلابازیاں اور خیالی گھوڑے نہیں دوڑائے بلکہ نہایت سہل اندازِ بیان میں حقائق نویسی کو پر لطف بنا دیا ہے دورِ آخر کے تذکرہ ہائے صوفیہ میں خزینۃ الاصفیا کو جو مقبولیت حاصل ہے اس کی ایک وجہ اس کی نہایت آسان، سادہ اور عام فہم زبان بھی ہے نیز ہم پاکستانیوں کے لیے یہ سرمایۂ افتخار ہے کہ ہمارے ملک کی قومی زبان اُردو میں ایک بیش بہا کتاب کا اضافہ ہو رہا ہے یقیناً دنیا کے کسی ادب میں اس موضوع پر ایسی اور اتنی بڑی کتاب تالیف نہیں ہوئی ہو گی۔

۶: شریف التواریخ کی ضخامت دیکھ کر اس کے فرد واحد کی تالیف باور کرتے ہوئے اہل علم کو متردد پایا

گیا ہے لیکن اس کی ضخامت سے زیادہ جب ہم اس کے مذکورہ محاسن سے آگاہ ہو جائیں تو شاید بعض حضرات کا وہ تردد یقین میں بدلتے ہوئے دیر نہ لگے بے شک وشبہہ کتاب حاضر کے مولف نے تنہا نہایت دل جمعی کے ساتھ ایسا کام انجام دیا ہے جو اس قلیل عرصہ (ترپن ۵۳ سال) میں مولفین کا ایک بورڈ بھی اس طریقہ پر نہیں کر سکتا تھا جس طرح حضرت مؤلف نے مستقل مزاجی سے کیا ہے۔

شریف التواریخ پندرہ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے جن کے نام بھی الگ الگ ہیں:

پہلی جلد موسوم بہ تاریخ الاقطاب (تاریخی نام) ۱۳۵۵ھ سطور فی صفحہ ۲۰

اس جلد کے مآخذ میں پانچ سو سے زاید کتابوں میں ۵۷ مخطوطات ہیں، اس میں چار فہرستیں اور طویل اشاریہ ان کے علاوہ ہے۔

اس جلد کے مقدمہ میں مدارجِ ولایت، اقسام اولیا اللہ، قطب، غوث وغیرہ، حالت ہائے اولیا اللہ، قلندر، سالک، مجذوب وغیرہ، اثباتِ کراماتِ اولیا، قرآن، حدیث اور حکمت وغیرہ سے دلائل ومسائل بیعت، خلافت وارشاد، ایک سو چوالیس (۱۴۴) سلاسل اولیا کا تذکرہ مع شجرات طریقت بیان کیا گیا ہے، اس مقدمہ کے بعد حضرت رسول اکرم ﷺ کے حالات سے لے کر حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش قادریؒ تک ان کے شجرۂ طریقت کے مطابق مشائخ کے حالات لکھے گئے ہیں، اس جلد کی تکمیل ۱۳۵۵ھ پر ان اکابر نے تقریظات وقطعاتِ تاریخ لکھے ہیں:

مولانا سید غلام مصطفیٰ نوشاہی، پیر غلام دستگیر نامی اور مولانا قاضی سلام اللہ شائق ساکن چک عمر ضلع گجرات۔

جلد دوم۔ اس کی جلد دوم کا نام طبقاتِ نوشاہیہ ہے، تاریخ تکمیل ۱۷ جمادی الاخر ۱۳۸۱ھ۔ صفحات ۱۴۲۶۔ سطور فی صفحہ ۲۲

اس جلد کو مزید سات طبقوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ طبقۂ اول۔ نوشاہیہ آبائیہ۔ اس میں مؤلف نے اپنے مورثِ اعلیٰ اور امام سلسلۂ نوشاہیہ حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخشؒ سے لے کر اپنے آباؤ اجداد کے حالات اپنے تک لکھے ہیں۔ اس طبقہ میں گیارہ حضرات کے حالات ہیں۔

۲۔ طبقۂ دوم نوشاہیہ برخورداریہ، اس میں حضرت نوشہ کے فرزند اکبر سیّد حافظ محمد برخوردار بحرالعشق کی اولاد کے حالات گیارہ ابواب میں سلسلۂ نسب کے مطابق لکھے ہیں جن کی تعداد ۲۵۵ ہے۔

۳۔ طبقۂ سوم نوشاہیہ ہاشمیہ، اس میں حضرت نوشہ کے چھوٹے صاحبزادے سیّد محمد ہاشم دریادل کی اولاد کے حالات نو ابواب میں پشت وار لکھے ہیں، ان کی تعداد ۷۹ ہے۔

۴۔ طبقۂ چہارم نوشاہیہ سلیمانیہ، اس میں حضرت سخی شاہ سلیمان نوری بھلوالی کی اولاد کے حالات دس ابواب میں تحریر کیے ہیں جن کی تعداد ۶۰ ہے۔

۵۔ طبقۂ پنجم نوشاہیہ رحمانیہ، اس میں حضرت نوشہ کے خلیفہ شیخ عبدالرحمٰن معروف بہ پاک رحمٰن نوشاہی بھڑی والہ اور ان کے متولیوں کے حالات زمانۂ حاضرہ تک درج کیے ہیں جن کی تعداد ۴۲ ہے۔

۶۔ طبقۂ ششم نوشاہیہ سچار، اس میں حضرت نوشہ کے خلیفہ شیخ پیر محمد سچیار نوشہرویؒ اور ان کی اولاد کے حالات نو ابواب میں لکھے ہیں جن کی تعداد ۲۶ ہے۔

۷۔ طبقۂ ہفتم نوشاہیہ صالحیہ، اس میں حضرت نوشہ کے خلیفہ سیّد صالح محمد چک سادہ، ضلع گجرات اور ان کی اولاد کے حالات نو ابواب میں بہ تعداد ۲۲ تحریر کیے ہیں۔

گویا اس جلد میں پانچ سو سے زائد رجال کے حالات لکھے گئے ہیں، اس کے مآخذ کی تعداد ۲۷۵ ہے جن میں ۱۲۶ مخطوطات بھی شامل ہیں۔

جلد سوم، اس کی جلد سوم کا نام تذکرۃ النوشاہیہ ہے، آغاز ۲۰ رجب ۱۳۴۹ھ، تکمیل ۲ ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ اس کی ضخامت چونکہ پہلی دونوں جلدوں سے زیادہ ہے اس لیے مؤلف نے اسے بارہ حصوں میں تقسیم کیا ہے، جس کے کل صفحات ۵۱۷۰ ہیں، ہر حصہ کو الگ الگ نام سے موسوم کیا ہے، یعنی:

اول۔ تحائف الاطہار، ذکر بالا واسطہ مریدین حضرت نوشہؒ

دوم۔ لطائف الاخیار، اس میں صرف ایک واسطہ سے حضرت نوشہ کے حلقۂ مریدین میں شامل حضرات کا تذکرہ ہے۔

سوم۔ معارف الابرار، تیسری پشت کے اکابر کا تذکرہ۔

چہارم۔ مآثر الاحبار، چوتھی پشت کے بزرگوں کا تذکرہ۔

پنجم۔ عوارف الانوار، پانچویں پشت کے افراد کا تذکرہ۔

ششم۔ صحائف الاسرار، چھٹی پشت کے حضرات کا تذکرہ۔

ہفتم۔ منہاج الاسرار، ساتویں پشت کے صاحبان کا تذکرہ۔

ہشتم۔ شواہد الافکار، آٹھویں پشت کے درویشوں کا تذکرہ۔

نہم۔ فوائد الاذکار، نویں پشت کے اہل اللہ کا تذکرہ۔

دہم۔ عمائد الادوار، دسویں پشت کے صوفیوں کا تذکرہ۔

یازدہم۔ روائح الازہار، گیارہویں پشت کے فقراء کا تذکرہ۔

دوازدہم۔ طوالع الاُظفار، اس کی ابتداء میں ان نوشاہی بزرگوں کا تذکرہ ہے۔ جن کا شجرۂ طریقت مؤلف کو دستیاب نہیں ہو سکا، اس کے بعد اس میں مؤلف نے ایسے معاصرین کے حالات لکھے ہیں جن سے ان کی ملاقات ہوئی اور ان سے کسی نوع کے تاثرات وافکار قبول کیے، ان میں سے اکثر ایسے معاصرین کے حالات شامل ہیں جنہوں نے مؤلف کی فرمائش پر اپنے خود نوشت حالات مؤلف کو فراہم کیے۔ گویا اس حصہ کا تعلق مؤلف کے حالاتِ زندگی سے زیادہ ہے، اس کی اہمیت معاصر دستاویز کے علاوہ یہ بھی ہے کہ مؤلف کے افکار و نظریات کے نشیب و فراز میں جن افراد کا دخل رہا ہے ان کا ذکر اسی آخری حصہ میں مل سکتا ہے۔

اولیاتِ شریف التواریخ

اس گرانبہا تصنیف کے مندرجات کا بغور و تقابلی مطالعہ کیا جائے تو اس کا بہت سا مواد بالکل منفرد نظر آتا ہے۔ مثلاً اس کی فہرستِ مآخذ میں مخطوطات کا شمار ۱۰۵۶ ہے جن میں سے بعض کے نام اس کی تین جلدوں اور تیسری جلد کے بارہ حصوں کی فہارس مآخذ میں مکرر بھی آئے ہیں، لیکن ان میں محولہ نوے مخطوطات ایسے ہیں جنہیں پہلی مرتبہ صرف اسی مصنف نے استعمال کر کے اہلِ علم سے متعارف کروایا ہے اور بجا طور پر دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ دنیائے مآخذ و مخطوطات میں ان نوے خطی مآخذوں کی دریافت کا سہرا اسی فاضل مصنف کے سر ہے۔

ذیل میں اسی قسم کے ماخذ کی مجمل فہرست دی جا رہی ہے تا کہ محققین بآسانی ان کا جائزہ لے سکیں، ان میں ناموں سے پہلے لکھے ہوئے نمبر اس کی مختلف جلدوں کی فہارس مآخذ کے شمار کے مطابق ہیں:

جلد اول

۲۵۔ اسرار قادری۔ مولوی محمد جان قادری بٹالوی

۳۴۔ انوار الصالحین۔ پیر معصوم شاہ نوشاہی

۳۶۔ انوار القادریہ۔ حکیم غلام قادر شاہ اثر جالندھری

۴۰۔ اوراد القادریہ۔ مخدوم سیّد عبد القادر اوچی

۴۶۔ بحر السّرائر۔ سیّد سعد اللہ موسوی قادری

۸۲۔ تحائفِ قدسیہ۔ پیر کمال نوشاہی لاہوری

۱۰۰۔ ترجیعاتِ قادری۔ مخدوم سیّد محمد غوث گیلانی اوچی

۱۰۱۔ ترویح القلوب۔ سیّد حافظ محمد حیات ربانی نوشاہی

۱۲۶۔ تکملہ مفتاح الفتوح شیخ عبد الحق محدث دہلوی

۱۳۴۔ ثواقب المناقب۔ شیخ محمد ماہ صداقت کنجاہی

۱۵۰۔ چہار بہار (ملفوظاتِ نوشہ صاحب) از شیخ محمد ہاشم تھرپالوی

۲۰۰۔ ذکر الائمہ۔ سیّد جلال الدین حسین جعفری شیرازی

۲۰۸۔ (رسالہ احمد بیگ) مرزا احمد بیگ لاہوری

۲۳۲۔ سرِ مکنون۔ میاں فقیر اللہ برقندازی تکیریانی

۳۴۳۔ کتاب الفوائد۔ سیّد حافظ محمد شاہ نوشاہی

۳۵۴۔ کلید گنج الاسرار۔ خلیفہ محمد ابراہیم برقندازی جالندھری

۳۶۳۔ گلزارِ فقرا۔ حکیم کرم الٰہی فاروقی بیگووالی۔

۳۶۵۔ گلشن گلزار۔ سیّد حسن علی شاہ سوکی

۳۷۲۔ لطائفِ گل شاہی۔ سیّد گل محمد نوشاہی

۴۰۳۔ مرآۃ الغفوریہ۔ میاں امام بخش نوشاہی لاہوری

۴۲۴۔ مصطلحاتِ طالبِ حق۔ خواجہ عمر الدین گڑھ شنکری

جلد دوم

جلد سوم۔ حصہ ا

۶۔ اسرار الصدق۔ قاضی فضل حق صدیقی

۵۶۔ تذکرہ صدیقیاں۔ شیخ نادر حسین صدیقی

۶۲۔ تفنگ عشق مثنوی۔ مولوی عبدالحق چشتی

۹۱۔ خطوط ومراسلات۔ فقیر عزیز الدین بخاری (ذخیرہ شیرانی)

۱۰۹۔ ذخیرہ معلومات۔ شیخ نادر حسین صدیقی

۱۳۳۔ شجرۂ انساب (ذخیرہ شیرانی)

۱۶۷۔ کرامات حضراتِ مجددیہ۔ مولوی کلیم اللہ مچھیانوی

۱۷۰۔ کشکولِ نوشاہی۔ فقیر غلام محی الدین لاہوری

جلد سوم حصہ ۲

۴۷/ ۲۔ رقعاتِ غنیمت۔ شیخ محمد اکرم غنیمت کنجاہی

۵۴۔ شرح نیرنگ عشق۔ مولوی دوست محمد

۵۶۔ طبِ فرقانی۔ حافظ حبیب اللہ الیاسی

۶۶۔ کلیاتِ اشرف۔ مولوی محمد اشرف نوشاہی منچری (فارسی، اُردو، پنجابی)

۷۶۔ مثنوی ارژنگِ عشق۔ شیخ عطاء محمد زیرک

۸۱۔ مثنوی دستورِ ہمت۔ میر محمد مرادلائق

۸۲۔ مثنوی شمع محافل۔ میر محمد عطا حسین خاں تحسین

جلد سوم حصہ ۳

۱۹۔ تذکرۃ المشائخ۔ مولوی پیر میر احمد نوشاہی جھنگی والہ

۶۵۔ رسالہ تصوف۔ میاں غلام مرتضیٰ نوشاہی نظام آبادی

۶۸۔ وحدت نامہ۔ فقیر غلام محی الدین نوشاہی لاہوری

۷۹۔زاد المسافرین۔خواجہ غلام محمد نوشاہی

جلد سوم۔ حصہ ۴

۸۰۔رسالۂ وراثت۔ مولوی محمد اشرف نوشاہی منچری

۸۲۔رقعاتِ نور اللہ۔ سیّد حافظ نور اللہ فرشتہ صفات نوشاہی

۸۳۔رموزِ عشق۔ سخی امام شاہ نوشاہی وزیر آبادی

۱۱۹۔کلیاتِ قُل احمد۔ مولوی قل احمد فاروقی نوشاہی

۱۲۵۔گیان پر کاش۔ شیخ ہاشم شاہ نوشاہی تھر پالوی

۲۰۰۔گیان مالا۔ شیخ ہاشم شاہ نوشاہی تھر پالوی

۲۳۵۔مصباح الطب۔ مولوی محمد اشرف نوشاہی منچری

جلد سوم۔ حصہ ۵

۳۹۔سیرۃ الاولیاء۔ مولوی غلام حسن نوشاہی راجہ پوری

۶۱۔مجمل تاریخ خاندان۔ فقیر صاحبان، لاہور

جلد سوم۔ حصہ ۶

۸۔انوار العاشقین۔ سیّد وارث علی شاہ بھاکری نوشاہی

۱۰۳۔گلزارِ معانی۔ خلیفہ محمد ابراہیم برقندازی جالندھری

۱۰۸۔مجموعہ خطوط بنام فقیر عزیز الدین رضا لاہوری

۱۱۳۔مراسلات وروزنامچہ فقیر عزیز الدین رضا لاہوری

۱۴۰۔نیاز نامہ اہل بیت از فقیر نور الدین منور لاہوری

جلد سوم۔ حصہ ۷

۱۔احوالِ زمانہ۔ میاں محمد بخش نوشاہی رسولپوری

۱۰۸۔شمس القصص۔ میاں صالح محمد نوشاہی، کوٹ جے سنگھ والہ

۱۰۹۔ طبِ احمد یار۔ مولوی احمد یار نوشاہی مرالوی

۱۱۱۔ عجیب منظر (مثنوی) مولوی شہباز خاں ملھی نوشاہی

۱۲۴۔ قصہ چہار درویش۔ حاجی پیر بخش نوشاہی

۱۲۶۔ قصہ حاجی یار محمد قادری۔ قاضی نبی بخش ساڈو گورھایہ

۱۴۰۔ گلزارِ آدم۔ حکیم کرم الٰہی فاروقی نوشاہی بیکووالیہ

۱۴۸۔ لوامع الاعلام لسواطع الالہام۔ مولانا محمد اعظم نوشاہی میروالی

۱۵۲۔ مرآۃ القوانین۔ منشی گنیش داس وڈیرہ گجراتی

جلد سوم۔ حصہ ۸

۱۴۔ آئینہ عرفان۔ حکیم غلام قادر شاہ اثر نوشاہی جالندھری

۳۷۔ مثنوی چناں چنیں۔ حکیم غلام قادر اثر

جلد سوم۔ حصہ ۹

۱۔ دیوان الفائز عربی۔ مولانا نجم الدین فائز نوشاہی شادیوالی

۲۔ مجموع الخطب عربی۔ مولانا نجم الدین فائز

۳۱۔ فضائل ومناقب اہل بیت۔ مولانا نجم الدین فائز

۴۹۔ مکتوبات محمد شاہی۔ سیّد حافظ محمد شاہ نوشاہی

جلد سوم۔ حصہ ۱۲

۱۴۔ تاریخ سادات۔ سیّد مراد علی شاہ بخاری گھنیانوالہ

جالبِ توجہ مآخذ کے علاوہ اس کی مختلف جلدوں میں ان گنت ایسے رجال کے حالات محفوظ ہو گئے ہیں جن سے اس فن کی اکثر مطبوعہ ومتعارف کتابیں یکسر خالی ہیں، جیسا کہ کتاب کے مندرجات سے ظاہر ہے سلسلہ نوشاہیہ کے صوفیہ کے حالات کے لیے یہ کتاب اہم ہے تاہم اس میں اس سلسلہ سے غیر متعلق افراد کے حالات

کے لیے یہ کتاب مخصوص ہے۔ پنجاب کے مشائخ کے حالات کے علاوہ اس کتاب میں اس خطہ کے بہت سے شعراء کے حالات شامل کیے ہیں کہ اگر انہیں اس کتاب میں سے الگ کر لیا جائے تو شعراء کا ایک ضخیم تذکرہ بن سکتا ہے۔

تاہم ذیل میں ایسے شعراء کی فہرست دی جا رہی ہے جن کے احوال و آثار کی نشاندہی پہلی مرتبہ اس کتاب کے ذریعہ ہوئی ہے۔

اس کتاب کی جلد اول متقدمین صوفیہ کے حالات پر مشتمل ہے جن کے حالات متعارف کتب و تذکروں میں مل جاتے ہیں۔

شعرائے جلد دوم

حافظ برخوردار بحر العشق نوشاہی، حافظ محمد حیات نوشاہی، حافظ قل احمد نوشاہی، حافظ محمد شاہ محمد، پیر مکھن شاہ نوشاہی لاہور، سید عبد الہادی نوشاہی ہادی۔

شعرائے جلد سوم

قاضی خوشی محمد کنجاہی، قاضی رضی الدین کنجاہی، خواجہ فضیل وحی کابلی، حافظ قائم الدین برقنداز، شاہ مراد شرقپوری، شیخ محمد فتوحی جہلمی، میاں نوشیر سندھی، عبد الرحیم سدا کنبوہ، شاہ نظام، علیم اللہ کیلیانوالہ، میاں غلام مرتضیٰ نظام آبادی، بابا امام شاہ سید پوری، ہدایت اللہ مفتون، حکیم قل احمد فاروقی، محمد حسین حسینؔ، امام شاہ وزیر آبادی، مرزا شاہ امانت برقندازی، حکیم پیر بخش فاروقی، سید محکم الدین، میاں محمد جان فاروقی، میاں مروان، پیر کمال لاہوری، فقیر غلام محی الدین لاہوری، میاں پیر بخش، شاہ فقیر اللہ مکریانی، حافظ فیض بخش، خلیفہ محمد ابراہیم جالندھری (استادِ گرامی) میاں کرم بخش لاہوری، محمد امین نوشاہی، میاں محمد بخش رسول پوری، مولوی نور الدین فاروقی اور مولوی عبد الرشید عادل گڑھی۔

کتابِ حاضر کے مؤلف جناب سید شریف احمد شرافتؔ نوشاہی دو سو سے زائد کتب و رسائل کے مؤلف، گنج شریف کے مرتب، سلسلہ نوشاہیہ کے اشہر ترین فرد اور اپنے سلسلہ کے دائرۃ المعارف کی حیثیت سے علمی حلقوں میں اب کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ ہمارے ادارہ دار المورخین کو اس نابغۂ روزگار شخصیت کو اہل علم سے متعارف کروانے میں اولیت کا شرف حاصل ہے، ہمارا کتابچہ "احوال و آثار سید شرافت نوشاہی" (۱۳۹۱ھ /

۱۹۷۱ء) اور پھر دارالمؤرخین کی ایک اور قابلِ فخر پیش کش گنج شریف اور اس پر ہمارے مفصل مقدمے کے ذریعہ اہلِ علم اس نادر الوجود شخصیت کے علمی کمالات سے بخوبی آگاہ ہو چکے ہیں۔

لیکن موصوف کا اصل کارنامہ شریف التواریخ جیسے بیش بہا تذکرہ کی تالیف ہے، جس کی اس وقت پہلی جلد شائع کی جا رہی ہے۔ اور جو مشارٌ الیہ کی ناقابلِ فراموش علمی خدمت اور جو چھپنے سے پہلے ہی اپنی ضخامت اور مذکورہ خوبیوں کی وجہ سے خاصی شہرت حاصل کر چکی ہے۔ اور اہلِ علم کو ایک عرصہ سے اس کتاب کی طلب تھی جسے بحمد اللہ اب عملی جامہ پہنایا جا رہا ہے۔ یہ کتاب ادارہ معارف نوشاہیہ مرید کے اور اسلام آباد سے مکمل صورت میں ۱۵ مجلدات میں طبع ہو چکی ہے۔

جون ۱۹۷۹ء

سلسلۂ قادریہ شطاریہ

حضرت سیّد احمد توختہ ترمذی لاہوری

سید احمد توختہ ساتویں صدی ہجری کے صوفیہ میں سے تھے۔ پنجاب میں ان سے سلسلہ شطاریہ کو فروغ ہوا۔

سیّد احمد توختہ امام زین العابدین کی اولاد میں سے تھے اور سات واسطوں سے ان کا نسب امام زین العابدین سے ملتا ہے (تذکرہ حمیدیہ ۲۳، تاریخ جلیلہ ۱۲۷) سادات کا یہ خانوادہ مدینہ منورہ اور حمص میں مقیم رہا پھر سیّد محمد مدنی عرف سیّد ناصر ترمذ چلے گئے انہی کی اولاد میں سے سیّد احمد توختہ بن سیّد علی کاکی لاہور آ گئے۔ (نقش حیات ۲/ ۲۶، تاریخ جلیلہ ۱۲۸)

سیّد احمد ترمذی کے دو القاب تھے تمثالِ رسول (ﷺ) اور توختہ، تمثالِ رسول سے مراد ہے حضور نبی کریم ﷺ کی بے مثل صورت مبارک کے شبیہ (نقش حیات ۱/ ۲۶) اور توختہ ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں ایستادہ (کھڑا) ایک شب ان کے مرشد نے انہیں طلب کیا اور پھر معمول کے اذکار میں مصروف ہو گئے سید احمد حاضر ہوئے تو حجرے کا دروازہ بند پایا رات بھر باہر ہی کھڑے رہے صبح شیخ نے دروازہ کھولا تو انہیں دیکھ کر فرمایا سیّد احمد "توختہ" جس سے ان کا لقب ہی یہی ہو گیا۔ (ہمانجا ۱/ ۲۶، تاریخ جلیلہ ۱۲۷، اذکارِ قلندری ۱۰۳۔۱۰۴)

سیّد احمد توختہ سلسلۂ شطاریہ میں شیخ احمد نور بخش کے خلیفہ تھے۔ اور وہ شیخ نجم الدین سفراوی کے وہ شیخ شرف الدین جرجانی کے وہ شیخ تقی الدین صفا کے اور وہ مقری الصباغ جرجانی کے ۔۔۔۔۔۔ یہ سلسلہ شیخ بایزید بسطامی پر منتہی ہوتا ہے (تذکرہ حمیدیہ ۱۹)

سیّد احمد توختہ باشارۂ غیبی ترمذ سے ہندوستان کے سفر پر روانہ ہوئے ان کی دو صاحبزادیاں بی بی حاج اور بی بی تاج بھی ہمراہ تھیں آپ نے ترمذ سے جو آپ کا وطن مالوف تھا ہجرت کی اور پہلا قیام کیچ مکران (Kech Mikran) میں ہوا آپ کی نیک نامی سن کر وہاں کا حاکم قطب الدین محمد زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ اس کا بیٹا شہزادہ

بہاء الدین محمد بھی ہمراہ تھا۔ سلطان ان کی پاکدامنی سے اس قدر متاثر ہوا کہ اپنے بیٹے سے سید احمد توختہ کی صاحبزادی کے نکاح کی درخواست کی، اس طرح بی بی حاج کا نکاح شہزادہ بہاء الدین محمد سے ہو گیا، (تذکرہ حمیدیہ ص ۱۸۔۱۹، اذکارِ قلندری ۱۰۱)

اس صاحبزادی کے بطن سے جو اولاد ہوئی ان میں سلطان حمید الدین حاکم بھی تھے جو کیچ مکران کے حکمران بنے بعد ازاں حکومت وریاست ترک کر دی اور فقر کا راستہ اختیار کر لیا۔ اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ ہوئے اور سلوک کی تکمیل شیخ رکن الدین رکن عالم ملتانی کی خدمت میں کی۔ معراج نامہ مولد نامہ اور بزبان ہندی انہی سلطان حاکم کی تالیفات ہیں۔ ان کی کتابوں کی تعداد ایک سو بیس بتائی جاتی ہے۔ صاحب دیوان فارسی شاعر تھے۔ ان کا دیوان گلزار کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔ (تذکرہ حمیدیہ ۴۷، ۶۱) سلطان حمید الدین حاکم کا ۷۳۷ھ / ۱۳۳۷ء میں انتقال ہوا (ہمانجا ۵۷) کیچ مکران سے رخصت ہو کر سید احمد توختہ لاہور آئے اور باقی زندگی لاہور میں ہی تلقین وارشاد میں گذار دی۔ (اذکارِ قلندری ۱۰۳۔ ۱۰۴) لاہور ہی میں ۶۰۲ھ / ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶ء میں وصال ہوا۔ اور محلہ چہل بی بیاں طویلہ غلام الدین اندرون موچی دروازہ۔ میں ان کا مزار ہے (حدیقۃ الاولیاء ۱۸۸، تاریخ جلیلہ ۱۳۳) اس خانوادے کی سب سے معروف شخصیت شیخ عبدالجلیل چوہڑ بندگی لاہوری (ف ۹۱۰ھ / ۱۵۰۴ء) ہیں جن سے لاہور اور سارے ہندوستان میں سلسلہ سہروردیہ کی خوب ترقی ہوئی۔ موصوف کا نسب چند واسطوں سے سلطان حمید الدین حاکم (نواسہ سید احمد توختہ) سے جا ملتا ہے۔ شیخ عبدالجلیل کے حالات پر ایک نہایت اہم کتاب تذکرہ قطبیہ کے نام سے لکھی جا چکی ہے۔

لاہور کے مشہور مزار چہل بی بیاں میں مدفون دختران نیک اختر انہی سید احمد توختہ کی اولاد میں سے ہیں (اذکارِ قلندری ۱۰۳، تاریخ جلیلہ ۱۳۴)

مآخذ

۔ احمد، حسین احمد مدنی: نقش حیات (خود نوشت سوانح مولانا حسین احمد مدنی)، لاہور ۱۹۸۷ء

۱۔ جمال الدین ابو بکر اکبر آبادی: تذکرہ قطبیہ مرتبہ غلام دستگیر نامی، لاہور ۱۹۵۲ء

۲۔ حاکم، حمید الدین: گلزار (کلیات فارسی سلطان حاکم) مرتبہ غلام دستگیر نامی۔ لاہور ۱۹۴۶ء

۳۔ شہر اللہ ملتانی: تذکرہ حمیدیہ اُردو ترجمہ غلام دستگیر نامیؔ، لاہور ۱۹۵۹ء

۴۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: حدیقۃ الاولیاء تحقیق و تعلیق محمد اقبال مجددی، لاہور ۱۹۷۶ء

۵۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، کانپور ۱۸۷۳ء

۶۔ فرحت، فرح بخش: اذکارِ قلندری مرتبہ غلام دستگیر نامیؔ۔ لاہور ۱۹۵۷ء

۷۔ نامی، غلام دستگیر: تاریخ جلیلہ، لاہور ۱۹۶۰ء

۸۔ نامی: حالات بی بیان پاک دامن بناتِ حضرت توختہ۔ لاہور ۱۹۳۶ء

۹۔ نامی: حالات بابرکات حضرت سیّد احمد توختہ ترمذی۔ لاہور ۱۹۱۴ء

۱۰۔ نور احمد چشتی: تحقیقاتِ چشتی۔ لاہور، پیسہ اخبار۔

۳۰ ستمبر ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ بہاء الدین شطاری انصاری

شیخ بہاء الدین انصاری دسویں صدی ہجری کے ایک نامور شطاری صوفی اور مؤلف تھے۔ شیخ بہاء الدین بن ابراہیم بن عطاء اللہ قادری شطاری حسینی کی ولادت اور پرورش قصبہ جیند (Jind) میں ہوئی جو سرہند (Sirhind) کے مضافات میں واقع ہے۔ (اخبار الاخیار ۱۹۸، نزہۃ الخواطر ۴/ ۵۹) اب یہ قصبہ ہریانہ میں ہے جو سکھوں کا مرکز ہے (انسائیکلوپیڈیا آف سکھ ازم/ ۳۸۰)

شیخ بہاء الدین نے علم فقہ، اصول اور عربی ادبیات کی خوب تحصیل کی اس کے بعد مشائخ سے ملاقات کے لیے طویل سفر کیے اور حرمین الشریفین بھی حاضر ہوئے۔ وہاں قادری سلسلہ کے شیخ سید احمد گیلانی قادری شافعی سے بیعت ہوئے تو انہوں نے حرم پاک میں خلافت و اجازتِ مطلقہ سے نوازا (رسالہ شطاریہ برگ ۲۴۵، اخبار الاخیار ۱۹۸)

شیخ بہاء الدین واپس ہندوستان آ گئے کئی مقامات پر قیام رہا حاکم مانڈو (Mandow) کی درخواست پر مانڈو کو اپنا مستقر قرار دیا (اخبار الاخیار ۱۹۸) مالوہ کا حاکم غیاث شاہ خلجی (۸۷۳۔ ۹۰۶ھ/ ۱۴۶۹۔ ۱۵۰۰ء) علماء و صوفیہ کی صحبت کو پسند کرتا تھا یقیناً اسی کے کہنے پر آپ نے مانڈو میں مستقل سکونت اختیار کی۔

شیخ بہاء الدین نے مانڈو میں سلسلہ شطاریہ کی خانقاہ قائم کی جو برس ہا برس اس سلسلہ کے مریدوں کی تعلیم و تربیت کی خدمت انجام دیتی رہی۔ شیخ بہاء الدین نے مانڈو ہی میں ۹۲۱ھ/ ۱۵۔ ۱۵۱۶ء کو وصال فرمایا اور وہیں دفن ہوئے۔ (اخبار الاخیار ۱۹۸، خزینۃ الاصفیاء ۱/ ۱۱۵، نزہۃ الخواطر ۴/ ۵۹)

اب تک شیخ بہاء الدین شطاری کے دو رسالے دستیاب ہوئے ہیں دونوں فارسی نثر میں اور سلسلہ شطاریہ کے بارے میں ہیں:

۱۔ تحفۃ الاذکار:

رسالہ کے آغاز میں خود وضاحت کرتے ہیں کہ اس میں مختلف قسم کے چند اذکار کا بیان ہے جو عربی سے فارسی میں ترجمہ کیے گئے ہیں۔ تاہم مؤلف نے یہ وضاحت نہیں کی کہ انہوں نے کن کتابوں سے ان اذکار کا ترجمہ کیا۔ مؤلف نے مشاہدہ کیا کہ مریدین کی تربیت کے لیے اس قسم کی ایک کتاب کا مرتب ہونا لازم ہے۔

اس رسالے میں اذکار کے علاوہ سلسلۂ شطاریہ کے اعمال کے مطابق چند مراقبات کی ترکیبیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ گویا سلسلۂ شطاریہ کے مریدین کے لیے اس میں روزمرہ کے اوقات اور اوراد و اشغال کو یکجا کر دیا گیا۔

اس رسالے کا ایک خطی نسخہ کتابخانہ گنج بخش اسلام آباد، پاکستان میں ہے۔ نمبر ۷۹۴ (فہرست نسخہ ہائ خطی کتابخانہ گنج بخش ۲ / ۶۱۷)

۲۔ رسالۂ شطاریہ:

یہ رسالہ دراصل سلسلۂ شطاریہ کے اصول، قواعد، ضوابط اور اعمال پر مشتمل ہے۔

انہوں نے اس رسالے میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے واصل ہونے کے راستے انسان کے سانس کے برابر ہیں لیکن تین طریقے زیادہ متداول ہیں:

اول طریق اخیار یعنی صوم و صلوٰۃ، تلاوت قرآن، حج و جہاد۔۔۔

دوم اصحاب مجاہدات و ریاضات، تزکیۂ نفس، تصفیۂ دل و تجلیہ روح۔۔۔۔۔۔

سوم طریق شطاریہ طریقہ بدایات میں سے ہے لیکن اکثر کے نزدیک نہایات میں سے ہے۔

یہ طریقہ اللہ تعالیٰ سے واصل ہونے کا سب سے زیادہ بہتر طریقہ ہے۔ اس طریقہ میں واصل ہونے کے لیے دس اوصاف کا ہونا لازم ہے۔۔۔۔۔۔

(رسالۂ شطاریہ فصل اول ص ۲۲۵۔۲۴۰)

اس رسالے کی چار فصلیں ہیں:

فصل اول: کیفیتِ سلوک

فصل دوم: شرائطِ ذکر

فصل سوم: کلماتِ مراقبات

فصل چہارم: اذکارِ متفرقہ عربی، فارسی اور ہندی

توحید و بعضی از سلوک جوگیہ (Jogis) و آدابِ ہندووان دریں خصوص۔۔۔۔

ان کے نزدیک ذکر کے دوران سانس پر قابو حاصل کرنا سب سے اہم مرحلہ ہے۔ اور یہی اس سلسلہ میں سب سے مؤثر بھی ہے۔

مقامی نقطۂ نظر سے اس رسالے کے اہم ترین مندرجات وہ ہیں جن میں مؤلف نے ہندو جوگیوں (Jogis) کے طریقہ گیان کو اپنایا ہے۔ اور ان کی مشقوں کو مسلمان صوفیہ کی ریاضت کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی ہے۔

ایک اور اہم بات تسخیرِ قلوب کی ہے جو شطاریوں کے ہاں سب سے زیادہ رائج ہے۔ اس میں ایسے عملیات کا ورد ہوتا ہے جس سے ایک انسان دوسرے کے دل کو تسخیر کر سکتا ہے۔ یہاں تک کے اس سلسلہ میں جوگیوں کے منتر اور جادو سے بھی کام لیا جائے تو معیوب نہیں ہے۔

رسالۂ شطاریہ سلسلۂ شطاریہ کے لیے ایک تحریری قانون یا مسودۂ آئین ہے جس پر عمل کر کے اس سلسلہ کا صوفی اپنی مشق جاری رکھ سکتا ہے۔

شاہ محمد غوث گوالیاری شطاری (ف ۹۷۰ھ / ۱۵۶۳ء) سے قبل اس سلسلہ کے صوفیہ میں یہی رسالہ بنیادی ماخذ کی حیثیت سے استعمال ہوتا تھا شیخ گوالیاری نے اپنی تالیفات خصوصاً جواہر خمسہ کے ذریعہ ان مشقوں میں بہت سی اصلاحات کیں، انہوں نے رسالہ شطاریہ کو اس طریقے سے اپنی کتابوں میں ضم کر لیا ہے کہ ان کی مذکورہ کتاب اسی رسالے کی شرح معلوم ہوتی ہے۔

دانشگاہِ تہران میں فارسی ادبیات کے پی ایچ ڈی کے مقالہ شرح احوال و آثار شاہ محمد غوث گوالیاری کے ساتھ بطورِ ضمیمہ رسالہ شطاریہ کے فارسی متن کو بھی ایڈٹ کر کے شامل کیا گیا ہے۔ یہ مقالہ ڈاکٹر محمد ادریس اعوان نے لکھا تھا جو تا حال غیر مطبوعہ ہے۔

مآخذ

۱۔ بہاء الدین شطاری: رسالہ شطاریہ، مشمولہ شرح احوال و آثار شاہ محمد غوث گوالیاری، پایان نامہ دانشگاہ، تہران

۲۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، دہلی، ۱۳۳۲ھ

۳۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۴، حیدر آباد، دکن، ۱۹۵۴ء

۴۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، کانپور، ۱۸۷۳ء

۵۔ محمد مسعود احمد: شاہ محمد غوث گوالیاری، میر پور خاص، سندھ ۱۹۶۴ء

۶۔ محمد ادریس اعوان: شرح احوال و آثار شاہ محمد غوث گوالیاری، پایان نامہ (غیر مطبوعہ) دانشگاہِ تہران، بسال ۵۰۔۱۳۵۱ش / ۷۱۔۱۹۷۲ء

۷۔ منزوی، احمد: فہرست مشترک نسخہ ہائی خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء

۸۔ ایضاً: فہرست نسخہ ہائی خطی کتابخانہ گنج بخش ج ۲، اسلام آباد، ۱۹۷۸ء

9- Nizami, K.A: Shattari saints and their attitude towards the state, Medieval India, Vol.I No.2. Oct. 1950.

10- Encyclopaedia of Sikhism, Patiala, 2001

۱۵ مئی ۱۹۹۷ء

برائی دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ عیسیٰ بن قاسم جُند اللہ برہانپوری

شیخ عیسیٰ برہانپوری (۵ ذی الحج ۹۶۲۔ ۱۴ شوال ۱۰۳۱ھ / ۱۵۵۵۔ ۱۶۲۲ء) نے اپنا نام اس طرح لکھا ہے: "عیسیٰ بن قاسم بن یوسف بن رکن الدین معروف بہ شہاب الدین شہابی جندی سندی ہندی براری عشق شطاری قادری کہ ملقب بہ عین العرفا و مخاطب بہ ابو البرکات" (عین المعانی خطی بحوالہ برہان پور کے سندھی اولیاء ۳۳)

تعلیم کا آغاز اپنے چچا شیخ طاہر محدث (ف ۱۰۰۸ھ / ۱۵۹۹ء) سے کیا، والد کی وفات ۵ محرم ۹۸۱ھ / ۱۵۷۳ء کے بعد ۹۸۲ھ / ۱۵۷۴ء کو آگرہ گیا۔ ۹۸۵ھ / ۱۵۷۷ء میں تلاشِ شیخ میں سیاحت کا آغاز کیا۔ اسی اثنا میں اجین مالوہ(Ujain Malwa) میں شیخ عبدالکریم بن شیخ راجہ محمد قادری عینی کی خانقاہ میں پناہ لی۔ چند دنوں کے بعد سارنگ پور (دیواس سٹیٹ، مالوہ میں ایک قصبہ) پہنچا تو وہاں شیخ عبدالملک شطاری (خلیفہ شیخ وجیہ الدین گجراتی (ف ۹۹۸ھ / ۱۵۸۹ء) سے ملاقات کی اور وحدت الوجود کے کچھ رموز حاصل کیے۔ اس کے بعد گوالیار جا کر شاہ محمد غوث شطاری (ف ۹۷۰ھ / ۱۵۶۲ء) کی درگاہ کی زیارت کی وہاں سے آگرہ آکر قاضی جلال الدین ملتانی کے مدرسہ میں گیا جہاں شیخ طاہر محدث کے برادر زادہ ہونے کی حیثیت سے بڑی عزت کی گئی، پھر سفر پر روانہ ہوا اور شیخ لشکر محمد شطاری (ف ۹۹۳ھ / ۱۸۵۸ء) کی خدمت میں حاضر ہو گیا تو ان کو روحانی سرور حاصل ہوا۔ (یہ تمام احوال شاہ عیسیٰ سندھی نے محمد غوثی سے بیان کیے تھے، گلزارِ ابرار ۴۶۲۔ ۴۶۳) شیخ عیسیٰ سے اصولِ فقہ وکلام میں سند حاصل کی، شاہ فتح اللہ شیرازی (ف ۹۹۷ھ / ۱۵۷۷ء) سے ریاضی وعلم عروض سیکھا (برہانپور کے سندھی اولیاء ۳۶، وبہ بعد) مشہور علم پرور امیر عبدالرحیم خان خانان (ف ۱۰۳۶ھ / ۱۶۲۶ء) نے سارنگ پورہ میں قیام کے دوران تین چار سو روپے بطور نذر پیش کیے جو انہوں نے اسی وقت تقسیم کر دیئے (ایضاً ۴۰)

شیخ عیسیٰ سندھی نے برہانپور میں کئی مساجد، مدرسے اور خانقاہیں بھی تعمیر کروائیں۔(ایضاً۴۳) وصال کے بعد برہانپور میں اپنے حجرۂ عبادت میں دفن کیے گئے، عبدالرحیم خانِ خانان نے مزار پر شاندار گنبد بنوایا جو اب تک موجود ہے۔(تاریخ برہانپور ۱۷۹) شیخ عیسیٰ کے چار فرزند شیخ عبدالستار، شیخ فتح محمد، شیخ طٰہٰ اور شیخ ہاشم تھے اور دو دختراں امۃ الرحمٰن اور فاطمہ تھیں (برہانپور کے سندھی اولیاء ۸۳)۔ درس و تدریس اور دعوت و ارشاد کا سلسلہ اس خانوادے میں عرصۂ دراز تک جاری رہا(ایضاً ۸۴۔۹۳)

شیخ عیسیٰ کا لقب مسیح الاولیاء اور خطاب جُند اللہ تھا۔(ایضاً ۳۱ و بہ بعد) آپ اور آپ کی اولاد کے خلفاء لاتعداد تھے جن کی روحانی سرگرمیوں سے صوفیہ کے تذکرے بھرے پڑے ہیں۔ (گلزارِ ابرار، ۴۶۴ و بہ بعد............نزہۃ الخواطر ۵/ ۲۹۵ و بہ بعد)

شیخ عیسیٰ برہانپوری کے ملفوظات کشف الحقائق کے نام سے بیس سال میں جمع ہوئے۔ اس کے جامع مولانا اسلم فرحی تھے۔ ملفوظات کا یہ پہلا مجموعہ ہے جس کے جامع نے باقاعدہ ابواب و فصول کے تحت آپ کے احوال، ارشادات، مکاشفات وغیرہ تحریر کیے ہیں۔ یہ ۱۰۲۰ھ / ۱۶۱۱ء کو مکمل ہو گئے تھے۔ جس کا ایک خطی نسخہ سیّد محمد مطیع اللہ راشد برہانپوری کے ذخیرہ میں سندھولوجی، جامعۂ سندھ، حیدرآباد، سندھ میں ہے آپ کے ملفوظات کا ایک اور مجموعہ آپ کے وصال کے بعد ۱۰۶۱ھ / ۱۶۵۰ء کو مرتب ہوا تھا جس کا خطی نسخہ اسلامیہ کالج دانشگاہ پشاور کے کتب خانہ میں ہے(فہرست مشترک ۳/ ۲۰۴۳)

ملفوظات کے علاوہ آپ کی کئی دقیق تصانیف بھی ہیں جن میں سے بعض کا مختصر تعارف کروایا جا رہا ہے:

۱۔ روضۃ الحسنیٰ۔ شرح نود و نہ اسماءِ الٰہی، بسال ۹۸۹ھ / ۱۵۸۱ء خطی، کتابخانہ اسلامیہ کالج پشاور (فہرست مشترک ۳/ ۱۵۳۵)

۲۔ عین المعانی۔ یہ بھی اسماء الحسنیٰ کی شرح ہے۔(فارسی نثر و نظم) پشاور اس کی ہر فصل میں قطعہ، فرد، رباعی اور مثنوی بھی بکثرت تحریر کی ہیں۔

خطی نسخوں کی تفصیل کے لیے دیکھیے فہرست مشترک ۳/ ۱۷۱۲ میں یہ کتاب طبع ہو چکی ہے۔

اس کتاب کا ایک خطی نسخہ سیّد راشد مذکور کے ذخیرہ میں ہے۔(برہانپور کے سندھی اولیاء ۶۳۔۶۹)

۳۔ انوار الاسرار۔ یہ صوفیانہ طرز کی تفسیر قرآن مجید ہے۔ جو عربی نثر میں ہے غوثی نے اس کے آغاز کی طویل عبارت نقل کی ہے (گلزار ابرار ۴۶ے۔ ۴۷۲)

۴۔ رسالہ حواسِ پنج گانہ۔ اس رسالہ میں آپ نے حضرات خمس کے ساتھ مطابقت دی ہے (ایضاً)

۵۔ حاشیہ بر انسان کامل۔ شیخ عبد الکریم جیلی کی اس کتاب پر آپ نے حواشی لکھے ہیں (ایضاً ۴۶۶)

۶۔ شرح فارسی قصیدہ بُردہ (ایضاً)

۷۔ رسالہ قبلۃ المذاہب الاربعہ مع اشارات اہلِ تصوف (ایضاً)

۸۔ حاشیہ بر شرح ضیائیہ۔ (حاشیہ بر شرح جامی اپنے فرزندِ بزرگ شیخ عبد الستار کو درس دینے کے دوران لکھا (ایضاً)

۹۔ فتح محمدی در علوم ما یتعلق بہ التفسیر (برائ فرزندِ اصغر خود شیخ فتح محمد تالیف شدہ بود)

۱۰۔ شرح مائۃ عامل، یہ شرح میر فتح اللہ شیرازی نے شروع کی تھی لیکن مکمل نہیں کر سکے تھے۔ آپ نے یہ شرح میر سید علی ابن عم قاضی نور اللہ شوستری کی فرمائش پر مکمل کی (ایضاً ۴۶۶)

۱۱۔ رسالہ عقود، اربابِ حدیث کے لیے حدیثوں کے شمار پر یہ رسالہ لکھا۔ (ایضاً ۴۶۶)

۱۲۔ شرح دور باعی (ایضاً ۴۶۶)

۱۳۔ ترجمہ اسرار الوحی۔ رسالہ اپنے کشف سے لکھا تھا۔ (ایضاً ۴۶۷)

یہ تمام ترکتب وہ ہیں جن کا ذکر غوثی نے اپنی تالیف گلزارِ ابرار میں کیا ہے جو ۱۰۲۲ھ / ۱۶۱۳ء کی تالیف ہے اس کے بعد آپ مزید ۹ سال بقیدِ حیات رہے یقیناً اور کتابیں بھی لکھی ہوں گی۔ لیکن سید راشد برہانپوری کو اس کے بعد کے صرف دو رسائل کا علم ہو سکا ہے۔ یعنی

۱۴۔ رسالہ وحدت الوجود۔ شیخ عبد اللہ بلیانی نے حدیث "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" کی شرح عربی میں لکھی تھی، یہ رسالہ اس کا فارسی میں ترجمہ ہے جو رسالہ عربی و فارسی کے برجستہ اشعار سے مزین ہے۔ اس کا خطی نسخہ سید راشد کے ذخیرۂ کتب میں ہے (برہان پور کے سندھی اولیاء ۷۳)

۱۵۔ رسالہ دقیقہ (در تعینات و حقیقت محمدیہ)

سید راشد نے یہ رسالہ مکمل طور پر اپنی کتاب میں نقل کر دیا ہے (ایضاً ۷۴۔ ۸۰) دیگر خطی نسخوں کی تفصیل کے لیے دیکھیے فہرستوارہ ۷/ ۳۵۶

مآخذ

۱۔ احمد منزوی: فہرستِ مشترک نسخہ ہائی خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد

۲۔ ایضاً: فہرستوار کتابہائی فارسی (ج ۷۔۸) تہران ۱۳۷۲ش

۳۔ حارثی، محمد بن رستم: تاریخ محمدی مرتبہ نثار احمد فاروقی۔ رامپور، ۲۰۰۳ء

۴۔ خلیل الرحمٰن: تاریخ برہانپور، برہانپور، ۱۳۱۶ھ

۵۔ رازی، عاقل خان: ثمرات الحیات (ملفوظات شاہ برہان الدین شطاری)، حیدر آباد، دکن

۶۔ راشد، سید محمد مطیع اللہ برہانپوری: برہانپور کے سندھی اولیاء، حیدر آباد، سندھ، ۱۹۵۷ء

۷۔ رحمٰن علی: تذکرہ علماء ہند تحقیق و ترجمہ محمد ایوب قادری، کراچی، ۱۹۵۶ء

۸۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر، حیدر آباد، دکن، ۱۹۵۵ء

۹۔ غوثی مانڈوی: گلزار ابرار، مرتبہ محمد ذکی، پٹنہ، ۲۰۰۱ء

۱۰۔ غلام سرور مفتی، لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، کانپور، ۱۸۷۳ء

11- Fatima Zehra Bilgrami: History of the Qadiri Order in India, Delhi, 2005

12- Rizvi, S.A.A: History of Sufism in India, Delhi, 1986.

13- Nizami, K.A: Shattari Saints and their attitude towards the state, Medieval India, Aligarh, 1950.

۲۳ مارچ ۲۰۱۱ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ سراج الدین عبد اللہ شطاری سندیلوی

شیخ سراج الدین عبد اللہ شطاری گیارہویں صدی ہجری / سترہویں صدی عیسوی کے ایک معروف شیخ طریقت، عالم اور کتبِ تصوف کے مؤلف تھے۔

صوفی عبد اللہ شطاری کے اجداد کا تعلق ہرات سے تھا ان کے والد کمال الدین پھول بن چاند بن جنید بن محمد برہان الدین بن عزالدین محمود بن نجم الدین احمد بن مولانا شمس الدین ہروی عثمانی تھے۔ آپ کے اجداد میں سے پہلے کون برصغیر پاکستان وہند آیا اس کا علم نہیں ہے، صوفی عبد اللہ شطاری کی ولادت لکھنو کے مضافات بسمت مغرب ایک قدیم قصبہ سندیلہ (Sandelah) میں، دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۹۲۴ھ / ۱۵۱۸ء کو ہوئی (گلزار ابرار ۴۱۶) ان کے مرید خاص نور الدین شطاری نے ۱۱ ربیع الآخر کی تاریخ درج کی ہے (مجالس ابرار) غوثی مانڈوی اور نور الدین دونوں شیخ صوفی عبد اللہ کے معاصر تھے لیکن نور الدین کو زیادہ قرب حاصل تھا اس لیے ان کے بیان کو ترجیح حاصل ہے۔

خدا طلبی کا جوہر ان میں قدرت نے ودیعت کیا تھا اس لیے ۹ سال کی عمر میں ہی تلاش شیخ میں نکلے اور مخدوم شیخ صفی سارن پوری (مرید شیخ مبارک سندیلوی، اخبار الاخیار ۲۸۶) کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی، پھر سولہ سال کی عمر میں اکتساب علوم ظاہری کے لیے قصبہ گوپامو (Gopamu) گئے جہاں ان کے خویش مادری شیخ الہ داد بن شیخ سعد اللہ عثمانی (سالِ وفات نامعلوم نزہۃ الخواطر ۴ / ۴۰) اور تحصیل کا آغاز کیا۔

ایک روحانی اشارہ پر خواجہ بدر الدین بدایونی کے مزار پر معتکف رہے، پھر اسی نوعیت کے اشارہ پر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار سے فیض یاب ہونے کے لیے دہلی کا رخ کیا، تو شہر کے دروازہ پر شیخ معز الدین بخاری سے ملاقات ہوئی انہوں نے بہت مہربانی کا سلوک کیا، اور کہا کہ روضہ مبارک پر حاضری کے دوران یہاں کے مدرس سے تحصیل بھی کرو، چنانچہ صوفی عبد اللہ وہاں ایک مدت تک مقیم رہے، روحانی اشارہ کے تحت ہی آپ نے

حصار جا کر مولانا برہان الدین ملتانی کی خدمت میں پڑھا اس دوران جب وہ گجرات احمد آباد گئے تو صوفی عبد اللہ شطاری نے وہاں جا کر بقیہ کتب کا درس لیا، وہیں مولانا شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی (ف ۹۹۸ھ / ۱۵۸۹ء) سے علومِ حکمیہ کی تحصیل کی، شیخ مبارک دانشمند شطاری گوالیاری اور میر عبد الاول دولت آبادی سے بھی پڑھا، فصوص الحکم کی اجازت مولانا مصطفیٰ رومی سے لی (گلزارِ ابرار ۴۱۷)

گویا بیس برس کی عمر تک تمام مروجہ علوم کی تحصیل سے فارغ ہو گئے اور پھر گوالیار میں ہی شاہ محمد غوث گوالیاری (ف ۹۷۰ھ / ۱۵۶۲ء) کی خدمت میں روحانی تعلیم کے لیے حاضر ہوئے، انہوں نے دو ماہ میں تمام اسباق لکھا کر ۹۵۰ھ / ۱۵۴۳ء کو خانقاہ کے درویشوں کی تعلیم و تربیت کے لیے متعین کیا، آپ دس سال تک اس خدمت میں مصروف رہے، پھر حج کے لیے حرمین الشریفین حاضر ہوئے اور کامل پانچ سال مدینہ منورہ میں رہ کر ریاضت کی، واپس احمد آباد (گجرات) آ کر شادی کی اور تقریباً پندرہ سال اسی شہر میں دعوت و ارشاد میں مصروف رہے ۹۸۱ھ / ۱۵۷۳ء کو اپنے شیخ شاہ محمد غوث کے مزار کی زیارت کے لیے گوالیار گئے اور دو سال تک روضہ شیخ پر معتکف رہے، اور ۹۸۳ھ / ۱۵۷۵ء کو آگرہ جا کر ٹمیا محل (Matia Mehal) کے قریب حجرۂ اعتکاف میں باقی تمام عمر بسر کر دی اور کہیں نہیں گئے۔ (ایضاً ۴۱۷)

صوفی سراج الدین عبد اللہ کا انتقال دو شنبہ ۲۳ جمادی الاول ۱۰۱۰ھ / ۱۶۰۱ء کو آگرہ ہی میں ہوا اور وصیت کے مطابق اپنے مذکورہ حجرۂ اعتکاف میں دفن کیے گئے (ایضاً ۴۱۷، مجالس الابرار ۲۱۹)

آپ کے ایک فرزند شیخ عبد النبی اکبر آبادی ایک فاضل اجل تھے، شیخ عبد الحی فرنگی محلی نے ان کی بہت سی عربی و فارسی تصانیف کا تذکرہ کیا ہے (طرب الاماثل ۲۲۷۔۲۲۹) شیخ عبد النبی نے اپنے والد صوفی عبد اللہ شطاری کے احوال پر ایک مستقل کتاب "جوامع کلم صوفی" کے نام سے لکھی تھی (گلزارِ ابرار ۴۱۸، نزہۃ الخواطر ۵ / ۲۶۱) ہندوستان کے کتابخانوں میں مخطوطات تصوف (شمارہ ۴۵، ۳۶۸، ۱۵۳۳)

شیخ سراج الدین عبد اللہ شطاری کئی کتابوں کے مؤلف تھے، انہوں نے اپنے شیخ شاہ محمد غوث گوالیاری کی کتاب جواہر خمسہ کی طرز پر سراج السالکین لکھی، دیگر تصانیف: اورادِ صوفیہ، رسالہ صوفیہ، انیس المسافرین، اسرار الدعوت، شرح رسالہ کنز الاسرار فی حل اشغال الشطار (گلزارِ ابرار ۴۱۸)

ان میں سے اسرار الدعوت کا خطی نسخہ کتابخانۂ قاضی عبداللہ فضلی شیر گڑھ، پاکستان میں موجود ہے (فہرست مشترک ۳/ ۱۳۴۵) جس میں مؤلف نے اپنے شیخ شاہ محمد غوث کے مرتب کردہ اوراد و وظائف سے استفادہ کیا ہے۔

انہی میں سے ایک رسالہ صوفیہ (رسالۂ عرفانی) کا خطی نسخہ کتابخانہ ضیاء العلوم سرمیدانی، شیخوپورہ پاکستان میں ہے (ایضاً۳/ ۱۴۹۲) جس کے آغاز میں مؤلف نے اپنا پورا نام بھی درج کیا ہے۔ صوفی عبداللہ شطاری نے بوارق الالماع فی تکفیر من یحرم السماع مؤلفہ احمد طوسی کا فارسی ترجمہ بھی کیا تھا، متن ترجمہ میں مترجم کا نام غلط طور پر عبداللہ شطاری لاہوری لکھا گیا ہے، اس ترجمہ کا خطی نسخہ کتابخانہ نیشنل میوزیم آف پاکستان، کراچی میں ہے (ایضاً۳/ ۱۳۲۲)

شیخ سراج الدین عبداللہ کے مکتوبات کا ایک مجموعہ مجال نام کے ایک عالم نے جمع کیا تھا جس کا خطی نسخہ کتابخانۂ آصفیہ حیدر آباد دکن میں ہے (ہندوستان کے کتابخانوں میں مخطوطاتِ تصوف، فہرست ص۹۵)

اسی طرح شیخ شطاری کے ملفوظات کا ایک مجموعہ مجالس الابرار کے نام سے ان کے مرید خاص شیخ نور الدین شطاری عرف قطب الدین عباسی نے مرتب کیا تھا جو شیخ کے حین حیات تالیف ہوا اس میں ملفوظات و سخنان کا آغاز جمادی الاول ۹۹۸ھ / ۱۵۲۲ء سے ہوتا ہے اور شیخ کے یوم وفات ۲۳ جمادی الاول ۱۰۱۰ھ / ۱۶۰۱ء کے فرمودات پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کا ایک خطی نسخہ مولانا محمد ہاشم جان مجددی، کوئٹہ پاکستان کے کتب خانہ میں دیکھا تھا۔

مآخذ

- معتمد خان حارثی بدخشی: تاریخ محمدی ج ۲ حصہ ۵ مرتبہ نثار احمد فارقی، رامپور، ۲۰۰۳ء

۱۔ احمد منزوی: فہرستِ مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء

۲۔ تصوف کے نادر مخطوطات پر سیمینار کے مقالات، پٹنہ، ۱۹۹۲ء

۳۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار مرتبہ علیم اشرف خان، تہران، ۱۳۸۴ش

۴۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر، حیدر آباد، دکن، ۱۹۵۴ء

۵۔ عبدالحی فرنگی محلی: طرب الاماثل تراجم الافاضل، لکھنو،۱۹۲۱ء

۶۔ غوثی مانڈوی: گلزارِ ابرار مرتبہ محمد ذکی، پٹنہ،۲۰۰۱ء

۷۔ محمد مسعود احمد: شاہ محمد غوث گوالیاری، میر پور خاص، پاکستان ۱۹۶۴ء

۸۔ نبی احمد سندیلوی: تذکرہ مشاہیر سندیلہ، لکھنو، ۱۹۷۶ء

۹۔ نورالدین عباسی شطاری: مجالس الابرار (ملفوظات شیخ سراج الدین عبداللہ)، خطی مملوکہ مولانا حافظ محمد ہاشم جان مجددی، کوئٹہ، پاکستان۔

۔ عبدالرحمٰن چشتی: مراۃ الاسرار، خطی مملوکہ مولوی محمد یعقوب فراہی، کوئٹہ، پاکستان

10- Fatima Zehra Bilgrami: History of the Qadiri order in India (16-18) Delhi, 2005.

11- Muhammad Latif: Agra, Calcutta, 1896.

۲۰ر اکتوبر ۲۰۰۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ برہان الدین برہانپوری (راز الٰہی)

شیخ برہان الدین برہانپوری گیارہویں صدی ہجری کے نامور عالم، صوفی اور مؤلف تھے۔ آپ نسباً امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے آپ کے والد شیخ کبیر محمد بن علی صدیقی گجراتی تھے۔ (ثمرات الحیات ص ۵)

شیخ برہان الدین کی ولادت ۹۹۸ھ / ۱۵۸۹ء کو موضع راجھی (Rajehi) از مواضع خاندیش (Khandesh) میں ہوئی اور نشو و نما دکن کے معروف شہر برہانپور (Burhanpur) میں ہوئی (ہمانجا ص ۵، برہانپور کے سندھی اولیاء ۲۶۳)

ابتداء میں ملک حسین بنبانی (Banbani) (ف ۱۰۱۱ھ / ۱۶۰۲ء) سے بیعت ہوئے۔ اس کے بعد شطاری سلسلہ کے معروف عالم و بزرگ صوفی شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی ثم برہانپوری ملقب بہ جُند اللہ (ف ۱۰۳۱ھ / ۱۶۲۲ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کامل پندرہ سال اپنے اس شیخ خدمت میں رہے (ثمرات الحیات ۶) مختلف علوم کی تحصیل بھی انہی کی سرپرستی میں کی۔ شیخ عیسیٰ جند اللہ شیخ عارف محمد لشکر کے خلیفہ تھے اور وہ شاہ محمد غوث گوالیاری کے جانشین تھے (مرآۃ العالم ۲ / ۴۰۸)

برہانپور میں شیخ برہان الدین راز الٰہی کی خانقاہ مریدوں کی تعلیم و تربیت کے لیے بہت مشہور تھی۔ اور نگزیب عالمگیر شہزادگی کے زمانے میں کئی بار شیخ برہان الدین سے ملا تھا۔ ایک بار ان کے پاس جاکر داراشکوہ کے ملحدانہ عقائد کے بارے میں تفصیلات بیان کیں اور تخت نشینی کی جنگ (۵۷۔۱۶۵۸ء) میں اورنگزیب نے اپنی کامیابی کے لیے دعا کی درخواست کی تو آپ نے اُسے بہت سی نصیحتوں کے ساتھ سلطنت کی بشارت دیتے ہوئے دعا دی۔ (منتخب اللباب ۲ / ۱۱، مرآۃ العالم ۲ / ۴۰۸)

شیخ برہان الدین کا لقب راز الٰہی تھا (ثمرات الحیات ص ۵)

ان کا وصال ۱۵ شعبان ۱۰۸۳ھ / ۱۶۷۲ء کو ہوا اور برہانپور میں انہیں ان کی خانقاہ میں ہی دفن کیا گیا۔

(منتخب اللباب ۲/ ۵۵۳۔ ۵۵۴، معارج الولایت ۶۶۵۔ الف)

عبداللہ خویشگی قصوری برہانپور میں شیخ برہان الدین سے کئی بار ملا تھا اور ان سے جواہر خمسہ کے اعمال کی اجازت لی تھی (معارج الولایت برگ ۵۶۵ الف، ب)

شیخ برہان الدین کئی کتبِ تصوف کے مؤلف تھے۔ نیز ان کے ملفوظات کے دو مجموعے بھی دریافت ہو چکے ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ پیم کہانی:

یہ کتاب عشق حقیقی کے موضوع پر ہے۔ ۴۵ دوہرے بزبانِ ہندی مؤلف کے پیش نظر تھے جن کی شرح فارسی نثر میں شیخ برہان الدین نے کی ہے۔ شارح نے صوفیہ کے اقوال، احادیث اور آیات بھی بطور سند پیش کرتے ہوئے اپنے مباحث کو مدلل بنایا ہے۔ اس کے علاوہ عراقی اور حافظ وغیرہ کے اشعار بھی شرح کے دوران نقل کیے ہیں۔ آخری عنوان "مناجات اہل نجات" ہے۔ اس شرح کا کچھ حصہ راشد برہانپوری نے اپنی کتاب برہانپوری کے سندھی اولیاء (ص ۳۰۹۔ ۳۱۷) نقل کیا ہے۔

۲۔ مکتوب:

شیخ برہان الدین کا یہ طویل مکتوب ایک مستقل رسالے سے کم نہیں ہے۔ ان کے معاصر سید عبدالرحمٰن نے آپ سے شریعت، طریقت اور حقیقت کی وضاحت چاہی تو اس کے جواب میں آپ نے عربی میں ایک مکتوب لکھا۔ اس کا پورا متن راشد برہانپوری نے محفوظ کر لیا ہے (ہمانجا ۳۱۸۔ ۳۲۷)

۳۔ وصیت نامہ:

یہ وصیت نامہ فارسی نثر میں ہے۔ اور عالمانہ نصائح اور مواعظ کا نمونہ بھی ہے۔ اس کا ملخص اُردو ترجمہ اور بعض اقتباسات بشیر احمد خان نے رسالہ معارف، اعظم گڑھ (۱۹۵۳ء) میں شائع کر دیے تھے۔

۴۔ شرح آمنت باللہ:

یہ رسالہ حدیث آمنت باللہ وملائکۃ وکتبہ و ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کی شرح پر مشتمل ہے۔ فارسی نظم ونثر دونوں کو اظہار مطالب کا ذریعہ بنایا ہے۔ شرح صوفیانہ ہے۔

اس شرح کے کئی خطی نسخے پاکستان کے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ (فہرست مشترک ۳/ ۱۵۷۹)

۵۔ ثمرات الحیات:

یہ شیخ برہان الدین رازِ الٰہی کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ جسے ان کے مرید میر علی عسکری مخاطب بہ نواب عاقل خان متخلص بہ رازی نے جمع کیا۔ اس کا سال ترتیب ۱۰۵۳ھ / ۱۶۴۳ء ہے۔ یعنی شیخ برہان الدین کے حین حیات مرتب ہوا تھا۔ (ثمرات الحیات ص ۴)

شیخ کے یہ ملفوظات فارسی نثر میں ہیں۔ نثر خاصی رواں اور برجستہ ہے۔ اس کے جامع خود شاعر، اورنگزیب کے منصب دار، مورخ[1] اور شیخ برہان الدین راز الٰہی کے خاص مرید تھے ان کے ساتھ عقیدت کی بناء پر ہی ان کے لقب رازِ الٰہی کی مناسبت نے اپنا تخلص رازی اختیار کیا تھا۔

یہ مجموعہ تصوف کے عمومی مسائل کے ساتھ ساتھ صاحب ملفوظات کے حالات کے لیے بھی درجہ اول کا ماخذ ہے۔ کئی مقامات پر اپنے مشائخ کا تذکرہ بھی کیا ہے (ص ۴۵) مکتوبات شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے بکثرت حوالے ملتے ہیں۔ ایک مقام پر لکھا ہے کہ یہ ایسی کتاب ہے جس کے مطالعہ سے ایک متلاشی کو مرشد مل جاتا ہے (ص ۳۲) ہر نئی بات کو ثمرہ کا عنوان دیا ہے حدود ۱۰۰ ثمرات ہوں گے۔

ثمرات الحیات کا ایک خوش خط ایڈیشن مطبع شمس الاسلام حیدر آباد، دکن سے طبع ہوا تھا۔

۶۔ روائح الانفاس:

یہ شیخ برہان الدین راز الٰہی کے ملفوظات کا دوسرا مجموعہ ہے۔ جسے ان کے ایک خلیفہ شیخ ابراہیم نے جمع کیا اور ان کی وفات کے بعد شیخ عبدالحی حسنی حسینی نے ان منتشر اوراق کو جمع کر کے ایک دیباچہ کا اضافہ کیا۔ اس

[1] مؤلف واقعات عالمگیری۔ یہ اورنگزیب عالمگیر کے عہد کی ابتدائی عہد تاریخ کے لیے درجہ اول کے ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کی تصحیح سے لاہور سے ۱۹۳۶ء میں طبع ہوئی۔

میں تحریر ہے کہ شیخ ابراہیم بن شیخ موسیٰ بن شیخ احمد (از نوادگان شیخ فرید الدین گنج شکر) اس کے مرتب ہیں۔

ان ملفوظات سے عہدِ شاہ جہان اور اورنگزیب کی سیاسی، مذہبی اور ثقافتی، و علمی سرگرمیوں کا علم ہوتا ہے۔ سلاطین و امراء کی شیخ برہان کی خانقاہ میں آمد و رفت اور کئی سیاسی امور پر بحث بھی اس میں شامل ہے۔ اس مجموعہ میں کئی ہندی دوہرے بھی ملتے ہیں۔ شیخ گفتگو کے دوران ہندی میں بھی وضاحت فرماتے تھے۔

اس مجموعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ برہان الدین فارسی میں شعر بھی کہتے تھے ان کا ایک شعر بھی نقل ہوا ہے جس میں انہوں نے برہان بطور تخلص استعمال کیا ہے (روائح الانفاس ۴۱)

ہر نئی بات کو "رایحہ" کا عنوان دیا ہے۔ اور حدود ۳۲۲ روائح پر مشتمل ہے۔

روائح الانفاس کے خطی نسخے نیشنل میوزیم کراچی، کتابخانہ گنج بخش، اسلام آباد اور کتابخانہ دانشگاہِ سندھ میں موجود ہیں۔ (فہرست مشترک ۳/ ۱۵۳۱)

مآخذ

۱۔ بختاور خان: مرآۃ العالم مرتبہ ساجدہ علوی۔ لاہور، ۱۹۷۹ء

۲۔ خافی خان، محمد ہاشم: منتخب اللباب، کلکتہ، ۱۸۷۴ء

۳۔ رازی، عاقل خان: ثمرات الحیات، حیدر آباد دکن، مطبع شمس الاسلام۔

۴۔ ایضاً: واقعاتِ عالمگیری مرتبہ عبد اللہ چغتائی، لاہور، ۱۹۳۶ء

۵۔ راشد، مطیع اللہ: برہانپور کے سندھی اولیاء، کراچی، ۱۹۵۷ء

۶۔ عبدی، عبد اللہ خویشگی قصوری: معارج الولایت، خطی، ذخیرۂ آذر، کتابخانہ دانشگاہِ پنجاب نمبر 25H

۷۔ ملکاپوری، عبد الجبار: محبوب ذی المنن تذکرہ اولیائے دکن، حیدر آباد، دکن، ۱۳۳۱ھ

۷ مئی ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ محمد اشرف شطاری لاہوری

سلسلہ شطاریہ کے موسس شیخ بایزید طیفور بسطامی (۱۳۶۔ ۲۳۱ھ / ۷۵۳۔ ۸۴۵ء) تھے۔ موصوف سکر کو صحو پر ترجیح دیتے تھے۔ ان کے طریقہ کی بنیاد عشقِ حقیقی تھی اس لیے اس سلسلہ کو ایران میں "طریقۂ عشقیہ" کا نام دیا گیا[1]۔ اسی طرح اس کے بانی کے نام کی مناسبت سے عجمی علاقوں میں "طیفوریہ" اور "بسطامیہ" بھی کہا گیا[2]۔

پاکستان و ہند میں اس سلسلے کے مروج شاہ عبداللہ (ف ۸۹۰ھ / ۱۴۸۵ء) تھے جو ایران سے یہاں آئے اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی اولاد میں سے تھے[3]۔ لیکن طریقۂ عشقیہ میں شیخ محمد عارف سے اجازت و خلافت حاصل تھی[4]، انہی سے شیخ محمد اشرف جہانگیر سمنانی (ف حدود ۸۳۲ھ / ۱۴۲۸ء) بھی اجازت یافتہ تھے[5]۔ لیکن شاہ عبداللہ سے ہی ہندوستان میں اس سلسلہ کی ترویج ہوئی اور اسے سلسلہ سہروردیہ کی بازگشت قرار دیا گیا[6]۔ شاہ عبداللہ پہلے بزرگ ہیں جن کے نام کے ساتھ نسبت "شطاری" لکھی گئی، لفظ "شطار" عربی زبان کا ہے جو شطر سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں ایک خاص سمت کی طرف مڑنا اسی طرح شطار کا مطلب ہے تیزی کے ساتھ حرکت کرنے والا اس سلسلے کے صوفیہ کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک طالبِ حق جو اس طریقہ سے تعلق

---

۱ گلزار ابرار ۱۶۱

۲ آئین اکبری ۲/ ۲۰۳

۳ شاہ عبداللہ بن حسام الدین بن رشید الدین بن ضیاء الدین بن نجم الدین بن جمال الدین ابن شیخ شہاب الدین عمر سہروردی (گلزار ابرار ۱۶۱)

۴ یعنی شاہ عبداللہ خلیفہ شیخ محمد عارف، شیخ خدا قلی ماوراء النہری، شیخ ابوالحسن عشقی، مولانا ابوالمظفر ترک، شیخ ابویزید اعرابی، شیخ محمد مغربی، شیخ بایزید بسطامی (گلزار ابرار ۱۶۱، لطائف اشرفی ۱/ ۳۸۹)

۵ لطائف اشرفی ۱/ ۳۸۹

۶ ایں سلسلہ از امام حضرت شیخ المشائخ ابایزید است (لطائف اشرفی ۱/ ۳۸۹)

رکھتا ہے پوری سرعت کے ساتھ تجلیاتِ الٰہیہ کا ادراک کر لیتا ہے جبکہ دیگر سلاسلِ سلوک میں عرفانی منازل درجہ بدرجہ طے ہوتی ہیں[1]۔

شاہ عبداللہ شطاری کے افکار و تجربات کو ان کے دو خلفاء شیخ محمد اعلاء، معروف بہ شیخ قاضن بنگالی اور شیخ حافظ جونپوری نے عملی شکل دی۔ اول الذکر کو زیادہ شہرت نصیب ہوئی۔ ان کے فرزند و جانشین شیخ ابوالفتح ہدایت اللہ سرمست (ف حدود ۹۴۶ھ / ۱۵۷۸ء) نے سلسلۂ شطاریہ کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کے بعد ان کے خلیفہ شیخ ظہور حمید الدین حضور (ف ۹۳۰ھ / ۱۵۲۳ء) نے اس سلسلے کو ترقی دی ان حضرات کی سرگرمیاں بہار اور اس کے نواح تک رہیں۔

حاجی حضور کے بعد ان کے خلیفۂ اعظم شاہ محمد غوث گوالیاری (ف ۹۷۰ھ / ۱۵۲۶ء) سے سلسلۂ شطاریہ کی خوب اشاعت ہوئی اور تقریباً سارے پاکستان و ہند میں ان کے خلفاء مصروفِ کار نظر آنے لگے۔ سلاطین و امراء بھی ان کے حلقہ بگوش تھے بابر، ہمایوں اور اکبر کو شاہ محمد غوث گوالیاری سے بڑی عقیدت تھی[2]۔

شاہ محمد غوث گوالیاری سے قبل اس سلسلے کو بہت کم اصحاب جانتے تھے[3] اس سلسلے کا اصل کام شاہ محمد غوث اور ان کے خلفاء نے انجام دیا۔

---

۱ گلزار ابرار، ۱۳۳

طریقہ شطار کی توضیحات کے لیے ملاحظہ ہو رسالہ شطاریہ جو اس سلسلے کے اعمال، اوراد اور روز مرہ کے معمولات پر مشتمل ہے یہ اہم رسالہ شیخ بہاء الدین ابراہیم شطاری (ف ۹۲۱ھ / ۱۵۱۵ء) کی تالیف ہے۔ اس رسالے کا مکمل متن ڈاکٹر محمد ادریس اعوان نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ احوال و آثار شیخ شاہ محمد غوث گوالیاری (ص ۲۲۲۔ ۲۰۲) میں شامل کر دیا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو جواہر الابرار، قلمی نسخہ مملوکہ مولانا محمد ہاشم جان مجددی، ٹنڈو سائیں داد، سندھ۔

۲ شاہ محمد غوث گوالیاری کے سلاطین و امراء سے تعلقات اور سیاسی معاملات میں ان حضرات کے عمل دخل کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

Nizami, K.A: The Shattari Saints and Their attitude towards the state. (Medieval India, Aligarh, Vol I, No 2, pp. 56 70)

نیز ملاحظہ کیجیے:

ا۔ محمد مسعود احمد: شاہ محمد غوث گوالیاری، میرپور، سندھ، ۱۹۶۴ء

ب۔ اعوان، محمد ادریس: احوال و آثار شاہ محمد غوث گوالیاری، پایان نامہ غیر مطبوعہ کتابخانہ دانشگاہ تہران، ایران (۱۹۷۲ء)

۳ شیخ اشرف جہانگیر سمنانی (ف حدود ۸۰۸ھ) کے ملفوظات لطائف اشرفی (۱/ ۳۸۹) میں ہے: ہر چند کہ ایں سلسلہ شہرت ندارد۔۔۔

شاہ محمد غوث گوالیاری کے خلفاء میں سے شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی ایک اجل عالم اور معروف صوفی تھے[1]۔ شیخ علوی کے ایک خلیفہ شیخ صبغۃ اللہ بہروچی[2] نے سلسلہ شطاریہ کو حرمین الشریفین میں پھیلایا ان کے مرید شیخ احمد قشاشی اور ان کے جانشین ملا شیخ ابراہیم قرانی کے ذریعے یہ سلسلہ جزائر انڈونیشیا، جاوا اور سماٹرا تک وسیع ہو گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی اس سلسلے کا خرقہ شیخ ابو طاہر کردی سے حاصل کیا اور سفر حجاز پر جاتے ہوئے جواہر خمسہ کے اعمال کی اجازت شیخ محمد اشرف لاہوری کے خلیفہ حاجی محمد سعید لاہوری سے لی[3]۔

سلسلہ شطاریہ کے افراد پاکستان و ہند کے بہت سے خطوں میں مصروفِ عمل تھے۔ پہلا مرکز بہار، پھر گجرات، گوالیار اور پنجاب کی سرزمین بھی ان کی عملی سرگرمیوں کا مرکز بنی رہی۔

متاخر شطاری روایات کے مطابق مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری اوچی (ف ۷۰۷۔ ۷۸۵ھ / ۱۳۸۴ء) نے اویسی طور پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ، سے اس سلسلے کو اخذ کیا تھا اور مخدوم جہانیان سے بابو تاج الدین بخاری کے اسی سلسلے میں فیض یاب ہونے کی روایت اگر صحیح ہے[4] تو اس سلسلہ کے شاہ عبداللہ شطاری (ف ۸۹۰ھ / ۱۴۸۵ء) سے بہت پہلے پنجاب کی سرزمین آشنا تھی۔ تاہم مخدوم جہانیان بخاری کے ذریعے پنجاب یا ہندوستان کے دیگر علاقوں میں اس سلسلے کی اشاعت کی تفصیلات نہیں ملتیں۔

شیخ وجیہ الدین گجراتی کے خلفاء میں سے دو براہِ راست پنجاب میں تشریف لائے اول سیّد ابو تراب معروف بہ شاہ گدا شطاری لاہوری (ف ۱۰۷۱ھ / ۱۶۶۰ء) جن کے چھ اکابر خلفاء پنجاب اور دیگر مقامات پر مصروفِ کار تھے[5]۔

---

۱ حالات کے لیے ملاحظہ ہو احوال مشائخ کبار، خلیفات

۲ ایضاً

۳ شاہ ولی اللہ: الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، ۱۵۶۔۱۵۹

۴ شاہ رضا شطاری لاہوری: ارشاد العاشقین قلمی ۹۰۔۹۱

شاہ رضا شطاری کا انتقال ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۶ء کو ہوا اور مذکورہ کتاب انہوں نے ۱۰۶۸ھ میں تالیف کی تھی۔

۵ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، ۲ / ۳۵ حدیقۃ الاولیاء ۱۹۷۔۱۹۸

دوسرے صاحبِ ملفوظاتِ حاضر شیخ محمد اشرف شطاری لاہوری کے دادا پیر شیخ بایزید ثانی پنجاب کے مردم خیز خطہ سرہند میں وارد ہوئے اور یہیں رہ کر دعوتِ ارشاد کا فریضہ انجام دیتے رہے[۱]۔ ان کے علاوہ دیگر شطاری بزرگوں میں سے شیخ قاضی محمد فاضل لاہوری بن شیخ اسد اللہ لاہور میں درس و تدریس اور افتاء کے فرائض ادا کرتے رہے ان کے فرزند شاہ رضا قادری شطاری لاہوری (ف ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۷ء) پنجاب کے نہایت معروف اور ذی علم مشائخ میں سے تھے۔ انہوں نے اس سلسلے کے اعمال، اشغال اور معمولات پر کئی اہم کتابیں تالیف کیں جن میں سے ارشاد السالکین اس موضوع پر ضخیم ترین کتاب ہے جو ۱۰۶۸ھ میں تالیف کی تھی[۲]۔

شاہ رضا قادری شطاری کے خلفاء میں سے شاہ عنایت قادری قصوری ثم لاہوری (ف حدود ۱۱۵۰ھ / ۱۷۳۸ء) ایک اجل عالم اور متعدد فقہی کتابوں کے مؤلف تھے[۳]۔ پنجابی کے معروف شاعر بلھے شاہ قصوری انہی کے نامور خلیفہ تھے[۴]۔ شاہ عنایت قادری کے ایک اور معاصر شطاری بزرگ شیخ فتح شاہ شطاری لاہوری (ف ۱۱۵۰ھ / ۱۷۳۸ء) بھی اس سلسلے کی اشاعت میں معروف رہے[۵]۔

پنجاب کے مرکز لاہور میں سلسلۂ شطاریہ کے قدیم ترین مشائخ میں سے شاہ گدا لاہوری کے بعد صاحبِ ملفوظاتِ حاضر شیخ محمد اشرف لاہوری ہی ہیں۔

شیخ محمد اشرف لاہوری نے اپنے والدِ گرامی کا نام شیخ یونس لکھا ہے[۶] موصوف کے آباو اجداد اور جائے مولود کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ مقامی روایات سے صرف اس قدر پتا چلتا ہے کہ شیخ محمد اشرف قوم کے ماچھی[۷] تھے اور ان کے اجداد ماہی گیری[۸] کا شغل تجارت رکھتے تھے۔

---

۱ حدیقۃ الاولیاء ۲۰۱

۲ ایضاً ۶۱۔۶۳، ارشاد السالکین، ص ۷۷، ۹۶ "معرف مرد ولی اتقیاء واعدہ رس" (نزہۃ الخواطر ۶ / ۳۰۵)

۳ ایضاً ۶۳ حواشی

۴ ایضاً ۶۹۔۷۰

۵ ایضاً ۲۰۰

۶ محمد اشرف لاہوری: جامع الفوائد قلمی، برگ ۱۔ الف

۷ چشتی، نور احمد: تحقیقات چشتی ۱۳۶

۸ علی الدین، مفتی: عبرت نامہ ۲ / ۷، تحقیقات چشتی ۳۶

شیخ محمد اشرف نے آغازِ شباب سے اپنے مرشد شیخ فرید ثانی سے منسلک ہونے تک کے واقعات خود لکھے ہیں جن کا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے:

خدا طلبی کے جذبے سے نکلا تو جہاں کہیں کسی صاحب دل کا سنا اس کی صحبت اختیار کر لی۔ شدید ریاضتیں کیں خطۂ سرہند میں پہنچا وہاں سے ہندوستان کے دیگر شہروں کا سفر بھی اسی مقصد سے کیا۔ لیکن کہیں بھی مطلوب حاصل نہ ہوا۔ پھر سرہند کی طرف واپس آیا۔ سرہند سے کچھ فاصلے پر ہی تھا کہ عالم رویا میں نبی کریم ﷺ نے امر فرمایا کہ تمہارا مقصود شیخ فرید ثانی ہیں ان کی خدمت میں سرہند جاؤ، میں اس حکم پر ان کی خدمت میں پہنچا۔ مسلسل پانچ روز تک ان کے پاس شب و روز بیٹھا رہا کوئی بات نہ کی حتیٰ کہ ایک روز تمام خواطر کو بشرح تمام بیان فرمایا۔ اور تعلیم سلوک کا آغاز کر دیا۔ اس طرح کچھ عرصہ ان کی خدمت میں رہ کر اخذ فیوض کا سلسلہ جاری رکھا۔ شیخ نے اپنی وفات اور ایام وصال کے دوران مجھے طلب کیا آپ ان دنوں سرہند سے ساٹھ ستر کروہ کے فاصلے پر واقع ایک قصبہ سلطان پور میں تھے۔ میں پہنچا تو فرمایا کہ تم پر اعتماد کامل ہے۔ اور یہ آرزو کی کہ اب تم شب و روز یہیں رہو میں وہیں عبادت و ریاضت میں مصروف ہو گیا ان دنوں میرا وہاں تیرہ یوم تک قیام رہا آخر ربیع الاول روز پنجشنبہ کو ان کا وصال ہو گیا۔ اس وقت ان کے دونوں صاحبزادے بھی حاضر تھے، شیخ فرید ثانی کو سرہند ہی میں ان کے مرشد شاہ بایزید ثانی کے روضہ سے متصل دفن کیا گیا۔ اور آپ کے دونوں صاحبزادے آپ کے جانشین بنے۔ اس کے بعد شیخ محمد اشرف اپنے وطن مولوف کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور لاہور میں قیام کر لیا جہاں ان کی اکثر فضلاء و صلحاء سے ملاقات رہنے لگی[1]۔

شیخ محمد اشرف لاہوری کے مرشد شیخ فرید ثانی ملقب بہ سلطان الموحدین تھے[2]۔ شیخ فرید کے نام کے ساتھ نسبت "کہروال" درج ہے[3]۔ جو قومی (قبائلی) نسبت ہے۔ اس کا تلفظ کہروال (Kahrwal) ہے جو امتداد زمانہ

ﺗﻮ ﻣﺎﮨﯽ ﮔﯿﺮ (Machhi) یعنی مچھلی کا کاروبار کرنے والی قوم کو کہیرے یعنی مچھلی پکڑنے والے کہتے ہیں۔ پنجاب کے مختلف اضلاع میں اس قوم کے افراد کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

Ibetson: The Tribes and casts of the panjab. pp. 306–7

۱ محمد اشرف لاہوری: جامع الفوائد، قلمی، ڈاکٹر ظہور الدین احمد خان: مراۃ العالم ۲/۳۱۸/ حدیقۃ الفریین ۸۲

۲ ایضاً

۳ ڈاکٹر خان: مراۃ العالم ۲/ ۳۱۸، حدیقۃ الفریین ۸۲

سے گھڑوال (Gharwal) معروف ہو گیا۔ یعنی ک گ سے بدل دیا گیا، دراصل یہ راجپوتوں کی ایک شاخ ہے جو پنجاب کے مختلف علاقوں میں آباد ہے[1]۔

شیخ فرید سرہندی کے والد شیخ بایزید سرہندی تھے جو براہِ راست شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی (ف ۹۹۸ھ) کے خلیفہ تھے اور انہوں نے شاہ وجیہہ الدین کے فرزند شاہ عبد اللہ شطاری گجراتی اور ان کے بیٹے شیخ حیدر سے بھی باطنی استفادہ کیا تھا[2]۔

چونکہ شاہ وجیہ الدین علوی خود ایک نامور عالم اور مدرس تھے اس لیے ان کے یہ خلیفہ یعنی شیخ بایزید سرہندی بھی ایک بڑے عالم اور درس و تدریس کے ماہر استاد تھے ۱۰۲۵ھ کو انتقال ہوا[3] سرہند میں دفن کیے گئے جہاں ان کا روضہ معروف ہے ان کا لقب سلطان المحققین تھا[4]۔ انہی کے فرزند و جانشین شیخ فرید ثانی سرہندی تھے جو اپنے والد ہی کے فیض یافتہ تھے[5]۔

شیخ فرید ثانی کے حالات مروجہ تذکروں نہیں ملتے ان کا وصال روز پنجشنبہ ماہ ربیع الاول میں ہوا[6]، شیخ محمد اشرف لاہوری جو بوقتِ وصال ان کی خدمت میں موجود تھے مذکورہ ماہ و یوم وصال تو لکھا ہے لیکن سالِ وفات نہیں دیا۔ کتاب تحفۃ السلاسل میں جو ۱۰۵۰ھ میں تالیف ہوئی تھی ان کے عرس کی تاریخ ماہ ربیع الاول ہی درج ہے[7]، جس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ موصوف ۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۰ء سے قبل فوت ہو چکے تھے۔ شیخ فرید کو بھی سرہند میں اپنے والد شیخ بایزید کے روضہ سے متصل ہی دفن کیا گیا[8]۔

---

1 Rose, H.R. (ed.) Glossary of tribes and casts of the panjab and..., Vol.II p.284

۲ تحفۃ السلاسل، قلمی ورق ۳ب۔ جامع الفوائد ورق ۱۹، الف ب، کتب ماثر

۳ محمد صادق کشمیری ہمدانی: طبقات شاہجہانی ۷۰۵ (طبقہ سوم)

۴ محمد اشرف لاہوری: جامع الفوائد۔ ورق ۱۹۔ الف

۵ شیخ فرید ثانی کی ولدیت شیخ بایزید سرہندی کا ثبوت معاصر تذکروں میں ملتا ہے، مثلاً جامع الفوائد، تحفۃ السلاسل۔ ورق ۱۸ب

۶ جامع الفوائد

۷ تحفۃ السلاسل ۷ب

۸ جامع الفوائد

شیخ فرید کے دو فرزند بیک وقت ان کے جانشین بنے یہی ان کی وصیت تھی[1] ان کے ایک فرزند کا نام شیخ عبد الملک[2] تھا۔ جو کئی مرتبہ اورنگزیب عالمگیر سے ملاقات کے لیے شیخ محمد اشرف لاہوری کی رفاقت میں حاضر ہوئے تھے[3]۔ ۱۰۷۵ھ / ۱۶۶۴ء کی ایک ملاقات میں عالمگیر نے انہیں دو ہزار روپے بطور انعام (نذر) دیئے تھے[4] شیخ عبد الملک کا ۱۱۰۲ھ / ۱۶۹۱ء کو سرہند میں انتقال ہوا[5]۔ شطاری سلسلہ کے بعض معتقدات کی بنا پر سرہند کے معروف نقشبندی بزرگ حضرت خواجہ معصوم سرہندی شیخ عبد الملک سے کبیدہ خاطر تھے[6]۔

انہی شیخ فرید ثانی سرہندی کے نامور خلیفہ شیخ محمد اشرف لاہوری تھے، اپنے سلسلے کے اعمال میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اورنگزیب عالمگیر ان سے بہت متاثر تھا، مقامی روایت کے مطابق وہ عالمگیر کے مصاحب بن گئے تھے[7]۔ لیکن معاصر کتب تاریخ میں ان کے کسی منصب کا ذکر نہیں ملتا، اورنگزیب عالمگیر کے کہنے پر یہ کئی مرتبہ اس کے دربار میں گئے اور انعامات سے نوازے گئے، ۱۰۷۴ھ / ۱۶۶۳ء کو عالمگیر نے ایک ملاقات کے دوران ایک ہزار روپے نذر کیے[8]، اسی طرح اگلے سال ۱۰۷۵ھ / ۱۶۶۴ء کو دربار میں انہیں تین ہزار روپے کا انعام (نذر) دیا گیا[9]۔ اورنگزیب کے علاوہ امراء اور لشکر شاہی کے افراد بھی شیخ محمد اشرف کے ارادت مند تھے۔ اورنگزیب کی مکرر استدعا پر دربار میں کئی بار گئے ایک مرتبہ کچھ عرصہ وہاں قیام بھی کیا لیکن اورنگزیب کے محل شاہی سے الگ حجرے میں مقیم رہے جہاں اورنگزیب امورِ سلطنت سے فراغت کے بعد تن تنہا حاضر ہو کر شیخ کے پند و نصائح سنتا تھا، اس

---

۱ ایضاً

۲ ان کا نام معاصر ماخذ مرآۃ العالم ۲/ ۱۸ء جامع القواعد اور احوال مشائخ کبار میں عبد الملک ہی درج ہوا ہے یہی نام عالمگیر نامہ ۸۷۲ میں آیا ہے صرف فرحت الناظرین ۸۲ میں ان کا نام عبد المالک لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

۳ مرآۃ العالم ۲/ ۳۱۸

۴ عبد الملک ـــــ بانعام دو ہزار روپیہ ـــــ بہرہ اندوز عاطفت گردید (عالمگیر نامہ ۸۷۲)

۵ فرحت الناظرین ۸۳

۶ ظہور احمد معصومی: مقامات معصومی تحقیق و تعلیق محمد اقبال مجددی ۱/ ۲۲۱، ۲۲۳، ۲/ ۳۴۔۳۵

۷ تحقیقات چشتی ۳۶۰

۸ تقوی شعار شیخ محمد اشرف لاہوری ـــــ بانعام یک ہزار روپیہ بہرہ اندوز مرحمت گشت (عالمگیر نامہ ۸۵۷)

۹ تقوی شعار شیخ محمد اشرف لاہوری بعطای سہ ہزار روپیہ ـــــ (عالمگیر نامہ ۸۸۵)

طویل صحبت کے بعد آپ اپنے وطن مولوف لاہور کے ارادے سے روانہ ہونے لگے تو مختلف ملاقاتوں کے دوران صرف اورنگزیب کی پیش کردہ نذر کی رقم اسی ہزار روپے تھی اس نقد کے علاوہ اجناس بھی تھیں دیگر امراء اور اہل لشکر نے بھی نذر و نیاز کی بارش کی، ان تمام انعامات کی باربرداری کے لیے بادشاہ نے بیس گھوڑے بھی دیئے جن پر لاد کر آپ یہ سب کچھ لاہور لے آئے یہاں آکر انہوں نے اس رقم سے ایک عالی شان مسجد اور وسیع خانقاہ تعمیر کروائی[1]۔

یہ خانقاہ و مسجد کب تعمیر ہوئی لاہور کے مقامی مورخین اس سلسلے میں خاموش ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ رنجیت سنگھ نے جب انہیں مسمار کیا[2] تو اس کے تاریخی کتبات بھی اسی وقت ٹوٹ کر ضائع ہوگئے، دوسرے اتنی بڑی رقم اور نذر و نیاز کا اندراج معاصر کتبِ تاریخ میں نہیں ہوسکا جب کہ اس سے پہلے ۱۰۷۴ھ اور ۱۰۷۵ھ میں ملنے والے انعامات کا تذکرہ عالمگیر نامہ مؤلفہ محمد کاظم شیرازی کے حوالے سے کیا جاچکا ہے۔ یہ کتاب عالمگیر کے پہلے دس سالہ واقعات یعنی ۱۰۷۸ھ / ۱۶۶۸ء پر مشتمل ہے۔ اگر اس دوران یہ رقم ملتی تو اس میں ضرور اس کا تذکرہ کیا جاتا معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ سنہ کے بعد یہ رقم دی گئی اور انہوں نے اسے اپنی وفات ۱۱۰۴ھ سے کچھ عرصہ پہلے تعمیر کروایا ہوگا۔ عہد عالمگیر کے متاخر مآخذ اور دیگر کتب تاریخ میں بھی اس کا ذکر نہیں ملتا۔ کاظم شیرازی کے بعد بختاور خان قدیم ترین مورخ ہے جس نے شیخ محمد اشرف لاہوری کو اورنگزیب سے انعام ملنے کا ذکر کیا ہے کہ "از پیشگاہ فضل و احسان مبلغ معتد بہ یافتہ"[3] بختاور خان نے مرآۃ العالم ۱۶۶۹ء اور ۱۶۸۰ء کے مابین تالیف کی تاہم اس میں بھی مذکورہ مقامی روایت کے مطابق انعام کی رقم کا تعین نہیں کیا گیا یہ کتاب بھی شیخ محمد اشرف کے حین حیات تالیف ہوئی تھی ہم قیاس کرسکتے ہیں کہ مذکورہ مسجد اور خانقاہ کی تعمیر ۱۶۸۰ء میں ہوئی۔

---

۱ محمد علی: قران السعدین، ورق ۱۰۰ب، ۱۰۱۔الف

"آنچہ سلطان اورنگزیب بوجہ نیاز گذرانیدہ بود گویند کہ ہشتاد ہزار روپیہ بود و اجناس دیگر ہم علاوہ آں کردہ واہل لشکر نیز۔۔۔ وجہ نیاز حاصل شدہ بود آوردن آں بوطن مالوف تعمیری داشت پادشاہ بیست محمل همراہ داد تا اموال و اثقال بر آنہا بار نمودہ بر سانند بجرد آمدن مسجد عالی نزہت و شکوہ و خانقاہ وسیع بنا کردہ کہ مشہور خاص و عام است" (قران السعدین ۱۰۰ب)

۲ تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

۳ مرآۃ العالم ۲/ ۴۱۸

شیخ محمد اشرف نے اپنی مسجد لاہور کے معروف دروازہ بھاٹی کے باہر بنوائی تھی' اس سلسلے کی قدیم ترین روایت مرآۃ العالم میں ہے کہ لاہور میں شیخ اشرف نے اپنی حویلی کے نزدیک عالی شان مسجد بنوائی اور ان کی اقامت بھی وہیں پر تھی[۱]۔ شیخ اشرف کی مسجد اور مزار کا لاہور کی شاندار عمارتوں میں شمار ہوتا تھا۔ ان کی اندرونی دیواروں پر ماربل استعمال کیا گیا تھا اور بیرونی حصے پر سرخ ٹائیلوں کا کام کیا گیا تھا جو اپنی خوبصورتی کے اعتبار سے اعلیٰ درجے کا تھا[۲]۔ مسجد اور مزار پر سنگِ مرمر لگایا گیا تھا۔ اندرونی حصے پر کانسی کاری کی گئی تھی[۳]۔

اس مسجد اور خانقاہ کے گرد اتنی وسیع آبادی ہو گئی تھی کہ یہ محلہ شیخ اشرف کے نام سے محلہ شاہ شرف کہلانے لگا۔ یہ محلہ بھاٹی دروازہ سے لے کر ضلع کچہری اور برف خانہ تک وسیع تھا[۴]۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ (۱۷۹۹ء-۱۸۳۹ء) کے عہد میں ۱۸۱۳ء / ۱۸۶۹ سمت تک بیرون بھاٹی دروازہ میں شیخ محمد اشرف کی یہ مسجد موجود تھی اور سردار جہاں داد خان کو جب رنجیت سنگھ نے لاہور بلایا تو اُسے اس مسجد سے متصل مہمان خانہ میں ٹھہرایا گیا تھا[۵]۔ لاہور شہر کو حملہ آوروں سے بچانے کے لیے اس کی فصیل کے گرد اگرد خندق کھودی گئی تو ضرورت محسوس ہوئی کہ بھاٹی دروازے کے باہر جہاں شیخ محمد اشرف کی یہ مسجد اور خانقاہ تھی ایک کھلا میدان ہو اس لیے رنجیت سنگھ کے حکم سے یہ مسجد اور خانقاہ مسمار کر دی گئی۔ اس کا بیش قیمت پتھر اتروا کر امرتسر کے گولڈن ٹیمپل کی آرائش کے لیے بھیج دیا گیا[۶]۔ شیخ محمد اشرف کی نعش نکلوا کر ان کے ایک خلیفہ حاجی محمد سعید کے مزار کے جوار میں دفن کی گئی یہ کام

---

۱ سوہن لال سوری: عمدۃ التواریخ ج ۲ / ۱۲۱

۲ مرآۃ العالم ج ۲ / ۲۱۸

3 M Latif Lahore, pp. 194

۴ کنہیا لال: تاریخ لاہور ۲۹۱

۵ [illegible] تاریخ پنجاب (اقتباس [illegible] لاہور)

۶ عمدۃ التواریخ ج ۲ / ۱۰۱ (ولیم مورکرافٹ Moorcraft نے مئی ۱۸۲۰ء میں لاہور پہنچ کر [illegible] فصیل کی مرمت کا کام جاری تھا اور شہر کے مزید دفاع کے لیے رنجیت سنگھ فصیل کے گرد ایک خندق بھی کھدوا رہا تھا (سفرنامہ مورکرافٹ ۱ / ۱۰۶) جس کا مطلب ہے کہ شیخ محمد اشرف کی مسجد اور خانقاہ قبل ۱۸۲۰ء مسمار کی گئی۔

۷ تاریخ لاہور ۲۹۱، محمد لطیف: لاہور ۱۹۴

رنجیت سنگھ نے اپنے طبیب فقیر نورالدین کی معرفت کروایا[1]۔ رنجیت سنگھ کے حکم سے مزار کے لیے ایک چبوترا بھی بنوایا گیا[2]۔

مقامی روایت کے مطابق شیخ محمد اشرف کا انتقال لاہور میں ۱۱۰۴ھ / ۹۲۔۱۶۹۳ء کو ہوا[3]۔ انہوں نے اپنی زندگی میں ہی اپنا مزار بنا لیا تھا[4]۔

ان ایام میں شیخ محمد اشرف لاہوری کا مزار جنرل پوسٹ آفس کے بالمقابل بنک سکوائر کے عقب میں آبادی کے اندر ہے۔ پہلے اس مزار پر ترخان قابض تھے پھر حاجی محمد سعید لاہوری کی دختری اولاد نے اس پر مقدمہ دائر کر کے اسے اپنی تحویل میں لے لیا۔ اور اب تک انہیں کے پاس ہے اور یہ چار دیواری مقفل رہتی ہے۔ شیخ محمد اشرف لاہوری کے فرزندوں کے حالات تو در کنار اسماء تک معلوم نہیں ہیں صرف اس قدر پتا چلتا ہے کہ اورنگزیب عالمگیر نے ان کے بیٹوں کی مدد معاش کے طور پر ایک گاؤں دیا تھا[5]۔ یہ گاؤں کہاں تھا معلوم نہیں ہے۔

شیخ محمد اشرف شطاری لاہوری کے بکثرت مریدین و خلفاء تھے امراء اور فوج کے بہت سے افسران بھی ان کے حلقہ بگوش تھے۔ لیکن افسوس کہ ان کے خلفاء کے اسماء محفوظ نہیں ہیں۔ صرف دو ناموں کا علم ہو سکا ہے۔ اول لاہور کے نامور عالم، صوفی اور مؤلف حاجی محمد سعید لاہوری اور کتابِ حاضر کے مؤلف شیخ سلیمان بن سعد اللہ۔

---

۱ ایضاً

۲ تاریخ لاہور ۸۳

۳ تاریخ لاہور ۸۳، محمد لطیف: لاہور ۱۹۳

محترمہ ساجدہ علوی نے سہواً شاہ شرف لاہوری بٹالوی متوفی ۱۱۳۷ھ کو شیخ محمد اشرف شطاری لاہوری سمجھ کر خزینۃ الاصفیاء (۱/ ۱۹۶) میں سے ان کا مذکورہ سالِ وفات لکھ دیا ہے (مرآۃ العالم ۱/ ۲۱۸ حاشیہ) اسی طرح عبداللہ چغتائی مرحوم نے سنہ شیخ اشرف متوفی ۱۰۲۲ھ مرید میاں میر لاہوری کو شیخ اشرف شطاری قیاس کر کے اس پر صحیح ہونے کا اصرار کیا ہے (لاہور سکھوں کے عہد میں ص ۶۶) جو غلط محض ہے بھلا ۱۰۲۲ھ میں فوت ہونے والے کا تعلق اورنگزیب عالمگیر سے کیسے ہو سکتا ہے؟

حاصل بحث یہ ہے کہ بیرون بھاٹی دروازہ لاہور کی معروف شخصیت اور کتاب حاضر کے صاحب ملفوظات شیخ محمد اشرف بن شیخ یونس لاہوری کا سالِ وفات ۱۱۰۴ھ ہی درست ہے اور شیخ شرف بٹالوی ثم لاہوری اور شیخ اشرف مرید میاں میر لاہوری الگ الگ شخصیتیں ہیں۔

۴ تاریخ لاہور ۲۹۲، ۸۳ کا بیان کہ اورنگزیب نے ان کا مزار بنوایا تھا (۲۹۱) لیکن دیگر بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ اشرف ۔۔۔ مزار خود تعمیر کرایا تھا ۔۔۔ مولف کے بیان میں تضاد ہے اول لکھا ہے کہ شیخ اشرف نے اپنا مقبرہ اپنی زندگی میں بنوایا (۸۳) دوسرا

۵ مرآۃ العالم ۲/ ۲۱۸، [illegible] ۸۲

میں نے حدیقۃ الاولیاء کے حواشی (ص ۲۰۱) میں شیخ عبدالملک کو شیخ محمد اشرف لاہوری کا فرزند لکھ دیا ہے جو غلط محض ہے حالانکہ شیخ عبدالملک تو شیخ فرید ثانی کے بیٹے تھے۔

حاجی محمد سعید لاہوری (ف ۱۱۶۲ھ / ۱۷۴۹ء) کئی سلاسل میں اجازت یافتہ تھے ان سے نامی گرامی علماء وصوفیہ نے فیض حاصل کیا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حج پر جاتے ہوئے جب لاہور سے گذرے تو انہوں نے جواہر خمسہ کے اعمال کی اجازت حاجی محمد سعید لاہوری سے حاصل کی[1]۔ اس طرح صوبہ سرحد کے ایک بڑے عالم شیخ محمد مسعود پشاوری بھی سلسلۂ شطاریہ میں حاجی محمد سعید لاہوری سے اجازت یافتہ تھے[2]۔ سندھ کے معروف عالم اور شیخ طریقت شاہ فقیر اللہ علوی شکارپوری (ف ۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۹ء) انہی شیخ محمد مسعود پشاوری کے خلیفہ تھے[3]۔

شیخ محمد اشرف شطاری لاہوری کے دوسرے مرید و خلیفہ شیخ سلیمان بن سعد اللہ تھے جو کتابِ حاضر کے مرتب و جامع ہیں[4]۔

شیخ محمد اشرف لاہوری یقیناً کئی کتابوں کے مؤلف ہوں گے لیکن افسوس کہ وہ دست بردِ زمانہ سے محفوظ نہیں رہ سکی ہیں اب تک ان کی صرف ایک تالیف جامع الفوائد، چند فارسی نظمیں اور ملفوظات کا صرف ایک مجموعہ یعنی احوالِ مشائخ کتاب ہی دستیاب ہو سکے ہیں جن کا مختصر سا تعارف کروایا جا رہا ہے:

جامع الفوائد:

یہ کتاب فارسی نثر میں ہے اور عمومی مسائلِ دینیہ پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے حسب ذیل نو ابواب ہیں:

بابِ اول در تفسیر کلام اللہ

بابِ دوم در خواص و فوائدِ بعضی آیات و سور، در بیان احادیث قدسی۔۔۔

بابِ سوم در بیان مطائباتِ آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام

بابِ چہارم در رفع سایہ آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام

بابِ پنجم در حقائق احوال انبیاء و علوِ شان آنحضرت علیٰ نبینا علیہم الصلوۃ والسلام

---

۱ شاہ ولی اللہ: الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، ص ۱۵۷-۱۵۸

۲ مکتوبات شاہ فقیر اللہ علوی شکارپوری ص ۳۱۶

۳ جواہر کے تفصیلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو مقالات مظہری ص ۳۰۷

۴ تفصیل احوال مشائخ کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیے۔

بابِ ششم در انکشافِ معنی العلم حجاب الاکبر

بابِ ہفتم در تالیفِ ادعیہ

بابِ ہشتم مشتمل بر غزل در مناجاتِ باری تعالیٰ وقصیدہ مدح سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین ومشائخ کرام قدس سرہم

بابِ نہم در تفسیر کلام مجید.........

مؤلف نے یہ کتاب لاہور میں تالیف کی اگرچہ ساری کتاب میں سالِ تصنیف کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ لیکن کتاب کے آغاز میں مؤلف نے ۲۱ اوراق میں اپنے ابتدائی روحانی حالات لکھے ہیں جن میں اپنے مرشد شیخ فرید ثانی سرہندی سے منسلک ہونے کی پوری تفصیل دی ہے اور ان کی وفات کا ذکر بھی کیا ہے لیکن سالِ وفات نہیں لکھا، انہی خود نوشت حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ موصوف نے یہ کتاب لاہور میں تالیف کی۔ اس سے قبل ہم یہ قیاس آرائی کر چکے ہیں کہ انہوں نے لاہور میں اس وقت مستقل قیام کیا جب وہ اورنگزیب سے اسی ہزار روپے لے کر لاہور آئے اور مسجد وخانقاہ کی تعمیر کی یہ زمانہ ہمارے قیاس کے مطابق ۱۶۸۰ھ / ۱۰۹۱ھ سے قبل کا ہے۔ اس لیے کتاب حدود ۱۰۹۱ھ اور وصالِ شیخ فرید ثانی حدود ۱۰۵۰ھ کے مابین تالیف ہوئی۔ شیخ اشرف کے یہ خود نوشت حالات جو جامع الفوائد میں شامل ہیں۔ اس سے مؤلف کا اندازِ تحریر بھی قارئین کو معلوم ہو جائے گا۔ اس کتاب کا اندازِ فہم وتفہیم آسان اور زبان وبیان بھی سہل ترین اختیار کیا گیا ہے۔

اس کتاب کا خطی نسخہ ہمارے ذاتی کتابخانے کی زینت ہے۔ اس کے کاتب بھی کتابِ حاضر یعنی احوالِ مشائخ کتاب ہی کے ہیں یعنی شیخ عبدالکریم بن حافظ عبدالحفیظ بن عارف باللہ حضرت شیخ محمد عارف ولد ابو طالب المعروفون بسمہ البھکبری اگرچہ سالِ کتابت درج نہیں ہے لیکن چونکہ احوال مشائخ کبار اور اس کتاب کے کاغذ وخط میں یکسانیت پائی جاتی ہے اور ایک ہی جلد میں مجلد ہیں اس لیے اس کا سال کتابت بھی ۱۱۵۷ھ ہی ہوگا۔

شیخ محمد اشرف کا شعری سرمایہ

شیخ محمد اشرف لاہوری فارسی میں شعر بھی کہتے تھے اور اشرف تخلص تھا۔ لیکن شعرائے فارسی کے مروجہ تذکروں میں نہ تو ان کا بحیثیتِ شاعر ذکر ملتا ہے اور نہ ہی کہیں ان کا کلام دیا گیا ہے فقط ان کی دو منظومات کا اب تک

سراغ ملا ہے جو انہوں نے اپنی کتاب جامع الفوائد میں درج کی ہیں ان میں ایک حمد باری تعالیٰ ہے اور دوسری نعت ہے۔ ان کے بارے میں شیخ اشرف نے کہا ہے کہ یہ منظومات خود ان کی تصنیف ہیں جامع الفوائد کا خطی نسخہ کرم خوردہ ہے جس کے باعث اس کے سارے شعر پڑھے نہیں جا سکے تاہم قابلِ قرأت شعر یہاں نقل کیے جا رہے ہیں۔

در مناجاتِ باری تعالیٰ عز اسمہ جل شانہ

علی عالی اعلیٰ مجد ماجد اعظم رحیم راحم ارحم کریم مکرم اکرم
بنہ اوراقِ فلکی بین بقرطاس زمین بنگر دو جزو اوراقِ را کاتب حروف ممکن عالم
بخلاقی و زاقی مسری عالم آمد بہ ستاری و غفاری پناہی ہر یک مردم
جمالِ حسن او پیدا بہر مظہر مبین شد ظہوری او بہر مظہر ولی در مظہر آدم
دلا در عشق او گوشی بہ بین احوالِ مدہوشی کہ مدہوشی بہوشی آرد نماید سر از مدغم
عنارا در رضا بہ سپر بہ تسلیمش ہمہ بنگر دوی خود از میاں خیزد ز غیریت بکن ماتم
فنارا چوں فنا دیدی بقاء کشتی بقاء دیدی بملکِ جاودانی رو ثبوت و سالم و اسلم
فنا در ذاتِ او خواہد بجان و دل فقیر اشرف دلی مجروح گریابد ز قربِ حق چنیں مرہم

قصیدہ حضرت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم

صبح ہدی وردمید از تتق مستقر شمس عطا برشد از طلعتِ نور البشر
مسندِ روی زمین باہمہ افگندگی گشت چو عرشِ برین از قدمش مفتخر
چتر ز لولاک بر فرقِ عظمتش فرق ز احمد احد بین ز عیونِ بصر
توبہ صد سالہ آدم و حوا کہ بود اسم محمد شفیع گشت ز راہِ خطر
میم سر ملکِ دین جا بحیاتِ ابد میم بملت شریف داد بدلہا خبر
نور فزائی بصدق اکبر صدیق زاں را ظلمتِ تشکیک کفر رفت بعدلِ عمر
عثمان صاحب نظر کحل ضیا در کشید چشم بقرآن کشاد کرد مرتب بسر
آنکہ بصر علوم منتسب باب شد ناد علیاً ندا یافت ز روی خبر

تیغ توابع ہمہ مشعل نوری ہدیٰ باز مشائخ کرام پیش روی راہبر

آنکہ بعظمت نہاد روی قدم بر رقاب شخص جہاں را بعین کردہ قدومش بصر

نقش بہ محبوبیش کرد سبحان درست ہر کہ ورا منکر است منفعل و بی خبر

شیخ کبیر المنیر شمع صفارا بہا عالم از و در گرفت عشق خدا سر بسر

عرصہ روی زمین گلش معنی ازو عاشق و عارف ازو منتظر یک قدر

مرشد راہِ خدا سرورِ دیں صفا شاہ فریدون زمان ملکِ بقارا قمر

ہر کہ زمین بوس او کرد از روئے صفا شد بصفِ عارفان مخزنِ گنج وگہر

بندۂ اشرف دعا خوان و ثنا ہر کجا بو کہ بقربِ حضور گاہ شود معتبر

در وصفِ رونق ایام پیری بخاطر در آمدہ نوشتہ شد

بعشق اندر جوانؔ چوں پیر گردد در اقلیم شہادت میر گردد

برائ چشم زخم ہر شیاطین قدش قوس و عصا چوں تیر گردد

شخصی بنفس چراغ راگل کرد بمجرد دیدن ایں مضمون بخاطر در آمدہ

چراغ چوں فروزد شعلۂ نار بیکدم می شود آں کشتہ چوں ناچار

دمی کہ سر دہی بی مطلبِ خاص وجودش ظلمت آرد از تن نار

بنام مردہ گرفتن حیات مطلب شد اگر بمردی خود زندہ دوئم شدہ ای

حمد و نعت اور دیگر اشعار سے صوفیانہ افکار صاف جھلکتے ہیں۔

احوالِ مشائخ کبار

یہ شیخ محمد اشرف شطاری لاہوری کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ جو ان کے حینِ حیات مرتب و جمع کیا گیا ہر جگہ شیخ اشرف کے نام کے ساتھ ان کی طوالتِ عمر کے لیے دعائیہ جملہ "مرشد الانامی مدظلہ السامی" لکھا ہے ساری کتاب میں کہیں سنہ درج نہیں ہے۔ اور نہ ہی مسلسل ملفوظات وسخنانِ شیخ کا مجموعہ معلوم ہوتا ہے بلکہ وقتاً فوقتاً شیخ کی

خدمت میں حاضری کے دوران جو گفتگو ہوئی وہ مؤلف نے قلم بند کرلی۔ ان ملفوظات کا موضوع شیخ محمد اشرف کے مشائخ کے مناقب اور ان کی کرامات کا بیان ہے۔

اس مجموعے میں کئی الفاظ اور مصرعے تک ہندی زبان کے بھی نقل ہوئے ہیں۔ فارسی میں ہندی الفاظ بھی استعمال کیے گئے ہیں اگرچہ اس مجموعہ کو عہدِ عالمگیر کا کوئی بہترین نثری نمونہ قرار نہیں دیا جاسکتا البتہ سبکِ ہندی اس کی نمایاں خصوصیت ہے۔ ابتداء میں اورنگ زیب کے لیے طویل القاب استعمال کیے گئے ہیں جو پاکستان وہند کے علماء ومشائخ کے سلاطین سے تعلقات کو سمجھنے کے لیے معاون ثابت ہوسکتے ہیں۔ ایک ملفوظ سے شیخ محمد اشرف لاہوری کی اورنگ زیب سے ناراضی کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ جس سے تحقیقاتِ چشتی میں درج ایک داستان کہ کس طرح اورنگزیب ان سے وقتی طور پر کبیدہ خاطر ہوا تھا تصدیق ہوتی ہے۔

اورنگزیب عالمگیر کے سارے ہندوستان کے تمام سلاسل کے صوفیہ سے تعلقات تھے کئی آزاد مشرب صوفیہ کا اس نے محاسبہ بھی کیا تھا۔ کئی علماء ومشائخ اورنگ زیب نے اپنی تصانیف میں نہایت اور شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ کتابِ حاضر میں بھی اُسے "مجددِ قوانینِ سنتِ نبوی موکد براہین شرعِ مصطفوی"۔۔۔ قرار دیا ہے جو حقائق کے عین مطابق ہے[1]۔

احوالِ مشائخ کبار کے جامع سلیمان بن شیخ سعد اللہ کے حالات مروجہ تذکروں میں نہیں ملتے ہیں انہوں نے رسالے کے آغاز میں اورنگزیب عالمگیر کے لیے جو طویل القاب لکھے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک صوفی ہونے کے ساتھ عالمگیر کے منصب دار بھی ہوں گے۔ ہم یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ کئی امراء اور اہل لشکر شیخ محمد اشرف کے ارادت مندوں میں شامل تھے اس لیے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہ سلیمان بھی کوئی منصب دار ہوں گے۔ اور شیخ محمد اشرف نے اورنگ زیب کی صحبت میں رہنے کا جو جواز پیش کیا تھا کہ میری سفارش سے بندگانِ خدا کے کام سنور جاتے ہیں، انہوں نے کئی اصحاب کی ملازمت کے لیے اورنگزیب سے سفارش بھی کی تھی[2]۔

---

۱ ان امور کی تفصیلات کے لیے حسنات الحرمین کا مقدمہ ملاحظہ کیجیے۔

۲ قران السعدین ورق ۱۰۰ ب ۱۰۱۔ الف

ہم نے کتبِ تاریخ میں اس نام کی شخصیتوں کو تلاش کیا تو ایک معاصر کتاب تاریخ محمدی میں ایک شیخ سلیمان کا حال ملا جسے متذکرہ بالا قیاسی دلائل کی روشنی میں ملفوظاتِ ہذا کے جامع سلیمان بن شیخ سعد اللہ ہونے کا قیاس کر لیا، دوسرے وہ شیخ محمد اشرف کے معاصر بھی ثابت ہوئے ان کے حالات یُوں درج ہیں:

"شیخ سلیمان مخاطب بہ فضائل خان، از فضلائ عصر و امرائ عالمگیر شاہی، در جمادی الاولیٰ (۱۱۰۳ھ) فوت شد، ہزار و پانصدی"

یعنی شیخ سلیمان جن کا خطاب فضائل خان تھا اپنے عہد کے فضلاء میں سے تھے اور عالمگیر نے انہیں ہزار و پانصدی کا منصب دیا تھا۔ جمادی الاول ۱۱۰۳ھ / ۱۶۹۲ء کو ان کا انتقال ہوا۔

ان کے ابتدائی حالات معلوم نہیں ہیں نہ ہی ان کے والد کا نام کتبِ تاریخ میں درج ہے صرف اس قدر معلوم ہے کہ موصوف داروغۂ عدالت تھے اور انہیں ۱۰۹۱ھ / ۸۰۔۱۶۸۱ء میں فضائل خان کا خطاب اورنگزیب نے دیا تھا[1]۔

شیخ سلیمان کے ایک نبیرے صبغۃ اللہ خان جو "داروغہ مستغیثان" میں سے تھے دہلی میں ۱۱۴۶ھ / ۱۷۳۳ء کو فوت ہوئے[2]۔

شیخ سلیمان نے اپنے والد کا نام شیخ سعد اللہ لکھا ہے۔ ہمارا قیاس ہے کہ یہ بھی شیخ محمد اشرف لاہوری سے منسلک ہوں گے، کیوں کہ شیخ محمد اشرف کی خانقاہ بیرون بھاٹی دروازہ کے جوار میں ایک حاجی سعد اللہ کی درگاہ موجود تھی۔ شیخ محمد اشرف کی خانقاہ کے مسمار ہونے سے پہلے کا ایک مشاہدہ مفتی علی الدین لاہوری نے درج کیا ہے:

درگاہ سید صدر دیوان بیرون شہر دروازہ شاہ عالمی است نزدیک ایشاں درگاہِ شیخ اشرف ماہی گیر و متصل آں چلہ حضرت فرید الدین شکر گنج و درگاہ حاجی سعد اللہ و نزدیک ایشاں متصل چوبارہ چجو بھگت[3]۔

---

۱ معتمد خان، محمد ساقی: مآثر عالمگیری ۱۸۹ مزید ماخذ کے لیے دیکھیے:

Mughal Nobility under Aurangzeb, pp. 255

۲ تاریخ محمدی ۸۲

۳ علی الدین: عبرت نامہ ۲ / ۷

تقریباً سارا علاقہ وہ ہے جسے محلہ شاہ اشرف (شرف) کہا جاتا تھا۔ اس لیے ہمارا قیاس یقین میں بدل جاتا ہے کہ شیخ سلیمان کے والد یہی حاجی سعد اللہ لاہوری ہی ہیں جن کی درگاہ محلہ شیخ اشرف میں ان کی خانقاہ کے جوار میں تھی اور یہ بھی یقین ہو جاتا ہے کہ یہ باپ بیٹا دونوں اسی سلسلے سے منسلک تھے۔

چھجو بھگت کا چوبارہ اس وقت میو ہسپتال لاہور کی حدود میں ہے اور اس کے سامنے تعمیر ہونے والی نیو چلڈرن وارڈ کے دائیں جانب جس قبر پر سبز رنگ کر دیا گیا ہے وہ انہی حاجی سعد اللہ کی درگاہ ہے۔

احوالِ مشائخ کبار کا خطی نسخہ ہمارے ذاتی کتابخانے میں ہے۔ اس کے کاتب بھی وہی شیخ عبدالرحیم ہیں جو جامع الفواد کے ہیں۔ اس کا سال کتابت ۱۱۵۷ھ ہے۔ یہ نسخہ نہایت بوسیدہ اور کرم خوردہ ہے۔ اس کا مطالعہ اور نقل ازبس مشکل تھی جابجا کرم خوردگی کے باعث کئی الفاظ پڑھے ہی نہیں جا سکے۔ اسے اس لیے شائع کیا جا رہا ہے کہ شاید اس کا کبھی اور دوسرا نسخہ دستیاب ہو تو اس سے تقابل کرنے میں مدد مل سکے۔

برادرم ڈاکٹر سیّد عارف نوشاہی خاص طور پر شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس کے ایسے الفاظ بھی پڑھ ڈالے جو بری طرح کرم کی نذر ہو چکے تھے، یہ انہی کی وقتِ نظر کا حاصل ہے کہ ایک تباہ شدہ مخطوطہ حیاتِ نو لے کر قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔

۱۴ اپریل ۱۹۹۸ء / ۱۴۱۸ھ

(احوال مشائخ کبار، مقدمہ، ناشر مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان)

شیخ شاہ محمد رضا شطاری لاہوری

شیخ محمد رضا ابن شیخ محمد فاضل بن اسد اللہ لاہوری قادری، لاہور کے نامور مشائخ میں سے تھے۔ موصوف اپنے والد شیخ محمد فاضل قادری لاہوری کے مرید و خلیفہ تھے، نیز انہوں نے اپنی تالیفات میں متعدد مشائخ سے ملاقات اور اجازت کا تذکرہ کیا ہے۔

شیخ محمد رضا کے والد لاہور کے قاضی تھے (نزہۃ الخواطر ۶/ ۳۰۵) اور والد کی وفات کے بعد انہیں بھی لاہور کا قاضی بنایا گیا تھا (ایضاً) شیخ محمد رضا شطاری نے اپنے والد کے علاوہ جن اصحاب سے فیض پایا ان میں سیّد نور (مرید سیّد محمد جلال وہو مرید شیخ عبدالرحمٰن وہو مرید شیخ الہداد)۔۔۔۔ (آداب مریدی برگ ۲۷ ب) یہ شیخ الہداد قادری اکبر آبادی تھے (ایضاً)

خود وضاحت کی ہے کہ مجھے تمام مروجہ سلاسل میں اپنے شیخ سے اجازت تھی، لکھتے ہیں شیخ الہداد قادری اکبر آبادی کے علاوہ شیخ محمد، شیخ شاہ اسماعیل، شیخ عبدالغفار صدیقی، شیخ شہباز محمد، بابو تاج الدین بخاری (ارشاد العاشقین، ۱۰۳۸ھ آخرین فصل)

شیخ محمد رضا کا سلسلۂ طریقت اپنے والد شیخ محمد فاضل سے اس طرح شاہ محمد غوث گوالیاری سے واصل ہوتا ہے:

شیخ محمد رضا مرید و خلیفہ شیخ محمد فاضل لاہوری وہ مرید شیخ الہ داد قادری اکبر آبادی وہ مرید شیخ محمد جلال اور وہ مرید سیّد نور اور وہ مرید سیّد زین العابدین حسینی اور وہ مرید شیخ عبدالغفور اور وہ مرید شیخ وجیہ الدین گجراتی اور وہ مرید تھے شاہ محمد غوث شطاری گوالیاری کے (حدیقۃ الاولیاء ۶۲۔۶۳)

شیخ محمد رضا شطاری قادری کا انتقال ۱۲ جمادی الاول ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۶ء کو ہوا اور لاہور میں دفن ہوئے (ایضاً ۶۳) اس وقت ان کا مزار نزد بھی بازار پولیس سٹیشن جج محمد لطیف سٹریٹ (لاہور) میں واقع ہے (ایضاً ۲۶۷)

شاہ محمد رضا شطاری لاہوری کی حسبِ ذیل تالیفات کا سراغ مل سکا ہے:

ا۔ آداب مریدی:

یہ فارسی نثر میں علم سلوک پر ہے۔اور مریدی کے آداب کے موضوع پر ایک عمدہ کتاب ہے۔ جس میں ابوب و فصول کے تحت اہم موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔ اس کا خطی نسخہ کتابخانہ گنج بخش مرکزِ تحقیقاتِ فارسی ایران وپاکستان (اسلام آباد) میں ہے نمبر ۵۳۱۹

۲۔ باغِ دنیا:

یہ کتاب بھی سیر و سلوک، مرید و مریدی، سماع اور آدابِ درویشی کے موضوع پر ہے۔ "باغِ دنیا" اس کا مادۂ تاریخ تالیف ہے جس سے ۱۰۶۸ھ برآمد ہوتے ہیں۔ گویا یہ کتاب انہوں نے اس سنہ میں تالیف کی۔ اس کا ایک خطی نسخہ نمبر ۳۶۸۸ کتابخانہ گنج بخش اسلام آباد میں ہے (فہرست مشترک ۳/ ۱۳۱۳)

۳۔ پاس انفاس:

یہ کتاب مولف نے شیخ عبدالرحمن بن اسحٰق کے لیے ۱۱ شوال ۴۵ جلوس عالمگیری (۱۱۱۳ھ/ ۱۷۰۲ء) میں تالیف کی اس میں صوفیہ کے آٹھ سلاسل کا بیان ہے۔ اس کتاب کے دو خطی نسخے کتابخانہ گنج بخش، اسلام آباد میں ہیں۔ (فہرست مشترک ۳/ ۱۳۲۸)

۴۔ ارشاد العاشقین:

اس کتاب میں سلسلۂ شطاریہ کے اوراد، وظائف، اشغال اور عملیات کو ابواب و فصول کے تحت یک جا کر دیا ہے۔ اس میں مؤلف کے مشائخ کی مشقیں اور ان کے اثرات بھی بیان ہوئے ہیں۔ "ارشاد العاشقین" اس کتاب کا تاریخی نام ہے جس میں سے ۱۰۶۷ھ برآمد ہوتا ہے (ورق ۲ الف ب) یہ کتاب مقدمہ، چہار مقالہ اور خاتمہ پر مشتمل ہے پھر کئی کئی فصول میں تقسیم ہوئے ہیں۔

مقدمۃ الکتاب در بیان معتقدات امورِ اسلامیہ واحوال خلفاء الرشدین ہے۔۔۔ بابِ نہم در بیان خواصِ حروف تہجی و مقالہ سیم در بیان بعضی عطایات والبرکات مرشدان کبار در فن مشرب شطار۔۔۔ وترتیب یافت ایں مقالہ بر مقدمہ و شش باب۔ اس باب میں مؤلف نے سلسلۂ شطاریہ میں بعض مشائخ کے تجربات اور اجازت نامے

بھی نقل کیے ہیں۔ باب ششم میں مؤلف نے احوال خرقہ وخلافت۔۔۔ اسی باب کی فصل چہارم در بیان ہشت شجرہ کہ از طرف مرشد دارد وایناں نیز از طرف ہر شجرہ خود دارند۔۔۔

مؤلف نے بتایا ہے کہ اس کتاب کا سنہ تالیف رمضان ۱۰۶۸ھ ہے لیکن "تقدیم، خیر اور تغیر و تبدل" کے باعث ۱۰۹۱ھ کا زمانہ آگیا ہے اسی دوران فرزند نے اپنے والد کی زیر نگرانی ۲۳ سال تک مشق کی اور اس تربیت کے بعد اُسے تکمیل کا مرحلہ نصیب ہوا۔ اس طرح مؤلف نے بتایا ہے کہ انہیں ان اعمال کی اجازت مرشدی شیخ عبدالواحد شاگرد و مرید مولوی شہباز محمد، شیخ محی الدین محمد منا خلیفہ مولوی شہباز محمد، مرشدی حاجی سکندر خلیفۂ شیخ محی الدین منا۔ مؤلف نے لکھا ہے کہ اس کتاب میں شامل بعض اعمال مطالع الطالبین تالیف شیخ محمد شریف قادری سے منقول ہیں۔ (ارشاد العاشقین ۸)

مطالع الطالبین کا وہ خطی نسخہ جو شاہ محمد رضا شطاری کے استعمال میں رہتا تھا اور اس پر کئی مقامات پر ان کے اپنے ہاتھ کی تحریریں ہیں کتابخانہ گنج بخش (اسلام آباد) نمبر ۱۱۳۶، میں محفوظ ہے ان تحریرات کا عکس ہم نے حدیقۃ الاولیاء (ص ۶۲) پر شائع کر دیا تھا۔

ارشاد العاشقین ۷۱۲ صفحات کا ایک ضخیم مخطوطہ ہے جس کا خطی نسخہ اس وقت جناب خلیل الرحمٰن داؤدی، لاہور پاکستان کے کتب خانے میں ہے، ہم نے اسی سے استفادہ کیا ہے، شاہ محمد رضا شطاری کے خلفاء میں سے شاہ عنایت قادری قصوری نے بہت شہرت حاصل کی جن کے خلیفہ پنجابی کے نامور صوفی شاعر بلھے شاہ قصوری گذرے ہیں (حدیقۃ الاولیاء ۶۳، ۶۹)

ان کے علاوہ مؤلف نے اپنی حسب ذیل دیگر تالیفات کے حوالے دیئے ہیں:

۱۔ تذکرۃ الاوراد ۲۔ خیر الاوراد

۳۔ متاع الفیض ۴۔ ہیکل نور

۵۔ ارشاد المریدین (فہرست مشترک ۳/ ۱۳۱۸)

مآخذ

۱۔ محمد رضا شطاری لاہوری: آداب مریدی۔ خطی نسخہ مخزونہ کتابخانہ گ ۔ ح ۔ ش، ۰ تحقیقات فارسی ایران و پاکستان۔ نمبر ۵۳۱۹ (اسلام آباد)

۲۔ ایضاً: باغِ دنیا، خطی۔ مخزونہ کتابخانہ گنج بخش (اسلام آباد) نمبر ۳۶۸۸

۳۔ ایضاً: پاس انفاس، خطی نسخہ در کتابخانہ گنج بخش اسلام آباد ۳۶۸۸ (ہم جلد)

۴۔ ایضاً: ارشاد العاشقین، قلمی نسخہ مملوکہ جناب خلیل الرحمٰن داؤدی، لاہور۔

۵۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء لکھنو ۱۸۷۳ء

۶۔ ایضاً: حدیقۃ الاولیاء تحقیق و تعلیق محمد اقبال مجددی لاہور ۱۹۷۶ء

جنوری ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شاہ عنایت قادری شطاری قصوری ثم لاہوری

شاہ عنایت قادری قصوری ثم لاہوری پنجاب کے بارہویں صدی ہجری / اٹھارہویں صدی عیسوی کے اکابر علماء و صوفیہ میں سے تھے، پنجابی کے مشہور شاعر بابا بلھے شاہ قصوری انہی کے خلیفہ تھے۔

شاہ عنایت نے اپنی کتابوں میں اپنا پورا نام یُوں لکھا ہے: ابو المعارف محمد عنایت اللہ حنفی قادری شطاری قصوری ثم لاہوری (غایۃ الحواشی، خطی)، آپ قرآن مجید کے حافظ بھی تھے (ذیل الاغلاط، خطی)، آپ کے اسلاف قوم باغبان (زمیندار) سے تعلق رکھتے تھے (خزینۃ الاصفیاء ۱۸۷)۔

شاہ عنایت نے ظاہری علوم کی تحصیل مولانا سیّد ابو النصر عرف سیّد الیاس اور مولوی عبد الہادی لاہوری (شارح شمائل النبویہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے کی۔ (غایۃ الحواشی، لطائف غیبیہ خطی، کلمات التامات خطی) اور سلوک کی تعلیم شیخ علی رضا فاروقی سرہندی (ف ۱۱۴۱ھ / ۱۷۲۸ء)، شیخ محمد سلطان بخاری اور شاہ محمد رضا لاہوری (ف ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۷ء) سے حاصل کی (لطائف غیبیہ، خطی، خزینۃ الاصفیا / ۱۸۹)

شاہ عنایت ۱۱۳۲ھ / ۱۷۲۰ء تک قصور میں رہے، پھر وہاں کے حاکم حسین خان خویشگی سے نزاع ہوئی اور آپ لاہور چلے آئے۔ (خزینۃ الاصفیاء، طبع اول لاہور ۱۸۶۔۱۸۷)

آپ کے اپنے معاصر علماء و مشائخ سے قریبی تعلقات تھے، حاجی محمد شریف قصوری (ف ۱۱۵۳ھ / ۱۷۴۰ء) سے علمی مراسلت تھی آپ نے حاجی محمد شریف کے جواب میں پانچ رسائل تالیف کیے، تمباکو نوشی کے موضوع پر بھی علماء خصوصاً حاجی محمد شریف سے مباحثہ ہوا تھا۔ (غلام حسین قصوری: شجرۃ الانساب۔ خطی مملوکہ مولوی محمد شفیع، لاہور)

شاہ عنایت کا سالِ وفات کسی معاصر تذکرہ نویس نے نہیں لکھا، سب سے پہلے مفتی غلام سرور لاہوری نے بغیر کسی حوالہ کے آپ کا سالِ وصال ۱۱۴۱ھ نظم کیا ہے (خزینۃ الاصفیاء ۱۸۷)۔ اس کے بعد تمام تذکرہ نویسوں نے

یہی سنہ لکھنا شروع کر دیا۔ لیکن یہ سالِ وفات اس لیے غلط ہے کہ شاہ عنایت کے ایک معاصر عالم حاجی محمد شریف قصوری جن کے ساتھ ان کے گہرے روابط کا ذکر کیا جا چکا ہے اپنے ایک مکتوب بنام شاہ عنایت میں شاہ عنایت قادری "سلمہ اللہ تعالیٰ" لکھ کر اپنی مہر "العبد الفقیر محمد شریف ۱۱۴۸ھ" ثبت کی ہے (مکتوب حاجی محمد شریف قصوری، خطی، مملوکہ ، محمد اقبال مجددی، لاہور) جس سے ظاہر ہے کہ شاہ عنایت ۱۱۴۸ھ / ۱۷۳۵ء تک بقید حیات تھے، اور تخمیناً ۱۱۵۰ھ / ۱۷۳۷ء کے بعد فوت ہوئے۔

شاہ عنایت قادری کے دو فرزند تھے اول محمد زاہد (غایۃ الحواشی، خطی ورق ۳ب) اور دوم محمد زمان (سلیم التواریخ ۳۷۴) پہلے فرزند سے اولاد کا سلسلہ جاری رہا۔ شاہ عنایت کے بہت سے خلفاء تھے جن میں پنجابی کے معروف شاعر بابا بلھے شاہ قصوری کا نام سرِ فہرست ہے (کلام بلھے شاہ ۴۹، ۵۴، ۶۲ وبہ بعد)

شاہ عنایت کی اب تک صرف مندرجۂ ذیل تصانیف کا سراغ مل سکا ہے:

۱۔ تنقیح المرام فی مبحث الوجود بسال ۱۱۱۰ھ (نزہۃ الخواطر ۶ / ۱۹۵)۔

۲۔ لطائفِ غیبیہ (فارسی نثر) بسال ۱۱۱۱ھ (در سلوک سلسلۂ شطاریہ)، قلمی مملوکہ جناب عبد الرشید قاسمی، لاہور۔

۳۔ اذکارِ قادریہ (فارسی نثر) خطی مخزونہ کتابخانۂ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ (ایوانوف: فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی کتابخانۂ مذکورہ شمارہ ۱۳۲۳۔

۴۔ غایۃ الحواشی (عربی نثر) حواشی بر شرح وقایہ بسال ۱۱۳۴ھ، قلمی، مخزونہ کتابخانۂ مرکزی دانشگاہِ پنجاب لاہور۔ شمارہ ۶۴۱۰، پنجاب یونیورسٹی لاہور کے پی ایچ ڈی کے طلبہ نے اسے ڈاکٹریٹ کے لیے مرتب کیا تھا جس میں سے محمد اشرف آصف جلالی کا مرتبہ حصہ شائع ہو چکا ہے، لاہور، ۲۰۰۶ء۔

۵۔ ملتقط الحقائق شرح کنز الدقائق۔

۶۔ مجموعۂ عرفانی شرح مجموعۂ سلطانی (فارسی نثر) قلمی مخزونہ ذخیرہ شیرانی کتابخانہ مرکزی دانشگاہ پنجاب لاہور، شمارہ ۶۵۷۔

۷۔ رسالہ فی حِلّ شرب الدخان (عربی نثر) در رد حاجی محمد شریف قصوری، خطی مملوکہ آقا عبدالرشید قاسمی، لاہور۔

۸۔ رسالہ فی حل تنباکو (عربی نثر)، قلمی مملوکہ جی معین الدین لاہور۔

۹۔ لباسِ برہنہ حواشی بعضی مقاماتِ مغلقہ فتاویٰ برہنہ تصنیف مولوی نصیر الدین لاہوری (فارسی نثر)، خطی، مملوکہ آقا سیّد محمد طیب ہمدانی، قصور۔

۱۰۔ دستور العمل (بحوالہ فوق: تذکرہ علمائے لاہور ص ۵۲)۔

۱۱۔ حواشی جواہر خمسہ، خطی مخزونہ کتابخانہ اسلامیہ کالج، پشاور یونیورسٹی، پشاور۔

۱۲۔ دستور العمل۔

۱۳۔ اصلاح العمل۔

۱۴۔ ارشاد الطالبین یہ کتب ہندوستان کی تقسیم سے پہلے میاں سراج دین شطاری (از اولادِ شاہ عنایت لاہور کے پاس تھیں جو درگاہ شاہ عنایت کے سجادہ نشین تھے۔ ان میں سے دستور العمل کتابخانہ گنج بخش، اسلام آباد، پاکستان میں ہے (فہرست مشترک ۳/ ۱۴۵۲)۔

۱۵۔ رد تحفۃ الاخوین (فارسی نثر) مخزونہ کتابخانہ مدرسہ مجددیہ نعیمیہ، کراچی (غایۃ الحواشی مرتبہ محمد اشرف آصف جلالی ۱/ ۲۶)۔

مجموعہ رسائل شاہ عنایت قادری، خطی اس میں مندرجہ رسائل شامل ہیں:

۱۶۔ رسالہ در مسئلہ حربی ودارالحرب بجواب مکتوب حاجی محمد شریف قصوری (فارسی نثر)۔

اس میں ہندوستان کی اس وقت کی فضا کے پیش نظر ہندوستان کے ہندو اکثریت والے صوبوں کو دارالحرب قرار دیتے ہوئے بتایا ہے کہ اس وقت مرکزی حکومت بہت کمزور ہو گئی ہے، اقوام راجپوت اور برار اعلانیہ علاماتِ کفر کے مرتکب ہیں۔

۱۷۔ ذیل الاغلاط فی مسائل الغصب بالافراط (فارسی نثر) دررد حاجی محمد شریف قصوری۔

۱۸۔ کلمات التامات فی ردِ مطاعن الثقات (عربی نثر) دررد حاجی محمد شریف قصوری۔

۱۹۔ رسالہ ہبۃ الطاعات (عربی نثر) دررد حاجی محمد شریف قصوری۔

۲۰۔ رسالہ فی ردِ من قال ان الدعاء فی الرزق کفر (عربی نثر)

مآخذ

۱۔ شاہ عنایت قادری: مجموعہ رسائل، خطی، مخزونہ کتابخانہ لاہور میوزیم، لاہور شمارہ ۷۵۰

۲۔ غلام رسول قصوری، شجرۃ الانساب، خطی، مخزونہ نیشنل میوزیم آف پاکستان، کراچی۔

۳۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لاہور ۱۲۸۴ھ

۴۔ رحمٰن علی: تذکرۂ علمائے ہند اُردو ترجمہ وحواشی محمد ایوب قادری، کراچی، ۱۹۶۱ء

۵۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر، حیدر آباد، دکن، ۱۹۵۷ء

۶۔ فقیر محمد جہلمی: حدائق الحنفیہ، لکھنو، ۱۹۰۶ء

۷۔ محمد شفیع لاہوری: اولیائے قصور، لاہور، ۱۹۷۲ء

۸۔ بلھے شاہ قصوری: کلام بلھے شاہ، مرتبہ نذیر احمد، لاہور،

۹۔ فوق، محمد دین: تذکرہ علمائے لاہور، لاہور، ۱۹۲۰ء

۱۰۔ اکبر علی: سلیم التواریخ، امرتسر، ۱۹۱۹ء

۱۱۔ اخلاق احمد، میاں، تذکرہ شاہ عنایت قادری، لاہور، ۱۹۸۳ء

12- Ivanow: Cat. Persian MSS. of Asiatic Society, Calcutta, 1924.

۲۶ فروری ۲۰۱۱ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ، تہران، ایران

سلسلہ سہروردیہ،

فردوسیہ، مغربیہ

شیخ مخدوم احمد چرمپوش سہروردی

مخدوم احمد چرمپوش آٹھویں صدی ہجری کے ایک سہروردی شیخ طریقت تھے۔ مخدوم احمد کے والد مخدوم سیّد موسیٰ رضا تھے۔ مخدوم احمد کی والدہ بی بی حبیبہ معروف صوفی بزرگ مخدوم شہاب الدین جگجوت (Jagjot) کی بیٹی تھیں، اس طرح مخدوم جگجوت مخدوم احمد کے نانا ہوئے۔

مخدوم احمد، فردوسی سلسلہ کے نامور عالم وصوفی مخدوم شیخ شرف الدین یحیٰ منیری (متوفی ۷۸۲ھ / ۱۳۷۸ء) کے خالہ زاد بھائی تھے۔ (مرآۃ الکونین ۳۴۹، وسیلۂ شرف ۵۸)

مخدوم احمد چرمپوش کی بہار میں الگ خانقاہ تھی جہاں مریدوں کی تعلیم وتربیت کے ساتھ درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری تھا۔

مخدوم احمد نے طویل سفر کیے اور وسطی ایشیا سے ہوتے ہوئے واپس ہندوستان آئے تو فیروز شاہ تغلق (۷۵۲۔۷۹۰ھ / ۱۳۵۱۔۱۳۸۸ء) کی حکومت تھی سلطانِ فیروز شاہ ان سے بہت متاثر تھا۔ اور اس نے خانقاہ میں جاکر مخدوم احمد سے ملاقات کی تھی۔ مخدوم احمد ہر موسم میں چمڑے (Leather) کا لباس پہنتے تھے اس لیے چرمپوش مشہور ہوگئے۔ (مرآۃ الکونین ۳۴۹)

مخدوم احمد چرمپوش نہایت درجہ راسخ العقیدہ سنی مسلمان تھے اور باقی تمام فرقوں کو باطل قرار دیتے تھے۔

مخدوم احمد کی خانقاہ بہار میں مرجع خلائق تھی۔ آپ کے خلفاء اور مریدین کی بہت بڑی تعداد تھی لیکن اس کی تفصیلات نہیں ملتی ہیں۔ مخدوم شرف الدین یحیٰ منیری کے ملفوظات مونس القلوب میں کئی بار ان کا ذکر بڑے احترام سے آیا ہے۔

مخدوم شیخ احمد چرمپوش کا انتقال ۷۷۶ھ / ۱۳۷۵ء کو ہوا مخدوم منیری بھی اس موقع پر حاضر اور تدفین کے عمل میں شریک تھے (وسیلہ شرف ۵۸)

مخدوم احمد کا روضہ محلہ انبیر (Anbir) بہار میں واقع ہے۔ (تاریخ سلسلۂ فردوسیہ ۲۴۴، وسیلۂ شرف ۵۸)

مخدوم احمد کی تالیفات میں سے ایک دیوان اور ملفوظات یادگار ہیں۔

ضیاء القلوب

یہ مخدوم احمد چرمپوش کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ جو فارسی نثر میں ہے۔ اس کے جامع مخدوم کے خلیفہ شیخ علاء الدین علی بن ابراہیم ہیں۔ ان ملفوظات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں میں کس قدر غیر اسلامی رسم ورواج اور بدعات راہ پائی تھیں۔ مسلمان کو راسخ العقیدہ رہنے کی بار بار تلقین کی گئی ہے۔ بدعتی فرقوں کو بالکلیہ باطل قرار دیا گیا ہے۔

ضیاء القلوب کا فارسی متن تاحال طبع نہیں ہوا بہار سے ۱۳۲۱ھ میں اس کا ملخص اُردو ترجمہ چھپا تھا جس کی عبارت کافی بے ربط سی ہے۔

دیوان احمد

مخدوم احمد چرمپوش فارسی شاعر بھی تھے اور احمد تخلص کرتے تھے۔ اس شعری مجموعہ میں زیادہ تر کلام صوفیانہ ہے۔ مخدوم حافظ شیرازی کے معاصر تھے اس لیے کلام میں حافظ کا رنگ بھی کہیں کہیں جھلکتا ہے۔ مخدوم احمد کا دیوان مطبع نولکشور لکھنو سے کئی بار طبع ہو چکا ہے۔ لیکن افسوس کہ ان کے کلام میں معروف ایرانی صوفی اور شاعر شیخ احمد جام زندہ پیل کا کلام اس طرح ملا دیا گیا ہے کہ اسے الگ کرنا دشوار ہے۔ جب تک شیخ احمد کا کلام الگ سے قدیم نسخے کی صورت میں دستیاب نہ ہو اس وقت تک ان کی شاعری کی قدر وافادیت کا انداز، بھی بظاہر ممکن نہیں ہے۔ مخدوم احمد کے دیوان کا ایک خطی نسخہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور پٹنہ میں محفوظ ہے۔

ماٰخذ

۱۔ احمد چرمپوش: دیوان (منسوب بہ مخدوم احمد چرمپوش و شیخ احمد جام) نولکشور ۱۳۰۵ھ

۲۔ دردائی، محمد معین الدین: تاریخ سلسلۂ فردوسیہ، گیا ۱۹۶۲ء

۳۔ صوفی، شاہ فرزند علی منیری: وسیلۂ شرف وذریعۂ دولت مرتبہ محمد طیب ابدال، پٹنہ ۱۹۶۵ء

۴۔ علاء الدین علی: ضیاء القلوب تلخیص وترجمہ اُردو، بہار ۱۳۲۱ھ

۵۔ غلام نبی فردوسی: مرآۃ الکونین (تذکرۂ صوفیہ) لکھنؤ، مطبع نولکشور ۱۹۱۰ء

۲ راپریل ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ امیر ماہ، سیّد افضل الدین ابو جعفر

امیر ماہ آٹھویں صدی ہجری کے معروف صوفی عالم اور مولف تھے۔

امیر ماہ امام زین العابدین کی اولاد میں سے تھے۔ یعنی سیّد افضل الدین ابو جعفر امیر ماہ بن سیّد نظام الدین بن سیّد حسام الدین۔۔۔۔ (آئینہ اودھ ۱۵۴)

امیر ماہ کے اجداد بغداد کے رہنے والے تھے ۶۵۷ھ / ۱۳۵۸ء میں جب ہلاکو خان (۶۵۴۔ ۶۶۳ھ / ۱۲۵۶۔ ۱۲۶۵ء) نے بغداد پر حملہ کر کے اسے تباہ و برباد کیا تو ان کے والد سیّد نظام الدین بغداد سے ہجرت کر کے براستہ غزنی ہندوستان وارد ہوئے۔ پہلے لاہور میں قیام کیا اور پھر دہلی چلے گئے۔ اس وقت سلطان غیاث الدین بلبن (۶۶۴۔ ۶۸۴ھ / ۱۲۶۶ھ / ۱۲۸۷ء) کی حکومت تھی۔ اس نے سیادت و بزرگی کے اعتراف میں ان کا کچھ وظیفہ مقرر کر دیا۔ (ہمانجا ۱۵۴، مرآۃ الاسرار برگ ۲۸۸۔ الف، ب)

سلطان محمد شاہ تغلق (۷۲۵۔ ۷۵۲ھ / ۱۳۲۵۔ ۱۳۵۱ء) نے جب دہلی کے علماء و مشائخ کو پھر دکن کی طرف جانے کا حکم دیا تو امیر ماہ کے والد نے دکن جانے کی بجائے اودھ کے ایک پر فضا مقام بہرائچ (Pah-raich یو پی ہندوستان کے قصبات میں سے ایک قصبہ) کو پسند کیا اور وہیں طرح اقامت ڈال دی۔ امیر ماہ کے والد ایک عظیم الشان صوفی اور بلند مقامات کے مالک شیخ تھے بہرائچ ہی میں دفن ہیں (مرآۃ الاسرار، برگ ۲۸۸ ب)

امیر ماہ کی ولادت بہرائچ میں ہوئی، انہوں نے بہرائچ کو اپنا مولد و منشاء خود لکھا ہے۔ (مطلوب فی عشق المحبوب، محولہ در مرآۃ الاسرار، برگ ۳۸۹۔ الف)

---

[1] آئینہ اودھ میں والد کی بجائے دادا سیّد حسام الدین کی ہجرت کا ذکر ہے جبکہ قریب العہد ماخذ مرآۃ الاسرار میں ان کے والد سیّد نظام الدین کے بغداد سے ہجرت کر کے وارد ہند ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ محمد دلی

تعلیم وتربیت کے بعد امیر ماہ میر سیّد علاء الدین جاوری سہروردی سے بیعت ہوئے اور پھر خلافت یاب بھی۔ شیخ جاوری اکابر مشائخ میں سے تھے اور براہِ راست شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے خلیفہ تھے۔ دہلی کے قریب قصبہ جاور میں مدفون ہیں (مرآۃ الاسرار ۲۸۸ ب)

شیخ جاوری کے علاوہ امیر ماہ نے شیخ جمال نبیرۂ شیخ نظام الدین ابو المؤید کی صحبت میں بھی کچھ وقت گذارا تھا (ہمانجا ۲۸۸ ب)

امیر ماہ نے کمال وتکمیل کے بعد بہرائچ میں خانقاہ بنائی اور مریدین کی تعلیم وتربیت میں مصروف ہو گئے۔ (ہمانجا ۲۸۸۔ ۲۸۹ الف ب)

سلطان فیروز شاہ تغلق (۷۵۲۔ ۷۹۰ھ / ۱۳۵۱۔ ۱۳۸۸ء) جسے صوفیہ سے بڑی عقیدت تھی جب ۷۵۳ھ / ۱۳۵۳ء میں بنگال کے سفر پر جاتے ہوئے بہرائچ پہنچا تو امیر ماہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا اور خوب گرم بحث میں سلطان کے بعض شکوک وشبہات رفع کیے، اس ملاقات کے بعد سلطان کا دنیا سے دل سرد پڑ گیا۔ اور اس پر مذہبیت کا غلبہ ہو گیا تھا۔ (مرآۃ الاسرار ۲۸۹ ب مرآۃِ مسعودی ۹۹ تاریخ فیروز شاہی عفیف ۷۳ ۳ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ۴۱۴)

سلطان فیروز شاہ تغلق نے امیر ماہ کی خانقاہ کے مصارف کے لیے اودھ کے چند دیہات دیئے ان کے بیٹے بھی پابندِ شرع صوفی اور اپنے والد کی طرح دعوت وارشاد میں مصروف رہتے۔ (آئینۂ اودھ ۱۵۴۔ ۱۵۵)

نواب شجاع الدولہ (۱۷۳۱۔ ۱۷۷۵ء) کے عہد تک اس خانقاہ کے سجادہ نشین اجداد کی علمی وروحانی روایت رکھے ہوئے تھے۔ جب نواب مذکور نے ان کی جائیداد کی ضبطی کے احکام جاری کیے تو انہوں نے اپنا مذہب بدل کر مذہبِ امامیہ اختیار کر لیا۔ جس سے ان کی نصف جائیداد بچ گئی۔ اب ان کی خانقاہ میں جو دعوت وارشاد کا مرکز تھی تعزیہ داری کی مجالس منعقد کرنے لگے۔ پھر نواب سعادت علی خان (۱۲۱۲۔ ۱۲۳۹ھ / ۱۷۹۸۔ ۱۸۱۴ء) کے عہد میں باقی جائیداد بھی ضبط ہو گئی (آئینۂ اودھ ۱۵۵)

معروف صوفی شیخ عین الدین قتال بن شیخ سعد اللہ کیسہ دراز، امیر ماہ کے خلیفہ تھے (مرآۃ الاسرار ۲۸۸ ب) دیگر خلفاء کے حالات بھی تذکروں میں ملتے ہیں۔

امیر ماہ نے طویل عمر پائی تھی شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی (ف ۷۵۷ھ / ۱۳۵۶ء) اور شیخ اشرف جہانگیر سمنانی سے ملاقات بھی ہوئی تھی۔ شیخ اشرف جہانگیر نے اپنے مکتوب میں امیر ماہ کی پاکیزگی باطن کا ذکر کیا ہے۔(مکتوبات اشرف جہانگیر سمنانی محولہ مرآۃ الاسرار ۲۸۹۔الف)

امیر ماہ کی اولاد میں سے میر سید احمد جہانگیر کے زمانے میں سرگرم عمل صوفی تھے۔ شیخ عبدالرحمٰن چشتی کے زمانے میں اس خاندان کے ایک فرد میر سید علاء الدین صلاح و تقویٰ سے آراستہ بزرگ بہرائچ میں امیر ماہ کی خانقاہ کے سجادہ نشین تھے۔(ہمانجا ۲۸۹ب)

شیخ عبدالرحمٰن چشتی کے ایک بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ امیر ماہ کئی کتابوں کے مصنف تھے لیکن انہوں نے ان کے صرف ایک رسالے المطلوب فی عشق المحبوب کا ہی ذکر کیا ہے اور اس کے بعض مندرجات واقتباسات بھی دیئے ہیں۔ امیر ماہ وحدت الوجودی فکر کے ائمہ میں سے تھے۔

المطلوب فی عشق المحبوب

امیر ماہ کا یہ صرف ایک ہی رسالہ ملتا ہے۔ یہ رسالہ دراصل وحدت الوجود کے مختلف مسائل پر ہے (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ۴۱۴) لیکن اس میں ... دیگر مباحث کے ساتھ اصل موضوع عشق حقیقی کا بیان ہے۔ اس کے ابواب وفصول کا خلاصہ اس طرح ہے۔

بابِ یکم در بیانِ عشق در سہ فصل

بابِ دوم در بیانِ دل در دو فصل

بابِ سوم در جا بجائ دل در چہار فصل

باب چہارم در وصول الی اللہ در چہار فصل

یہ رسالہ فارسی نثر میں ہے جس میں اشعار بھی بکثرت نقل کیے گئے ہیں۔

ہر نئی بات "ای عزیز" کے عنوان سے شروع ہوتی ہے۔ (فہرست مشترک ۳/ ۱۹۳۶)

اس رسالے میں مؤلف نے خطہ بہرائچ پر کفار کے حملے کا بھی ذکر کیا ہے (اقتباس رسالہ مشمولہ مرآۃ الاسرار ۲۸۹)

کوئٹہ میں سلطان الطاف علی کے کتب خانہ میں اس رسالے کا ایک ایسا خطی نسخہ بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر ماہ نے یہ رسالہ سلطان فیروز شاہ تغلق مذکور کے لیے تالیف کیا تھا۔ (فہرست مشترک ۳/ ۱۹۳۶) لیکن اس رسالے کے دیگر خطی نسخوں سے یہ جملہ حذف ہو چکا ہے۔

اس رسالے کے تین قلمی نسخے کتابخانہ گنج بخش اسلام آباد میں ہیں اور چوتھا کوئٹہ کا مذکورہ خطی نسخہ (ہمانجا) اس کا ایک قدیم خطی نسخہ پروفیسر خلیق احمد نظامی کے کتب خانہ علی گڑھ میں بھی ہے (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ۳۱۴)

امیر ماہ کا وصال (۷۷۲ھ/ ۷۱۔ ۱۳۷۰ء) میں ہوا (معارج الولایت۔ برگ ۵۰۴ الف ب) ان کا مزار بہرائچ میں آبادی شہر کے قریب ہے مزار پر ایک گنبد خشتی بھی ہے (آئینہ اودھ ۱۵۵)

مآخذ

۱۔ ابوالحسن مانکپوری: آئینہ اودھ۔ کانپور، مطبع نظامی ۱۳۰۵ھ

۲۔ امیر ماہ، افضل الدین ابو جعفر: مطلوب فی عشق المحبوب۔ خطی نسخہ کتابخانہ گنج بخش مرکز تحقیقات فارسی۔ اسلام آباد نمبر ۱۰۵۰۰

۳۔ عبداللہ خویشگی قصوری: معارج الولایت۔ خطی نسخہ ذخیرہ آذر، مخزونہ کتابخانہ مرکزی دانشگاہ پنجاب لاہور نمبر 25-H

۴۔ عبدالرحمٰن چشتی: مرآۃ الاسرار۔ خطی مملوکہ مولوی محمد یعقوب فراہی، کوئٹہ

۵۔ عبدالرحمٰن چشتی: مرآۃ مسعودی۔ اُردو ترجمہ۔ مطبع علوی ۱۲۷۷ھ

۶۔ عفیف، شمس سراج: تاریخ فیروز شاہی۔ کلکتہ ۱۸۹۱ء

۷۔ منزوی، احمد: فہرست مشترک ج ۳۔ اسلام آباد ۱۹۸۴ء

۸۔ نظام غریب یمنی: لطائف اشرفی، دہلی، نصرت المطابع ۱۲۹۹ھ

۹۔ نظامی، خلیق احمد: سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔ دہلی ۱۹۵۸ء

10- Nabi Hadi: Dictionary of Indo-Persian literature, Delhi, 1995.

11- Nizami, K.A: Life and Times of Sh. Nasir ul din Chiragh-i-Dehli, Delhi, 1981.

۱۵ دسمبر ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ احمد کبیر الدین بن سیّد شیر شاہ

شیخ احمد کبیر الدین آٹھویں صدی ہجری کے سہروردی مشائخ میں سے تھے۔

شیخ احمد کبیر الدین بن سید جلال الدین سرخ بن علی حسینی بخاری اوچی کے والد تاتاریوں کے حملے کی وجہ سے بخارا سے پہلے ملتان آئے اور شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی (ف ۶۶۱ھ / ۱۶۲۶ء) سے بیعت ہو کر خلافت یاب ہوئے، سید جلال سرخ نے ۶۳۵ھ / ۱۲۲۷ء کو بخارا سے ہجرت کی (الفرع النامی ۱۴۰) کچھ عرصہ کے بعد بھکر منتقل ہو گئے۔ پھر اپنے شیخ کی اجازت سے اوچ (Uch یہ قصبہ اس وقت بہاولپور پاکستان میں ہے) میں مقیم ہوئے اور دعوت و ارشاد کا سلسلہ شروع کر دیا وہاں کے مقامی غیر مسلم بکثرت ان کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے (خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۳۶) ۹۵ سال کی عمر میں ۶۹۰ھ / ۱۲۹۱ء کو وصال ہوا وہیں دفن ہیں (تاریخ اوچ ۹۷۔۹۸)

سیّد جلال سرخ بخاری کے چار فرزندوں میں سے ایک سیّد احمد کبیر تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے خانوادے کے بزرگوں اور سید جمال الدین اوچی کی خدمت میں رہ کر حاصل کی۔ سلوک کی تعلیم اپنے والد سے لی اور تکمیل کے بعد خلیفہ کی حیثیت سے اپنے والد کے جانشین بنے، مخدوم احمد کبیر پر استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی ان کے والد نے شیخ جمال خنداں رو سے کہا کہ ان کی حفاظت کریں۔ (جامع العلوم، ملفوظاتِ شعبان۔۔۔) سیّد احمد کبیر شیخ جمال الدین اوچی کے ساتھ زیادہ نشست و برخواست رکھتے تھے (ہمانجا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ملفوظاتِ مخدوم بماہ رمضان) مخدوم احمد کبیر اکثر شیخ جمال خنداں رو کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے تھے (ہمانجا ۱۵۵)

شیخ احمد کبیر کی باطنی تربیت معروف سہروردی شیخ طریقت شیخ صدر الدین عارف ملتانی (ف ۷۰۹ھ / ۱۳۰۹ء) نے کی موصوف اپنے شیخ سے تاحیات اس طرح منسلک رہے کہ اکثر ملاقات کے لیے ملتان حاضر ہوتے رہتے تھے۔ (سیر العارفین ۲۲۲۔۲۲۳، مخدوم جہانیاں ۵۹)

اوچ کی تین معروف خانقاہوں میں سے ایک مخدوم سیّد احمد کبیر کی تھی۔ یہ خانقاہ مریدین کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ مسافروں اور سیاحوں کی پناہ گاہ بھی تھی۔ (الدر المنظوم ۳۱۰، ۴۰۳) مخدوم احمد کبیر کے مریدین کثیر تعداد میں تھے۔ اور خلفاء بھی تعداد میں کچھ کم نہیں تھے۔

مخدوم احمد کبیر الدین کے فرزند مخدوم جہانیان جہان گشت بخاری (۷۰۷۔ ۷۸۵ھ / ۱۳۰۸۔ ۱۳۸۴ء) کو روحانی و علمی دنیا میں جو شہرت نصیب ہوئی وہ صوفیہ میں بہت کم کسی کے حصے میں آئی ان کے دوسرے فرزند شیخ راجو قتال (ف ۸۲۷ / ۱۴۲۴ء) بھی معروف مشائخ میں سے تھے۔ (سیر العارفین ۱۵۹۔ ۱۶۰)

مخدوم احمد کبیر الدین کا سالِ وفات معلوم نہیں ہے۔ مخدوم جہانیاں نے خود لکھا ہے کہ میں سات سال کا تھا کہ میرے والد نے حصولِ علم کے لیے مجھے استاد کے حوالے کیا (سیر العارفین ۱۵۶) ابتدائی تعلیم کے بعد اوچ سے ملتان گئے وہاں سے واپس اوچ آئے تو ان کے والد یعنی مخدوم احمد کبیر بقیدِ حیات تھے۔ اگر حصولِ علم کی مدت اور عمر ۲۴ سال فرض کی جائے تو مخدوم احمد کبیر کا سالِ وفات حدود ۷۳۱ھ / ۳۰۔ ۱۳۳۱ء قیاس کیا جاسکتا ہے (۷۰۷ + ۲۴ = ۷۳۱)

مخدوم احمد کبیر کے خلفاء میں سے شیخ جلال مجرد سلہٹی (Silhati) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے بنگال و سلہٹ میں اسلام کی شمع روشن کی اور ان کی سعی سے اس سرزمین پر اسلام کی اشاعت ہوئی اور بہت سے غیر مسلم ان کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (تذکرہ شیخ صدر الدین عارف ۱۷۴۔ ۱۸۹)

مآخذ

۱۔ احمد معین علوی: سراج الہدایہ (ملفوظاتِ مخدوم جہانیاں جہان گشت بخاری) مرتبہ قاضی سجاد حسین، دہلی ۱۹۸۳ء

۲۔ حفیظ الرحمٰن: تاریخ اوچ، دہلی ۱۹۳۱ء

۳۔ جمالی دہلوی: سیر العارفین ترجمہ و تحشیہ محمد ایوب قادری۔ لاہور ۱۹۷۶ء

۴۔ صدیق حسن خان، نواب: الفرع النامی عن الاصل السامی۔ بھوپال ۱۳۰۱ھ

۵۔ علاء الدین علی: جامع العلوم (ملفوظات مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری، مرتبہ قاضی سجاد حسین۔ دہلی ۱۹۸۲ء اُردو ترجمہ الدر المنظوم از ذوالفقار احمد نقوی۔ دہلی ۱۳۰۹ھ

۶۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء لکھنو ۱۸۷۳ء

۷۔ محمد ایوب قادری: مخدوم جہانیاں جہان گشت بخاری، کراچی ۱۹۷۵ء

۸۔ محمد رمضان: حالات و مقامات شیخ جلال الدین سرخ بخاری، خطی مملوکہ جناب خلیل الرحمٰن داؤدی، لاہور

9- Nizami, K.A: Religion and Politics in India (13th century), Delhi, 1974.

۲۱ دسمبر ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ احمد معشوق الٰہی

شیخ احمد معشوق الٰہی آٹھویں صدی ہجری کے سہروردی صوفیہ میں سے تھے۔

شیخ احمد کے والد محمد قندھاری افغانستان کے معروف خطہ قندھار میں رہتے اور تجارت کرتے تھے۔ شیخ احمد نشے کی حالت میں رہتے تھے والد نے انہیں اسی وجہ سے تجارت سے الگ کر دیا۔ وہ تجارت کی غرض سے ہی قندھار سے ملتان آ گئے۔ یہیں آ کر کاروبار تجارت شروع کر دیا گیا۔

ایک روز ملتان ہی میں شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مزار کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے وہاں ان کے فرزند شیخ صدر الدین عارف (ف ۷۰۹ھ / ۱۳۰۹ء) سے ملاقات ہوئی اور شیخ احمد ان سے اتنے متاثر ہوئے کہ تجارت ترک کر دی اور مال و اسباب فقراء میں تقسیم کر کے ان کے حلقۂ مریدین شامل ہو گئے۔ (سیر العارفین ۱۸۴، سیر الاولیاء ۷۰۸ تاریخ فرشتہ ۲ / ۴۱۳)

شیخ احمد شیخ صدر الدین عارف کے اکابر خلفاء میں تھے۔ ایک روحانی اشارے پر انہیں معشوق کا خطاب القا ہوا تب سے زبان زد عام و خواص ان کا لقب ہی معشوقِ الٰہی ہو گیا (فوائد الفواد ۴۳۶، ۴۳۹)

شیخ احمد معشوق کچھ عرصہ بدایوں میں بھی رہے (تجلیات اولیائے سہرورد ص ۳۷)

شیخ صدر الدین عارف سے بیعت کے بعد ان پر جذب کی کیفیت طاری ہو گئی اور مدتوں اسی استغراق و محویت خدا میں رہے۔ آخر اس کیفیت سے نکلے اور حالتِ صحو میں آئے لیکن ان پر پھر سے غلبہ سکر طاری ہو جاتا تھا۔ (سیر العارفین ۱۸۴، سیر الاولیاء ۷۰۷۔ ۷۰۸، تاریخ فرشتہ ۲ / ۴۱۳۔ ۴۱۴)

شیخ احمد نے شیخ صدر الدین عارف کے خلیفہ کی حیثیت سے سہروردی سلسلہ کی اشاعت میں خاص کردار ادا کیا۔ خانقاہ میں مریدین کی خدمت انہی کے سپرد تھی۔ وہ اس قدر قوی جاذبہ الٰہی اور عشق حقیقی کے مالک تھے کہ بعد کے اکابر صوفیہ کی مجالس میں ان کی وارفتگی کو مثال کے طور پر پیش کیا جاتا تھا چنانچہ معروف صوفی خواجہ

نظام الدین اولیاء دہلوی کی مجلس میں ان کے معشوقِ الٰہی ہونے کا تذکرہ بڑے دل نشین انداز میں کیا گیا ہے (فوائد الفواد ۴۳۶، ۴۳۹)

مخدوم احمد معشوقِ الٰہی کا وصال ۷۲۳ھ / ۱۳۲۲ء کو ہوا (خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۴۶) ملتان ہی میں مدفون ہیں۔

مآخذ

۱۔ امیر حسن سجزی: فوائد الفواد مرتبہ محمد لطیف ملک، لاہور ۱۹۶۶ء

۲۔ امیر خورد: سیر الاولیاء، دہلی ۱۳۰۲ھ، اُردو ترجمہ اعجاز الحق قدوسی، لاہور ۱۹۸۰ء

۳۔ جمالی، حامد بن فضل اللہ: سیر العارفین ترجمہ و تحشیہ محمد ایوب قادری۔ لاہور ۱۹۷۶ء

۴۔ ضیاء القادری بدایونی: تجلیات اولیاءِ سہرورد، ملتان ۱۹۵۸ء

۵۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء لکھنؤ ۱۸۷۳ء

۶۔ فرشتہ، محمد قاسم: تاریخ فرشتہ، لکھنؤ، مطبع نولکشور ۱۸۶۴ء

۷۔ فریدی، نور احمد خان: تذکرہ حضرت صدر الدین عارف، ملتان ۱۹۵۸ء

۱۲ اپریل ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ جمال خنداں رو

شیخ جمال الدین اوچی آٹھویں صدی ہجری کے عالم، محدث اور صوفی بزرگ تھے۔

شیخ جمال الدین اُچی سہروردی سلسلہ کے نامور مشائخ میں سے تھے اور شیخ صدر الدین عارف ملتانی (ف ۷۰۹ھ / ۱۳۰۹ء) بن شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی (ف ۶۶۶ھ / ۱۲۶۷ء) کے خلیفہ تھے۔

شیخ جمال الدین اپنی خانقاہ اوچ (Ouch) میں دائمی طور پر درس دیتے تھے (خلاصۃ الالفاظ جامع العلوم ۲۴) ان کے ہاں ہدایہ، بزدوی، مشارق، مشکوۃ اور عوارف المعارف کا درس جاری رہتا تھا۔ (ایضاً ۴۳۶، ۴۷۸)

دو مشہور صوفیہ و علماء شیخ عبداللہ یافعی (ف ۷۶۸ھ / ۱۳۶۷ء) اور شیخ عبداللہ مطری (ف ۷۶۵ھ / ۱۳۹۴ء) کا قول ہے کہ مشائخ صوفیہ میں جو مرتبہ شیخ جمال الدین اوچی کو حاصل ہے کسی اور کو حاصل نہیں ہے (ایضاً ۴۳۰) اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ شیخ جمال الدین حرمین الشریفین بھی گئے ہوں گے۔ شیخ جمال نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے ایک تنکہ کا کپڑا خرید کر اسی سے لباس و دستار بنوالیتے تھے (ایضاً ۱۱۹)

شیخ جمال کی نسبت "خنداں رو" معاصر ماخذ جامع العلوم میں درج نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں قدیم ترین ماخذ شیخ اشرف جہانگیر سمنانی (متوفیٰ قبل ۸۳۲ھ / ۱۴۲۸ء) کے ملفوظات لطائفِ اشرفی (۱ / ۳۸۴) ہیں جہاں آپ کے نام کے ساتھ "خنداں رو" لکھا گیا ہے۔ اس کے بعد شیخ جمالی دہلوی (ف ۹۴۲ھ / ۱۵۳۵ء) نے سیر العارفین (۱۸۱ و بعد) میں یہی عرف لکھا ہے۔

شیخ جمال الدین کو شیخ اشرف جہانگیر سمنانی نے شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کا براہِ راست خلیفہ بتایا ہے (لطائف اشرفی ۱ / ۳۸۴) لیکن اس سلسلہ کی دوسری کتب میں جو حکایت درج ہے اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ آپ مرید تو شیخ بہاء الدین زکریا کے تھے لیکن آپ کی باطنی تعلیم و تربیت شیخ صدر الدین عارف (ف ۷۰۹ھ ، ۱۳۰۹ء) نے کی تھی۔ شیخ جمال الدین اوچی مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے تھے،

آپ کے اجداد میں سے حاجی رجب غزنوی ہندوستان آئے اور اوچ میں طرحِ اقامت ڈال دی لیکن ان کا انتقال پٹن (نہروالہ) گجرات میں ہوا موصوف سید احمد کبیر رفائی کے مرید و خلیفہ تھے۔(خطہ پاک اوچ ۱۸۷،ذکرِ کرام ۸۵)

شیخ جمال الدین کی طبیعت استغنا پسند تھی۔ بادشاہوں نے بعض دیہات بطورِ نذر پیش کیے لیکن قبول کرنے سے انکار کرتے رہے آخر اپنے مشائخ کے اتباع میں قبول کر لیا(جامع العلوم ۳۲۸)

شیخ جمال کے کئی فرزند تھے (ایضاً ۳۳۰) لیکن ان میں سے شیخ رضی الدین (۶۶۷۔ ۷۰۰ھ / ۱۲۶۸ھ / ۱۳۰۱ء) اپنے والد کے جانشین ہوئے اور خانقاہ کا انتظام بطریق احسن انجام دیتے رہے اپنے تبحر علم کے باعث "گنج علم" کا خطاب پایا(ذکرِ کرام) ۸۵۔۸۶)

شیخ جمال الدین خنداں رو کے بہت سے شاگرد و خلفاء تھے لیکن شاگردوں میں جو شہرت مخدوم جہانیاں جہان گشت بخاری(۷۰۷۔۷۸۵ھ / ۱۳۰۸۔۱۳۸۴ء) کو ملی کسی دوسرے کے حصہ میں نہ آئی(جامع العلوم ۲۴)

شیخ جمال خنداں رو کے سالِ وفات میں اختلاف ہے، مفتی غلام سرور لاہوری نے ۶۷۶ھ (خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۲۷) حفیظ الرحمن حفیظ نے ۷۰۰ھ (ذکرِ کرام ۸۵) اور نور احمد فریدی نے بھی ۷۰۰ھ ہی لکھا ہے (تذکرہ شیخ صدر الدین عارف ۵۵) لیکن یہ تینوں سنین درست نہیں ہیں اس لیے کہ مخدوم جہانیاں جہان گشت (متولد ۷۰۷ھ) سات سال کی عمر میں حصولِ علم کے لیے شیخ جمال کی خدمت حاضر ہوئے تھے(جامع العلوم ۲۴ و بعد) گویا کسی معاصر شہادت سے ان کا سالِ وصال معلوم نہیں ہے قیاس ہے کہ آٹھویں صدی ہجری میں فوت ہوئے، اوچ میں دفن ہوئے ان کی خانقاہ مشہور ترین درگاہوں میں سے ہے۔

مآخذ

۱۔ جمالی، حامد بن فضل اللہ: سیر العارفین ترجمہ و حواشی محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۷۶ء

۲۔ حفیظ، حفیظ الرحمن: ذکرِ کرام، دہلی، محبوب المطابع، ۱۳۵۷ھ

۳۔ شہاب، مسعود حسن: خطۂ پاک اوچ، بہاول پور، اردو اکیڈمی ۱۹۶۷ء

۴۔ ایضاً: اولیائے بہاول پور، اردو اکیڈمی، ۱۹۷۲ء

۵۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ (الخواطر) حیدر آباد، دکن، دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۹۶۶ء

۵۔ علاء الدین علی قریشی: خلاصۃ الالفاظ جامع العلوم مرتبہ غلام سرور، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء

۶۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، کانپور، مطبع ثمر ہند ۱۸۷۳ء

۷۔ فریدی، نور احمد: تذکرۂ شیخ صدر الدین عارف، ملتان، ۱۹۵۸ء

۸۔ محمد ایوب قادری: مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری، کراچی ۱۹۷۵ء

۹۔ نظام غریب یمنی: لطائفِ اشرفی (ملفوظات و احوال، شیخ اشرف جہانگیر سمنانی) دہلی، نصرت المطابع، ۱۲۹۹ھ

برائے دانشنامہ تشیہ قارہ

۹ نومبر ۲۰۰۴ء

شیخ سماء الدین سہروردی دہلوی

شیخ سماء الدین نویں صدی ہجری / پندرھویں صدی عیسوی کے معروف عالم، مؤلف و شیخ طریقت تھے۔

شیخ سماء الدین کے والد شیخ فخر الدین تھے (گلزارِ ابرار ۱۸۸) جو شیخ صدر الدین محمد معروف بہ راجو قتال بخاری بن سیّد احمد کبیر کے تربیت یافتہ تھے اپنے بیٹے شیخ سماء الدین کے حق میں نیک رہنے کی دعا کیا کرتے تھے (سیر العارفین ۲۵۵)

شیخ سماء الدین کا تعلق خطۂ ملتان سے تھا اور کنبوہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے ان کے اکابر نے شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے حضور اسلام قبول کیا تھا، شیخ کے دادا حاجی جمال کو شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی نے دہلی بھیجا کہ اپنی قوم کے افراد میں دین کی تبلیغ کریں۔ (تذکرہ شاہ رکن عالم ملتانی ۴۵۶)

شیخ سماء الدین ملتان سے بغرضِ سیاحت نکلے اور قصبہ پلاتبہ (نزد رنتھنبور) میں مقیم رہے پھر دہلی کا رخ کیا۔ (سیر العارفین ۲۶۳)، شیخ راجو قتال بخاری کے ولی عہد شیخ کبیر الدین اسماعیل ایک بزرگ شخصیت کے مالک تھے، شیخ سماء الدین نے ان سے بیعت کی، ریاضیاتِ شاقہ کے بعد خلافت یاب ہوئے (ایضاً ۲۵۵)

شیخ سماء الدین دہلی میں اشراق اور چاشت کی نمازوں کے مابین کتب درسیہ پڑھاتے تھے اور باقی اوقات دعوت و ارشاد میں صرف فرماتے تھے (ایضاً ۲۵۷) آخر عمر میں ان کی بینائی جاتی رہی پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بغیر کسی علاج کے تندرست ہو گئے۔

شیخ سماء الدین نے شیخ فخر الدین عراقی کی لمعات پر حواشی لکھے تھے جو اس دقیق کتاب کے "حل معانی کے لیے وافی و کافی" تھے (اخبار الاخیار ۲۲۰) شیخ سماء الدین نے مفتاح الاسرار کے نام سے ایک اور عرفانی کتاب تالیف کی تھی جو شیخ عزیز الدین نسفی کے رسائل پر مبنی تھی، شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی نظر سے یہ کتاب گذری تھی انہوں نے اس کے اقتباسات دیئے ہیں (ایضاً ۲۲۱۔۲۲۴)

محمد چشتی نظامی ساکن دہلی نے شیخ سماء الدین کے ایک رسالہ در احوال شیخ ترک بیابانی (ف ۶۳۷ھ / ۱۲۳۹ء) ان کے لقب شمس العارفین کی مناسبت سے اُردو ترجمہ تذکرہ شمس العارفین کے نام سے ۱۳۵۷ء کو دہلی سے شائع کیا تھا۔ اس رسالہ کے اصل متن کے وجود کا تاحال علم نہیں ہے، نیز کسی معاصر یا قریب العہد تذکرہ نویس نے اس رسالہ کا ذکر نہیں کیا جو اس کا انتساب شیخ سماء الدین سے تسلیم کر لیا جائے۔

شیخ سماء الدین کے دو فرزند تھے اول شیخ عبداللہ بیابانی مجذوب اور جنگلوں میں رہتے تھے۔ دوسرے شیخ نصیر الدین تھے جو والد کے بعد جانشین ہوئے، جمالی نے ان کے ایک فرزند شیخ، عبدالغفور عرف لاڈن کا ذکر کیا ہے جن کو شیخ نصیر الدین نے اپنی زندگی میں اپنا جانشین مقرر کیا تھا (سیر العارفین ۲۶۶)، شیخ سماء الدین کی اولاد ہندوستان میں برطانوی دورِ حکومت میں امروہہ میں رہتی تھی حامد علی خان بیرسٹر بن حکیم امجد علی خان جو مخدوم سماء الدین کی پندرھویں پشت میں سے تھے مخدوم کی قبر پر کتبہ نصب کیا تھا جس کی نقل ظفر حسن خان نے اپنی مرتبہ فہرست عماراتِ دہلی میں دی ہے (۳/ ۶۳)

مخدوم سماء الدین کے بکثرت مریدین و خلفاء تھے جن میں سے مشہور تذکرہ نویس حامد بن فضل اللہ جمالی قابلِ ذکر ہیں جنہوں نے سیر العارفین کے نام سے عرفاء کا ایک عمدہ تذکرہ تالیف کیا تھا جو شائع ہو چکا ہے۔

مخدوم سماء الدین کا وصال ۱۷ جمادی الاول ۹۰۱ھ / ۱۴۹۶ء کو ہوا ان کا روضہ بالائے حوضِ شمسی دہلی میں ہے (اخبار الاخیار ۲۲۱، سیر العارفین ۲۶۸) خوشی مندونی نے ان کا سالِ وفات ۹۰۹ھ درج کیا ہے جو اخبار الاخیار اور سیر العارفین کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت نہیں رکھتا (گلزارِ ابرار ۱۸۹) صاحب کلمات الصادقین (ص ۱۰۵) نے سالِ وفات ۱۷ جمادی الثانی ۹۰۷ھ دیا ہے حالانکہ وہ اخبار الاخیار کی لفظی نقل ہے، البتہ مخدوم سماء الدین کا سالِ ولادت ۸۰۸ھ / ۱۴۰۵ء درج کیا ہے جس سے دیگر تذکرے خالی ہیں اور مقام ولادت ملتان ہی بتایا ہے۔

مخدوم شیخ سماء الدین جب گجرات گئے تو مشہور محدث و عالم شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی (ف ۹۹۸ھ / ۱۵۸۹ء) بقیدِ حیات تھے، مخدوم ان سے ملے تو انہوں نے بہت ہی احترام کیا (سیر العارفین ۲۶۲)، احمد آباد ہی میں مخدوم نے شیخ احمد کھٹو مغربی (ف ۸۴۹ھ / ۱۴۴۵ء) سے ملاقات کی اور فیض یاب ہوئے (گلزارِ ابرار ۱۸۸)

مشائخ سہروردیہ نے سلاطین عصر کے ساتھ اختلاط قائم کیا جس سے شرعی امور کا رواج ہوا اور سلاطین کا مذہبی رجحان برابر ترقی پذیر رہا:

Nizami, K A: Suharwardi Silsilah and its influence on Medieval Indian Politics (Medieval India, Aligarh, Vol.III no. 1-2 (1957) pp. 109-149)

سلطان حسین شرقی کو سلطان بہلول پر حملہ کرنے سے روک کر اس کی قوت بڑھادی، بہلول کی وفات کے بعد اس کی قبر پر شیخ کا مراقبہ اور اُسے خوش دیکھنا (سیر العارفین ۲۶۱) جو اس کی عزت وشہرت میں اضافہ کا باعث بنا، اس کا جانشین سکندر لودھی تخت پر بیٹھنے سے پہلے شیخ سماء الدین کی خدمت میں گیا اور کتاب میزان شیخ کی خدمت میں پڑھنے کی خواہش کی، شیخ نے اُسے نصیحت کی اور دعا دی تو وہ رخصت ہوا (واقعاتِ مشتاقی ۳۱، تاریخ شاہی ۴۴، ۴۷-۴۸، تاریخ خان جہانی ومخزن افغانی ۱/ ۲۱۸-۲۱۹، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ۴۴۴، ۴۵۳-۴۵۴)

مآخذ

احوال وآثار شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، مرتبہ شمیم زیدی، اسلام آباد، ۱۹۷۴ء

۱۔ احمد یادگار: تاریخ شاہی مرتبہ محمد ہدایت حسین، کلکتہ ۱۹۳۹ء

۲۔ جمالی، حامد بن فضل اللہ: سیر العارفین اُردو ترجمہ وحواشی محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۷۶ء

۳۔ حبیب اللہ: ذکر جمیع اولیاء دہلی، ٹونک، ۱۹۸۸ء

۴۔ سماء الدین سہروردی: تذکرہ شمس العارفین، اُردو ترجمہ محمد چشتی نظامی، دہلی ۱۳۵۷ھ

۵۔ عبد الحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار مرتبہ علیم اشرف خان، تہران، ۱۳۸۴ش

۶۔ غوثی مانڈوی: گلزار ابرار مرتبہ محمد ذکر، پٹنہ، ۲۰۰۱ء

۷۔ محمد صادق ہمدانی کشمیری: کلمات الصادقین مرتبہ محمد سلیم اختر، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء

۸۔ مشتاقی، رزق اللہ: واقعاتِ مشتاقی مرتبہ اقتدار حسین صدیقی ووقار الحسن صدیقی، رام پور، ۲۰۰۲ء

۹۔ نعمت اللہ ہروی: تاریخ خان جہانی ومخزنِ افغانی مرتبہ امام الدین، ڈھاکہ، ۱۹۶۰ء

۱۰۔ نور احمد خان فریدی: تذکرہ شاہ رکن عالم ملتانی، ملتان، ۱۹۶۱ء

۱۱۔ نظامی، خلیق احمد: سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔ دہلی ۱۹۵۸ء

12- Nizami, K.A: Suhrawardi Silsilah and its influence on Medieval Indian Politics, (Medieval India, Aligarh, Vol.III, no.1-2 (1957)

13- Zafar Hasan: Monuments of Delhi, Delhi, 1997.

۱۶ راکتوبر ۲۰۰۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

حاجی عبدالوہاب، بخاری

حاجی عبدالوہاب بخاری کی ولادت ۸۶۹ھ / ۱۴۶۵ء کو ہوئی۔(تذکرۃ الابرار۔ قلمی ورق ۴۵ب، کلمات الصادقین ۱۰۷)، ان کا نسب ۲۶ واسطوں سے سیّد الانبیاء ﷺ سے واصل ہوتا ہے، اور آٹھ واسطوں سے سیّد جلال اعظم حسینی بخاری سے ملتا ہے یعنی:

حاجی عبدالوہاب بن محمد بن رفیع الدین احمد بن محمد بن عبدالوہاب بن محمد بن ابی الکرم حسین بن محمد بن سیّد جلال الدین اعظم حسینی بخاری (تذکرۃ الابرار ورق ۴۵ب ۴۶ الف) اسی طرح ماں کی جانب سے ان کا نسب صرف پانچ واسطوں سے مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری سے واصل ہوتا ہے (ایضاً ۴۶ الف)

آغاز میں ملتان میں قیام تھا (اخبار الاخیار ۲۱۵) آپ اپنے خُسر شیخ صدر الدین بن سیّد حسین بخاری کے مرید و خلیفہ تھے (تذکرۃ الابرار ۴۶ الف) اولین سفرِ حج سے مراجعت کے دوران عالم رویا میں اپنے شیخ کے حکم پر دہلی میں قیام کیا (ایضاً ۴۷ب)۔ دہلی میں ہی شاہ عبداللہ قریشی بن یوسف از اولاد مخدوم بہاء الدین زکریا ملتانی سے بیعت ہوئے اور محبتِ مرشد میں فنانی الشیخ کا مرتبہ حاصل کیا (ایضاً ۹۲ الف، اخبار الاخیار، ۲۱۴۔ ۲۱۵، کلمات الصادقین ۱۰۶)۔

حاجی عبدالوہاب دوسری مرتبہ دہلی سے حج کے لیے گئے، سیّد الانبیا ﷺ کی بشارت پر دہلی میں آکر قیام کیا (تذکرۃ الابرار ۴۹ الف)۔ حاجی عبدالوہاب بخاری کا ۶۳ سال کی عمر میں ۹۳۲ھ / ۱۵۳۶ء میں وصال ہوا اسی روز بابر بادشاہ نے دہلی پر حملہ کیا تھا۔ انہیں شاہ عبداللہ قریشی کے مزار کے جوار میں قدیم دہلی میں دفن کیا گیا (تذکرۃ الابرار ۵۲ب، اخبار الاخیار ۲۱۵، کلمات الصادقین ۱۰۸، ذکر جمیع اولیاءِ دہلی ۶۶، نزہۃ الخواطر ۴/ ۲۲۴)

شاہ عبداللہ قریشی کا مزار جوار مزار حضرت شاہ چراغ دہلی میں ہے۔(سیر المنازل ۹۳)

حاجی عبد الوہاب بخاری کے چار بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں، فرزندوں میں سے شاہ ابو الغیث، شیخ محمد مشائخ، شاہ مزمل اور شیخ مدثر تھے، موخر الذکر تینوں بیٹے اور ان کی اولاد بادشاہوں اور امراء کے ہاں منصب دار بھی تھے اور سجادۂ مشیخت کی زینت بھی رہے (تذکرۃ الابرار ۵۲ب تا ۶۵الف)

حاجی عبد الوہاب بخاری کے بہت سے مریدین وخلفاء تھے ان میں سے شاہ جلال شیرازی (ت ۹۴۴ھ / ۱۵۳۷ء)، سیّد رفیع الدین شیرازی (ت ۹۵۴ھ / ۱۵۴۷ء) شاگرد امام سخاوی و مولانا جلال دوانی، شیخ محمد حسین خیالیؔ (ت ۹۴۴ھ / ۱۵۳۷ء)، شیخ عبد العزیز (ت ۹۷۵ھ / ۱۵۶۷ء) شاگرد میاں قاضی خان، شیخ سلیم چشتی فتح پور سیکری، شیخ جلال تھانیسری (ت ۹۸۹ھ / ۱۵۸۱ء)، شیخ عبد اللہ بہتہ (ت ۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۷ء)، شیخ محمود بن شیخ زکریا (ت ۱۰۲۴ھ / ۱۶۱۵ء)، مولانا اسماعیل عرب اور مولانا حاجی محمد کشمیری (ت ۱۰۰۶ھ / ۱۵۹۷ء) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں (تذکرۃ الابرار ۱۰۸ب۔۱۱۷الف)

سلطان سکندر لودھی کو حاجی عبد الوہاب سے بڑی عقیدت تھی (تاریخ داؤدی ۷۹، تاریخ شاہی ۶۲۔۶۳)

حاجی عبد الوہاب بخاری کئی عربی وفارسی کتابوں کے مصنف تھے ان میں تفسیر، حدیث اور تصوف جیسے موضوعات پر ان کی تصانیف ہیں۔ (تذکرۃ الابرار ۹۴ب، ۹۶الف)۔

حاجی عبد الوہاب کا رسالہ جس میں انہوں نے اپنے خود نوشت حالات لکھے ہیں تذکرۃ الابرار کے مؤلف نے من وعن نقل کر کے محفوظ کر لیا ہے (برگ ۹۴الف تا ۹۶الف) اور شمائل النبی ﷺ کے موضوع پر ایک رسالہ بھی ان کی تالیف ہے (نزہۃ الخواطر ۴/ ۲۲۴)

ان کے علاوہ تفسیر انوری کے نام سے انہوں نے عربی میں قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی تھی (تذکرۃ الابرار ۹۴ب، ۹۶الف) معاصر مؤلف شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اس تفسیر کے بعض اقتباسات بھی دیئے ہیں، اور بتایا ہے کہ اس میں انہوں نے بہت سے دقائق عشق اور اسرارِ محبت درج کیے ہیں، سارے قرآن پاک کو آپ ﷺ کی نعت بتایا اور لکھا ہے کہ یہ تفسیر غلبۂ حال واستغراق میں تالیف کی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے بعض موضوع ظاہری طور پر نامرعی معلوم ہوتے ہیں (اخبار الاخیار ۲۱۵۔۲۱۹)۔

عبد الغفور اسدی نے حاجی عبد الوہاب بخاری کی ایک فارسی غزل کے چند اشعار نقل کیے ہیں۔ (تذکرۃ الابرار ۵۹ب ۹۶الف)

مآخذ

۱۔ عبدالغفور اسدی: تذکرۃ الابرار ۱۰۳۵ھ تحقیق وتعلیق محمد اقبال مجددی زیر چاپ

۲۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار دہلی ۱۳۳۲ھ

۳۔ محمد صادق ہمدانی کشمیری: کلمات الصادقین، تصحیح وتعلیق محمد سلیم اختر۔ اسلام آباد ۱۹۸۸ء

۴۔ حبیب اللہ: ذکر جمیع اولیاءِ دہلی، تصحیح وتعلیقات شریف حسین قاسمی، ٹونک ۱۹۸۸ء

۵۔ عبدالحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۴ حیدر آباد، دکن ۱۹۵۴ء

۶۔ عبداللہ: تاریخ داؤدی مرتبہ عبدالرشید، علی گڑھ

۷۔ احمد یادگار: تاریخ شاہی طبع محمد ہدایت حسین، کلکتہ ۱۹۳۹ء

مراجع دیگر

۱۔ محمد صادق ہمدانی کشمیری: طبقاتِ شاہ جہانی۔ خطی نسخہ انڈیا آفس لائبریری، لندن نمبر ۷۰۵ Ethe

۲۔ عبدالحق محدث دہلوی: تذکرہ مصنفین دہلی، تحقیق وتعلیق شمس اللہ قادری، حیدر آباد، دکن

۳۔ محمد غوثی مانڈوی: اذکارِ ابرار اُردو ترجمہ گلزارِ ابرار، لاہور ۱۳۹۵ھ

۴۔ سنگین بیگ مرزا: سیر المنازل مرتبہ شریف حسین قاسمی، دہلی ۱۹۸۲ء

۵۔ غلام سرور، لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنو ۱۸۷۳ء

۶۔ رحمٰن علی: تذکرۂ علماء ہند ترجمہ وتحقیق محمد ایوب قادری۔ کراچی ۱۹۶۱ء

۷۔ احمد خان، سر سیّد: آثار الصنادید، دہلی ۱۹۶۵ء

۸۔ محمد عالم فریدی: مزارات اولیاءِ دہلی، دہلی ۱۳۴۶ھ

۹۔ بشیر الدین احمد: واقعات دارالحکومت دہلی، دہلی ۱۹۹۰ء

۱۰۔ خلیق احمد نظامی: سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، دہلی ۱۹۵۸ء

(دانشنامۂ جہان اسلام، تہران)

حضرت میر سیّد جمال الدین سُہروردی

میر سیّد جمال الدین سہروردی سلسلہ کے مشائخ میں سے تھے اور مخدوم جہانیاں جہان گشت بخاری ۷۰۷۔۷۸۵ھ / ۱۳۰۸۔۱۳۸۴ء) کے ساتھ ان کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے ملتا ہے۔

میر جمال الدین بخاری مشہور عالم و صوفی حاجی عبدالوہاب بخاری دہلوی (۸۶۹۔ ۹۳۲ھ / ۱۴۶۴۔ ۱۵۲۶ء) کے مرید و خلیفہ تھے، حاجی عبدالوہاب جو پہلے اس سلسلہ کے ایک بزرگ شیخ صدر الدین بخاری کے حلقۂ ارادت سے وابستہ تھے، پھر ان کی وفات کے بعد شاہ عبداللہ قریشی دہلوی (ف ۹۰۰ھ / ۱۴۹۴ء) سے خلافت یاب ہوئے تھے، حاجی عبدالوہاب کئی کتابوں کے مولف تھے ان میں سے تفسیر انوری سب سے زیادہ معروف ہے جو نبی کریم ﷺ کے خصائص پر مشتمل ہے (اخبار الاخیار ۲۱۵)

میر سیّد جمال الدین بخاری کا حاجی عبدالوہاب سے نسبی تعلق تھا اسی لیے ان کے دامن تربیت سے وابستہ ہوئے تھے، لیکن بعض متاخر تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ وہ حاجی عبدالوہاب کے برادرِ حقیقی تھے (خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۸۵)، تذکرہ شاہ رکن عالم ۴۔۵، خطہ پاک اوچ ۳۱۵) جو صحیح نہیں ہے بلکہ معاصر موکف عبدالغفور نے لکھا ہے کہ حاجی عبدالوہاب بخاری تو سیّد محمد بن رفیع الدین احمد کے اکلوتے بیٹے تھے (تذکرۃ الابرار، خطی وراق ۴۵۔ اب) میر جمال الدین کا قیام زیادہ دہلی میں رہا۔

میر سیّد جمال الدین بخاری کشمیر میں وارد ہونے والے پہلے صوفی بزرگ تھے جن کی بدولت اُس خطے میں سلسلۂ سہروردیہ کا آغاز ہوا، آپ آخری سلاطین کشمیر کے عہد میں کشمیر گئے تھے (تاریخ کشمیر اعظمی ۸۲)، تذکرہ اولیائے کشمیر ۵۶) سلسلہ سہروردیہ کی ترویج کے علاوہ آپ نے کشمیر میں اشاعتِ اسلام کی خدمات انجام دیں، وہاں ان سے فیض یاب ہونے والوں میں مخدوم حمزہ کشمیری (۹۰۰۔ ۹۸۴ھ / ۱۴۹۵۔۱۵۷۶ء) کا نام سرفہرست ہے۔ بلکہ مورخین کشمیر تو ان کے ورودِ کشمیر کا مقصد ہی مخدوم حمزہ کی تعلیم و تربیت بتاتے ہیں اور اس فرض کی ادائیگی کے

بعد وہ واپس دہلی چلے گئے تھے (تاریخ کشمیر اعظمی ۸۲) ان کے خلیفہ مخدوم حمزہ سے کشمیر میں نہ صرف سلسلۂ سہروردیہ کو فروغ ہوا بلکہ دینی و معاشرتی فوائد بھی عوام کو پہنچے۔ مخدوم شرع اسلامی کے پابند اور نشہ کے سخت خلاف تھے (کشمیر سلاطین کے عہد میں ۳۵۲) مخدوم حمزہ کے حالات و دینی خدمات پر خواجہ حسن قاری کشمیری راحت الطالبین اور خواجہ میرم بزاز کا تذکرۃ المرشدین معاصر اور قابل توجہ کتابیں ہیں، مخدوم کے خلفاء میں سے مفتی کشمیر علامہ فیروز دین اور بابا داؤد خاکی کے اسماء قابل ذکر ہیں موخر الذکر نے مخدوم کے احوال و مناقب پر ورد المریدین کے نام سے ایک کتاب بھی تصنیف کی تھی (ان کتب کے خطی نسخوں کی تفصیل کے لیے دیکھیے فہرست مشترک ۱۱/ ۸۵۳۔۸۵۷)

میر جمال الدین کے فیض یافتگانِ کشمیر میں سے ایک اور نام شیخ حسن لالو (Lalo) کا بھی ہے، جو خواجہ فرید الدین عطار کی اولاد میں سے تھے اور مدرسہ ملا ابو الفتح میں درس دیتے تھے اور دینی علوم پر کامل دستگاہ رکھتے تھے طویل عمر پاکر ۱۰۹۹ھ / ۱۶۸۸ء کو فوت ہوئے۔ (تاریخ کشمیر اعظمی ۱۸۲، خزینۃ الاصفیاء ۲/ ۱۰۹)

میر جمال الدین بخاری کا انتقال دہلی میں ۹۴۸ھ / ۱۵۴۱ء کو ہوا اور وہیں دفن ہوئے (تاریخ کشمیر اعظمی ۸۲، خزینۃ الاصفیاء ۲/ ۸۵)

میر جمال الدین بخاری کے حالات و مقامات پر جمال العارفین کے نام سے ایک مستقل کتاب مرتب ہوئی تھی (تحفۃ الابرار، جدول چہارم ص ۲۴) جس کے کسی خطی یا مطبوعہ نسخے کا ہمیں تاحال علم نہیں ہے۔

ماخذ

۱۔ محمد اعظم دیدہ مری: تاریخ کشمیر اعظمی، سری نگر، ۱۳۵۵ھ

۲۔ شہاب، مسعود حسن: خطہ پاک اوچ، بہاولپور، ۱۹۶۷ء

۳۔ عبدالغفور اسدی: تذکرۃ الابرار، خطی، مرتبہ محمد اقبال مجددی، زیر طبع

۴۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، کانپور، ۱۸۷۳ء

۵۔ فریدی، نور احمد خان: تذکرہ شاہ رکن عالم ملتانی، ملتان، ۱۹۶۱ء

۶۔ کھوئی ہامی، غلام حسن: تذکرہ اولیائے کشمیر (تاریخ حسن ج ۳)، سری نگر، ۱۹۶۰ء

۷۔ محب الحسن: کشمیر سلاطین کے عہد میں، اعظم گڑھ، ۱۹۶۷ء

۸۔ محمد نواب میرزا بیگ: تحفۃ الابرار، دہلی، ۱۳۲۳ھ

۹۔ منزوی، احمد: فہرست مشترک، اسلام آباد، ۱۹۸۹ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ، تہران

حضرت شاہ عالم بخاری گجراتی

شاہ عالم گجراتی نویں صدی ہجری / پندرھویں صدی عیسوی کے معروف ترین سہروردی سلسلہ کے مشائخ میں سے تھے۔

شاہ عالم کے والد شیخ عبداللہ برہان الدین ملقب بہ قطب العالم (ف ۸۵۷ھ / ۱۴۵۷ء) اپنے عہد کے نامور عالم و شیخ طریقت تھے، انہوں نے اپنے آبائی مستقر اوچ (Uch) سے گجرات کا سفر کیا تو وہیں احمد آباد کے مضافات کے ایک قصبہ بٹوہ (Batwah) میں سکونت اختیار کرلی وہاں کے سلاطین و امراء و عوام نے انہیں بہت ہی احترام سے رکھا، وہ اپنے والد سید ناصر الدین محمود کے خلیفہ تھے جو مشہور صوفی بزرگ مخدوم جہانیاں جہان گشت بخاری (ف ۷۸۵ھ / ۱۳۸۴ء) کے فرزند تھے۔ (خاتمہ مرآۃِ احمدی ۲۶)

شاہ عالم انہی شاہ قطبِ عالم کے فرزند تھے جن کا نام سید محمد، سراج الدین خطاب، ابوالبرکات کنیت اور شاہ عالم لقب تھا۔ (ایضاً ۲۷) چونکہ وہ اپنے والد کے منجھلے بیٹے تھے اس لیے "میاں منجھن" (Mian Manjhan) کے نام سے مشہور ہوئے لیکن عوام میں انہی دو القاب سے جانے گئے (اخبار الاخیار ۲۲۲)

شاہ عالم کی ولادت ۹ ذی قعدہ ۸۱۷ھ / ۱۴۱۵ء کو گجرات میں ہوئی (گلزارِ ابرار ۱۴۵) مقامی مورخ علی محمد خان نے ۱۷ ذی قعدہ درج کی ہے (خاتمہ مرآۃ احمدی ۲۷) ان کی والدہ گجرات کے منصب دار کریم خان بن عماد الدین خداوند خان کی بیٹی بی بی آمنہ تھیں۔

اپنے والد گرامی سے ابتدائی تعلیم حاصل کی، ان کے علاوہ شیخ احمد کھٹو مغربی (ف ۸۵۰ھ / ۱۴۴۶ء) اور شیخ سراج الدین علی چشتی احمد آبادی سے تحصیل کی (اخبار الاخیار ۲۲۳، گلزار ابرار ۱۴۵) شاہ عالم بڑے ذی علم بزرگ تھے خصوصاً علم حدیث پر کامل عبور تھا، ان کے ملفوظات سے ان کے تبحر عالم ہونے کی شہادت ملتی ہے۔

اپنے والد کی خدمت میں سلوک کی مشق کی سترہ سال کے تھے کہ خلافت یاب ہوئے اور اسی عمر میں شیخ احمد کھٹو مغربی سے بھی سلسلۂ مغربیہ میں اجازت ملی (خاتمہ مرآۃ احمدی ۳۷، اخبار الاخیار ۲۲۳)

شاہ عالم اور ان کے والد شاہ قطب العالم کی سلاطین گجرات بہت عزت کرتے تھے اور ان کے حلقۂ ارادت سے وابستگی سعادت سمجھتے تھے، سندھ کے حاکم جام جونہ (جانوہ) کی دو بیٹیاں تھیں بی بی مغلی اور بی بی مرکی، اول الذکر حاکم گجرات سلطان محمد شاہ (۸۴۵ـ ۸۵۵ھ / ۱۴۴۱ـ ۱۴۵۱ء) سے منسوب ہوئی جس کے بطن سے فتح خان تولد ہوا جو بعد میں سلطان محمود بیگڑھ (Begarah) (۸۶۲ـ ۹۱۷ھ / ۱۴۵۸ـ ۱۵۱۱ء) کے نام سے مشہور ہوا، شاہ قطب العالم کی پیش گوئی کے مطابق مذکورہ دونوں بہنیں یکے بعد دیگرے شاہ عالم کے عقد میں آئیں اور سلطان محمد شاہ کے انتقال (۸۵۵ھ / ۱۴۵۱ء) کے بعد بی بی مغلی بھی شاہ عالم کے عقد میں آئیں کیوں کہ ان کی پہلی بیوی بی بی مرکی کا انتقال ہو گیا تھا۔ (مرآۃ سکندری ۸۹) بی بی مغلی کا فرزند محمود بیگڑھ اس وقت کم عمر تھا، شاہ عالم نے اس کی تربیت کی، شاہ عالم کے آخری گیارہ سال اسی سلطان محمود بیگڑھ کے زمانہ میں گذرے۔ اگرچہ شاہ عالم نے عہد کیا تھا کہ وہ نہ تو ملکی سیاست میں حصہ لیں گے اور نہ ہی سلاطین و امراء سے ربط و تعلق رکھیں گے (گلزارِ ابرار ۱۴۵) لیکن حالات کے تقاضے سے سلاطین و امراء ان کی خدمت میں باقاعدہ آنا سعادت تصور کرتے تھے، سلطان قطب الدین کو ان سے بڑی عقیدت تھی، بعد میں ان سے تعلقات قدرے کشیدہ بھی ہو گئے تھے۔ سلطان احمد (۱۴۱۱ـ ۱۴۴۳ء) نے ایک بار اعتراف کیا تھا کہ میرا دادا سلطان مظفر (۱۳۹۲ـ ۱۴۱۱ء) مخدوم جہانیاں جہان گشت کا مرید تھا، شاہ عالم کم سنی میں اپنے والد کے ساتھ سلطان احمد کے دربار میں گئے تھے، یہ انہی حضرات کی کوششیں تھیں کہ سلاطین و امراء شریعتِ اسلامی کے نفاذ میں سرگرم عمل رہے:

(Nizami, K.A: Suhrawardi Silsilah and its influence on medieval Indian Politics, p.p. 36-41)

شاہ عالم کا تریسٹھ سال کی عمر میں ۲۰ جمادی الثانی ۸۸۰ھ / ۱۴۷۵ء کو انتقال ہوا آپ کا مزار احمد آباد گجرات کے ایک مضافاتی قصبہ رسول آباد میں ہے (گلزارِ ابرار ۱۴۶، اخبار الاخیار ۲۲۳، مرآۃ احمدی، خاتمہ ۳۷ـ ۳۸) شاہ عالم کے والد کی اولاد حضرات قطبیہ اور شاہ عالم کی حضرات شاہیہ کہلاتی ہے۔ ان کی اولاد میں پانچ فرزند اور چار صاحبزادیاں تھیں (مرآۃ احمدی، خاتمہ ۳۸) ان کے فرزند اکبر شاہ راجو ان کے جانشین بنے۔ شاہ عالم کا

مزار سلطان محمود بیگڑہ کے ایک امیر تاج نے تعمیر کروایا تھا، ملحقہ مسجد اور دیگر عمارات کی تفصیل علی محمد خان نے دی ہے (مرآۃِ احمدی، خاتمہ ۳۸)

شاہ عالم کے مریدین وخلفاء بکثرت تھے ان میں سے ملک عبداللطیف داور الملک معروف بہ داول شاہ (ف ۸۷۹ھ / ۱۴۷۴ء) نے جب شہادت پائی تو شاہ عالم نے کبر سنی کے باوجود جہاد کا ارادہ کر لیا۔ (روضات شاہی مؤلفہ سیّد جعفر بدر عالم بحوالہ جرنل لائبریری پیر محمد، احمد آباد، شمارہ ۳ ص ۱۸)

شاہ عالم نہایت ذی علم بزرگ تھے ان کے ملفوظات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا ایک عظیم کتب خانہ بھی تھا اور اس سے ملحقہ مدرسہ بھی طالبانِ علم کی تشنگی دور کرنے کے لیے موجود تھا (گجرات کی تمدنی تاریخ ۹۸، ۲۲۰)
(Muslim Education and learning in Gujrat, p.p. 146-147)

شاہ عالم کثیر التصانیف بزرگ تھے لیکن زمانہ کے نشیب و فراز سے یہ کتب ضائع ہو گئی ہیں صرف چند دریافت شدہ کتابوں کا ذکر کیا جارہا ہے:

۱۔ موصل الطالبین:

یہ رسالہ فارسی نثر میں ہے اور معرفت، تصفیہ، تزکیہ وغیرہ کی تفصیلات پر ہے اس کا ایک نسخہ کتابخانہ درگاہ پیر محمد شاہ، احمد آباد گجرات میں ہے (فہرست مخطوطات ۴ / ۱۶۵)

۲۔ الوصول الی اللہ:

فارسی نثر، یہ رسالہ سالکین کے وصول کے موضوع پر ہے (ایضاً ۵ / ۱۸۷) خطی نسخہ کتابخانۂ درگاہِ پیر محمد مذکور میں ہے۔

۳۔ ملفوظاتِ قطبیہ:

فارسی نثر، اس رسالہ میں مؤلف نے اپنے جد اعلیٰ مخدوم جہانیاں جہان گشت بخاری کے مناقب لکھے ہیں۔ قلمی نسخہ کتابخانہ درگاہ مذکور میں ہے (ایضاً ۶ / ۷۷)

۴۔ زینت المفاتیح کنز اللہ

۵۔ رسالہ مفاتیح خزائن اللہ

یہ دونوں رسائل شیخ شاہ عالم کے مجموعہ وظائف لطائفِ شاھیہ سے منقول ہیں، ان دونوں رسالوں کے خطی نسخے کتابخانہ مذکور میں ہیں (ایضاً ۶/ ۲۴۱۔۲۴۲)

۶۔ مناجات شاہ عالم

یہ شاہ عالم سے منسوب ہے درگاہِ مذکورہ میں خطی نسخہ ہے (ایضاً ۶/ ۲۴۲)

۷۔ رسالہ تصوّف:

یہ مختصر رسالہ فارسی نثر میں ہے اور عبد اللہ خویشگی قصوری نے پورا رسالہ اپنی کتاب میں نقل کیا ہے (معارج الولایت، خطی، برگ ۵۰۸ب تا ۵۱۳ب)

۸۔ لطائفِ شاھیہ:

اس مجموعہ کا متن شاہ عالم کا مرتبہ جسے بعد میں ان کی اولاد کے ایک ذی علم بزرگ سید محمد مقبول عالم گجراتی (۹۸۹۔۱۰۴۵ھ / ۱۵۸۱۔۱۶۳۵ء) نے ترتیب دیا تھا یہ رسالہ ڈاکٹر سید وارث علی ترمذی نے مرتب کیا اور اپنی سے ۱۹۷۶ء کو طبع ہوا۔

شاہ عالم کی ساری اولاد اہل علم حضرات تھے جن کی بکثرت کتب دنیا کے کتابخانوں میں پائی جاتی ہیں جن میں سے صرف خاندانی احوال پر قابلِ توجہ کتب کے نام لکھے جا رہے ہیں:

۱۔ اللطائف البرہانیۃ (ملفوظات مخدوم جہانیاں جہان گشت بخاری) مؤلفہ عبد اللطیف پٹنی (بسال ۸۵۴ھ)

۲۔ رُشد زاہدی از زاہد بن قطب عالم ۳۔ لب اللباب از سیّد احمد بن محمد مقبول عالم ۴۔ اذکار اظہار فی مناقب المشائخ الکبار از محمد مقبول عالم ۵۔ سیرۃ السادات از محمد مقبول عالم (تعارفی مقالہ مشمولہ جرنل شمارہ ۳ درگاہ پیر محمد شاہ احمد آباد) ۵۔ اعمال السادات مؤلفہ بدر عالم جعفر بن جلال الدین، یہ تمام مخطوطات کتابخانہ درگاہ پیر محمد شاہ، احمد آباد میں موجود ہیں جن کا تعارف کتابخانہ کی فہرست کی پہلی ۶ مجلدات میں کروایا گیا ہے۔

صدر الصدور سیّد جلال بخاری رضوی (ف ۱۰۵۷ھ / ۱۶۴۷ء) صاحب دیوان شاعر تھے اور رضا تخلص کرتے تھے، سالار جنگ میوزیم کے دیوانِ رضا کے خطی نسخے پر ڈاکٹر نذیر احمد کا مفصل مقالہ ارمغانِ علمی (بپاس خدمات علمی ڈاکٹر وحید قریشی) میں شامل ہے، اسی طرح سیّد جلال الدین ابو محمد حسین ماہ عالم بھی فارسی کے صاحبِ دیوان شاعر تھے، اور جلالی تخلص کرتے تھے (ایضاً ۴۶۰)۔ دین مریدین، رسالہ سوال وجواب اور احساء الاسماء یہ تینوں کتب شیخ محمد بن جلال شاہی کی تصنیف ہیں (نقد عمر ۳۰۔۴۰)

چہل حکایت موخر الذکر مؤلف کی تالیف نہیں ہے بلکہ سیّد مقبول عالم کی ہے جو شاہ عالم گجراتی کی کرامات وخوارق عادات پر مشتمل ہے، اس کے خطی نسخے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور نیشنل میوزیم آف پاکستان میں ہیں (نذیر احمد: خانوادہ، حضرات شاہیہ گجرات کے فضلاء کی تصانیف، مقالہ تصوف اور ہندوستانی معاشرہ ۹۲۔۹۷، نقد عمر ۳۰)

روضاتِ شاہی مؤلفہ سیّد جعفر بدر عالم یہ کتاب چوبیس جلدوں میں ہے اور خاندان شاہ عالم گجراتی کے اصحاب کا تذکرہ ہے جس کا آغاز نبی اکرم ﷺ سے ہوتا ہے اور شاہ عالم گجراتی تک کے حالات تفصیل لکھے گئے ہیں، اس کی جلد اول کتابخانہ ہمدرد یونیورسٹی، کراچی میں ہے (خضر نوشاہی: روضیاتِ شاہی اور اس کا مصنف، معارف اعظم گڑھ، اکتوبر ۱۹۹۳ء) اس کی سترہویں جلد نیشنل آرکائیوز دہلی میں ہے (ضیاء الدین دیسائی: بیرون گجرات کی علمی خدمات کے مآخذ، مقالہ مشمولہ جرنل شمارہ ۳ درگاہ پیر محمد، گجرات ص ۱۷۔۲۱)

شاہ عالم گجراتی کے ملفوظات بھی جمع کیے گئے تھے، موصوف صرف جمعہ کے روز مجلس منعقد کرتے تھے (مرآۃِ سکندری ۹۸) اسی مجلس میں املا کا سلسلہ بھی ہوتا تھا اور اسی مناسبت سے ان کے ملفوظات کے مجموعوں کو جمعاتِ شاہیہ کا نام دیا گیا، روضاتِ شاہی کی طرح یہ بھی بہت ضخیم کتاب ہے اس کی جلد ششم وہفتم کتابخانہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ہیں، جلد ششم میں یکم محرم ۸۷۶ھ سے ۲۰ ذی الحج ۸۷۶ھ کے ملفوظات ہیں اور جلد ہفتم میں ۴ محرم ۸۷۷ھ سے لے کر ذی الحج ۸۷۷ھ تک ملفوظات ہیں، یہ ملفوظات شاہ عالم کے وصال کے عرصہ دراز کے بعد اس خانوادہ کے اہم فرد سیّد محمد جعفر بن سیّد جلال مقصود عالم نے مرتب کیے (مقالاتِ نذیر ۴۵۷۔۴۸۲ ساتویں جلد کا تعارف ملفوظات شاہ عالم گجراتی کے عنوان سے پروفیسر محمد اسلم نے کروایا، ملفوظاتی ادب کی تاریخی اہمیت ۲۳۷۔۲۶۱)

ملفوظات کے سلسلہ میں ایک نیا انکشاف یہ ہوا ہے کہ شاہ عالم کے ملفوظات کی جمع آوری کا آغاز ۶ ذی الحج ۸۷۱ھ کو ہوا اور ماہِ وصال جمادی الثانی ۸۸۰ھ تک یہ سلسلہ جاری رہا، جس کا آغاز باقاعدہ شاہ عالم کے حین حیات بندگی میاں سید محمد حضرت میاں منجھن شاہ کے امر سے ہوا، اس کی پہلی جلد کا آغاز ۶ ذی الحج ۸۷۱ھ سے لے کر ۱۹ ذی الحج ۸۷۳ھ تک کے ملفوظات پر مشتمل ہے جس کے جامع فرید بن محمد بن دولت شاہ جلواتی تم کبزبنجی (Kibazbanji) ساکن رسول آباد توابع احمد آباد ہیں، اس جلد کا قدیم بوسیدہ خطی نسخہ مخدومی خلیل الرحمٰن داؤدی مرحوم (لاہور) کے پاس تھا جس کے ابتدائیہ سے مذکور امور کا علم ہوا اس جلد اول کا نام خزانۃ السالکین ہے، اس سے ڈاکٹر نذیر احمد کے قیاسی سنین ومجلدات کا تعین محل نظر ہو جاتا ہے (مقالات نذیر ۴۶۸)

شاہ عالم گجراتی اور ہندی (اُردو قدیم) میں بھی گفتگو کرتے تھے (ایضاً ۴۶۲، اُردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیہ کرام کا کام ص ۱۸-۲۰)

مآخذ

۱۔ ابو ظفر ندوی: گجرات کی تمدنی تاریخ، اعظم گڑھ، دار المصنفین، ۱۹۶۲ء

۲۔ اکبر ثبوت: نگاہی بہ ملفوظاتِ شاہ عالم، مقالہ مشمولہ تصوف اور ہندوستانی معاشرہ، مرتبہ محی الدین بمبئی والہ، دہلی ۱۹۸۸ء

۳۔ خضر نوشاہی: روضاتِ شاہی اور اس کا مصنف، مقالہ مشمولہ معارف اعظم گڑھ، اکتوبر ۱۹۹۳ء

۴۔ دیسائی، ضیاء الدین: بیرون گجرات کی علمی خدمات کے مآخذ، مقالہ مشمولہ جرنل شمارہ ۳، کتابخانہ درگاہ پیر محمد، احمد آباد، گجرات، ۲۰۰۴ء

۵۔ عارف نوشاہی: نقدِ عمر، لاہور، ۲۰۰۵ء

۶۔ عبد الحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار مرتبہ علیم اشرف خان، تہران، ۱۳۸۳ش

۷۔ عبد الحق: اُردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیائے کرام کا کام، دہلی، ۲۰۰۱ء

۸۔ علی محمد خان: مرآۃ احمدی، خاتمہ مرتبہ نواب علی، بڑودہ، ۱۹۳۰ء

۹۔ ایضاً: تاریخ اولیاء گجرات (ترجمہ خاتمہ مرآۃ احمدی) مترجم ابو ظفر ندوی، احمد آباد، ۱۹۹۳ء

۱۰۔ غلام محمد: مرآۃ محمدی (تاریخ گجرات)، بمبئی ۱۳۴۲ھ

۱۱۔ غوثی مانڈوی: گلزارِ ابرار مرتبہ محمد ذکی، پٹنہ، ۲۰۰۱ء

۱۲۔ فہرست مخطوطات کتابخانہ درگاہِ پیر محمد شاہ، احمد آباد، گجرات ۱۹۹۲۔۱۹۹۹ء

۱۳۔ محمد اسلم: ملفوظاتی ادب کی تاریخی اہمیت، لاہور، ۱۹۹۵ء

۱۴۔ محمد مقبول عالم (مرتب) لطائفِ شاھیہ مرتبہ سیّد وارث علی ترمذی، کراچی، ۱۹۷۶ء

۱۵۔ منجھو بن اکبر، سکندر: مرات سکندری مرتبہ ستیش چندر مصرا و محمد لطف الرحمٰن، بڑودہ، ۱۹۶۱ء

۱۔ نذیر احمد: مقالات نذیر، دہلی، ۲۰۰۲ء

۲۔ ایضاً: خانوادۂ حضرات شاھیہ کے فضلاء کی تصانیف، مقالہ مشمولہ تصوف اور ہندوستانی معاشرہ، دہلی، ۱۹۹۸ء

۳۔ ایضاً: صدر الصدور سیّد جلال بخاری، عہد شاہ جہانی کے ایک صاحب دیوان شاعر، مقالہ مشمولہ ارمغانِ علمی (بپاس خدماتِ علمی ڈاکٹر وحید قریشی) مرتبہ رفیع الدین ہاشمی، عارف نوشاہی، تحسین فراقی، لاہور، ۱۹۹۸ء

۱۶۔ عبداللہ عبدی خویشگی قصوری: معارج الولایت، خطی، ذخیرہ آذر، کتابخانہ دانشگاہِ پنجاب لاہور،

17- Desai, Z.A: Persian and Arabic Epigraphy of Gujrat, Baroda, 1982.

18- Quraishi, M.A: Muslim Education and learning in Gujrat, Baroda, 1972.

19- Nizami, K.A: Suhrawardi Silsilah and its influence on medieval Indian Politics, medieval India, Vol.III, No. 12 (1957) Aligarh, 1957

۹ نومبر ۲۰۰۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ جمال الدین ابو بکر اکبر آبادی

شیخ جمال الدین ابو بکر گیارہویں صدی ہجری / پندرہویں صدی عیسوی کے ایک عالم، صوفی اور مصنف تھے اور معروف شیخ طریقت حضرت شیخ عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی لاہوری (ف ۹۱۰ھ / ۱۴۰۵ء) کے برادر خُرد تھے، انہوں نے اپنا نسب اس طرح بیان کیا ہے۔

جمال الدین ابو بکر بن شیخ ابو الفتح حارثی ہاشمی قرشی ہکاری بن شیخ عبدالعزیز بن شیخ شہاب الدین بن شیخ نور الدین بن سلطان التارکین شیخ حمید الدین حاکم ابو الغیث بن سلطان بہاء الدین بن سلطان قطب الدین بن سلطان رشید الدین بن سلطان ابو علی بن شیخ موسیٰ بن شیخ ابو طاہر بن شیخ ابو الحسن ہاشمی ہکاری۔۔۔۔۔۔(تذکرہ قطبیہ ۳)

شیخ جمال الدین ابو بکر نے سلوک کی ابتدائی تعلیم اپنے والد شیخ ابو الفتح حارثی کی خدمت میں حاصل کی جو سلطان حمید الدین حاکم کے خلیفہ تھے جنہیں سلاسل بسطامیہ، جنیدیہ اور سہروردیہ میں اجازت وخلافت حاصل تھی (تذکرہ حمیدیہ ۱۹۔ ۲۰) شیخ ابو بکر نے والد گرامی سے فیض یاب ہونے کے بعد اپنے برادر مکرم قطب العالم شیخ عبدالجلیل لاہوری سے بیعت کی (تذکرہ قطبیہ ص ۱۴)، شیخ جمال الدین ابو بکر کی شادی سلطان بابک[۱] کی بیٹی سے ہوئی تھی (ایضاً ص ۴۰۔ ۴۱) شیخ قطب العالم عبدالجلیل نے اپنے برادر خرد شیخ جمال الدین ابو بکر کو خلافت دے کر اپنے آخری ایام حیات میں حصار فیروز شاہ بھیجا (ایضاً ص ۱۴۴)

سلطان سکندر ثانی لودھی (۸۹۴۔ ۹۲۳ھ / ۱۴۸۸۔ ۱۵۱۷ء) کے زمانہ میں شیخ جمال الدین حصار فیروز شاہ سے سلطان سکندر ثانی کی علم دوستی اور عقیدت کے باعث اس کے دارالحکومت آگرہ میں جا کر آباد ہو گئے۔

---

۱ بابک بن بہلول بن کالا بن ابراہیم لودھی (معجم الانساب مؤلفہ زمباور ص ۴۲۵)

(گلزار ابرار ۲۰۴) تذکرہ حمیدیہ بحوالہ تاریخ جلیلہ ۲۲۴، گلزار ابرار ۲۰۵، بستانِ اخیار ۳۹، اذکار قلندری ص ۱۳۴) سالِ وفات کسی متعارف تذکرہ نویس نے نہیں لکھا۔

آپ کی اولاد "ہرج مرج" زمانہ کے باعث آگرہ کی اقامت ترک کر کے قصبہ ہانسی میں سکونت پذیر ہو گئی تھی۔ اس خانوادہ کے ایک فرد شیخ عبدالنبی ہانسی حصار کے قصبہ گڑھی میاں بھائی خان بلوچ (ضلع مظفر نگر تھانہ بھون سے ۵ میل کے فاصلہ پر ہے[1]) چلے گئے جہاں دعوت وعزیمت میں عمر صرف کی۔ عبدالغنی، میاں محبوب شاہ بن میاں الٰہی بخش اور شیخ عبدالرحیم ظاہری وباطنی کمالات کے مالک تھے (اذکارِ قلندری ۱۳۴۔۱۳۵)

تالیفات

شیخ جمال الدین ابوبکر کی صرف تین تالیفات کا علم ہو سکا ہے:

آپ نے وصایائے امام محمد اور اصولِ بزدوی از ابو الحسن علی بن محمد بن حسین بزدوی کی شرحیں لکھیں (گلزار ابرار ۲۰۴، بستانِ اخیار ۳۹) یہ شروح اب دستیاب نہیں ہیں۔

تذکرہ قطبیہ (فارسی نثر)

یہ کتاب شیخ جمال الدین ابوبکر نے اپنے برادر بزرگ قطب العالم شیخ عبدالجلیل چوہڑ بندگی لاہوری (ف ۹۱۰ھ / ۱۵۰۴ء) کے مناقب میں لکھی ہے، اس کا سال تالیف واضح طور پر معلوم نہیں ہے اسے حدود ۹۴۷ھ تا ۹۵۲ھ / ۱۵۴۰ تا ۱۵۴۵ء کی تالیف قیاس کرنا چاہیے۔ اس میں حضرت قطب العالم کی کرامات بیان کی گئی ہیں۔ لیکن ضمناً اس میں بہت سی تاریخی باتیں بھی درج ہو گئی ہیں، جن سے اس عہد کی کتب تاریخ خالی ہیں، خاص طور پر لاہور کے بارے میں کئی اہم اشارات ملتے ہیں مثلاً قبرستان میانی کو پنج ذھرہ کہتے تھے، خانقاہِ شیخ عبدالجلیل کے قریب کا علاقہ کوٹ کروڑ کہلاتا تھا، جہاں امراء کی عمارتیں تھیں جن میں غازی خان کا تالاب اور دولت خان لودھی کی باولی تھی، اسی تذکرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بابر کے حملہ سے ان عمارات کو نقصان پہنچا تھا، تذکرہ قطبیہ سے دریائے راوی کی گذرگاہ کا بھی علم ہوتا ہے کہ دریائے راوی کوٹ کروڑ اور مزار شاہ کاکو (یعنی مسجد شہید گنج، لنڈا بازار) کے درمیان بہتا تھا پھر آپ کی زندگی میں دریا نے اپنا رخ تبدیل کرنا شروع کر دیا۔ (تذکرہ قطبیہ، دیباچہ

---

۱ اذکار قلندری، حاشیہ مرتب ص ۱۳۴

نوشتہ شجاع الدین) اس تذکرہ میں چند مقاماتِ پر سندھی دوہڑے اور پنجابی جملے بھی نقل ہوئے ہیں، موکف نے خود بھی پنجابی الفاظ استعمال کیے ہیں، موکف کی نوشتہ فارسی میں مقامی زبانوں کے عناصر نمایاں ہیں، بعض جملوں کی ساخت تو فارسی انداز بیان سے خاصی مختلف ہے۔ (پاکستان میں فارسی ادب ۱/ ۳۴۲۔۳۴۴)

تذکرہ قطبیہ کا فارسی متن اس خانوادہ کے تذکرہ نویس پیر غلام دستگیر نامی نے مرتب کر کے لاہور سے ۱۳۷۱ھ / ۱۹۵۲ء کو شائع کیا، پھر رسالہ سہرورد، لاہور میں اس کے مکمل متن کا عکس طبع کیا گیا۔

مآخذ

۱۔ جمال الدین ابو بکر اکبر آبادی: تذکرہ قطبیہ مرتبہ غلام دستگیر نامی، لاہور، ۱۹۵۲ء

۲۔ شہر اللہ لانگاہ ملتانی: تذکرہ حمیدیہ (احوال شیخ سلطان حمید الدین حاکم) ترجمہ اُردو از غلام دستگیر نامی، لاہور، ۱۹۵۹ء

۳۔ فرحت، فرح بخش: اذکار قلندری (احوال شیخ عبدالجلیل چوہڑ بندگی لاہوری ف ۹۱۰ھ) مرتبہ غلام دستگیر نامی، لاہور، ۱۹۵۷ء

۴۔ ظہور الدین احمد: پاکستان میں فارسی ادب، ج ۱، لاہور، ۱۹۶۴ء

۵۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، کانپور، ۱۸۷۳ء

۶۔ ایضاً: حدیقۃ الاولیاء، تحقیق و تعلیق محمد اقبال مجددی، لاہور، ۲۰۰۰ء

۷۔ نامی، غلام دستگیر: تاریخ جلیلہ (احوال خانوادہ شیخ عبدالجلیل چوہڑ بندگی مذکور)، لاہور، ۱۹۶۰ء

۸۔ ایضاً: بزرگان لاہور، لاہور، ۱۹۶۶ء

۹۔ غوثی، حسن شطاری: گلزارِ ابرار مرتبہ محمد ذکی، پٹنہ، ۲۰۰۱ء

۱۰۔ چشتی، نور احمد: تحقیقاتِ چشتی، لاہور

نوٹ: ہمارا یہ مقالہ غلطی سے دانشنامہ زبان و ادب فارسی در شبہ قارہ، تہران جلد دوم میں جناب ڈاکٹر محمد اقبال ثاقب کے نام سے شائع ہو گیا ہے۔

دانشنامہ شبہ قارہ، تہران

حضرت شاہ جمال قادری سہروردی لاہوری

شاہ جمال، عہد شاہ جہان (۱۰۳۷ـ۱۰۶۸ھ / ۱۶۲۸ـ۱۶۵۸ء) کے معروف مشائخ اور لاہور کے مشہور صوفیہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

شاہ جمال سہروردی سلسلہ میں شیخ ککرا بیگ (Kikra Baig) سے ارادت رکھتے تھے جن کا سلسلہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی (ف ۶۶۱ھ / ۱۲۳۴ء) کی وساطت سے شیخ شہاب الدین عمر سہروردی (ف ۶۳۲ھ / ۱۳۲۴ء) سے واصل ہوتا ہے۔

شاہ جمال حسینی سید تھے ان کے پس ماندگان عرصہ سے سیالکوٹ (Sialkot) میں مقیم ہیں۔ شاہ جمال اور شاہ کمال دونوں حقیقی بھائی تھے، علم ظاہری و باطنی میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے (خزینۃ الاصفیاء ۲/ ۹۸)

شاہ جمال کا خاندان ایران سے کشمیر جا کر آباد ہو گیا تھا اُن میں سے یہ دونوں بھائی لاہور آ گئے جن سے یہاں سلسلہ قادریہ و سہروردیہ کو فروغ ہوا، شاہ جمال نے اپنے حین حیات اپنی خانقاہ و دمدمہ (Beattery) کی طرح سات منزلہ تعمیر کروائی تھی جس کی اب صرف دو منزلیں باقی ہیں (خزینۃ الاصفیاء ۲/ ۹۸، تحقیقاتِ چشتی ۶۲۲)

شاہ جمال عوام و خواص میں بہت ہی ہر دل عزیز تھے سہروردی کے علاوہ آپ قادری سلسلہ میں بھی بیعتِ ارادت رکھتے تھے (ایضاً)

شاہ جمال قادری کا انتقال لاہور میں ۱۰۳۹ھ / ۱۶۲۹ء کو ہوا (خزینۃ الاصفیاء ۲/ ۱۰۰، حدیقۃ الاولیاء ۱۷۳، بزرگانِ لاہور ۱۴۴) تذکرہ نویسانِ لاہور کا ان کے سال وفات میں خاصا اختلاف ہے، نور احمد چشتی، کنھیا لال اور سید محمد لطیف نے ۱۰۶۱ھ / ۱۶۵۰ء درج کیا ہے (تحقیقاتِ چشتی ۶۲۲، تاریخ لاہور ۳۱۸، لاہور ۲۰۰)

ان سب مؤلفین نے کوئی عصری حوالہ پیش نہیں کیا اور یہ محض ایک دوسرے سے نقل کرتے چلے آ رہے ہیں ہم نے مفتی غلام سرور لاہوری کے درج کردہ سالِ وصال ۱۰۴۹ھ کو اس لیے ترجیح دی ہے کہ موصوف کو صوفیہ کے تذکروں پر تخصص حاصل تھا۔

شاہ جمال کا مزار لاہور میں اچھرہ (Ichrah) سے مشرق کی جانب ہے جو آپ کے نام کی مناسبت سے شاہ جمال کالونی کہلاتا ہے۔ یہ مقبرہ دو منزلہ وسیع چبوترے پر واقع ہے، مزار پر گنبد بھی ہے، اس کے ایک طرف چھوٹی سی قدیم وضع کی مسجد بھی ہے، گنبد سے باہر شاہ جمال کے خاندان کے بعض افراد کی قبریں بھی ہیں۔

مآخذ

۱۔ چشتی، نور احمد: تحقیقاتِ چشتی، لاہور ۱۸۶۵ء

۲۔ عبدالحمید لاہوری: بادشاہ نامہ، کلکتہ ۷۲۔۱۸۶۶ء

۳۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنو، مطبع ثمر ہند، ۱۸۷۳ء

۴۔ ایضاً: حدیقۃ الاولیاء تحقیق وتعلیق محمد اقبال مجددی، لاہور، ۱۹۷۶ء

۵۔ فوق، محمد دین: تذکرۃ العلماء والمشائخ، لاہور، ۱۹۲۰ء

۶۔ کنبوہ، محمد صالح: عمل صالح (شاہ جہان نامہ) مرتبہ غلام یزدانی ووحید قریشی، لاہور، ۱۹۶۷ء

۷۔ کنھیا لال: تاریخ لاہور، لاہور، ۱۸۸۸ء

۸۔ محمد الدین ہوشیارپوری: باغ اولیائے ہند، لاہور، ۱۹۲۸ء

۹۔ محمد امین قزوینی: پادشاہ نامہ (بخش تراجم عیان، مشمولہ رسالہ اردو، کراچی ج ۵۵۔ ش ا۔ ۲، ۱۹۷۹ء متن مرتبہ محمد سلیم اختر)

10- Muhammad Latif: Lahore, its History, Lahore, 1892.

۱۹ مارچ ۲۰۰۳ء

شیخ سیّد باقر بن عثمان بخاری اُوچی

سیّد باقر بخاری اوچی بارہویں صدی کے صوفیہ اور مولفین میں سے تھے۔

سیّد باقر کے خانوادے کا تعلق اوچ کے بخاری سادات سے تھا اور چودہ واسطوں سے ان کا نسب معروف صوفی سیّد جلال بخاری (بزرگ) سے واصل ہو جاتا ہے۔ یہی سیّد جلال بخاری (ف ۶۹۰ھ / ۱۲۹۱ء) اوچ (Uch) کے خانوادۂ سادات کے موسس تھے۔

اس خاندان کی سب سے معروف شخصیت مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری (ف ۷۸۵ھ / ۱۳۸۳ء) ہیں۔ سیّد باقر بخاری کی زندگی بالکل ان سے مشابہہ تھی۔

سیّد باقر بخاری کے والد سیّد عثمان بخاری ایک عالم، زاہد اور متقی بزرگ تھے انہیں اپنے والد سیّد داؤد بخاری سے خلافت تھی اور والد کی وفات کے بعد خانقاہِ اوچ بخاری کے سجادہ نشین بنے تھے (جواہر الاولیاء ۲۹۶) یہی سیّد عثمان متعدد اور اہم کتب تصوف کے مؤلف تھے (مقدمہ جواہر الاولیاء ۵۰)

سیّد باقر بخاری کے حالات اس سلسلہ کے تذکروں میں نہیں ملتے انہوں نے اپنی کتاب جواہر الاولیاء میں مختلف مقامات پر اپنے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہی ان کے حالات کا ماخذ ہے۔

سیّد باقر نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سیّد عثمان کی خدمت میں رہ کر حاصل کی اس کے بعد مخدوم سیّد شمس الدین بخاری گجراتی سے تحصیل کی (جواہر الاولیاء ۱۱۳) اپنے والد ہی سے سلوک کی تربیت حاصل کر کے خرقہ خلافت سے سرافراز ہوئے (ہمانجا ۲۹۶)

سیّد باقر بخاری نے حصولِ معرفت کے لیے طویل سفر بھی کیے سندھ کے معروف شہر ٹھٹھہ (Thatha) میں بھی قیام رہا (ہمانجا ۵۵۲)

سیّد باقر کے شاگردوں میں سے سیّد علی اکبر بن سیّد حامد قتال بخاری اور کتاب جواہر الاولیاء کے کاتب اصلی محمد علی بن شیخ عبدالواسع صوفی کے اسماء خود سیّد باقر نے متعدد بار لکھے ہیں (جواہر الاولیاء، مقدمہ ۵۸)

سیّد باقر بخاری متعدد کتبِ تصوف کے مؤلف تھے جن میں سے صرف چار تالیفات کا ہمیں تاحال علم ہے۔

۱۔ خمس الانوار

۲۔ اکبر جلالی

۳۔ باقر المرادات

۴۔ جواہر الاولیاء

ان میں سے صرف جواہر الاولیاء کا ہی سراغ مل سکا ہے۔ باقی کتب کے حوالے خود مؤلف نے جواہر الاولیاء میں دیئے ہیں۔

جواہر الاولیاء ان جواہر (ابواب) پر مشتمل ہے:

جواہر اول۔۔۔ در فضیلت تمام سورہ ہائی قرآن و آیات۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جواہر دوم۔۔۔ در فضیلتِ نود ونہ نام باری تعالیٰ۔۔۔۔۔۔

جواہر سوم۔۔۔ در فضیلت چہل اسماء با مؤکلات و در فضیلتِ نود و نہ نام حضرت رسول اللہ ﷺ

جواہر چہارم۔۔۔ در فضیلت درود بر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم و خرقہ خلافت پیرانِ بخاری۔۔۔

جواہر پنجم۔۔۔۔ در فضیلتِ مناجات وادعیات و چہل و یک اسماء یونانی و عربی۔۔۔

جواہر الاولیاء کے موضوعات بہت وسیع ہیں۔ بظاہر یہ کتاب اوراد و اشغالِ صوفیہ کا مجموعہ ہے لیکن دراصل یہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے ایسے صوفیہ کے لیے جن کی زندگی عملیات سے وابستہ ہو یہ کتاب گویا صوفیہ خصوصاً اصحابِ اوچ بخاریان کے سلسلہ کے لیے ایک دستور العمل کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس کتاب میں مؤلف نے درجۂ اول کی کتبِ تصوف سے استفادہ کیا ہے۔ اس کے مآخذ میں بہت سی ایسی کتب عرفانی بھی شامل ہیں جو آج ناپید ہو چکی ہیں۔ خصوصی اوچ کے بخاری صوفیہ کی ایسی تصانیف کے اقتباسات بھی

شامل ہیں جو آج دست بردِ زمانہ سے تباہ ہو چکی ہیں۔ مؤلف کی محولہ کتب کی کل تعداد ۷۲ ہے۔ (مقدمہ جواہر الاولیاء۷۶۔۷۹)

جواہر الاولیاء کا سال تالیف مؤلف نے کہیں بھی وضاحت سے نہیں لکھا ہے اندرونی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۱۰۹۸ھ / ۱۶۸۶ء تک زیر تالیف تھی (ہمانجا۸۲)

جواہر الاولیاء فارسی نثر میں ہے زبان بہت سادہ اور عام فہم استعمال کی گئی ہے۔ یہ کتاب نثر سادہ وعربی آمیزی کا بہتر نمونہ پیش کرتی ہے۔

اس کتاب میں دینی وعرفانی اصطلاحات بکثرت استعمال ہوئی ہیں۔ عربی الفاظ بہت برجستگی کے ساتھ فارسی نثر میں لائے ہیں۔ محاورات عربی وفارسی بھی بکثرت اس میں مستعمل ہیں۔ نادر اور کمیاب لغات بھی اس کتاب میں ملتے ہیں جن سے مروجہ فارسی کی کتب لغت خالی ہیں (ہمانجا۱۴۴)

سیّد باقر بخاری شاعر بھی تھے انہوں نے اپنے چند اشعار جواہر الاولیاء میں نقل کیے ہیں۔ جن میں سے بیشتر اشعار وزن سے خارج ہیں (ہمانجا۵۹)

میر علی شیر قانع ٹھٹھوی نے تحفۃ الکرام (ص ۳۷۴) اور مسعود حسن شہاب نے خطہ پاک اوچ میں کتاب باقر الانوار کو اشتباھاً سیّد باقر بخاری کی تالیف سمجھ لیا ہے (ہمانجا۵۹)

مآخذ

۱۔ باقر بن عثمان بخاری اوچی: جواہر الاولیاء، بہ تصحیح وتحشیہ غلام سرور، اسلام آباد ۱۹۷۶ء

۲۔ شہاب، مسعود حسن: خطۂ پاک اوچ، بہاولپور ۱۹۶۷ء

۳۔ غلام سرور، دکتر: مقدمہ جواہر الاولیاء، اسلام آباد ۱۹۷۶ء

۴۔ قانع، میر علی شیر ٹھٹھوی: تحفۃ الکرام (اُردو ترجمہ) کراچی ۱۹۵۹ء

۵۔ محمد ایوب قادری: مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاری، کراچی ۱۹۶۳ء

۷ مارچ ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

مفتی غلام سرور لاہوری

مفتی غلام سرور کا شجرۂ نسب حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے ساتھ اس طرح ملتا ہے۔

مفتی غلام سرور بن مفتی غلام محمد بن مفتی رحمت اللہ بن مفتی حافظ محمد نقی ابن مفتی محمد تقی بن مولانا کمال الدین خُرد بن مفتی عبد السیمع بن مولانا عتیق اللہ ابن مولانا برہان الدین بن مفتی محمد محمود بن شیخ الاسلام عبد السلام بن شیخ عنایت اللہ بن مولانا کمال الدین بن شیخ مخدوم مشہور بہ میاں کلاں بن شیخ قطب الدین بن شیخ شہاب الدین انور بن شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی قدس اسرارہم۔[1]

خاندان

مفتی صاحب کے خانوادہ عالی کے سارے افراد اپنے زمانے کے باکمال اصحاب تھے۔ ان میں سے چند ایک کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

مفتی غلام محمد

یہ مؤلف کے والد تھے۔ مروجہ علوم میں داخل تھا۔ عابد و زاہد، طبیب حاذق، مدرس اور معلم تھے۔[2] ابتدائی تعلیم اپنے والد اور مولانا غلام رسول لاہوری سے حاصل کی۔ تمام عمر درس و تدریس میں گزار کر ۹ ربیع الاول ۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء میں انتقال کیا۔[3]

---

1. مفتی محمد عالم مرحوم نے خواجہ محمد ایوب لاہوری (مصنف شرح مثنوی) کو مفتی محمد تقی کا فرزند لکھا ہے اور انہیں اپنے شجرہ نسب میں شامل کر لیا ہے جو درست نہیں۔ خود مفتی غلام سرور نے خواجہ ایوب کو مفتی محمد تقی کا شاگرد و داماد لکھا ہے۔ (خزینہ ۲/ ۳۰۰) خود مفتی غلام سرور سے مفتی رحیم اللہ کے بعد مفتی محمد تقی کا نام رہ گیا ہے (ایضاً)
2. غلام سرور مفتی: حدیقۃ الاولیاء ۱۱۸-۱۱۹
3. غلام سرور مفتی: حدیقۃ الاولیاء ۱۱۸-۱۲۰/ خزینۃ الاصفیاء ۲/ محمد عالم: ذکر جمیل ۹۸-۹۹

مفتی رحیم اللہ

اپنے والد مفتی رحمت اللہ کے خلیفہ و جانشین تھے۔ تمام عمر اپنی آبائی مسجد مفتیاں کوٹلی میں درس و تدریس میں گزاری۔ آپ کا دور سکھ گردی کی بدترین مثال تھا۔ آپ کا خاندان بھی دو دفعہ سکھوں کی غارت گری کا نشانہ بنا۔ کوٹلی مفتیاں کی حویلیاں سکھوں کے ہاتھوں مسمار ہو گئیں۔ مسجد ویران ہو گئی۔ برسوں کا جمع شدہ کتب خانہ بھی برباد ہو گیا۔ لیکن آپ کے پائے استقلال کو جنبش نہ آئی اور اس حال میں یہیں مقیم رہے اور ہدایت خلق خدا میں مصروف نظر آتے تھے۔ ۱۲۳۵ھ میں انتقال کیا۔[1]

مفتی رحمت اللہ

حافظ مفتی محمد تقی کے فرزند[2]، خلیفہ و جانشین تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، منطق اور طب وغیرہ میں مہارت رکھتے تھے۔ اپنی آبائی مسجد کوٹلی مفتیاں میں مدرس تھے۔ ۱۱۹۰ھ میں انتقال کیا۔ آپ کا زمانۂ حیات بہت ہی پر آشوب تھا۔ پاک و ہند، مرہٹہ گردی، سکھ ظلم و ستم اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں کا شکار ہو کر رہ گیا تھا۔ ان حالات میں بھی آپ کے معمولات میں فرق نہ آیا۔[3]

حافظ محمد تقی

حافظ مفتی محمد تقی کے فرزند تھے۔ ۱۱۴۶ھ میں انتقال کیا۔ کامل دستگاہ رکھتے تھے۔[4]

مفتی محمد تقی

مفتی کمال الدین خرد کے خلفِ اکبر تھے۔ لاہور کے جید علماء میں شمار ہوتا تھا۔ ۱۱۳۱ھ میں انتقال کیا۔[5]

---

۱ محمود عالم: ذکر جمیل، ۹۶

۲ غلام سرور مفتی: حدیقۃ الاولیاء، ۱۱۸۔۱۱۹

۳ مفتی محمود عالم مرحوم نے انہیں خواجہ ایوب قریشی کا فرزند لکھا ہے (ذکر جمیل ۵۹) جو خود مفتی غلام سرور کی تحریرات کی روشنی میں درست نہیں ہے۔

۴ محمود عالم: ذکر جمیل، ۹۵۔۹۶

۵ ایضاً، ص ۵۲

شیخ الاسلام مفتی عبدالسلام لاہوری

خلف شیخ مفتی عنایت اللہ[1] تھے والد نے انہیں حین حیات ۱۰۱۴ھ / ۱۹۰۴ء میں اپنا جانشین مقرر کر کے آبائی مسجد مفتیاں کی امامت و خطابت و تولیت اور فتویٰ نویسی کے فرائض آپ کو تفویض کیے۔ ۱۰۳۱ھ / ۱۹۲۱ میں انتقال کیا۔[2]

مخدوم مفتی شیخ محمد قریشی معروف بہ میاں کلاںؒ

اس خاندان مفتیاں میں سے پہلے بزرگ ہیں جو ملتان سے لاہور آ کر آباد ہوئے[3]۔ سلطان بہلول لودھی نے آپ کو ملتان سے عہدہ افتا پر مامور کر کے لاہور بھیجا تھا اور علاقہ ہیبت پور (موجودہ پٹی قبل تقسیم ہند ضلع لاہور، حال ضلع امرتسر) بطور مدد معاش دیا تھا۔ آپ لاہور آ کر محلہ علاول خاں لوہانی (حال گذر حویلی میاں خاں اندرون موچی دروازہ لاہور) میں اقامت گزیں ہوئے۔ اپنی سکونت کے لیے ایک حویلی تعمیر کی اور ایک محلہ آباد کیا جو کوٹلی مفتیاں کے نام سے مشہور رہا۔ آپ نے ۸۹۱ھ میں انتقال کیا۔[4]

مولانا حکیم مفتی غلام سرورؒ لاہوری مفتی غلام محمد کے فرزند سوم تھے۔ ۱۲۴۴ھ / ۱۸۳۷ء میں اپنے آبائی محلہ کوٹلی مفتیاں لاہور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ طب بھی انہیں سے پڑھی۔ سلسلہ سہروردیہ میں انہیں سے بیعت تھے۔ پھر مولانا غلام اللہ لاہوری کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر علوم تفسیر و حدیث، فقہ، ادب، صرف و نحو، معانی و منطق اور تاریخ کی تکمیل کی اور اپنے زمانے کے بے مثل عالم، ادیب، شاعر، بے نظیر تاریخ گو، مورخ، شہرۂ آفاق تذکرہ نویس کہلائے۔

---

1 مفتی محمود عالم نے مفتی عبدالسلام کے والد کا نام قاضی مفتی محمد طاہر لکھا ہے جو درست نہیں اور مفتی غلام سرور نے ان کے والد کا نام شیخ مفتی عنایت اللہ تحریر کیا ہے۔ (حدیقۃ الاولیا)

2 محمود عالم: ذکر جمیل (ص ۷۰-۷۱) مفتی عبدالسلام بن عنایت اللہ کے معاصر مفتی عبدالسلام بن عبدالعزیز لاہوری (مصنف تاج المسلمین) ف ۱۱۰۳ھ / ۱۲۲۸ء بھی اپنے وقت کے نامور عالم تھے (اظہر محمود احمد مفتی عبدالسلام لاہوری مقالہ مشمولہ المعارف صفحہ ۷، ۱۹۷۰ء)۔

3 غلام سرور: حدیقۃ الاولیاء ۱۱۰

4 محمود عالم: ذکر جمیل ۲۹-۳۰

تمام عمر تصنیف و تالیف میں گزار دی۔ زندگی کا ابتدائی حصہ ملازمت میں بھی گزارا۔ پہلے سردار بھگوان سنگھ رئیس لاہور[1] و جاگیر دار فتح گڑھ چونیاں کی جائیداد کے مہتمم رہے۔ پھر رائے بہادر کنھیا لال[2] ایگزیکٹو انجینئر لاہور ڈویژن نے جو آپ کے تلامذہ میں سے تھا۔ اپنے محکمہ میں ایک معقول مشاہرہ پر ملازمت دلا دی تھی۔ مگر آپ نے تھوڑے ہی عرصے بعد یہ ملازمت بھی چھوڑ دی۔ در حقیقت آپ ایسی طبیعت لے کر آئے تھے جو تصنیف و تالیف اور شعر و ادب ہی کے لیے موزوں تھی۔

جون ۱۸۹۰ء میں آپ اپنے برادر زادہ مفتی جلال الدین بن مفتی سیّد محمد کی معیت میں حج کے لیے روانہ ہوئے۔ بیس ذی الحجہ کو آپ مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ تیسری منزل پر پہنچ کر مسافروں میں اچانک وبائے ہیضہ پھوٹ پڑی اور پانچویں منزل میں آپ بھی اس مرض میں مبتلا ہو گئے اور ساتویں منزل کے قریب پہنچ کر جمعرات کے روز چوبیس ذالحجہ ۱۳۰۷ھ، ۱۴ اگست ۱۸۹۰ء کو وفات پائی۔ منزل بیر بالا حسانی (مضافات جنگ بدر) میں دفن کیے گئے[3]۔

مولانا غلام دستگیر قصوریؒ نے جو رفیق سفر تھے نماز جنازہ پڑھائی۔

مؤلف کا ماحول

طبع عالی میں حد درجہ استغناء تھا۔ حکام وقت سے ملنا پسند نہیں کرتے تھے۔ پنڈت بیج ناتھ، فقیر شمس الدین اور ڈاکٹر لائٹنر رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی نے کئی بار کوشش کی کہ آپ حکام وقت کے ساتھ راہ و رسم رکھنے سے گریز نہ کریں کہ آپ ایسے فاضل مصنف کی حکومت کو بے حد ضرورت ہے۔ نیز حکومت آپ سے متعدد کتابیں مختلف علوم میں لکھوانا چاہتی ہے۔ لیکن آپ نے کہا کہ نہ تو مجھے خطاب و جاگیر کی ضرورت ہے اور نہ ہی میں اپنی تصانیف کو حکومت کے زیر اثر لکھنا چاہتا ہوں۔ ان لوگوں کی تصنیف و تالیف کا مقصد کچھ اور ہے اور میرا راستہ اُن

---

[1] لاہور میں آنریری مجسٹریٹ تھا۔ اس کا والد ہر بنس سنگھ خلف راجہ تیجا سنگھ رنجیت سنگھ کے امراء میں سے تھا۔ جس کے سپرد کچھ عرصہ کشمیر کی نظامت بھی رہی تھی۔

[2] کنھیا لال ف ۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۸ء جلیسر ضلع ایٹہ کا رہنے والا تھا۔ اس کی زندگی کا زیادہ حصہ بسلسلہ ملازمت لاہور میں گزرا فارسی و اردو میں کامل دستگاہ تھی۔ ہندی تخلص تھا۔ ملازمت کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا شوق بھی تھا۔ گلزار ہندی، بندگی نامہ، باغیچہ یادگار ہندی، مناجات ہندی، مخزن التوحید، اخلاق ہندی، ظفر نامہ، رنجیت سنگھ معروف بہ رنجیت نامہ، تاریخ پنجاب، نگارین نامہ اور تاریخ لاہور اس کی معروف اور مطبوعہ تصانیف ہیں۔ (ڈاکٹر منہاس: مورخین لاہور۔ نمبر ص ۹۸۱-۹۸۵)

[3] محمود عالم: ذکر جمیل ص ۱۰۱-۱۰۳

سے الگ ہے۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر لائٹز کے اصرار کے باوجود آپ نے پنجاب یونیورسٹی کا اعزازی فیلو بننا بھی منظور نہ کیا اور تادم زیست اپنے اسی مسلک پر قائم رہے اور حکومت کے ساتھ کسی قسم کا ادبی و سیاسی اتحاد نہ کیا۔

۱۸۸۴ء میں سرسید احمد خاں نے علی گڑھ کالج کی مالی امداد کے لیے پنجاب کا دورہ کیا اور اپنے دوست خاں بہادر ڈپٹی برکت علی کے ہاں فروکش ہوئے۔ خاں بہادر نے اکابر لاہور کا ایک نمائندہ جلسہ اپنی کوٹھی واقع بیرون موچی دروازہ لاہور میں بلایا۔ جس میں مفتی صاحب بھی مدعو تھے۔ خان بہادر نے آپ کا تعارف سرسید سے کرایا۔ سرسید آپ کی ذات سے بڑے متاثر ہوئے۔ کہنے لگے! نام سنا ہوا تھا۔ آج مل لیا۔ پھر اپنے مشن کا کچھ کام ان کے سپرد کرنا چاہا۔ مفتی صاحب نے فرمایا: "سید صاحب! میں اس کام کے لیے موزوں نہیں ہوں میرا شغل تصنیف و تالیف ہے۔ آپ نے جن لوگوں کی جماعت اپنے گرد اکٹھی کرلی ہے، اس مقصد کے لیے بہت مفید ہے اور پھر جماعتی اتحاد کے لیے عقائد کے اتحاد کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور یہ چیزیں میں یہاں نہیں دیکھتا"۔ سرسید آپ کا یہ جواب سن کر خاموش رہے[۱]۔

آپ کی ساری عمر عزیز تصنیف و تالیف میں صرف ہوئی۔ آپ کا دور نہایت ہی پر آشوب تھا۔ ہندوستان کی سلطنت انگریز مسلمانوں سے چھین چکے تھے اور مسلمانوں کی تہذیب و تمدن، اخلاق و اطوار اور مسلمان اعیان کے کارناموں کو فرسودہ قصے کہہ کر رد کیا جارہا تھا۔ ایسے ماحول میں آپ کے قلم نے معلم اخلاق بن کر ایک زبردست تذکرہ نویس کے رُوپ میں گرتی ہوئی قوم کو سنبھالنے کی سعی کی۔

مؤلف کی دیگر تالیفات

حدیقۃ الاولیاء کے علاوہ مفتی غلام سرور کی دوسری تالیفات کا ذکر یہاں سنین تصنیف کے اعتبار سے کیا جا رہا ہے۔

---

۱ محمود عالم: ذکر جمیل (۱۰۹۔۱۱۱) ملخصاً

۱۔ گلدستہ کرامت: (۱۲۷۷ھ) (مناقبِ غوثیہ تالیف شیخ محمد صادق شہبانی) کا عام فہم اُردو ترجمہ ہے۔ لاہور اور پھر متعدد مرتبہ نولکشور لکھنؤ نے شائع کیا۔

۲۔ خزینۃ الاصفیاء: (۱۲۸۰۔۱۲۸۱ء) صوفیہ کرام خصوصاً اہل ہندوستان کے مجمل حالات پر بہترین شہرہ آفاق کتاب[1] ہے۔ لاہور ۱۹۸۴ھ، پھر مطبع ثمر ہند لکھن ۱۸۷۳ء کانپور ۱۳۱۲ھ اور پھر ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی۔ صفحات تقریباً ۱۱۷۶۔ (مکتبہ المعارف لاہور نے خزینۃ الاصفیاء کا ترجمہ شائع کرنا شروع کیا ہے۔ پہلا حصہ چھپ چکا ہے۔

۳۔ گنجینۂ سروری معروف بہ اسم تاریخی گنج سروری: (۱۲۸۴ھ) اس میں حضرت نبی کریم ﷺ، خلفائے راشدین اور زمانہ تصنیف تک کے صوفیہ کرام اور علماء کے سنینِ وفات نظم کیے گئے ہیں۔ مطبع نولکشور لکھنؤ سے شائع ہوئی ہے۔

۴۔ تاریخ مخزنِ پنجاب: ۱۲۸۵ھ، پنجاب کی عام تاریخ اُردو زبان میں لکھی گئی ہے۔ لاہور ۱۲۸۵ھ میں پھر لکھنؤ سے دو مرتبہ ۱۸۷۷ء اور ۱۸۸۹ء میں شائع ہوئی۔

۵۔ اخلاقِ سروری اُردو: مطبوعہ لاہور ۱۲۸۸ھ، لکھنؤ ۱۸۷۸ء

۶۔ گلشن سروری: (۱۲۸۹ھ) اخلاق، سیاست مدن اور روز مرہ کے مسائل پر مشتمل منظوم کتاب ہے مطبوعہ لاہور ۱۸۷۴ء لکھنو ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء

۷۔ مخزن کرامت (اخلاقی باتیں): لاہور ۱۸۷۱ء۔ لکھنؤ ۱۸۷۸ء

۸۔ دیوانِ سروری: مناقب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی۔ لاہور ۱۸۷۲ء، ۱۸۷۳ء، ۱۲۹۲ھ

۹۔ نعت سروری: اُردو نظم (لاہور ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۷ء، لکھنؤ ۱۸۷۸ء / ۱۸۸۰ء)

۱۰۔ حدیقۃ الاولیاء: ۱۲۹۲ھ

---

[1] مفتی صاحب کی اس کتاب کو جو شہرت حاصل ہوئی ہے۔ پاک و ہند کے کسی اور تذکرۃ اصفیاء کو نصیب نہیں ہوئی۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی صوفیہ کرام کے حالات پر ۱۲۸۱ھ کے بعد کام ہوا ہے۔ خزینۃ الاصفیاء اس میں بہ حیثیت ماخذ ضرور شامل نظر آتی ہے۔ خصوصاً مسٹر سٹوری (ج ۱، حصہ ۲ ص ۹۲۳۔۱۳۲۷) نے اس کے کثرت سے حوالے دیے ہیں۔

۱۱۔ **بہارستان شاہی یا گلزارِ شاہی** (اُردو) ہندوستان کی عام مختصر تاریخ تا عہدِ انگریزی۔ لکھنؤ ۱۸۷۷ء

۱۲۔ **زبدۃ اللغات یا لغات سروری**۔ عربی، فارسی اور دیگر غیر ملکی الفاظ کے معنی اُردو زبان میں لکھے گئے ہیں۔ لکھنؤ ۱۸۷۷ء

۱۳۔ **دیوان حمد ایزدی** (اُردو) لکھنؤ ۱۸۸۱ء

۱۴۔ **مدینۃ الاولیاء** (اُردو) صوفیہ کرام کا عام تذکرہ ہے۔ اس میں عموماً وہ تراجم شامل ہیں جو خزینۃ الاصفیاء میں ہیں۔ لکھنؤ سے دو جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

۱۵۔ **تحفۃ الابرار**: پند نامہ عطار کا اُردو ترجمہ ہے۔

۱۶۔ **اقوال الآخرت**: بزبان پنجابی (نظم)

۱۷۔ **مخزنِ حکمت**: (اُردو نثر و نظم) ۱۲۸۸ھ میں پھر ۱۲۹۵ھ میں طبع ہوئی۔ اس میں حکمائے متقدمین و متاخرین اور صوفیہ کے حالات شامل ہیں۔

۱۸۔ **تحفہ سروری**: (منظوم اُردو) اخلاق و تصوف ۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء میں لکھی گئی۔ نولکشور نے کئی مرتبہ شائع کی۔

۱۹۔ **انشائے یادگار اصغری**: (اُردو نثر و نظم) اپنے فرزند اصغر کے نام پر اس کا نام رکھا جو بارہ برس کی عمر میں ۱۲۸۸ھ میں وفات پا گیا۔ اس میں علمی و ادبی مضامین ہیں۔

۲۰۔ **جامع اللغات**: بسال ۱۸۹۰ء اس میں عربی، فارسی اور ترکی الفاظ و محاورات کے معنی تحریر کیے گئے ہیں[1]۔

۱۔ مفتی صاحب کی تصانیف کی اس فہرست کی تیاری کے سلسلے میں ہم نے Storey: Persian Literature Vol I part II pp 1044, London 1953 سے مدد لی ہے۔

۲۔ محمود عالم: ذکر جمیل۔ لاہور ۱۹۶۸ء، ص ۱۱۱-۱۲۱

۳۔ مقدمات دیوان اصیل سرور اور کلیات سرور سے مدد لی ہے۔

۲۱۔ مفتاح الیقین والایمان علی طریقۃ اہل العرفان (عربی)، خطی نسخہ بخط مؤلف مخزونہ کتابخانہ ملی، تہران (فہرستوار، دستنوشتہای ایران ۹/ ۱۰۷۹)

حدیقۃ الاولیاء

اس میں پنجاب کے ۲۴۴ صوفیہ کرام کے حالات شامل ہیں۔ اس کو سات چمن میں تقسیم کیا گیا ہے۔ چمن اوّل، سلسلہ قادریہ کے صوفیہ کرام۔ (چمن دوم) در احوالِ مشائخ چشتیہ (چمن سوم) مشائخ نقشبندیہ (چمن چہارم) مشائخ سہروردیہ (چمن پنجم) مشائخ متفرق سلاسل (چمن ششم) مجانین ومجاذیب کے حالات (چمن ہفتم) عورات صالحات کے حالات۔

اس میں سلطان محمود غزنوی سے لے کر ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء تک کے پنجاب کے صوفیہ کرام کے حالات سادہ اور سلیس اُردو زبان میں تحریر کیے گئے ہیں۔ لیکن اس میں بعض معروف صوفیہ کرام کے حالات بھی آگئے ہیں۔ جن کا پنجاب سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

محاسن

پنجاب کے بعض مشائخ کے حالات صرف اسی "حدیقۃ الاولیاء" میں ملتے ہیں۔ مفتی صاحب سے پہلے کے مصنفین نے اُن کے حالات نہیں لکھے۔ مثلاً سیّد کامل شاہ لاہوری، شیخ محمد عارف چشتی صابری لاہوری، شیخ محمد صدیق لاہوری، شیخ محمد سلیم لاہوری، شیخ فیض بخش لاہوری، سیّد مٹھا لاہوری، خواجہ ایوب قریشی لاہوری، شیخ فتح شاہ شطاری لاہوری، مولوی غلام فرید لاہوری، مفتی رحیم اللہ قریشی، شیخ نور احمد معروف بہ نور حسین قادری، میراں سیّد غلام محی الدین، مولوی غلام رسول لاہوری، مفتی غلام محمد (والد مؤلف) میراں سیّد غلام شاہ، سیّد غلام غوث، سائیں قطب شاہ لاہوری، معصوم شاہ مجذوب لاہوری، مستقیم شاہ فیض پوری، فقیر تاجے شاہ، نظام شاہ لاہوری، مائی بھاگی لاہوری، سیّد سربلند، پیر زکی، سیّد صوف، پیر بلخی، پیر سراج دین، پیر بھولا لاہوری، شیخ فتح شاہ امرتسری، شرف شاہ لاہوری، شاہ ضیاء الدین لاہوری، پیر برہان لاہوری، مخدوم شاہ عالم صدر جہان، شاہ عبدالرزاق مکی لاہوری، پیر زہدی لاہوری، پیر غازی لاہوری، شاہ رحمت اللہ قریشی ملتانی ثم لاہوری، شیخ موسیٰ کھوکھر، شیخ محترم، مفتی محمد مکرم قریشی، شیخ گھلن شاہ، شاہ حسن۔

بعد کے تذکرہ نویسوں نے ان صوفیہ کرام کے حالات فقط حدیقۃ الاولیاء سے نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

۲۔ مفتی صاحب پہلے تذکرہ نویس ہیں، جن کے ہاں ہمیں مشائخ کے سنین وفات کے اندراج کا خاص اہتمام نظر آتا ہے۔ گویا اصولِ تذکرہ نویسی کی خشتِ اوّل سے مفتی صاحب نہ صرف شعوری بلکہ عملی طور پر بھی آگاہ تھے۔

۳۔ بہت سے معاصر مشائخ کے حالات مفتی صاحب نے محفوظ کر کے پنجاب پر بڑا احسان کیا ہے گویا ان کے حالات کے لیے حدیقۃ الاولیاء کو منفرد ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔

۴۔ حدیقۃ الاولیاء میں مفتی صاحب نے مشائخ کے حالات کے ضمن میں بعض اہم سیاسی واقعات بھی لکھ دیئے ہیں۔ مثلاً پنجاب کے اعیان کی سکھوں کے ہاتھوں بے عزتی اور مشائخ کے مقابر کی تباہی کے بعض حالات خود مؤلف نے چشم دید گواہ کی حیثیت سے نقل کیے ہیں۔ خود مفتی صاحب کا خاندان سکھ گردی کا نشانہ بن چکا تھا۔ جس کی تفصیلات مفتی صاحب کی تالیفات میں ہی نظر آئیں گی۔ علاوہ ازیں بعض حالات ثقہ اصحاب کی زبانی بھی تحریر کیے ہیں۔

دوسرا رُخ

۱۔ تذکرہ نویسی کے جملہ اصول وضوابط ملحوظ نہیں رکھے گئے۔

۲۔ ایک نشست میں اکابرِ پنجاب کے جو اسمائے گرامی ذہن میں آئے۔ ان کے حالات لکھ دیئے گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں زیادہ محنت نہیں کی گئی۔ حالانکہ مفتی صاحب اس مضمون کو پھیلا سکتے تھے۔

۳۔ اکثر بزرگوں کے شجرۂ نسب وطریقت (جن کا ہم نے معاصر مآخذ کی مدد سے تقابل کیا ہے) درست نقل نہیں کیے۔

۴۔ آج یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مصنف نے مشائخ کے تاریخی حالات لکھنے کی طرف کم توجہ کی ہے اور سارا زور ان کی کرامات کے اندراج میں صرف کر دیا ہے[1]۔

---

[1] اس سلسلہ میں پروفیسر محمد حبیب نے لکھا ہے۔ اس کتاب (خزینۃ الاصفیا) کا بڑا نقص یہ تھا کہ مصنف نے معتقدات کا سہارا لے کر ان تمام اصول اسناد کو یکسر نظر انداز کر دیا تھا جو علمائے اسلام کی نظر میں صدیوں تک علم وحکمت کی روح سمجھے جاتے رہے ہیں۔ تنقیدی اصولوں سے چشم پوشی کر کے محض معتقدات پر علم کی عمارت تعمیر کرنا کبھی ممکن نہیں تھا

۵۔ مفتی صاحب نے سماعی باتیں بھی شامل کتاب کی ہیں۔ جہاں کہیں مفتی صاحب اپنی تصانیف میں کوئی اہم نقطہ قلمبند کرتے ہوئے "باقوالِ صحیحہ" کی ترکیب سے کام لیں وہاں سمجھنا چاہیے کہ یہ اقوال محض سماعی ہیں۔ تحریری صورت میں موجود نہیں ہیں۔

۶۔ اخبار الاخیار کو بنیادی ماخذ کی حیثیت سے استعمال کرنے کے باوجود حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے تذکرہ نویسی میں جس تبدل، تجدد، انقلاب اور تحقیق کی طرح ڈالی تھی اسے ملحوظ نہیں رکھا۔

۷۔ ہاں مفتی صاحب کی تصانیف میں ایک اہم خصوصیت یہ نظر آتی ہے کہ انہیں متقدمین کے تذکروں میں ایک بڑی خامی مشائخ کے سنین ولادت و وفات کا فقدان نظر آیا تھا جسے انہوں نے ہر ممکن طریقے سے دور کرنے کی سعی کی ہے اور اس میں بھی بے شمار سنین قیاسی اور غلط ہو کر رہ گئے ہیں اور جن کے سنین وفات مفتی صاحب کو نہیں مل سکے۔ ان کا علیحدہ باب بنا دیا ہے۔

حدیقۃ الاولیاء کے اب تک حسب ذیل ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

۱۔ لاہور ۱۸۷۵ء ۲۔ کانپور ۱۸۷۷ء

۳۔ کانپور ۱۸۸۹ء ۴۔ منشی نولکشور لکھنؤ ۱۸۹۹ء

۵۔ منشی نولکشور کانپور ۱۹۰۶ء ۶۔ مرتبہ محمد اقبال مجددی، لاہور، ۲۰۰۰ء

یہ متن موخر الذکر نسخہ ۱۹۰۶ء پر مبنی ہے۔ کتاب کے متن میں کسی قسم کا رد و بدل نہیں کیا۔ فقط سہو کتابت کی تصحیح کر دی ہے۔ اس کے علاوہ ہم نے حواشی میں حسب ذیل امور پیش نظر رکھے ہیں:

۱۔ مصنف کے تسامحات کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

ہے..................... صاحب خزینۃ الاصفیاء نے اپنی کتاب میں وحشت ناک قسم کی ایسی کرامت کی تفصیل دی ہے۔ جن کو پڑھ کر ہر صاحب عقل و خرد کو شرم آجاتی ہے۔ (تاریخ مشائخ چشت، مقدمہ ص ۲۰۔۲۱) یہاں پروفیسر صاحب نے یہ بات نظر انداز کر دی ہے کہ اس زمانے میں کرامات تذکروں کا ایک جزو لاینفک سمجھی جاتی تھیں اور یہاں کے عوام کرامات کے ظہور اور حق کا تقاضا کرتے تھے۔ پھر پاک و ہند کے صوفیہ کرام کو تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں یہاں کے ہندو جوگیوں اور شعبدہ بازوں سے مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ اگر مسلمان صوفیہ کرام ان کے مقابلہ میں کرامات کا اظہار نہ کرتے تو کیا کرتے؟ اور اسی تقاضے کے پیش نظر ان کا اندراج بھی ہوا ہے اور مفتی صاحب سے پہلے پاک و ہند کا کوئی تذکرہ ایسا نہیں جس میں کرامات مندرج نہ ہوں اور ایک مسلمان کا کرامت کے نام سے اس قدر بدکنا کیا معنی دارد

۲۔ کسی شخصیت کے حالات کا کوئی ایسا پہلو جو بہت اہم تھا اور اصل متن میں اس کا ذکر نہ تھا تو اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔

۳۔ رجال کے حالات کے جو مزید مآخذ ہو سکتے تھے۔ ہم نے ان کی بھی نشاندہی کر دی ہے۔ اس سلسلہ میں معاصر اور مفرد (جو ایک شخصیت کے متعلق ہو) کو ترجیح دی گئی ہے اور متاخر مآخذ نظر انداز کر دیے گئے ہیں۔

(۱۲ر دسمبر ۱۹۷۴ء)

حدیقۃ الاولیاء، مقدمہ

شیخ بدرالدین سمرقندی فردوسی

شیخ بدرالدین سمرقندی دہلوی آٹھویں صدی ہجری کے ایک صوفی اور پاکستان و ہند میں سلسلۂ فردوسیہ کے موسس تھے۔

شیخ بدرالدین سمرقندی کے اجداد ماوراء النہر سے تعلق رکھتے تھے۔ موصوف بخارا سے ہندوستان آئے اور شیخ نظام الدین اولیاء (ف ۷۲۵ھ / ۱۳۲۵ء) کی صحبت اختیار کرلی۔ (کلمات الصادقین ۱۰۰) اس طرح دہلی میں رہنے لگے۔

شیخ بدرالدین سمرقندی کے مرشد خواجہ سیف الدین باخرزی (ف ۶۵۹ھ / ۱۳۶۱ء) شیخ نجم الدین کُبریٰ (ف ۶۱۸ھ / ۱۲۲۶ء) کے خلیفہ تھے۔ شیخ باخرزی سنٹرل ایشیاء کے اکابر مشائخ میں سے تھے (اوراد الاحباب، مقدمہ ایرج افشار)

شیخ بدرالدین کے ابتدائی حالات معلوم نہیں ہیں ان کے شیخ خواجہ سیف الدین باخرزی کی خانقاہ بخارا میں تھی قیاس ہے کہ وہیں تعلیم و تربیت حاصل کر کے خلافت یاب ہوئے ہوں گے اور بخارا ہی سے مرخص ہو کر دہلی آئے تھے (کلمات الصادقین ۱۰۰) انہوں نے طویل عمر پائی اور اپنے شیخ کے مرشد شیخ نجم الدین کبریٰ سے بھی بیعت ہوئے تھے۔ (اخبار الاخیار ۱۱۷)

یہ غالباً عنفوانِ شباب کی بات ہوگی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ بدرالدین سمرقندی بیعت تو شیخ نجم الدین کبریٰ سے ہوئے لیکن تکمیل خواجہ سیف الدین باخرزی کی خدمت میں کی۔ دہلی میں ان کا قیام سنکولہ (Sankolah) میں تھا۔ دہلی کے معروف صوفی بزرگ خواجہ نظام الدین اولیاء کے ساتھ برادرانہ مراسم تھے انہیں کی صحبت میں زیادہ وقت گزرتا تھا۔ دونوں بزرگوں کی محافلِ سماع میں شرکت بڑے اہتمام سے ہوتی تھی۔ شیخ بدرالدین سمرقندی سماع کے بہت شائق تھے (خیر المجالس ۱۸۵، سیر الاولیاء ۵۲۴، سیر العارفین ۱۲۲)

آٹھویں صدی ہجری کے ہندوستانی معاشرے میں صوفیہ کی کرامات کو بہت مقبولیت حاصل تھی اور صاحب کرامت مشائخ ہی مشہور ہوتے تھے، شیخ بدر الدین سمرقندی پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اس ذہنیت کے خلاف عوام و خواص میں تبلیغ کی اور کرامت کی بجائے استقامت اور پابندیِ شرع شریف کی تلقین کی۔(مناقب الاصفیاء۱۲۲)

معاصر تذکروں میں شیخ بدر الدین سمرقندی کا سالِ وصال درج نہیں ہے، مفتی غلام سرور لاہوری نے ۷۱۶ھ / ۱۳۱۶ء لکھا ہے (خزینۃ الاصفیاء ۲/ ۲۸۵) انتقال کے بعد موضع سنکولہ (Sankolah) میں دفن ہوئے (سیر الاولیاء ۳۹۴، ذکر جمیع اولیاء دہلی ۲۳)

اس وقت شیخ بدر الدین سمرقندی کا مزار دہلی میں پہلوی شمال مشرقی کوٹلہ فیروز شاہ دروازہ شاہ جہان آباد میں ہے۔ مزار پر ایک کتبہ بھی نصب ہے (تعلیقہ بر ذکر جمیع اولیاء دہلی ۱۸۰)

پاکستان و ہند میں سلسلہ فردوسیہ کے موسس شیخ بدر الدین سمرقندی ہی تھے۔(مرآۃ الاسرار ۲۷۰) خواجہ رکن الدین فردوسی (ف ۷۲۴ھ / ۱۳۲۴ء) شیخ بدر الدین سمرقندی کے خلیفہ تھے۔(اخبار الاخیار ۱۱۷، تاریخ سلسلۂ فردوسیہ ۱۲۱۔۱۲۶) جن کے جانشینوں میں خواجہ نجیب الدین فردوسی (ف ۷۳۳ھ / ۱۳۳۳ء) مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے مرشد کی حیثیت سے خاص شہرت رکھتے ہیں۔

مآخذ

۱۔ ابو المفاخر یحییٰ باخرزی: اوراد الاحباب و فصوص الآداب مرتبہ ایرج افشار۔ تہران، ۱۳۴۵ش

۲۔ امیر خورد: سیر الاولیاء، اسلام آباد، ۱۹۷۸ء

۳۔ جمالی، حامد بن فضل اللہ: سیر العارفین ترجمہ و تعلیقات محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۷۶ء

۴۔ حبیب اللہ: ذکر جمیع اولیاء دہلی مرتبہ شریف حسین قاسمی، ٹونک، ۱۹۸۷ء

۵۔ حمید شاعر قلندر: خیر المجالس مرتبہ خلیق احمد نظامی، علی گڑھ، ۱۹۵۹ء

۶۔ دردائی، معین الدین: تاریخ سلسلۂ فردوسیہ، گیا، ۱۹۶۲ء

۷۔ شعیب فردوسی: مناقب الاصفیاء، اُردو ترجمہ مطبوعہ جام شورو، سندھ، ۲۰۰۵ء

۸۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، دہلی ۱۳۳۲ھ

۹۔ عبدالرحمٰن چشتی: مرآۃ الاسرار، خطی مملوکہ مولوی محمد یعقوب فراہی، کوئٹہ

۱۰۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، لکھنو، ۱۸۷۳ء

۱۱۔ محمد صادق ہمدانی کشمیری: کلمات الصادقین مرتبہ محمد سلیم اختر، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء

۵ جون ۱۹۹۷ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

شیخ رکن الدین فردوسی

شیخ رکن الدین بن شیخ عماد الدین فردوسی آٹھویں صدی ہجری / چودھویں صدی عیسوی کے سلسلۂ فردوسیہ کے مشائخ میں سے قابلِ ذکر شیخ تھے۔

شیخ رکن الدین کا سلسلۂ فردوسیہ سے تعلق تھا، شیخ نجم الدین کبریٰ (ف ۶۱۸ھ / ۱۲۲۱ء) اس کے موسس تھے، ان کے خلفاء میں سے شیخ سیف الدین باخزری (ف ۶۵۷ھ / ۱۲۶۰ء) کے خلیفہ شیخ بدر الدین سمرقندی نے اسے برِ صغیر پاکستان وہند میں متعارف کروایا، انہی شیخ بدر الدین کے مرید و خلیفۂ خاص شیخ رکن الدین فردوسی تھے، (اس سلسلہ کی تاسیس کے لیے دیکھیے لطائفِ اشرفی ۱ / ۳۵۱)

شیخ بدر الدین سمرقندی بڑے بزرگ تھے، انہیں شیخ نجم الدین کبریٰ کی صحبت بھی میسر آئی تھی اور خواجہ نظام الدین اولیاء کی مجلسِ سماع میں بھی شریک ہوتے تھے (اخبار الاخیار ۲۲۹)، انہی شیخ بدر الدین سمرقندی سے شیخ رکن الدین فردوسی کا تعلقِ خاطر تھا، جب سلطان معز الدین کیقباد (۶۸۶۔۶۸۹ھ / ۱۲۸۷۔۱۲۹۰ء) کیلو کھری (Kelukehri) نام کا شہر بسایا تو شیخ الدین فردوسی وہاں چلے گئے اور دریائے جون کے کنارے ایک خانقاہ بنوائی جہاں وہ دعوت و ارشاد میں مصروف ہو گئے (اخبار الاخیار ۲۲۹۔ ۲۳۰)، سید امیر خورد ساکن نوشاہنشہ (Nahenshah) ان کے علاقائی نانا تھے۔ جن کے خواب کی تعبیر کے سلسلہ میں شیخ رکن الدین کی تعلیم و تربیت شیخ بدر الدین سمرقندی نے کی، شیخ عماد الدین فردوسی کے دو لڑکے تھے، شیخ نظام الدین اور شیخ رکن الدین، سید امیر خورد نے اپنی بیٹی کا عقد انہی شیخ عماد الدین سے کیا جو اپنے بیٹے شیخ نظام الدین کو لے کر چلے گئے اور شیخ رکن الدین کو شیخ بدر الدین سمرقندی کے سپرد کر دیا جہاں انہوں نے کم سنی میں ان کے فرزندوں کے ساتھ پرورش پائی (تاریخ سلسلۂ فردوسیہ ۱۲۲)

شیخ رکن الدین فردوسی کی اعلیٰ پیمانے پر تعلیم و تربیت ہوئی تھی ان کے معاصر علماء ان سے حسد رکھتے تھے (مناقب الاصفیاء ۱۲۵)

قریب العہد ماخذ شمائل الاتقیاء میں شیخ رکن الدین کے بہت سے مناقب درج ہیں جن سے ان کے دعوت وارشاد اور اس عہد کی معاشرت پر ان کے گہرے اثرات کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے ایک خلیفہ شیخ نجیب الدین محمد فردوسی، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری (ف ۷۸۲ھ / ۱۳۸۰ء) کے ذریعہ سلسلہ فردوسیہ کو بہت فروغ ہوا، انہوں نے اپنے مکتوبات اور تصانیف کے ذریعہ اس سلسلہ کی تعلیمات کو عام کیا جس کی برِ عظیم پاکستان و ہند کی اسلامی تاریخ تصوف خاص اہمیت ہے۔

شیخ رکن الدین فردوسی کی تصانیف کا علم نہیں ہے عبدالصمد نے مناقب الاصفیاء (۱۲۶۔۱۲۸) میں ان کا ایک مکتوب جو توحید کے موضوع پر نقل کیا ہے۔

شیخ رکن الدین کی قبر شیخ محمود بہاری (تربیت یافتہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری) کے پہلو میں قصبہ کیلوکھری میں (کلمات الصادقین ۱۰۱) دریائے جون کے کنارے پر ہے (ذکر جمیع اولیاءِ دہلی ۲۳) اس وقت ان کا مزار مذکورہ قصبہ میں سکھوں کے گردوارہ کے نزدیک ہے (ایضاً تعلیقات ۱۸۲) یہ مقام بہت ہی پر فضا ہے روحانیت سے معمور (گلزارِ ابرار ۹۷) شیخ رکن الدین فردوسی کا وصال ۷۲۴ھ / ۱۳۲۴ء کو ہوا (خزینۃ الاصفیاء ۲/ ۲۸۶)

مآخذ

۱۔ جمالی، حامد بن فضل اللہ: سیر العارفین اُردو ترجمہ از محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۷۶ء

۲۔ حبیب اللہ: ذکر جمیع اولیاءِ دہلی، تحقیق و تعلیق شریف حسین قاسمی، ٹونک، ۱۹۸۸ء

۳۔ شاہ شعیب فردوسی: شمائل الاتقیاء (احوال مشائخ سلسلہ فردوسیہ)، جام شورو، سندھ، ۲۰۰۵ء

۴۔ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار، مرتبہ علیم اشرف خان، تہران، ۱۳۸۳ش

۵۔ عبدالصمد: اخبار الاصفیاء (مائیکروفلم در کتابخانہ مرکزی دانشگاہِ تہران)

۶۔ غوثی مانڈوی: اذکارِ ابرار ترجمہ گلزارِ ابرار، لاہور ۱۳۹۵ھ

۷۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: خزینۃ الاصفیاء، لکھنو، ۱۸۷۳ء

۸۔ محمد صادق ہمدانی کشمیری: کلمات الصادقین مرتبہ محمد سلیم اختر، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء

۹۔ معین الدین دردائی: تاریخ سلسلہ فردوسیہ، گیا، بہار ۱۹۶۲ء

۱۰۔ نظام غریب یمنی: لطائف اشرفی، دہلی، ۱۲۹۹ھ

۱۱۔ امیر خورد: کبیر الاولیاء دہلی ۱۳۲۲ھ

۱۲/ اکتوبر ۲۰۰۷ء

برائے دانشنامہ کشبہ قارہ

حضرت بابا اسحاق مغربی

بابا اسحاق مغربی صوفیہ کے سلسلۂ مغربیہ کے اہم افراد میں سے تھے۔

بابا اسحاق کے افرادِ خاندان دہلی میں رہتے تھے۔ جہاں ان کے مکانات وغیرہ تھے۔ بارہ سال کی عمر میں اپنے والدین سے رخصت ہوئے اور پیر طریقت کی جستجو میں نکل پڑے۔ مختلف طبقات کے چوالیس مشائخ سے ملاقات کی ان سب کی خدمت کی اور ان کے پاس رہ کر اپنے عادات و اطوار درست کیے ان سے خلافت نامے بھی حاصل کیے۔ عرصۂ دراز کے بعد واپس دہلی پہنچے سلطان محمد تغلق نے بہت تعظیم و تکریم سے رکھا لیکن دہلی میں لوگوں کے ہجوم سے گھبرا کر آپ وہاں سے چلے گئے اور اجمیر جا کر قیام کیا۔ پھر وہاں سے روضہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی زیارت کے بعد موضع کھٹو (Khatto ضلع ناگور میں مقیم ہو گئے جو اجمیر نے قریباً تیس کوس مغرب میں جودھ پور کے علاقے میں ہے (گلزارِ ابرار ۱۳۵۔۱۳۶)

بابا اسحاق، حاجی محمد کیمی مغربی کے مرید و خلیفہ تھے۔ جو مغربی سلسلۂ طریقت کے ساتھ اس طرح واصل ہوتے ہیں: بابا اسحاق مغربی خلیفہ شیخ محمد مغربی خلیفہ ابو العباس احمد قرشی خلیفہ ابی محمد صالح دکا کی خلیفہ ابو مدین شعیب بن حسین اشبیلی اندلسی (نزہۃ الخواطر ۲/ ۱۰۔۱۱) شیخ ابو مدین (ف ۵۹۰ھ / ۱۱۹۴ء) سلسلۂ مغربیہ کے موسس تھے، اکابر مشائخ نے ان سے اکتسابِ فیض کیا ان میں شیخ محی الدین ابن عربی بھی شامل ہیں، جنہوں نے اپنی تالیفات میں ان کے اقوال نقل کیے ہیں (سیر اعلام النبلا ۲۱/ ۲۱۹، نفحات الانس ۵۲۸۔۵۳۰) ان سے اس سلسلہ کی اشاعت اندلس، بجایہ (مغرب)، تلمسان اور مصر تک ہوئی۔ (Sufi Orders in Islam, p.47...)

بابا اسحاق، شیخ محمد کیمی مغربی کے خلیفہ تھے جنہوں نے ایک سو بیس سال کی عمر پائی اور چالیس مرتبہ، حج کی سعادت حاصل کی۔ اس سلسلے کے سارے افراد معمر ہوئے تھے اس وجہ سے ان حضرات کے واصل ہونے میں واسطے بہت ہی کم ہیں چنانچہ بابا اسحاق مغربی صرف پانچ واسطوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے واصل ہوتے ہیں (اخبار الاخیار ۱۵۷، گلزارِ ابرار ۱۳۵)

بابا اسحاق مغربی چند سال سے زیادہ اپنے شیخ کی خدمت میں نہیں رہے (گلزار ابرار ۱۳۵-۱۳۶) طویل سیاحت اور مشائخ سے استفادے کے بعد اپنے وطن مالوف دہلی پہنچے (ہمانجا ۱۳۵) جہاں کچھ عرصہ دعوت وارشاد کا سلسلہ جاری رکھا۔ شیخ احمد کھٹو گجراتی مغربی، دہلی ہی میں ان سے منسلک ہوئے اور پھر ان کے ساتھ ہی کھٹو چلے گئے۔ (اخبار الاخیار ۱۵۷، یادِ ایام ۸۷، گلزار ابرار ۱۳۶)

ابتداء میں بابا اسحاق مغربی نے بہت کم افراد کو حلقۂ ارادت میں داخل کیا بلکہ اسے پوشیدہ رکھا لیکن جب سلطان تغلق نے نیاز مندی کا اظہار کیا تو طالبوں کا اتنا ہجوم رہنے لگا کہ آپ دلی سے اجمیر اور پھر آخر میں کھٹو میں آ کر بس گئے۔ اسی مقام پر ساری عمر گذار دی اور ۷۷۶ھ / ۱۳۷۴ء میں وصال ہوا وہیں مدفون ہیں۔ (مجمع الابرار بحوالہ نزہۃ الخواطر ۲ / ۱۱، خزینۃ الاصفیاء ۲ / ۲۹۰) بابا اسحاق مغربی کا فارسی نثر میں علم سلوک پر ایک مختصر رسالہ رضا لائبریری رام پور نمبر ۸۶۵ میں محفوظ ہے (فہرست مخطوطات فارسی رضا لائبریری رام پور ص ۱۰۰)

مآخذ

۱۔ جامی، نور الدین عبد الرحمٰن: نفحات الانس مرتبہ محمود عابدی۔ تہران ۱۳۷۰ش

۲۔ ذہبی، شمس الدین محمد: سیر اعلام النبلاء مرتبہ بشار عواد معروف و محی ہلال سرحان۔ بیروت ۱۹۸۴ء

۳۔ عبد الحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار دہلی ۱۳۳۲ھ

۴۔ عبد الحی حسنی: نزہۃ الخواطر ج ۲ حیدر آباد دکن ۱۹۶۶ء

۵۔ ایضاً: یادِ ایام (تاریخ گجرات) لکھنو ۱۹۸۳ء

۔ شائستہ خان: فہرستِ مخطوطاتِ فارسی رضا لائبریری رام پور۔ پٹنہ ۱۹۹۵ء

۶۔ علی محمد خان: مرآۃ احمدی، خاتمہ مرتبہ نواب علی، بڑودہ ۱۹۳۰ء

اُردو ترجمہ باسم تاریخ اولیاء گجرات از ابو ظفر ندوی۔ احمد آباد، گجرات ۱۹۹۳ء

۷۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، لکھنو ۱۸۷۳ء

۸۔ غوثی مانڈوی: اذکارِ ابرار اردو ترجمہ گلزارِ ابرار از فضل احمد جیوری، لاہور ۱۳۹۵ھ

9- Trimingham, J.S: Sufi Orders in Islam, Oxford 1971.

۱۶ نومبر ۱۹۹۶ء

برائے دانشنامہ شبہ قارہ

تذکرہ علماء و مشائخ پاکستان و ہند اس میں تقریباً ۲۱۰ علماء و مشائخ کے تحقیقی احوال، ان کی تصانیف اور دعوت و عزیمت کی تاریخ میں ان کے کارنامے بیان کیے گئے ہیں، ان کی کتابوں کا پہلی بار تعارف کروایا گیا ہے، تقریباً پانچ سو مخطوطات کے حوالے اور ان سے براہِ راست استفادہ کیا گیا ہے اور ہزاروں نادر الوجود مطبوعات کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ علماء کے علاوہ سلسلۂ چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ، مغربیہ، رفاعیہ اور نقشبندی صوفیہ کے تحقیقی حالات بیان کیے گئے ہیں۔ ان کی نایاب تحریرات کے عکس بھی شامل کتاب ہیں۔

اس کتاب کے مولف **پروفیسر محمد اقبال مجددی** بیس تحقیقی کتابوں کے مولف و مرتب ہیں، جن میں سے مقامات مظہری، مقامات معصومی، حدیقۃ الاولیاء، لطائف المدینہ، حسنات الحرمین، احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری، ملفوظات شاہ غلام علی دہلوی اور تذکرہ خواجہ حسام الدین احمد کو علمی دنیا میں شہرت حاصل ہے۔

اس کے علاوہ تقریباً ایک ہزار تحقیقی مقالات دنیا کے موقر رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔

پروگریسو بکس
یوسف مارکیٹ ० غزنی سٹریٹ
اردو بازار ० لاہور
فون 042-37124354 فیکس 042-37352795
پروگریسو بکس